معصوم چڑیل

1

ایم اے راحت

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ زمانہ قدیم میں جو لوگ زندگی گزار گئے، وہ خوش نصیب تھے۔ اس وقت انسان اتنا خراب نہیں تھا لوگ ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے ہر شخص اپنا ایک مقام رکھتا تھا اور دوسرے اس مقام کو تسلیم کرتے تھے لیکن اب، اب میں کیا کروں، دنیا ایک دوسرے کو کہہ رہی ہے میرے کچھ کہنے سے کون سا فائدہ ہو جائے گا۔ میں آپ کو سیدھے سیدھے شیروں کے اس خاندان کے بارے میں بتاتا ہوں جو گڑھی گلاب کے نواحی گاؤں ہرمورا میں آباد تھا۔ گڑھی گلاب اور ہرمورا نواب شاہ کے مغربی سمت کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد آتے ہیں اور ان سے کچھ فاصلے پر دریائے سندھ گزرتا ہے اور ہرمورا کے پاس ایک بہت بڑی نہر گاواں کے نام سے بہتی ہے۔ ہرمورا کے جنوب مشرق میں ہمارے دو باغ تھے اور ان باغوں کے آم سال بھر پہلے بک ہو جاتے تھے۔ دور دراز کے وڈیرے ان آموں کو بک کرلیا کرتے تھے، ایک دوسرے کو تحفے دینے کے لئے، سرکاری عہدے داروں کو ڈالی پیش کرنے کے لئے بہت اچھی رقم مل جاتی تھی اور بڑی باعزت زندگی گزر جاتی تھی۔ میرے والد سائیں علی شیر ایک اچھے اور نیک فطرت آدمی تھے، ماں باپ اور میں، ہمارا خاندان بہت ہی چھوٹا سا تھا جبکہ ہماری حویلی جو کچی حویلی کے نام سے مشہور تھی کافی بڑی تھی اور اس میں بے شمار کمرے تھے۔ ہمارا خاندان اور بھی پھیلا ہوا تھا لیکن سب سے زیادہ مجھے اپنی خالہ سے محبت تھی، جو ہرمورا کے تھوڑے فاصلے پر رہتی تھیں۔ خالو واصف علی چھوٹا سا کاروبار کرتے تھے، درمیانے درجے کے لوگ تھے۔ اکثر میں خالہ کبریٰ کے ہاں جاتا رہتا تھا اور وہ بھی ہمارے ہاں بہت آتی تھیں۔

میرے والد علی شیر ویسے تو ایک زمیندار تھے، پھلوں کی آڑھت بھی کرتے تھے لیکن ایک بڑی عجیب بات تھی انہیں فن مصوری سے بھی دلچسپی تھی اور جب بھی انہیں فراغت ہوتی تصویریں بنایا کرتے تھے۔ میرے دل میں بھی اس فن کو حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا، باپ کو کام کرتے دیکھتا تھا۔ میرے والد شہر جاکر رنگ و روغن برش اور تصویریں بنانے کا دوسرا سامان خرید کر لاتے تھے۔ میرے بارے میں انہوں نے یہی فیصلہ

کیا تھا کہ مجھے ٹھیک ٹھاک تعلیم دلائی جائے۔ بظاہر ہمارے پاس کوئی بہت بڑی دولت یا جائیداد نہیں تھی' لے دے کر آموں کے یہ دو باغ اور کچی حویلی' بس یہی ہمارا سرمایہ تھا لیکن یہ سرمایہ بھی اتنا تھا کہ اگر خدا نہ کرے کبھی کوئی بری صورت حال ہو تو یہ سرمایہ ہمیں اچھی خاصی مدد دے سکتا تھا لیکن میں جس عمر میں تھا اس میں ابھی یہ ساری باتیں سوچنے کی گنجائش نہیں تھی اور میں پُرسکون زندگی گزار رہا تھا۔ ہرمورا بے شک ایک چھوٹا سا گوٹھ تھا لیکن وہاں جو سکول کھلا ہوا تھا وہ بہت اچھا تھا۔ اس سکول کے ہیڈ ماسٹر سائیں اللہ رکھا تھے اور سائیں اللہ رکھا تعلیم کے معاملے میں بڑے مخلص انسان تھے۔ ان کی بڑی داستانیں ہیں جو موقع ہوا تو آپ کو ضرور سناؤں گا' اصل موضوع سے نہیں ہٹنا چاہتا۔

کہانی کا پہلا حصہ' یہ ایک شام ہے جہاں سے اس پُراسرار کہانی کا آغاز ہوا' اس شام والد صاحب شہر سے واپس آئے تھے اور ان کی طبیعت کافی خراب تھی۔ بہت ہی پریشان نظر آرہے تھے' گھر میں اچھا خاصا ہنگامہ ہوگیا' بے شک میری عمر زیادہ نہیں تھی لیکن اتنی تو تھی کہ گھر والوں کی پریشانی کو سمجھ سکتا۔ فوراً ہی خالو واصف اور خالہ کبریٰ کو بلالیا گیا' ہمارے ہاں ہر اچھے برے میں یہ دونوں سب سے پیش پیش ہوا کرتے تھے۔ خالو واصف تو بہت ہی مخلص آدمی تھے اور میرے والد ان پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ بہرحال خوب ہنگامہ آرائی ہوئی اور دوسرے دن والد صاحب کی طبیعت کافی خراب ہوگئی' غالباً خالو واصف ڈاکٹر کو بھی بلا کر لائے تھے اور ڈاکٹر والد صاحب کو مکمل آرام کا مشورہ دے کر گئے تھے۔ میں گھر کے اس سارے ہنگامے میں پوری طرح ملوث تھا' لیکن لوگ مجھے بچہ سمجھ کر نظرانداز کئے ہوئے تھے اور جب میری قوت برداشت جواب دے گئی تو میں نے والد کے کمرے میں جاکر کہا۔ "آخر مجھے کیوں نہیں بتایا جاتا کہ کیا قصہ ہے ابا کیوں بیمار ہوگئے ہیں؟"

"ادھا یہ تمہارے مطلب کی باتیں نہیں ہیں۔" میری والدہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں دوسروں سے جاکر معلوم کروں گا' آپ لوگ تو بس مجھے ہربات یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ یہ میرے مطلب کی بات نہیں ہے۔ مطلب آخر ہوتی کیا چیز ہے ابا سائیں بیمار ہوئے ہیں اور آپ مجھے بتاتی نہیں ہیں کہ اچانک انہیں کیا ہوگیا ہے۔"

خالہ کبریٰ بیٹھی ہوئی تھیں کہنے لگیں۔ "بیٹے میں تمہیں بتاتی ہوں تمہارے چاچا گلاب نے تمہارے ابا کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ وہ ویسے ہی برا آدمی ہے اس نے بابا سائیں کے دونوں باغ بیچ دیئے ہیں' اس نے دھوکے سے بابا سائیں سے دستخط کرالئے تھے

اور بابا علی شیر کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ جن کاغذات پر وہ دستخط کر رہے ہیں' وہ باغوں سے دستبرداری کے کاغذات ہیں' یہ باغات سائیں علمدار حسین کو بیچ دیئے گئے ہیں اور اب وہ ان کے مالک بن گئے ہیں۔ سائیں علمدار حسین بہت بڑے وڈیرے ہیں ان کے خلاف کیس بھی نہیں لڑا جاسکتا' یہ پریشانی ہے بہت بڑا نقصان ہوگیا ہے۔"

"چاچا گلاب تو ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔" میں نے اپنی معلومات کے تحت کہا۔

"نہیں ادھا وہ ملک میں ہی ہے اور یہیں رہ کر اس نے یہ سارا کام کیا ہے وہ بہت برا ہے۔"

چاچا گلاب کے اور میرے والد کے تعلقات بہت خراب تھے' مجھے اس کے بارے میں یہ بات معلوم نہیں تھی کہ کئی سال پہلے جب میں ناسمجھ تھا۔ چاچا گلاب ادھر ہی رہتا تھا اور وہ برا آدمی تھا جادو ٹونے اور عملیات سے اسے بہت دلچسپی تھی اور وہ اسی میں پھنسا رہتا تھا جبکہ سائیں علی شیر اس بات کو ناپسند کرتا تھا۔ دونوں میں اکثر جھگڑا رہتا تھا' چاچا گلاب گھر کے سارے زیورات لے کر بھاگ گیا۔ سال بھر تک اس کا پتہ نہیں چلا' سال بھر کے بعد وہ پھر واپس آیا اور معافی تلافی کرکے ادھر ہی رہنے لگا۔ بھائی تھا اس لئے سائیں علی شیر نے اسے معاف کردیا اور کوئی ایسی بات نہیں کہی جو اس کے بہت زیادہ خلاف ہوتی لیکن کوئی چار مہینے کے بعد ایک بار پھر اس کے ہاتھ باغوں کی وصولیابی کی رقم لگ گئی اور وہ اسے لے کر چلا گیا۔

بس اس کے بعد وہ واپس نہیں آیا تھا' بلکہ اس کے بارے میں خبریں ہی ملتی رہتی تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ ملک سے باہر چلا گیا ہے' کوئی کہتا تھا کہ وہ اپاہج ہوگیا ہے اور کہیں بھیک مانگتا ہے۔ مگر ابا سائیں اس سے اتنا ناراض ہوگئے تھے کہ انہوں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پھر جب مجھے سمجھ آئی تو میں نے اپنے چاچا کا نام ہی سنا تھا' اسے دیکھا نہیں تھا' بچپن کی اس کی کوئی تصویر میرے ذہن میں نہیں تھی اور اب میں نے اس کے بارے میں یہ کہانی سنی تھی۔ بہرحال اس کے بعد مقدمہ چلا لیکن سائیں علمدار نے میرے ابا سے کہا کہ یہ باغ قانونی طور پر انہیں فروخت کئے گئے ہیں' وہ مقدمہ ہار جائیں گے بہتر ہے کہ ایسی کوئی کارروائی نہ کریں۔ اپنے بھائی کو اگر گرفتار کرانا چاہیں تو کرا دیں باغ اب واپس نہیں ملیں گے۔ اس بات نے میرے باپ کے دل پر گہرا اثر کیا تھا اور ان کی حالت اس کے بعد بہتر نہیں ہوسکی۔ ہمارے بہت سے کرم فرما تھے جنہوں نے بابا سائیں کے لئے ہر طرح کی پیش کشیں کیں۔ انہیں سمجھانے بجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن بابا سائیں کے دل پر باغوں کی جدائی کا ایسا گہرا داغ پڑا تھا کہ وہ

ٹھیک نہیں ہوسکے اور آخر کار ان کی حالت زیادہ سے زیادہ خراب ہوتی چلی گئی۔

میں بڑی الجھن میں مبتلا تھا جس سکول میں' میں پڑھتا تھا وہاں کے ہیڈ ماسٹر صاحب جن کا میں تذکرہ کرچکا ہوں' مجھ سے اظہار ہمدردی کرتے رہتے تھے۔ چاچا گلاب کو وہ بہت برا بھلا کہتے تھے کہ علی شیر جیسے شریف آدمی کو چاچا گلاب نے بدترین نقصان پہنچایا ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے کہا گل شیر تم نے کبھی اپنے چاچا کو دیکھا ہے؟

"نہیں استاد صاحب میں نے بس اس کا نام سنا ہے۔"

"وہ صورت سے ہی کالا جادوگر معلوم ہوتا ہے' سنا ہے کہ بڑے جادو ٹونے سیکھ رہا ہے شروع میں میرے پاس آکر بیٹھتا تھا کہ اپنے علم سے کام لے کر آخر کار ایک دن وہ بہت بڑا آدمی بن جائے گا اور اتنی دولت اکٹھی کرلے گا کہ لوگ دیکھیں گے۔ اس نے کہا تھا کہ گوٹھ ہرمورا پورا کا پورا نہ خرید لیا تو میرا نام گلاب شیر نہیں ہے۔"

بہرحال چاچا گلاب شیر کے بارے میں میرے ذہن میں نفرت کا ایک احساس پیدا ہوگیا' اس کی وجہ سے میرے بابا سائیں اتنے بیمار ہوگئے تھے۔ میں بابا سائیں کو دیکھتا تھا بڑے تروتازہ ہوتے تھے' لمبے چوڑے بدن کے مالک لیکن اب ان کے چہرے کی ہڈیاں ابھرتی چلی آرہی تھیں اور چہرہ پیلا پڑتا جارہا تھا۔ بڑوں کی باتوں میں تو دخل دینا اچھا نہیں لگتا تھا لیکن ایک دن میں نے اپنے خالو واصف کو خالہ کبریٰ سے باتیں کرتے سنا۔

"کبریٰ میں ایسی باتوں پر یقین تو نہیں رکھتا لیکن یہ بات میرے دل میں بہت زیادہ ہے کہ گلاب شیر نے کوئی جادو وغیرہ بھی کرایا ہے علی شیر پر تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہوسکے اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرسکے۔ وہ بڑا خطرناک آدمی ہوگیا ہے دین ایمان کھو بیٹھا ہے اور بس ایسے ہی کام کرتا ہے۔"

"تو پھر ہم کیا کریں' کسی کو دکھائیں۔ بابا کسی سے جھگڑا مول لینا بھی تو آسان نہیں ہے اور وہ بھی ایک شیطان سے جو جادوگر بھی ہے اور اس کا جادو ہمیں بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔" خالہ خاموش ہوگئی تھی کچھ دیر سوچتی رہی تھی پھر اس نے کہا کیا میں اپنی بہن سے یہ تذکرہ کروں؟

"ارے نہیں نہیں تم زمانے کا حال نہیں سمجھتی ہو کہیں گے تو ہم اچھائی کے لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بہن یہ سوچے کہ ہم کسی لالچ کی وجہ سے یہ الفاظ کہہ رہے ہیں اور گلاب سے کوئی جھگڑا کرانا چاہتے ہیں۔" بات میری خالہ کی سمجھ میں آگئی تھی۔ انہوں نے کہا۔

"خیر ہمیں کیا لالچ ہوسکتا ہے اللہ میری بہن بہنوئی کو زندہ سلامت رکھے اس کے

علاوہ ہمیں اور کوئی لالچ ان لوگوں سے نہیں ہے۔"

"پھر بھی بابا تھوڑا سا خیال تو رکھنا پڑتا ہے بس اتنا ہی کافی ہے چلو چھوڑو دعائیں کرسکتے ہیں ہم اور جو کچھ ہماری اپنی حیثیت ہے اسی کے مطابق کرسکتے ہیں۔ ضرورت سے زیادہ آگے بڑھ کر کسی مسئلے میں قدم اٹھانا خطرناک ہی ہوسکتا ہے۔"

میں نے یہ تمام باتیں سنیں اور اسی شام میں نے اپنی والدہ سے کہا۔ "چاچا گلاب کے بارے میں' میں نے بہت سی باتیں سن لی ہیں' آپ اب بھی مجھے ان کے بارے میں نہیں بتاؤ گی ماں۔"

"بیٹے بس میں کیا بتاؤں وہ ایک اچھا آدمی نہیں ہے اور بڑی خراب صورت حال ہے۔ تمہارے ابا دیکھ لو کس بری طرح بیمار ہوگئے ہیں ابھی تو اس کی باتیں ایک ایک کرکے سامنے آرہی ہیں۔ اس نے دونوں باغ بیچ دیئے اور اب ایک نئی اطلاع ملی ہے جس نے ہماری دن رات کی نیندیں حرام کردی ہیں وہ اطلاع یہ ہے کہ اس نے یہ حویلی بھی گروی رکھ دی ہے اور یہ بھی سائیں علمدار کے پاس گروی ہے۔ اصل میں سائیں علمدار کا بھی ایک جھگڑا چل رہا ہے تمہارے ابا سے' انہوں نے ایک دفعہ منہ مانگی رقم پر یہ دونوں باغ خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ بہت بڑے وڈیرے ہیں وہ۔ تمہارے ابا نے منع کردیا' ان باغوں پر بہت سے بڑے لوگوں کی نظر ہے کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ ان کے آم بکتے نہیں ہیں بلکہ تحفے میں بڑے بڑے لوگوں کو پیش کئے جاتے ہیں۔"

بہرحال یہ ساری باتیں اس طرح میرے سامنے آئیں تو میں نے اماں سے کہا' مگر اب کیا ہوگا؟ کیا سوچ سکتا تھا خاموش ہوگیا۔ مجھے یہ بات معلوم تھی کہ بابا سائیں نے فن مصوری کے شوق میں اپنے سارے خاندان کی تصویریں بنائی ہیں' اپنے چچا کی تصویر دیکھنے کا خیال میرے دل میں بہت زیادہ پیدا ہوگیا تھا۔

ایک دن میں نے خالو واصف سے بھی کہا۔ "خالو جان چچا گلاب شیر نے ہمارے گھر کو غم سے بھردیا ہے میں ان کی صورت دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تمہارے ابا کے نگار خانے میں گلاب شیر کی تصویر بھی موجود ہے ویسے اس قابلِ نفرت انسان کو دیکھ کر تم کیا کروگے؟"

خالو واصف کے چہرے پر نفرت کے آثار ابھر آئے۔ بہرحال میرے چچا گلاب شیر کے بارے میں سب لوگوں کا ایک ہی خیال تھا کہ وہ ایک منحوس جادوگر اور شیطان قسم کا آدمی ہے اور اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنا اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ بہرحال میرے دل میں بھی چچا گلاب شیر کے لئے شدید نفرت پیدا ہوگئی تھی۔ کبھی

کبھی میں یہ سوچا کرتا تھا کہ آخر یہ شخص کیسا ہوگا جس سے لوگ خوفزدہ بھی ہیں اور ناراض بھی' کاش میں اسے دیکھ سکتا۔ پھر ایک دن میرے ذہن میں یہ بات شدت سے جڑ پکڑ گئی کہ میں اپنے والد کے نگار خانے میں داخل ہوکر اپنے دادا پردادا کی تصویریں بھی دیکھوں اور ساتھ ہی چچا گلاب کی تصویر بھی۔ نگار خانے کے دروازے پر ہر وقت ایک موٹا سا زنگ آلود تالا پڑا رہتا تھا لیکن ایک دن میں نے اس تالے کی چابی اس گچھے میں سے نکال لی جس میں بہت سی چابیاں پڑی ہوئی تھیں۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ چابی کون سی ہوسکتی ہے' اس چابی کو لے کر میں کتب خانے کے دروازے سے اندر داخل ہوا اور تالا کھول کر اندر چلا گیا۔ پہلی بار میں نے اس دروازے کو دیکھا تھا' بوسیدہ اور پرانی کتابوں کی بدبو کمرے میں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور اسی کتب خانے کی دیواروں پر ہمارے خاندان کے بزرگوں کی بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ یہ روغنی تصویریں تھیں اور ان کے گرد موٹی تہہ جم گئی تھی' مجھے ان چیزوں سے بڑی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے پہلی بار اس نگار خانے یا کتب خانے کا بھرپور طریقے سے جائزہ لیا تھا اور مجھے یہ جگہ بڑی عجیب وغریب محسوس ہوئی تھی۔ بہرحال میں نے ایک کپڑا حاصل کیا اور پھر ایک میز پر چڑھ کر میں نے ان تصویروں پر سے گرد جھاڑی اور سب کو غور سے دیکھنے لگا۔ ان میں میرے دادا' پردادا اور خاندان کے کئی دوسرے افراد کی تصویریں تھیں جن کے نیچے ان کے نام تحریر تھے اور ان ناموں سے میں ان تصویروں کو شناخت کر رہا تھا۔ ان تمام تصویروں کو دیکھتا ہوا جب میں کمرے کی مشرقی دیوار کے قریب پہنچا تو سیاہ رنگ کی لکڑی کے ایک بہت ہی خوبصورت فریم میں لگی ہوئی چچا گلاب کی تصویر دکھائی دی اور ایک لمحے کے لئے میرے وجود میں سناٹے پھیل گئے۔

مجھے یوں لگا جیسے کسی نظر نہ آنے والی طاقت نے میرے پاؤں پکڑ لئے ہیں میرے پیروں کی جان اس طرح نکلتی ہوئی محسوس ہوئی جیسے کسی بوتل میں سے پانی نکل جاتا ہے اس تصویر کو دیکھتے ہی میرے دل میں دہشت اور خوف کے ساتھ ساتھ بے انتہا اور کراہت کے جذبات پیدا ہوئے' تصویر میں جو شخص کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس کی شکل وشباہت اور حلئے سے لگتا تھا کہ کوئی بہت ہی چالاک اور مکار آدمی ہے۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں' چہرے کی مناسبت سے کہیں بڑی ناک اور انتہائی تنگ پیشانی' بڑے بڑے کان جن پر بال اُگے ہوئے تھے۔ پتلے پتلے اور بھنچے ہوئے سرخ ہونٹ جن پر ایک مکار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور واقعی یہ شخصیت تصویر میں دیکھنے سے ہی شیطان کا دوسرا روپ معلوم ہوتی تھی اور اسے دیکھ کر انسان کسی بھی طرح اپنی نفرت پر قابو نہیں پاسکتا

تھا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور نفرت بھرے لہجے میں بولا تو تم ہو وہ جس نے ہمارے اچھے خاصے ہنستے بولتے گھر کو مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے' میں تمہیں یہاں اس طرح نہیں چھوڑوں گا' میں تم سے اپنے باپ کی بیماری کا بدلہ لوں گا۔ نہ جانے میرے ذہن میں کس طرح کی نفرت بیٹھی تھی کہ تصویر سے خوف کے باوجود میں نے دل میں فیصلہ کرلیا کہ میں اس تصویر کو یہاں نہیں چھوڑوں گا۔ اس وقت تو خیر اسے کوئی نقصان پہنچانا ممکن نہیں تھا لیکن دوسرے ہی دن میں نے ایک لمبا سا چاقو ہاتھ میں لیا اور ایک بار پھر چابی سے تالا کھول کر اس نگار خانے میں داخل ہوگیا۔ میز پر چڑھ کر میں نے تصویر پر چاقو سے بہت سے وار کئے اور اس تصویر کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ میرے پورے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے لیکن ایک عجیب سا جنون میرے دل میں پیدا ہوگیا تھا۔

ٹکڑے ٹکڑے ہونے والی تصویر کو فریم سے کھینچ کر میں نے اپنے قبضے میں کیا اور پھر اسے لے کر باہر آگیا۔ حویلی کے مغربی گوشے میں ایک جگہ میں نے سوکھی لکڑیاں جمع کیں اور آگ روشن کر کے تصویر کو اس میں ڈال دیا' خالو واصف نہ جانے کس طرح ادھر نکل آئے تھے۔ انہوں نے مجھے یہ عمل کرتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے میرے پاس پہنچ گئے اور بولے' ارے یہ کیا جلا رہے ہو تم؟ میں نے نفرت بھری آنکھوں سے تصویر کے اس ٹکڑے کو دیکھا جس میں چچا گلاب کی آنکھ کا ایک حصہ نظر آرہا تھا' اسی وقت خالو واصف نے آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا۔

"ارے یہ تو کینوس ہے اور یہ آگ اوہو یہ تو گلاب کی تصویر ہے۔"

"میں نے اسے فریم سے نکال لیا اور اس کا فریم بھی برباد کردیا ہے' میں نے اپنے باپ کا بدلہ لیا ہے۔"

خالو واصف کے چہرے پر فکرمندی کے آثار پھیل گئے۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔ "یہ شاید تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"میں نے بالکل اچھا کیا ہے اور اس سلسلے میں' میں کسی سے معذرت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔" چھوٹے سے منہ سے اتنی بڑی بات سن کر خالو واصف خاموش ہوگئے۔ انہوں نے تصویر کا وہ ٹکڑا بھی آگ میں ڈال دیا اور تصویر چڑمر ہوکر راکھ بن گئی لیکن نہ جانے کیوں میں نے خالو واصف سے اس بارے میں سوال کر ڈالا کہ انہیں یہ تشویش کیوں ہے۔ بس بہت سے احساسات دل میں ہوتے تھے اور کبھی کبھی تو ان کی ادائیگی کے لئے صحیح الفاظ تک نہیں ہوتے تھے۔ پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ایک صبح لی ثیر کا انتقال ہوگیا' میں یتیم ہوگیا اور گھر میں کہرام برپا ہوگیا۔ والد صاحب اس طرح زمین

بوس ہوئے تھے کہ پھر زندگی نہ پا سکے' پھر اس وقت جب ان کا جنازہ تیار کر کے قبرستان لے جایا جا رہا تھا تو ایک ٹیکسی دروازے پر آ کر رکی اور اس سے چچا گلاب شیر باہر نکلا۔ وہ عجیب وغریب قسم کا لباس پہنے ہوئے تھا جیسے کالی کفنی ہوتی ہے اس نے سر پر ایک عجیب سے انداز کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ دبلا پتلا جسم لیکن اس کے انداز میں ایک عجیب سی کیفیت تھی' یوں لگ رہا تھا جیسے اسے دیکھ کر وہاں موجود سارے لوگ مسحور ہو گئے ہوں' ایک عجیب سا سناٹا چھا گیا تھا۔

میں نے ایک نگاہ میں اپنے چچا کو پہچان لیا تھا' اگر میں اس کی تصویر نہ دیکھتا تو شاید میرے ذہن میں اس کا کوئی نقش نہ ابھرتا' اس وقت میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کس ردعمل کا اظہار کرنا چاہئے۔ البتہ جو کچھ میں دیکھ رہا تھا اسے اچھی طرح محسوس بھی کر رہا تھا' چچا کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں خوب چمک رہی تھیں اور کوئی بھی اس سے آنکھ نہیں ملا پا رہا تھا۔ اس نے کسی سے کوئی لفظ نہ کہا اور قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ "جنازہ نیچے رکھ دو' میں اپنے بھائی کا آخری دیدار کرنا چاہتا ہوں۔" کچھ ایسا انداز تھا اس کا اور کچھ ایسی بات تھی کہ گہوارہ نیچے رکھ دیا گیا اور ایک شخص نے کفن کا اوپری حصہ کھول کر والد صاحب کا چہرہ نمایاں کر دیا۔ چچا نے سرہانے کھڑے ہو کر والد کے چہرے پر ایک نظر ڈالی' اصولی طور پر میں بھی جانتا تھا کہ ایسے موقع پر چہرے پر تاسف اور غم کے آثار ہوتے ہیں لیکن یہ بات میں نے اچھی طرح دیکھی تھی کہ چچا کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ جس میں طنز کا عنصر نمایاں تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ دیکھا مجھ سے ٹکر لینے کا نتیجہ' پہلے ہی کہتا تھا کہ تعاون کرو اور وہ عمل کرو جو تمہارے لئے مناسب ہو لیکن تم نہ مانے اور زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بہرحال لوگ الگ تھلگ کھڑے ہوئے تھے حالانکہ وہ میرے باپ کا بھائی تھا' لوگ اصولی طور پر اس سے تعزیت کرتے۔ یہی مناسب تھا لیکن سب نے خاموشی اختیار کی' کچھ لمحے وہ والد صاحب کا چہرہ دیکھتا رہا' پھر اس نے اپنا داہنا ہاتھ اٹھایا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑایا۔ غالباً کہا تھا کہ چہرہ ڈھک دو اس کے بعد اس کی نگاہیں مجھے تلاش کرنے لگیں' اس نے اِدھر اُدھر نگاہیں گھمائیں اور اس کے بعد اس کی چھوٹی چھوٹی شاطر آنکھیں میری جانب اٹھ گئیں۔ ایک لمحے تک وہ اپنی خوفناک چمکدار آنکھوں سے گھورتا رہا' مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان آنکھوں سے ایک برقی رو میرے بدن میں پیوست ہو رہی ہو۔ مجھے اپنے جسم میں ایک عجیب سی ٹھنڈک کا احساس ہوا حالانکہ موسم گرم تھا اور ٹھنڈک کا کوئی تصور بھی نہیں ابھر سکتا تھا' لیکن یہ شیطان کی آنکھیں تھیں اور شیطان کی آنکھیں مجھے گھور رہی

تھیں۔ پھر وہ ایک ایک قدم کر کے میرے قریب پہنچا اور میرے سامنے آ کھڑا ہوا' ایک بار پھر اس کے باریک باریک ہونٹوں پر وہی مکروہ مسکراہٹ ابھری اور اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

"آہ تم یتیم ہو گئے میرے بچے' بن باپ کے ہو گئے تم۔ اب اس دنیا میں کوئی تمہارا پرسان حال نہیں ہے' اسی لئے تمہیں اپنے چچا پر انحصار کرنا پڑے گا لیکن میں جانتا ہوں کہ لوگ تمہیں مجھ تک آنے نہیں دیں گے' البتہ فکر نہ کرو میرا چہرہ اپنی نگاہوں میں رکھو۔ جو کچھ میں حاصل کرنا چاہتا ہوں اگر اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو میں تمہیں خود آنے کی دعوت دوں گا۔ خیال رکھنا چاہے اس کے لئے صدیاں کیوں نہ گزر جائیں بس تمہیں یہ کام کرنا ہے کہ میرا چہرہ اپنی نگاہوں میں رکھنا مجھے بھولنا مت۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور گھوم کر واپس ٹیکسی کی جانب چل پڑا' پھر وہ ٹیکسی میں بیٹھا اور ٹیکسی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی' سب لوگ ٹیکسی کو جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اس دوران لوگوں کا انداز بہتر نہیں تھا' اس کے جانے کے بعد پتہ نہیں کس نے کیا کہا' میری سمجھ میں تو کوئی بات نہیں آئی۔ بہرحال جنازہ چلا گیا اور میں خاموشی سے جنازے کے ساتھ ساتھ چل پڑا' خیال تھا کہ والد صاحب کی موت کے بعد کوئی ایسا عمل ضرور ہو گا جو تکلیف دہ ہو اور واقعی ایسا ہی ہوا۔

میری والدہ شدید بیمار رہنے لگیں اور اس وقت جب گروی رکھی ہوئی کوٹھی کو واپس نہ لیا جا سکا اور وہ رقم نہ ادا کی گئی جو اس کوٹھی کے عوض لی گئی تھی تو ان لوگوں نے کوٹھی پر قبضہ کر لیا اور ہمیں اس سے بے دخل کر دیا۔ اس وقت خالو واصف ہی ہمارا واحد سہارا تھے اور وہی ہمارے لئے ایک عظیم ذریعہ بنے۔ ورنہ نہ جانے ہمیں کہاں کہاں ٹھوکریں کھانی پڑتیں اور ہماری خالہ کبریٰ والدہ کو اپنے گھر لے گئیں' لیکن جنھوں نے شوہر کی زندگی میں عیش کئے ہوں وہ اس طرح دوسروں کے در پر پڑ کر کہاں خوش رہ سکتی تھیں۔ والدہ تو تھوڑے ہی دن زندہ رہیں اور اس کے بعد دنیا سے سدھار گئیں۔ ماں باپ کی موت کے بعد خالہ کبریٰ اور خالو واصف نے درحقیقت میرے ماں باپ ہی کا کردار ادا کیا' مجھے سکول کے بعد کالج تک پہنچایا گیا اور میں تعلیم حاصل کرنے لگا۔ زندگی کے بہت سے دن اور رات بھولنے پڑتے ہیں' بے شک وقت خود اپنا کردار ادا کرتا ہے اور اپنی کہانیاں دہراتا ہے لیکن کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جنہیں انسان کبھی نہیں بھول سکتا۔ میں نہ تو اپنے چچا کو بھولا تھا نہ اپنے والدین کے ساتھ گزرے ہوئے واقعات کو۔ رات کی تاریکیوں میں جب بھی اپنے آپ کو خوابوں میں گم کرنے کا موقع ملتا میں ہمیشہ

ایک خواب ضرور دیکھا کرتا تھا۔ یہ ایک ڈرامائی سچویشن تھی بہت سی کہانیوں کتابوں کا ماخذ کہ میں گوٹھ ہرمورا پہنچا ہوں اور اس کے بعد میں نے اپنی حویلی اور باغات واپس خرید لئے ہیں۔ لوگ داد و تحسین کے ڈونگرے برسا رہے ہیں کہہ رہے ہیں کہ دیکھو اولاد ہو تو ایسی یہ ہوتا ہے عزم' اسے عزم کہتے ہیں کہ کسی نے نقصان کیا وقت نے سب کچھ چھین لیا لیکن ہونہار بیٹے نے آخر کار ماں باپ کی نشانی واپس حاصل کرلی۔ بس یہ خواب ہوا کرتے تھے جو میں دیکھتا تھا' لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی تعلیم پر میری توجہ تھی' البتہ تقدیر ذرا صورت حال کا مختلف انداز میں تجزیہ پیش کر رہی تھی' یعنی یہ کہ جو کچھ میں چاہ رہا تھا وہ نہیں ہو پارہا تھا۔

خالہ اور خالو کسی تقریب سے بس میں واپس آرہے تھے کہ بس ایک کھلے ہوئے ریلوے پھاٹک کو عبور کرتی ہوئی ایک مال گاڑی کی زد میں آگئی اور اس کے پرخچے اڑ گئے۔ بس کے پرخچے اڑنے کا مطلب یہ تھا کہ اس میں جتنے بھی مسافر سوار تھے ان کا قیمہ بن گیا ہوگا' خالہ اور خالو کا قیمہ مجھے دستیاب نہیں ہوسکا تھا۔ لاشیں اس طرح بگڑ کر ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہو کر رہ گئی تھیں کہ آپس میں جڑے ہوئے جسموں میں گوشت کو علیحدہ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ ایک بھیانک المیے کے ساتھ اس علاقے میں جہاں یہ حادثہ ہوا تھا ایک اجتماعی قبر بنائی گئی اور خالہ خالو بھی دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح زیر زمین چلے گئے۔ گریجویشن کا نتیجہ نکلنے والا تھا' لیکن میرے احساسات کا جو نتیجہ ہوا تھا اس نے سارے نتائج تباہ کردیئے' دل کو ایک ایسے شدید غم و اندوہ کا احساس ہوا تھا کہ دنیا آنکھوں میں تاریک ہوگئی تھی۔ بے چارے خالہ خالو معمولی سے لوگ تھے جو کچھ ان کے پاس تھا انہوں نے میری تعلیم پر خرچ کردیا تھا۔ خالو واصف چونکہ بے اولاد تھے اس لئے انہوں نے مجھے اپنی اولاد کا درجہ دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ مجھے اعلیٰ تعلیم دلوا کر کسی اچھی ملازمت پر لگایا جائے' لیکن انسان کے اپنے خیال تکمیل تک کہاں پہنچتے ہیں۔ اصل فیصلے تو آسمانوں پر ہوتے ہیں اور میرے لئے آسمانوں میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ میں بے سہارا ہوگیا تھا۔ یہ چھوٹا سا گھر جس میں مختصر سا سامان تھا' خالہ اور خالو کی آوازیں تھیں' میرے لئے ایک ہولناک جگہ بن گیا تھا۔ ہر گوشے سے یہ آوازیں میرے کانوں تک پہنچتی تھیں اور میں وہاں تین دن بھی نہیں گزار سکا' مجھ پر وحشت کے دورے پڑنے لگے۔ یہ حقیقت ہے جو میں آپ کے گوش گزار کر رہا ہوں کہ میری فطرت میں پاکیزگی کا ایک عنصر تھا جس سے میرے تمام شناسا خوش تھے۔

عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سی شناسائیاں بھی ہوگئی تھیں' خالہ اور خالو کے

زیر سرپرستی میرے ذہن میں نہ جانے کیسے کیسے تصورات ابھرتے رہے تھے لیکن اب تمام تصورات کا خانہ خراب ہوگیا تھا۔ مستقبل ایک تاریک غار کی مانند ہوگیا تھا' کوئی کچھ سمجھانے والا ہی نہیں تھا' خالہ خالو کے مکان کے بالکل برابر والے مکان میں فیض علی نامی ایک بزرگ رہا کرتے تھے۔ انہیں میرے حالات کے بارے میں مکمل علم تھا اور وہ خالہ خالو کی موت کے بعد مجھ سے بڑی ہمدردی کرتے تھے۔ ان کا ایک نواسہ تھا جو برابر کے ایک قصبے میں رہتا تھا اور اکثر اپنے نانا کے پاس چلا آیا کرتا تھا۔ بڑا اچھا نوجوان تھا' میری اور اس کی دوستی بھی ہوگئی تھی' وہ اپنے قصبے میں کچھ کاروبار بھی کیا کرتا تھا۔ کاروباری امور کی تکمیل کے لئے وہ جب شہر جاتا تھا تو ہمارے ہی علاقے سے گزرتا تھا اور اس وقت ایک دو دن اپنے نانا کے ہاں ضرور ٹھہرتا تھا۔ بہرحال میں بڑی مشکل کا شکار تھا اور میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ ماضی کے واقعات میرے ذہن میں بالکل محفوظ تھے' اپنا چچا بھی یاد تھا۔ گلاب شیر کا اس کے بعد کہیں کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا۔

اس شام بھی طبیعت پر بڑی اداسی سوار تھی اور میں اس چھوٹے سے گھر میں بیٹھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ یہ گھر میری روح کے لئے ایک قید خانے کی مانند ہے اور میرا جسم اور میری روح اس کی قید میں ہے' یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ جوانی کے یہ دن تو عیش و عشرت کے دن ہوا کرتے ہیں اور ان دنوں کی یادیں بھی مستقبل کا حصہ ہوتی ہیں۔ اگر ان دنوں کی یادیں میرے وجود میں صرف ایک دکھن بن جاتیں تو یہ تو زندگی نہیں ہے۔ طبیعت کچھ ایسی گھبرائی کہ گھر سے نکل آیا' مغرب کا وقت تھا کافی دور تک پیدل چلتا رہا اور پھر سڑک پر آگئی جو ہرمورا سے بائیں سمت چلی جاتی تھی۔ پتلی سی یہ سڑک ایک جانب کچھ حصے کو شہر سے ملاتی تھی اور دوسری طرف کچھ دور کے بعد ہی اس کا تعلق اس کچے راستے سے ہوتا جاتا تھا جو ایک چھوٹے سے جنگل سے گزر کر نہر تک چلا جاتا ہے۔ اس کچے راستے کی لمبائی بھی زیادہ نہیں تھی' تین چار کلومیٹر سے زیادہ نہیں ہوگا بلکہ اس سے بھی کچھ کم۔ یہ نہر میرے بچپن کی ساتھی تھی' کافی نہایا تھا اس میں بلکہ تیرنا اسی نہر سے سیکھا تھا اور اب اکثر میں اس کے کنارے کنارے دور تک ٹہلتا ہوا چلا جاتا تھا۔ کسی جانب قدم اٹھ گئے اور تھوڑے فاصلے پر پہنچنے کے بعد میں پختہ سڑک سے نیچے کچی سڑک پر اتر آیا۔ مغرب گزرنے کے بعد اندھیرا خوب پھیل گیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد چاند نکل آیا۔ مدھم مدھم روشنی پھیل گئی بڑی دور تک نکل گیا تھا اور اس روشنی میں نہ جانے کیوں آگے بڑھتے رہنے کو دل چاہ رہا تھا۔ ستاروں کے چراغ آسمان پر روشن تھے مگر

چاندنی انہیں مدہم کئے ہوئے تھی۔ نہر کی طرف سے ٹھنڈی ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے اور روح پر ایک عجیب سا فرحت کا احساس ہو رہا تھا' میں روح کی قید ہی سے تو گھبرا کر گھر سے بھاگا تھا۔

دفعتاً میں چونک پڑا' ایک مدہم سے گیت کی آواز فضا میں لہرا رہی تھی ایک ایسی پُراسرار اور ناقابل یقین انسانی آواز جیسے وہ دل کے تاروں کو کھینچ رہی ہو' اچانک ہی وہ آواز فضا میں تیرتی ہوئی میری جانب بڑھی اور پھر اس طرح میرے قریب سے گزر کر گھوم کر واپس اپنے مرکز کی جانب چل پڑی کہ میں حیرت سے دنگ رہ گیا۔ یہ کچھ عجیب سا انداز تھا' آواز پھر واپس پلٹی اور اس بار میرے سر پر سے گزر کر آگے بڑھ گئی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ میرا دل کھینچ رہی ہو' بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی مچھلی پر کانٹا ڈالا گیا ہو اور مچھلی اس کانٹے میں پھنس گئی ہو۔ ایک عجیب سا ماحول ہو گیا تھا' ہرچند کہ وہ الفاظ جو گیت کی طرح فضا میں تیر رہے تھے سمجھ میں نہیں آرہے تھے لیکن وہ آواز کسی عورت کی تھی لیکن یہ آواز آ کہاں سے رہی تھی؟ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا' پھر میرے قدم کس طرح آگے بڑھے یہ میں نہیں جانتا۔ میں آگے بڑھتا جارہا تھا اور پھر دور سے کسی لڑکی کا ہیولہ نظر آیا وہ سر سے پاؤں تک سفید لباس میں ملبوس تھی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے اس کا لباس اڑ رہا تھا میں ششدر رہ گیا۔ گیت اسی کی آواز میں ابھر رہا تھا' مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میرا دل بے اختیار اس کی جانب کھنچنے لگا ہو' کوئی ان دیکھی اور انجانی قوت تھی جو اس سفید پوش اور پُراسرار ہستی کی طرف دھکیل رہی تھی۔ پھر اچانک ہی اس نے مجھے دیکھ لیا اور اس کا رخ میری جانب ہو گیا۔ ایسا حسین' ایسا دلکش چہرہ کہ انسان کا دل سینے سے باہر نکل آئے' وہ ایک دم گھبرا سی گئی اور میں رک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر مجھے یوں لگا جیسے وہ خوف سے پیچھے ہٹ رہی ہو' گانے کی آواز بند ہو گئی تھی۔

میرا ہاتھ بے اختیار اٹھا اور میری آواز نکلی۔ "نہیں براہ کرم مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔" لیکن وہ تیزی سے پیچھے ہٹنے لگی' اس کے قدم زمین کی بجائے خلا میں پڑ رہے تھے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ زمین سے کافی اونچی ہوئی اور ایک لمحے کے اندر اندر وہ اندھیرے میں تحلیل ہو گئی۔ ایسے لگا تھا جیسے اچانک ہی وہ روشن ہیولہ بجھ گیا ہو اور میں چاروں طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا' میں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا' روشن چاند آسمان کے گوشے میں جگمگا رہا تھا۔ فضا میں ہر طرف چاندنی تیر رہی تھی' ماحول خواب ناک اور رومان پرور ہو رہا تھا۔ حد نظر

تک پھیلی ہوئی چاندنی میں قرب و جوار کی ایک ایک چیز بالکل صاف طور پر نظر آرہی تھی لیکن اس کا کہیں پتہ نہیں تھا وہ فضا میں گم ہو گئی تھی۔ اچانک ہی مجھے نہر کے دوسرے کنارے پر ایک سرسراہٹ سی محسوس ہوئی اور میں نے پلٹ کر بے قرار نگاہوں سے اس طرف دیکھا۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ صرف چند لمحے پیشتر وہاں اس کا وجود نہیں تھا مگر اب وہ نہر کے دوسرے کنارے پر موجود تھی۔ سفید لباس میں ملبوس اس کا چہرہ روشنی میں نمایاں تھا' سر کے سیاہ ریشمی بال ہوا کے ٹھنڈے اور خوابناک جھونکوں سے اڑ رہے تھے اور دونوں ہاتھ فضا میں بلند تھے۔ اس کے بالوں میں گلاب کا ایک سفید تروتازہ پھول لگا ہوا تھا۔ پھر اچانک ہی وہ پیچھے ہٹنے لگی اور اس کے بعد ایک بار پھر اسی طرح ہواؤں میں گم ہو گئی' میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ میری پھٹی پھٹی آنکھوں میں تاریکیاں تیرنے لگیں' آخر یہ کیا راز ہے۔ یہ کیا قصہ ہے' اس کے دلکش نقوش کا ایک ایک تصور میرے وجود کی گہرائیوں میں اتر رہا تھا لیکن اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ دفعتاً ہی میرے بدن میں تھرتھراہٹ کا ایک احساس ہوا اور خوف کی ایک لہر میرے رگ و پے میں دوڑ گئی۔ ایسے ویرانوں میں اکثر روحیں آجاتی ہیں یہ بھی کہیں روح ہی نہ ہو' کوئی ایسی ہستی جو ان فضاؤں میں بھٹک رہی ہو۔ ارے باپ رے میرے دل میں خوف سے آواز آئی اور اس کے بعد میں نے واپسی کے لئے دوڑ لگا دی۔ مجھے یوں لگا جیسے کوئی میرا تعاقب کر رہا ہو' اب اتنا خوف دل و دماغ پر مسلط ہو گیا تھا کہ پلٹ کر دیکھنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی تھی اور قرب و جوار کا ہر گھر خاموشی اور سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا اس لئے کسی نے اس پر غور نہیں کیا تھا' ورنہ لوگ یہ سوچتے کہ مجھ جیسا سنجیدہ نوجوان اس وقت اس خوف کے عالم میں کیوں دوڑ رہا ہے۔

گھر میں داخل ہونے کے بعد بستر پر لیٹ گیا' کوئی پُرسان حال تو تھا نہیں اپنی آگ اپنا دامن جو کچھ بھگتنا تھا خود ہی بھگتنا تھا۔ بدن پر ایک شدید خوف کا عالم تھا لیکن کانوں میں وہ میٹھی آواز رس گھول رہی تھی' اس وقت جس قدر بے چین تھا اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ تڑپ رہا تھا بری طرح اور سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کروں شدت سے نیند کی خواہش تھی لیکن نیند بھی آنکھوں سے کوسوں دور چلی گئی تھی۔ نہ جانے کب تک اسی طرح تڑپتا رہا پھر نیند کی دیوی ہی کو مجھ پر رحم آگیا اور وہ مہربان ہو گئی۔ نیند آگئی تھی لیکن یہ نیند بھی پائیدار ثابت نہ ہو سکی اس وقت رات کا شاید آخری پہر چل رہا تھا' جب میرے کانوں میں ایک مدہم سی سرگوشی سنائی دی۔

"کب تک سوتے رہو گے جاگنے کا وقت آگیا ہے کب تک سوتے رہو گے۔ آخر

میں بھی تو اس دنیا میں ہوں میرے لئے۔ جاگو' جاگو میرے لئے۔" اور پھر کانوں میں اس مدہم گانے کی آواز گونجی۔ یہ آواز ہوا کے دوش پر کہیں دور سے آرہی تھی اور میں کسی حد تک نیم غنودگی کی کیفیت میں تھا۔ ایک خواب میری آنکھوں میں گردش کر رہا تھا' اس خواب میں مجھے دو سفید سفید پاؤں نظر آرہے تھے جو خلا میں چہل قدمی کرتے ہوئے میری جانب بڑھے چلے آرہے تھے۔ پھران پیروں کی رفتار تیز ہوگئی' تیز اور تیز اس کے ساتھ وہ آواز بھی قریب سے قریب تر آتی سنائی دے رہی تھی۔ ایک انتہائی حسین نغمہ تھا لیکن اس کے بول میری سمجھ میں نہیں آرہے تھے' پاؤں میرے بالکل قریب پہنچ گئے تھے۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ جو کوئی بھی ہے ابھی ایک لمحہ کے اندر اندر مجھ سے ٹکرا جائے گا۔ اچانک ہی اس کا رخ بدلا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی تیز رفتاری سے وہ مجھ سے دور ہوتی چلی گئی۔ وہی سفید لبادہ جو پاؤں سے شروع ہو کر سر تک نظر آیا تھا۔ سفید لباس ہواؤں میں اڑتا ہوا' کالے کالے بال لہراتے ہوئے' نغمے کی آواز اس کے دور ہونے کے ساتھ ساتھ دور ہوتی چلی گئی اور میں نے وحشت زدہ انداز میں آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا۔

میرا اپنا ہی کمرہ تھا' ہر چیز جوں کی توں تھی لیکن وہ آواز مجھے عالم ہوش میں بھی سنائی دے رہی تھی' دور ہوتی ہوئی آواز جیسے کہیں دور کوئی گا رہا ہو۔ گاتا ہوا میرے پاس آیا ہو اور پھر میرے پاس سے گزر کر آگے بڑھ گیا ہو۔ ساری چیزیں ہوش اور بے ہوشی کے عالم میں محسوس کی تھیں میں نے اور اب وہ آواز دور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ پھر وہ اتنی دور ہوگئی کہ میرے کانوں کی پہنچ سے دور ہوگئی' لیکن فضاؤں میں ایک سنسناہٹ سی اب بھی محسوس ہو رہی تھی۔ میرے خدا میرے خدا یہ کیا ہے؟ میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا' پھر اس کے بعد نیندیں بے آرام ہوگئیں' دن کی روشنی دہشت زدہ کئے رکھتی۔ ویرانوں میں بھٹکتا رہتا اور رات کی تاریکی اس خوف کا شکار ہو جاتی کہ وہ آواز پھر میرا تعاقب کرے گی' خوف کی وجہ سے گھر سے باہر بھی چھوڑ دیا تھا۔ نہر کی جانب بھی نہیں جاتا تھا کہ کہیں نہر کے کنارے وہ مجھے نظر نہ آجائے۔ بہرحال ایک خوف کے عالم میں گزر بسر ہو رہی تھی کہ فیض چچا کا نواسہ میرے پاس آیا' مجھ سے ضرور ملتا تھا بہت ہی نفیس انسان تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو حیرت سے بولا۔ "ارے یہ تمہیں کیا ہوا؟" فیض چچا بھی اس وقت ساتھ ہی موجود تھے انہوں نے بھی مجھے دیکھا اور بولے تمہارا چہرہ پیلا پڑا ہوا ہے بیمار ہو کیا؟

"نہیں چچا ٹھیک ہوں۔"

"خاک ٹھیک ہو آنکھوں میں حلقے پڑ رہے ہیں' ہونٹ خشک ہو رہے ہیں' اچھی

خاصی صورت بگڑ کر رہ گئی ہے اور یہ شیو کیوں بڑھا رکھی ہے اتنی' داڑھی رکھ رہے ہو کیا؟"

"نہیں تو!" میں نے مدہم لہجے میں کہا۔

"عجیب انسان ہو تین تین چار چار دن ہو جاتے ہیں تم سے ملے ہوئے گھر کا دروازہ بھی اندر ہی سے بند ہوتا ہے یہ تم نے گوشہ نشینی کیوں اختیار کرلی ہے؟"

"ناناجی میں انہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا کچھ دن کے لئے میرا خیال ہے میرے ساتھ رہ کر ان کی صحت بھی ٹھیک ہو جائے گی۔"

"اس کے علاوہ بیٹا ایسا کرو کہ تھوڑے دن کے لئے کچھ آرام کرو اور پھر یہ سوچو کہ کیا کرنا ہے۔ دیکھو زندگی میں ہر انسان کو کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے' تمہارے خالہ خالو بے شک بہت جلد اس دنیا سے چلے گئے۔ ابھی تو تمہیں ان کی ضرورت تھی لیکن اب صورت حال ذرا الگ ہو جائے گی' تمہیں کچھ کاروبار کرنا چاہئے۔ ہم تمہاری شادی کے لئے کہیں بات کرتے ہیں گھر بس جائے گا تو زندگی بن جائے گی۔"

میں ہنسنے لگا میں نے کہا۔ "بزرگ اسی انداز میں سوچتے ہیں' آپ کی ایک بات سے تو اتفاق ہے میں بے شک کوئی کام تلاش کروں گا اپنے لئے۔ ویسے بھی اب میرے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے' کوئی دولت بھی نہیں ہے۔ ماضی میں جو کچھ تھا وہ تو ختم ہو گیا لیکن اب بڑا ضروری ہے کہ ہاتھ پاؤں ہلاؤں لیکن جہاں تک مسئلہ شادی وغیرہ کا ہے چچا' تو براہ کرم ایسی کوئی بات کبھی نہ کیجئے گا۔ میں آپ کی بے حد عزت کرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اپنی محبت میں کوئی ایسا قدم اٹھائیں اور میں اس کی پذیرائی نہ کرسکوں۔"

"پھر بھی بیٹے پہلے کام پر ہی عمل کرو ذہن میں تبدیلی ہوگی تو کچھ اور خیالات بھی دل میں پیدا ہوں گے۔"

"سب سے پہلے تو میں انہیں اپنے گھر میں آنے کی دعوت دے رہا ہوں میں اس وقت شہر جا رہا ہوں ورنہ زبردستی انہیں اپنے ساتھ لے جاتا۔"

نہیں ایسی کوئی بات نہیں' میں خود بھی تھوڑے دن کے لئے کہیں باہر جانا چاہتا ہوں۔"

"بس تو پھر میرے پاس آجاؤ میرا گاؤں بھی بہت اچھا ہے' تمہیں پسند آئے گا۔ بالکل یوں محسوس ہوگا جیسے سوئٹزرلینڈ کے کسی قصبے میں نکل آئے ہو۔ گوٹھ ہرمورا تو سندھ کی روایتی سرزمین ہے میرے گاؤں میں آؤ گے تو تمہیں احساس ہوگا کہ تم سندھ کے بنجر اور چٹیل علاقے میں ہو ہی نہیں۔"

"میں ضرور آؤں گا۔" میں نے کہا۔

"تو پھر پتہ ذہن میں رکھو۔" اس نے مجھے اپنے گاؤں جسے گونڈی کہا جاتا تھا کا پتہ بتایا اور میں نے اس علاقے کو پوری طرح ذہن نشین کرلیا۔ سندھ کے علاقے میں چھوٹے چھوٹے گوٹھوں کے مختلف نام ہوتے ہیں اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ان گوٹھوں کے نام بدل جاتے ہیں۔ بہرحال مختلف علاقوں سے گزر کر گونڈی تک پہنچنا کوئی مشکل کام نہیں تھا' میں نے وعدہ کرلیا کہ آج سے تیسرے دن میں گونڈی روانہ ہوجاؤں گا۔ بہرحال وہ تو چلا گیا اور میرے اپنے معاملات جوں کے توں طاری رہے' گونڈی کے بارے میں فیض چچا سے مزید معلومات حاصل کی تھیں۔ سندھ کے علاقے میں اندرونی طور پر ایسے انتظامات نہیں تھے جن کے ذریعے چھوٹی چھوٹی آبادیوں کا سفر کیا جاسکے۔ لوگ زیادہ سے زیادہ بیل گاڑیوں میں سفر کرلیا کرتے تھے۔ وہ بھی فیملی والے ورنہ زیادہ تر سفر پیدل ہی ہوا کرتا تھا۔ پھر میں بھی یہ فیصلہ کرکے چل پڑا کہ بہتر ہے کہ تھوڑا سا دل بہلا لیا جائے اور میں فیض چچا سے مزید معلومات حاصل کرنے کے بعد وہاں سے چل پڑا۔

میں نے وہ فاصلہ طے کرنا شروع کردیا جو مجھے گونڈی لے جاسکتا تھا' سندھ کے مخصوص مناظر میری نگاہوں کے سامنے تھے' تھوڑے فاصلے پر مجھے ایک دیہاتی شخص نظر آیا۔ اس نے ہاتھ میں کلہاڑی پکڑی ہوئی تھی' بڑی بڑی مونچھیں اور مخصوص قسم کی سندھی داڑھی تھی' اس کا چہرہ کافی خطرناک نظر آتا تھا۔ دائیں رخسار پر زخم کا ایک گہرا نشان تھا میں نے گونڈی کے بارے میں اس سے پوچھا تو اس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر بولا۔" ٹھیک ہے سائیں ہم آپ کو چھوٹی نہر پر چھوڑ دیں گے۔ چھوٹی نہر پر ہم جو راستہ تمہیں بتائیں گے وہ سیدھا آپ کو گونڈی لے جائے گا' آپ فکر نہ کرو۔"

اس مختصر گفتگو کے بعد ہم دونوں اپنی منزل کی جانب چل پڑے' میں نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ خود کہاں جارہا ہے؟ تو اس نے کہا گونڈی سے کافی پہلے چھوٹی نہر کے بائیں سمت اس کا اپنا گوٹھ ہے جس کا کوئی نام نہیں ہے۔ بہرحال ہمارا سفر جاری تھا' کوئی آدھے یا پونے گھنٹے تک ہم باغوں اور کھیتوں میں چلتے رہے۔ اس کے بعد بے شمار درختوں کا سلسلہ نظر آنے لگا' درختوں سے آگے بڑھنے کے بعد کافی خاموشی طاری ہوگئی تھی۔ سردیوں کے دن تھے اس لئے دھوپ بھی کچھ ناگوار نہیں گزر رہی تھی' ویسے مجھے یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ سفر کئی گھنٹے جاری رکھنا ہوگا اور گونڈی پہنچتے پہنچتے شام ہوجائے گی۔ کچھ دیر کے بعد درختوں کے سروں پر جا پہنچے اور پھر اندر داخل ہوگئے۔ جنگل کے اندر ایک پتلا سا کچا راستہ دکھائی دے رہا تھا۔ جس میں بیل گاڑیوں کے چلنے کی وجہ سے دونوں سمت

میں گہرے گڑھے بنے ہوئے تھے۔ اس راستہ پر بڑی مٹی اڑ رہی تھی' میں نے اپنے ہمسفر سے پوچھا کہ اس کا سفر کس وقت ختم ہوجائے گا تو اس نے کہا کہ ابھی تو کافی دیر باقی ہے۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ سنا ہے اندرونی علاقوں میں لوٹ مار بھی ہوجاتی ہے اور کبھی کبھی جنگلی جانور بھی نظر آجاتے ہیں۔ میرے ہم سفر نے مدہم لہجے میں کہا' نہیں سائیں جنگلی جانور تو ادھر کبھی نظر نہیں آتے' یہ سارا جنگل صاف ہے ویسے کبھی کوئی دور سے ہی نکل آئے تو بات الگ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ درندے یہاں کبھی کبھی نظر آجاتے ہیں' سائیں درندے تو ہر جگہ ہی نظر آجاتے ہیں کیا جنگل کیا شہر بس شکلیں بدلی ہوئی ہوتی ہیں۔ یار فلسفہ مت بگھارو جو میں پوچھ رہا ہوں اس کی بات کرو۔ ہاں میں وہی کہہ رہا ہوں کہ درندے کدھر نہیں ہوتے ادھر بھی کبھی کبھی ناکے لگ جاتے ہیں اور لوٹ مار ہوجاتی ہے۔ ہمیں بھی ایک بار ان سے واسطہ پڑچکا ہے یہ دیکھو یہ زخم' وہ بہت زیادہ تھے اور میں اکیلا اللہ سائیں نے ہماری حفاظت کی اور ہم ان کا گھیرا توڑ کر نکل گئے۔ البتہ چوٹیں کچھ لگ گئی تھیں' میں خاموش ہوگیا' نہ جانے کیوں میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ ہوسکتا ہے ان سے میرا بھی واسطہ پڑجائے۔ سندھ کے دیہاتوں میں اور سنسان علاقوں میں ایسے واقعات کچھ زیادہ ہی ہوا کرتے تھے' اس گفتگو کے بعد تھوڑی دیر کے لئے مکمل خاموشی چھاگئی۔

جنگل میں کہیں کہیں بکریوں کے ریوڑ بھی نظر آجاتے تھے اور ان کے ساتھ چرواہے بھی۔ انہیں دیکھ کر میرے دل میں خوف کسی قدر کم ہوگیا' میں نے سوچا کہ اب اتنا ڈرنے کی بات بھی نہیں ہے یہ لوگ بھی تو انسان ہیں۔ بہرحال سفر جاری رہا آگے بڑھ کر دھوپ بھی کم ہوگئی تھی۔ اونچی اونچی جھاڑیاں دور تک پھیلی ہوئی تھیں' اس سفر کے تقریباً آٹھ گھنٹے گزر گئے تھے اور میرا ہم سفر بڑے اطمینان سے میرے ساتھ چل رہا تھا۔ پھر میں نے کہا تمہارے خیال میں ابھی کتنا سفر اور باقی ہوگا۔

"بس جی آپ سیدھے چلتے رہو گے تھوڑی دیر کے بعد چھوٹی نہر آجائے گی' اُدھر سے دوسری طرف چلا جاؤں گا۔ آپ کو آگے بڑھنا ہوگا۔" شام کو کوئی چار بج گئے اور یہاں سے راستہ دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔ اس مقام پر جنگل کچھ زیادہ ہی گھنا لگتا تھا' کیونکہ سردیوں کے دن تھے اور شام سر پر آچکی تھی۔ یہاں پہنچنے کے بعد میرا ہمسفر مجھ سے رخصت ہوگیا' میں نہر کے کنارے کنارے اس پگڈنڈی پر چلتا رہا' جس پر کہیں کہیں بیل گاڑیوں کے نشانات نظر آجاتے تھے۔ جھاڑیوں میں کیڑے مکوڑوں کی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں' تنہائی ذرا زیادہ خوفناک ہوگئی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اکیلے

یہ سفر کرکے میں نے اچھا نہیں کیا ہوسکتا ہے کوئی گڑبڑ ہوجائے۔ جنگل کی تنہائی میرے لئے نہ صرف نامانوس تھی بلکہ کچھ خوف بھی محسوس ہورہا تھا۔ ابھی مشکل سے پندرہ بیس منٹ ہی چلا ہوں گا کہ ایک عجیب بات ہوئی میرے سر پر سے دو پرندے خوفزدہ سی آوازیں نکالتے ہوئے ایک طرف چلے گئے۔ ان کی پرواز کچھ اتنی نیچی تھی کہ میں ڈر کر ایک طرف ہوگیا اور انہیں حیرت سے تکنے لگا۔ نامانوس پرندے تھے' کبوتر سے کسی قدر بڑے لیکن انداز کبوتروں جیسا ہی تھا۔ کوئی لمحے بھر بعد ہی ان دونوں پرندوں نے رخ بدلا ایک اور چکر کاٹا اور ایک بار پھر ویسی ہی نیچی پرواز کرتے ہوئے میری سمت بڑھے۔ اس بار بھی ان کی وہی آوازیں نکلی تھیں' میں تھوڑا سا نیچے جھک گیا۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہوا تھا جیسے وہ میرے سر پر پنجے مارنے والے ہوں' وہ میرے عقب میں جھاڑیوں کے پیچھے جھنڈ میں غائب ہوگئے۔ میں نے مڑ کر انہیں دیکھا اور پھر ایک عجیب سے احساس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ سامنے بہت بڑے جھاڑ نظر آرہے تھے' سندھ کے بنجر علاقے میں یہ خود رو جھاڑ بکثرت پائے جاتے ہیں۔

اچانک ہی میرے کانوں نے ایک ایسی آواز سنی کہ میرے پاؤں رک گئے' میں نے اِدھر اُدھر دیکھا سورج کی کرنیں اس وقت اپنی گرمی کھو چکی تھیں اور ماحول میں خنکی پیدا ہوگئی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی جانور کے پیروں کی آہٹ ہو' چٹ چٹ کی آوازیں تھیں۔ پھر میں نے جھاڑیوں کے ایک شگاف کی طرف دیکھا اور مجھے کوئی چیز متحرک نظر آئی' دوسری طرف کسی قدر کھلا میدان تھا۔ جو چیز مجھے نظر آئی وہ قد میں کسی بکرے کے برابر تھی' رنگ بھورا تھا اور گردن پر لمبے لمبے بال تھے۔ جبکہ اس کی تھوتھنی سیاہ رنگ کی تھی اور دم خاصی گھنی۔ ایک نظر میں اسے دیکھ کر میرے دل میں کسی بھیڑیے کا احساس جاگا تھا۔ جنگلی بھیڑیوں کے بارے میں' میں نے سنا بھی تھا اور کچھ عرصے قبل ایک ایسا ہی بھیڑیا ایک چڑیا گھر میں دیکھ بھی چکا تھا۔ ابھی میں کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہوا تھا کہ مجھے اس جانور کے پیچھے سے ایک اور جانور ابھرتا نظر آیا وہ بھی اسی قدو قامت کا تھا۔ گویا وہ دو تھے ہوسکتا ہے کہ نر اور مادہ ہوں حالانکہ دیہاتی نے مجھے بتایا تھا کہ اس علاقے میں درندے نہیں ہوتے لیکن ان دو خوفناک درندوں کو دیکھ کر میرا پورا بدن پسینے میں تر ہوگیا۔ میں جلدی سے سیدھا ہوا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا' دور دور تک سناٹا طاری تھا اور میرے دونوں جانب درخت سر اٹھائے رات کے منتظر تھے۔ درختوں کی چوٹیوں پر دھوپ رخصت ہو رہی تھی اور پورا جنگل جھینگروں کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور یہ سوچنے لگا کہ مجھے کہاں پناہ لینی چاہئے۔ بہرحال میرا

اندازہ تھا کہ درندوں کی نگاہ ابھی تک مجھ پر نہیں پڑی ہے۔ میں نے الٹے قدموں واپس پلٹنا شروع کردیا' مجھے رہ رہ کر اس دیہاتی پر غصہ آرہا تھا جس نے مجھے اس طرح اس مصیبت میں لاکر ڈال دیا تھا۔ میں نے یہاں سے راستہ تبدیل کردیا اور پیچھے ہٹ کر بائیں سمت کا راستہ اختیار کیا۔ میرے پورے وجود میں سناٹے پھیلے ہوئے تھے اور میں اس خوف کا شکار تھا کہ میرے قدموں کی آہٹ کہیں ان درندوں کو میری جانب متوجہ نہ کردے اور پھر اچانک ہی مجھے ان کی خوفناک غراہٹ سنائی دی اور مجھ پر کچھ ایسی دہشت سوار ہوئی کہ میں نے بے اختیار دوڑنا شروع کردیا۔

کافی آگے جاکر درختوں کے کچھ جھنڈ نظر آئے اور میں پاگلوں کی طرح ان کی جانب دوڑنے لگا' میں پلٹ کر نہیں دیکھ رہا تھا لیکن مجھے یہ احساس ہورہا تھا کہ دونوں درندے میرا پیچھا کررہے ہیں۔ درختوں کے درمیان سے داخل ہوکر کوئی سو گز کے فاصلے پر مجھے کچی مٹی سے بنے ہوئے ایک گھر کے آثار دکھائی دیئے۔ پتہ نہیں کیسا گھر تھا اور اس جگہ اس ویرانے میں کس نے تعمیر کیا تھا۔ بہرحال کوئی نہ کوئی اس میں ضرور رہتا ہوگا' میں نے رفتار تیز اور تیز کردی۔ ایک جگہ میں نے ذرا رک کر سنا' عقب میں آنے والی آوازیں کافی مدھم پڑ گئی تھیں۔ میں نے گردن گھما کر ہمت کرکے پیچھے مڑ کر دیکھا اور میرا خون جم کر رہ گیا وہ دونوں درندے مجھ سے کوئی سو گز کے فاصلے پر درختوں کے بیچ کھڑے تھے۔ ان کی زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں بھوک نظر آرہی تھی' لیکن ان کا اس طرح دور رک جانا میرے لئے حیرت کا باعث تھا۔ سامنے والے مکان کی دیواریں اب تھوڑے فاصلے پر تھیں اور مجھے ان دیواروں میں ایک لکڑی کا پھاٹک نظر آرہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس وقت اس پھاٹک کو کھولنے کی کوشش کرنا تو بڑا ہی خطرناک ہوگا۔ پھرتیلے بدن کا آدمی تھا' پھاٹک کی بجائے اگر اچھل کر اس دیوار پر چڑھ جاؤں اور دوسری طرف کود جاؤں تو ہوسکتا ہے ان درندوں کی گرفت سے محفوظ رہوں۔ بہرحال میں پھرتی سے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے آگے بڑھا' زندگی جب خطرے میں ہوتی ہے تو انسان کے اندر بہت ساری اجنبی قوتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ پہلے کبھی کوئی اس طرح کی مشق نہیں کی تھی لیکن میری ایک لمبی چھلانگ مجھے احاطے کی دیوار پر لے گئی۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس دیوار پر میں اپنے آپ کو روک نہیں سکا تھا اور خودبخود اندر جا پڑا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اگر میری ہی طرح ان درندوں نے بھی ایسی ہی پھرتی کا مظاہرہ کردیا تو ابھی چند لمحوں کے اندر ہی اندر وہ بھی میری ہی مانند اندر پہنچنے والے ہوں گے۔ بہرحال اندر گرنے کا کوئی خاص احساس نہیں ہوا تھا' ہوسکتا ہے بدن کو چوٹ لگی ہو لیکن جو خوف دل

و دماغ میں بسا ہوا تھا اس کے تحت چوٹ کا کوئی احساس بھی نہیں تھا۔

اگر آپ نے سندھ کا طرز تعمیر دیکھا ہے اور اس کے قدیم گوٹھوں میں گئے ہیں تو آپ کو یقینی طور پر ان کچے مکانوں کے بارے میں معلوم ہوگا جو صرف چکنی مٹی اور بھوسے سے بنائے جاتے ہیں اور کہیں کہیں یہ کئی منزلہ ہوتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر مکانات تیس تیس' چالیس چالیس سال تک اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتے۔ طوفان بادو باراں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' یہ ایک مخصوص طرز تعمیر ہوتی ہے۔ بہرحال اس انداز کا یہ گھر بھی بنا ہوا تھا' میں نے چند لمحوں کے بعد اس کا جائزہ لیا۔ احاطے کے دوسرے سرے پر کچھ کمرے بنے ہوئے تھے جن کی چھت لکڑی کی رہی ہوگی۔ بہرحال یہ ایک باقاعدہ مکان ہی تھا سامنے کا صدر دروازہ بند تھا اور اس تک پہنچنے کے لئے مٹی ہی کی سیڑھیاں طے کرنا پڑتی تھیں جو بے شک آڑھی ٹیڑھی بنی ہوئی تھیں لیکن صاف ستھری اور پوری عمارت کی طرح مضبوط تھیں۔ میں نے سوچا کہ بھیڑیئے بھی اب دیوار عبور کرنے والے ہوں گے اس لئے پھرتی سے بھاگ کر اس مکان کے اندر پناہ لی جائے۔ پھر جس برق رفتاری سے میں اپنی جگہ سے اٹھا تھا اس پر خود مجھے بھی حیرت تھی۔ میں پھرتی سے ان سیڑھیوں کو عبور کرکے اوپر پہنچا اور دروازے کو ٹٹول کر دیکھا دروازہ بند تھا لیکن یہاں سے مجھے گیٹ کے دوسری طرف کا منظر صاف نظر آرہا تھا اور اس منظر میں پیش پیش وہ درندے تھے جو اب بھی اس جگہ کھڑے ہوئے اِدھر ہی دیکھ رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ان دونوں کو اپنے شکار کے نکل جانے کا سخت غصہ ہو اور وہ اپنی کمزوری پر خود ہی جل رہے ہوں' ان کے جسم بالکل ساکت تھے۔ بہرحال ہوسکتا ہے اس مکان کی طرف نہ بڑھنے کی کوئی خاص وجہ ہو لیکن درندوں کا کیا ٹھکانہ اپنے آپ کو محفوظ کرنا بے حد ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے پلٹ کر دروازے پر دستک دی مجھے امید نہیں تھی کہ اس طرح دروازہ کھل جائے گا لیکن میرے دستک دینے والے ہاتھ رکے بھی نہیں تھے کہ اچانک ہی دروازہ کھل گیا اور :روازہ خودبخود نہیں کھلا تھا بلکہ اسے کھولنے والا بھی میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ البتہ یہ دیکھ کر مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا کہ اس ویران اور کچے مکان میں رہنے والا یہ شخص ایک شاندار شخصیت کا مالک تھا۔ وہ ایک قیمتی لباس پہنے ہوئے تھا' چہرے کے نقوش تیکھے تھے اور آنکھوں میں ایک چمک تھی۔ لباس اس قدر عمدہ تھا کہ حیرت ہوتی تھی' پھر اس نے مدہم انداز میں کہا۔

"آیئے اندر تشریف لے، آیئے۔" اس کا یہ انداز بھی ناقابل یقین تھا' بالکل ایسا جیسے کسی کو کسی کا انتظار ہو اور وہ آنے والے کا اس طرح منتظر ہو کہ دستک دینے میں بھی

دیر نہ لگے اور دروازہ کھل جائے۔ میں نے اس صورت حال کو محسوس کرکے جو مجھے درپیش تھی کسی قسم کے تکلف کا اظہار نہ کیا اور ایک لمحے کے اندر اندر دروازے کے دوسری طرف داخل ہوگیا۔ جیسے ہی میں اندر داخل ہوا میرے میزبان نے دروازہ اندر سے بند کرلیا' اندر گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی میں جہاں کھڑا تھا میرے اندازے کے مطابق وہ کوئی ہال رہا ہوگا' تاریکی میں دیکھنے کی عادی ہونے والی آنکھوں نے دیکھا کہ ہال کے قریب ایک اور کمرہ موجود ہے جس کے روشن دانوں سے اچانک روشنی چھننے لگی تھی اور اس طرح ماحول نظر آنے لگا تھا۔ میرا میزبان اسی طرح چلتا ہوا دروازے میں اندر داخل ہوگیا اور وہاں رک کر اس نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا تھا جیسے میرے اعصاب اس کی آواز کے تابع ہوگئے ہوں اور وہ جو کچھ کہہ رہا ہے میرے لئے اس پر عمل کرنا بہت ضروری تھا۔ چنانچہ میں بھی اس دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ اس کمرے میں کافی روشنی تھی اور اس روشنی کا مرکز چھت پر لگا ہوا ایک فانوس تھا۔ ویسے یہ کمرہ بھی اندر سے کافی کشادہ تھا' ایک جانب بڑا سا تخت پڑا ہوا تھا اس پر گاؤ تکیئے لگے ہوئے تھے۔ دوسرے گوشے میں ایک بڑی سی میز تھی جس پر ایک بہت ہی خوبصورت گلدستہ لگا ہوا تھا۔ دیواروں پر قدیم طرز کے ہتھیار بڑی خوبصورتی سے سجے ہوئے تھے۔ ان میں کچھ توڑے دار بندوقیں' بیش قیمت خنجر اور ڈھالیں شامل تھیں' پورے کمرے میں ایک عجیب سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی' ویسے یہ خوشبو عام قسم کے پرفیوم یا سینٹ کی نہیں ہوسکتی تھی۔ اس خوشبو کے بارے میں کوئی صحیح لفظ نہیں کہا جاسکتا' بہرحال یہ ماحول انتہائی پُراسرار معلوم ہو رہا تھا اور ویسے بھی حیرانی کی بات تھی کہ ایک گھنے جنگل میں جہاں دور دور تک کوئی آبادی نہ تھی' ایسے مکان کی موجودگی انتہائی تعجب کا باعث تھی۔

میرے میزبان نے مجھ سے کہا۔ "بیٹھو اچھا ہوا کہ تم ادھر آگئے ورنہ یہ بھیڑیئے تمہارے لئے خطرناک ثابت ہوسکتے تھے۔" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس نے شاید میرے دل کی بات سمجھ لی اور بولا۔ "اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں میں نے دروازہ کھولتے وقت دیکھ لیا تھا کہ وہ دونوں بھیڑیئے کھڑے ہوئے تھے۔ بیٹھو تکلف نہ کرو پانی کا انتظام کرتا ہوں' منہ ہاتھ دھولو۔" پھر وہ مڑا اور کمرے کے بغلی دروازے میں غائب ہوگیا۔ میں تخت کی ایک جانب ٹک کر اسے دیکھنے لگا' اس وقت مجھے ایک آواز سنائی دی۔
"ربابہ میرے مہمان کو بلالو میں نے پانی رکھ دیا ہے۔" میں اس آواز کو سن کر سنبھل گیا' ربابہ ذرا غیرمانوس سا نام تھا ہوسکتا تھا کہ یہ کسی عورت کا ہو اور میرا یہ اندازہ غلط نہیں

نکلا۔ دروازہ کھلا اور پھر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں' وہ لڑکی نہیں چاند کا ٹکڑا تھا جو زمین پر اتر آیا تھا۔ بہت ہی متناسب قد' گداز جسم' سرخ و سفید رنگت' کمر سے نیچے تک لٹکتی ہوئی زلفیں۔ میں شاعر نہیں ورنہ کچھ اور اچھی طرح اس کے حسن و جمال کا تذکرہ کرتا' بس یوں لگتا تھا جیسے کسی چاند کے ٹکڑے کو انسان بنادیا گیا ہو۔ سفید رنگ کا چوڑی دار پاجامہ' لمبی سی قمیض اس پر سیاہ رنگ کا دوپٹہ جس پر ستارے ٹکے ہوئے تھے اور پھر اس کی حسین آواز۔

اس نے کہا۔ "اندر تشریف لے آیئے اور ہاتھ منہ دھو لیجئے' طویل سفر سے آپ کا سارا چہرہ گرد میں اٹا ہوا ہے۔" لگتا تھا جیسے کوئی نغمہ فضاؤں میں ابھرا ہو' ستار کے تاروں کو کسی نے ہاتھ پھیر دیا ہو اور وہ آواز بن گئے ہوں۔ میں گڑبڑا کر اٹھ بیٹھا' کچھ کہنا چاہا لیکن آواز نہیں نکل سکی۔ میں خاموشی سے اٹھ کر اس کے پیچھے چل پڑا' دروازے کے اس طرف ایک کمرہ موجود تھا جس کا ایک دروازہ جنگل کی سمت کھلتا تھا۔ وہیں میرا نوجوان میزبان کھڑا تھا' اس نے مجھے دیکھ کر پانی کے برتن کی جانب متوجہ کیا اور بولا ہاتھ منہ دھو لیجئے پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔ میں نے بمشکل تمام اپنی زبان کو جنبش دی اور پھر کہا آپ کو میری وجہ سے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے' میں آپ کا انتہائی شکر گزار ہوں۔

"منہ ہاتھ دھو لیجئے آپ خود غور کیجئے آپ کو اپنی بات پر ہنسی آئے گی' پہلے آپ کے اندر آنے کے لئے دروازہ کھولنا اور اس کے بعد اندر تک لے آنا اگر اس میں کوئی مشکل ہو سکتی ہے تو بے شک ہم کو مشکل ہے ورنہ اس کے علاوہ ہم نے کیا کیا ہے۔"

میں خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا' منہ ہاتھ وغیرہ دھونے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ مجھے ایک اور کمرے میں لے گیا جہاں ایک بڑی میز کے گرد کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور میز پر انواع قسم کے پھل سجے ہوئے تھے۔ مجھے کرسی پر بٹھا کر وہ دونوں میرے سامنے بیٹھ گئے' پھر میرے میزبان نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

میرا نام حمزان ہے اور یہ میری بہن ربابہ ہے ہم لوگ یہاں عرصہ سے رہ رہے ہیں۔ آپ شاید حیران ہوں لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہم دونوں ہی تنہائی پسند ہیں اور یہاں جو تنہائی موجود ہے وہ اور کہیں نہیں مل سکتی۔" میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

پھر میں نے کہا۔ "میرا نام گل شیر ہے اور میں گونڈی جارہا تھا کہ راستے میں یہ بھیڑیئے نظر آگئے' میں نے سنا تھا کہ یہ راستہ بالکل صاف ہے لیکن.........."

"نہیں یہ بات نہیں راستہ تو بالکل صاف تھا صرف چند ہی روز سے یہ جانور ادھر

آئے ہیں۔ خیال ہے جلد ہی گاؤں والے انہیں بھگادیں گے یا پھر ختم کردیں گے۔ پچھلے دنوں میں انہوں نے بہت سے لوگوں کو نقصان پہنچایا ہے' گاؤں کے لوگ انہیں تلاش کررہے ہیں۔" پھر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ براہ کرم کچھ کھایئے افسوس اس ویرانے میں ہم آپ کی بہت زیادہ خدمت نہیں کرسکتے لیکن رات کے کھانے میں یقینی طور پر میری بہن آپ کو ایک بہترین ڈنر دے گی۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے آپ اس کی زحمت بالکل نہ کریں' میرا خیال ہے کہ گونڈی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے بس تھوڑی دیر کے بعد میں چلا جاؤں گا۔"

"رات کا یہ سفر زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا ہے آپ تنہا ہیں اور جب آپ ہمارے مہمان بن چکے ہیں تو ہم آپ کو اس کی اجازت قطعی نہیں دیں گے کہ آپ اس طرح تنہا جائیں۔" خاموشی کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا' وہ بات بالکل درست کہہ رہا تھا اخلاقاً میں نے جانے کی بات تو کردی تھی لیکن بھیڑیوں کے تصور سے ہوش خراب ہو رہے تھے۔ لڑکی بھی اس دوران یہیں موجود تھی اس کی من موہنی صورت بند آنکھوں سے بھی دیکھی جاسکتی تھی اور میں اپنے بدن میں ایک عجیب سی کھچاوٹ محسوس کررہا تھا۔ بہرحال ناشتے سے فارغ ہوکر میرے میزبان نے اپنی بہن سے کہا۔ "ربابہ چلو ہمارے دوست کے لئے کھانا تیار کرو' میں انہیں اپنی اس رہائش گاہ کی سیر کراتا ہوں۔" وہ مجھے وہاں سے اٹھا کر اس کچے مکان کی سیر کرانے لگا' پھر وہ خاص طور سے مجھے اپنی کتابوں کی لائبریری میں لے گیا' یہاں انتہائی قدیم کتابیں موجود تھیں۔ ان کا کاغذ بھی بوسیدہ ہوگیا تھا' ایک بھی نئی کتاب موجود نہیں تھی' میں نے مسکراتے ہوئے کہا لگتا ہے آپ کو قدیم کتابوں کو جمع کرنے کا شوق ہے۔

"ہاں ہم ماضی کے لوگ ہیں اور اس لئے ہمیں پرانی کتابیں پسند ہیں۔"

"ماضی کے لوگ؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا لیکن وہ ایک کتاب کی جانب متوجہ ہوگیا۔ اس نے اس کے بعد کوئی جواب نہیں دیا تھا' اس وقت شام کے تقریباً چھ بج رہے تھے' کھڑکی سے باہر کا جنگل صاف نظر آرہا تھا جو بالکل تاریک ہوچکا تھا۔ پوری فضا میں کیڑے مکوڑوں کی آوازوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ ہم لوگ کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے' اس گفتگو میں کوئی ایسی بات نہیں تھی' پھر ربابہ اندر داخل ہوئی اور اس نے کہا کھانا تیار ہے۔ حمزان بڑی محبت سے مجھے اٹھا کر کھانے کے کمرے میں لے آیا' کمرے میں زبردست خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ بے مثال کھانا تیار تھا اس کے بعد ہم نے قہوہ پیا' میں نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

"میں صرف ایک ہی بات کہہ سکتا ہوں جناب جو کھانا آج میں نے کھایا ہے شاید زندگی میں دوبارہ نہ ملے۔" "اب آپ آرام کیجئے گا وہ بولا اور اس کے بعد انہوں نے مجھے میرا کمرہ دکھادیا' حسین بستر پر نیند کہاں آتی۔ میرے ذہن میں نہ جانے کیسے کیسے احساسات جاگتے رہے تھے اور پھر بہت ہی دیر کے بعد نیند آئی۔ جب میں صبح کو اٹھا تو مجھے قریب کے کمرے سے روشنی کا احساس ہوا اور پھر اچانک ہی جل ترنگ بج اٹھے۔

"آپ جاگ گئے۔"

"ہاں بس' رات کو نیند نہیں آئی۔"

"کیوں خیریت؟"

"بس ایسے ہی آپ لوگ بہت اچھے ہیں آپ کو زندگی میں بھی بھلا نہیں سکوں گا۔" پھر میں اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھا اور اس نے ہمیں ایک بہترین ناشتہ کرایا' اس وقت حمزان موجود نہیں تھا اور کافی وقت گزرتا جارہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ "آپ لوگ اگر کبھی دوبارہ مجھے ملیں؟"

"نہیں ہم تمہیں دوبارہ نہیں مل سکیں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"بس ہم اس دنیا کے لوگ نہیں ہیں۔" اس نے کہا اور میں نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ اسی وقت حمزان آگیا پھر بولا۔ "سفر کے لئے بہترین وقت ہے' گونڈی بھی زیادہ فاصلے پر نہیں ہے اگر آپ محسوس نہ کریں تو آیئے ہم آپ کو تھوڑی دور تک چھوڑ دیں۔" میں نے بادل نخواستہ تیاری کا اظہار کردیا تھا ایک عجیب سا تصور میرے وجود سے چمٹا ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہورہا تھا کہ یہ لڑکی ربابہ مجھے برسوں یاد رہے گی حالانکہ وہ ایک تصور جسے میں نے گاتے ہوئے دیکھا تھا ابھی تک میرے ذہن سے دور نہیں ہوا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ میری ذات کا ایک حصہ بن گیا ہو لیکن بات وہی تھی انسان کو زندگی میں اگر کچھ ایسا موقع مل جائے کہ وہ اپنے آپ کو بھی ایک معتبر شخصیت سمجھنے لگے تو پھر حسن و عشق کا تصور دلکش ہوتا ہے ورنہ اپنے آپ سے ہی شرم آتی ہے۔ چنانچہ وہ دونوں مجھے لئے ہوئے باہر نکل آئے اور پھر انہوں نے مجھے خداحافظ کہا۔ دل کھنچ رہا تھا میں کافی دور تک چلتا رہا پھر اس تصور کے ساتھ کہ وہ دونوں کھڑے ہیں یا جاچکے ہیں یا پھر اصل بات یہ کہی جائے کہ ربابہ کو ایک نگاہ دیکھنے کا خیال میرے دل میں ابھرا تو میں نے پلٹ کر دیکھا اور اس کے بعد میں ناچ کر رہ گیا۔

وہاں نہ وہ مکان تھا نہ ربابہ اور نہ حمزان' کچھ بھی نہیں تھا وہاں' خاموش جنگل

حالانکہ چند ہی قدم چلا تھا میں۔ البتہ مجھے اپنے سر کے اوپر دو پرندوں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی اور میں نے اوپر دیکھا' آہ یہ وہی دونوں پرندے تھے جو مجھے پہلے بھی نظر آئے تھے لیکن یہ مکان کہاں چلا گیا اور پھر اچانک ہی میرے سارے وجود پر ایک خوف سا طاری ہوگیا۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ ان دونوں کی شخصیت میں کوئی ایسی عجیب بات ضرور تھی جو رات سے اب تک مجھے الجھائے رہی تھی۔ وہ انسان نہیں تھے حمزان نے کہا تھا کہ وہ ماضی کے لوگ ہیں' آہ ماضی کے لوگ' بات تو پہلے مرحلے میں سمجھ میں آجانے والی تھی۔ بس میرا ذہن اس طرف نہیں آیا تھا' میں نے ربابہ پر غور کیا' حمزان پر غور کیا کس قدر حسین تھا وہ۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک بجلی سی کوندگئی ایک عجیب سا احساس جیسے میرے دل کو مٹھی میں جکڑنے لگا۔ ربابہ! مجھے وہ یاد آگئی جو ایک عجیب سے نغمے کے ساتھ میری دنیا میں آئی تھی' حالانکہ میں نے اس کے چہرے کو بغور نہیں دیکھا تھا لیکن اب اچانک ہی میرے ذہن کے دریچے کھل گئے تھے اور ان دریچوں سے جو چہرہ جھانکا تھا وہ ربابہ ہی کا چہرہ تھا۔ لعنت ہے مجھ پر لعنت ہے اتنی سی بات ذہن میں نہیں آسکی۔ ربابہ تو وہی حسین اور پُراسرار وجود تھا جس نے میرے دل و دماغ میں ہلچل مچادی تھی۔ وہ میری زندگی میں آئی تھی' میں نے اس کے ہاتھوں کا بنا ہوا کھانا کھایا تھا۔ وہ میرے اس قدر قریب رہی تھی اور اس کی آنکھیں اب اس کی آنکھوں کی تحریر میری سمجھ میں آرہی تھی۔ وہ آنکھیں تو مسلسل جیسے مجھے کچھ یاد دلا رہی تھیں' یہ الگ بات ہے کہ میرا کند ذہن ان یادوں کی بارات کو تلاش نہیں کرسکا تھا۔ وہ اوراق نہیں الٹے تھے میں نے میرا دل چاہا پلٹ کر واپس اس جگہ پہنچ جاؤں۔ دنیا کے ہر خطرے سے بے نیاز ہوکر ربابہ سے کہوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی' میں بھول گیا تھا واقعی میں بھول گیا تھا' لیکن پھر یہ بھی یاد آگیا کہ وہاں تو چند قدم چلنے کے بعد ہی ان میں سے کسی کا کوئی وجود نہیں تھا۔ دل سے آنسو ٹپک پڑے ربابہ کی یاد ایک دم سے سارے وجود پر چھاگئی' اب کیا کروں طبیعت پر شدید اضمحلال طاری ہوگیا' آگے بڑھنے کے سوا چارہ کار ہی کیا تھا۔ ایک خواب' ایک سایہ' ایک طلسماتی وجود بس اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

☆------☆------☆

گرتا پڑتا چلتا رہا' اب نہ کسی درندے کا خوف تھا نہ کسی ایسی اچانک مصیبت کا احساس۔ ربابہ کی یاد نے سب کچھ بھلا دیا تھا' یہاں تک کہ گونڈی پہنچ گیا اور اس کے بعد میرے دوست ریاض نے مجھے خوش آمدید کہا۔

فیض چچا نے ریاض کو اطلاع دے دی تھی اور وہ میرے نہ پہنچنے سے پریشان تھا' گونڈی کی سرحد پر ہی مجھے مل گیا تھا اور پھر مجھ سے میری خیریت دریافت کرتا ہوا اپنے گھر لے گیا تھا۔ اس نے میرے لئے خاطر مدارت کا ایک شاندار بندوبست کر رکھا تھا۔ اس نے کہا بہت تھک گئے ہو' میرے دل پر جیسے اداسی جم کر رہ گئی تھی۔

"نہیں ریاض میں ایک بار پھر اسی مشکل کا شکار ہوگیا ہوں' بتایا تھا نا میں نے تمہیں اس کے بارے میں۔ ارے وہ معمہ واقعی آج تک میرے ذہن میں نہیں کھلا ہے' ایسی عجیب وغریب چیز انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو اسے ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے۔" میں نے اس وقت تو خاموشی اختیار کرلی ریاض کے ساتھ ایک اچھا دن گزرا' لیکن وہ مجھ سے یہی کہتا رہا کہ کوئی ایسی بات ضرور ہے جو میرے ذہن میں چبھ رہی ہے۔ رات کے کھانے کے بعد میں نے ریاض کو اپنی اس دکھ بھری داستان سے آگاہ کیا' ریاض اس پہلے دور کا ساتھی تھا اور اس نے بھی نہر کے کنارے اس پُراسرار روح کے بارے میں ساری تفصیلات معلوم کی تھیں' میں نے اسے راستے کی کہانی سنائی تو ریاض ششدر رہ گیا۔ اس نے کہا۔

"میرے خدا تمہیں یقین ہے کہ یہ ربابہ وہی شکل تھی؟" ہاں اور حمزان بھی بہت ہی نفیس نوجوان تھا ریاض گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس نے کہا۔ "میرے خدا اس کا مطلب ہے کہ یہ ساری کہانیاں سچی ہی ہوتی ہیں' مگر ربابہ کا دوسری بار نظر آنا' یار بڑی بڑی سنسنی خیز کہانیاں وجود میں آتی ہیں' تم نے رحمان پورہ کا نام سنا ہے۔ نہیں کوئی خاص جگہ نہیں ہے' بس یوں سمجھ لو ریاست ہے ریاست رحمان پورہ' میں تمہیں وہاں ہونے والے انتہائی پُراسرار واقعات کی کہانی ضرور سناؤں گا۔ میرے علم میں آئی تو میں نے کچھ بے یقینی کا سا انداز اختیار کیا تھا لیکن اب تم نے مجھے ربابہ کے بارے میں بتایا ہے تو میرا فرض ہے کہ تمہیں ان حالات کی سنگینی سے آگاہ کردوں۔ حالات کی سنگینی' سوفیصدی' بعض اوقات ہم بہت سی حسین چیزوں کو دیکھتے ہیں لیکن ان کے پس منظر میں کچھ اور ہی کہانیاں ہوتی ہیں اور یہ کہانیاں کبھی کبھی زندگی کا روگ بن جاتی ہیں۔ عظیم میاں سے ملو گے تو تمہیں احساس ہوگا کہ انسانوں کا ایک ایسا گروہ بھی ہے جس میں اتنے اچھے اچھے لوگ ہوتے ہیں خاص طور سے اس دور میں' لیکن عظیم میاں کے ساتھ جو دلچسپ واقعہ پیش آیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ میں تمہارے ذہن کو کسی بھی لمحے بھٹکانا نہیں چاہتا لیکن تمہیں ہوشیار ضرور کرنا چاہتا ہوں۔"

"ریاض میں جس مشکل کی دنیا کا انسان ہوں اس میں ایسے قصے کہانیوں کا گزر

نہیں ہے' لیکن تم ذرا دیکھو کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے' میں تمہیں سائیں گلاب شیر کے بارے میں بتا چکا ہوں۔ سائیں گلاب شیر میرے چچا کے بارے میں خاندان بھر میں عجیب وغریب کہانیاں مشہور ہیں۔ سارے خاندان نے چچا گلاب کا بائیکاٹ کیا ہوا ہے وہ کہاں ہے' کیا کر رہا ہے' زندہ ہے یا مرگیا ہے' کسی کو اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم' لیکن ذرا دیکھو یہ پُراسرار زندگی آخر مجھ سے چمٹ کیوں گئی ہے؟"

"کیا کہا جاسکتا ہے میں جس خاندان کا تذکرہ کر رہا ہوں وہ ایک عرصے تک ایک مشکل کا شکار رہا ہے۔"

"مجھے بتاؤ اس کے بارے میں۔" میں نے محسوس کیا کہ ریاض دوبارہ اس کا تذکرہ کر کے مجھے وہاں کی کہانی سنانا چاہتا ہے' ریاض نے کہا۔

"اصل میں انسان کچھ لوگوں سے ایسے متاثر ہوتا ہے کہ ان کی باتیں کرتے ہوئے بھی اسے اچھا لگتا ہے۔ پھر چونکہ کہانی اس قدر دلچسپ تھی میں نے اسی خاندان کے ایک فرد سے اتنی تفصیل سے یہ کہانی سنی اور اتنی بار سنی کہ یہ سمجھ لو کہ اب وہ مجھے بالکل ازبر ہوگئی ہے اور میں اسے اس طرح لفظ بہ لفظ سنا سکتا ہوں۔ ویسے بھی میں تمہیں بتاؤں کہ خوبصورت لوگوں کا وہ خوبصورت خاندان بڑی دلچسپ روایات کا حامل ہے' مثلاً جیسے وہ ایک واقعہ۔ تم نے واقعی مجھے بھی اس کہانی سے دلچسپی دلادی ہے' تم یقین کرو میرے دوست ہوسکتا ہے اس کہانی میں تمہیں تمہاری مشکل کا حل مل جائے۔"

"میری مشکل کا حل؟"

"ہاں۔"

"وہ کیسے؟"

"اس لئے کہ عظیم اللہ خان کو جو واقعہ پیش آیا وہ ایک طرح سے تمہارے حالات سے کسی قدر مماثلت رکھتا ہے۔ اسی لئے میں تمہیں وہ واقعہ سنا رہا ہوں۔"

عظیم اللہ خان کی گھوڑ سواری کے دور دور تک چرچے تھے خود بھی ایسے بانکے طرح دار تھے کہ ایک بار پڑنے والی نگاہ ہٹائے نہ ہٹتی تھی۔ دیہاتوں کے پنگھٹ پر پانی بھرنے والی نوجوان چھوکریاں ڈول چھوڑ دیتی تھیں' مٹکے ٹوٹ جاتے تھے' نہ جانے کتنے دلوں کا خون کیا تھا لیکن خود اتنے سادہ لوح تھے کہ کسی کے دل کا حال معلوم نہ ہوتا تھا' حال تو انہیں شاید انہیں اپنے دل کا بھی معلوم نہیں تھا جبھی تو نورالنساء کو دیکھنے کے بعد جو دل میں کسک پیدا ہوگئی تھی۔ ہر چیز سے طبیعت اچاٹ ہوگئی تھی' اس کا راز نہ جان سکے تھے اور مہینوں سوچتے رہے تھے کہ نہ جانے کیا بیماری لگ گئی ہے۔ نور النساء سے

ملاقات بھی عجیب انداز میں ہوئی تھی' رحمان پوریا خاندان دور دور تک مشہور تھا۔ پشتوں کی جاگیر تھی' ہمیشہ کے نواب تھے لیکن اس خاندان پر ہمیشہ خدا کی رحمت رہی تھی۔ لڑکیاں تو لڑکیاں لڑکے بھی گائے ہوتے تھے' سب کی پیشانیاں اجلی سب کے دل ظلم و بربریت سے پاک۔ رعایا ہمیشہ ان سے خوش تھی اور آج تک خوش ہے' مزارعے جان دیتے تھے ورنہ قریب کی ریاستوں کا حال کس سے چھپا ہوا تھا۔ طرح طرح سے مزارعوں کو ستایا جاتا تھا' عجیب عجیب قانون نافذ ہوتے تھے اور پھر اوپر سے عیاش فطرت لوگ اکثر بہو بیٹیوں کے اغوا ہوتے رہتے تھے' اکثر المیے جنم لیتے رہتے تھے لیکن رحمان پورہ سے دور۔ رحمان پورہ تو اس لحاظ سے جنت کی مثال تھا' اکثر دور کے لوگ حسرت سے اس کے بارے میں سوچتے تھے۔ پھر جہاں نیکیاں ہوں وہاں خدا کی رحمت کیوں نہ ہو' رحمان پورہ بڑا خوشحال تھا زمین سونا اگلتی تھی' کپاس اور تیل کا کاروبار اس سے بڑا کسی کا نہ تھا۔ تیل کے حوض چلتے تھے اور پورے ملک میں تیل سپلائی ہوتا تھا' غرض کہ خاندان خوب پھل پھول رہا تھا۔ نوابی کا موجودہ بوجھ نواب فہیم اللہ خان کے کاندھوں پر تھا۔ وہی بڑے تھے اور خاندان کے قانون کے مطابق خاندان کا بڑا لڑکا ہی جاگیر کا رکھوالا ہوتا ہے۔ وہ اور ہوں گے جو اقتدار مل جانے پر خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوں گے۔ یہاں تو ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس ہوتا تھا' کسی کی حق تلفی نہ ہو' کسی کا دل نہ دکھے کوئی بھوکا نہ سوجائے کسی کو شکایت نہ پیدا ہو۔ فہیم اللہ خان اس بوجھ سے دبے ہوئے تھے سنجیدہ اور بردبار بھائی پر جان دیتے تھے اس لئے عظیم اللہ خان کی باربار درخواست کے باوجود انہوں نے جاگیر کے کاموں کا بوجھ اپنے کندھے پر نہیں ڈالا تھا ہاں یہ دوسری بات ہے کہ تفریحاً بھائی کے کسی کام میں ہاتھ بٹالیں مثلاً لگان کی وصولی یا زمین کے کسی مسئلے کی پیروی۔

بس یہاں تک محدود تھے ہاں تو بات نور النساء سے ملاقات کی ہو رہی تھی فہیم اللہ خان کی شادی حسن آباد کے نواب وحید الدین خان صاحب کی بیٹی شاہانہ سے ہوئی تھی حسن آباد کی روایات رحمان پورہ جیسی تو نہ تھیں لیکن وحید الدین نیک نام اور اللہ والے تھے اور پھر ان کا خاندان بھی کھرا تھا۔ فہیم اللہ خان کی والدہ عظمیٰ بیگم نے شاہانہ کو ایک تقریب میں دیکھا تھا اور لٹو ہوگئی تھیں۔ ان کے ہاں بیٹوں سے بھی ان کی شادی کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں ہوتی تھی بیٹیوں کی تو خیربات ہی الگ تھی۔ چنانچہ فہیم اللہ خان کا رشتہ لے کر گئیں اور پہلی ہی ملاقات میں اندازہ ہوگیا کہ وحید اور ان کی بیگم کو اس رشتے سے خوشی ہوئی ہے لیکن رسمی تکلف تو جائز تھا۔ تین چار بار چکر لگانا ضروری تھا ہاں' ہوگئی اور شادی کی تیاریاں ہونے لگیں نوابوں کی شادیاں تو نوابوں ہی کے انداز میں

ہوتی تھیں۔ فہیم اللہ خان کی شادی تھی عرصہ دراز تک لوگوں کے ذہنوں میں رہی اور شاہانہ بیگم گھر آگئیں والدین نیک نفس ہوں تو اولاد بھی غلط راستوں پر نہیں جاتی۔ شاہانہ بیگم ایک اعلیٰ کردار کی خاتون تھیں۔ کیا مجال کہ کسی کو رتی بھر بھی شکایت ہوئی ہو ہر ایک کو اس کے حصے کی محبت ملی تھی دیور پر تو جان چھڑکتی تھیں۔ اکلوتا دیور تھا۔ بڑا مان کرتی تھیں اس پر' اور دیور بھی ماں کے بعد ان کی حیثیت ہی سمجھتے تھے۔

تو ہوا یوں کہ شاہانہ بیگم کے ماموں زاد بھائی کی شادی تھی پورے گھر کو ہفتوں پہلے بلایا گیا فہیم اللہ خان مصروف انسان تھے انہوں نے تو معذرت کرلی کہ پہلے سے نہیں آسکتے ہاں اپنے نعم البدل کے طور پر عظیم اللہ خان کو نامزد کیا۔ عظیم اللہ خان کو بھی ان جھگڑوں کا تجربہ تھا لیکن بھائی کے حکم کے سامنے کیسے دم مار سکتے تھے۔ چنانچہ تعمیل ہوئی اور سب کو لے کر چل دیئے۔ حسن آباد میں ان کا ایسا پُرجوش خیرمقدم کیا گیا جس کی مثال مشکل ہے۔ بڑی بڑی حویلیاں تھیں جن میں حسب مراتب مہمان خانے بنے ہوئے تھے لیکن وحید الدین خان صاحب کی بیٹی کے سسرال والوں کو مہمان خانے میں ٹھہرانا نامناسب خیال کیا۔ عورتوں کی تو خیربات ہی اور تھی۔ عظیم اللہ خان کو بھی کوٹھی ہی کے اندر جگہ دی گئی۔ انہیں گھر کے ایک فرد کی حیثیت دی گئی۔ ہر معاملے میں وحید الدین خان صاحب ان سے مشورہ کرتے تھے۔ بھتیجے کی شادی بیٹے ہی کی طرح کر رہے تھے' نتیجہ یہ ہوا کہ عظیم اللہ خان پر جو ایک اجنبی ماحول سوار تھا وہ دور ہوگیا اور اس چند روز کے قیام سے انہوں نے خوب لطف اٹھایا۔ گو پردے کا رواج دونوں خاندانوں میں حد سے بڑھ کر تھا لیکن شادی بیاہ کے موقع پر لڑکیاں بالیاں آزاد ہی ہوجاتی ہیں اور پھر کوئی کہاں تک خیال رکھے یہ تو شادی والے روز کی بات ہے۔

بارات تیار ہوچکی تھی' عظیم اللہ خان نے بھی خوبصورت لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور بارات میں شریک ہونے کو تیار تھے اور ان کی بھابی اور دوسرے لوگ دولہا بھائی کی رسم دیکھنے جاچکے تھے۔ بہت سی لڑکیوں کے غول اس کمرے کے سامنے سے گزر رہے تھے جہاں عظیم اللہ خان قیام پذیر تھے۔ حالانکہ عقب سے دوسرا راستہ بھی تھا لیکن وہ طویل تھا جبکہ اس طرف سے مہندی کی چھوٹی سی باڑھ پھلانگنے کے بعد وہاں تک باآسانی پہنچا جاسکتا تھا۔ جہاں دولہا بھائی کی رسم ہو رہی تھی۔ سنجیدہ اور عمررسیدہ عورتیں تو اسی طرف سے گئی تھیں لیکن لڑکیاں آفت کی پرکالاؤں کو موقع مل گیا تھا کوئی دیکھنے والا نہ تھا' اسی لئے انہوں نے ادھر ہی دھماچوکڑی مچائی ہوئی تھی۔ عظیم اللہ خان کئی بار کمرے سے نکلنے کی کوشش کرچکے تھے لیکن جونہی قدم باہر نکالتے لڑکیاں آتی نظر آجاتیں۔ پردے کا

ان کی نگاہوں میں بھی بڑا احترام تھا۔ اس لئے خود ہی اندر ہوجاتے۔ اس بار موقع مل ہی گیا' دبے پاؤں باہر نکل آئے۔ اور پھر مڑ ہی رہے تھے کہ کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچے۔ نور النساء بیگم تھیں مہندی کی باڑھ پھلانگنے جارہی تھیں۔ تنہا تھیں۔ شاید وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں۔ ادھر تو یہ ٹھٹکے ادھر نورالنساء کا رنگ اڑ گیا۔ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے اور اسی طرح باڑھ پھلانگنے کی کوشش کی اور نتیجہ ظاہر ہے اوندھے منہ گری تھیں۔ دوپٹہ باڑھ ہی میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ ہاتھوں کی چوڑیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ اب ایسا بھی کیا پردہ اور ایسی بھی کیا رسمیں کہ عظیم خان ان کی مدد نہ کرتے۔ بے اختیار دوڑے اور پھول سے بدن کو بازوؤں میں بھر کر اٹھالیا۔ نرم و ریشمی بدن کی گدگداہٹیں رگ و پے میں اتر گئیں۔ حواس باختہ ہوگئے اور بدحواسی میں بازوؤں کا حلقہ بھی نہ ٹوٹا۔ نور النساء کا چہرہ ان کے چہرے سے صرف چند انچ کے فاصلے پر تھا۔ تب نورالنساء کی گھبراہٹ سے ہی جاگے' احساس ہوا۔ کرنٹ سا دوڑ گیا بدن میں' جلدی سے چھوڑ دیا۔ ادھر نور النساء کی معصومیت وہ ان کی بجائے ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔

"ہائے اللہ سب ٹوٹ گئیں۔" وہ روہانسی آواز میں بولی۔

"سس۔ سب ٹوٹ گئیں۔" عظیم اللہ خان صاحب احمقانہ انداز میں بولے۔

"اب کیا کروں؟" نور النساء نے ناک سے شوں شوں کرتے ہوئے کہا اور دونوں ہاتھ سامنے کردیئے۔

"ارے خون نکل آیا۔" عظیم اللہ صاحب نازک کلائیوں پر سرخ موتی جگمگاتے دیکھ کر بولے حواس ان کے بھی درست نہ تھے لیکن نور النساء کو احساس ہوگیا اس نے ایک ہلکی سی چیخ مار کر منہ چھپالیا۔ ارے تت۔ تت۔ توبہ۔ توبہ۔ عظیم اللہ صاحب پریشانی سے مڑے اور مہندی کی باڑ پھلانگ گئے ان کی کھوپڑی ہوا میں معلق تھی۔

"مم۔ میرا دوپٹہ؟" نور النساء کی آواز عقب سے سنائی دی اور عظیم اللہ خان نے رخ بدلے بدلے دوپٹہ اٹھایا اور ہاتھ پیچھے کردیا۔ دوپٹہ لے لیا گیا اور عظیم اللہ اسی طرح کھڑے رہے۔ کھڑے رہے کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ سامنے سے ایک بزرگ خاتون قریب پہنچ گئیں۔ "ارے۔ یہاں کیا کر رہے ہو بیٹا۔ جلدی چلو باہر بارات تیار ہے۔" بزرگ خاتون نے کہا اور عظیم اللہ خان رخ بدلے بغیر باہر کی طرف لپکے۔ بس اس کے بعد نہ جانے کون کون سے ہنگامے رہے۔ نہ جانے کیا کیا ہوا۔ عظیم اللہ صاحب ماحول سے بے نیاز ہوگئے تھے وہ تو ایک اور دیدار کے طلب گار تھے لیکن آس ہی رہی۔ ہنگامے ختم ہوگئے مہمان رخصت ہوگئے وہ نظر نہ آئی اور عظیم اللہ صاحب بھی رحمان پورہ واپس

آ گئے وہی روز مرہ کے معاملات وہ سب کچھ لیکن عظیم اللہ کی شخصیت میں خلا پیدا ہوگیا تھا۔ ان کے دل کی کیفیت درست نہیں تھی۔ ہروقت کھوئے کھوئے سے رہتے۔ طبیعت پریشان رہتی دل بے چین رہتا۔ کیوں؟ اس کا احساس انہیں خود بھی نہیں تھا۔ کسی کو بھی ان کی بیماری کا احساس نہ ہوسکا۔ کسی نے ان کے بارے میں جاننے کی کوشش نہیں کی' لیکن ماں کی طرح پیار کرنے والی بھابی نے ایک روز ان کا چہرہ دیکھا اور دیکھتی رہ گئی۔

"عظیم میاں؟" انہوں نے حیرت سے پکارا۔

"بھابی حضور۔" عظیم میاں ادب سے بولے۔

"ادھر آیئے۔" شاہانہ بیگم عجیب سے انداز میں بولیں اور عظیم صاحب ان کے سامنے پہنچ گئے۔ "بیٹھ جایئے۔" انہوں نے حکم دیا۔

"فرمایئے بھابی حضور۔"

"عظیم میاں۔ ہم سے منہ نہ چھپائیں ہم آپ کے چہرے پر انوکھے نقوش دیکھ رہے ہیں آپ اس قدر معصوم ہیں کہ ہمیں آپ سے کوئی جھجک نہیں ہوتی' خدا کے واسطے ہمیں بتائیں کہ کیا بات ہے ہم بے چین ہوگئے ہیں۔" بھابی نے ایسی بے قراری سے کہا کہ عظیم میاں سوچ میں ڈوب گئے۔

"بھابی حضور! آپ کے احساس دلانے سے بخدا ہمیں احساس ہوا ہے کہ بلاشبہ ہم کسی عجیب سی کیفیت کا شکار ہیں ورنہ اس سے قبل ہم نے یہ بے چینی محسوس کی تھی۔ اس پر غور نہیں کیا تھا۔"

"مجھے یقین ہے عظیم میاں آپ ایسے ہی ہیں خود سے لاپرواہ' بے نیاز۔ سادہ' معصوم۔"

"آپ کی محبت ہے بھابی حضور! ورنہ اب ہم ایسے بھی نہیں ہیں۔" عظیم صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

"آپ کیا ہیں۔ یہ آپ سے بہتر ہم جانتے ہیں۔ بس آپ ہمیں بتائیں کہ آپ کیوں مضطرب ہیں اور آپ کے چہرے کے یہ رنگ پھیکے کیوں پڑ رہے ہیں۔" بھابی محبت آمیز سنجیدگی سے بولیں۔

"ہم آپ سے جھوٹ نہیں بولیں گے بھابی حضور! ہم اس کی جرأت ہی نہیں کرسکتے۔ بخدا ہم خود بھی اس کے بارے میں نہیں جانتے۔"

"کیا مطلب؟" شاہانہ بیگم حیرت سے بولیں۔

"ہاں ہمیں خود نہیں معلوم ہمارا دل کیوں مضطرب رہتا ہے۔ نہ جانے ہماری

آنکھوں میں کیسے کیسے رنگ ابھرتے ہیں۔ نہ جانے۔ نہ جانے وہ چہرہ کیوں بار بار میری آنکھوں میں ابھر آتا ہے۔"

"چہرہ؟ کس کا چہرہ............؟" شاہانہ بھابی حیرت سے بولیں۔

"ہم نہیں جانتے ہم انہیں نہیں جانتے بھابی حضور! بخدا ہم انہیں نہیں جانتے۔" عظیم صاحب بیچارگی سے بولے۔

"کیا کہہ رہے ہیں عظیم میاں۔ کیسی الجھی الجھی گفتگو کر رہے ہیں۔" شاہانہ بیگم پریشانی سے بولیں۔

"ہم آپ سے جھوٹ نہیں عرض کریں گے بھابی حضور ہمارے اوپر بھروسہ کریں۔"

"ہمیں یقین ہے لیکن آپ اتنے سادہ ہیں کہ بس خدا کے بندے یہ تو بتایئے کہ وہ کس طرح تمہارے تصور میں آیا' آپ نے کہاں دیکھا اسے' میں اس چہرے کی بات کر رہی ہوں۔"

"بھابی حضور۔ بھابی حضور..........." عظیم میاں نے گردن جھکالی۔

"اللہ اب کہہ بھی ڈالئے۔"

"بھابی حضور ہم نے انہیں آپ کے ہاں دیکھا تھا؟" عظیم صاحب نے کسی مجرم کے سے انداز میں کہا اور سہمے ہوئے انداز سے گردن جھکالی۔ شاہانہ بیگم نے چونک کر انہیں دیکھا اور عظیم میاں پر انہیں بے حد پیار آیا۔

"کب..........؟ شادی کے موقع پر..........؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی..........!" عظیم صاحب کے منہ سے سہمی ہوئی آواز نکلی۔

"تو گردن اٹھایئے۔ آپ تو بلاوجہ ویسے ہی شکایت ہے آپ سے۔" بھابی بدستور مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ہم شرمندہ ہیں بھابی حضور۔ ہم ازحد شرمندہ ہیں۔"

"لیکن کس بات پر..........؟"

"ہم نے۔ ہم نے گناہ کیا ہے۔"

"عظیم میاں ایسی باتیں کریں گے تو میں آپ سے ناراض ہوجاؤں گی مجھے تو آپ سے یہ شکایت ہے کہ آپ نے اب تک ہم سے یہ بات کیوں چھپائے رکھی۔ کیا ہم آپ کے لئے غیر ہیں۔ ہمارے آپ کے درمیان راز کا رشتہ ہے۔ عظیم میاں ہم آپ کے لئے وہ ہیں جو دوسرے نہیں ہوسکتے۔ کیا آپ کو ہمارے اوپر اعتماد نہیں ہے؟ کیا ہم اس قابل

نہ تھے کہ آپ ہمیں اس راز سے آگاہ کردیتے؟"

"بھابی حضور..........؟" عظیم میاں لرزتی ہوئی آواز میں بولے۔

"ہم نے آپ کے لئے سزا تجویز کی ہے اور وہ سزا یہ ہے کہ آپ ہمیں پوری تفصیل سچ سچ بتا دیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ جھوٹ نہیں بولتے' اور آپ کو ہماری سزا قبول کرنا پڑے گی۔" اور عظیم میاں نے سہمے ہوئے انداز میں شاہانہ بیگم کو سب کچھ بتادیا! شاہانہ بیگم بار بار ہنسی روک رہی تھیں۔ پھر انہوں نے غور کرتے ہوئے خود سے کہا۔ کون ہوسکتی ہیں وہ۔ عذرا۔ افروز۔ نور۔ عابدہ۔ "کچھ اتہ پتہ تو بتایئے۔"

"ہم نہیں جانتے بھابی حضور۔"

"لباس کیا پہنا ہوا تھا انہوں نے؟"

"ہم نے صرف دوپٹہ دیکھا تھا۔"

"نقوش کیسے تھے۔ رنگ کیسا تھا کیا بال گھنگھریالے تھے؟ کچھ تو بتایئے۔" بھابی غور کرتی ہوئی بولیں۔

"ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتے بھابی حضور!" عظیم میاں پریشانی سے بولے۔ بھابی خود پریشان ہوگئی تھیں۔ بہت دیر تک وہ غور کرتی رہیں پھر ایک گہری سانس لے کر بولیں۔ "بہرحال آپ فکر نہ کریں عظیم میاں۔ ہم پر چھوڑ دیں۔ ہم سب ٹھیک کرلیں گے۔"

"لیکن بھابی حضور۔"

"بس۔ بس رہنے دو اتنے دن تک چھپائے رکھا۔ ہمیں بھی نہیں بتایا ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہم ناراض ہوجاتے لیکن جایئے معاف کیا۔ ہم آپ کے لئے کچھ کریں گے۔"

"مجھے فخر ہے بھابی حضور آپ میرے اوپر اعتماد کرتی ہیں۔ بخدا ہم نے آپ سے کچھ چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہمیں تو خود بھی اپنی حالت کا اندازہ نہیں تھا۔ ہم تو خود فیصلہ نہیں کرپا رہے تھے کہ ہمیں کیا ہوگیا ہے۔ آپ سے گفتگو کے بعد ہی ہم فیصلہ کن نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"بڑے ہی بھولے ہیں آپ عظیم میاں۔" بھابی ہنستی ہوئی چلی گئی تھیں اور عظیم اللہ خاں سوچ میں گم ہوگئے کیا واقعی؟ کیا واقعی کوئی ایسی ہی بات تھی۔ کیا انہیں کچھ ہوگیا ہے؟ اور جب ان لائنوں پر سوچا تو پتہ چلا کہ بہت کچھ ہوگیا ہے وہ حسین چہرہ تو ان کے ذہن سے چپک کر رہ گیا ہے۔ اس کی یاد اس کی کسک تو ان کے دل کے گوشے گوشے میں پنہاں ہے۔ بھابی حضور ان کے نقش ونگار کو پوچھ رہی تھیں۔ وہ نقوش' وہ آواز۔ وہ

انداز تو ان کی رگ رگ میں خون بن کر دوڑ رہا تھا لیکن بھابی حضور کے سامنے زبان کیسے کھولی جائے؟ اور بھابی حضور کیا کریں گی! لیکن نیک نفس شاہانہ بیگم اب ان کی محبت کی امین تھیں۔ ان کے لئے دل و جان سے سب کچھ کرنے کو تیار تھیں۔ چنانچہ اس بات کے تیسرے روز ہی فہیم اللہ خان نے عظیم میاں کو بلایا۔ عظیم میاں بھائی کا سخت احترام کرتے تھے۔ شاذ ہی ان کے سامنے جاتے اور نگاہیں ملا کر بات کرنے کا اتفاق آج تک نہیں ہوا تھا۔ اس وقت بھی ان کی طلبی پر حیران ہوگئے اور جھجکتے ہوئے ان کے سامنے پہنچے۔

"بیٹھو عظیم میاں۔" فہیم صاحب نے کہا اور وہ خاموشی سے بیٹھ گئے۔ "بھئی تمہیں ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں۔"

"حکم بھائی جان.........؟" عظیم میاں دھیمی آواز میں بولے۔

"تمہاری بھابی اپنے میکے جانا چاہتی ہیں کہتی ہیں دل گھبرا رہا ہے ان لوگوں سے ملنے کی خواہش مند ہیں۔ اور اس کے لئے تمہارے علاوہ کسے تکلیف دی جائے۔"

"حاضر ہوں بھائی جان........." عظیم میاں بولے اور اچانک ہی ان کا دل دھڑک اٹھا۔ شادی کے وہ ایام یاد آگئے جب......... جب......... بھائی کے سامنے گم نہ ہوسکے۔

"تو میں انہیں اطمینان دلا دوں؟"

"بسروچشم۔"

"جیتے رہو۔ کل چلے جاؤ۔ ڈرائیور ساتھ جائے گا۔ بس تم اور تمہاری بھابی اور ناظم میاں۔" فہیم اللہ نے کہا۔

"بہتر۔ میں بھابی حضور سے مل کر باقی معلومات حاصل کرلوں گا۔"

"خوش رہو میاں۔ بس اسی لئے تکلیف دی تھی۔" فہیم صاحب نے گویا جانے کی اجازت دے دی اور اس کے بعد عظیم میاں بھی وہاں کب رک سکتے تھے۔ قدم الٹے سیدھے پڑ رہے تھے۔ سادہ ضرور تھے لیکن اتنے بھی نہیں کہ صورت حال نہ سمجھ سکتے۔ بھابی حضور نے ان سے کیے ہوئے وعدے کے ایفا کے لئے یہ سب سلسلہ شروع کیا ہے۔ لیکن کیا وہ کامیاب ہوجائیں گی؟ خدا کرے۔ خدا کرے ان کے دل سے آواز نکلی۔ لاکھ خود کو باز رکھا لیکن دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر شاہانہ بیگم کے پاس پہنچ گئے۔

"بھابی حضور۔" انہوں نے لکنت زدہ آواز میں کہا۔ "آیئے آیئے۔ عظیم میاں۔" شاہانہ بیگم مسکراتے ہوئے بولیں۔

"وہ بھائی جان نے فرمایا ہے کہ آپ۔ آپ حسن آباد جا رہی ہیں۔"

"آپ سے وعدہ جو کیا تھا عظیم میاں۔" شاہانہ بیگم نے جواب دیا۔ اور عظیم اللہ

مسکرا دیئے۔ بہرحال شاہانہ بیگم عظیم اللہ کے ساتھ حسن آباد چل پڑیں۔ راستے میں ڈرائیور کی وجہ سے کوئی گفتگو نہیں ہوسکی تھی۔

حسن آباد میں انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ بیٹی والدین کے گھر آئے تو والدین کی خوشیوں کا کیا ٹھکانہ' لیکن اس اچانک اور غیر متوقع آمد کے بارے میں حیرانی ضرور ہوئی۔ بہت سے سوالات کر ڈالے تھے۔ "بس امی حضور اچانک سب لوگوں کو دیکھنے کا دل چاہا۔ آپ کو علم ہے میرے سسرال والے کتنے نیک نفس ہیں۔ میں نے کہا اور فوراً میری خواہش پوری کردی گئی۔ اسی لئے آئی ہوں کہ ایک دو روز رہ جاؤں اور ایک ایک فرد کو دیکھ لوں۔"

"بہت اچھا کیا بیٹی۔ اور بہرحال رحمان پورہ والے اتنے نیک نہ ہوتے تو ہم ان میں تمہاری شادی ہی کیوں کرتے۔" شاہانہ بیگم کی والدہ نے نخوت سے کہا۔

"امی حضور میری خواہش ہے کہ بہت سے لوگوں سے ملوں۔ طبیعت پر ایک عجیب سی اداسی مسلط ہے۔ آپ اگر برا محسوس نہ کریں تو عذرا' عابدہ' افروز اور نور وغیرہ کو بلوالیں کچھ وقت ہنس بول کر گزر جائے گا تو یہ اداسی دور ہوجائے گی۔"

"ہاں۔ ہاں ضرور۔ میں ابھی ان لوگوں کو بلوانے کے لئے آدمی بھیج دیتی ہوں۔" بیگم صاحبہ نے فوری ہدایت جاری کیں اور پھر ماں بیٹی سسرال کے بارے میں گفتگو کرتی رہیں۔ "یہ تمہارے دیور واپس تو نہیں جائیں گے۔"

"نہیں امی حضور میں عظیم میاں کے ساتھ ہی واپس جاؤں گی۔" شاہانہ بیگم نے جواب دیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ عظیم اللہ خان کے پاس پہنچ گئیں۔ عظیم میاں کسی سوچ میں گم ایک کرسی پر دراز تھے' شاہانہ بیگم کے قدموں کی آواز پر چونک کر سنبھل گئے۔

"بھابی حضور........." وہ چونک کر کھڑے ہوگئے۔

"بیٹھو عظیم کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔"

"نہیں بھابی حضور بہت آرام سے ہوں۔"

"عظیم میاں۔ گویا یہ ایک اخلاقی جرم ہے لیکن میں اس جرم کی ذمہ داری اپنے شانوں پر قبول کرنے کو تیار ہوں۔ تمہاری محبت میں یہ گناہ اپنے سر لینے کو تیار ہوں۔ سنو میں نے کچھ لڑکیوں کو بلایا ہے شام کو کسی بہانے انہیں لے کر پائیں باغ میں آؤں گی براہ کرم انہیں خوب غور سے دیکھنا اور ان خاتون کو ذہن نشین کرلینا۔ کیا سمجھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنے بھولپن میں میری ساری محنت ضائع کردو۔" عظیم میاں کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"جو ہم کہہ رہے ہیں عظیم میاں وہی کرنا ہم جس وقت پائیں باغ میں آئیں گے شریف کو آپ کے پاس بھیج کر اطلاع کردیں گے شریف آپ کے لئے گلوری لائے گا۔" اور عظیم میاں ہنس پڑے۔ "آپ ہمارے لئے جو کچھ کر رہی ہیں بھابی حضور۔ آپ کا یہ احسان ہم تاحیات نہ بھولیں گے۔"

"چلئے اچھی بات ہے کوئی احسان تو ہوگا آپ پر!" شاہانہ بیگم ہنستے ہوئے بولیں اور عظیم اللہ خان اسی وقت سے شام کا انتظار کرنے لگے شام تھی کہ ہونے کو نہ آتی تھی۔ دل تھا کہ سینے سے باہر نکلنے کی جدوجہد میں تھا۔ طبیعت بگڑی ہی جارہی تھی۔ لاکھ دل کو سنبھال رہے تھے لیکن اس حسین پیکر کو دیکھنے کا تصور رگ وپے میں سنسنی بن کر دوڑ رہا تھا' کانوں میں وہی آواز گونج رہی تھی۔ "ہائے اللہ۔ سب ٹوٹ گئیں۔ سب ٹوٹ گئیں۔"

"صاحب۔" شریف کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ وہ ہاتھ میں خاصدان لئے کھڑا تھا۔ عظیم اللہ جلدی سے کھڑے ہوگئے۔ ایک لمحے کے لئے ملازم کی شکل دیکھی اور پھر بیٹھ گئے۔ ٹھیک ہے رکھ دو۔ انہوں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا اور ملازم چلا گیا۔ عظیم نے چوروں کی طرح دروازے تک آکر ملازم کو جاتے ہوئے دیکھا اور پھر دل پر ہاتھ رکھ کر دونوں آنکھیں بند کرلیں دل کمبخت تھا کہ پسلیوں کو توڑ کر باہر نکلے جارہا تھا۔ طبیعت نڈھال ہوتی جارہی تھی لیکن بمشکل خود کو سنبھالا اور لرزتے قدموں سے باہر نکل آئے پائیں باغ کے عقبی حصے میں ہوتے ہوئے گھاس کے میدان اور فوارے کے نزدیک کے درخت میں پہنچ گئے جس کی اوٹ سے دوسری طرف دیکھا جاسکتا تھا۔ دل کسی طور پر قابو میں نہیں آرہا تھا۔ بہت سے وسوسے جاگ رہے تھے کوئی دیکھ نہ لے۔ کیا سوچے گا۔ تمام عزت خاک میں مل جائے گی لیکن کسی نہ کسی طرح دل تھامے کھڑے رہے!

اتنا اندھیرا نہیں ہوا تھا کہ شکلیں نظر نہ آتیں۔ شاہانہ بیگم صاف نظر آگئی تھیں ان کے ساتھ دوسرے رنگین لباس بھی تھے سب کچھ بھول گئے عظیم میاں' اشتیاق آمیز نگاہیں چہروں کا طواف کرگئیں اور پھر دل فرط مسرت سے ڈول گیا۔ گلابی غرارہ سوٹ' گلابی چہرہ۔ "ہائے اللہ سب ٹوٹ گئیں۔ ہائے اللہ.........." ذہن نے ساتھ چھوڑ دیا۔ دل تو ہاتھوں سے نکل گیا تھا! کسی بات پر مسکرا رہی تھی اور پھر یہ مسکراہٹ ہنسی بن گئی۔ سب فوارے کے نزدیک پہنچ گئی تھیں۔ سنگ مرمر کے شفاف فرش پر سب کی سب بیٹھ گئیں۔ دوسروں کے تو چہرے ہی نہ دیکھے گئے تھے۔ نہ جانے کون تھیں کیسی تھیں' آنکھوں نے اپنا کعبہ تلاش کرلیا تھا۔ آج اس حسین چہرے کو بینائی بنا لینے کا ارادہ تھا اور آنکھیں خود بھی جذب کرلینے میں مصروف تھیں۔ شاہانہ بیگم کو اس خطرناک کھیل کا پورا پورا احساس

تھا۔ ذرا سی غلطی پر عزت دو کوڑی کی ہوسکتی تھی۔ خود سے زیادہ سسرال والوں کی عزت کا پاس تھا۔ لوگ کیا سوچیں گے چنانچہ زیادہ دیر نہ رکیں۔ اگر عظیم میاں کا جذبہ صادق ہے تو دیکھ لیا ہوگا۔ زیادہ دیر نہ رکیں۔ خطرہ کیوں مول لیا جائے۔ واپس چل پڑیں اور عظیم میاں دل پکڑے وہیں کھڑے رہ گئے۔ رات کو جب شاہانہ بیگم آئیں تو عالم استغراق میں تھے۔ "میں نے کہا حضور کون سی دنیا میں ہیں؟" شاہانہ بیگم کی آواز نے چونکا دیا۔ "آپ سے زیادہ تردد ہمیں ہے پہلے بتایئے کام بنایا نہیں؟" بھابی حضور.......... عظیم میاں نے مسکرا کر گردن جھکادی۔

"خدا کا شکر ہے ورنہ بڑی دقت ہوتی۔ اب اللہ جلدی بتا دیں دھانی لباس؟ نہیں بھابی حضور۔ گلابی غرارہ سوٹ؟ بھابی نے کہا۔ اور عظیم اللہ خان نے گردن جھکادی۔ جی.......... عظیم میاں نے بڑی ہمت کر کے کہا۔ نور.......... نور النساء..........! خدا کا شکر ہے۔ خدا کا احسان ہے۔ ورنہ میں سوچ رہی تھی کہ ان کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔ بڑی مشکل پیش آتی اور پھر قدرت کی نگاہ بھی سیدھی ہے جانتے ہو نور النساء کون ہے۔ عظیم میاں نے معصومیت سے گردن ہلادی۔ منجھلے ماموں کی لڑکی۔ میری ماموں زاد بہن۔ شاہانہ بیگم نے جواب دیا۔ جی.......... عظیم میاں کی صرف گردن ہل سکتی تھی۔ زبان کھلنے کی ہمت نہیں کرسکتی تھی جس قدر کھل گئی تھی اس میں بھی شاہانہ بیگم کی کوششوں کا زیادہ دخل تھا۔ ورنہ عظیم میاں تو شاید زندگی بھر ہی سوچتے رہتے کہ انہیں کیا ہوگیا ہے۔ بس آپ کل یہاں سے چلیں گے۔ شاہانہ بیگم مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھتی ہوئی بولی۔ جی بہتر ہے۔

"اتنی سادگی بھی اچھی نہیں ہے عظیم میاں۔ کچھ بولا کریں کچھ کہا کریں۔"

"ہم کیا کہیں بھابی حضور۔ ہم کیا کہیں۔" عظیم میاں پریشانی سے بولے اور شاہانہ بیگم قہقہے لگانے لگیں۔ عظیم میاں احمقوں کی طرح ان کی شکل دیکھ رہے تھے۔ "کل صبح کو یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔" شاہانہ بیگم اٹھتے ہوئے بولیں۔ بہت سے سوال بہت سے خیال عظیم اللہ خان کے ذہن میں مچل رہے تھے مگر یہ سوال ذہن کی حدود سے باہر آنے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے۔ وہ تو یہ بھی نہ پوچھ سکتے تھے کہ دوبارہ بھی اس کے دیکھنے کی کوئی سبیل پیدا ہوسکتی ہے یا نہیں۔

یہ سوال وہ اس وقت بھی نہ کرسکے' جب بھابی میکے سے روانہ ہورہی تھیں' ڈرائیور کے ساتھ خاموشی سے اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور کار چل پڑی۔ ہاں جب حسن آباد کی حدود سے نکلے تو دل سے ٹھنڈی سانس نکل گئی تھی! شاہانہ بیگم سگے بھائیوں کی مانند

عظیم میاں کو چاہتی تھیں۔ ان کے درد سے واقف ہوگئی تھیں۔ فہیم اللہ کی آغوش میں زندگی کی مسرتوں سے ہمکنار ہو کر ان کے ذہن میں عظیم میاں آجاتے تھے جن کے پہلو میں چبھن تھی۔ وہ جلد از جلد اس تکلیف کو رفع کر دینا چاہتی تھی..........! ایسی ہی ایک رات انہوں نے فہیم اللہ سے کام کی بات چھیڑ دی۔

"مصروفیت میں ایسے الجھ گئے ہیں آپ کہ دوسرے معاملات پر سوچنا ہی چھوڑ دیا۔"

"خیریت کوئی غلطی ہوگئی کیا..........؟"

"میں نے غلطی کے بارے میں نہیں عرض کیا بھول کی بات کر رہی ہوں.........."

"کیا بھول گئے ہم؟"

"عظیم میاں ماشاء اللہ جوان ہیں۔"

"ہاں۔ ہاں۔ پھر..........؟"

"شادی نہیں کریں گے ان کی..........؟"

"کیوں نہیں کریں گے لیکن یہ کام تو آپ لوگوں کا ہے۔ ہم لوگ اپنا کام انجام دیں گے آپ ابتدا کریں۔ کیسے ہم کیسے ابتداء کریں۔"

"ایک درخواست کروں۔"؟

"حکم دیں بیگم۔ ہم درخواست سننے کے عادی نہیں ہیں۔"

اس خاندان میں شامل ہو کر ہم نے زندگی کی ساری مسرتیں پائی ہیں۔ یہاں کے لوگ فرشتہ صفت ہیں۔ ہمیں یہاں پورے حقوق بخش دیئے گئے ہیں۔ کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ انہیں استعمال کریں۔"

"ضرور۔ ضرور کون بدبخت آپ کو منع کر سکتا ہے۔"

"عظیم میاں کے لئے بھی میں نے اپنے ہی خاندان کی ایک لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔"

"ماشاء اللہ کون ہیں وہ محترمہ..........؟"

"منجھلے ماموں جان کی صاحبزادی۔ نور النساء۔"

"ہوں۔" فہیم اللہ کسی سوچ میں گم ہوگئے۔ کئی منٹ تک خاموشی رہی۔ تو شاہانہ بیگم پریشانی سے بولیں۔

"آپ فکر مند ہوگئے۔ بخدا ہم نے نہایت سوچ کر انتخاب کیا تھا تاہم اگر آپ کو اس میں کوئی اعتراض ہے تو ہم اسے دل و جان سے قبول کر لیں گے۔"

"ارے نہیں۔ نہیں اعتراض کا کیا امکان ہے۔ ہم تو سوچ رہے تھے اس موضوع پر آپ کا خیال درست ہے۔ واقعی ہم نے ابھی تک عظیم میاں کی شادی کے بارے میں کیوں نہیں سوچا۔ آپ کا شکریہ بیگم۔ آپ نے ہمیں احساس دلا دیا۔ یقیناً ہمیں سنجیدگی سے اس طرف توجہ دینی چاہئے۔ ہم امی حضور سے بات کریں گے۔ ہاں آپ ہمیں منجھلے ماموں کے بارے میں تفصیل سے بتادیں۔" شاہانہ بیگم کی فراست آمیز کوششیں، فہیم اللہ خان کی دلچسپی اور حسن آباد والوں کی نجابت۔ تمام کام خوش اسلوبی سے طے ہوگئے اور انتہائی دھوم دھام اور پاکیزہ رسموں کے بعد نور النساء بیگم دلہن بن کر رحمان پور آگئیں۔

عظیم اللہ خان کے چہرے پر مسرتوں کے ان گنت چراغ روشن ہوگئے تھے شادی کی رات بہت سے راز کھلے۔ انہیں معلوم ہوگیا کہ ان کی تڑپ ان کی چاہت یک طرفہ نہیں تھی۔ اُدھر بھی کچھ تھا لیکن جو کچھ تھا وہ مرتے وقت بھی زبان پر نہیں آسکتا تھا لیکن خاموش دعائیں اثر لائی تھیں اور زبان کو مکمل گویائی مل گئی تو سب کچھ کہہ دیا گیا اور جو کچھ سنا اس کے بعد کسی شے کی حسرت نہ رہی۔ شاہانہ بیگم کا سامنا کرتے وقت ان کی آنکھیں ممنونیت سے جھک جاتیں۔ شادی کے ابتدائی سال بھائی نے بھائی کو بخش دیئے۔ عظیم میاں کے سر کوئی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی لیکن اس کے بعد فہیم اللہ خان نے محسوس کیا کہ اب عظیم میاں کو عملی زندگی میں آجانے کی ضرورت ہے۔ عظیم اللہ خان نے قابل فخر و احترام بھائی کے حکم کو دل و جان سے قبول کیا اور اب اکثر انہیں نور النساء سے چند روز کے لئے دور رہنا پڑتا تھا.......... لیکن دوری اس بے پناہ چاہت کو دو آتشہ بنا دیتی تھی اور جب وہ واپس آتے تو نور النساء کو آغوش میں لے کر ایسا سکون محسوس کرتے جس کی کوئی قیمت نہیں لگائی جاسکتی تھی۔

اس دن بھی وہ اپنے خوبصورت گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے ایک گاؤں جا رہے تھے ان کے ساتھ دو ملازم بھی تھے جو ان کے پیچھے پیچھے گھوڑوں پر آ رہے تھے.......... مالیانہ وصول کرنا تھا.......... گھر سے نکلتے ہوئے دیر ہوگئی تھی لیکن عظیم میاں نے یہ کام دوسرے روز پر نہیں اٹھایا تھا بلکہ ملازم ساتھ لے کر چل پڑے تھے۔ سورج آدھے ڈھلان سے گزر چکا تھا۔ بیس، بائیس کوس کا فاصلہ تھا، راستہ بھی زیادہ اچھا نہ تھا لیکن بھائی نے چونکہ آج ہی حکم دیا تھا، اس لئے تعمیل ضروری تھی ہاں واپسی میں دیر ہو جاتی تو کوئی بات نہیں تھی.......... فہیم اللہ خان کو اگر یہ بات معلوم ہو جاتی کہ اس وقت سفر شروع کیا جا رہا ہے تو وہ کبھی اجازت نہ دیتے کیونکہ خراب راستے سے خوب واقف تھے.......... راستے میں ایک چھوٹی سی ندی بھی پڑتی تھی جس کے درمیان سے ہو کر گزرنا پڑتا تھا۔ یہ

ندی چھچھوری ندی کے نام سے مشہور تھی اس کے مزاج کا بھی پتہ نہ تھا' صبح کو گزرو تو ٹخنوں ٹخنوں پانی سے زیادہ نہ ہوتا اور شام کو دیکھو تو سیلاب کی کیفیت.........! بہرحال اسے عبور کرتے ہوئے محتاط رہا جاتا تھا اور عموماً دن میں بھی لوگ اسے عبور نہیں کرتے تھے' کیونکہ اس کے بارے میں بہت سی روایتیں مشہور تھیں......... دیہاتوں میں جن' بھوتوں کی داستانیں عام ہوتی ہیں اور لوگ ان سے کافی متاثر ہوتے ہیں۔ عظیم میاں تو خیر کسی حد تک روشن خیال تھے کسی حد تک سے مراد یہ چونکہ خود ان کا ابھی تک ایسا سابقہ نہیں پڑا تھا۔ دوسروں سے واقعات سن کر یقین ضرور کرلیتے تھے لیکن خاص طور پر خوفزدہ نہیں تھے۔ البتہ بزرگوں کو اس سلسلے میں کافی تجربہ تھا خود میاں عظیم کی نانی سے تو ایک جن کی دوستی بھی رہ چکی تھی۔ بہت سے لوگ اس بات کی گواہی دیتے تھے۔ عظیم میاں کے لئے یہ قصے دلچسپ تھے اکثر کہتے تھے کہ مجھے بھی جن بھوت دیکھنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ انہیں اشتیاق ہوگا لیکن ان کے ساتھ آنے والے ملازمین اس قدر روشن خیال نہیں تھے۔ انہیں بھوتوں سے ملاقات کا اشتیاق نہ تھا چنانچہ اس وقت بھی ان کے چہروں پر بارہ بجے ہوئے تھے اور وہ سوچ رہے تھے رات کو چھچھوری ندی کیسے پار کی جائے گی وہ تمام روایات ان کے ذہن میں تازہ ہوگئی تھیں' جو اس ندی سے وابستہ تھیں۔ عظیم میاں کے انداز سے یہ ظاہر نہ ہورہا تھا کہ وہ رات میں رکنے کی کوشش کریں گے......... ان کا گھوڑا اطمینان سے آگے بڑھ رہا تھا۔ آخر سورج ڈوب گیا اور اندھیرا تیزی سے پھیلنے لگا۔ پرندوں کی ڈاریں واپسی کا سفر طے کرتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ ابھی ندی کافی دور تھی جب مجبوراً شمسو نے اپنے گھوڑے کی ایڑ لگائی اور عظیم میاں کے قریب پہنچ گیا۔

"چھوٹے میاں........." اس نے ہچکچاتے ہوئے انداز میں انہیں آواز دی......... اور عظیم میاں نے گھوڑے کی رفتار سست کردی۔

"کیا بات ہے؟ تھک گئے شمسو؟"

"نہیں سرکار' چھچھوری ندی۔"

"اوہ میں سمجھ گیا شمسو......... کیا تم نے کبھی بھوت دیکھے ہیں۔"

"سرکار......... سرکار......... راستے میں ایسی باتیں نہیں کرتے۔" شمسو نے خوفزدہ انداز میں کہا۔

"نہ جانے تم لوگ اتنے ڈرپوک کیوں ہوتے ہو۔ اچھا رمضان کو آواز دو........."

شمسو نے رمضان کو آواز دی اور رمضان قریب آیا۔ "کیا خیال ہے رمضان کیا آج رات چھچھوری ندی کے بھوتوں سے ملاقات کی جائے.........؟"

"سرکار خدا قسم سرکار ایسی باتیں نہ کریں......... راستے میں........."

"تم دونوں پاگل ہو لیکن کان کھول کر سن لو آج رات چھچھوری ندی کے کنارے قیام کیا جائے گا' دن کی روشنی میں ہم ندی پار کریں گے۔"

"مم مرجائیں گے سرکار........." دونوں ملازم کانپتے ہوئے بولے۔

"فکر مت کرو......... میں تمہاری لاشیں نہایت احترام سے دفن کرا دوں گا......... تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔" عظیم اللہ بھی تفریح کے موڈ میں تھے اور انہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگادی۔ گھوڑا تیز ہوگیا۔ مجبوراً دونوں ملازموں کو بھی ان کا ساتھ دینا پڑا تھا۔ رات خاصی گہری ہوگئی۔ اب تو راستہ بھی صاف نظر نہیں آرہا تھا۔ درختوں کے جھنڈ بھوتوں کے گروہ معلوم ہورہے تھے۔ ملازموں کی حالت خراب تھی اور تھوڑی دیر کے بعد تو گھوڑے بھی اڑنے اور ٹھوکریں کھانے لگے......... لیکن عظیم میاں نے ندی کے کنارے پہنچ کر ہی دم لیا۔ اور پھر ندی سے چند گز دور برگد کے درخت کے نیچے انہوں نے گھوڑے کی کمر چھوڑ دی۔ ملازم بھی نیچے اتر گئے لیکن کیفیت یہ تھی کہ پتہ بھی سرسراتا تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے۔ عظیم میاں نے برگد کی لٹکی ہوئی ایک شاخ سے گھوڑا باندھ دیا اور پھر ملازموں کی طرف دیکھ کر بولے۔ "تم بھی گھوڑے باندھ دو۔"

"چھوٹے میاں درخت کے نیچے مناسب نہیں ہے۔" رمضان نے لرزتے ہوئے لہجے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر ان کی رسی اپنی کمر سے باندھ کر آرام کرو۔" عظیم میاں نے لاپرواہی سے کہا اور خود ایک جگہ بیٹھ کر جوتے کھولنے لگے۔ پانی کی چھاگلیں اور دوسرا سامان ساتھ تھا انہوں نے پاؤں دھوئے اور پانی پی کر درخت کے نیچے جا بیٹھے۔ ملازموں کی شکلیں نظر نہیں آرہی تھیں البتہ ان کے ہیولے دیکھے جاسکتے تھے۔ انہوں نے گھوڑوں کی لگامیں پتھروں سے دبادی تھیں اور ان کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

"غلطی کی رمضان کم از کم لالٹین تو ساتھ لے ہی لی ہوتی۔"

"ہاں غلطی ہوگئی سرکار........."

"تم اتنی دور کیوں بیٹھے ہو یہاں آجاؤ۔"

"سرکار خدا کے واسطے درخت کے نیچے سے نکل آیئے۔" شمسو نے کہا۔

"ارے یہ بڑی آرام دہ جگہ ہے شمسو تم لوگ آؤ تو یہاں۔"

"نہیں نہیں سرکار معاف کر دیجئے اندھیری رات میں درخت کے نیچے بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔" شمسو خوف کے مارے گستاخ بھی ہوگیا۔

اس کے بعد عظیم میاں نے اصرار نہیں کیا۔ البتہ ان کے ذہن میں اس وقت شرارت آرہی تھی۔ ان دونوں کے خوف پر انہیں ہنسی آرہی تھی۔ کوئی خاص بات نہیں تھی صرف تاریکی تھی اس کے علاوہ اس بات کا انہیں بخوبی علم تھا کہ اس علاقے میں درندے بالکل نہیں ہیں۔ البتہ گیدڑوں کی بہتات ہے اور بعض اوقات راہ گیر انہی سے خوفزدہ ہوجاتے ہیں۔ رات کے محافظوں کی آوازیں دور سے آرہی تھیں اور کمزور دل آدمیوں کے لئے یہ آوازیں بھی کافی خوفناک تھیں۔ رمضان اور شمسو ایک دوسرے کی طرف کھسکتے رہے اور پھر شاید وہ ایک دوسرے سے چمٹ ہی گئے کیونکہ تاریکی میں نظر آنے والے دھبے اب ایک ہوگئے تھے.......... دیوانے کہیں کے.......... عظیم نے سوچا اور گھوڑے کی زین سرہانے رکھ کر سوگئے۔ ان کا ارادہ آرام سے سونے کا تھا۔ مرتے رہیں یہ دونوں بے وقوف انہوں نے آنکھیں بند کرلیں اور ان کے ذہن میں نور النساء ابھر آئیں۔

نور النساء.......... انہوں نے محبت سے سوچا.......... آرام سے سونے کے لئے لیٹ گئی ہوگی۔ محبت کرنے والی سادہ اور معصوم سی لڑکی.......... ابھی خود بھی زیادہ عمر نہیں ہے لیکن نہ جانے کیوں اولاد کی اس قدر خواہشمند ہے اسے ننھے بچوں سے پیار ہے۔ لیکن.......... لیکن وہ شاہانہ بیگم کے بچوں کو پیار نہیں کرتی ان کی کسی معصوم حرکت پر صرف اخلاقاً مسکرا دیتی ہے۔ وہ بھی اس وقت جب بھائی جان یا بھابی جان موجود ہوں ورنہ ان کے پیچھے تو وہ ان پر توجہ بھی نہیں دیتی۔ یہ بات عظیم میاں نے خاص طور پر محسوس کرلی تھی تو کیا بھابی اور بھائی جان نے بھی محسوس کی ہوگی.......... اور اگر انہوں نے بھی اپنے بچوں سے نور النساء کی بے اعتنائی محسوس کرلی تو کیا سوچیں گے.......... انہوں نے اضطراب سے سوچا کسی وقت موقع نکال کر نور النساء سے اس بارے میں بات کی جائے.......... برا نہ مان جائے؟ برا کیوں مانے گی اس کا ان سے دوہرا رشتہ ہوتا ہے.......... عجیب بے وقوف سی لڑکی ہے۔ شادی کو ابھی تین سال ہی تو ہوئے ہیں اور ابھی سے اتنی بے تاب کھل کر کہہ چکی ہے کہ اسے بچے کی آرزو ہے.......... پگلی کہیں کی.......... بچی ہے ابھی.......... بچی ہے۔ تنہا اسے بھی نیند نہیں آرہی ہوگی۔

انہوں نے کروٹ بدلی۔ مخملوں پر سونے والے کو زمین پر کیا آرام ملتا لیکن بہرحال وقت گزارنا تھا! اور وقت گزارنے کے لئے نور النساء کا تصور خوب تھا۔ درحقیقت نور النساء عظیم میاں کو بہت چاہتی تھی شادی کے بعد اس نے اعتراف کیا تھا اس روز کا حادثہ جب پہلی بار ان کی ملاقات عجیب انداز میں ہوئی تھی۔ صرف عظیم میاں کے لئے ہی

یادگار نہیں تھا خود نور النساء بھی اس سے متاثر ہوئی تھی۔ کئی دن تک وہ انہیں یاد کرتی رہی تھی اور پھر جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی شادی ہو رہی ہے تو وہ چھپ چھپ کر خوب روئی' سب اس کا مذاق اڑاتے تھے کہتے تھے کہ ایک دن تو گھر چھوڑنا ہی پڑتا ہے لیکن کسی کو کیا معلوم کہ اس کے آنسو کیوں اُمڈ رہے ہیں۔ کسی کو کیا معلوم کہ کس کی صورت اسے رلا رہی ہے۔ اسے آخر تک پتہ نہ چل سکا کہ اس کی شادی اسی سے ہو رہی ہے جس کے لئے وہ تڑپ رہی ہے اور جب حجلۂ عروسی میں تن بہ تقدیر ہو کر اس نے پہلی بار اپنے مجازی خدا کی صورت دیکھی تو وہ کانپ گئی۔ وہ یہی سمجھی کہ اس کا تصور شدت اختیار کرگیا ہے۔ اسے خوف نے پکڑ لیا کہیں اس کا شریک حیات اس کے دل کا چور نہ پکڑ لے.......... اس نے خود کو سنبھالا لیکن پے در پے دھوکے اس کی سمجھ میں نہ آئے اور پھر جب شک بینائی کو شکست نہ دے سکا تو پھر اس نے خوب غور سے دیکھا اور اس کے دل میں مسرتوں کے سوتے کھل گئے۔ اس نے تصور میں اپنے معبود کو سجدہ کیا جس نے اس کی بن مانگی دعائیں قبول کرلیں تھیں اور اس کے بعد بھی اس کی محبت کا کیا ٹھکانہ.......... عظیم میاں نے جب اپنی کہانی سنائی تو خوشیاں دوبالا ہوگئیں اور اس کی محبت کا پہلا سال پلک جھپکتے گزر گیا۔ پورا گھر محبت کا گہوارہ۔ ہر ایک کی آنکھوں کا تارا لیکن دوسرے سال ایک اور خواہش نے جنم لیا یہ بچے کی آرزو تھی.......... پہلے اس نے اشاروں کنایوں میں عظیم میاں سے تذکرہ کیا کوئی خرابی نہ ہو کسی عمدہ سی دائی کو دکھایا جائے.......... شہر چل کر کسی ڈاکٹر سے مشورے کئے جائیں لیکن اس کی کیا ضرورت ہے نور.......... خدا کا شکر کرو۔ ابھی سے نہیں پھنسیں ورنہ لڑکیاں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیار ہی بیٹھی ہوتی ہیں' کب شادی ہو اور کب ماں بن جائیں.......... عورت کا صحیح مقام یہی ہوتا ہے۔ تو تمہیں تمہارا مقام مل جائے گا.......... خدانخواستہ تم میں کچھ کمی ہے نہ مجھ میں.......... ممکن ہے میں ہی ٹھیک نہ ہوں۔ وہم ہے تمہارا.......... بس بلاوجہ.......... بہل جاتی لیکن دو چار روز کے لئے اس کے بعد پھر وہی تقاضے۔

شاہانہ بیگم کے دو بچے تھے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیارے پیارے گھر بھر کی خوشیوں کے امین لیکن نور النساء ان سے کوئی رغبت نہ رکھتی تھی بلکہ بعض اوقات تو وہ ایک عجیب فطرت کا مظاہرہ کرتی تھی اور اس مظاہرے سے عظیم میاں پریشان ہوجاتے تھے.......... اونہہ.......... پگلی ہے.......... جب بچے ہوں گے تو اکتا جائے گی۔ ابھی نہیں جانتی کہ ماں بننا کتنی بڑی ذمہ داری ہے۔ سمجھاؤں گا اسے کہ اپنے نہیں تو ان کے رشتے کا خیال کرے۔ اگر بھابی حضور کے دل میں بال پڑ گیا تو زندگی وبال ہوجائے گی۔ نور النساء

کے گداز تصور نے ہر تکلیف جذب کرلی تھی اور شاید اس وجہ سے پلکیں ایک دوسرے سے جڑ گئی تھیں۔ نیند آگئی تھی لیکن برا ہو ان بدبخت ملازموں کا نہ جانے سوتے ہوئے کتنی دیر گزری تھی کہ ان کی ہوہو کی آوازیں سن کر آنکھ کھل گئی۔ دونوں ان کے پیروں سے لپٹے ہوئے ہو ہو کر رہے تھے۔

"کیا ہوا.......... پاؤں چھوڑو.........." عظیم میاں جھلائے ہوئے انداز میں چیختے
ہو.......... رمضان کی گھگھیائی ہوئی آواز نکلی۔ ہو.......... شمسو نے اس کا جواب دیا اور عظیم میاں کے پیروں پر ان کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ عظیم میاں نے ایک جھٹکے سے ان سے پیر چھڑا لئے۔ "ہو ہو کے بچو.......... کچھ بکو گے بھی۔" وہ غصیلے انداز میں چیخے۔

"سا.......... سا.......... آر.......... کار.......... آر.......... آر.......... ہی ہی.......... ہو.......... ہو.........." شمس نے زبان قابو میں کرنے کی کوشش کی لیکن الفاظ زبان کی گرفت میں نہ تھے۔ وہ بری طرح کانپ رہا تھا۔

"بھوت دیکھ لیا کیا۔" عظیم صاحب کو ان کی حالت پر ہنسی آگئی لیکن انہیں اس بات کی امید نہ تھی کہ وہ دونوں بھوت کا نام سن کر ان پر حملہ آور ہوجائیں گے۔ عظیم میاں کے منہ سے بھوت کا نام سن کر ہی وہ چیخیں مار کر ان سے لپٹ گئے تھے عظیم میاں گرتے گرتے بچے.......... "ہوش میں آؤ تم لوگ.......... کیا بدتمیزی ہے۔" وہ ڈپٹ کر بولے اور وہ دونوں ان سے جدا ہوکر کانپنے لگے لیکن اب ان کے منہ سے نکلنے والی آوازیں بند ہوگئی تھیں۔

"شمسو!" عظیم میاں نے اسے پکارا۔

"سس.......... سرکار!" شمسو کی آواز اب بھی بمشکل ہی نکلی تھی۔

"ہوش میں آکر بتا کیا بات ہوگئی تھی۔"

"سرکار.......... سرکار ہم دونوں کو نیند نہیں آرہی تھی.......... ہم ایک دوسرے سے چپٹے ہوئے بیٹھے تھے۔ بس ذرا آنکھ لگی تو کسی نے پیچھے سے میری قمیض پکڑ کر کھینچی اور میری آنکھ کھل گئی۔ تب سرکار میرے کان کے قریب کوئی ہنس پڑا اور میری آواز نکل گئی.........." رمضان نے بتایا۔

"قمیض کھینچی.......... ہنس پڑا..........؟" عظیم صاحب نے کہا اور پھر وہ بے ساختہ ہنس پڑے۔

وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ ضرور کسی گیدڑ کی کارستانی تھی۔ بعض اوقات اس کی آواز

انسانی قہقہوں سے مشابہہ ہوتی ہے۔ "اور تجھے کیا ہوا تھا شمسو..........؟" انہوں نے شمسو سے پوچھا۔

"کچھ نہیں عظیم میاں میں اس کی آواز سن کر ڈر گیا تھا.........." شمسو نے جھینپتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ عظیم میاں دیر تک ہنستے رہے پھر انہوں نے وقت کا تعین کیا۔ چاند کی بیس تاریخ تھی گویا پچھلی راتوں کا چاند تھا لیکن اب ماحول پر وہ تاریکی مسلط نہ رہی ابھی کافی رات باقی تھی اور اتنی دیر تک جاگنا فضول تھا چنانچہ انہوں نے سنجیدگی سے کہا.......... "دیکھو تم لوگ شرافت سے سوجاؤ پھر چیخ پکار کرنی ہے تو یہاں سے اتنے دور چلے جاؤ کہ تمہاری آواز میرے کانوں میں نہ آسکے اگر اس بار تم نے کوئی گڑبڑ کی تو اچھا نہ ہوگا۔"

"سرکار.......... سرکار ہم مرجائیں گے.........." شمسو کراہا۔

"تو پھر یہاں میرے نزدیک لیٹ جاؤ.........."

"دار.......... درخت کے نیچے سرکار.........." شمسو نے ڈرتے ڈرتے اوپر نگاہ ڈالی۔

"میرا بس چلے تو دس بیس بھوت تمہارے اوپر چھوڑ دوں۔ نہ جاؤ تم میں ہی چلا جاتا ہوں۔" عظیم میاں پھر جھلا گئے تھے عجیب گدھوں کو ساتھ لے آئے تھے جو سو رہے تھے نہ سونے دے رہے تھے۔ وہ اٹھے اور یونہی ایک طرف چل پڑے۔ عظیم میاں کی نیند خراب ہوگئی تھی۔ درندے تو تھے نہیں جو خوف کی بات ہوتی۔ وہ برگد کے درخت سے خاصے آگے نکل آئے۔ چاند اب کافی ابھر آیا تھا اور چاندنی نے درختوں سے اٹھکیلیاں شروع کردی تھیں اور درختوں سے چھن چھن کر زمین پر پہنچ رہی تھی۔

عظیم میاں آگے بڑھتے رہے۔ نزدیک ہی کہیں چنے کے کھیت موجود تھے۔ چنے کے ساگ کی کھٹی کھٹی لیکن سوندھی سوندھی خوشبو ہواؤں کے دوش پر لہراتی ہوئی اس طرف آگئی تھی۔ نہ جانے کیوں یہ خاموش اور پُراسرار ماحول عظیم میاں کو بے حد دلکش محسوس ہوا۔ وہ بے خیالی میں آگے بڑھتے رہے۔ درختوں کے سلسلے کے بعد ایک چھوٹا سا میدان پڑتا تھا اس میدان کے درمیان پیپل کا ایک درخت تنہا کھڑا تھا لیکن درخت کے تنے میں روشنی دیکھ کر وہ چونک پڑے۔ انہوں نے غور سے روشنی کو دیکھا۔ کسی تھال میں دو چراغ جل رہے تھے۔ ہوا اچھی خاصی چل رہی تھی یہ چراغ بجھتے کیوں نہیں؟ انہوں نے سوچا اور انہیں قریب سے دیکھنے کی خواہش ان کے دل میں جاگ اٹھی۔ ہندو رسم و رواج سے بخوبی واقف تھے۔ انہیں علم تھا کہ ہندو پیپل کو پوجتے ہیں۔ کسی عقیدت مند نے اس

ویرانے میں یہ چراغ روشن کئے ہوں گے لیکن یہ نہ بجھنے والے کیسے ہیں؟ وہ آہستہ قدموں سے پیپل کے درخت کی جانب چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد اس کے قریب پہنچ گئے۔ پیتل کے بڑے سے تھال میں دونوں کناروں پر چراغ جل رہے تھے۔ درمیان میں سندور' چندن اور مہندی کے پتے رکھے ہوئے تھے۔ چراغ بالکل عام تھے کوئی خاص بات نہ تھی ان میں۔ انہوں نے شانے اچکائے' عجیب بات تھی۔ اور پھر وہ ایک گہری سانس لے کر پلٹنے ہی والے تھے کہ انہوں نے اپنے عقب میں گھنگھروؤں کی چھن کی ایک آواز سنائی دی اور وہ اچھل کر پلٹے۔ تب ان کی نگاہ زرق برق لباس میں ملبوس ایک عورت پر پڑی جو ان سے زیادہ فاصلے پر نہ تھی۔ عورت کی عمر تیس سال کے قریب ہوگی۔ لمبا چہرہ' ستواں ناک تھی' دیہاتیوں کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ سرخ لہنگا اور گہری سرخ چولی۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ ماتھے پر بندیا لگی ہوئی تھی ہونٹ سرخ تھے' گہرے سرخ.......... بڑی بڑی آنکھوں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے دوبارہ پاؤں زمین پر مارا اور چھن کی آواز ابھری اس تنہائی میں اس بھیانک رات میں یہ عورت یہاں موجود ہے۔ بڑے دل گردے کی بات ہے خاص طور سے کسی عورت کے لئے۔ شاید کوئی پجارن ہے۔ شاید اس نے تھال میں دیئے روشن کئے ہیں۔ چھن چھن چھن.......... عورت نے دو تین بار پاؤں زمین پر مارے اور پھر اس نے بڑے والہانہ انداز میں دونوں ہاتھ اس طرح پھیلائے جیسے انہیں اپنی آغوش میں طلب کررہی ہو۔ عورت کی بے باکی پر ششدر رہ گئے۔ سادہ لوح دیہاتن.......... لیکن کیسی بے باک ہے۔

"کون ہو تم؟ انہوں نے دو قدم آگے بڑھا کر کہا لیکن ان کے قدم بڑھانے کے ساتھ ہی عورت کئی قدم پیچھے ہٹی۔ اس نے رقص کے انداز میں دو تین لہریں لیں اور پُراسرار مسکراہٹ سے انہیں دیکھنے لگی اور پھر اس نے اپنی آغوش وا کردی۔

"کون سے گاؤں سے آئی ہو؟" انہوں نے پوچھا اور عورت نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس کا لہنگا رقص کے انداز میں گھوم گیا تھا۔ اس کی سفید سفید پنڈلیاں نمایاں ہوگئی تھیں اور اس نے اپنی پتلی کمر کو کئی بار لچکایا اور پھر کھڑی ہوگئی۔ عجیب پُراسرار انداز تھا۔ منہ سے وہ ایک لفظ نہیں بول رہی تھی بلکہ ان کے ہر جملے پر رقص کرنے لگتی تھی۔ عظیم میاں پریشانی میں گردن کھجانے لگے۔ عورت نے پھر اپنے بازو پھیلا دیئے تھے۔

"کیا بیوقوفی ہے یہ رکو تو سہی۔" عظیم میاں بولے اور اس بار رقص نہیں کیا۔

"مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ وہ بولے اور اس بار وہ اس کے نزدیک چلے گئے۔

"بڑے سندر ہو۔ بڑے ہی سندر ہو۔" وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائی لیکن اس کی آواز صاف نہ تھی زکام کے مریضوں کی طرح بول رہی تھی۔

"تم اپنے بارے میں بتاؤ.........."

"پریمیکا ہوں تمہاری۔ پریم کرنے لگی ہوں تم سے۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو گے۔"

"جی نہیں معافی چاہتا ہوں گھر والے مار مار کر میرے بال صاف کردیں گے۔"

"میں سارے گھر والوں کو مار دوں گی۔"

"کیا بکواس ہے.......... میں جاننا چاہتا ہوں کہ اتنی رات گئے تم ان ویرانوں میں کیا کررہی ہو۔"

"ناچ رہی ہوں۔" اس نے برا مانے بغیر کہا اور اس بار وہ کئی منٹ تک رقص کرتی رہی۔

"پاگل معلوم ہوتی ہے۔" عظیم میاں بڑبڑائے۔

"ہاں پاگل' تمہاری پاگل۔ گھر لے چلو گے مجھے؟" وہ پھر اسی انداز میں بولی۔ نہ جانے اس کی آواز میں یہ کراہت کیوں تھی۔ یوں بھی وہ خوبصورت چہرے کی مالک نہیں تھی۔ رنگ صاف تھا آنکھیں بڑی بڑی تھیں لیکن چہرے پر ایک عجیب سی کراہت برستی تھی۔

"بکواس مت کرو۔ میں صرف تمہارا گاؤں معلوم کرنا چاہتا تھا نہیں بتاتی تو نہ سہی۔" عظیم میاں وہاں سے چل پڑے۔

"سنو تو میری جان ہائے تمہارے بنا تو میرا رنگ میلا ہوجائے گا۔" وہ چھن چھن کرتی ہوئی عظیم میاں کے راستے میں آگئی۔

"راستے سے ہٹ جاؤ فاحشہ.......... تم یقیناً بے راہ رو ہو۔ تمہاری باتیں عورتوں کی باتیں نہیں ہیں۔"

"ہائے میرا بدن تو دیکھو ہرا ہے۔" اس نے چولی کے بند کھول دیئے اور اس کے سفید سینے سے چولی نیچے گر پڑی۔ "لاحول ولاقوۃ۔" عظیم صاحب کی آنکھیں جھک گئیں۔ عورت بڑے فاحشانہ انداز میں اپنے سینے کی نمائش کررہی تھی۔ عظیم میاں نے تیزی سے رخ بدلا لیکن وہ جدھر بھی جاتے وہ ان کے راستے میں آجاتی۔ اس کے گھنگھرو کی چھن چھن دور دور تک گونج رہی تھی۔ عظیم میاں پریشان ہوگئے۔

"میری طرف تو دیکھو پریمی۔ میں تم سے پریم کرنے لگی ہوں۔ دیکھو میں جوان

ہوں.......... میں.......... میں نے۔"

اس نے کچھ اور حرکت کی اور اب وہ بالکل برہنہ تھی۔ عظیم میاں جھلا گئے اس بار وہ اس کے قریب پہنچے تو انہوں نے اسے دھکا دیا اور وہ گر پڑی۔ اس کے گرتے ہی عظیم میاں دوڑ پڑے لیکن عقب میں انہیں گھنگھروؤں کی چھن چھن بھی دوڑتی سنائی دے رہی تھی۔

"سنو تو.......... سنو تو میری جان۔ آج رات نہ جاؤ۔ نہ جاؤ۔ آج کی رات مجھے گھر لے چلو۔ اب میرا دل یہاں نہ لگے گا۔" اس کی منحوس آواز سنائی دے رہی تھی اور عظیم میاں دوڑ رہے تھے۔ تب وہ رمضان اور شمسو کے پاس پہنچ گئے۔ دونوں بیوقوف اب بھی جاگ رہے تھے۔ عظیم میاں کو دیکھ کر چیختے ہوئے کھڑے ہو گئے..........

"کک.......... کیا ہوا.......... کیا ہوا؟" دونوں نے بیک وقت پوچھا۔

"تمہارا سر۔ اس عورت کو بھگاؤ یہاں سے۔"

"عورت.......... عورت کہاں ہے؟" دونوں چاروں طرف دیکھنے لگے۔

"اندھے ہو گئے ہو۔ نظر نہیں آ رہی۔" عظیم میاں چیخے لیکن ملازموں کے چہرے سے حیرت عیاں تھی۔ عظیم میاں نے پلٹ کر دیکھا اور پھر ایک گہری سانس لے کر رہ گئے۔ اب وہ موجود نہ تھی۔ حالانکہ ان کے پیچھے یہاں تک دوڑتی آئی تھی۔

"سرکار.......... سرکار کیا آپ کو کوئی عورت نظر آئی تھی؟" عظیم میاں سخت پریشان تھے لیکن ان گدھوں سے اس واقعہ کا تذکرہ کر کے اور کوئی مصیبت مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ اس لئے بے تکے طرز میں ہنس پڑے.......... "سرکار.......... سرکار.......... ایسے نہ ہنسئے کیا کوئی عورت نظر آئی تھی آپ کو..........؟"

"گدھے ہو تم لوگ.......... یہاں کسی عورت کا کیا کام۔" انہوں نے کہا۔

"اوہ تو آپ ڈرا رہے تھے ہمیں۔"

"اور تم ایسے احمق ہو کہ ڈر رہے ہو۔"

"سرکار پیپل کی چھچھل پیری کا بڑا ذکر سنا ہے۔ بہت سے لوگوں کو پریشان کر چکی ہے۔"

"چھچھل پیری؟" عظیم میاں چونک پڑے۔

"ہاں سرکار.......... ابھی ایک مہینے پہلے کی بات ہے۔" رمضان کوئی واقعہ سنانے لگا لیکن عظیم میاں کے کانوں میں اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ان کا ذہن تو چھچھل پیری، چھچھل پیری کی گردان کر رہا تھا۔ افسوس انہوں نے اس کے پیروں پر نگاہ نہیں کی

تھی.......... یقیناً کوئی ایسی ہی بات تھی۔ ان کے جسم میں ایک سرد لہر دوڑی لیکن نڈر آدمی تھے۔ زیادہ حاوی نہ ہونے دیا اور اس کے بعد بقیہ رات آنکھوں میں ہی گزاری تھی۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی کوئی دوسرا کام کئے بغیر انہوں نے ندی پار کی اور چل پڑے۔ دونوں ملازموں کی جان میں جان آئی تھی۔ ان کا بس نہ تھا کہ گھوڑوں کے پر لگا دیتے۔ بہرحال انہوں نے بنگلے جا کر ہی سانس لی.......... بنگلے میں ان کی ایک عمدہ رہائش گاہ تھی جہاں ملازم رہتا تھا.......... ملازم صبح ہی صبح انہیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بہرحال وہ حسب عادت قدموں میں بچھ گیا۔

"ناشتے کا انتظام کرو اور اس کے بعد بستر لگا دو میں سوؤں گا۔" عظیم میاں نے کہا اور ان کے دونوں احکامات کی تعمیل ہوئی۔ رات بھر کی جگار کی وجہ سے آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ شمسو اور رمضان کو بھی سونے کی ہدایت کی اور ملازم سے کہا کہ ان کی آمد کی اطلاع دے دے۔ بستر پر لیٹنے کے بعد خیالات کے ہجوم نے یلغار کی لیکن پھر نیند تمام چیزوں پر حاوی ہو گئی اور وہ سو گئے۔ شام کو تین بجے آنکھ کھلی بہرحال نیند پوری ہو گئی۔ نہائے دھوئے اور تیار ہو گئے۔ مزارعے آنے شروع ہوئے۔ مالیانہ وصول کیا اور شام تک وہ اپنے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔ طبیعت ایسی تھی کہ اس وقت ہی چل پڑتے۔ نورالنساء کی یاد ستا رہی تھی، لیکن چھچھوری ندی راستے میں پڑتی تھی اور پچھلی رات کا تجربہ زیادہ خوشگوار نہ تھا۔ چنانچہ مجبوراً دوسرے روز ہی جانے کا فیصلہ کیا۔ شمسو اور رمضان اس فیصلے سے بہت خوش تھے۔ رات نہ جانے کس طرح کٹی.......... کئی بار وہ خواب میں وہ منحوس شکل دکھائی دیتی تھی۔ مجھے گھر لے چلو گے اور کئی بار وہ نیند سے جاگے۔ نورالنساء بھی تصور میں آئی۔ آج دوسری تنہا رات تھی۔ وہ بھی انہیں یاد کر رہی ہو گی۔ بہرحال صبح ہو گئی اور ضروری تیاریوں کے بعد وہ چل پڑے۔ جوں جوں ندی قریب آتی جا رہی تھی ان کے بدن میں سنسنی پیدا ہو رہی تھی۔ دل میں ایک عجیب سے خوف کا احساس ابھر رہا تھا لیکن ان کی بہ نسبت ان کے ملازم پُرسکون تھے۔ اور پھر ندی پار کر کے وہ دوسری طرف نکل آئے۔ تب اچانک ان کے کانوں میں گھنگھروؤں کی جھنکار گونجی اور وہ اچھل پڑے۔ انہوں نے وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر ملازم کی طرف.......... لیکن ان دونوں کے چہروں پر کوئی خاص بات نہ تھی۔ عظیم میاں نے اچانک گھوڑے کو ایڑھ لگائی۔ وہ جلد از جلد اس علاقے سے دور نکل جانا چاہتے تھے لیکن گھنگھروؤں کی جھنکار ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ پھر اچانک گھوڑے کو جھٹکا لگا اور اس کے ساتھ ہی انہیں اپنی کمر پر کسی کی گرفت کا احساس ہوا۔ عظیم میاں بدحواس ہو گئے اور

انہیں اپنے کانوں کے قریب سرگوشی سنائی دی۔

"چلتے رہو میری جان میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔" اس سے قبل کہ وہ کوئی حرکت کرتے' گھوڑا بدک کر بھاگا اور اسے سنبھالنا مشکل ہوگیا۔ بلاشبہ ان کا شمار بہترین گھوڑ سواروں میں ہوتا تھا۔ ورنہ عام آدمی ہوتا تو اب تک ان کی ہڈیاں سرمہ بن گئی ہوتیں۔ کمر پر گرفت اب بھی موجود تھی۔ گویا وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ عظیم میاں نے بہت کوشش کی کہ اسے نیچے گرائیں لیکن کامیاب نہ ہوئے وہ ٹھنک ٹھنک کر یہی کہہ رہی تھی۔ "میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔" عظیم میاں کی ہر کوشش ناکام ہوگئی۔ شمسو اور رمضان نہ جانے کہاں رہ گئے تھے گھوڑا اب بھی جان توڑ کر بھاگ رہا تھا۔ پھر جونہی انہوں نے رحمان پورہ کی سرحد پر قدم رکھا' گرفت خود بخود غائب ہوگئی۔ گھوڑے کی رفتار بھی سست ہوگئی تھی اور وہ کسی قدر پُرسکون نظر آنے لگا تھا لیکن عظیم میاں کے جسم میں اب بھی سرد لہریں دوڑ رہی تھیں۔ ملازموں کا کوئی پتہ نہیں تھا وہ حویلی پہنچ گئے۔ ملازموں نے گھوڑا سنبھال لیا لیکن عظیم میاں کی حالت ٹھیک نہ تھی۔ مالیانے کی رقم والد کے حوالے کردی اور خود نور النساء کے پاس پہنچ گئے۔ نور النساء نے حسب توقع استقبال کیا تھا۔ کئی منٹ تک وہ اس سے لپٹی رہی تھی۔ پھر اس نے دو راتوں کی کہانی شروع کردی۔ عظیم میاں نے بہرحال پوری توجہ اور محبت سے یہ کہانی سنی تھی۔ حالانکہ ان کا دل بگڑ رہا تھا۔ بدن میں اینٹھن تھی اور سردی لگ رہی تھی۔ جس کا انہوں نے اظہار کردیا۔

"تھکن ہوگئی ہوگی۔ آپ آرام سے سوجائیں۔ لائیں میں سر دبا دوں۔" نور النساء کے نرم ہاتھوں کے لمس سے بڑا سکون ملا اور نہ چاہتے ہوئے بھی نیند آگئی لیکن یہ نیند گھر والوں پر قیامت گزر گئی۔ بخار تھا کہ الامان الحفیظ۔ لوہے کی طرح تپ رہے تھے۔ ڈاکٹروں اور حکیموں کی بھرمار ہوگئی۔ مصروفیت سے گردن نہ اٹھانے والے فہیم اللہ خان ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھے تھے۔ بھائی داہنا بازو تھا۔ پورا جسم مفلوج ہوگیا تھا۔ لگتا تھا سکتہ ہوگیا ہے۔ ایک دن پتھرائے ہوئے بھائی کے پاس بیٹھے تھے' خاموش جیسے کسی طوفان کو دل میں لئے بیٹھے ہوں۔ بھائی کو بھائی کے لئے اس طرح ڈوبے رہنے کی ایک اور داستان ختم ہو رہی تھی۔ وہ بھائی کے چہرے پر نظریں جمائے رہتے تھے اور نور النساء کی حالت خراب تھی گم صم ہوکر رہتی تھی۔ ایک عجیب سی صورت حال ہوگئی تھی' آخر کار ایک دن ان کے جسم میں جنبش ہوئی پھر ہوش آگیا سب اس کے پاس موجود تھے۔ "خیریت بھائی جان کیا ہوا ہے۔" وہ حیرت سے بولے تو فہیم اللہ ان کے سینے پر سر رکھ کر سسک پڑے۔ یہ انوکھی بات تھی۔ فہیم اللہ کی آنکھوں میں تو آنسوؤں کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ عظیم

اللہ نے سخت حیرت سے کہا۔ "بھائی بھائی جان آخر کیا ہوا کچھ تو بتائیں۔"

"کچھ نہیں بیٹے کیسی طبیعت ہے؟" انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بس کچھ کمزوری سی ہے' کچھ بیمار ہوگیا تھا۔" عظیم اللہ نے پوچھا خود پر کیا بیتی کچھ معلوم نہیں تھا۔

☆======☆======☆

حکیم ڈاکٹروں نے تو جو کچھ کیا تھا' کیا ہی تھا........ بڑی بستی کے مولوی صاحب کے عیش ہوگئے۔ شمسو اور رمضان کی زبانی اس سفر کی تفصیل معلوم ہونے کے بعد جہاں فہیم اللہ خان نے عمدہ ڈاکٹروں کی تلاش میں دن رات ایک کر دیئے تھے' وہیں بڑی بیگم صاحبہ نے جھاڑ پھونک کرنے والوں اور جن اتارنے والوں کی تلاش شروع کردی تھی اور نہ جانے کہاں سے بڑی بستی کے ان مولوی صاحب کا پتہ چل گیا تھا۔

بہرحال مولوی صاحب نے بھی اپنا علاج شروع کردیا تھا اور اب سب سے زیادہ اکڑے اکڑے وہی پھر رہے تھے۔

"کمبخت نے مار مار کر ہڈیاں پسلیاں ایک کردیں۔ بڑی خطرناک بلا تھی بیگم صاحبہ آپ کو معلوم نہیں۔ کیسی سخت محنت کرنی پڑی ہے۔" وہ بڑی بیگم یعنی عظیم میاں کی والدہ سے کہہ رہے تھے۔

"اللہ آپ کی عمر دراز کرے مولوی صاحب.......... آپ کی کوششوں نے میرے بچے کو نئی زندگی دے دی۔" بیگم صاحبہ مولوی صاحب کی ممنون کرم تھیں۔

"بڑے بڑے بزرگوں کا سہارا لیا ہے میں نے.......... بخدا عظیم میاں کی صحت کے بعد بھی میرے لئے بہت سے کام باقی رہ جاتے ہیں۔ تاکہ آئندہ کبھی ایسی کوئی دقت پیش نہ آئے۔" مولوی صاحب آہستہ آہستہ مطلب پر آتے جارہے تھے۔ "اب نہ جانے کون کون سی درگاہوں کے چکر کاٹنے پڑیں گے۔ تو بیگم صاحبہ اب مجھے اجازت دیں۔ میرا کام یہاں ختم ہوچکا ہے۔" اور بیگم صاحبہ نے مولوی صاحب کا منہ بھر دیا۔ اتنا دیا کہ وہ نہال ہوگئے! بہرحال' یہ تو الگ بات تھی۔ گھر والوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑے ہوئے تھے۔ عظیم میاں کی جان کے لالے پڑ گئے تھے' اگر کچھ گھنٹے اور ہوش نہ آتا تو نہ جانے کیا ہوتا۔ طبیعت کسی کی وجہ سے ٹھیک ہوئی ہو۔ انعام کے حق دار وہ سب ہی لوگ تھے جو اس سلسلے میں کوشش کر رہے تھے۔ سب کو عظیم میاں کے ہوش میں آنے کی اطلاع مل گئی تھی۔ نور النساء خاتون کی حالت بھی بہتر ہوگئی تھی۔ سب کے سامنے شوہر سے بات نہیں

کر سکتی تھیں۔ ورنہ دل چاہ رہا تھا کہ شوہر سے لپٹ کر اتنا روئیں کہ کلیجہ آنکھوں کے راستے باہر نکل آئے لیکن رات ان کی تھی۔ دل کی حسرت انہوں نے رات کو نکال لی۔ عظیم میاں اپنی بیماری بھول کر ان کی دلجوئی میں لگ گئے۔ چہیتی بیوی کو یوں روتا نہ دیکھ سکتے تھے۔ بمشکل تمام خاموش کرایا اور سینے سے لگا کر لیٹ گئے۔

"مجھے حیرت ہے۔ یہ ہوا کیا تھا؟" عظیم میاں تعجب سے بولے۔

"سب کا کہنا ہے کہ کسی کا سایہ ہوگیا تھا۔" نور النساء نے بتایا۔

"سایہ.........؟" عظیم میاں سرسراتی آواز میں بولے۔ انہوں نے اس خیال کی تردید نہیں کی تھی بلکہ ان کے ذہن میں گھنگھروؤں کی جھنکار گونجنے لگی تھی۔ ایک لمحے کے لئے وہ خاموش ہوگئے۔ کیا کیا جائے۔ نورالنساء کو اس بارے میں بتایا جائے یا نہیں؟ خوفزدہ ہوجائے گی۔ پریشان ہوجائے گی۔ بات کا چھپانا ہی اچھا ہے۔

"اللہ کا شکر ہے آپ اچھے ہوگئے ورنہ ہم اپنی جان سے گزر جاتے۔" نورالنساء نے اس کے سینے پر سر رکھتے ہوئے کہا اور انہوں نے بیوی کو محبت سے آغوش میں بھرلیا۔ عظیم اللہ خان صحت یاب ہونے لگے اور تھوڑے دن کے بعد بھلے چنگے ہوگئے۔ مگر اب بھی کبھی کبھی ان کے ذہن میں گھنگھروؤں کی جھنکار گونج جاتی اور وہ کافی پریشان ہوجاتے۔ خود کو بہلاوے دیتے' اب یہ آواز صرف سماعت کا واہمہ تھی ہاں دوبارہ انہوں نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ وہاں سے مالیانہ وصول کرنے کے لئے دوسرے لوگوں کو ہی بھیج دیتے۔

زندگی معمول پر آگئی تھی۔ چھوٹے چھوٹے واقعات ہی روز مرہ کے ماحول میں ہلچل پیدا کرتے رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں سے نور النساء پر اولاد کا پھر بھوت سوار ہوا تھا اور وہی رٹ جاری ہوگئی تھی کہ کسی عمدہ ڈاکٹر سے مشورہ کیا جائے اور پھر ایک چھوٹا سا حادثہ بھی ہوگیا۔ جس سے خاصی بدمزگی پیدا ہوگئی اور سارے گھر کو معلوم ہوگیا کہ نورالنساء اولاد کی خواہش مند ہے۔ زندگی میں پہلی بار عظیم میاں بیوی سے ناراض ہوگئے۔ "آپ کو شاہانہ بھابی سے اس تلخ کلامی سے نہیں پیش آنا چاہئے تھا نور۔"

"وہ میری بہن ہیں۔ آپ سے زیادہ میں ان سے محبت کرتی ہوں۔ میں نے ٹھیک کیا۔ بڑا ناز کرتی ہیں اولاد پر۔" نورالنساء نے تڑ سے جواب دیا۔

"آپ خاصی گستاخ ہوگئیں ہیں نور۔"

"تو مجھے میکے بھجوا دیں۔" نور النساء نے کہا اور عظیم اللہ خان بھونچکے ہو کر انہیں دیکھتے رہ گئے۔ پھر خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گئے۔ نورالنساء کے اس روز کے رویئے

سے انہیں کافی دکھ ہوا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ نورالنساء کو کیا ہوگیا ہے۔ دل ایسا گھبرایا کہ دلاور باغ چل دیئے جو ان کی اپنی ملکیت تھا۔ دلاور باغ کے ایک گوشے میں وہ منتشر ذہن لے کر بیٹھ گئے ان کے ذہن میں نور النساء کے الفاظ گونج رہے تھے کہ اچانک گھنگھروؤں کی جھنکار کانوں میں گونجی اور وہ اچھل پڑے خوفزدہ نگاہیں اٹھائیں اور بدن میں لہو سرد ہوگیا۔ وہ سامنے ہی موجود تھی اور اپنے مخصوص انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔" اس کی زکام زدہ آواز سنائی دی۔

"تم......... تم میرا پیچھا نہیں چھوڑو گی.........؟"

"دل کو بھا گئے ہو۔ آسانی سے تو نہ چھوڑوں گی۔" اس نے فاحشاؤں کے انداز میں کہا۔

"تو آسانی سے مجھے حاصل بھی نہیں کرسکتی۔" اس نے عظیم اللہ کی بات کے جواب کے بجائے کچھ نہ کہا اور کولہوں پر ہاتھ رکھ کر مٹکنے لگی۔ عظیم اللہ نے اس کے پیروں کی طرف دیکھا تو ایک بار پھر ان کے حواس جواب دینے لگے۔ اس کے پیر انتہائی بدنما اور پیچھے کی طرف مڑے ہوئے تھے۔ عظیم میاں کے جسم میں سرد لہریں دوڑنے لگیں۔ وہ انہیں دیکھ کر مسکراتی رہی پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ گئی۔ اس کے الفاظ اب بھی عظیم اللہ کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔

گھر واپس آگئے۔ پہلے کی طرح بیمار تو نہ پڑے' ہاں فکر مند ضرور ہوگئے۔ گھر آنے کے بعد پہلی بار انہوں نے نورالنساء کے مطالبے پر غور کیا۔ کیا حرج ہے اگر اس کی خواہش پوری کردی جائے۔ کم از کم اسے تسلی ہی ہوجائے گی۔ اسی رات والدہ سے گفتگو کی۔

"اگر آپ حکم دیں گی امی حضور تو نورلنساء کو شہر لے جاکر کسی لیڈی ڈاکٹر کو دکھا دوں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بیٹے! جیسے تم خوش ہو۔ حالانکہ ابھی کوئی وقت نہیں گزر گیا۔"

"میں اس ہنگامے کو فرو کرنا چاہتا ہوں امی حضور۔" ٹھیک ہے امی نے منظوری دے دی۔ دوسری پیشی شاہانہ بیگم کے سامنے ہوئی تھی۔ شاہانہ بیگم لاکھ ان سے محبت کرتی تھیں' لیکن بہرحال عورت تھیں۔ اس دن انہیں بھی چڑھ گئی تھی۔

"تمہاری بیوی ہے۔ جو دل چاہے کرو۔"

بھابی حضور' آپ کی اجازت ضروری ہے۔"

"اب نہیں عظیم میاں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد سے نوازے۔"

"بھابی حضور' ہم نے آپ کو اپنے ہر دکھ کا شریک سمجھا ہے۔"

"لیکن نبھا نہ سکو گے اس بات کو عظیم میاں۔"

"نبھائیں گے بھابی۔"

"تو پھر.......... صاف کہہ دو نور بی بی سے کہ ابھی کچھ نہیں کیا جائے گا۔ انتظار کرو۔ غضب خدا کا وہ اتنی منہ زور ہوگئیں کہ سب کے منہ آئیں۔ وہ کریں جو خاندان میں نہیں ہوا۔ خدا کی خدائی میں دخل دیں۔" اور عظیم میاں گنگ ہوگئے۔ کئی منٹ سوچتے رہے پھر اٹھتے ہوئے بولے۔ "آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی بھابی حضور۔" اور پھر رات کو خلوت میں انہوں نے نورالنساء سے صاف کہہ دیا کہ وہ اب اس بارے میں کچھ نہ کہے۔ نور کے سر پر کھیل رہی تھی اس نے بپھر کر کہا کہ وہ میکے چلی جائے گی۔

"خدا حافظ نور۔ آپ امی حضور سے اجازت لے کر چلی جائیں۔"

"میں کسی سے اجازت نہیں لوں گی۔"

"یہ آپ کی مرضی ہے۔"

بات کچھ زیادہ سخت ہوگئی تھی۔ نور النساء نے امی حضور سے اجازت طلب کی تو انہوں نے اجازت دے دی اور نورالنساء شوہر سے ملے بغیر میکے چلی گئی۔ اس طرح اچانک آجانے سے میکے والے حیران ضرور ہوئے تھے لیکن نورالنساء نے صحیح بات بتائی اور کہا کہ کچھ روز کے لئے اجازت لے کر آگئی ہیں۔ عزت دار لوگ تھے میکے والوں نے سسرال سے بھجوایا تو تصدیق کردی گئی! نورالنساء نے کچھ زیادہ ہی ہاتھ پاؤں نکالے۔ ان کی ایک رشتے کی خالہ بڑی کُٹنی تھیں۔ ان سے ذکر ہوا تو انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ کسی جھاڑ پھونک کرنے والے سے مشورہ کریں گی اور پھر یہ قسمت کی یاوری' یا بد قسمتی بھی تھی کہ خالہ کی ملاقات' مائی جپوتی سے ہوگئی۔ مائی جپوتی' ایک پُراسرار عورت تھی۔ نئی نئی وارد ہوئی تھی۔ شاید چار پانچ روز قبل یہاں آئی تھی۔ حسن آباد کے انتہائی سرے پر ایک جھونپڑی میں رہتی تھی۔ گوہر خالہ کو خود اس نے مخاطب کیا تھا۔ "کس تلاش میں ہو گوہر بیگم؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور خالہ گوہر بیگم حیران ہوگئیں۔

"آپ کون ہیں.......... اور مجھے کس طرح جانتی ہیں۔"

"تارک الدنیا ہوں اور دنیا کے راز جانتی ہوں۔" جپوتی نے کہا۔ "میرے پاس تمہارے درد کا درماں موجود ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"بھانجی کے لئے اولاد کی خواہش مند ہو۔"

"ارے..........؟" گوہر بیگم ششدر رہ گئیں۔ ابھی تو انہوں نے دل کا حال کسی

سے نہیں کہا تھا۔ چنانچہ وہ مائی جپوتی کے قدموں میں گر گئیں۔ مائی جپوتی کے پاؤں بہت لمبے تھے اور ان پر اس نے عجیب سا غلاف چڑھایا ہوا تھا۔ "تم ہی میری مشکل کا حل ہو مائی جپوتی۔ میری مدد کرو۔"

"ٹھیک ہے.......... کل رات بارہ بجے نورالنساء کو چادر اوڑھا کر میرے پاس لے آؤ۔ میں انتظار کروں گی۔" مائی جپوتی نے کہا اور خالہ وعدہ کرکے چلی گئیں۔ انہوں نے نور النساء سے کہا اور نورالنساء تیار ہوگئیں۔ دوسری رات ٹھیک بارہ بجے وہ ایک سیاہ چادر اوڑھ کر' دوسروں کی نگاہوں سے چھپتی چھپاتی' خالہ گوہر کے ساتھ باہر نکل آئیں۔ یہ سب کچھ اس خاندان میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ نورالنساء نے اس کی ریت توڑ دی تھی۔ بارہ بجے دونوں خالہ بھانجی مائی جپوتی کی منحوس جھونپڑی کے سامنے تھیں۔ اندر روشنی ہو رہی تھی۔ تب مائی جپوتی کی آواز سنائی دی۔

"گوہر.......... نور النساء کو اندر بھیج دو اور تم یہاں سے پچاس گز دور جاکر انتظار کرو۔" اور نورالنساء اندر داخل ہوگئی۔ باہر سے یہ جھونپڑی جس قدر چھوٹی نظر آتی تھی اندر سے اس قدر چھوٹی نہ تھی۔ عجیب پُراسرار سا ماحول تھا۔ مائی جپوتی ایک چادر اوڑھے بیٹھی تھی۔ اندر عجیب سی خوشبوئیں بکھری ہوئی تھیں۔ کافور کی بو کسی حد تک ناگوار محسوس ہو رہی تھی۔ نورالنساء دھڑکتے دل سے مائی جپوتی کے پاس پہنچ گئی۔ تب بوڑھی شیطان کا چہرہ اس کے سامنے آگیا۔ بھیانک چہرہ تھا اس کے کندھے پر ایک سیاہ مینا بیٹھی ہوئی تھی۔ دوسرے کندھے پر ایک بلی موجود تھی۔ شانے کے پاس تین چوہے لٹک رہے تھے۔ نزدیک ایک مینڈک بھی موجود تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے نور النساء کی طرف دیکھا اور نورالنساء کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر خون سرد ہوتا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" بوڑھی کی آواز گونجی۔ یہ آواز بھی کافی بھیانک تھی۔ وہ ناک میں بول رہی تھی۔ نورالنساء کی ٹانگوں کی جان نکل گئی اور وہ دھم سے بوڑھی کے سامنے بیٹھ گئی۔

"تم بڑی اچھی لڑکی ہو۔ تم نے میری مشکل آسان کردی ہے۔ہائے کیسی خوش نصیب ہو۔ بڑا بانکا جوان ہے تمہارا شوہر۔ سنو' کیا تم مجھے چالیس دن کے لئے اپنا شوہر ادھار دے سکتی ہو؟"

نورالنساء نے اٹھ کر بھاگنے کے بارے میں سوچا لیکن جسم تھا کہ پتھر کا ہوکر رہ گیا تھا۔ حلق خشک ہوگیا تھا کچھ بھی نہ ہوسکا! "تم کیا دو گی۔ میں خود حاصل کرلوں گی۔ سمجھیں۔ میں خود حاصل کرلوں گی۔ ٹھیک چالیس دن کے بعد اپنے مکان میں آجانا۔ جو کچھ کہہ رہی ہوں اسے غور سے سن لو۔ تمہیں ایک چوہا شکار کرکے لانا ہوگا۔ چالیسویں

دن ٹھیک بارہ بجے کسی طرح اپنے کمرے میں داخل ہونا۔ اگر وقت گزر گیا تو پچھتاؤ گی۔"

بوڑھی ایک بھیانک ہنسی کے ساتھ بولی اور پھر اس نے کندھے پر بیٹھی بلی کو اشارہ کیا بلی کود کر اس کے سامنے آگئی۔ تب بوڑھی نے اسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا اور اس کی گردن مروڑنے لگی۔ بلی کے حلق سے خوفناک غراہٹیں بلند ہورہی تھیں۔ وہ زندگی بچانے کی سخت جدوجہد کررہی تھی لیکن بوڑھی کے سخت ہاتھوں کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ بلی کے منہ سے خون ابل پڑا اور پھر اس نے دم توڑ دیا۔ تب بوڑھی نے بڑی احتیاط سے اس کی لاش اپنے سامنے رکھ لی۔ اس کے ہونٹوں پر خوفناک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ تب اس نے نور النساء کو دیکھا' پھر کھڑی ہوگئی۔ نور النساء اب بھی بے جان بت بنی ہوئی تھی۔ اس کی روح بدن میں پھڑپھڑا رہی تھی۔ کس جنجال میں آ پھنسی تھی۔ اولاد کا تو خیر ذکر ہی نہیں تھا۔ نہ جانے کون سی مصیبت نازل ہونے والی تھی۔

بوڑھی نے اپنے خوفناک ہاتھ اس کے چہرے کے سامنے کردیئے ہاتھوں کی لمبی لمبی کریہہ انگلیاں اس کے سامنے رقص کرنے لگیں اور نور النساء کا دل انتہائی تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس کی روح بدن میں پھڑپھڑا رہی تھی۔ جوں جوں انگلیاں اس کے چہرے کے سامنے گزر رہی تھیں۔ اس کی قوت سلب ہوتی جارہی تھی۔ پھر اچانک اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ منہ کھلا رہ گیا تھا۔ وہ بے جان ہو کر ایک طرف کو لڑھک گئی!

بوڑھی نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا تھا اور پھر وہ چھت کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"مجھے دیکھ' میری طرح عمل کر' بلی کا جسم روح سے خالی ہے۔ اسے اپنا لے اور اس کے روپ میں چالیس دن گزار۔ ٹھیک چالیس روز!" بوڑھی خود بھی زمین پر لیٹ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے اور آنکھیں بند کرلیں اور چند ساعت کے بعد نور النساء کے روح سے خالی جسم میں زندگی دوڑ گئی۔ وہ مسکراتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ خود نور النساء کا اپنا کوئی جسم نہ تھا۔ بس آنکھیں تھیں' جن کا کوئی وجود نہ تھا لیکن صرف وہ دیکھ سکتی تھی۔ وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کے اپنے بدن نے انگڑائی لی لیکن یہ انگڑائی اس نے خود نہیں لی تھی۔ تب اس نے اپنے ہونٹوں سے بوڑھی کی آواز سنی۔

"نور النساء وقت ضائع نہ کرو' جو کچھ ہوگیا ہے ایک حقیقت ہے۔ چالیسویں دن اپنا شوہر حاصل کرنے آجانا' جس طرح میں نے کیا ہے اس طرح کرو۔ ورنہ ایسا دلچسپ کھیل ہوگا کہ لوگ عرصہ تک نہ بھلا سکیں گے۔"

بوڑھی دروازے کی طرف بڑھ گئی اور اس کے ساتھ ہی نور النساء نے اس کا جسم غائب ہوتے ہوئے دیکھا۔ خود بوڑھی کے کریہہ جسم کا کوئی وجود نہ تھا۔ "آہ۔ بڑی غلطی

ہوگئی۔ میں کہاں آ پھنسی۔ آہ نہ جانے یہ کون تھی۔ گوہر خالہ نے کس جنجال میں پھنسا دیا۔ کیا کروں۔ اب کیا کروں۔ میرے بدن پر تو کسی اور کا قبضہ ہے۔ نہ جانے۔ نہ جانے اب کیا ہو؟"

نور النساء سسکنے لگی۔ "کیا ہوگیا تھا مجھے۔ کیسی دیوانی ہوگئی تھی میں۔ محبت کرنے والے شوہر کی بری بن گئی۔ کیا پیار کرتے تھے وہ مجھے۔ شاہانہ باجی۔ آہ۔ انہوں نے ہی تو میری محبت کو کامیابی سے ہمکنار کیا تھا۔ ورنہ دل کی حسرتیں دل میں لئے کسی اور کی آغوش میں چلا جانا پڑتا۔ کتنا بڑا احسان کیا تھا انہوں نے میرے اوپر اور میں نے اولاد کی خواہش کے جنون میں مبتلا ہو کر کیسا برا سلوک کیا ان کے ساتھ۔

"آہ' کیا کروں۔ ان ہمدردوں کو کہاں تلاش کروں۔ کیسے اپنا حال دل ان سے کہوں! اب تو میرا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔" اس کی روح سسکتی رہی لیکن رونے دھونے سے کیا ہوتا ہے۔ غلطی کی سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔

"لیکن بلی' کیا مجھے اب اس کا گھناؤنا جسم استعمال کرنا پڑے گا۔ افوہ کیسی انہونی بات ہے۔ کیسی انوکھی بات ہے لیکن یہ سب کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ اس نے چالیس دن کی بات کی ہے ممکن ہے وہ صحیح ہو۔ گزاروں گی کسی نہ کسی طرح یہ چالیس دن بھی گزاروں گی۔ اعمال کی سزا تو بھگتنی ہی پڑے گی لیکن لیکن مردہ بلی کے جسم میں داخل ہونا۔"

کوشش کرتی ہوں اور وہ آنکھیں بند کرکے اپنے لطیف وجود کی حرارت سمیٹے بلی کے بدن میں پہنچ گئی۔ اب اسے ایک ٹھوس وجود مل گیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ کمزور ہاتھ پاؤں سے دبے پاؤں چلتی ہوئی وہ باہر نکلی۔ کیسا ننھا سا وجود تھا اس کا۔ کیسا کمزور بدن تھا۔ کہاں ایک خوبصورت اور حسین جسم کی مالک دوشیزہ اور کہاں اب ایک کالی بلی' لیکن تقدیر۔ خالہ گوہر کا اب کوئی پتہ نہ تھا۔ یقیناً واپس جاچکی ہوں گی اور اپنی دانست میں نور النساء کے ساتھ ہی گئی ہوں گی۔ انہیں کیا معلوم کہ نور النساء کس حال میں ہے لیکن اب کیا کرنا چاہئے۔ جانا کہاں چاہئے۔ کیا اپنے گھر لیکن وہاں وہ ہوگی۔ اس کے علاوہ اور کہاں جایا جاسکتا تھا وہ رونے لگی۔ نازوں پلی سڑکوں پر سرگرداں تھی۔ چاروں طرف سے خدشات اور وسوسے گھیرے ہوئے تھے اس کمزور بدن کے سہارے چالیس دن تک کیسے زندہ رہ سکے گی کیا کھائے گی' کیا پئے گی۔

یہی سوچتی چلی جارہی تھی آہ راستہ بھی کتنا طویل ہے کیا ہوگیا ہے یہ سب کیا ہوگیا۔ اچانک کالونی کی گلی سے گزرتے ہوئے اس نے ایک غراہٹ سنی اور پھر ایک خوفناک کتے نے اس پر چھلانگ لگائی۔

"کتا............ آہ............ آہ۔" اس کے منہ سے دہشت کی چیخ نکل گئی۔ زندگی کسے عزیز نہیں ہوتی۔ اس نے کتے سے جان بچانے کے لئے ایک بانس پر چھلانگ لگائی اپنے تیز پنجے بانس میں گاڑ کر اس نے بدن کو سہارا دیا۔ کتا دونوں پیروں پر کھڑا ہو کر بانس کی طرف لپکا لیکن دوسری چھلانگ اسے چھپر پر لے گئی تھی۔ کتا نیچے کھڑا بھونکتا رہا۔ اس کا دل دھاڑ دھاڑ کر رہا تھا۔ ذرا سی چُوک ہو جاتی تو کتا اسے چیر پھاڑ کر برابر کر دیتا اور اس کے بعد کیا رہ جاتا۔

کتا اب بھی اس کی تاک میں تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی لیکن اپنی میاؤں میاؤں سن کر خود اسے شرم آ رہی تھی۔ پھر اس نے سوچا' نیچے نہیں اترنا چاہئے۔ بلکہ چھتوں چھتوں ہی سفر کرنا چاہئے۔ اپنے دبلے پتلے ہلکے بدن کے ساتھ وہ یہ سفر آسانی سے کر سکتی تھی۔ چنانچہ ایک چھت سے دوسری اور دوسری سے تیسری چھت پر ہوتی ہوئی بالآخر وہ اپنی حویلی میں پہنچ گئی۔

یہاں اس کے اپنے تھے لیکن یہ کچھ وقت پہلے کی بات تھی۔ اس وقت کی جب اس نے اولاد کے جنون میں خود کو انسانیت سے گرا ہی دیا تھا۔ اب تو یہاں کوئی نہیں تھا۔ اس کا دل کٹ رہا تھا۔ وہ اپنی خواب گاہ میں نہیں جا سکتی تھی۔ کیونکہ اب بوڑھی چڑیل اس کی خواب گاہ میں ہوگی اور بہرحال وہ قادر ہے۔ اس نے ایک تاریک گوشہ اپنا لیا۔ دل کی جو حالت تھی بیان سے باہر تھی۔ بیٹھی رہی سسکتی رہی سخت پریشان تھی لیکن یہ پریشانی اس نے خود مول لی تھی کوئی اس کا محرک نہیں تھا۔ نیند کا کیا سوال تھا۔ صبح ہو گئی بھوک لگ رہی تھی!

آہ۔ وہ میکے میں آتی تھی تو اس کی خاطر مدارت کے لئے کیا کیا جتن ہوتے تھے۔ دسترخوان اس کی پسند کی چیزوں سے بھرے ہوتے تھے۔ اس کی ایک ایک پسند کا خیال رکھا جاتا تھا لیکن اس وقت' کیسی بھوک لگ رہی تھی۔ کیا کیا جائے؟ کس سے کہا جائے۔ بہت دیر سوچتی رہی۔ پھر جب بھوک ناقابل برداشت ہو گئی تو اپنی جگہ سے اٹھی اور کچن کا رخ کیا۔ شاید کوئی کچھ دے دے۔ شاید! کچن کے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ باورچی کام کر رہے تھے اس کے نوکر' اس کے اشاروں پر جان دینے والے۔ وہ اندر داخل ہو گئی۔ باورچی خانہ اس کی پسند کی چیزوں سے بھرا پڑا تھا۔ وہ ایک برتن کی طرف بڑھی اور اس وقت فیقو نے اسے دیکھ لیا۔ "ابے' ابے شیدے' کہاں مر گیا۔ دیکھ سالے' بلی گھس آئی۔ شی' شی۔" رشید نے کفگیر اٹھایا اور اس نے خونخوار نگاہوں سے رشید کو گھورا۔ یہ مجال اس کمینے کی!

لیکن اسے گمان بھی نہ تھا کہ رشید کم بخت کفگیر ہی کھینچ مارے گا بال بال بچ گئی ورنہ سر پھٹ جاتا۔ دوسرے لمحے رشید چمٹا لے کر دوڑا اور وہ خوفزدہ ہو گئی۔ مار ہی نہ دے کم بخت۔ دوسرے لمحے اس نے باورچی خانے سے باہر چھلانگ لگا دی۔ شیدا اسے دور تک دوڑا گیا تھا اور پھر وہ ایک کونے میں جا بیٹھی!

دل خون ہو گیا تھا۔ ہائے انسان کی معمولی سی غلطی اسے کس قدر ذلیل و خوار کرتی ہے۔ افسوس' افسوس' لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ کونے میں بیٹھی روتی رہی۔ آنسو بہاتی رہی۔ بھوک نے نڈھال کر دیا تھا۔ جب بھوک ناقابل برداشت ہو گئی تو ایک بار پھر اٹھی۔ باورچی خانے کا رخ کیا۔ وہ کبھی اتنی بے غیرت نہیں تھی لیکن آج اس کی غیرت اس کا غرور خاک میں مل گیا تھا۔ اب وہ روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے سرگرداں تھی۔ اسے اس کے کئے کی سزا مل رہی تھی۔ اتفاق سے باورچی خانہ اس وقت خالی تھا۔ اسے موقع مل گیا پسند ناپسند کا سوال ہی نہیں تھا۔ جو مل گیا کھا لیا اور اس کے بعد خاموشی سے باہر نکل آئی۔ پھنس گئی تو سنگدل فیقو اس بار جان ہی سے مار دے گا اور اس کے بعد اس نے چوری چھپے بوڑھی چڑیل کی تلاش شروع کر دی جو اس کے روپ میں تھی۔ چڑیل اس وقت گھر کے تمام لوگوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ ان سے واپس جانے کے لئے کہہ رہی تھی اور گھر والے تیار ہو گئے تھے۔ تو اب یہ وہاں جا رہی ہے؟ نورالنساء نے سوچا مجھے بھی وہیں چلنا چاہئے تاکہ اس کی کارستانیوں پر نگاہ رکھوں گی لیکن میں اس کا بگاڑ کیا سکوں گی۔ میں اس کا کیا کر سکوں گی لیکن چلنا ضرور چاہئے اس پر نگاہ تو رکھوں گی۔ ہاں' اس پر نگاہ تو رکھوں گی۔ جایا کس طرح جائے آسان بات تو نہیں ہے۔ تب اس نے ایک فیصلہ کیا وہ اسی چڑیل کے ساتھ جائے گی۔ کچھ بھی ہو جائے۔ کتنا ہی بڑا خطرہ مول لینا پڑے اور اس وقت وہ اس کی تاک میں لگی رہی۔ ایک موٹر چڑیل کو لے جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی اور نورالنساء نے ترکیب سوچ لی۔ بڑی چالاکی سے کام کرنا تھا۔ موٹر کی چھت پر کیریئر لگا ہوا تھا۔ اسے گیٹ کے نزدیک والے درخت سے کیریئر پر کودنا پڑے گا حالانکہ خطرناک بات تھی لیکن' اب تو سب باتیں ہی خطرناک تھیں۔ کسی خطرناک بات کی کیوں پرواہ کی جائے اور وہ تیاریوں کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر جب لوگ موٹر کی طرف بڑھنے پر تیار ہوئے تو وہ مہندی کی باڑ کے سہارے سہارے گیٹ تک پہنچ گئی اور درخت پر چڑھنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ مشکل کام موٹر کی چھت پر کودنا بھی نہ ثابت ہوا۔ بلی کا ہلکا پھلکا جسم ان کاموں میں معاون تھا' لیکن سڑک پر دوڑتی ہوئی موٹر کے جھٹکے ناقابل برداشت لگ رہے تھے۔ اسے بار بار اپنے زخمی جسم کو سنبھالنا پڑ رہا تھا۔ گرد' مٹی دھوپ' سب کچھ سخت اذیت

ناک تھا لیکن اب یہ اذیتیں تو اس کا مقدر بن گئی تھیں۔ وہ تن بہ تقدیر ہو گئی۔

طویل سفر ختم ہو گیا۔ وہ سسرال پہنچ گئی۔ آہ' گھر کے لوگ کتنے نرم دل' کیسے اعلیٰ ظرف لوگوں نے اس کے استقبال میں کوئی کمی نہ چھوڑی تھی۔ انہوں نے اس چڑیل کو اس کے دھوکے میں خلوص دل سے ریسیو کیا تھا!

ساس نے جٹھانی نے بڑھ کر گلے لگایا تھا اور پھر اسے اندر لے گئیں۔ "کیسی حماقت ہوئی ہے' کیسی ذلالت ہوئی ہے۔ ان لوگوں کے دلوں میں فرق ڈال کر اللہ تعالیٰ معاف کرے لیکن اب میرا کیا ہو گا؟ کیا کروں گی۔ ابھی تو ابتدا ہے۔" صبر' ذہن کے گوشے سے آواز ابھری۔ صبر کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہر ذلت' رسوائی گوارہ کرنا پڑے گی۔ ہر ذلت ہر رسوائی۔

☆------☆------☆

عظیم میاں بیوی کے چلے جانے سے سخت دل برداشتہ تھے۔ انہوں نے اس کی غیر موجودگی کو بہت محسوس کیا تھا لیکن بہرحال انہوں نے فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو نور النساء کی ضد قبول نہیں کریں گے۔ وہ آ گئی تو انہیں حیرت ہوئی لیکن ناراضگی اپنی جگہ بحال تھی۔ انہوں نے اس سے کوئی گفتگو نہ کی لیکن رات بہرحال انہیں اس کے ساتھ گزارنی تھی۔ رات کو نور النساء خود ان کے بستر میں آ گھسی۔ حالانکہ اس معاملے میں وہ بہت محتاط تھی۔ آج تک اس نے اپنی محبت کو بے باکی کا درجہ نہیں دیا تھا۔ خود عظیم اللہ ہی ان کے پاس جاتے تھے لیکن آج نور النساء کے طور ہی نرالے تھے۔ وہ عجیب فاحشانہ انداز میں انہیں اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ "شاید یہ اپنے گناہ کا احساس ہو۔" انہوں نے سوچا۔ "تم واپس کیوں چلی آئیں نور۔"

"تمہارے لئے میری جان' میں تمہاری جدائی برداشت نہ کر سکی۔" اور عظیم اللہ اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ نور النساء وہی تھی لیکن کچھ تبدیلی ضرور تھی۔ کوئی نہ کوئی انوکھا پن ضرور تھا۔

اس انوکھے پن میں انہیں لطف آیا اور بہرحال انہوں نے نورالنساء کو معاف کر دیا البتہ انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ کچھ بھی ہو لیکن اس کی ضد تسلیم نہیں کی جائے گی۔

"اونہہ۔ مجھے بچوں کی کون سی پرواہ ہے۔ ہوں نہ ہوں۔" اس نے لاپرواہی سے کہا۔ عظیم اللہ کے لئے اس کا ہر اقدام حیرت ناک تھا۔ نہ جانے وہ اس معمولی سے واقعے میں کیا بن کر آئی تھی۔ ہاں' روشندان پر بیٹھی ہوئی نورالنساء اپنی اس بے حرمتی پر خون کے آنسو رو رہی تھی۔ کون کون سی سزا بھگتنی پڑے گی میرے معبود! کون کون سی اذیت سے دوچار ہونا پڑے گا؟ وہ روتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ اس کا شوہر اس کی نگاہوں کے سامنے دوسرے کی آغوش میں تھا۔ اس کا تھا لیکن اب اسے اس بدن سے کوئی نسبت نہ تھی۔ خود اس کی ذات کس قدر ارزاں ہو گئی تھی۔ وہ چڑیل وہ فاحشہ جس انداز کا مظاہرہ

کر رہی تھی کیا سوچ رہے ہوں گے عظیم اس کے بارے میں!

"آہ.......... کیا سوچ رہے ہوں گے وہ؟" وہ آہ وزاری کرتی رہی اور پوری رات اسی طرح گزر گئی۔ اس کا بدن عظیم اللہ کی آغوش میں چین کی نیند سو رہا تھا اور وہ روشندان پر بے قرار تھی لیکن اب ان بے قراریوں کو کون روک سکتا تھا۔ اب تو ہر روز اذیت کا روز تھا۔ ہر رات تکلیفوں کی رات تھی۔ کئی بار اس نے سوچا کہ خودکشی کر لے۔ اس زندگی سے مرجانا بہتر ہے لیکن کسے اس کی موت کے بارے میں معلوم ہوگا؟ کون اس کی پشیمانی کے بارے میں جانے لگا کسے معلوم ہوگا کہ روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے وہ در در پھرتی ہے اب تو اس نے جھوٹا کھانے کی عادت بھی ڈال لی تھی جو کچھ ملتا جہاں سے جب بھوک لگتی کھالیتی۔ ایک ایک لمحہ سخت گزر رہا تھا۔ ایک دن ایک سال کے برابر تھا۔

چالیس دن کی کہانی بہت طویل تھی۔ بہت طویل' ان چالیس دنوں میں اسے چالیس سالہ تجربہ حاصل ہوگیا تھا۔ ان چالیس دنوں میں اس پر جو قیامت گزری تھی۔ عام لوگ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔

زندگی کے اس سب سے اذیت ناک تجربے کا آخری دن بھی آہی گیا لیکن آج اسے ایک گھناؤنا کام کرنا تھا۔ اسے ایک چوہے کا شکار کرنا تھا۔ آہ کیا کرے۔ کیسے کرے یہ کام' لیکن کرنا ہی تھا۔ وہ چوہے کے بل کے پاس بیٹھ گئی لیکن کوئی چوہا بل سے نہ نکلا۔ اسے شکار کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ وقت جوں جوں گزر رہا تھا اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہورہی تھیں۔ کلیجہ حلق میں آرہا تھا۔

رات کے دس بجے' گیارہ بجے وہ چوہے کی تلاش میں سرگرداں رہی لیکن ناکام رہی۔ یہاں تک کہ بارہ بجے اور اس کی مایوسی آخری منزل پر پہنچ گئی۔ کوئی چوہا اپنے بل سے نہیں نکلا تھا۔ اسے تو مناسب جگہیں بھی نہیں معلوم تھیں۔ اب کیا کیا جائے؟ آہ اب کیا کیا جائے؟ وہ دیوانوں کی طرح اِدھر اُدھر بھاگنے لگی۔ وقت گزر گیا تھا۔ کیا ہوگا اب؟ اف ساڑھے بارہ بج چکے ہیں۔ میرے خدا' میرے خدا وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ اب کیا ہوگا۔ آہ' اب کیا ہوگا؟ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ تب اچانک اس نے حویلی میں بھاگ دوڑ دیکھی۔ ملازم اور دوسرے لوگ اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ پھر عظیم میاں کی والدہ بھی اپنے کمرے سے نکلتی نظر آئیں۔

اور اس کے بعد عظیم میاں کے کمرے سے رونے پیٹنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کیا ہوگیا۔ آہ' کیا ہوگیا۔ وہ خود بھی اس طرف دوڑنے سے باز نہ رہ سکی۔ اس نے بھی کھلے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہونے کی کوشش کی لیکن نہ جانے کس کی لات اس کی

کمر پر پڑی اور وہ دور جاگری۔ سخت درد ہوا تھا لیکن دل کی ماری پھر اٹھی۔ "میرے معبود' عظیم کو کچھ نہ ہوگیا ہو۔ آہ' غلطی میری تھی۔ مجھے کچھ اور سزا مل جائے میرے مالک! میں پوری زندگی اسی طرح گزار دوں گی۔ میرے عظیم کو کچھ نہ ہو۔" وہ پھر دروازے کی طرف لپکی۔ اس بار دروازے پر کوئی نہ تھا وہ اندر گھس گئی۔ سامنے ہی عظیم ایک کرسی پر بیٹھے سسک رہے تھے۔ مسہری کے قریب کھڑی ہوئی شاہانہ بیگم دھیمی آواز میں رو رہی تھیں۔

"یااللہ.......... یہ کیا ہوگیا۔ عظیم بھیا۔ یہ سب کیسے ہوگیا۔"

"اچھی خاصی باتیں کر رہی تھیں بھابی۔ اچانک بولیں۔ نہ جانے کم بخت کہاں مر گئی۔ اب کیا کروں۔ ماری نہ گئی ہو۔ پھر میری طرف دیکھ کر مسکرائیں۔ عجیب وحشت آمیز مسکراہٹ تھی۔ اس کے بعد بولیں۔ تمہارے ساتھ خوب وقت گزرا۔ میں تمہیں زندگی بھر نہ چھوڑتی لیکن کیا کروں۔ وقت ہی اتنا ملا ہے۔ وقت اتنا ہی ملا ہے۔ اور.......... اور اس کے بعد بھابی۔ انہوں نے دونوں ہاتھ اوپر پھیلا دیئے اور.......... اور بے جان ہوگئیں۔" عظیم میاں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

"میرے معبود' میرے معبود۔ اب ہم حسن آباد والوں کو کیا منہ دکھائیں گے؟ کیا کہیں گے ان سے۔ کیسے اطلاع دیں گے؟" شاہانہ بیگم بلکنے لگیں لیکن نورالنساء کا دل خوشی سے اچھل پڑا تھا تو اس چڑیل نے نورالنساء کی واپسی سے مایوس ہوکر اس کا جسم چھوڑ دیا۔ آہ۔ موقع ہے موقع ہے۔ اس وقت اور دوسرے لمحے وہ زمین پر لیٹ گئی۔ اس نے پہلے کے انداز میں ہاتھ پاؤں پھیلا دیئے۔ آنکھیں بند کرلیں اور اس کا دل خوشی سے ڈولنے لگا۔ اسے اپنا وجود ہلکا محسوس ہوا تھا اور پھر اس نے اپنے جسم میں داخل ہوکر سکون کی سانس لی۔ آہ پورے چالیس دن' پورے چالیس دن اپنا جسم۔ اپنا گھر کس سکون کا باعث ہوتا ہے تب اس کے کانوں میں شاہانہ بیگم کی آواز گونجی۔ "امی' امی' عظیم بھیا' ذرا' ذرا دیکھئے تو' ذرا دیکھئے تو' سانس چل رہی ہے۔ سانس چل رہی ہے۔"

"ایں۔" عظیم میاں دوڑے۔ انہوں نے کسی کی پرواہ نہیں کی تھی۔ دوسرے لمحے وہ اس کے سینے پر سر رکھے اس کے دل کی دھڑکنیں سن رہے تھے اور پھر وہ خوشی سے چیخنے۔ "امی سانس چل رہی ہے۔ سانس واپس آگئی ہے۔ امی۔" اور امی سجدے میں گر پڑیں۔ تب نورالنساء نے آنکھیں کھول دیں۔ "نور.......... میری نور۔" عظیم میاں نے اسے سینے سے بھینچ لیا۔ سب کے دل خوشی سے بھر گئے تھے۔

"میں' میں معافی چاہتی ہوں۔ آپ سب لوگ مجھے معاف کردیں۔ باجی..........

مجھے بہت بڑی سزا مل گئی ہے۔" کسی کی سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی تھی لیکن دوسرے دن جب اس نے رو رو کر پوری تفصیل سنائی تو سب ششدر رہ گئے۔ عظیم میاں نے بدلی ہوئی نور کی تصدیق کی تھی۔ سارے واقعات کے ثبوت موجود تھے۔ تیسری رات انہوں نے بھی شرمندگی کا اظہار کیا۔

"قصور وار تم ہی نہیں ہو نور۔ میں بھی ہوں۔ آہ میں نے اتنا طویل عرصہ اس چڑیل کے ساتھ گزارہ اور تم ماری ماری پھرتی رہیں۔" اور نور نے ان کا سر سینے سے لگا لیا۔

"لیکن چوتھے دن بڑی بستی کے مولوی صاحب پھر طلب کر لئے گئے تھے تاکہ گھر کو اس منحوس چڑیل کی غلاظت سے بالکل صاف کر دیا جائے۔ اب اس کے بعد کیا ہوا یہ ایک الگ کہانی ہے لیکن بہرحال عظیم اللہ صاحب ان الجھنوں سے گزرے تھے۔ اصل میں یہ کہنا چاہتا تھا میں میری جان! کہ کسی بھی مسئلے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا تم پریشان نہ ہو میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس طرح کے ہزاروں واقعات ہزاروں انسانوں کی زندگی میں بکھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ انسان بے حد پُراسرار ہے۔ بذات خود اور کائنات کی ایسی ایسی حقیقتیں اس کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں کہ اگر اسے ان کے بارے میں پتہ چل جائے تو خود اسے یقین کرنا مشکل ہو۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ربابہ۔"

"ہاں سوفیصدی وہ جو کچھ بھی ہے یقینی طور پر ایک پُراسرار روح ہے جس کا تمہاری زندگی سے کوئی نہ کوئی گہرا تعلق ہے۔"

"لیکن ریاض' میری زندگی تو بڑی عجیب ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ماضی میں جو کچھ گزرا ہے اگر اسے کہانی بنایا جائے تو ایک سنسنی خیز کہانی وجود میں آتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں اس بات کو اب تم دیکھو نا تمہارا چچا جس کے بارے میں تم نے مجھے تفصیلات بتائی ہیں یعنی گلاب شیرو نہ جانے کہاں گم ہوگیا ہے اور جیسا کہ تم نے اس کی شخصیت کے بارے میں بتایا سوچنے کی بات تو ہے۔"

"سوفیصدی میں کب اس بات سے انکار کرتا ہوں۔"

"بس تو یہی سمجھ لو کہ زندگی انہی پُراسرار خوابوں کا نام ہے ہم انہی پُراسرار خوابوں میں جی رہے ہیں اور یہ خواب ہی ہمیں نہ جانے کون کون سے جہانوں کی سیر کراتے ہیں۔ ربابہ کے بارے میں جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ وہ دوبارہ بھی تمہاری

زندگی میں آئے گی لیکن وہ کون ہے کیا ہے اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل نہیں ہوسکتی تمہیں۔ اس ساری کہانی کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دو۔"

"لیکن ریاض' اس طرح تو انسان نارمل رہ ہی نہیں سکتا۔ یہ سب کچھ نارمل تو نہیں ہے۔"

"ہاں ہے تو نہیں لیکن بہرحال دیکھنا تو ہوگا اب تم خود سوچو تم ربابہ کو کہاں تلاش کرو گے۔"

"فرض کرو میں اسے تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور وہ مجھے مل بھی جاتی ہے تو میں کیا کروں گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں کیا کروں گا۔" ریاض سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔

"میری مانو صحیح مشورہ دے رہا ہوں ان سارے واقعات کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دو۔ وقت جو فیصلہ کرے گا وہ سب سے بہتر اور سب سے مناسب ہوگا' تم الجھنوں میں نہ پڑو تو میرے خیال میں بہت اچھی بات ہے۔" میں پھیکی سی ہنسی کے ساتھ خاموش ہوگیا تھا۔ لوگ مشورے دے دیتے ہیں کہہ دیتے ہیں یہ نہ کرو وہ نہ کرو۔ اگر ان سارے معاملات میں کچھ کرنا انسان ہی کے بس میں ہوتا تو انسان پُرسکون ہوجاتا لیکن یہ سکون ہی تو سب سے بڑی مشکل تھا۔ بہرحال ریاض کے ساتھ اچھا خاصا وقت گزرا تھا۔ ہم لوگ گونڈی کے ویرانوں میں مارے مارے پھرتے تھے اور ہماری نگاہیں چاروں طرف بھٹکتی رہتی تھیں۔ ہم یہ سوچتے تھے کہ شاید ہمیں ان پُراسرار فضاؤں میں ربابہ کی روح نظر آجائے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ رفتہ رفتہ دل کو قرار آنے لگا تھا۔ ایک شام پھر میرے اور ریاض کے درمیان ایک میٹنگ ہوئی میں نے کہا۔

"ریاض ہر انسان کی زندگی کا ایک مقصد ہوتا ہے اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ میں کیا کروں' کیا کرنا چاہئے مجھے۔"

"یہاں دل نہیں لگ رہا تمہارا۔"

"ایسی بات نہیں ہے مگر دوست! زندگی ایسے تو نہیں گزاری جاسکتی۔ جینے کا کوئی تو مقصد ہو۔ کوئی تو ایسا راستہ جس پر سفر کرتے ہوئے منزل کی تلاش میں نکلیں۔"

"یار ایک بات بتاؤ۔"

"ہاں۔"

"ربابہ تمہارے دل کی گہرائیوں میں کتنی نیچے تک اتری ہوئی ہے۔" میں نے کچھ دیر سوچا پھر کہا۔

"ریاض! تم یقین نہیں کرو گے میں نے کبھی اس پر غور ہی نہیں کیا لیکن ایک غیر محسوس طریقے سے مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری منزل وہی ہے۔ وہ کبھی نہ کبھی مجسم ہو کر مجھ تک ضرور آئے گی۔ میں کسی اور لڑکی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ کم از کم اس شکل میں کہ وہ میری محبوبہ ہو۔ ویسے تو دنیا میں بے شمار لوگ بکھرے پڑے ہیں۔"

"اصل مسئلہ یہی تھا میں نے تم سے یہ اس لئے معلوم کیا اگر کوئی گنجائش ہوتی تو میں سب سے پہلے تم سے یہی کہتا کہ شادی کرلو۔ وہ تمہاری مشکلات کا حل ثابت ہو سکتی ہے۔ انسان کا ذہن تقسیم ہو جائے تو وہ سکون محسوس کرتا ہے۔"

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن یقین کرو پہلی بات تو یہ کہ میرے وسائل ہی ایسے نہیں ہیں کہ ابھی سے شادی وغیرہ کے بارے میں سوچوں۔ دوسری بات یہ کہ اتنی جلدی یہ ممکن بھی نہیں ہے۔ پہلے کچھ حاصل تو کرلیا جائے زندگی میں تم جانتے ہو میں ایک قلاش آدمی ہوں اور میرے لئے کچھ حاصل کرنا ذرا مشکل کام ہے کیونکہ فوری طور پر میرے پاس اس طرح کے انتظامات بالکل نہیں ہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو تو پھر میرا بہترین مشورہ سنو' میں چاہتا ہوں کہ تم پہلے اپنے لئے کوئی راستہ کوئی منزل تلاش کرو۔ ملازمت کرلو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ کاروبار میں شریک کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن شاید گونڈی میں تمہارا دل نہ لگے۔"

"ہاں میرے دوست! تمہاری اس مخلصانہ پیش کش کو میں دل سے قبول کرتا ہوں لیکن واقعی میرے لئے یہاں رکنا مناسب نہ ہوگا۔"

"ویسے سنا ہے تمہارے سلسلے میں کوئی پیشکش بھی کی گئی تھی کہ تم۔"

"ہاں میرے محترم بزرگ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں شادی کرلوں۔ وہ اس کے لئے لڑکی بھی پسند کر چکے تھے لیکن۔"

"ہاں وہ بیچارے سیدھے سادے آدمی ہیں خیر چھوڑو ان باتوں کو میری بات سمجھ میں آرہی ہے نا۔ زیادہ موزوں یہی ہے کہ تم شادی کرلو بہت بہتر صورت حال رہے گی۔"

"میں نے کہا نا ریاض یہ اتنی جلدی ممکن نہیں ہے۔ زندگی میں یہ ایک مشکل مرحلہ ہے لیکن بہرحال کوشش کرتا ہوں۔ اب ایسا ہے کہ تم مجھے اجازت دو۔"

"گھر جاؤ گے؟" ریاض نے سوال کیا تو میں ہنس دیا میں نے کہا۔

"نہیں اب میرا کوئی گھر نہیں ہے بس یوں سمجھ لو گھر کی تلاش میں نکلوں گا۔"

ریاض غمزدہ انداز میں گردن ہلانے لگا تھا۔ وہ میری مشکل کو اچھی طرح سمجھتا تھا اور میں واقعی بڑی عجیب وغریب کیفیت کا شکار تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں

دل چاہتا تھا کہ کوئی ایسا سہارا مل جائے جو مجھے آگے کی زندگی کا راستہ دکھادے۔ کبھی کبھی انسان کتنا بے بس ہو جاتا ہے کچھ بھی نہیں ہوتا لیکن بہت کچھ چاہتا ہے اور جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ کبھی نہیں ہوتا۔ میں تنہا ہی ایسا نہیں تھا پتہ نہیں کتنے لوگ اس مشکل کا شکار ہوں گے۔ بہرحال ایک شام میں نے وہاں سے واپسی کا فیصلہ کرلیا۔ ریاض نے مجھے روکنے کی ایسی کوئی خاص کوشش بھی نہیں کی تھی ویسے بھی اسے ایک دن کے بعد خود بھی جانا تھا۔ مجھے رخصت کرنے ضرور آیا تھا اور گونڈی سے کافی فاصلے پر ایک اور آبادی سے جو ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر مشتمل تھی۔ میں نے ٹرین کا سفر اختیار کرلیا تھا۔ بے منزل' بے نشان ٹرین کے جس ڈبے میں سوار ہوا تھا اس میں اچھے خاصے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی اپنی سیٹ پر جا بیٹھا اور ٹرین چل پڑی۔ شام کے سائے فضاؤں میں اتر رہے تھے اور میں پورے ماحول سے بے نیاز خاموش بیٹھا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ کوئی تعین تو کیا نہیں ہے کہ کہاں جاؤں گا۔ ہاں ٹرین کی یہ کاوشیں جہاں ختم ہو جائیں۔ بس اسی کو منزل بنالوں گا۔ یہی زیادہ بہتر ہے۔

بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے' طرح طرح کے افراد۔ میرے بالکل سامنے والی سیٹ پر ایک بڑی اچھی شکل کے ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک دو بار میری نگاہیں ان کی طرف اٹھی تھیں۔ بڑا پُروقار چہرہ تھا۔ مسافروں سے درخواست کرکے تھوڑی سی جگہ بنوائی اور مسافروں کے انداز میں بیٹھ کر نماز پڑھ لی۔ بہرحال ان تمام چیزوں کا احترام دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ بہت بااصول اور معتبر نظر آتے ہیں۔ بزرگ نے دو تین بار مجھ پر نگاہ ڈالی تھی لیکن کچھ کہا نہیں تھا بس خاموشی سے بیٹھے رہے تھے لیکن رات کو جب انہوں نے اپنے کھانے کا سامان کھولا تو پورے اعتماد کے ساتھ انہوں نے ایک پلیٹ میں اپنے لئے کھانا رکھا دوسری پلیٹ بنا کر مجھے دی اور بولے۔

"کھانا کھائیے میاں!" میں نے چونک کر انہیں دیکھا اس دوران نہ تو میرے اور ان کے درمیان کوئی بات چیت ہوئی تھی۔ نہ کوئی تعارف لیکن جس اہتمام سے انہوں نے پُریقین انداز میں مجھے یہ کھانا پیش کیا اس سے میں حیران ہوا میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں شکریہ' آپ براہ کرم بسم اللہ کیجئے۔"

"تم کھانا نہیں کھاتے ہو۔" انہوں نے عجیب سے انداز میں سوال کیا اور میں مسکرا دیا۔

"کھانا نہیں کھاؤں گا تو زندہ کیسے رہوں گا۔"

"تو اب زندہ رہنے کا ارادہ نہیں ہے۔"

بزرگ کا سوال بڑا چبھتا ہوا تھا۔ "نہیں جناب! خودکشی کرنے کے لئے اس ٹرین میں بیٹھنا ضروری نہیں تھا۔" میں نے بھی انہیں غیر متوقع ہی جواب دیا۔

"ٹھیک۔" بزرگ ہلکے سے مسکرا دیئے پھر بولے۔ "خودکشی کا تمہارا ارادہ نہیں ہے اور میں تمہارے سامان میں کھانے کی کوئی چیز نہیں دیکھ رہا ہوں۔ یہ نہ کہنا کہ تم کھانا خریدنے کی سکت رکھتے ہو اور ابھی کسی ویٹر سے جو بار بار کھانا کھانا بیچ رہے ہیں اپنے لئے کھانا طلب کرلو گے۔ میں کسی کی برائی نہیں کرتا۔ رزق ہر شخص کو درکار ہے لیکن کچھ لوگ حصول رزق کے لئے عبادت ضروری نہیں سمجھتے۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہوگے یہ جو لنچ بکس لئے پھر رہے ہیں' ان میں نہ جانے کب کب کی بچی ہوئی چیزیں بھری ہوئی ہیں۔ اگر تمہارا معدہ بہت ہی مضبوط ہے تو الگ بات ہے لیکن عموماً یہ ہوتا ہے کہ یہ کھانا کھانے کے بعد بہت سے لوگ اپنے گھروں کو جاکر بیمار ہوجاتے ہیں چنانچہ پچپن' ساٹھ روپے میں مہنگی یہ بیماری بڑی آسانی سے خریدی جاسکتی ہے۔ تم براہ کرم ایسا نہ کرو۔ دیکھو یہ آلو والی روٹیاں ہیں' پراٹھے کہہ لو انہیں اور بھنا ہوا قیمہ ہے۔ میرا خیال ہے سفر میں یہ چیزیں لطف دے جاتی ہیں اور انہیں ٹھکرانا کفران نعمت ہے۔ بات میں نے کافی لمبی کردی ہے۔ اب ایسا کرو کھانا کھاؤ۔ بری بات ہے بیٹے! کھانا کھاتے ہیں۔ تکلف بے شک کیا جاتا ہے لیکن اگر کوئی اس بات پر آمادہ ہو کہ دوسرا تکلف نہ کرے تو پھر مان لینا چاہئے۔" میں نے ہنس کر ان سے وہ پلیٹ قبول کرلی جو انہوں نے مجھے پیش کی تھی اور وہ بڑے پُراطمینان انداز میں خود اپنا کھانا کھانے میں مصروف ہوگئے۔ اچھے انسان معلوم ہوتے تھے احسان کرڈالا تھا مجھ پر۔ کھانے کے بعد انہوں نے گزرتے ہوئے چائے والے سے چائے طلب کی اور مجھے بھی ایک گلاس پیش کردیا۔

"اب دیکھو نا' انسان تھوڑی بہت وصولیابی تو کرتا ہی ہے۔ اب اگر میں تم سے کہوں کہ تم مجھے اپنا نام بتاؤ۔ یہ بتاؤ کہاں جارہے ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو تو کوئی بری بات نہیں ہے۔ ہاں اگر اس میں تمہارا کوئی نقصان ہوتا تو میں یہ سوال تم سے نہ کرتا۔" سفر میں ذہن بانٹنے کے لئے یہ بزرگ مجھے کافی بہتر نظر آئے۔ میں نے ان سے کہا۔

"ایک چھوٹا سا قصبہ ہے گونڈی' وہاں سے آرہا ہوں اور جہاں اس ٹرین کے سفر کا اختتام ہوگا وہاں تک جاؤں گا۔ نام گل شیر ہے اور دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔ تنہا ذات کے لئے زندگی تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ شہر جاکر نوکری تلاش کروں گا اور اس کے بعد سوچوں گا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔" بزرگ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل

گئے تھے۔ انہوں نے کہا۔

"واہ۔ جواب سن کر لطف آیا۔ واقعی لطف آیا۔ بالکل ٹھیک ضرور زندگی تلاش کرو بیٹے! زندگی اللہ کی امانت ہوتی ہے۔ اس کی حفاظت کرنی چاہئے اور جدوجہد کرکے اسے بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہئے یہی اللہ کا حکم ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ اللہ کا حکم مانو تو اس کی مدد شامل حال ہوجاتی ہے میری دعائیں ہیں تمہارے لئے اللہ تمہاری خواہشوں کو پورا کرے۔" اچھی لگی تھیں یہ ساری باتیں بزرگ بہت دیر تک باتیں کرتے رہے ذہن بٹ گیا تھا واقعی اچھی لگیں تھیں ان کی باتیں اپنے بارے میں بھی انہیں تفصیلات بتائی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اکاؤنٹنٹ کی نوکری کرتے ہیں۔ چودھری نظام احمد صاحب کے تمام حساب کتاب محمد گل صاحب ہی بناتے تھے ان کا نام محمد گل تھا مجھے پسند آئے تھے۔ میری برتھ درمیان میں تھی اور میں ایک عجیب سی گھٹن محسوس کر رہا تھا۔ ایک عجیب سی گھٹن ذہن پر سوار ہونے لگی میں اپنی برتھ سے اتر کر باہر آیا اور ٹرین کے اس حصے میں جہاں دروازے ہوتے ہیں کھڑا ہوگیا۔ تھوڑا سا دروازہ کھول کر میں نے باہر جھانکا تو تاریک رات بھاگتی ہوئی نظر آرہی تھی لیکن اچانک ہی میرے بدن میں سرسراہٹیں پیدا ہوگئیں۔ سامنے ایک سفید سایہ نظر آرہا تھا۔ ہواؤں کے لباس میں لپٹا ہوا یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی کیمرہ اسے زوم ان کر رہا ہو۔ وہ آہستہ آہستہ قریب آتا جارہا تھا۔ یہ صرف خواب و خیال کی باتیں نہیں تھیں۔ میرے حواس پوری طرح میرے قابو میں تھے۔ وہ آواز میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ آہ' کوئی یقین کرے یا نہ کرے وہ جو کہتے ہیں۔ جس تن لاگے سو تن جانے' میں جان رہا تھا سن رہا تھا کوئی مانے یا نہ مانے وہ کچھ گا رہی تھی۔ وہ ربابہ تھی۔ دودھ جیسے چمکتے سفید چہرے کے ساتھ حسین نقوش فضاؤں میں اڑتے ہوئے بال' بس یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ٹرین کے ساتھ ساتھ سفر کررہی ہو۔ یا ٹرین رک گئی ہو یا ماحول ساکت ہوگیا ہو۔ یا زمین و آسمان کی گردش ختم ہوگئی ہو۔ یا میں دیوانہ ہوگیا ہوں۔ فضا میں خاموشی اور تاریک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ آسمان پر ستارے چمکے ہوئے تھے اور موسم بڑا خوبصورت تھا۔ مجھے اس کی آواز سنائی دی۔ خاموش فضا' نیند میں ڈوبے ہوئے تارے۔

یہ چاندنی شب مست ہوائیں' یہ نظارے
کشتی دل بے تاب کی یادوں کے سہارے
ماضی کے سمندر میں بعد ناز رواں ہے

اے چاند بتا دے کہ مرا چاند کہاں ہے
رک رک گئی کہتے ہوئے جوبات جوانی
آنکھوں نے سنا دی وہ محبت کی کہانی
ہے پیش نظر آج بھی وہ شام سہانی
وہ عید حسین اب بھی تصور میں جواں ہے
اے چاند بتا دے کہ مرا چاند کہاں ہے

دوسری صبح اس وقت آنکھ کھلی جب خاصا دن چڑھ چکا تھا۔ سامنے والی برتھیں کھل گئیں تھیں اور ان کے مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے نیچے کی برتھ کا مسافر بھی بیچارہ سامنے والی برتھ پر ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اوپر والی برتھ کا کوئی مسئلہ نہیں تھا میں جلدی سے اٹھ گیا اور میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں آپ لوگوں کو میری وجہ سے تکلیف ہوئی۔"

"نہیں بھائی کوئی بات نہیں ہے سفر ہوتا ہی کتنی دیر کا ہے۔ آپ چاہو تو اب بھی آرام سے لیٹے رہو۔" میرے نیچے والی برتھ کے مسافر نے کہا لیکن میں نے جلدی سے نیچے اترنے کے بعد برتھ بند کی اور پھر غسل خانے کی جانب بڑھ گیا۔ میں نے ہاتھ منہ دھویا اپنا حلیہ بہتر کیا اور واپس آگیا۔ محمد گل صاحب نے اپنے سامان میں سے ڈبل روٹی ابلے ہوئے انڈے کھول لئے تھے اور میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں پہنچا تو انہوں نے سلائس پر مکھن لگانا شروع کردیا اور بولے۔ "چلئے جناب شروع ہوجایئے۔"

"آپ واقعی مجھے بے حد شرمندہ کر رہے ہیں محمد گل صاحب! دیکھئے یہ زیادتی ہے ابھی ناشتہ منگوا لیا جاتا ہے آپ براہ کرم۔"

"ٹھیک ہے تمہاری مرضی ہے بیٹے! ویسے بھی ایک رشتہ تو ہے میرے اور تمہارے درمیان پہلی بات تو یہ کہ مسلمان ہونے کا رشتہ' دوسری بات یہ کہ ہم سفر ہونے کا رشتہ اور تیسری بات پر تم نے غور ہی نہیں کیا تھا میں نے کیا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تیسری بات کیا ہے؟"

"بس ذرا تم شیر قسم کے آدمی ہو اور میں خالی گل یعنی تمہارا نام گل شیر اور میں محمد گل' گل تو ہیں نا کیا خیال ہے۔" مجھے ہنسی آگئی میں نے کہا۔

"واقعی آپ ایک بے حد ذہین انسان ہیں' میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اس

بات پر غور نہیں کیا تھا۔"

"تو اب کرلو عزیزم! آجاؤ یار کیوں ادا کر رہے ہو۔ ٹھیک ہے ہم کب کہتے ہیں کہ ہمارا اور تمہارا کوئی رشتہ ہے لیکن تھوڑی دیر کے لئے رشتہ دار بن جاؤ کوئی حرج بھی نہیں ہے۔" میں نے آنکھیں بند کرکے گردن ہلائی اور محمد گل کے ساتھ ناشتہ میں مصروف ہوگیا۔ بڑے اچھے انسان لگتے تھے وہ چائے وغیرہ پی گئی اور اس کے بعد محمد گل صاحب نے کہا۔

"وہ بات اصل میں وہی آگے بڑھ جانے کی ہے میں بھی کچھ محرومیوں کا شکار ہوں۔ بیٹا نہیں ہے میرا کوئی' بچیاں ہیں بس۔ کبھی کبھی بڑی حسرت ہوتی ہے اور یقین کرو ایسا حسرت زدہ انسان بے لوث بے غرض بہت سے چہروں میں اپنائیت تلاش کرتا ہے۔ یہ سوچ کر کہ شاید کوئی اتنا ہی صاحب دل ہو جو اور کچھ نہ کرے بس ذرا سی قربت قبول کرلے۔ تھوڑا سا اپنا اپنا لگے ویسے تو انسان کو کسی بہت زیادہ اپنے سے بھی کچھ نہیں ملتا لیکن اپنے کی آرزو کسے نہیں ہے بس اتنی سی بات ہے۔" محمد گل صاحب کی بات نے مجھے بہت متاثر کیا تھا۔ میں خاموشی سے گردن ہلاتا رہا اس کے بعد وہ بھی خاموش ہوگئے تھے اور ہم دونوں باہر بھاگتے ہوئے مناظر دیکھتے رہے تھے بہت دیر اسی طرح گزر گئی۔ ٹرین اپنا سفر بدستور کر رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے اسٹیشن چھوڑتی ہوئی بڑے اسٹیشنوں پر رکتی ہوئی اپنا زندگی کا سفر طے کر رہی تھی۔ محمد گل صاحب نے بہت دیر کے بعد کہا۔

"ٹھیک ہے انسان اپنے طور پر فیصلے کرتا ہے کہ اسے کس کے ساتھ زیادہ روابط بڑھانے چاہئیں اور کس کے ساتھ نہیں۔ شاید ہم تمہیں متاثر نہیں کرسکے۔" میں نے چونک کر محمد گل صاحب کو دیکھا اچھی شخصیت کا مالک شخص میری طرف سے بد دل ہوا جارہا تھا میں نے کہا۔

"چلئے محمد گل صاحب معافی چاہتا ہوں۔ پتہ نہیں یہ سوچیں مجھے کہاں لے جائیں گی۔ بہت زیادہ الجھنوں میں گرفتار ہوجاتا ہوں کبھی کبھی۔"

"ہم پڑھ رہے ہیں تمہاری شخصیت کو آخر ہمارا بھی کوئی تجربہ ہے۔"

"میری شخصیت ہی کیا ہے محمد گل صاحب! بہت سے ناکارہ نوجوانوں میں سے ایک ہوں۔ کوئی ایسی شخصیت نہیں رکھتا جو قابل ذکر ہو۔"

"میں سمجھ گیا اچھی طرح سمجھ گیا۔" محمد گل صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور میں مسکرانے لگا پھر میں نے کہا۔

"کیا سمجھ گئے محمد گل صاحب! مجھے بھی بتا دیجئے۔"

"بتادوں۔" گل محمد صاحب بچوں کی سی شوخی سے بولے۔

"جی میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"بس میاں وہی مسئلہ ہے جو ہمارے وطن کے ۸۰ فیصد نوجوانوں کا ہے ۱۵ فیصد وہ ہیں جن کے والدین ان کے لئے بہت کچھ چھوڑ جاتے ہیں اور پانچ فیصد وہ ہیں جو کچھ کرتے ہی نہیں' یعنی تم بھی ملازمت سے محروم ہو' ملازمت کی تلاش میں ہو۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ بہرحال میں نے گردن ہلادی تھی۔

"جی میں نے آپ کو پہلے ہی یہ بات بتادی تھی۔"

"تو قیام کہاں کرو گے۔"

"سب سے بڑی بات یہی ہے اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں اپنی تحویل میں رکھی ہیں۔ یعنی کھلا آسمان' کھلا پانی تو مجھے کسی بھی درخت کا سایہ مل جائے گا۔ تھوڑا سا وقت گزار لوں گا اور اس کے بعد انشاء اللہ کچھ نہ کچھ تو ہو ہی جائے گا۔"

"بہت خوب اور کیا اس بات سے انکار کرتے ہو کہ انسان سے انسان کا رشتہ نہیں ہو گا۔"

"جی میں سمجھا نہیں۔"

"بس یوں سمجھ لو کہ تمہاری رہائش کا انتظام ہوگیا۔ میں ہوں نا۔ جب میرے دل میں یہ بات آگئی اور علم میں آگئی کہ شکار پور میں تمہارا کوئی بھی شناسا نہیں ہے میری ذمہ داری ہوجاتی ہے کہ میں خود تمہیں یہ پیشکش کروں۔"

"ارے نہیں.......... اب میں یہ کہوں گا کہ آپ اپنے تجربے سے ہٹ رہے ہیں۔" میں نے کہا اور محمد گل صاحب چونک کر مجھے دیکھنے لگے یوں لگا جیسے انہیں یہ بات ناگوار گزری ہو۔ چند منٹ وہ میرے آگے بولنے کا انتظار کرتے رہے پھرانہوں نے کہا۔

"سمجھاؤ.......... ذرا سمجھاؤ جو کچھ تم نے کہا ہے۔"

"یہ سفر ٹرین کا ہے زندگی کے سفر میں ایسے بے شمار اجنبی ملتے ہیں جہاں ان سے بہت سی ملاقاتیں بھی ہوتی ہیں۔ ہرایک کو تو یہ پیشکش نہیں کی جاسکتی کون جانے میں کون ہوں اور آپ اپنے گھرلے جارہے ہیں مجھے۔ ہوسکتا ہے آپ کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔"

"اور تم کہتے ہو کہ میں نے تجربے سے کوئی کام نہیں لیا۔ اچھا چلو ٹھیک ہے میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ مجھے نقصان پہنچاؤ۔ مجھے تم سے نقصان اٹھاکر بہت خوشی ہوگی لیکن چلنا تمہیں میرے ساتھ ہی ہے۔" میں ہنسنے لگا۔ میں نے کہا۔

"خدا کی قسم آپ یقین کیجئے یہ پیشکش میرے لئے بڑی قیمتی ہے لیکن۔"

"دیکھو بیٹے! بہت غریب آدمی ہوں' بڑا ٹوٹا ہوا انسان ہوں۔ رشتوں کو ترسا ہوا ہر ایک سے رشتے قائم کرتا رہتا ہوں۔ ہر جگہ محبت کی تلاش میں سرگرداں ہوتا ہوں۔ جواب نہیں ملتا تو بے کلی ہوتی ہے لیکن اس کے بعد آہستہ آہستہ خود کو سنبھال لیتا ہوں۔ تمہیں بھی ایسے ہی پیشکش کی ہے۔ محبت کے جواب میں صرف محبت چاہتا ہوں۔ اگر کہیں سے کوئی لالچ تمہارے سامنے آئے تو سب سے پہلے مجھ پر لعنت بھیج کر چلے جانا۔ جوان آدمی ہو بھلا تمہیں کون روکے گا۔" کچھ اس طرح اصرار کیا محمد گل صاحب نے کہ خاموشی ہی اختیار کرنا پڑی اور پھر میں نے گردن ہلا کر کہا۔

"جو حکم ٹھیک ہے۔"

"دل خوش ہوگیا میں یہ نہیں کہتا کہ تمہیں ساری زندگی اپنے قبضے میں رکھوں گا جب بھی کبھی کوئی ایسا مسئلہ ہوگا میں تمہیں خلوص دل کے ساتھ رخصت کروں گا۔ فی الحال میری میزبانی قبول کرو۔" پھراس کے بعد بہت سی باتیں ہوتی رہیں سفر طے ہوتا رہا۔ اب محمد گل صاحب کو اپنی مشکل کے بارے میں کیا بتاتا کس الجھن میں مبتلا تھا۔ کہاں سے گزرا تھا اور کہاں آگیا تھا۔ آخر کار سفر ختم ہوا شکار پور کے آثار شروع ہوگئے اور پھر ہم شکار پور اتر گئے۔ شکار پور کا اسٹیشن اچھا خاصا وسیع تھا۔ باہر آکر محمد گل صاحب نے ٹیکسی روکی اور اس کے بعد ہم ٹیکسی میں سفر کرتے رہے پھرایک بہت ہی شاندار کوٹھی کے سامنے سے گزرتے ہوئے محمد گل صاحب نے کہا۔

"یہ چوہدری نظام احمد کی کوٹھی ہے میں یہیں نوکری کرتا ہوں۔"

"آپ رہتے بھی یہیں ہیں۔" میں نے سوال کیا۔

"نہیں پیچھے کی سمت ہم لوگوں کے کوارٹر ہیں۔ رہائش کا بندوبست ویسے چوہدری صاحب نے خود ہی کیا ہے لیکن اپنے خاص خاص ملازموں کے لئے۔ ہمارے کوارٹروں کا اصل راستہ سامنے سے ہے لیکن ایک عقبی راستہ بھی ہے جو اندر کوٹھی میں جاتا ہے۔ ویسے یہ خاصے فاصلہ کی جگہ ہے۔" میں نے کوٹھی کا جائزہ لیا سامنے ملازموں کے کوارٹر نظر آرہے تھے اچھے خاصے وسیع وعریض کوارٹر تھے۔ ایک طویل احاطہ تھا جس کا ایک ہی دروازہ تھا۔ پھاٹک اور اس کے بعد اندر کوارٹر پھیلے ہوئے تھے۔ ٹیکسی کا بل ادا کرنے کے بعد محمد گل صاحب مجھے لے کر اندر چل پڑے۔ انہوں نے دروازے پر پہنچ کر بیل بجائی اور دروازہ کھل گیا لیکن مجھے دروازہ کھولنے والا نظر نہیں آیا تھا۔ محمد گل صاحب جلدی سے اندر داخل ہوگئے۔ پھرانہوں نے بغلی سمت کا ایک دروازہ کھولا۔ پتہ نہیں کوارٹر میں کتنے کمرے تھے لیکن جو کمرہ کھولا گیا تھا وہ مہمان خانہ ہی تھا۔ اسے ڈرائنگ روم نہیں کہا

جاسکتا تھا۔ ملازموں کے کوارٹروں میں ڈرائنگ روم نہیں ہوا کرتے البتہ یہاں بڑی نفاست سے بستر بچھا ہوا تھا کرسیاں وغیرہ پڑی ہوئی تھیں۔ ایک طرف واش روم بھی تھا۔ گل محمد صاحب نے کہا۔

"اب آرام کرو میں کپڑے بدل کر آتا ہوں۔ منہ ہاتھ دھولو۔"

"بہت شکریہ۔" میں نے کہا اور محمد گل صاحب اندر چلے گئے۔ میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔ واقعی قصے کہانیوں جیسی باتیں تھیں۔ ایسے عمدہ حالات بھلا کس کو ملتے تھے۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا منہ ہاتھ وغیرہ تو ٹرین میں ہی دھولیا تھا۔ بہتر کیفیت تھی۔ ذہن پر جو بوجھ تھا وہ تو اپنی جگہ تھا ہی لیکن رات کو جو واقعہ پیش آیا تھا وہ سنسنی خیز تھا بالکل صاف اور واضح الفاظ' اسے کس کی تلاش تھی۔ ربابہ آخر کون تھی۔ کچھ تو سمجھ میں آتا۔

کشتی دل بے تاب کی یادوں کے سہارے
ماضی کے سمندر میں بصد ناز رواں ہے
اے چاند بتا دے کہ میرا چاند کہاں ہے

کس کی تلاش ہے اسے۔ آہ کس کی تلاش یہ تو بالکل ایسا ہے جیسے کوئی انسان سحر زدہ ہوجائے۔ آسیب زدہ ہوجائے میری آنکھوں میں جھپک سی پیدا ہوگئی۔ وہ چہرہ نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا یقینی طور پر کوئی انسانی وجود تو نہیں تھا لیکن اس قدر دل گداز کہ اس کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کیا مجھے اس سحر میں گرفتار رہنا چاہئے۔ یا اپنے آپ کو زندگی کی ہنگامہ آرائیوں میں مصروف کرکے اس سے نجات حاصل کروں۔ کاش ربابہ ایک بار میرے پاس آجائے۔ مجھے بتائے اپنے بارے میں۔ بند آنکھوں یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ اچانک ہی آہٹیں سنائی دیں اور میرا سارا وجود سنسنی میں ڈوب گیا۔ یقینی طور پر کوئی آیا تھا کیا ربابہ۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور اس حسین بچی کو دیکھتا ہی رہ گیا چہرے پر شرارت اور معصومیت پھیلی ہوئی تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں دلچسپی سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ ان میں شرم بھی تھی اور پیار بھی تھا احترام بھی تھا اور اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "پہلے تو میرا سلام قبول فرمایئے اور اس کے بعد یہ چپل۔" اس نے دونوں ہاتھ آگے کردیئے اور ایک معصوم سی ہنسی ہنس دی۔

"وعلیکم السلام لیکن میں نے قصور کیا کیا ہے اور آپ عجیب ہیں خاتون سلام کے بعد چپل دکھا کر دھمکی دے رہی ہیں۔" میں ایک دم سنجیدہ ہوگیا اس بچی کے چہرے میرے

نے اور اس کے انداز نے میرے اندر ایک خوشگوار کیفیت پیدا کردی تھی اور طبیعت ایک دم بشاش ہوگئی تھی وہ سنجیدگی سے بولی۔

"ارے ارے بھلا ایسی بدتمیزی کر سکتی ہوں میں آپ جوتے اتار دیجئے اور یہ چپل پہن لیجئے۔ باتھ روم جانا ہوگا۔"

"اوہ ہو۔ آپ نے مجھے ڈرا ہی دیا۔ میں سمجھا مجھ سے نہ جانے کیا غلطی ہوگئی۔"

"توبہ توبہ کوئی بری بات تو میں سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"لیکن جناب آپ آخر ہیں کون اور یہاں۔"

"ابو جان نے کہا ہے کہ بھائی جان کو یہ چپلیں دے آؤ۔ یہ بھی کہا تھا کہ پہلے سلام کرنا اور اس کے بعد چپل پیش کردینا۔ مم.......... میرا مطلب ہے۔"

"جی جی جی.......... ٹھیک ہے اب سمجھ میں آگئی ہے بات آپ کا نام البتہ ابھی تک نہیں معلوم ہوسکا۔"

"ثانیہ ہے میرا نام۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"ڈرا کر؟"

"کیا مطلب؟"

"ڈرا دیا نا آپ نے مجھے یہ کہہ کر کے میں نے آپ سے کوئی بدتمیزی کی ہے۔"

"ارے ارے چلئے معافی مانگ لیتے ہیں ہم۔"

"تو پھر اپنا نام بتا دیجئے جلدی سے۔"

"گل شیر۔"

"ہیں' یہ گل تو سمجھ میں آتا ہے کیونکہ ابو کا نام بھی محمد گل ہے لیکن اس کے ساتھ آپ اتنے خطرناک کیوں ہوگئے۔ یعنی پھول اور شیر۔"

"کون سی کلاس میں پڑھتی ہیں آپ مس ثانیہ؟"

"پانچویں کلاس میں۔"

"اتنا ذہین ہونا ٹھیک نہیں ہے۔"

"ارے واہ! لوگ تو کہتے ہیں کہ ذہانت اللہ کی دین ہوتی ہے اور آپ کہتے ہیں کہ ذہین ہونا ٹھیک نہیں ہے۔"

"ارے باپ رے آپ سے گفتگو کرنا تو بہت ہی مشکل کام ہے چلئے ٹھیک ہے ہماری ننھی سی' چھوٹی سی' پیاری سی بہن ثانیہ ہمارے لئے چپل لائی ہے یہ بتایئے کہ اب

کیا کیا جائے۔"

"جناب عالی' بلکہ جناب شیر صاحب گل تو میں آپ کو کہوں گی نہیں اس لئے کہ وہ ابو کا نام ہے اب سب سے ہی ڈرنا تو اچھی بات نہیں ہے چنانچہ جناب شیر صاحب! آپ واش روم جائیے اور اس کے بعد ہم آپ کو ناشتے کی پیش کش کریں گے۔"

"چلئے بالکل ٹھیک ہے اوکے۔"

"اوکے!" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی اور بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ لوگ بالکل سچ کہتے ہیں فلاسفروں نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ حسین بچے بلکہ صرف بچے قدرت کا ایک ایسا انعام ہوتے ہیں کہ انسان ان کے سہارے زندگی کی ہر مشکل سے نکل جاتا ہے۔ اس بچی نے ذہن میں وہ تروتازگی پیدا کردی تھی کہ طبیعت ایک دم بشاش ہوگئی تھی۔ بہرحال اس کے بعد میں نے جوتے اتارے اور چپلیں پہن کر غسل خانے کی جانب چل پڑا۔ ثانیہ میرے ذہن کے گوشوں میں ایک خوشگوار گدگدی پیدا کر رہی تھی اور منہ ہاتھ دھوتے ہوئے بھی اس کے بارے میں سوچ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ آئے جا رہی تھی۔ دفعتاً ہی میں نے دل میں سوچا کہ اگر انسان کو ایسی خوشگوار گھڑیاں مل جائیں تو زندگی اتنی بری نہیں لگتی۔ بے شک محمد گل صاحب نے انسانی ہمدردی سے متاثر ہو کر مجھے یہ موقع دیا ہے لیکن ایسی جگہ اگر مستقل حاصل ہو جائے تو بڑا اچھا لگے گا۔ اس بچی سے ایک دم میرا ذہنی رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ بہرحال منہ ہاتھ دھو کر باہر نکلا تو چائے کی بہترین خوشبو کمرے میں پھیلی ہوئی محسوس ہوئی۔ سامنے رکھی ہوئی ٹرے میں ایک کیتلی رکھی ہوئی تھی اور دھوئیں کی ایک پتلی سی لہر اس سے بلند ہو رہی تھی ساتھ ہی کچھ اور چیزیں بھی موجود تھیں اور اس کے ساتھ ہی محمد گل صاحب بھی ایک کرسی پر بیٹھے میرا انتظار کر رہے تھے۔

"بس اب سیدھے چلے آؤ۔ بڑی نفیس چیزیں ہیں یہ دیکھو تلے ہوئے توس' ابلے ہوئے انڈے بے شک یہ ذرا پُرتکلف ناشتہ ہے۔ بھائی ہم تو رات کا بچا ہوا سالن اور ندیمہ کے ہاتھ کے پکے ہوئے پراٹھے کھا کریں سمجھتے ہیں جیسے پورے دن کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک خوبصورت بندوبست کر دیا ہو۔ ارے ہاں میں نے نام تو لے دیا اصل میں ندیمہ میری بڑی بیٹی ہے اور ثانیہ تو آچکی ہے تمہارے پاس جب سے بیٹھی تعریفیں کئے جا رہی ہے کہہ رہی ہے کہ ابو اگر ایسے بھائی ملیں تو پانچ دس اور لا دیجئے۔ کتنے کے مل جاتے ہیں۔ میں نے گلے میں پیسے جمع کئے ہوئے ہیں۔ بہت باتیں بناتی ہے لیکن بڑا اچھا بولتی ہے۔ اپنی عمر سے کہیں زیادہ سمجھدار ہے تم دیکھو گے ذرا سی تم نے لفٹ دی تو تمہارے کان کھا جائے گی۔"

"میری دعا ہے محمد گل صاحب کہ اللہ تعالیٰ اسے سینکڑوں سال کی زندگی دے۔ اس کی تقدیر کے ستارے اس قدر روشن ہوں کہ وہ کبھی تاریکی میں نہ آئے بہت پیاری بچی ہے۔" میں نے خلوص دل سے کہا اور میری ان دعاؤں نے شاید محمد گل صاحب کو بہت متاثر کیا تھا۔ ایک لمحے تک وہ مجھے دیکھتے رہے پھر ان کے بدن میں ایک لرزش سی پیدا ہوئی۔ انہوں نے جلدی سے اپنے احساس کو چھپانے کے لئے کیتلی اٹھائی اور چائے کی پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگے۔ پھر کسی قدر بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ "تو شروع ہو جاؤ۔" میں ان کی جذباتی کیفیت کو سمجھ رہا تھا حالانکہ ایسے سلسلے میں میرا کوئی تجربہ نہیں تھا لیکن بعض احساسات خودبخود ذہن پر دستک دیتے ہیں۔ چنانچہ میں محمد گل کے ساتھ کھانے میں مصروف ہو گیا۔ ناشتے کے دوران میں ان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ خلوص ایسے بھی مل جاتا ہے۔ جس چیز کی طلب کرو۔ وہ ایسے بھی مل جاتی ہے اور کبھی کبھی یہ تمام چیزیں ایسے ہاتھ آجاتی ہیں کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ بھلا ان بزرگ سے میرا کیا واسطہ چند لمحات کے ہم سفر لیکن محبت کے شیرے میں ڈوبے ہوئے۔ ایسے کہ دل میں اتر جائیں بہرحال ناشتہ ختم ہو گیا اور میں خاموشی سے چائے کے گھونٹ پیتا رہا پھر محمد گل صاحب نے کہا۔

"کیا بات ہے ضرورت سے زیادہ خاموش ہو گئے۔"

"نہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے بس آپ کی محبت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ محبتیں ایسے بھی مل جاتی ہیں۔"

"دیکھو گل شیر انسان تو انسان سے اتنی ہی محبت کرتا ہے یہ الگ بات ہے کہ خود غرضیوں نے اس کی شکل بدل دی ہے۔ میں کیا اور میری اوقات کیا مجھے جتنا اچھا لگ رہا ہے بیان نہیں کر سکتا۔ بہرحال میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ ہر قسم کی فکر چھوڑ دو میں موجود ہوں گھر موجود ہے میں تمہارے حالات کبھی نہیں کریدوں گا کہ یہ چھت......... یہ معمولی سی چھت تمہارے لئے ہے۔ تمہیں جب بھی ملازمت مل جائے اور کوئی فیصلہ کرنا چاہو تو کرلینا مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔ بہرحال اس سے زیادہ میں اور کیا کہہ سکتا ہوں۔" وقت گزر گیا مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس گھر میں کون کون رہتا ہے اور کسی گھر میں آکر اس طرح کسی کے واقعات کو کریدنا بھی ایک غیر مناسب عمل تھا اتنی جلدی یہ سب کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ محمد گل صاحب اگر خود ہی اپنے گھر کے بارے میں کچھ بتائیں تو دوسری بات ہے۔ ویسے گھر کی خاموشی اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ گھر میں زیادہ افراد موجود نہیں ہیں۔ پتہ نہیں محمد گل صاحب کی بیگم بھی یہاں رہتی ہیں یا نہیں۔

یہ مشکل چند ہی لمحوں میں حل ہوگئی۔ محمد گل صاحب نے کہا۔

"بھئی فرزانہ اگر تمہاری شرم دور ہوگئی ہو تو اندر آجاؤ' تعارف کرادوں تمہارا۔"

محمد گل صاحب نے اپنی دونوں بیٹیوں کا نام ثانیہ اور ندیمہ بتایا تھا یہ فرزانہ میرے اپنے خیال میں ان کی بیگم ہی ہوسکتی تھیں۔ بہرحال چند ہی لمحات گزرے تھے کہ ایک پاکیزہ شکل کی خاتون اندر آگئی بہت پُروقار شخصیت تھی۔ نقش ونگار سے اندازہ ہوتا تھا کہ طبیعت کی بھی اچھی ہیں۔ میں نے بڑے پُرخلوص انداز میں انہیں سلام کیا تھا۔ خاتون نے شرمائے ہوئے انداز میں سلام کا جواب دیا اور پھر محمد گل صاحب کی طرف دیکھنے لگیں تو وہ ہنس پڑے اور بولے۔

"دیکھا آپ نے گل شیر! یہ پچھلے وقتوں کے لوگ ہیں خیر فرزانہ یہ گل شیر ہیں۔ ہمارے نوجوان دوست ہمارے ساتھ ہی رہیں گے تفصیل ابھی نہ پوچھنا وقت ملے گا تو بتا دوں گا سب سے بڑی تفصیل یہ ہے یہ ہمارے ساتھی ہیں اور ہمارے لئے ان کی آمد ایک خوشگوار تبدیلی ہوگی۔"

"بیٹے! آپ یہاں کوئی تکلیف نہ اٹھائیے جو مشکل ہو بتا دیجئے۔ جب ہم سمجھ جائیں گے کہ آپ کی ضروریات کیا کیا ہیں تو پھر آپ کو نہیں بتانا پڑے گا۔" بڑے مؤثر الفاظ تھے محمد گل صاحب کہنے لگے۔

"اب ایسا کرو ہم جانے کے لئے تیاری کرتے ہیں ظاہر ہے ملازمت پیشہ آدمی ہیں ہمیں اپنے مالکان کو رپورٹ دینا ہوگی تم آرام کرلو۔ ظاہر ہے ٹرین کا سفر اتنا پُرسکون نہیں ہوتا کہ انسان نیند محسوس نہ کرے نوکری کی بات اور ہوتی ہے۔" دونوں میاں بیوی چلے گئے میں بڑی عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ باربار ایک ہی خیال دل میں آتا تھا وہ یہ کہ کیا قدرت اس طرح بھی سہارے مہیا کردیتی ہے۔ بہرحال ایسا ہوگیا تھا۔ خاموشی چھاگئی تھی محمد گل صاحب غالباً چلے گئے تھے۔ آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا اب گھر میں ظاہر ہے فرزانہ اور محمد گل کی دونوں بیٹیاں ہوں گی۔ انہی سوچوں میں گم تھا کہ دروازے پر آہٹ سنائی دی۔ دروازہ آہستہ سے کھلا اور اس سے وہ حسین شگفتہ چہرہ نظر آیا جو واقعی اپنی مثال آپ تھا یعنی ثانیہ میں نے گردن اٹھائی تو وہ ایک دم مسکرادی۔ "سوچا تھا کہ آپ سو گئے ہوں گے' دیکھنے آئے تھے کہ نیند میں کیسے لگتے ہیں۔"

"تو اندر آکر دیکھئے نا۔" میں نے کہا۔

"ہاں ہاں اب تو مجبوری ہے اگر واپس جائیں گے تب بھی غیراخلاقی حرکت ہوگی۔"

"آیئے آیئے تشریف لایئے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو ثانیہ بولی۔

"ویسے یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ مسکرانا جانتے ہیں۔ مسکرانے والے اللہ کو بھی پسند ہوتے ہیں۔ ویسے خدا محفوظ رکھے ایسے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو مسکرانے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ جیسے تنویر ماموں۔"

"یہ تنویر ماموں کون ہیں۔"

"اللہ رکھے رشتے دار ہی ہیں کوئی صورت پر جھاڑو پھرگئی تھی بس منحوس شکل بنائے بیٹھے رہتے تھے۔"

"ثانیہ ثانیہ کیا بکواس کر رہی ہو۔" ایک آواز ابھری اور نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک جھنجھناہٹ سی پیدا ہوگئی۔ آواز۔ یہ آواز اجنبی نہیں تھی اس آواز میں کچھ شناسائی تھی لیکن ثانیہ نے مجھے زیادہ سوچنے نہیں دیا۔

"اچھا یہ بتایئے کیا کھانا پسند کریں گے دوپہر کو۔"

میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر مسکرا کر بولا۔ "آپ اپنی پسند سے جو کچھ کھلا دیں گی مس ثانیہ وہ کھالیں گے۔"

"یہ کیا بات ہوئی جو کھلا دیں گے کھالیں گے فرمائش کیجئے۔"

"نہیں بری بات ہے۔"

"ایسا کریں ہمارا بھی خیال کریں ایک منٹ میں ابھی آئی۔" اس نے کہا دروازے پر واپس مڑی دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور پھر اندر آگئی بڑی پیاری بچی تھی۔ اس کی معصوم شرارتیں بے مثال تھیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کون تھا کیا دیکھنے گئی تھیں۔"

"ارے ارے سنا نہیں تھا آپ نے۔"

"ہاں آواز تو آئی تھی پر کس کی آواز تھی۔"

"ندیمہ بوا کی بس عمر تو زیادہ نہیں ہے لیکن سب لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ چالیس سال کی ہیں۔"

"؟اوہ' ہو چالیس سال کی بچی۔"

"نہیں اب بچی بھی نہیں ہیں لیکن بچی بزرگ ہیں۔" چند لمحات تک خاموشی طاری رہی پھر وہ بولی۔

"اچھا تو آپ نے بتایا نہیں کھانے پینے کے سلسلے میں۔"

"بس ثانیہ کوئی خاص پسند نہیں ہے۔" ابھی میں یہی کہہ رہا تھا کہ فرزانہ بیگم

کمرے میں داخل ہوئیں اور بولیں۔

"نہیں باز آئیں نہ تم۔"

"ارے باپ رے یہ حملہ یقیناً ندیمہ باجی نے کیا ہے۔ جاگ رہے تھے یہ۔ اچھا آپ بتایئے آپ سو تو نہیں رہے تھے نا۔" میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا میں نے فرزانہ بیگم سے کہا۔

"نہیں آنٹی میں واقعی جاگ رہا تھا۔"

"بیٹے بڑی مشکل ہوجائے گی تمہیں یہ بڑی تیز لڑکی ہے سب کو پریشان کرتی ہے۔"

"ارے نہیں نہیں آنٹی اس جیسی بچیاں تو زندگی ہوتی ہیں میں آپ یقین کیجئے بہت پسند کرنے لگا ہوں اس بچی کو براہ کرم آپ میری اور تو جو کچھ بھی خاطر کریں یا نہ کریں لیکن اس بچی کو مجھ سے ملنے سے نہ روکئے گا۔"

"ہوں' ٹھیک ہے بیٹے اصل میں ان کا کوئی بھائی نہیں ہے ترسی ہوئی ہیں بھائی کے لئے۔"

"کاش آپ مجھے بیٹے کی حیثیت سے قبول کرلیں۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے تمہارے الفاظ میں بڑی اپنائیت ہے۔" بہرحال یہاں وقت گزرتا رہا محمد گل صاحب واقعی میرے لئے فرشتہ صفت ثابت ہوئے تھے۔ کیسا سکون کیسی اپنائیت تھی اس گھر میں لیکن وہ ایک سنسنی خیز تصور وہ ایک احساس جو میرے دل میں پیدا ہوا تھا وہ مجھے ابھی تک پریشان کر رہا تھا ایک بار کے بعد دوبارہ کبھی ندیمہ کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ میں بہت الجھا ہوا تھا کیونکہ یہ آواز......... یہ آواز اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو ربابہ کی آواز تھی بالکل اسی جیسی تھی۔ میں بہت محتاط تھا اور سوچ رہا تھا کہ کتنی غیراخلاقی حرکت ہوگی اگر میں ندیمہ کو دیکھنے کی کوشش کروں۔ یہاں آئے ہوئے کئی دن گزر گئے تھے اور اب مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ میں ان لوگوں پر زبردستی بار بنا ہوا ہوں' اس شام رم جھم ہو رہی تھی ابھی محمد گل صاحب واپس نہیں آئے تھے میں اپنی کھڑکی میں خاموش بیٹھا ہوا باہر برستی بارش کو دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی ثانیہ چائے دے کر گئی تھی اور بہت دیر تک بیٹھی مجھ سے باتیں کرتی رہی تھی۔ فرزانہ بیگم اور ندیمہ اندرونی حصے میں ہی رہتی تھیں فرزانہ بیگم تو دن میں ایک آدھ بار مل جاتی تھیں لیکن ندیمہ ابھی تک بالکل میرے سامنے نہیں آئی تھی اور میرے دل میں اس کے لئے تجسس تھا تھوڑی دیر کے بعد فرزانہ بیگم میرے کمرے میں آئیں اور کہنے لگیں۔

"دراصل مجھے ذرا جانا تھا پڑوس میں بہت ہی ضروری کام ہے انتظار کر رہی تھی کہ گل صاحب آجائیں تو چلی جاؤں۔ ذرا جارہی ہوں۔ بیٹے خیال رکھنا گھر کا۔"

"جی آپ اطمینان رکھیں۔ کہیں تو باہر بیٹھ جاؤں۔ میرا مطلب ہے شیڈ میں۔"

"نہیں ایسی ضرورت نہیں ہے۔ بس محمد گل صاحب آجائیں تو کوئی بات نہیں ہے۔ بچیاں گھر میں اکیلی ہیں ذرا خیال رکھنا۔"

"آپ اطمینان سے چلی جایئے۔" میں کہا اور فرزانہ بیگم وہاں سے نکل گئیں میں خاموشی سے باہر آکر شیڈ میں بیٹھ گیا تھا اور برستی بارش کو دیکھ رہا تھا۔ محمد گل صاحب شاید بارش کی وجہ سے نہیں آئے تھے۔ بارش پہلے سے کچھ تیز ہوگئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد عقب سے ایک آواز سنائی دی۔" اندر آجایئے سردی ہو رہی ہے بھیگ گئے تو بیمار ہوجائیں گے۔" ایک بار پھر بری طرح الجھ پڑا تھا ربابہ کی آواز سو فیصد کی ربابہ کی آواز ہیجانی انداز میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ یہ آواز میرے کانوں نے دھوکہ نہیں کھایا تھا۔ سو فیصدی ربابہ کی ہی تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا دروازے کے پیچھے سے آواز آئی تھی۔ دل بری طرح تڑپنے لگا سوچا کہ اندر چلا جاؤں۔ دیکھوں تو سہی آخر یہ آواز کیسی ہے۔ میرے لئے محبت کے الفاظ کہنے والی ربابہ ہے یا پھر کوئی اور بہرحال ان سوچوں میں ڈوبا رہا اندر جانے کی ہمت نہیں کرسکا تھا۔ ذرا سی لغزش ہوجاتی تھی۔ اس بات کی تو خیر فکر نہیں تھی کہ محمد گل صاحب اپنے گھر سے نکال دیں گے۔ بس اس بات کی فکر تھی کہ ان کے احساسات اور جذبات کا کیا ہوگا۔ بہرحال محمد گل صاحب بھی آگئے۔ فرزانہ بیگم بھی آگئیں لیکن اس دن میری بے چینی انتہائی عروج پر تھی۔ بارش بند ہوگئی تھی لیکن آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ رات بھی وقت سے بہت پہلے ہوگئی تھی رات کا کھانا بھی بس واجبی سا کھایا محمد گل صاحب کچھ دیر باتیں کرتے رہے تھے پھر انہوں نے کہا۔ "آج طبیعت پر کچھ ویرانی محسوس ہو رہی ہے کیا خیال ہے اگر چلا جاؤں تو بور تو نہیں ہوگے۔"

"نہیں آپ آرام کریں۔" میں نے محبت سے کہا اور وہ مجھے خداحافظ کہہ کر چلے گئے لیکن میں بے چین سا بیٹھا رہا تھا۔ بہت دیر اسی طرح گزر گئی میری نگاہیں کھڑکی سے باہر جمی ہوئی تھیں۔ دفعتاً میں نے ایک سائے کو عمارت کے بیرونی حصے میں دیکھا جو دبے قدموں چل رہا تھا۔ سیاہ لباس پہنا ہوا تھا لیکن چہرہ سفید رنگ کے کپڑے میں ڈھکا ہوا تھا۔ میں ایک دم چونک پڑا یہ کون ہو سکتا ہے۔ پھر زور سے بجلی چمکی اور میں نے سفید کپڑے میں لپٹے ہوئے چہرے کو دیکھا میرے سارے وجود میں سنسناہٹ دوڑ گئی تھی۔ ربابہ کے حسین پیکر کو میں لاکھوں کیا کروڑوں میں پہچان سکتا تھا۔ وہی تھی سو فیصد وہی تھی۔ میں

آتش بن گیا دوڑتا ہوا باہر نکلا وہ صحن سے باہر نکل گئی تھی۔ میں نے کوئی انتظار نہ کیا کوئی تکلف نہ کیا خود بھی باہر نکل آیا جو آواز میں اتنے دنوں سے سنتا رہا تھا وہ ربابہ ہی کی تھی اور ربابہ یہیں موجود تھی لیکن کس حیثیت سے؟ ندیمہ کی حیثیت سے؟ آخر یہ راز کیسا ہے۔ میں باہر نکلا تو میں نے گلی کے آخری سرے پر ربابہ کا سایہ دیکھا۔ سر پر اوڑھا ہوا سفید کپڑا اور بدن کا سیاہ لباس میری رہنمائی کر رہا تھا۔ باہر گلی میں پانی بھرا ہوا تھا اور اس کے قدموں کی چاپ صاف سنائی دے رہی تھی پانی کی آواز بھی نمایاں تھی۔ میں آگے بڑھ کر اس کا تعاقب کرتا رہا اور تو کچھ نہیں کر سکتا تھا بس اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا گلی کے آخری سرے پر پہنچنے کے بعد وہ سڑک پر آ گئی اور پھر پیدل چلتی رہی میں بھی اس کا تعاقب کر رہا تھا دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ کہاں جا رہی ہے۔ بہت سا فاصلہ طے ہو گیا۔ اس دوران یہاں شکار پور کے بہت سے علاقے دیکھ چکا تھا لیکن جس علاقے کی جانب ربابہ مڑی تھی وہ آگے جا کر بائیں سمت گھوم رہا تھا اور پھر اس کا سلسلہ قدیم کھنڈرات پر جا کر ختم ہو جاتا تھا۔ ٹوٹے پھوٹے یہ کھنڈرات یقینی طور پر تاریخ کا حصہ ہوں گے میں تو ذہنی طور پر مطمئن ہو بھی نہیں پایا تھا حالانکہ کئی دن گزر گئے تھے اور اصولی طور پر مجھے چاہئے تھا کہ میں کسی ملازمت کی تلاش میں نکلتا لیکن بے چارے محمد گل صاحب نے اس سلسلے میں مجھے بہت امیدیں دلائی تھیں انہوں نے کہا تھا۔

"دیکھو عزیزم! بات یہ ہے کہ جب میں یہ محسوس کروں گا کہ اب تمہیں ملازمت پر نکل جانا چاہئے تو خود تمہارے لئے کوئی نہ کوئی بندوبست کردوں گا۔ اس وقت تک تم آرام کرو جب تک میں چاہوں۔ مگر یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں مفت کی کھلاتا رہوں گا۔ تھوڑے عرصے آرام کرلو جب تک میزبان مہمان بنا کر برداشت کرسکتا ہے اس وقت تک۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات کا برا تو نہیں مان رہے۔" میں نے ہنستے ہوئے انکار میں سر ہلایا تھا۔ بہرحال وہ سایہ ایک کھنڈر میں جا کر گم ہو گیا میں شدت حیرت سے دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ ندیمہ اور ربابہ میں کیا مماثلت ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس وقت ربابہ یہاں کیا کرنے کے لئے آئی ہے۔

بہرحال میں تیز رفتاری سے چلتا ہوا کھنڈر میں داخل ہو گیا۔ ٹوٹا پھوٹا کھنڈر تھا۔ اس کی تاریخ کے بارے میں مجھے کچھ بھی نہیں معلوم تھا لیکن ربابہ یہاں گم ہوئی تھی۔ میں کھنڈر کے ایک ایک گوشے کو تلاش کرتا پھرا لیکن وہاں کوئی انسانی وجود موجود نہیں تھا۔ رات زیادہ سے زیادہ گہری ہوتی چلی گئی۔ میں کھنڈر کے پورے علاقے کی تلاشی لینے کے بعد باہر نکل آیا اور میری نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔ آسمان پر گہرے سیاہ بادل

چھائے ہونے کی وجہ سے ستارے بھی نہیں نکلے تھے۔ چنانچہ گھور تاریکی چھائی ہوئی تھی اس تاریکی میں دور دور تک بکھرے ہوئے کھنڈر صرف ہیولوں کی شکل میں نظر آ رہے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے بہت سے آسیب گردن جھکائے بیٹھے ہوئے ہوں۔ آدھی رات سے زیادہ گزر گئی۔ تو میں مایوس ہو کر واپس پلٹا پتہ نہیں گل محمد صاحب کو میرے گھر میں نہ ہونے کی بات معلوم ہے یا نہیں۔

بہرحال گھر میں داخل ہوا تو دروازہ کھلا ہوا تھا میں نے دروازہ بند کیا اور اندر آ کر اپنے کمرے میں لیٹ گیا دل بری طرح دھڑک رہا تھا بے چینی عروج پر تھی۔ پتہ نہیں ندیمہ واپس آئی یا نہیں یہ قصہ کیا ہے لیکن کچھ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کوئی ایسی بات بھی نہیں تھی جو پوچھی جاسکے۔ بہرحال بڑی پریشانی کے عالم میں یہ وقت گزرا۔ نیند آنے کا تو خیر سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا صبح کو آنکھیں جل رہی تھیں اور بدن ہلکے سے بخار میں مبتلا تھا۔ ان لوگوں میں سے کسی کو میں نے اس بارے میں نہیں بتایا اور معمول کے مطابق اپنے کام میں مصروف ہو گیا لیکن میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس صورت حال کا کوئی حل نکلنا چاہئے۔ ویسے بھی اب یہاں بڑی شرمندگی ہونے لگی تھی۔ ان لوگوں کے بارے میں تو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ کبھی پیشانی پر بل نہیں ڈالیں گے لیکن بہرحال ایک جوان آدمی تھا دوسروں کے سر پر پڑ کر زندگی تو نہیں گزاری جاسکتی تھی۔ ٹھیک ہے محمد گل صاحب بہت نفیس انسان تھے اور انہوں نے میرا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا لیکن مجھ جیسے جوان آدمی کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ میں ان کے گھر پر پڑا خاموشی سے کھاتا رہوں۔ دن کے معمولات سے فراغت حاصل ہوئی۔ محمد گل صاحب چلے گئے تو میں اپنی جگہ سے اٹھا آنٹی سے اجازت لی اور باہر نکل آیا باہر نکلنے کے بعد میں نے رات کے راستے کے مطابق سفر شروع کر دیا۔ شکار پور ویسے بھی اجنبی جگہ تھی میں نے بے شک تھوڑے بہت علاقے دیکھ ڈالے تھے لیکن ابھی پوری طرح اس سے واقف نہیں ہوا تھا لیکن پھر بھی وہ جگہ تلاش کرنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ جہاں سے رات کو میں نے ربابہ کو گزرتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کے بعد وہ ان کھنڈرات میں داخل ہوئی تھی۔ کھنڈرات میرے سامنے بکھرے پڑے تھے ان کھنڈرات کی تاریخ کا مجھے کوئی علم نہیں تھا کہ یہ کب کے بنے ہوئے تھے۔ قرب وجوار میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا کہ کسی سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتا۔

بہرحال میں کھنڈرات کے درمیان گھومتا رہا اس کھنڈر میں بھی گیا جس میں رات کو ربابہ داخل ہوئی تھی۔ وہاں میں بہت دیر تک بیٹھا رہا اور یہ سوچتا رہا کہ ربابہ کا اس گھر

سے کیا تعلق ہے اور وہ آواز جو میں نے سنی ہے کس کی آواز ہے کیا ندیمہ ربابہ کی شکل میں یہاں موجود ہے ایک ناقابل یقین سی بات تھی اور اس بارے میں سوچنا بھی بیوقوفی تھی۔ ایسے قصے اور کہانیاں تو سننے کو مل جاتے ہیں لیکن حقیقتیں ان سے مختلف ہوتی ہیں پھر یہ کیا مصیبت ہے جو مجھ پر نازل ہوگئی ہے بہرحال کھنڈرات میں بہت سا وقت گزارہ اور اس کے بعد واپس آگیا۔ دروازہ ثانیہ نے کھولا تھا اور مجھے دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولی تھی۔ ”تشریف لائیے جناب! تشریف لائیے آپ تو بس مہمان بن کر رہ گئے ہیں۔ حالانکہ ہم نے تو آپ کو مہمان کی بجائے بھائی جان بنایا تھا۔“

”کوئی غلطی ہوگئی مجھ سے ثانیہ!“

”بہت بڑی غلطی مگر آپ کو بتائی نہیں جاسکتی۔“

”پھر تو مجھے افسوس ہوگا اس بات کا۔“

”کچھ بھی ہو آپ اگر ناانصافی پر تلے ہوئے ہیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ وہی سلوک کریں گے۔“

”ثانیہ' ثانیہ بولے جارہی ہو۔ خاموش نہیں رہ سکتیں۔“

”چلئے خاموش ہوئے جاتے ہیں۔“ ثانیہ نے کہا لیکن میرے دل ودماغ کی پھر وہی کیفیت ہوگئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ یہ آواز ندیمہ کی ہے لیکن یہ آواز ندیمہ کی نہیں ربابہ کی تھی اور اس وقت میں بے اختیار ہوگیا۔ ربابہ دروازے کے باہر تھی یا ندیمہ دروازے کے باہر تھی۔ میں دروازے سے باہر نکل آیا اور ایک لمحے کے اندر اندر میرا ندیمہ سے سامنا ہوگیا وہ تیزی سے پیچھے ہٹی اور ایک دیوار سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے اس کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھے لیکن یہ چہرہ یہ چہرہ ربابہ کا تو نہیں تھا۔ ثانیہ بھی حیران تھی اور ندیمہ بھی حیرانی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

”مجھے بول کر دکھاؤ۔“ میں نے اس سے کہا۔

”جج جی؟“ وہ خوفزدہ لہجے مین بولی۔

”بول کر دکھاؤ مجھے میں تمہاری آواز سننا چاہتا ہوں۔“ میں نے جنونی انداز میں کہا ندیمہ کے چہرے پر انتہائی خوف کے آثار منجمد تھے اور ثانیہ ایک طرف کھڑی دیکھ رہی تھی۔ پتہ نہیں فرزانہ بیگم کہاں تھیں۔ اس وقت کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ محمد گل کے بارے میں تو میں جانتا تھا کہ وہ اپنے کام پر گئے ہوئے ہیں لیکن فرزانہ بیگم بھی شاید کہیں باہر ہی گئی ہوئی تھیں۔ ندیمہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

”مم.......... مم.......... میں آپ سے پردہ کرتی ہوں اور.......... اور

ابو نے بھی مجھے یہی حکم دیا ہے کہ میں آپ سے پردہ کروں۔ آپ براہِ کرم اندر چلے جائیے۔“ ندیمہ کی آواز ابھری لیکن یہ آواز ربابہ کی آواز تھی۔ میں سخت دہشت زدہ ہوگیا۔ اپنے جنون میں جو عمل میں نے کرڈالا تھا وہ انتہائی خوفناک تھا۔ ندیمہ کیا سوچ رہی ہوگی۔ ثانیہ کے چہرے کی ساری رونق سمٹ گئی تھی۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر واپس اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔ میری کیفیت پہلے سے بھی زیادہ خراب ہوگئی۔ بستر پر لیٹ کر میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ یہ میں نے کیا کیا' محمد گل صاحب نے تو مجھ پر بڑا اعتبار کیا تھا کون جانتا ہے کہ میرے اندر کیا چیزیل رہی ہے کسی کو بتاؤں گا تو تسلیم نہیں کرے گا۔ کوئی بھی اعتبار نہیں کرے گا مجھ پر کہ جو کچھ میں نے کیا ہے وہ کسی ہیجانی جذبے سے مغلوب ہوکر کیا ہے۔ میرے بارے میں بہت برے انداز میں سوچا جائے گا لیکن میں کیا کرتا۔ میری کیفیت تو اس وقت دیوانوں جیسی تھی۔ کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا میں۔ بخار شدید تیز ہوگیا۔ میری کنپٹیاں جلنے لگیں۔ آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور میرے حلق سے ہلکی ہلکی کراہیں خارج ہونے لگیں لیکن کوئی بھی میرے کمرے میں نہیں آیا۔ نہ ثانیہ نہ ندیمہ البتہ فرزانہ بیگم کی آواز سنی تھی میں نے اندر آگئی تھیں اور خاموش ہوگئی تھیں شاید کہیں بھی کوئی آواز نہیں ابھر رہی تھی۔ بہرحال پھر نہ جانے کتنا وقت گزر گیا دوپہر کو فرزانہ بیگم آئیں انہوں نے کھانے کی ٹرے سامنے رکھی اور پھر خاموشی سے واپس چلی گئیں۔ ان کے رویے سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں صورت حال کا علم ہوگیا ہے۔ غلطی تو میں نے کی تھی اور پوری طرح سے کی تھی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اس غلطی کا پس منظر کچھ اور تھا۔ دھت تیرے کی۔ یہ بھی برا ہوگیا مجھ سے میری عزت چھن گئی۔ لاکھ انہیں بتاؤں گا کہ ایسا ہوا ہے ویسا ہوا ہے لیکن کوئی بھی اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا کوئی بھی نہیں مانے گا۔ بات کیسے ہی کھلی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ثانیہ نے ماں کو یہ بتائی ہو کہ میں اچانک باہر نکل آیا تھا اور میں نے ندیمہ سے عجیب سے لہجے میں بات کی تھی۔ یا پھر ہوسکتا ہے خود ندیمہ نے ماں سے شکایت کی ہو لیکن بات کھل ضرور گئی تھی۔ فرزانہ بیگم اس طرح نہیں آتی تھیں اور اس طرح خاموشی سے کھانا رکھ کر نہیں چلی جاتی تھیں۔ آہ' برا ہوگیا بہت برا ہوگیا۔ جانے کو تو خیر کسی بھی وقت مجھے یہاں سے نکال دیا جاتا یا مجھے خود چلے جانا پڑتا کوئی بات نہیں تھی لیکن محمد گل جیسے آدمی کو بڑا شاک لگے گا بڑا افسوس ہوگا انہیں۔

میں نے سوچا کہ خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں لیکن بہت غور کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اور کچھ کرسکوں یا نہ کرسکوں لیکن بے چارے محمد گل کو کم از کم یہ غم

دے کر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ جانا تو مجھے ہے کیونکہ میرا یہاں رکنا کسی طور مناسب نہیں ہے لیکن محمد گل صاحب کو ساری تفصیلات بتانے کے بعد ہی میں یہاں سے جاؤں گا۔ مجھے یہ بھی اندازہ تھا کہ ہوسکتا ہے محمد گل صاحب سے یہ بات چھپانے کی کوشش کی جائے۔ اصولی طور پر یہ مناسب نہ ہوتا۔ بہرحال میں انتظار کرتا رہا بخار کچھ اور تیز ہوگیا تھا لیکن مجھے اس بات کی پرواہ نہیں تھی۔ میں صرف دیکھنا چاہتا تھا کہ محمد گل صاحب کا رویہ کیا رہتا ہے۔ ان کا طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ شام کو اپنی ملازمت سے واپس آتے منہ ہاتھ وغیرہ دھوتے اس کے بعد چائے کے لئے کہہ کر میرے پاس آجاتے۔ پھر چائے ہم دونوں باہر برآمدے میں بیٹھ کر پیتے اور محمد گل صاحب مجھ سے بہت دیر تک باتیں کرتے رہتے۔ پھر رات کا کھانا ساتھ کھایا جاتا۔ اس کے بعد وہ اپنے حساب کتاب میں مصروف ہوجاتے اور میں اپنے کمرے میں آجاتا تھا لیکن تبدیلی ہوئی تھی نمایاں تبدیلی ہوئی تھی محمد گل صاحب کے آنے کا تو مجھے علم ہوگیا تھا لیکن آج وہ چائے پر نہیں آئے تھے میرے ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے سوچا کہ چلو ٹھیک ہے۔ اس ڈرامے کا بھی ڈراپ سین ہوا اور ہونا ہی چاہئے تھا۔ رات کے کھانے پر بھی محمد گل صاحب نے مجھے طلب نہ کیا بلکہ معمول کے مطابق فرزانہ کھانا رکھ گئیں۔ میں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ بس اپنے آپ میں جھلستا رہا تھا اور یہ سوچتا رہا تھا کہ دیکھو ربابہ مجھے کہاں کہاں ذلیل کراتی ہے۔ اس کی پُرسحر آواز' اس کا پُراسرار نغمہ اب بھی کبھی کبھی میرے کانوں میں گونج جاتا تھا۔ میں نہ جانے کب تک محمد گل صاحب کا انتظار کرتا رہا اور اس کے بعد یا تو مجھ پر غشی طاری ہوگئی یا پھر گہری نیند آگئی تھی۔ دوسری صبح میں نے محسوس کیا کہ محمد گل صاحب کام پر نہیں گئے ہیں۔ مجھے دیکھا تھوڑے سے چونکے اور اس کے بعد سنجیدگی سے میرے سامنے آبیٹھے۔"

"رات کا کھانا نہیں کھایا۔"

"ہاں۔"

"اور یہ چہرہ کیسا ہورہا ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ فرزانہ بیگم جانے لگیں تو میں نے کہا۔

"آنٹی تھوڑا سا وقت دے سکیں گی مجھے۔"

فرزانہ بیگم رک گئیں انہوں نے محمد گل صاحب کی طرف دیکھا۔ محمد گل صاحب نے سامنے اشارہ کرکے کہا۔

"بیٹھو۔" فرزانہ بیگم بیٹھ گئیں میں سمجھ گیا تھا کہ مجھے کیا کہنا ہے اور کیا کرنا ہے۔

"محمد گل صاحب کچھ کہنا چاہتا ہوں آپ سے اجازت دیں گے۔"

"ہاں کہو۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔

"جو واقعہ ہوا ہے میں اس کا تھوڑا سا پس منظر بتانا چاہتا ہوں۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ آپ کو اس واقعہ کی اطلاع مل گئی ہے لیکن اس کی وجہ کیا تھی یہ بتانا ضروری ہے۔ مجھے اس بات کا علم ہوچکا تھا کہ حقیقت آنٹی کو معلوم ہوگئی ہوگی۔ ندیمہ نے بتائی ہو یا میری ننھی سی بہن ثانیہ نے لیکن دونوں بیچاریاں اس اصلیت سے ناواقف ہیں جو میری زندگی سے متعلق ہے۔ میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ خاموشی سے چلا جاؤں لیکن آپ کی محبتوں کے جواب میں میرا یہ عمل مجھے خود اپنے آپ سے نفرت کرنے پر مجبور کردیتا۔ چنانچہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں انتظار کرتا رہا تھا کہ جیسے ہی موقع ملے میں آپ کو ساری حقیقت بتاؤں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ گل محمد صاحب کہ میں آسیب زدہ ہوں سمجھ رہے ہیں نا آپ۔ میری زندگی میں کچھ ایسے واقعات شامل ہوگئے ہیں جو نہ میری سمجھ میں آتے ہیں اور نہ ہی میں کسی کو سمجھا سکتا ہوں۔ ایک ایسی روح میرا تعاقب کررہی ہے جسے میں نہیں جانتا کہ کون ہے وہ۔ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ جگہ جگہ اس نے میرا تعاقب کیا ہے اور میں اس کی وجہ سے دربدر ہوں۔ میرے ماں باپ مرچکے ہیں ایک طرح سے بے سہارا ہوں میں لیکن اس روح کے جال میں گرفتار ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میرا دل اس کے لئے کس انداز میں دھڑکتا ہے لیکن شاید میں اس سے محبت بھی کرتا ہوں۔ اس کی آواز مجھے اکثر سنائی دیتی ہے عموماً کسی نغمے کی شکل میں میری آنکھیں اس کے لئے بھٹکتی رہتی ہیں محمد گل صاحب اب سے چند روز پہلے ندیمہ نے کسی بات پر ثانیہ کو پکارا تھا اور میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا کہ ندیمہ کی آواز ربابہ کی آواز سے سو فیصد ملتی ہے اور کل بھی اتفاق کی بات یہ ہے کہ آنٹی موجود نہیں تھیں ثانیہ مجھ سے کوئی بات کررہی تھی کہ ندیمہ نے ثانیہ کو پکار کر کچھ کہا اس سے اور یہ آواز سوفیصدی ربابہ کی آواز تھی۔ میں بے اختیار باہر نکل آیا تھا اور میں نے ندیمہ کو دیکھا تھا لیکن ندیمہ کی آواز ربابہ سے ملتی ہے اس کا چہرہ اس سے بالکل نہیں ملتا۔" میں نے جان بوجھ کر وہ واقعہ چھپالیا تھا جس میں میں نے یہاں سے کسی سائے کو نکل کر ان کھنڈرات کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ دونوں میاں بیوی میری باتیں سن رہے تھے میں نے کہا۔

"اور میرے پاس اپنی صداقت کا کوئی ثبوت نہیں ہے سوائے اس کے میں آپ سے یہ الفاظ کہہ رہا ہوں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں سب جھوٹ بول رہا ہوں بس ثبوت

اتنا دوں گا کہ اس بات کے کھل جانے کے بعد میں یہاں سے بھاگ جاتا لیکن میں نے یہ سوچا کہ آپ کے دل میں ایک دکھ رہے گا کوئی کسی کے لئے پوری محبت اور دیانت داری سے جب کچھ کرتا ہے اور دوسرا اس کا جواب اس انداز میں دیتا ہے تو بات تو دکھ کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی برا تصور میرے ذہن میں نہیں تھا۔ بالکل نہیں تھا آپ مانیں یا نہ مانیں۔" میں خاموش ہوگیا میری آواز میں ایک لرزش پیدا ہوگئی تھی۔ پتہ نہیں کیوں طبیعت پر ایک بوجھل سی کیفیت مسلط ہوگئی تھی کچھ لمحے تک مکمل خاموشی طاری رہی پھر محمد گل صاحب نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر بیٹے! یہ کیفیت کب سے ہے تمہاری۔"

"خاصا وقت ہوگیا میں آپ کو بتاؤں والدین تھے میرے۔ میرے والد بھی بڑی اچھی حیثیت کے مالک تھے۔ میرے ایک چچا نے ہمیں تباہ و برباد کردیا۔ انہوں نے ہماری دنیا لوٹ لی۔ وہ کچھ ایسی ہی بری شخصیت کے مالک تھے۔ ماں بھی مرگئیں۔ باپ بھی مر گئے اور اس کے بعد میری تنہائیاں مجھے ڈسنے لگیں۔ میری خالہ تھیں جنہوں نے میری پرورش کی لیکن میں جس کے ساتھ ہوتا ہوں جس سے محبت کرتا ہوں وہ مرجاتا ہے۔ آپ لوگ بھی مجھ پر بہت مہربان ہیں۔ مجھے آپ کی زندگی درکار ہے میں نہیں چاہتا کہ آپ کو کوئی نقصان پہنچے۔"

"ارے نہیں کیسی باتیں کررہے ہو ہم اس قدر توہم پرست نہیں ہیں۔ ہمیں کچھ نہیں ہوگا۔ چلو بیٹے اٹھو ناشتہ کرو۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھے مجھے ایک دم یہ احساس ہوا تھا جیسا ان کا دل میری جانب سے صاف ہوگیا ہو۔ خود فرزانہ بیگم بھی خاصی شرمندہ شرمندہ سی نظر آرہی تھیں۔ غالباً انہیں یہ احساس ہوگا کہ مجھ سے کچھ پوچھے بغیر انہوں نے مجھ سے بے تعلقی ظاہر کردی تھی۔ محمد گل صاحب نے مجھے جگایا اور ایک دم چونک پڑے۔

"ارے یہ تو توے کے ٹکڑے کی طرح تپ رہے ہیں بخار چڑھا ہوا ہے کیا؟"

انہوں نے میری پیشانی پھر گردن پر ہاتھ رکھ کر مجھے چھو کر دیکھا اور بولے۔

"پپ......پتہ بھی نہیں تھا۔" محمد گل صاحب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آرہے تھے پھر انہوں نے کہا۔

"ٹھہرو میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔"

وہ واپس مڑے تو میں نے ان کی قمیض کا دامن پکڑ لیا۔

"آپ کیوں کررہے ہیں میرے لئے یہ سب کچھ براہ کرم اس قدر بوجھ نہ ڈال دیں مجھ پر کہ میں ان میں دب کر مرجاؤں۔ ٹھیک ہوں میں کوئی ایسی بات نہیں۔ ناشتہ کیے

لیتا ہوں آئیے آپ لوگ بھی میرے ساتھ چائے پیتے ہیں۔"

"ہم......مگر بخار۔"

"بہت معمولی سی بات ہے' موسمی بخار ہے ٹھیک ہوجائے گا۔" محمد گل صاحب عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے رہے پھر بولے۔

"بیٹے! کوئی بخار کی گولی ہی لے لو۔"

"جی میں لے لوں گا آپ اطمینان رکھئے۔ آنٹی مجھے چائے دیجئے۔" میں نے کہا دل میں' میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب بھلا اس گھر میں رکنے کا کیا تصور ہے۔ جانا ہے لیکن ان لوگوں کو اس طرح دل برداشتہ کرکے نہیں جاؤں گا۔ خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گا ورنہ اگر ان سے اس بات کا تذکرہ کردوں گا تو یہ مجھے کبھی نہیں جانے دیں گے۔ چنانچہ ان کے ساتھ ناشتہ کیا پھر دیر تک ہنستا بولتا رہا۔ محمد گل صاحب نے ربابہ کے بارے میں دو چار سوالات کئے تو میں نے انہیں نہایت سنجیدگی سے جواب دیئے تھے اور یہی بتایا تھا کہ ربابہ کے بارے میں مجھے کوئی تفصیل معلوم نہیں ہے۔

"میرے ایک بزرگ دوست ہیں ایک مسجد میں رہتے ہیں وہیں پر نماز وغیرہ پڑھاتے ہیں۔ تھوڑے بہت عملیات کرتے رہتے ہیں میں ان سے اس بارے میں بات کروں گا اور یقینی طور پر وہ کوئی نہ کوئی مناسب حل بتائیں گے۔ ویسے معاف کرنا بڑی غلطی ہوگئی ہم سے تم محسوس نہ کرنا۔ ہوجاتا ہے انسان انسان ہی ہوتا ہے۔" میں مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہوگیا تھا لیکن بہرحال میں نے انہیں بتا تو دیا تھا کہ اس کے بعد یہاں میرا رہنا ممکن نہیں ہے۔ اب اس پر بھی اگر وہ غلط فہمی میں مبتلا رہیں تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ شام تک انتظار کیا۔ موسم آج کل ایسا ہی چل رہا تھا۔ شام کو بھی گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور خاصی دیر تک میرے ساتھ وقت گزارنے کے بعد محمد گل صاحب اندر گئے تھے بخار بھی اتر گیا تھا میں اسی بات کا منتظر تھا۔ چنانچہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل آیا۔ اب مجھے اس بات کی خوشی ہو رہی تھی کہ اب میں نے ان کھنڈرات کے بارے میں محمد گل صاحب کو کچھ نہیں بتایا تھا اس سے مجھے فائدہ پہنچا تھا اور عارضی طور پر میں ان کھنڈرات میں پناہ لے سکتا تھا۔ بعد میں جو بھی حالات ہوں گے دیکھا جائے گا۔ میں نے دل میں سوچا تھا۔ کھنڈرات تک کا سفر میں نے آسانی سے طے کرلیا بالکل خالی ذہن چھوڑ دیا تھا اپنے آپ کو اب جو ہوگا دیکھا جائے گا آگے چل کر وقت خود تعین کرے گا کہ صورت حال کیا ہوتی ہے۔ پرسکون ویران اور خاموش کھنڈرات انسانی ہنگاموں سے دور ایسی پراسرار جگہوں پر جن روحوں کا بسیرا ہوتا ہے ان کے بارے

میں بڑی حسرت سے یہ بات سوچی جاسکتی ہے کہ وہ ہنگاموں کی دنیا میں رہنے والے انسانوں سے کہیں زیادہ پُرسکون زندگی بسر کرتی ہیں۔ یہ سکون بہت ہی دلکش ہوتا ہے۔ نہ بیماری نہ جنگیں نہ زندگی کے اخراجات کا بوجھ کچھ بھی نہیں ہوتا سکون ہی سکون۔ کھنڈرات کے اندرونی گوشے میں ایک پتھر پر جا بیٹھا۔ اور آنے والے وقت کے بارے میں سوچنے لگا اس وقت دل ودماغ کی کیفیت بڑی عجیب سی ہو رہی تھی۔ منتشر زندگی کو سنبھالنا کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔ بہرحال کافی دیر تک یہاں بیٹھا رہا مجھے یقین تھا کہ محمد گل صاحب کا ذہن اس طرف نہیں جائے گا۔ اگر انہوں نے مجھے تلاش بھی کیا تو ادھر کے بارے میں نہیں سوچیں گے۔ کیا ہی اچھی بات ہوئی تھی کہ میں نے انہیں یہاں کی تفصیل نہیں بتائی تھی۔ پھر ربابہ ذہن میں داخل ہوگئی۔ ایک مدہم مدہم سی دل نشین آواز کانوں میں رس گھولنے لگی۔ یہ ربابہ ہی کی آواز تھی لیکن آواز بہت دور سے آرہی تھی۔ کیا کروں میں اس کا ایک پُراسرار دیوانی روح میرے پیچھے لگ گئی تھی۔ میرے دل میں بھی اس کے لئے گداز تھا لیکن ایسا کوئی حل نہیں تھا میرے پاس کہ میں اس کی بے چینی ختم کردیتا یا اس کی قربت حاصل کرلیتا۔ دفعتاً ہی مجھے اپنے عقب میں کچھ سرسراہٹیں سی سنائی دیں۔ میرا دل اچھل پڑا میں نے جلدی سے گردن گھما کر دیکھا وہ کوئی انسان ہی تھا یا انسان کی روح ضرور تھی۔ میری ہی طرف آرہا تھا۔ قریب آیا تو میں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ایک پریشان حال وجود معلوم ہوتا تھا۔ میں نے کھڑے ہوکر اس کا استقبال کیا اب جو کوئی بھی ہے میں اس سے خوفزدہ نہیں تھا۔ وہ میرے قریب آگیا اور عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"بھائی مجھ سے گھبرانے کی ضرورت نہیں میں بس پریشان حال انسان ہوں اور اور........" اس کی آواز کس قدر مدہم ہوگئی میں یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کوئی زندہ وجود ہے یا پھر ایسے ہی کوئی آوارہ روح مجھ جیسے لوگ اس قدر پکے ہوچکے ہوتے ہیں کہ انہیں آوارہ روحوں سے کوئی خوف بھی نہیں محسوس ہوتا۔ میں نے اس سے نرم لہجے میں کہا۔

"بیٹھو، کون ہو تم، کیا نام ہے تمہارا۔"

"ناصر ہے میرا نام بس یوں سمجھ لو کہ ایک عجیب سی زندگی گزاری ہے میں نے انسان اپنی کوشش سے اپنے لئے مصیبتیں خریدتا ہے۔ میں بھی انہی میں سے ایک ہوں۔ کیا بتاؤں تمہیں اپنی یہ کہانی تم نے کبھی پارس پتھر دیکھا ہے۔"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کبھی نہ دیکھنا۔ خدا کے لئے کبھی نہ دیکھنا۔ ایسے وہموں میں کبھی نہ پڑنا۔ زندگی تو حقیقتوں کا نام ہے۔" وہ زاروقطار رونے لگا۔ میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی کا ایک جذبہ موجزن ہوگیا۔ میں نے دل سوزی سے کہا۔

"بھائی کیا بات ہے۔ اتنا کیوں رو رہے ہو۔ مجھے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔ کون ہو تم؟" وہ سسکیاں لیتا رہا پھر اس نے کہا۔

"دل میں بڑے بڑے طوفان بھرے ہوئے ہیں۔ کاش کوئی ان طوفانوں کو روک دے۔ کوئی مجھے سہارا دے اور یہ کہہ دے کہ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔" مجھ سے اس کا بلکنا نہ دیکھا گیا۔ نہ جانے کیوں میرے دل میں دکھ کا دریا موجزن ہوگیا۔ میں نے سوچا کہ شاید کہہ دینے سے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوجائے۔ میں نے اس سے کہا۔

"مجھے اپنے بارے میں کچھ تو بتاؤ دوست!"

"میرے دکھ کا علاج' میں جانتا ہوں کہ میرے دکھ کا علاج کہاں ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ کیا برا ہوتا ہے انسان۔ تمہارا کیا نام ہے بھائی؟" اس نے سوال کیا۔

"گل شیر۔"

"تو میں کہہ رہا تھا کہ کیا ہی برا ہوتا ہے انسان ننھا سا معصوم کیڑا چھوٹی چھوٹی آرزوؤں کے درمیان پلتا ہوا پھر عمر کے ساتھ ساتھ اس کی آرزوئیں بھی طوفانی رخ اختیار کرتی چلی جاتی ہیں۔ کہیں وہ دنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھتا ہے۔ کہیں سارے جہان کے حسن کو اپنے گرد جمع کرنے کا خواہش مند۔ اعلیٰ درجے کی کوٹھیاں، اعلیٰ درجے کی کاریں، اپنی اوقات اپنی تقدیر سے جنگ کرتا ہے۔ وہ بھلا تقدیر سے جنگ کی ہے کسی نے میں تمہیں ایک بہت ہی گُر کی بات بتاؤں۔ انسان اگر تقدیر سے جنگ کرتا ہے تو اس بری طرح ہارتا ہے کہ اپنی شکست کو وہ پھر زندگی بھر ختم نہیں کرسکتا۔ تقدیر بہت طاقتور ہوتی ہے ایسی پٹخنیاں دیتی ہے وہ کہ اس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوجاتی ہیں اور جب وہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے تو سوچتا ہے کہ اس طاقتور تقدیر سے لڑنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ اس نے غلطی کی ہے۔" میں نے محسوس کیا کہ اس کی باتوں میں ایک جنون کی سی کیفیت پیدا ہوتی جارہی ہے۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ یہ لمحات جو یہاں مجھے اس کھنڈر میں گزارنے تھے اگر اس شخص کی قربت میں گزر جائیں تو اچھا ہی ہوگا۔ میں نے اس سے کہا۔

"مجھے اپنے بارے میں تفصیل بتاؤ دوست میں جاننا چاہوں گا۔" اس نے ایک

ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔
"میری تفصیل' اس تفصیل میں ایک شخص کا تذکرہ ابتدا میں کروں گا۔"
"وہ کون تھا؟" میں نے سوال کیا۔
"مولوی ابراہیم' خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے مولوی ابراہیم کو جنھوں نے مجھے قصبے میں لے جاکر مڈل تک تعلیم دلوائی تھی۔ اگر قصبے میں ہائی سکول ہوتا تو شاید میں میٹرک بھی کرلیتا مگر مولوی صاحب کے دل میں حسرت ہی رہ گئی کہ مجھے شہر بھیج کر زیادہ سے زیادہ تعلیم دلائیں۔ مولوی ابراہیم میرے والد کے دوست تھے۔ دوست بھی اس طرح بنے تھے کہ ایک دفعہ بیل فروخت کرکے آرہے تھے کمر میں بندھی تھیلی میں کئی ہزار روپے موجود تھے۔ اپنے قصبے کی طرف جارہے تھے کہ راستے میں رات ہوگئی یوں بھی دسمبر کے جاڑے تھے اور پھر سنسان راتوں کا سفر۔ درمیان میں ہمارا گاؤں آگیا۔ چنانچہ یہیں ٹھہر جانے کا فیصلہ کیا۔ مسجد تلاش کرتے ہوئے گاؤں کی واحد مسجد میں پہنچے۔ دسمبر کی سرد راتوں میں تو چھ بجے ہی شام ہوجاتی ہے۔ گاؤں کے کتے بھی بھونک رہے تھے' لیکن والد صاحب کو پانچوں وقت کی نماز مسجد میں پڑھنے کی عادت تھی اور وہ عشاء کی نماز کے اکلوتے نمازی تھے' چنانچہ وہیں مولوی صاحب کو ملے۔"

"بھائی میں مسافر ہوں قصبہ کھیریا جارہا تھا کہ راستے میں رات ہوگئی' مسجد کے صحن میں پڑا رہتا لیکن سینے میں سخت درد ہورہا ہے۔ مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔" والد صاحب قدموں میں بچھ گئے مولوی صاحب کو گھر لے آئے۔ لحافوں میں ڈھک دیا۔ ہر جتن کیا لیکن مولوی صاحب کو نمونیہ ہوگیا تھا۔ بستی میں صرف ایک حکیم صاحب رہتے تھے مگر رات کو انھوں نے آنے سے انکار کردیا۔ چنانچہ والد صاحب نے خود ہی مولوی صاحب کے سینے پر تارپین کے تیل کی مالش کی۔ سینکائی کی اور جو گھریلو علاج کرسکتے تھے کیے۔ مولوی صاحب پر نیم بے ہوشی طاری تھی لیکن پھر نیند آئی صبح کو درد میں کمی ہوگئی تھی لیکن والد صاحب نے انہیں سفر نہ کرنے دیا۔ یہ دن مولوی ابراہیم نے ہمارے گھر پر گزارا۔ حکیم صاحب سے دوا بھی لے لی گئی تھی مگر اس کے استعمال کی نوبت نہ آئی۔ السی اور گڑ ملے دودھ نے مولوی صاحب کو تندرست کردیا تھا۔ تیسرے دن جب وہ بالکل ٹھیک ہوکر روانہ ہونے لگے تو انہیں کچھ خیال آیا۔ کمر ٹٹول کر رہ گئے۔ منہ کچھ کہنے کو کھولا پھر بند کرلیا۔ کمر میں تھیلی نہیں تھی۔ اس وقت والد صاحب نے تھیلی ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "احتیاطاً کھول کر رکھ لی تھی' بڑی رقم کی بات ہے۔ میری ذمہ داری بن گئی تھی۔" مولوی صاحب نے تھیلی لے لی' میرے والد کے بازو دبائے پھر

بولے۔ "یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔" اور بس دوستی ہوگئی۔ یہ دوستی بڑھتی گئی۔ پھر مولوی صاحب مجھے قصبے لے گئے جہاں مجھے سکول میں داخل کردیا۔ مولوی صاحب مجھے شہر میں تعلیم دلانا چاہتے تھے ایک کسان کی خواہش یہی تھی کہ اس کی زمینوں میں اس کے بیٹے کا پسینہ شامل ہوکر انہیں سیراب کرے لیکن مولوی صاحب کی خواہش بھی رد نہ کی جاسکتی تھی۔ دوستی کا معاملہ تھا۔ چنانچہ میں نے مڈل تک تعلیم حاصل کرلی۔ پھر مولوی صاحب کے گھر خوب عیش کئے تھے۔ بدن پل گیا تھا اور میں گاؤں کے سارے نوجوانوں سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس طاقت کو میں زمین پر آزماتا اور بہترین فصل تیار کرتا۔ زندگی کی گاڑی مناسب رفتار سے چل رہی تھی۔ والدہ کا انتقال ہوگیا۔ پھر رشیدہ سے میری شادی کردی گئی۔ والد صاحب اب بہت بوڑھے ہوگئے تھے ان کی آرزو تھی کہ پوتے کو گود میں کھلائیں اور خدا نے ان کی آرزو بھی پوری کردی لیکن اس کے بعد وہ ایسے بستر سے لگے کہ اٹھ نہ سکے۔ کسان کی زندگی ہی کیا۔ جو کچھ پونجی تھی ان کے علاج میں خرچ کردی گئی۔ رشیدہ کے بندے اور نتھنی بک گئی تھی' پازیب بک گئی اور اب زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے کے علاوہ کچھ نہیں رہ گیا تھا لیکن والد صاحب کی بیماری کی وجہ سے اس کی دیکھ بھال نہیں ہو رہی تھی چنانچہ پریشانیوں نے گھر کو گھیر لیا۔

پھر والد صاحب اپنی عمر پوری کرکے چلے گئے۔ کاروبار زندگی کسی کے آنے جانے سے کہاں بند ہوتے ہیں۔ کچھ دن بند رہا پھر جاری ہوگیا۔ وقت نے سب کچھ بھلا دیا۔ میں پھر زمینوں میں لگ گیا۔ کچھ قرض بھی ہوگیا اس کی ادائیگی ہونے لگی۔ پریشانیوں نے دامن نہیں چھوڑا تھا ایک کے بعد ایک مصیبت بڑھ رہی تھی۔ ہنسی خوشی جھیل رہا تھا۔ رشیدہ ایک اچھی ساتھی تھی وہ ہر تکلیف میں برابر کی شریک تھی۔ دوست احباب دل وجان سے حاضر تھے۔ سب کے سب غریب تھے زبانی ہمدردی کرسکتے تھے۔ اس سے زیادہ کچھ کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ بستی کے دوسرے لوگ بھی محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ میں نے اپنی فطرت کے مطابق کبھی کسی کو خود سے شکایت کا موقع نہیں دیا تھا لیکن اچھے لوگوں کے ساتھ برے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ غریبوں کی اس آبادی میں اس چھوٹے سے گاؤں میں ہر طرح کے لوگ موجود تھے کچھ وہ جو ہمیشہ دوسروں کی ٹوہ میں رہتے ہیں اور کچھ وہ جو دلچسپی کے طور پر ایک دوسرے کی برائیاں کرکے اپنی فرصت کے لمحات کو دلکش بناتے ہیں۔ کچھ نے کہا کہ ناصر کے گھر میں پیدا ہونے والے بچے نے اس کی خوشحالی چھین لی۔ اپنے بچے پر یہ الزام مجھے ناگوار گزرا تھا۔ چنانچہ کچھ لوگوں سے تلخیاں ہوگئیں۔ اس بار بارش نے جیسے نہ ہونے کی قسم کھائی تھی۔ کسانوں کے چہرے

اترے ہوئے تھے۔ سب کی نگاہیں خشک آسمان کی طرف نگران رہتی تھیں۔ بارش کا پورا موسم گزرتا جارہا تھا۔ جبکہ کھیتوں کو اس کی ضرورت تھی۔

خشک سالی نے آلیا۔ چراگاہیں ویران ہوگئیں۔ مویشی سوکھ گئے' کھیتوں میں زردی نظر آنے لگی۔ دھوپ اتنی تیز پڑی تھی کہ بدن جلنے لگے تھے۔ یہ قہرالٰہی تھا' لوگ دعائیں مانگتے تھے لیکن ان کی دعائیں پوری نہ ہوتی تھیں۔ ان حالات کے اثرات مجھ پر شدید سے شدید تر ہوتے جارہے تھے۔ میرے پاس اب پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ گھر میں فاقوں تک نوبت آئی تھی۔ رشیدہ اگر ایک سگھڑ بیوی نہ ہوتی تو حالات بدترین ہوجاتے لیکن اس نے کسی نہ کسی طرح صورت حال سنبھال رکھی تھی۔ ہماری آنکھوں کا تارا ہمارا بچہ تھا جس کی معصوم قلقاریاں سوکھے ہوئے دلوں پر آبیاریاں کردیتی تھی اور اس کی مسکراہٹوں سے تھوڑی دیر کے لئے اپنی پریشانیاں پس پشت جاپڑتی تھیں لیکن اس کی زندگی کے لئے' اس کی پرورش کے لئے بھی کچھ چاہئے تھا لیکن صورت حال کچھ خراب ہی نظر آرہی تھی۔ کھیت جل کر تباہ ہوگئے اور سوکھے ڈنٹھلوں کے علاوہ ان میں کچھ نہ رہا۔ دور سے لکڑیاں کاٹ کر لائی جاتیں اور یہی سوکھی لکڑیاں زندگی کا سہارا بنی ہوتی تھیں۔ چنانچہ میں نے بھی رسی اور کلہاڑی لے کر دور دراز جنگلوں میں جانا شروع کردیا۔ لکڑیوں کا گٹھر سر پر لاد کر لاتا۔ اپنی بستی میں تو ان کی کھپت نہیں تھی۔ تھوڑے فاصلے پر موجود قصبے میں' اس قصبے میں جہاں کبھی مولوی ابراہیم صاحب کے ہاں ایک طالب علم کی حیثیت سے رہا تھا۔ اب لکڑیاں بیچنے جانا پڑتا تھا۔

اس دن آنکھ بہت صبح کھل گئی تھی آسمان پر ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ باہر احاطے میں آوارہ کتے گھاس پھونس اور کوڑے میں کھانے کے لئے کچھ چیزیں تلاش کر رہے تھے۔ دن کا اجالا پھیلنے والا تھا' دور اور پاس کے مرغوں کی اذانیں دینے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے چھت سے لٹکے ہوئے پنگھوڑے کی طرف دیکھا جس میں ہماری ننھی سی خوشی سو رہی تھی۔ طارق پنگھوڑے میں جاگ رہا تھا اس کے ننھے منے ہاتھ پاؤں ہل رہے تھے۔ جس سے جھولے میں ہلکی ہلکی لرزش ہو رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور دور سے آتی ہوئی مرغوں کی آواز سننے لگا۔

گاؤں میں رہنے والے علی الصبح جاگ جانے کے عادی تھے اور زندگی کا آغاز سورج نکلنے سے پہلے ہوجاتا تھا۔ ابھی میں کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ رشیدہ انگڑائی لے کر جاگ اٹھی اور پھر وہ بچے کے قریب پہنچ گئی اس نے مسکراتی نگاہوں سے بچے کو دیکھا اور پھر اس سے باتیں کرنے لگی۔ ماں کی مامتا کو میں عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ذہن میں

بے شمار خیالات ابھر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد رشیدہ باورچی خانے میں چلی گئی اور اس نے راکھ کرید کر چولہے میں سے دبا ہوا اوپلا نکالا اور اسے ہوا دینے لگی پھر اس نے گوبر کے سوکھے ہوئے کنڈے اس اوپلے پر رکھ دیئے اور ہلکا ہلکا دھواں فضا میں پھیلنے لگا۔
میں نے بھی اب اٹھ جانا مناسب سمجھا تھا کیونکہ جلد ہی ضرورت سے فارغ ہوکر جنگل نکل جانا تھا۔ صبح ہی صبح ذرا ٹھیک سے کام ہوجایا کرتا تھا میں باہر نکل آیا۔ صبح صادق کا نظارہ بہت حسین تھا پو پھٹ رہی تھی اور روشنی آہستہ آہستہ چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ بہت دور سورج کا گولا بلند ہو رہا تھا۔ جانوروں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔
تھوڑی دیر کے بعد میں واپس آگیا۔ روٹی پکنے کی بو چولہے سے آرہی تھی میں منہ ہاتھ دھونے کے لئے چلا گیا۔ واپس آیا تو رشیدہ روٹیاں پکا چکی تھی اور لمبے سیاہ بالوں میں کنگھی کرکے انہیں دو چوٹیوں میں گوندھ رہی تھی۔ اس کام سے فارغ ہوکر اس نے روٹی اور چائے میرے سامنے رکھ دی۔ چائے سے روٹی کھاکر فارغ ہوا تو میری نگاہیں جھولے کی طرف اٹھ گئیں ننھا طارق جھولے کی جالی سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً مجھے اس کے چہرے میں کوئی تبدیلی نظر آئی گورے رنگ کا یہ بچہ یوں تو سرخ وسفید تھا ہی لیکن اس وقت اس کا چہرہ زیادہ ہی سرخ لگ رہا تھا میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گیا اور پھر میں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اس کی پیشانی جل رہی تھی۔ میں تڑپ گیا۔

"رشیدہ رشیدہ ادھر آؤ۔" میں نے متوحش لہجے میں کہا اور میری آواز کی لرزشیں محسوس کرکے رشیدہ جلدی سے میرے پاس پہنچ گئی۔

"پہلے تو نہیں تھا۔" رشیدہ نے چونک کر کہا اور طارق کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر وہ بری طرح پریشان ہوگئی۔ "اوہ خدا' اسے تو شدید بخار ہے۔ مگر اچانک ہی یہ سب کیسے ہوا؟" اس نے پریشان لہجے میں کہا۔ "پتہ نہیں' اچانک تو یہ سب کچھ نہیں ہوسکتا۔ رات کو یوں لگتا ہے جیسے اسے شدید سردی لگ گئی ہو۔"

"اس وقت' اس وقت جب میں صبح کو جاگی تھی اور میں نے اسے پیار کیا تھا تو میں نے محسوس بھی نہیں کیا تھا' یوں لگتا ہے جیسے اسے یہ بخار ابھی چڑھا ہے۔"

"اب کیا کروں؟ میں حکیم کے پاس جاتا ہوں۔ یقیناً وہ کوئی دوا دے دیں گے۔"

حکیم صاحب ابھی سو رہے تھے چنانچہ مجھے وہاں انتظار کرنا پڑا۔ باہر آئے' حال سنا اور کہنے لگے۔ "دوا دیئے دیتا ہوں ناصر میاں' لیکن شاید تمہیں یاد نہیں کہ پچھلے پیسے بھی کافی ہوگئے ہیں تم پر۔" ان کے انداز میں سرد مہری تھی۔

"آپ جانتے ہیں حکیم صاحب کہ اس بار فصلیں تباہ ہوگئی ہیں۔ اس پریشانی میں آپ کے قرض کی ادائیگی نہیں کرسکا لیکن آپ اطمینان رکھیں تھوڑے پیسے کرکے آپ کا قرض چکا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" حکیم صاحب نے ناخوشگوار لہجے میں کہا گاؤں کا معاملہ تھا ورنہ شاید وہ مجھے پوری سنگدلی سے ٹال دیتے۔ بے دلی سے دی ہوئی دوا نے کچھ اثر نہ کیا۔ طارق کی بیماری کی وجہ سے لکڑیاں چیرنے بھی نہیں جاسکا تھا۔ دوپہر تک اس کا بخار شدید ہوگیا تھا اور اس پر غشی طاری ہوگئی۔ اس کے بعد تو ہماری کیفیت بے حد خراب ہوگئی۔ پاس پڑوس کے لوگ' بچے کی تیمارداری کے لئے آنے لگے لیکن گاؤں کے غریب ساتھی صرف تسلیاں دے سکتے تھے۔ حکیم صاحب کو گھر آنے کی توفیق نہ ہوئی۔ جب وہ لوگوں کے گھر جاتے تھے تو اس کی انہیں معقول فیس ملتی تھی لیکن میری طرف تو پہلے ہی ان کا کافی قرضہ تھا چنانچہ ہمت نہ پڑ سکی۔ رشیدہ نے مٹی کا گلہ توڑ کر تھوڑی سی ریزگاری نکالی اور میرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے بولی۔ "حکیم صاحب کی دوا سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پڑوسن خالہ کہہ رہی تھیں کہ نمونیے کا اثر ہے بچے کی ناک کے دونوں نتھنے پھول اور پچک رہے ہیں' شاید پسلی بھی چل رہی ہوگی۔ اس لئے ڈاکٹر کے پاس لے جانا ضروری ہے۔"

"تو پھر تیاری کرو قصبے ہی جانا ہوگا اور پیدل سفر کرنا ہوگا' ہم بچے کو ڈاکٹر کو ضرور دکھائیں گے۔" اور رشیدہ نے چادر اوڑھ لی بچے کو گود میں لیا اور ہم دونوں گاؤں سے باہر نکل آئے۔ دوپہر ڈھل چکی تھی قصبے کا فاصلہ کافی تھا آنے اور جانے میں ہی طویل وقت درکار تھا لیکن محبت کی آگ ہمیں ہر خطرے سے بے نیاز یہ سفر کرنے پر مجبور کرچکی تھی۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے ہم قصبے میں پہنچ گئے جہاں مکانوں کی بیرونی دیواریں پتھروں سے بنی ہوئی تھیں۔ مگر اندر ہرے بھرے لان تھے اور بعض خوبصورت مکانات میں ٹھنڈے پانی کے حوض بھی بنے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے مکانوں کے باغیچوں میں پنجروں کے اندر چڑیاں بھی بند تھیں اور سرخ وسفید پھول کھلے ہوئے تھے۔ ہم تیز رفتاری سے ڈاکٹر کے خوبصورت مکان کے سامنے پہنچ گئے جہاں سے زندگی کی خوشبو آرہی تھی۔ اس ڈاکٹر کے بارے میں بڑی عجیب وغریب داستانیں سنی تھیں۔ ایک بار مجھے اس سے ملاقات کا موقع بھی ملا تھا یہ اس وقت کی بات ہے جب میرے والد صاحب بیمار تھے۔ ڈاکٹر کا کمرہ جس کے باہر اس کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی بہت خوبصورت تھا۔ اس کے دروازے پر ایک لمبا چوڑا ملازم کھڑا رہتا تھا۔ اس نے مجھے اور رشیدہ کو دیکھا ہماری بوسیدہ حالی کو محسوس کیا اور پھر خشک لہجے میں بولا۔

"کیا بات ہے۔"

"میرے' میرے بچے کو شاید نمونیہ ہوگیا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب کے پاس دوسرے مریض بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں انہیں تمہارے بچے کے بارے میں جاکر بتاتا ہوں۔" ملازم نے کہا اور اندر چلا گیا۔ رشیدہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی اور وہ اس بات کے لئے بے قرار تھی کہ ڈاکٹر صاحب فوراً بچے کو دیکھ لیں۔ اسے ایسی دوا دیں جس سے اس کی بیماری یک لخت ختم ہوجائے۔ تھوڑی دیر کے بعد ملازم آیا مجھ سے کہنے لگا۔ "دیکھو بھئی تمہارا نمبر پانچواں ہے لیکن فیس کی رقم پہلے جمع کرادو۔ وہ اس طرف جو میز کے پیچھے لڑکا بیٹھا ہوا ہے اسے رقم دے کر پرچی حاصل کرلو۔" یہ سب سے خوفناک مرحلہ تھا میں اور رشیدہ پرچی حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھ گئے اور میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے لڑکے نے کہا۔ "چھ روپے۔" میں نے جیب میں پڑی ریزگاری کو دیکھا جو رشیدہ نے مٹی کا گلہ توڑ کر نکالی تھی اور جو کل ملا کر ڈیڑھ روپیہ بنتا تھا تب میں نے لڑکے سے کہا۔ "میں ڈیڑھ روپیہ ادا کرسکتا ہوں۔"

"کیا ہے بھائی یہ سبزی ترکاری والے کی دکان نہیں ہے۔ ڈاکٹر کی فیس چھ روپے ہے دواؤں کی قیمت الگ ہوگی۔ ڈیڑھ روپیہ جیب میں ڈال کر تم نمونیے کا علاج کرانے آئے ہو چلو بھاگو یہاں سے۔" میں نے بے بسی کی نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہنے لگا۔

"مگر بچہ بہت بیمار ہے میرے پاس اس سے زیادہ پیسے نہیں ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تمہارے لئے میں صرف دعا کرسکتا ہوں سب سے بڑے ڈاکٹر سے۔ خدا اسے صحت دے۔ میں بھی مجبور ہوں۔"

"مگر میں بہت دور سے آیا ہوں بڑا لمبا سفر طے کرکے آیا ہوں۔" میں نے عاجزی سے کہا۔

"بھیا میں نے کہا نا' میں کچھ نہیں کرسکتا اس سلسلے میں۔" ہم واپس اس کمرے کے سامنے آگئے جہاں ڈاکٹر صاحب کا وہ خشک رو چوکیدار کھڑا ہوا تھا۔ "پرچی لے آئے۔"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"وہ.......... فیس کے پیسے نہیں ہیں میرے پاس۔"

"تو پھر یہاں کیا کرنے آئے ہو۔ ڈاکٹر صاحب بغیر فیس کے کسی کو نہیں دیکھتے۔"

"سنو میں ڈاکٹر صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس پیسے نہیں اور بچہ

سخت بیمار ہے۔ ڈاکٹر صاحب ادھار بھی تو دیکھ سکتے ہیں۔ میں ان کی رقم ادا کردوں گا۔"

"واہ' یہ خوب کہی تم نے۔ یہاں بھی ادھار کرنا چاہتے ہو۔ جاؤ بھائی اپنا کام کرو۔ جاؤ۔" اس نے دوسری بار سخت لہجہ اختیار کیا اور میری آنکھوں میں خون اتر آیا لیکن رشیدہ نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "بچہ ویسے ہی بیمار ہے کوئی ایسی ویسی بات نہ کر بیٹھیں۔ ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے۔" میں نے رشیدہ سے اتفاق کیا تھا اور اس کے بعد ہم طارق کو لے کر واپس چل پڑے۔ ہمارے دل پتوں کی طرح کانپ رہے تھے کوئی چارہ کار نہیں تھا ہمارے پاس سوائے گھر واپس جانے کے۔ صبح کی روٹی کھائی ہوئی تھی لیکن بھوک نہیں لگ رہی تھی۔ ہم دونوں بیٹھ کر سوچنے لگے کہ اب کیا کیا جائے کسی سے قرض مانگنے کی کوشش کی جائے لیکن بستی میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو ضرورت سے زیادہ خوشحال ہو اور ہماری خواہش پوری کرسکے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ بڑے ڈاکٹر سے دعا مانگی جائے اور ہمارے دل سے دکھ بھری آوازیں نکلنے لگیں۔ بچے کو جھولے میں لٹا دیا گیا۔ رشیدہ نے اسے اچھی طرح ڈھک دیا تھا۔ رات تک ہم پریشان بیٹھے رہے۔ پڑوس کے لوگوں نے دوا کے بارے میں پوچھا۔ پوچھا کہ ڈاکٹر نے بچے کے بارے میں کیا کہا ہے اور ان سے جھوٹی باتیں کرکے انہیں ٹال دیا گیا۔ اپنے آپ کو رسوا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ رات عذاب کے عالم میں گزری صبح چار بجے کے قریب بچے کا بخار اتر گیا اور وہ کسی قدر پُرسکون نظر آنے لگا۔ یہ سکون ہمارے دلوں میں بھی اتر آیا تھا لیکن اس کے باوجود بچے کا علاج ضروری تھا۔ کسی نہ کسی طرح ڈاکٹر کی فیس ادا کرکے بچے کے لئے دوائیاں حاصل کرنی تھیں کہیں یہ موذی بخار اسے دوبارہ نہ دبوچ لے۔ شدید تھکن کا شکار تھا میں' لیکن میں نے رشیدہ سے کہا کہ جو کچھ گھر میں موجود ہے اسے تیار کرکے مجھے کچھ کھانے کے لئے دو تاکہ جنگل میں نکل جاؤں آج میں لکڑی کا بہت بڑا گٹھر کاٹ کر شہر میں بیچوں گا تاکہ ہم ڈاکٹر کی فیس کے لئے پیسے اکٹھے کرسکیں۔

☆======☆======☆

رشیدہ نے میری ہدایت پر عمل کیا اور اس وقت سورج نکلنے میں کافی وقت باقی تھا جب میں جنگل کی جانب چل پڑا۔ آس پاس میں موجود درختوں کی لکڑیاں کاٹی جاچکی تھی اور اب ان سوکھے ہوئے تنوں پر کلہاڑیاں چلانے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا لیکن اس کے لئے طویل وقت درکار تھا۔ چنانچہ میں نے ضروری سمجھا کہ کچھ اور دور نکل

جاؤں۔ یہ علاقے ہمارے شناسا تھے۔ بچپن سے لے کر آج تک کی عمران ہی علاقوں میں گزاری تھی۔ میں نے بائیں سمت کے اس میدانی علاقے کا رخ کیا جس کے کنارے سوکھے درختوں کی بہتات تھی اور اس خشک سالی نے تو یہ کام مزید آسان کردیا تھا۔ میں درختوں کی شاخیں کاٹنے لگا میں نے جوتے اتار کر ایک درخت کے تنے کے ساتھ رکھ دیئے تھے۔ شاخوں کا بڑا سا گٹھڑ دن کو دس بجے تک میں نے تیار کرلیا اور سب سے پہلے انہیں واپس لے کر چل پڑا۔ راستے میں میرے ساتھیوں نے یہ مستعدی دیکھی مجھ سے میرے بچے کی خیریت پوچھی اور یہ جان کر دکھی ہوئے کہ ابھی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ قصبے کا پہلا دکاندار میں تھا لکڑیوں کا پورا گٹھا تو ایک ساتھ نہ بک سکا لیکن تین گاہکوں میں' میں نے یہ لکڑیاں فروخت کردیں اور آٹھ روپے جیب میں ڈال کر واپس چل پڑا تاکہ اول وقت میں بچے کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں۔ جب میں گھر پہنچا تو رشیدہ خوش نظر آرہی تھی اس کی آنکھوں میں سکون کے آثار دیکھ کر میرے وجود کی ساری تھکن اتر گئی۔ میں نے بے اختیار طارق کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ اب وہ تقریباً ٹھیک ہے' دودھ پی چکا ہے اور جھولے میں پڑا کھیل رہا ہے۔ "کیوں نہ ہم ڈاکٹر کے پاس چلیں میں پیسے لے آیا ہوں۔"

"پڑوسی خالہ نے گڑ اور السی پیس کر بچے کو دی جس سے اسے کافی افاقہ نظر آتا ہے۔ بہتر یہ ہے ہم اس گھریلو دوا کا انتظام کرلیں۔ اگر یہی ہمیں فائدہ دیتی ہو تو کیا ضرورت ہے کہ اس بے ایمان ڈاکٹر کی خوشامدیں کرتے پھریں۔"

"جیسی تمہاری مرضی ذرا میں بھی تو اسے دیکھ لوں۔" اور قریب جاکر بچے کی پیشانی چھو کر دیکھی وہ مجھے دیکھ کر مسکرا دیا اور اس مسکراہٹ نے میرے بدن میں ہزاروں گنا توانائی پیدا کردی۔ میں نے رشیدہ سے کہا۔ "کیوں نہ میں جنگل کا ایک پھیرا اور لگالوں اس طرح آج میری آمدنی دگنی ہوجائے گی۔"

"نہیں ہم پچھلے دو دن سے جاگے ہوئے ہیں آرام کرو میں تمہارے پاؤں دھلا دوں۔"

یہ رشیدہ کی عادت تھی جب میں جنگل سے واپس آتا تو وہ لوٹا لے کر میرے پاؤں کے نزدیک بیٹھ جاتی اور انہیں اچھی طرح صاف کردیتی تھی۔ میں نے جوتے اتار کر ایک طرف سرکائے تو میرے جوتے کا ایک تلا ایک طرف الٹ گیا تب میں نے عجیب وغریب منظر دیکھا۔ چمڑے کے مضبوط سول والے جوتے میں لوہے کی کیلیں لگی ہوئی تھیں۔ جو گھس جانے کی وجہ سے خوب چمکتی تھیں لیکن اس وقت ان کیلوں سے کچھ کیلوں کی

چمک میں ایک نیا پن میں نے محسوس کیا۔ میں نے بے اختیار جوتے کو اٹھایا کیلوں کا رنگ سنہری تھا۔ میں نے اچھی طرح اپنے جوتوں کو دیکھا تھا۔ بھلا ان سے میں کس طرح ناواقف ہوتا۔ یہ میری مشکلات کے ساتھی تھے لیکن یہ سنہری کیلیں اجنبی تھیں۔ یقیناً یہ میں نے کہیں سے نہیں لگوائی تھیں۔ بات چونکا تعجب خیز تھی اس لئے پاؤں دھلوانا چھوڑ کر میں جوتے اٹھا کر اس کے تلے دیکھنے لگا پھر میں نے دوسرا جوتا بھی دیکھا اس میں بھی چند کیلیں سنہری رنگ کی تھیں۔ رشیدہ پانی کا لوٹا لے کر میرے پاس آ گئی تو میں نے جوتے کا تلا اسے دکھاتے ہوئے کہا۔

"ذرا دیکھو تو سہی اس جوتے کے تلے میں سنہری کیلیں کس نے لگائیں۔ میں نے تو اس سے پہلے اس میں ایسی کیلیں کبھی نہیں دیکھیں۔" رشیدہ کو بھی اس بات پر حیرت ہوئی۔ وہ غور سے ان کیلوں کو دیکھنے لگیں۔ ایڑی کے نزدیک ایک کیل ذرا اوپر نکلی ہوئی تھی اس نے اسے پکڑ کر کھینچا تو کیل باہر نکل آئی۔ اس کا اوپر والا سرا گھس چکا تھا صرف لمبی سی شکل میں رہ گئی تھی۔ رشیدہ اسے ہتھیلی پر رکھ کر دیکھنے لگی۔ نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ پھر وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور دور رکھی ہوئی سل کے پاس پہنچ گئی۔ سل کے پتھر پر اس نے اس کیل کو گھس کر دیکھا اور اس کے منہ سے حیرت بھری آواز نکلی۔

"دیکھو تو سہی یہ تو سونے کی معلوم ہوتی ہے۔" میرے منہ سے قہقہہ نکل گیا۔

"سونے کی کیل۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "واہ بھئی تم خواب دیکھتی ہو۔ میرے جوتے میں سونے کی کیلیں لگی ہوئی ہیں اور میرے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے ایک مقروض انسان ہوں میں۔"

"میں سچ بتاتی ہوں تمہیں، اس طرح گھس کر دیکھنے کا طریقہ ایک بار میرے ماموں نے بتایا تھا۔ وہ سونے کا کاروبار کرتے تھے۔" میں نے کیل رشیدہ کے ہاتھ سے لے لی اور پھر اسے گھسا کر دیکھا اور پھر مجھے بھی یہی احساس ہوا کہ کیل سونے کی ہے۔ میں نے جوتے میں لگی ہوئی کیلوں کو دیکھا ان کی تعداد آٹھ یا نو تھی۔ چنانچہ میں نے ان میں سے کئی کیلیں کوشش کر کے باہر نکال لیں پتہ نہیں کیوں میرے ذہن کو بھی یہی شبہ ہو گیا تھا کہ یہ کیلیں سونے کی ہیں۔ ان کی پرکھ کے لئے مجھے محمد دین سنار کے پاس جانا تھا محمد دین کی دکان پر اس وقت گاؤں کے بزرگ چوہدری ارشاد بھی بیٹھے ہوئے تھے ان کی ساری زندگی کیمیاگری کے شوق میں گزر گئی تھی۔ اس وقت بھی وہ یہی گفتگو کر رہے تھے۔

"بس کیا کروں محمد دین ہمیشہ بس ایک تاؤ کی کسر رہ جاتی ہے ورنہ یہ سمجھ لو کہ سونا

تو بنا ہی بنا۔" مجھے دیکھ کر محمد دین نے کہا۔ "ارے ہاں ناصر تمہارا بیٹا کیسا ہے بھئی؟ اس کی بیماری کی خبر سنی تھی سوچا تھا دکان بند کر کے دیکھنے آؤں گا۔"

"خدا کے فضل سے اب اس کی طبیعت ٹھیک ہے۔ ذرا دیکھیں محمد دین چاچا ان کیلوں کے بارے میں مجھے بتائیے۔" چچا دین محمد نے کیلیں میری ہتھیلی سے اٹھائیں انہیں کسوٹی سے لگایا اور تعجب خیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔ "یہ کیلیں، یہ کیلیں تو سونے کی ہیں، کہاں سے ملیں تمہیں، کہاں سے آئیں تمہارے پاس۔"

"سونا؟" چوہدری ارشاد بری طرح اچھل پڑے۔ انہوں نے بھی ایک کیل لے کر آنکھوں کے قریب کر کے دیکھا اور پھر ان کی سانس پھولنے لگی۔ "یہ کیلیں، یہ کیلیں تو یوں لگتا ہے جیسے جوتوں سے نکالی گئی ہوں۔ جوتوں میں سونے کی کیلیں کیا قصہ ہے ناصر میاں۔"

"آپ کو یقین ہے محمد دین چچا کہ کیلیں سونے کی ہیں۔"

"تم اگر چاہو تو انہیں میرے ہاتھ بیچ سکتے ہو۔ میں تمہیں ان کے بیس روپے دے سکتا ہوں۔"

"تو دے دیجئے.........." میں بولا اور محمد دین چچا نے کیلیں میرے ہاتھ سے لے کر بیس روپے میری ہتھیلی پر رکھ دیئے اور کہنے لگے۔ "اگر اور بھی ایسی کیلیں تمہارے پاس ہوں تو یہاں لے آنا۔ میں انہیں خرید لوں گا۔" میرے پورے بدن میں سنسنی ہو رہی تھی۔ میں اس حیرت انگیز واقعہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ چوہدری ارشاد میرے پیچھے چلے آئے۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

فرمایئے چوہدری چچا!" میں نے کہا۔

"یہ کیلیں تم نے یقیناً اپنے جوتوں سے نکالی ہیں اور شاید تم اس بات کو نہیں جانتے کہ اس قسم کے واقعات صرف پارس پتھر کی وجہ سے ہو سکتے ہیں تمہارے ہاتھ کہیں سے پارس لگ گیا ہے۔" میرے ذہن میں چھناکہ سا ہوا۔ پارس، میں نے بھی اس کی داستانیں کہانیوں کے طور پر سنی تھیں۔ ایک لکڑہارے کا واقعہ بھی سنا تھا۔ جس کے جوتے کی کیلیں اس طرح سونے کی ہو گئی تھیں اور اسے پارس پتھر مل گیا تھا میں نے ارشاد چچا کی طرف دیکھ کر آہستہ سے گردن ہلائی۔ "ہاں، ارشاد چچا مجھے پارس پتھر مل گیا ہے۔"

"آہ، تب تو تم گاؤں کے سب سے دولت مند انسان بن گئے۔ ذرا مجھے بھی ایک جھلک دکھا دو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ پارس پتھر کی شکل کیا ہوتی ہے۔"

"نہیں چچا میں معافی چاہتا ہوں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا اور تیز تیز قدموں سے وہاں سے آگے بڑھ آیا لیکن چچا ارشاد کے الفاظ میرے ذہن میں شدت سے چکرا رہے تھے۔ میں نے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ پارس پتھر نے کہاں میرے جوتوں کو چھوا! اپنے ذہن میں پورے دن کی مصروفیات کے وہ تمام واقعات تازہ کئے جو مجھ پر گزرے تھے اور پھر میں گھر جانے کے بجائے اس طرف چل پڑا جہاں میں نے جنگل سے لکڑیاں کاٹی تھیں۔ ایک ایک جگہ مجھے یاد تھی۔ میں نے جوتے ایک درخت کے تنے کے نیچے رکھے تھے اور اس کے بعد فلاں فلاں راستے سے ہو کر گزرا تھا۔ فلاں راستے سے آیا تھا۔ سب سے پہلے میں نے درخت کے قریب جا کر دیکھا تنے میں کچھ پتھر بکھرے ہوئے تھے انہی میں وہ پتھر بھی موجود تھا جو دوسرے پتھروں سے ذرا مختلف تھا اس کی ساخت بتاتی تھی کہ وہ عام پتھر نہیں ہے لیکن میں نے اس کا تجربہ کر کے بھی دیکھ لیا۔ میں نے جوتوں کی ان کیلوں کو اس پتھر سے رگڑا جو ابھی تک لوہے کی بنی ہوئی تھی اور ان میں سنہری پن پیدا ہوتا چلا گیا۔ میری آنکھیں فرط مسرت سے پھیل گئیں۔ یہی پارس پتھر تھا۔ پہلے تو وہ میرے قبضے میں نہیں تھا لیکن اب میں اس پتھر کا مالک تھا۔ بڑی احتیاط کے ساتھ میں راستے طے کرتا ہوا گھر پہنچا۔ پتھر میں نے اپنے سینے کے قریب چھپا رکھا تھا۔ گھر کے سامنے سب سے پہلے میری ملاقات اپنے پڑوس کے ایک بزرگ سے ہوئی۔ بڑی نیازمندی سے میرے قریب آئے اور کہنے لگے۔

"سنا ہے میاں تمہیں پارس پتھر مل گیا ہے۔" چوہدری ارشاد بتا رہے تھے کہ تم نے سونے کی کچھ کیلیں دین محمد کے ہاتھوں فروخت کی ہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے بیٹے' میں تو کہتا ہوں کہ یہ پورے گاؤں کے لئے مسرت کی بات ہے کہ تم جیسا جوان اپنے مصیبت کے دور سے نکل آیا ہے۔ میرے لائق جو بھی خدمت ہو مجھے بتا دینا' تمہاری مدد کر کے مجھے خوشی ہوگی۔" میں اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ کئی دوسری عورتیں طارق کے گرد جمع ہیں۔ میں نے گھبرا کر رشیدہ سے طارق کی خیریت پوچھی تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں کوئی خاص بات نہیں' پڑوسن خالہ منے کے لئے کچھ چیزیں لے کر آئی تھیں بے چاری بڑی متفکر ہیں اس کے لئے۔"

"پریشان تو ہم بھی کم نہیں ہیں بی بی! خدا نے تمہیں پہلا بیٹا دیا ہے اس کی زندگی کی دعائیں ہم سب نے بڑی گڑگڑا کر مانگی ہیں۔" سب کے لہجے بدلے ہوئے تھے۔ سب کے انداز میں ایک تبدیلی نمایاں تھی' اور میرا ذہن ان تبدیلیوں کو محسوس کر رہا تھا۔ جب لوگوں سے نجات ملی تو رشیدہ نے مجھ سے پوچھا۔ "کیا یہ حقیقت ہے کہ وہ کیلیں سونے کی

تھیں۔"

"اور ہاں یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمیں پارس پتھر مل گیا ہے۔" رشیدہ کی مسرتوں کی انتہا نہ رہی۔ اس کے علاوہ بھلا میں پارس پتھر کسی اور کو کیسے دکھا سکتا تھا۔ اس نے حیرت و مسرت سے اسے دیکھا اور کہنے لگی۔

"اب تو ہمارے دن پھر جائیں گے ہم ایک خوبصورت سا پکا مکان بنوائیں گے۔ جس پر چھت بھی پتھروں کی ہوگی' اس مکان کے آگے ہم ایک باغیچہ بھی لگوائیں گے جہاں منے طارق کے کھیلنے کے لئے بہت سی چیزوں کا بندوبست کیا جائے گا اور سنو! میرے لئے کچھ زیورات بھی ضرور بنوا دینا مجھے بڑی خواہش ہے۔"

"ساری تکلیفیں دور ہو جائیں گی رشیدہ بس یوں سمجھ لو کہ ہم امیر ترین بن جائیں گے۔" میں نے جواب دیا۔ یہ رات بھی سونے کی رات نہیں تھی چند کیلیں بیس روپے میں فروخت ہوگئی تھیں اگر اسی انداز سے بھی سونا تیار کر کے محمد دین کے ہاتھوں بیچا جاتا رہا تو وہ دن دور نہیں تھا کہ جب ہمارے پاس عالیشان گھر ہوگا۔

میں اور رشیدہ ساری رات یہی گفتگو کرتے رہے۔ چوہدری ارشاد نے اس پتھر کی کافی شہرت کر ڈالی تھی ایک کے بعد ایک شخص دن کی روشنی میں آ کر مجھ سے ملتا رہا۔ بات یہیں تک محدود نہ رہی۔ پہنچانے والوں نے یہ داستان قصبے والوں تک پہنچا دی اور ہر شخص اپنے اپنے طور پر سوچنے لگا۔

مجھے تو حیرت اس وقت ہوئی جب دن کو بارہ بجے کسی نے آ کر اطلاع دی کہ ڈاکٹر صاحب منے کو دیکھنے کے لئے آ رہے ہیں۔ "ارے' انہیں کس نے بلایا۔" میں نے چونک کر کہا لیکن مجھے اس بات کا کوئی جواب نہیں ملا۔ ڈاکٹر صاحب اپنے ملازم کے ساتھ میرے پاس پہنچ گئے۔

"بھئی ناصر۔ سنا تھا تم اپنے بچے کو لے کر میرے کلینک پر آئے تھے یہ اتنے نامعقول لوگ ہیں کہ قدیم رشتوں اور روایات کا کوئی خیال نہیں کرتے۔ میں نے تو اس شخص سے کہہ دیا کہ اب میں اسے نوکری پر نہیں رکھ سکتا۔ ناصر جیسے آدمی کو اس نے مایوس واپس لوٹا دیا۔ صرف چند روپوں کے عوض۔"

"شکریہ ڈاکٹر صاحب۔ طارق اب بالکل ٹھیک ہے۔"

"نہیں بھئی ڈاکٹر میں ہوں یا تم یہ بات تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ نمونیے کا اثر اتنی جلد ختم ہوگیا ہے' نمونیے میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ اندر چلا جاتا ہے۔ بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مریض بالکل ٹھیک ہوگیا لیکن درحقیقت یہ اندر ہی اندر پرورش پاتا

رہتا ہے اور اس کے بعد جب ابھرتا ہے تو مریض کی حالت بے حد خطرناک ہوجاتی ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ تم مجھے اسے دیکھ لینے دو۔" میں ڈاکٹر کی بات سن کر خوفزدہ ہوگیا حالانکہ اس کے لئے میرے دل میں شدید غصہ تھا لیکن اس غصے کی جگہ ڈر اور خوف نے لے لی کہیں واقعی سچ ہی نہ کہہ رہا ہو۔ چنانچہ میں نے طارق کو اس کے سامنے پیش کردیا۔ ڈاکٹر نے طارق کو دیکھا اور پھر گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"میں نے سچ ہی کہا تھا یہی بہتر ہے کہ اس کا باقاعدہ علاج ہوجائے۔" اس نے بچے کو ایک انجکشن دیا اور کہا کہ اس کی کیفیت سے اسے آگاہ رکھا جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ چلا گیا تو رشیدہ کہنے لگی۔

"بات تو سچی ہی تھی ڈاکٹر تک تو خبر ہی نہیں پہنچی تھی۔ اس کمبخت نے جو باہر میز پر بیٹھا ہوا تھا' اس نے ہمیں باہر ہی سے ٹال دیا تھا۔ اس میں بے چارے ڈاکٹر کا کیا قصور۔"

"ہاں تمہارا کہنا درست ہے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد میں رشیدہ کے ساتھ مل کر آئندہ کے منصوبے بنانے لگا۔

ہر تھوڑی دیر کے بعد کوئی نہ کوئی آجاتا تھا اور طرح طرح سے اپنی محبتیں پیش کرتا تھا سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ لوگوں کو اچانک مجھ سے ملنے کی بیماری کیوں ہوگئی ہے لیکن شام کو پانچ بجے کے قریب دفعتاً طارق کی حالت ایک دم خراب ہوگئی اس پر تشنج کی سی کیفیت طاری تھی اس کے منہ سے سفید لیس دار رطوبت بہہ رہی تھی۔ آن کی آن میں یہ خبر سارے گاؤں میں پھیل گئی کہ بچے کی حالت خراب ہوگئی ہے۔ سب لوگ جمع ہوگئے اور بغیر بلائے ہوئے ڈاکٹر بھی میرے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت کسی پر کوئی شبہ کرنے کا موقع نہیں تھا۔ ڈاکٹر نے بچے کی حالت دیکھی ایک شیشی سے دوا کے چند قطرے پلائے اور بچے کی حالت سنبھلنے لگی لیکن میرے ذہن میں ایک شک سا پیدا ہوگیا۔ ڈاکٹر کا اس طرح بروقت یہاں پہنچ جانا۔ اس وقت انجکشن دینا۔ کسی خاص واقعے کا اظہار کرتا تھا اور پھر وہ تقریباً دو گھنٹے رکا رہا بچے کی حالت اب بالکل ٹھیک ہوگئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"شکر ہے کہ بچہ اس خطرناک مرحلے سے نکل گیا جو درحقیقت نمونیے کے بعد پیدا ہوجاتا ہے میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔"

"شکریہ ڈاکٹر صاحب۔ اب اس کی حالت خطرے میں تو نہیں ہے؟"

"یہ میری ذمے داری ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اب یہ ہر تکلیف سے بے نیاز ہوگیا۔

میں اس کا مستقل معالج ہوں لیکن میری فیس کا خیال رکھنا۔"

"آپ فکر نہ کریں میں آپ کو اصل فیس سے کہیں زیادہ دوں گا۔"

"سنا ہے کہ تمہیں پارس پتھر مل گیا ہے۔" ڈاکٹر نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں ڈاکٹر صاحب۔ یہ خبر واقعی بڑی دور دور تک پھیل گئی ہے آپ تک بھی پہنچ گئی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھئی تم ایک سیدھے سادے دیہاتی ہو۔ ان نزاکتوں کو نہیں سمجھ سکتے جو ایسی باتوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم اس پتھر کی حفاظت کا معقول بندوبست کردو۔ میں اپنی خدمات اس سلسلے میں پیش کرنے کے لئے تیار ہوں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تمہیں دولت مند بننے کے لئے میرے مشوروں کی اشد ضرورت ہے۔ یوں کرو کہ ہم تم مل کر باقاعدہ سونے کا کاروبار کریں۔ میں تمہیں وہ طریقہ بتاؤں گا جس سے تم سونے کو صحیح جگہ فروخت کرسکتے ہو۔"

"میں آپ سے ملاقات کروں گا ڈاکٹر صاحب آپ اطمینان رکھیں۔" ڈاکٹر بڑے غور سے مجھے سر سے پاؤں تک آنکھوں ہی آنکھوں میں ٹٹول رہا تھا۔ وہ شاید یہ اندازہ لگانے کی کوشش کررہا تھا کہ میں نے پارس پتھر کہاں محفوظ کر رکھا ہے لیکن میں کچی گولیاں نہیں کھیلے ہوئے تھا۔ ڈاکٹر کو رخصت کرنے کے بعد میرے ذہن میں کچھ عجیب سے احساسات جاگنے لگے۔ ڈاکٹر کی آمد بے مقصد نہیں تھی۔ بچے کو اس نے جو انجکشن دیا تھا وہ غلط بھی ہوسکتا تھا کہیں یہ ساری چیزیں میرے لئے خطرہ نہ بن جائیں۔ رشیدہ کے مشورے سے میں نے پارس پتھر جھونپڑی کی چھت میں ایسی جگہ محفوظ کردیا جہاں سے وہ کسی کو نظر نہ آسکے۔ رات ہوئی تو مسجد کے مؤذن دو آدمیوں کے ساتھ میرے پاس پہنچ گئے انہوں نے کہا۔

"سنا ہے خداوند عالم نے تمہیں دولت بے بہا سے نوازا ہے' مسجد کی تعمیر میں بڑی کمی رہ گئی ہے۔ کوئی مخیر آدمی ہی اس تعمیر کو مکمل کرسکتا ہے چنانچہ اس کی ذمہ داری تم خود ہی کیوں نہ لو۔"

"آپ اطمینان رکھیں میں حسب حیثیت اس کی تعمیر میں حصہ ضرور لوں گا۔ بس ذرا مجھے اپنا کام مکمل کرلینے دیں۔" میں نے کہا اور مؤذن صاحب مجھے دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے۔ میں گھر کے دروازے میں جاکر کھڑا ہوا نہ جانے کیسے کیسے احساسات میرے ذہن میں آرہے تھے رشیدہ بھی مجھ سے متفق تھی رات کو وہ بچے کو جھولے میں

ڈالنے کے بجائے اپنے پہلو میں لٹا کر سو گئی لیکن نیند میری آنکھوں سے دور تھی۔ لمحہ بہ لمحہ میرے سینے میں یہ احساس جاگتا رہا تھا کہ صورت حال کچھ خراب ہو گئی ہے اور یہ ہوس پرست میرے اردگرد منڈلانے لگے ہیں۔ رات آدھی کے قریب گزر چکی تھی کہ دفعتاً اپنی جھونپڑی کے احاطے میں کچھ آہٹیں محسوس ہوئیں۔ میں چونک کر اٹھ بیٹھا۔ رات کے اس پہر جھونپڑی کے اس حصے میں کون آسکتا تھا' میں نے ایک موٹی لکڑی اٹھائی اور تیزی سے باہر نکل آیا۔ تب میں نے اس شخص کو دیکھا جو جھونپڑی کے احاطے کے ساتھ ساتھ کدال سے زمین کھود رہا تھا۔ دوسرے لمحے میں للکار کر اس پر پل پڑا لیکن لکڑی کا وار خالی ہو گیا۔ دیوار کھودنے والا کدال پھینک کر بھاگ نکلا لیکن عقب سے اسی وقت اس کے کسی ساتھی نے میرے سر پر شدید ضرب لگائی اور میرا سر درد کی شدت سے پھٹنے لگا۔ رشیدہ میری تیز چیخ سن کر باہر نکل آئی تھی۔ اس نے لالٹین جلائی اور روشنی لے کر میرے قریب پہنچ گئی۔ میرے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے بے اختیار چیخ کر میرے سر کے زخمی حصہ کو دبالیا اور اپنا دوپٹہ اس پر کس دیا۔ وہ بدحواس ہو گئی تھی اس نے پڑوسیوں کو بلانے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا۔

"نہیں رشیدہ اس کی ضرورت نہیں ہے' بات کا بتنگڑ بنانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے میں سمجھتا ہوں یہ سب کیا تھا۔"

"کیا تھا؟" اس نے متوحش لہجے میں کہا۔

"پارس پتھر۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ ہمارے اردگرد دشمنوں کی فوج پھیل گئی ہے' خدا کے لئے لعنت بھیجو اس پارس پتھر پر۔ یہ منحوس ہے' ہمیں ہمارے بچے کی زندگی مل گئی ڈاکٹر نے یقیناً اسے غلط انجکشن دیا تھا۔ ہم کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے یہ پتھر ہمیں تباہ برباد کر دے گا.......... میں.......... میں اس کے ذریعے دولت حاصل کرنا نہیں چاہتی۔"

"بیوقوف ہو گئی ہو تم' ایسے مواقع روز روز کہاں ہاتھ آتے ہیں۔ تم سمجھ نہیں رہی ہو رشیدہ' میں اس پتھر کے ذریعے سونا تیار کروں گا' ہمیں اس گاؤں میں رہنے کی ضرورت بھی نہیں۔ اگر ہم یہاں رہیں گے تو مضبوط اور طاقتور انسان بن کر رہیں گے۔ میں طارق کو قصبے سے مڈل تک تعلیم دلاؤں گا اور پھر اسے شہر بھیج کر اس کی تعلیم مکمل کراؤں گا۔ تم فکر نہ کرو میں ان تمام حالات سے نمٹ سکتا ہوں۔ میں کل ہی سے سونا تیار کر کے فروخت کرنا شروع کر دوں گا۔"

اپنی جگہ سے ہٹ کر میں نے پارس پتھر جھونپڑی کی چھت سے نکالا اور اس میں اپنے شاندار مستقبل کو دیکھنے لگا۔ زخم کی تکلیف کہیں دور چلی گئی تھی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ رشیدہ بھی مطمئن ہو گئی۔ سنہرا مستقبل کسے عزیز نہیں ہوتا۔ ہم لوگ اس حادثے کے باوجود غیر مطمئن نہیں تھے۔ میں نے اور رشیدہ نے مل کر طے کیا کہ ہم تھوڑا تھوڑا سونا بنا کر فروخت کریں گے تاکہ کسی بڑے عذاب میں نہ پھنس جائیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم اس پارس پتھر کو محفوظ رکھیں گے۔ سونا بنانے کے لئے ہم نے لوہے کے ایک ایسے ٹکڑے کا انتخاب کیا جو ہل بنانے کے کام آتا تھا اور کافی دن سے ٹوٹا ہوا زنگ آلود پڑا ہوا تھا۔

صبح ہونے سے قبل ہم نے پارس پتھر کا تجربہ کیا' رشیدہ نے لوہے کے اس ٹکڑے کو اچھی طرح گھس کر صاف کیا اور چمکایا اور اس کے بعد میں ہاتھوں سے پارس پتھر لوہے کے اس ٹکڑے پر رگڑنے لگا۔ ٹکڑے کی رنگت تبدیل ہوتی جا رہی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد ایک جگمگاتا ہوا سونے کا وزنی ٹکڑا ہمارے ہاتھ میں تھا جسے پتھر کی سل پر گھس کر دیکھا گیا تو اس کے خواص بالکل سونے کے سے تھے۔ یہ ایک خواب تھا۔ ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم لوگ جاگ نہیں رہے بلکہ سو رہے ہوں۔ اس بات پر یقین نہیں آتا تھا کہ ہمیں قدرت کی طرف سے اتنی بڑی دولت مل گئی ہے رشیدہ نے کہا۔ "کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم سونے کے اس ٹکڑے کو کسی بڑے شہر لے جا کر فروخت کرو۔"

"نہیں اتنا سونا قصبے کے جوہری خرید سکتے ہیں۔ جب ہم سونے کی زیادہ مقدار فروخت کرنے کے لئے نکلیں گے تو شہر کا رخ کریں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے کل میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" رشیدہ نے کہا اور میں نے اس کی بات پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ صبح کو ہم سونے کے اس ٹکڑے کو چھپائے ہوئے خاموشی سے باہر نکلے۔ لوگوں کا ہجوم پھر ہمارے مکان کے سامنے ہو گیا تھا۔ ہر شخص اپنی اپنی بات کر رہا تھا۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ تم ایک دولت بے بہا ہاتھ آجانے کے بعد ابھی تک خاموش کیوں بیٹھے ہوئے ہو دولت کے انبار لگاؤ اس گاؤں اور اس کی شکل ہی بدل ڈالو۔ کوئی کچھ کہہ رہا تھا کوئی کچھ۔ مسجد کے مؤذن صاحب جو اس وقت صرف آرام کرتے تھے' وقت نکال کر میرے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔

"کیا تم کہیں باہر جا رہے ہو' کیا مقصد ہے۔ میں تمہیں صرف یہ یاد دلانے آیا تھا کہ مسجد کی تعمیر کے لئے رقم جس قدر جلد ہو ادا کرو۔"

"میں ابھی تمام کام سکون سے کروں گا فی الحال مجھے صرف بچے کی صحت کی فکر

ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ تو کیا تم جا رہے ہو؟" مولوی صاحب نے پوچھا۔ ہاں میں نے کہا۔ لوگوں نے ہمارے ساتھ آنے کی کوشش کی' لیکن بھلا ان سب کی کیا ضرورت تھی۔ قصبے کے لوگوں میں اور خاص طور سے سونے کا کام کرنے والوں میں یہ افواہ پھیل چکی تھی کہ ایک گاؤں میں ایک شخص کے پاس پارس پتھر موجود ہے اور ممکن ہے وہ سونا ان کے ہاتھوں میں فروخت کرنے کی کوشش کرے۔ وہ شاید ہمارے انتظار ہی میں تھے۔ یہ ایک ہندو جوہری تھا جسے میں نے سب سے پہلے سونے کا ٹکڑا دکھایا۔ اس نے شاید مجھے پہچان لیا تھا' کیونکہ وہ مجھے دیکھ کر چونکا تھا' لیکن اس نے اس بات کا اظہار نہ کیا کہ وہ میرا شناسا ہے سونے کے ٹکڑے کو ہاتھ میں لے کر اس نے بڑا عجیب سا منہ بنایا اور پھر اسے کسوٹی پر گھس کر دیکھنے لگا پھر وہ عجیب سے انداز میں بولا۔

"ارے میاں کس نے کہا تم سے کہ یہ سونا ہے' اس کی رنگت سونے کی مانند ضرور ہے مگر ہم اسے دس فیصد بھی سونا نہیں کہہ سکتے' آخر یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟"

"یہ سونا ہے۔ اگر تمہیں اس بات کا یقین نہیں ہے تو رہنے دو' میں کسی اور کے ہاتھ اسے فروخت کردوں گا۔" میں نے کہا۔

"تمہاری مرضی ہے۔ دکھالو دوسرے لوگوں کو بھی دکھالو۔" تھوڑے فاصلے پر سنار کی ایک اور دکان تھی۔ میں نے سونے کا ٹکڑا اس کے سامنے پیش کیا تو وہ گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے بولا۔ "کس نے تم سے کہا کہ یہ سونا ہے' اس میں سونے کا عنصر ضرور پایا جاتا ہے' لیکن ہم اسے خالص سونا نہیں کہہ سکتے' میں زیادہ سے زیادہ تمہیں اس کے سو روپے دے سکتا ہوں۔"

"اتنے بڑے سونے کے ٹکڑے کے صرف سو روپے۔ نہیں ہرگز نہیں' میں اسے تمہارے ہاتھ فروخت نہیں کروں گا۔ جب میں رشیدہ کے لئے زیور بنوایا تھا تو اس سے کہیں کم سونا چار سو روپے میں مجھے دستیاب ہوسکا تھا اور تم اتنے زیادہ سونے کی قیمت صرف سو روپے لگا رہے ہو میں جانتا ہوں یہ تمہاری سازش ہے۔ بہرحال کوئی بات نہیں میں کسی اور کو دکھاتا ہوں۔"

سونے کے اس ٹکڑے کو میں نے تین یا چار جگہ دکھایا' لیکن اس وقت مجھے شدید پریشانی ہوئی جب ہر شخص نے مجھ سے یہی بات کہی۔ یہاں آنا بے مقصد ہوگیا تھا' لیکن میں اس تکلیف کا کوئی نہ کوئی بدل چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے سونے کا یہ ٹکڑا سو روپے کے

عوض ایک سنار کو فروخت کردیا اور کچھ چیزیں لے کر واپس چل پڑا۔ راستے میں رشیدہ نے کہا میں جانتی ہوں یہ قصبہ زیادہ دور نہیں ہے گاؤں سے اس لئے یہاں کے لوگ جانتے ہیں کہ ہمیں مجبوراً سونا انہی کے ہاتھوں فروخت کرنا پڑے گا کیوں نہ تم ایسا کرو کہ زیادہ سونا تیار کرکے شہر چلے جاؤ اور وہاں جاکر یہ سونا فروخت کرو۔ میں پُرخیال انداز میں گردن ہلاتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور ہم اپنے گاؤں پہنچ گئے میں جانتا تھا کہ شہر تک کا فاصلہ بے حد زیادہ ہے' دریا کے اس پار سینکڑوں میل کے فاصلے پر شہر واقع تھا اور اس وقت جب مولوی ابراہیم یہ بات کہتے تھے کہ مجھے شہر جاکر تعلیم حاصل کرنا ہوگی تو میں سوچتا تھا کہ اپنے گاؤں اپنے لوگوں سے اتنے فاصلے پر جانے کے بعد میں واپس کیسے آجاؤں گا۔ اس وقت مجھے شہر سے بہت خوف آتا تھا۔ اپنا گاؤں اور زیادہ سے زیادہ قصبہ' بس یہی دو جگہیں میں نے دیکھی تھیں۔ شہر میرے لئے ایک نئی دنیا کی حیثیت رکھتا تھا لیکن میرے سامنے میرا خوبصورت مستقبل تھا۔ میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں مسجد کی تعمیر مکمل کراؤں' ایک خوبصورت گھر بنواؤں اور اپنے بچے کو تعلیم دلواؤں۔ اس لئے میں نے شہر جانے کا فیصلہ کیا۔

رات کو چوہدری ارشاد میرے پاس پہنچ گئے اور ان کے ساتھ محمد دین سنار بھی تھا۔ اس نے آکر مجھ سے میرے قصبے جانے کی بات پوچھی اور یہ بھی کہا کہ اسے علم ہے کہ میں سونا فروخت کرنے کے لئے قصبہ گیا تھا۔ تب میں نے اسے بتایا کہ سونے کا اتنا بڑا ٹکڑا صرف سو روپے کے عوض بکا ہے' محمد دین کا منہ بگڑ گیا کہنے لگا۔

"ہاں ٹھیک تو ہے' غیروں کے ہاتھوں لوگ آسانی سے دھوکہ کھالیتے ہیں۔ میں اگر اتنے سونے کی اتنی کم قیمت لگاتا تو تم یہی سوچتے کہ میں نے تمہیں دھوکہ دیا ہے۔"

ٹھیک ہے جو ہونا تھا وہ ہوگیا لیکن اب میں نے اس کے لئے ایک اور حل سوچا ہے۔"

"وہ کیا؟" چوہدری صاحب نے پوچھا۔

"میں نے سوچ لیا ہے کہ اب ان کے ہاتھوں دھوکہ نہیں کھاؤں گا بلکہ شہر جاکر سونا فروخت کروں گا۔"

"خدا تمہیں آفتوں سے محفوظ رکھے۔" چوہدری ارشاد نے بزرگانہ انداز میں کہا اور اس کے بعد وہ چلے گئے' ان کے چہروں پر عجیب سے تاثرات تھے۔ ان کے جانے کے بعد میں ان تمام حالات پر غور کرتا رہا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے اردگرد دشمنوں کا شہر آباد ہوگیا ہے۔ رشیدہ بھی یہ بات اچھی طرح جانتی تھی لیکن ہم کچھ کر نہیں

سکتے تھے۔ پریشانیاں ہمارے چاروں طرف منہ کھول کر کھڑی ہوگئی تھیں اب ہمارے پاس پیسے تھے لیکن ہم کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ ہمیں ہر لحہ اس خوف کا احساس رہتا تھا کہ کون ہمارے خلاف کیا کر رہا ہے۔ اور یہ احساس غلط نہیں تھا۔ میں نے لکڑیاں کاٹنے کے لئے جنگل جانا چھوڑ دیا تھا۔ اب اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے پاس دو سو کے قریب روپے موجود تھے۔ زمین کے اس قطعے کو آباد کرنے کی ضرورت بھی مجھے پیش نہ آئی اور نہ ہی بارش ہونے کا کوئی احساس تھا۔ میں تو بس یہ سوچتا رہتا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اس شام جھٹپٹے میں' میں کھیتوں کے کنارے آرہا تھا کہ دفعتاً درخت کی آڑ سے کچھ لوگوں نے مجھ پر حملہ کردیا۔ میرے بازو بھی کمزور نہیں تھے۔ میں نے حملہ آوروں سے باقاعدہ لڑائی شروع کردی' لیکن میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ لوگ میرے جسم کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔ دفعتاً ان میں سے ایک نے مجھ پر چاقو کا وار کرنے کی کوشش کی۔ چاقو کی چمک میری آنکھوں میں لہرائی تو میں نے اس کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا اور اتنے زور سے اسے موڑا کہ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل گیا' لیکن عقب سے کسی نے میرے سر پر پتھر دے مارا۔ ایک بار زخم پر دوسری چوٹ پڑی تو میں تلملا کر رہ گیا لیکن حملہ آوروں سے میں نے اس طرح مقابلہ کیا کہ انہیں بھاگتے ہی بن پڑی۔ اتنی دیر میں لوگوں کو علم ہوگیا کہ میرے اوپر حملہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ گاؤں کے افراد جو میرے دوست احباب تھے دوڑتے ہوئے اس طرف آئے لیکن حملہ آور فرار ہوچکے تھے۔ میرے سر سے خون بہہ رہا تھا ذرا سی دیر میں رشیدہ بھی میرے پاس پہنچ گئی اس نے کپڑے سے خون صاف کیا اور کہنے لگی۔ "کیا تم نے حملہ آوروں کو پہچانا نہیں؟"

"نہیں وہ اندھیرے سے نکل کر آئے تھے۔ میں انہیں نہیں پہچان سکا۔" رشیدہ پریشان شکل بنائے میرے ساتھ جھونپڑی میں آگئی اس نے دلدوز لہجے میں کہا۔

"کچھ سوچو' کچھ کرو ہماری زندگی تلخ ہوگئی ہے ہر لحہ خوف کا احساس رہتا ہے کہ کہیں کوئی بری آفت نہ آجائے۔ ہمارا بچہ ہمارے دشمن اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ خدا کے لئے اس پارس پتھر سے نجات حاصل کرلو جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ ہمیں وہی زندگی عزیز ہے جو ہم گزار رہے تھے' کم از کم اس میں ہمارے دشمنوں کا تو کوئی دخل نہیں تھا۔ محنت مزدوری کرکے وہ سب کچھ تم خود کما سکتے ہو جو ہمیں سکون دے سکے۔"

"کیسی بات کرتی ہو' تمہارا خیال ہے کیا میں ان دشمنوں سے ہار مان لوں گا۔ ہرگز نہیں' میں ان کا مقابلہ کروں گا اور ان پر فتح حاصل کروں گا۔ ہم یہ موقع ہاتھ سے نہیں کھو سکتے' بہتر یہ ہوگا کہ اب ہم یہ گاؤں ہی چھوڑ دیں۔ ہم اس گاؤں میں واپس آئیں

گے' لیکن اس وقت جب ہمارے پاس بہت ساری دولت ہوگی اور اس دولت کے ذریعے ہم طاقت حاصل کریں گے۔ یقیناً تم اطمینان رکھو۔ میں اپنے دشمنوں سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہوں' میں مرد ہوں۔" میں نے سختی سے کہا اور رشیدہ یہ بات سن کر خاموش ہوگئی۔ "میں اول وقت میں یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں گا تمہیں بھی تیار رہنا چاہئے چلو اب آرام کرو میرے لئے کھانا وغیرہ لاؤ۔" رشیدہ نے کھانا میرے سامنے لگا دیا لیکن اس کے چہرے پر تفکر کی جھلکیاں میں صاف محسوس کر رہا تھا۔ کافی دیر تک ہم اس سلسلے میں گفتگو کرتے رہے اور پھر میں نے تسلیاں دے کر اسے سونے کو کہا۔ رشیدہ اپنے بچے کو سینے سے چمٹا کر جھونپڑی میں جا پڑی' لیکن میری راتوں کی نیندیں اب حرام ہوچکی تھیں۔ بظاہر میں اس طرح آنکھیں بند کرلیتا جیسے میں سو رہا ہوں لیکن درحقیقت میرے دل میں یہی خوف کروٹیں بدلتا رہتا کہ اب کون میرے خلاف کیا کر رہا ہے۔ اس وقت بھی یہی کیفیت تھی۔ میں اپنے دشمنوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو میری زندگی کے درپے تھے۔ میں نے سوچا میرے پاس کوئی ہتھیار ضرور ہونا چاہئے۔ نہ جانے کب کس وقت مجھے کسی دشمن سے مقابلہ کرنا پڑ جائے۔ میں نے رشیدہ سے بڑے غرور سے کہا تھا کہ میں مرد ہوں ہر طرح کے حالات سے مقابلہ کرسکتا ہوں۔ ان الفاظ کی لاج رکھنی ہے مجھے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ سینکڑوں میل دور شہر جاکر لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم ہوگا کہ میرے پاس پارس پتھر ہے۔ میں اطمینان سے کوئی گوشہ تلاش کروں گا رشیدہ اور بچہ میرے ساتھ ہوں گے پھر میں لوہے کو سونے میں تبدیل کروں گا اور آہستہ آہستہ دولت مند بن جاؤں گا۔ بلکہ کیا ضرورت ہے گاؤں آنے کی شہر میں رہائش کیا بری ہوگی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کبھی کسی مناسب وقت گاؤں کا چکر لگا لیا جائے۔ یہاں آکر میں مسجد کے مؤذن سے کہوں گا وہ مسجد کی تعمیر مکمل کرالیں جو کچھ خرچ ہوگا میں دوں گا۔ یہی مناسب ہے کیونکہ طارق کی تعلیم شہر میں آسانی سے پوری ہوسکتی ہے۔

میں اپنی جگہ سے اٹھا اور باورچی خانہ میں پہنچ گیا۔ سبزی کاٹنے کی چھری بہت لمبی اور عمدہ تھی۔ اس سے سبزی کے علاوہ بھی بہت کچھ کاٹا جاسکتا تھا۔ میں نے وہ چھری سنبھال کر اپنے لباس میں چھپالی۔ واپس پلٹ رہا تھا کہ دفعتاً صحن میں ایک سایہ نظر آیا اور میں سنبھل کر رک گیا میں نے چھری ہاتھ میں لے لی اور آگے بڑھ کر للکارا "کون ہے۔"

"میں ہوں۔" یہ آواز رشیدہ کی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"اور تم کیا کر رہے ہو؟"

"بس ٹہلتا ہوا ادھر نکل آیا تھا۔"

"ٹہلتے ہوئے؟"

"ہاں اور کیا؟" میں نے جواب دیا اور رشیدہ سامنے کھڑی مجھے دیکھتی رہی۔ پھر ایک سسکی لے کر بولی۔

"تمہارے سر کے زخم میں تکلیف ہو رہی ہوگی... مجھے یاد ہے میری تو ساری زندگی تمہاری سلامتی کے لئے دعائیں کرتے کرتے گزر گئی۔ اپنی پرانی زندگی میں' میں بہت خوش تھی۔ تم محنت مزدوری کرکے جو کچھ بھی لاتے تھے وہ میرے لئے دنیا کے تمام خزانوں سے زیادہ قیمتی ہوتا تھا چونکہ وہ تمہاری اپنی محنت کی کمائی ہوتی تھی ہمارے لئے سکون کی دولت تھی وہ۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو رشیدہ۔ اس دولت نے ہمیں ہمارے بچے کے اخراجات تک ادا کرنے کے قابل نہیں رکھا تھا اور اب جب یہ موقعہ ملا ہے تو ہم اس سے کیوں نہ فائدہ اٹھائیں۔"

"مگر مجھے تمہاری زندگی درکار ہے۔"

"میری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ سمجھیں تم' اور پھر بات ہی کتنی سی ہے ہم کل صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور اس کے بعد اس بستی کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھیں گے۔"

"میں نے اس بستی میں اپنا بچپن گزارا ہے جوان ہوئی ہوں یہیں۔ اسے چھوڑنے کو میرا جی نہیں چاہتا۔ کتنی محبت کرنے والے لوگ تھے سب کے سب۔ سب ہی ہمارے دکھ درد میں شریک تھے۔ وہ بے شک غریب تھے اور دولت سے ہماری امداد نہیں کر سکتے تھے لیکن ان کی آنکھوں میں محبت تو تھی۔ ان کے لہجے میں پیار تو تھا اور اب میں محسوس کرتی ہوں کہ تمام نگاہیں مشکوک ہوگئی ہیں' ہم ان کی محبت اور ان کی توجہ کھو بیٹھے ہیں اور یہی احساس ہوتا ہے ہر وقت کہ وہ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ یہ سوچ رہے ہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ ان کی محبتیں فنا ہوگئی ہیں ان کے دلوں میں ہمارے لئے اب پیار نہیں ہے۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ رشیدہ تم خود بتاؤ۔ میں نے ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا ہے۔ میں نے یہ پارس پتھر حاصل ہو جانے کے بعد ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا ہے۔ یہ سب ان کی کوششیں ہیں۔ میں کیا کر سکتا ہوں جب میں بہت ساری دولت حاصل کرلوں گا تو رشیدہ تم یقین کرو کہ میں ان لوگوں کی مدد بھی کروں

گا' حالانکہ یہ اس قابل نہیں ہیں۔ ہاں اگر تم یہ سوچتی ہو کہ یہ لوگ مجھ پر قابو پاکر مجھ سے میری دولت چھین لیں گے تو یہ ان کے لئے ممکن نہیں ہے اتنا آسان نہیں ہے یہ سب کچھ۔ مگر تم رشیدہ تم آرام کی نیند سو جاؤ صبح ہمیں سفر کرنا ہے۔" میں نے محبت سے کہا اور رشیدہ کو ساتھ لے کر اندر آگیا۔

میرے دل و دماغ میں اب بھی بہت سے خیالات تھے لیکن میں نے ان سب کو جھٹک کر رشیدہ کو سلانے کی بھرپور کوشش کی اور وہ سوگئی۔ چھری میں نے دوبارہ اپنے لباس میں چھپالی تھی۔ اس وقت صبح ہونے میں زیادہ دیر باقی نہیں تھی کہ ایک بار پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے صحن میں کوئی دبے پاؤں چل رہا ہے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا چھری ہاتھ میں سنبھالی اور ایک دم باہر نکل آیا۔ کسی نے لاٹھی سے مجھ پر ضرب لگانے کی کوشش کی تھی لاٹھی اچٹتی ہوئی میرے بازو پر لگی لیکن میں چھری لے کر اس پر پل پڑا۔ وہ احاطے کا دروازہ عبور کرکے باہر بھاگا اور میں اس کے عقب میں دوڑ پڑا۔ چھری میرے ہاتھ میں تھی میں اپنے اس دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا جو مجھ پر لاٹھی سے وار کرکے بھاگا تھا ہم بائیں سمت کے کھیتوں میں داخل ہوگئے۔ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی کھیتوں سے گزرتی تھی اور دفعتاً ہی اس کھیت سے وہی شخص دوبارہ برآمد ہوا اس بار اس نے لاٹھی کا وار میرے سر کا نشانہ لے کر کیا تھا لیکن یہ میری خوش بختی تھی کہ اس بار بھی میں بچ گیا اور اس کے بعد دوسرے ہی لمحے میں نے اپنی چھری نکال کر اس پر وار کردیا۔ چھری اس کے بائیں پہلو میں اتر گئی تھی۔ میں نے اسے کھینچ کر دوسرا وار کیا اور اس شخص کے حلق سے ایک کراہ نکلی وہ نیچے گر پڑا تھا میں نے رک کر اس کو غور سے دیکھا۔ صبح کی ہلکی ہلکی روشنی میں' میں نے اس کا چہرہ پہچان لیا تھا اور اس چہرے کو پہچان کر میں حیران رہ گیا۔ یہ ڈاکٹر کا وہ ملازم تھا جس نے مجھے ایک بار اپنے بچے کو لے کر ڈاکٹر کے پاس جانے سے روک دیا تھا۔ ہوں تو ڈاکٹر بھی میرے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ یقیناً یہ اسی کے ایماء پر یہاں آیا ہوگا لیکن میں نے جھک کر اسے دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ اب اس کے جسم میں زندگی کی رمق نہیں ہے۔ میرے ہاتھوں ایک قتل ہوگیا تھا ہاں اس وقت مجھے ذرا سوچنا پڑا اس شخص کے بدن سے خون کے فوارے ابل رہے تھے لیکن اس میں زندگی نہیں رہی تھی اس قتل کی ذمہ داری یقیناً میرے سر آئے گی۔ حالانکہ قصور میرا نہیں تھا اگر وہ کامیاب ہوجاتا تو یقیناً میری موت واقع ہوجاتی اور یہ پارس پتھر بھی میرے ہاتھ سے نکل جاتا جو میرے سینے کے پاس محفوظ تھا ابھی میں کچھ سوچ رہا تھا کہ دفعتاً میں نے پھر قدموں کی آوازیں سنی اور دوسرے لمحے میں چھری سنبھال کر تیار ہوگیا لیکن آنے والی رشیدہ تھی وہ

عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی پھر اس نے زمین پر پڑی ہوئی لاش کو دیکھا اور اس کے حلق سے ایک چیخ سی نکل گئی۔

"آہ۔ کیا تم........... تم نے اسے قتل کردیا تم نے قتل کردیا ناں۔"

"خاموش رہو اور فضول باتوں سے گریز کرو۔ ابھی کسی کو اس کی خبر نہیں ہے۔"

لیکن مرنے والا یہ........... کیا تم کو اس کے قتل کے الزام میں گرفتار نہیں کرلیا جائے گا؟ کیا تمہیں پھانسی کی سزا نہیں ہوجائے گی؟"

"ہاں اگر تم چاہو گی تو ضرور ہوجائے گی۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں........... میں چاہوں گی؟"

"ہاں تم باربار اس کا حوالہ دے رہی ہو۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ جلدی سے یہاں سے واپس چلو کھانے پینے کی اشیا اکٹھی کرو اس کے بعد صبح ہونے سے قبل یہاں سے نکل جاؤ۔"

"لیکن کیا لوگ ہمیں تلاش نہیں کریں گے؟" رشیدہ بدستور خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"اس کا بندوبست میں نے کرلیا ہے۔" میں نے جواب دیا میرے ذہن میں منصوبہ تھا میں اس پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ صبح ہونے میں چونکہ بہت زیادہ دیر نہیں تھی اس لئے ہم برق رفتاری سے اپنے جھونپڑے میں آئے۔ رشیدہ جلدی جلدی سامان اکٹھا کرنے لگی۔ سرخ نیم کے دانے، خشک مچھلی، چاول، نمک، مرچ یہ تمام چیزیں اس نے ایک پوٹلی میں باندھ لیں۔ یہ پوٹلی میں نے اپنے شانے سے لٹکائی اور اس کے بعد ہم اس جھونپڑی سے نکل گئے۔ باہر نکل کر میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا تھا۔ چنانچہ میں نے جھونپڑی پر مٹی کا تیل ڈالا اور اس میں آگ لگادی خشک گھاس نے شعلے پکڑ لئے اور اس وقت ہم گاؤں کے آخری کنارے پر تھے۔ ہم نے اپنے جھونپڑے کو ایک جلتی ہوئی مشعل کی مانند پایا۔ اس کے ساتھ ہی لوگوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں اور رشیدہ برق رفتاری سے آگے بڑھنے لگے کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے کسی قدر سکون محسوس کیا اور پھر میں نے مدہم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"لوگ پہلے تو جھونپڑی کی آگ بجھانے کی فکر میں سرگرداں رہیں گے لیکن آگ اتنی بڑھ چکی ہے کہ کوئی اسے آسانی سے نہیں بجھا سکے گا۔ اس کے بعد وہ اس جھونپڑی میں ہماری لاشوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور اس دوران ہم کافی دور

نکل چکے ہوں گے۔" رشیدہ کی آنکھوں میں آنسو تھے جلتے ہوئے جھونپڑے کے تصور سے اسے دکھ ہو رہا تھا اس جھونپڑے میں اس نے اپنی محبت کی زندگی کا پہلا دن گزارا تھا۔ اس جھونپڑے سے اسے دلی لگاؤ تھا جو میں نے اپنے ہاتھوں سے پھونک دیا تھا۔ میں نے اسے رونے نہ دیا اور تیز رفتاری سے آگے بڑھتا رہا۔ سورج کی روشنی چمکی تو ہم گاؤں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ جب جھونپڑے میں ہماری لاشیں نہیں ملیں گی تو ہمارے وہ دشمن جو پارس پتھر کے لئے سرگرداں تھے وہ یہ سوچیں گے اور یہ فیصلہ کرلیں گے کہ ہم اس جھونپڑے میں جل کر نہیں مرے اور ایک بار پھر ہماری تلاش شروع ہوجائے گی چنانچہ میں برق رفتاری سے آگے بڑھتا رہا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک ندی بہہ رہی تھی اس ندی کے ساتھ چل کر میں قصبے میں پہنچ سکتا تھا لیکن اس قصبے کے راستے کو نظرانداز کرنا تھا کھانے پینے کی چیزیں چونکہ اتنی مقدار میں موجود تھیں کہ کسی بھی آبادی تک جاتے ہوئے ہم اپنے پیٹ کی آگ بجھا سکتے تھے اس کے علاوہ دوسری چیزیں بھی اس کے ساتھ رکھ لی تھیں کہ پتہ نہیں کب تک یہ لمبا سفر طے کرنا پڑے۔ میں صحیح طور پر شہر جانے کا راستہ نہیں جانتا تھا اور پھر اتنے طویل راستے پر سفر کرنا بھی تو آسان کام نہیں تھا۔ بہرحال ہم پورا دن سفر کرتے رہے تیز ہواؤں سے اپنے بچے کو بچانے کی کوشش بھی کرتے رہے تمام چیز ایک طرف لیکن یہ بچہ ہمیں اس پارس پتھر سے بھی عزیز تھا۔ شام تک سفر جاری رہا رشیدہ تھک گئی تھی لیکن میرا ساتھ دینے میں وہ کبھی پیچھے نہیں ہٹی تھی اس کے چہرے سے ایک بار بھی تھکن کا احساس نہیں ہوا یہاں تک کہ تاریکی پھیل گئی۔

تیز ہوائیں چل رہی تھیں اور شمال کی طرف ہلکی ہلکی گھٹائیں بھی فضا میں بلند ہو رہی تھیں۔ چاند نہیں نکلا تھا تاریکی ہر طرف پھیلتی جارہی تھی اور جب مکمل رات ہوگئی تو ہم نے ایک جگہ مکمل قیام کا فیصلہ کیا بچے کو احتیاط سے کپڑے کا جھولا سا بنا کر درخت کی شاخ سے لٹکادیا اور آگ جلائے بغیر وہاں بیٹھے وقت گزارتے رہے۔ آگ سے ہمیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں کوئی ہماری طرف متوجہ نہ ہوجائے۔ آخر کار رات گزر گئی دوسری صبح کو ہم دبے پاؤں چلتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ اب ہم ایک ریتلی سڑک پر سفر کررہے تھے۔ جس کے بارے میں میرا یہی اندازہ تھا کہ وہ شہر کی طرف جاتی ہے وقت گزرتا رہا ہم خاصی دور نکل آئے تھے ہوا تھم گئی اور چاروں طرف خاموشی پھیل گئی سڑک پر گاڑی کے پہیوں کے نشانات کو مدنگاہ رکھتے ہوئے ہم سفر کررہے تھے دوسرا دن بھی گزر گیا اور ہم دن بھر چلتے رہے پھر شام ہوگئی ہمارے دائیں بائیں گیدڑ چیخ رہے تھے کبھی کبھی

ویرانوں میں اُلو کی آواز بھی سنائی دے جاتی تھی لیکن ان تمام آوازوں پر مسرت کے وہ لمحات حاوی تھے جو ہمیں حاصل ہونے والے تھے۔

پھر صبح کی روشنی پھیل گئی ہم نے وہ درخت چھوڑ کر درختوں کے جھنڈ کے راستے اختیار کئے۔ میں نے درخت کی چند شاخیں لے کر سڑک سے لپٹے ہوئے اپنے قدموں کے نشان بھی مٹا دیئے تھے تاکہ اگر کوئی ان نشانات کے ذریعے ہمارا تعاقب کرنے کی کوشش کرے تو اس میں کامیاب نہ ہوسکے۔ تیسرا دن سفر کرتے ہوئے گزر چکا تھا اس دن ہم نے قصبے سے شہر جانے ولی پہلی بیل گاڑی دیکھی۔ گاڑی کے گزرنے کے راستے میں ہمارے قدموں کے نشانات مٹ گئے تھے میں مطمئن ہوگیا اور میں نے رشیدہ سے کہا۔ "تم دیکھ رہی ہو کہ قدم قدم پر ایسے نشانات مل رہے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارا راستہ بالکل درست ہے اور ہم شہر ہی کی جانب جارہے ہیں۔"

"میں تو صرف یہ سوچ رہی ہوں کہ اگر ان لوگوں نے ہمارا تعاقب کیا ہے تو ابھی تک ہمیں پانے میں کامیاب کیوں نہیں ہوسکے ہیں۔"

"وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکیں گے کیونکہ ان کے دل سیاہ ہیں۔"

میں نے جواب دیا اور رشیدہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ آہستہ سے بولی۔

"اس کے باوجود میرا خیال ہے وہ ضرور آئیں گے وہ ہمارا پیچھا آسانی سے نہیں چھوڑیں گے۔"

"ہوسکتا ہے ایسا ہو لیکن میں بھی تم سے کہہ چکا ہوں کہ کوئی ہماری دولت ہم سے آسانی سے نہیں چھین سکتا۔ اگر یہ لوگ شہر تک ہمارا پیچھا کرتے ہیں تو یہ سمجھ لو کہ ان کی موت ہمارے ہی ہاتھوں لکھی ہوئی ہے۔ شہر پہنچ کر میں سب سے پہلا کام یہی کروں گا کہ اپنے لئے ایک بندوق خریدوں گا تاکہ میں اپنی حفاظت کرسکوں تمہیں اس سلسلے میں ہر فکر کو اپنے ذہن سے نکال دینا چاہئے۔"

رشیدہ خاموش ہوگئی میں اس کے چہرے پر پریشانی کے لرزتے ہوئے سائے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے سوچا کہ اس بیچاری کو مجھ سے محبت اور ہمدردی ہے۔ وہ جو کچھ کہتی رہی ہے میری زندگی کے لئے کہتی رہی ہے ہاں یہ حقیقت تھی کہ پارس پتھر کے ملتے ہی جہاں میرے مستقبل کے سنہرے دروازے کھل گئے ہیں۔ وہیں میرے دشمنوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگیا تھا لیکن آنے والے وقت کے حسین تصور نے میری آنکھوں سے تمام تشویش اور پریشانیاں چھین لی تھیں اور میں یہ سوچتا تھا کہ وہ دن دور نہیں ہے جب جلد

میری حیثیت ہی بدلی ہوئی ہوگی۔ رشیدہ کو میں ایک ایسی حسین زندگی دوں گا کہ وہ تصور تک نہ کرپائے۔

☆======☆======☆

سفر کا چھٹا دن تھا ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی ابھی تک ہم صحیح راستوں پر جارہے تھے جگہ جگہ پر ہمیں بیل گاڑیوں کے نشانات مل جاتے تھے ایک دوبار ہم نے ایسی بیل گاڑیوں کو بھی گزرتے ہوئے دیکھا جو سامان سے لدی ہوئی جارہی تھیں۔ اگر ہم چاہتے تو ان میں سے کسی ایک کو اپنے راستے کی آسانیوں کے لئے طلب کرلیتے لیکن میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا تھا اس طرح کچھ لوگوں کو اپنا رازدار نہیں بنا سکتا تھا۔ پھر ایک شام جب ہم سفر سے تھک کر درختوں کے سائے میں بیٹھ گئے وہ پگڈنڈی ہم سے کافی دور تھی جس پر سفر کرتے ہوئے ہم یہاں تک آئے تھے۔ پگڈنڈی کو ہم نے اس لئے خاص طور سے چھوڑ دیا تھا کہ اس کے قریب قیام کرنا مناسب نہیں تھا۔ دفعتاً مجھے کچھ آہٹیں محسوس ہوئیں اور میں نے اپنا واحد ہتھیار یعنی وہ چھری نکال لی جو اس سلسلے میں میرے کام آچکی تھی۔ چھری کے دستے پر میری گرفت مضبوط ہوتی چلی گئی۔ میری آنکھیں ایک حیوانی جذبے سے چمک رہی تھیں اور میں سڑک کے قریب جھاڑیوں میں جاچھپا تھا پھر میں اس طرف دیکھنے لگا جدھر سے وہ پگڈنڈی آرہی تھی۔ پگڈنڈی پر میں نے تین آدمیوں کو دیکھا۔ یہ آہٹ انہی کے قدموں کی تھی دو پیدل تھے اور ایک گھوڑے پر سوار تھا پیدل چلنے والے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد زمین پر جھک کر قدموں کے نشان تلاش کر رہے تھے یقیناً وہ میری تلاش میں سرگرداں تھے۔ اور امکان تھا کہ ان کا تعلق اس قصبے سے ہو جس میں ڈاکٹر رہتا تھا۔ بدنیت ڈاکٹر کی چالاکی کو میں نے پہلے ہی تاڑ لیا تھا اس نے اپنے آدمی کو پارس پتھر کے حصول کے لئے میرے پیچھے لگا رکھا تھا لیکن ممکن ہے یہ لوگ ڈاکٹر کے آدمی نہ ہوں۔

میرا کوئی ایک دشمن تو تھا نہیں یقیناً قصبے کے وہ سنار بھی پارس پتھر سے کوئی دلچسپی رکھتے ہوں گے جو انہیں دولت مند ترین بنا سکتا ہے۔ گھوڑے پر سوار آدمی نے کمبل اوڑھ رکھا تھا اور اس کے ہاتھ میں رائفل دبی ہوئی تھی۔ میں نے چھری کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھا تھا میں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ اگر انہوں نے میرے قدموں کے نشانات تلاش کرلئے اور مجھ تک پہنچ گئے تو میں سب سے پہلے سوار پر حملہ کرکے اس کی بندوق چھیننے کی کوشش کروں گا۔ رشیدہ کو میں ابھی اس سلسلے میں پوری طرح ہوشیار نہیں کرسکا تھا وہ

لوگ قریب آتے جارہے تھے دفعتاً بچے کے حلق سے ایک تیز چیخ نکلی اور رشیدہ جلدی سے اسے دودھ پلانے لگی میری تلاش میں آنے والے لوگ رک گئے تھے وہ میری صاف کی ہوئی زمین دیکھنے لگے میرے بدن سے پسینہ نکلنے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے چند لمحات جارہے ہیں اور اس کے بعد مجھے زندگی حاصل کرنے کے لئے شدید جدوجہد کرنی پڑے گی وہ لوگ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے میں اپنی جگہ سے ہٹ کر رشیدہ کے پاس آگیا اور اسے صورت حال بتائی رشیدہ کے چہرے پر خوف کے آثار ابھر آئے وہ کہنے لگی۔

"اب کیا کیا جائے۔ ان کی تعداد تین ہے کیا تم ان سے مقابلہ کرسکو گے؟"

"مجھے مقابلہ کرنا ہوگا میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ مجھے کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑیں گے ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ یہ جگہ چھوڑ دیں اور یہاں سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔"

"تو چلو۔" رشیدہ نے کہا اور بچہ سنبھال کر میرے ساتھ آگے بڑھ گئی ہم راستہ چھوڑ کر جھاڑیوں میں جاگھسے تھے اس مرتبہ میں نے اپنے قدموں کے نشانات مٹانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ یہ کوشش بے مقصد ہوگی کچلی ہوئی جھاڑیوں اور ٹوٹی ہوئی شاخوں کو چھپانا ناممکن تھا کچھ دیر ہم جھاڑیوں میں چھپے رہے پھر رشیدہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔" کیا یہ جگہ ہمارے لئے محفوظ ہے۔ میں ان جھاڑیوں میں سانپوں کی سرسراہٹ محسوس کررہی ہوں۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"ہمیں یہاں رکنا پڑے گا باہر خطرہ ہے۔"

"مجھے ہزار سانپ ڈس لیں لیکن کہیں ہمارا بچہ ان کا شکار نہ جائے۔"

"رشیدہ! ٹھہرو کیا تم میرے ساتھ اب بلندیوں کا سفر طے کرسکو گی؟"

رشیدہ کے ان الفاظ پر مجھے بھی ایک دم یہی خیال آیا تھا جو رشیدہ کے دل میں تھا۔

"ہاں کیوں نہیں اپنے بچے کی زندگی کے لئے ہر طرح کا سفر کرسکتی ہوں۔"

"تو پھر آؤ ہم ان بلندیوں کی طرف چلیں۔ اوپر پہنچ کر ممکن ہے ہم ان کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکیں۔" چلو رشیدہ نے کہا اور ہم آگے بڑھنے لگے زمین خشک تھی اور جگہ جگہ کانٹے دار جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ پتھروں کی سلوں اور بنجر چٹانوں سے گزرتے ہوئے ہم دونوں پہاڑ کی بلندیوں کی طرف بڑھتے رہے۔ میں اب خوفزدہ تھا اور مجھے نہ جانے کیوں یہ یقین تھا کہ وہ بہرحال مجھے تلاش کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے اور اس کے بعد نہ صرف وہ پارس پتھر مجھ سے چھین لیں گے بلکہ گولی مار کر ہلاک بھی کردیں گے۔ بچے اور رشیدہ کو بھی زندگی سے محروم ہونا پڑے گا۔ بھلا وہ کیوں چاہیں گے کہ کچھ لوگ ان

کے جرم کے گواہ ہوں۔ آہ۔ میرا بچہ! میرا معصوم بچہ بھی میری اس وحشت کا شکار ہوجائے گا۔ یہ احساس میرے لئے سب سے زیادہ پریشان کن تھا میں نے رک کر رشیدہ کی طرف دیکھا میری نگاہ اس کے پیروں کی طرف اٹھی اس کے پیر زخمی تھے اور ان سے خون رس رہا تھا مجھے سخت افسوس ہوا رشیدہ نے بھی اس دکھ کو محسوس کرلیا تھا اس نے کہا۔ "مجھے صرف تمہاری زندگی درکار ہے میری کسی تکلیف کی فکر مت کرو۔"

"ایک ترکیب کی جاسکتی ہے رشیدہ۔"

"کیا؟"

"تم یہاں چھپ جاؤ میں آہٹیں کرکے ان لوگوں کو اپنے پیچھے لئے جاتا ہوں میں انہیں پہاڑوں میں گھماتا پھروں گا اور رات کو انہیں چکما دے کر تمہارے پاس آجاؤں گا۔"

"یہ ناممکن ہے۔" رشیدہ سخت لہجے میں بولی۔

"کیوں رشیدہ؟"

"میں ایک لمحے کے لئے بھی تمہیں خود سے جدا نہیں کرنا چاہتی۔ چاہے کچھ بھی ہوجائے میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔"

"رشیدہ ہمیں اس بچے کی خاطر۔"

"سنو یہ بچہ مجھے تم سے زیادہ عزیز نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارے بعد ہے۔"

رشیدہ کے لہجے میں ایک سختی تھی۔ "لیکن رشیدہ تمہارے یہ پاؤں۔"

"کچھ نہیں یہ آخری منزل تک تمہارا ساتھ دیں گے۔" رشیدہ نے کہا اور میں پریشانی سے اسے دیکھنے لگا۔ رشیدہ کے محبت کے احساس کو بھی خود سے الگ نہیں کرسکا تھا بہرحال کچھ لمحوں کے بعد ہم آگے بڑھنے لگے۔ چڑھائی مزید سخت ہوگئی ہمارے سانس پھول گئے رشیدہ کے قدم اب بری طرح لڑکھڑا رہے تھے اور میں اس سلسلے میں شدید سے شدید پریشانیوں کا شکار ہوتا جارہا تھا۔ میں نے رشیدہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "رشیدہ میں نے تم سے کہا تھا مگر تم میری بات نہیں مانتیں۔"

"کیا کہا تھا؟" رشیدہ نے کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا۔

"یہی کہ تم رک جاؤ میں مرد ہوں ان لوگوں سے نمٹ سکتا ہوں۔ میں انہیں راستہ بھٹکا کر واپس آجاؤں گا۔"

"نہیں نہیں نہیں یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔"

"اب بھی وقت ہے رشیدہ مان لو میری بات۔"

"نہیں براہ کرم نہیں۔" رشیدہ رو دینے والے انداز میں بولی۔

"تم یہاں رک جاؤ۔ میں ان سے نمٹ لوں گا۔" میں نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"میں، میں نے زندگی بھر تمہاری بات مانی ہے ناصر! لیکن مجھے اس کے لئے مجبور نہ کرو۔ میں نے زندگی میں کبھی تمہیں خود سے الگ کر کے نہیں دیکھا۔ تم اگر مجھے چھوڑ کر جاؤ گے تو میں دعوئ سے کہتی ہوں کہ واپسی میں مجھے زندہ نہیں پاؤ گے۔"

"آخر کیوں؟"

"میں اس احساس سے مرجاؤں گی کہ دشمنوں کے درمیان تم تنہا ہو۔" رشیدہ نے کہا اور میں خاموش ہوگیا۔ مجھے ان لوگوں پر سخت غصہ آرہا تھا بڑی نفرت محسوس ہو رہی تھی ان سے یہ لوگ اپنا کام کیوں نہیں کرتے میرے پیچھے کیوں پڑگئے ہیں دنیا میں لوگوں کے پاس بہت کچھ ہوتا ہے کوئی ان سے نہیں چھینتا۔ پھر یہ سب آخر ہم سے چھیننے پر کیوں تل گئے ہیں۔ صرف ایک ہی بات ہوسکتی ہے کہ یہ کسی غریب کو پھلتے پھولتے نہیں دیکھ سکتے لیکن کچھ بھی ہوجائے میں ان سے ہار نہیں مانوں گا ہم بلندیوں پر پہنچ گئے۔ ان چڑھائیوں کا آخری سرا آگیا تھا دوسری طرف ایک سرسبز وادی نظر آرہی تھی۔

"اب کیا کریں؟" رشیدہ نے کہا۔

"اس وادی میں اتریں گے۔"

"یہ خطرناک ہوگا۔" رشیدہ بولی۔ "کیونکہ اگر وہ بلندیوں تک آگئے تو ہمیں باآسانی دیکھ لیں گے نیچے تو چھپنے کی بھی کوئی جگہ نہیں ہے۔" میں نے کچھ دیر سوچا رشیدہ کی بات میں بھی وزن تھا۔ میں نے کہا۔ "تب پھر ہمیں انہی بلندیوں پر اپنا سفر جاری رکھنا چاہئے۔" رشیدہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا ہم چلتے رہے یہاں تک کہ رات ہوگئی ہمارا بچہ اس مسلسل سفر سے بری طرح تنگ آگیا تھا عام زندگی سے مختلف بات تھی۔ گھر میں تو اس کا زیادہ تر وقت جھولے میں گزرتا تھا لیکن اب اسے بھی آرام نہیں ملا تھا۔ میں نے ایک چٹان کی آڑ میں پڑاؤ ڈال دیا۔ رشیدہ بچے کو دودھ پلانے لگی۔ اس نے مجھے بھی کھانے کی چیزیں دیں اور میں نے اسے بھی کھانے کی تلقین کی ہمیں تلاش کرنے والے ہماری نگاہوں سے اوجھل تھے۔ پتہ نہیں ان لوگوں کو ہمارا نشان ملا یا نہیں۔ خدا ہی جانے۔ "کیسا عجیب علاقہ ہے۔ یہ کیا تم نے اس سے پہلے کبھی یہ جگہ دیکھی ہے۔"

"نہیں۔" میں نے مختصر جواب دیا اور میری نگاہ پھر رشیدہ کے پیروں پر جا پڑی۔ مجھے افسوس ہوا کہ میں نے رشیدہ کو ایک نیا جوتا کیوں نہ خرید دیا۔ قصبہ سے سودا لاتے

ہوئے یہ کام تو میں کر ہی سکتا تھا۔ میں نے پیار بھرے انداز میں اس کے پیروں کے زخم صاف کئے اور ان پر کپڑے کی پٹیاں لپیٹ دیں پھر محبت بھرے انداز میں کہا۔

"شہر جاکر میں سب سے پہلا کام یہی کروں گا کہ تمہارے لئے نیا جوتا خریدوں گا۔"

"مجھے بڑا عجیب لگے گا۔"

"کیوں؟"

"بس اس پرانے جوتے کی عادت ہوگئی ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"رشیدہ! ہم زندگی کی وہ ساری خوشیاں حاصل کرلیں گے جن سے محروم رہے ہیں وقت نے ہمیں بہت پیسا ہے۔ سمجھ لو کہ اب وقت ہماری گرفت میں ہے۔" رشیدہ کچھ نہ بولی۔ رات گزرتی رہی۔ قرب وجوار میں کوئی آہٹ گونجتی تو ہم چونک پڑتے یوں لگتا جیسے وہ آگئے ہوں۔ تھوڑی دیر تک خاموشی گذری پھر رشیدہ نے کہا۔ "کچھ دن پہلے کی بات ہے ناصر! ہمارے پاس کچھ نہیں تھا ہماری زندگی کس قدر پُرسکون تھی۔ اب ہمارے پاس پارس ہے ہم دنیا کے امیر ترین انسان ہیں لیکن ہمارے پاس سکون کی نیند نہیں ہے میں جانتی ہوں تم کتنی راتوں سے نیند بھر کر نہیں سوئے مجھے ایک بات کا جواب دو۔ کیا سکون کی زندگی پارس سے زیادہ قیمتی نہیں ہے؟" میں رشیدہ کی بات پر غور کرنے لگا پھر میں نے کہا۔

"بس تھوڑے دن کی بات ہے رشیدہ! بس چند روز کی، ہم شہر پہنچ جائیں گے یوں سمجھو زندگی میں سکون ہی سکون ہوگا۔" رشیدہ خاموش ہوگئی۔ صبح ہوگئی چٹانی دیواروں پر ہم نے سفر پھر سے شروع کردیا تھا رشیدہ نے ایک اور خوفناک انکشاف کیا۔ "ناصر! پانی ختم ہوگیا ہے۔"

"ارے کیا واقعی؟"

"ہاں بوتل خالی ہے۔"

"یہ تو بہت بری خبر ہے۔" میں نے کہا اور میری نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔ پھر اچانک ہی میری نظر ایک طرف اٹھ گئی اور میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ "آہ وہ دیکھو رشیدہ وہ دیکھو۔ دیکھا تم نے قدرت نے ہمارے لئے تمام انتظام کر رکھا ہے۔ وہ دیکھو وہ ندی ہے۔ ایک رواں ندی جو کسی پہاڑ سے نکل کر آئی ہے۔" رشیدہ نے بھی اُدھر دیکھا اور پھر مسکرا دی۔

"ہاں وہ ندی ہی ہے لیکن وہ تو بہت ہی دور ہے۔ چلو۔ پانی بہت ضروری ہے ہمیں

وہاں جانا ہوگا۔ ٹھیک ہے۔ چلو۔" ہم نیچے اترنے لگے۔ نیچے اترنا بھی سخت مشکل تھا ایک قدم سنبھل سنبھل کر رکھنا پڑ رہا تھا۔ میں نے بچے کو رشیدہ کی گود سے لے لیا تھا میں جانتا تھا کہ وہ اسے بھی سنبھالے تھک گئی ہوگی۔ نیچے پہنچنا اوپر چڑھنے کی نسبت مزید دشوار ہوا۔ ہمیں اپنے جسموں کو سنبھالنا پڑ رہا تھا اور ہمارے بدن تھکن سے چُور ہوگئے تھے۔ اب رفتار بے حد سُست ہوگئی تھی۔ بادامی رنگ کے پہاڑوں کے دامن میں شفاف پانی رواں تھا۔ وہ ہمیں صاف نظر آرہا تھا لیکن اس تک پہنچنا آسان کام نہیں تھا نہ جانے کتنی مصیبتیں اٹھانا پڑیں۔ رشیدہ نے کہا۔

"اگر حقیقت کو تلاش کرو ناصر! اس کائنات میں کوئی شے آسانی سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ تمہارے پاس پارس ہے کیا تم اسے زمین پر رگڑ کر پانی پیدا کرسکتے ہو؟ اگر اس پتھر سے تم سونے کے انبار لگالو تو کیا ان کے ڈھیر سے پانی نکل سکتا ہے؟"

"ہاں۔ پانی تو نہیں نکل سکتا۔"

"لیکن نہیں ناصر! اس زمین پر ہر شے پارس ہے۔ ہر شے سونا اگلتی ہے۔ سونا تو وہی ہے جو ہمارے کام آئے۔ اناج پانی یہ ہمارا سونا ہے۔"

"ضرورت بے شک اناج اور پانی وغیرہ کی بھی ہوتی ہے لیکن رشیدہ! سونا' سونا ہوتا ہے۔" میں نے جواب دیا تو رشیدہ خاموش ہوگئی۔ ہم ندی کے پاس پہنچ گئے تھے۔ پانی چمک رہا تھا۔ رشیدہ نے پہلے بچے کا منہ دھلایا بوتل میں پانی بھر کر اسے پلایا پھر ہم دونوں نے پانی پیا اور پھر ندی کے کنارے آرام کرنے لگے لیٹے لیٹے نگاہ اٹھی تو اچانک میرا دل دھک سے ہوگیا بہت دور نگاہ کی آخری حد تک تین متحرک دھبے نظر آرہے تھے یہ وہی لوگ تھے رشیدہ نے بھی انہیں دیکھ لیا اور سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ "وہ پیچھے ہیں آہ۔ وہ آپہنچے ہیں۔"

"بہت دور ہیں وہ رشیدہ اور وہ فضا میں پرواز کرکے یہاں تک نہیں پہنچ پائیں گے۔"

"مگر بلندی سے انہوں نے ہمیں ضرور دیکھ لیا ہوگا۔"

"ہوسکتا ہے ایسا ہو۔ تو اب کیا کریں؟"

"بہتر ہے کہ ہم گھوم کر یہاں سے نکل جائیں۔" رشیدہ نے کہا اور بچے کو اٹھا کر کندھے سے لگالیا۔ اس کے سوا چارہ کار نہیں تھا کہ ہم یہاں سے دور نکل جائیں۔ اس پہاڑ کے پچھلے حصے میں کہیں روپوش ہوجائیں سو ہم چل پڑے یہ سفر ہماری زندگی کا بدترین سفر تھا۔ ندی کے ساتھ ساتھ گھومتے ہوئے ہم پہاڑ کے عقب میں نکل آئے۔

یہاں ندی زیادہ گہری نہیں تھی اور اسے عبور کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا اس کے علاوہ دوسری طرف پہاڑوں چٹانوں میں غاروں کا سلسلہ نظر آرہا تھا۔ ہم ان کے قریب پہنچ گئے اور میں نے ایک محفوظ غار کا انتخاب کرلیا۔ پھر میں نے غار کا اچھی طرح جائزہ لیا اور اندر داخل ہوگیا غار صاف ستھرا تھا اور باہر سے کوئی اندر چھپے ہوئے لوگوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہاں سامان رکھ کر میں باہر نکلا اور اوپر چڑھنے لگا چٹان کی چوٹی پر پہنچ کر میں نے اِدھر اُدھر کا جائزہ لیا اور دوبارہ غار میں آگیا۔ "جب وہ اوپر چڑھیں گے تو ہم نیچے اتر کر مغرب کی سمت چلیں گے اور اس کے بعد وہ ہمیں تلاش نہیں کرسکیں گے۔" میں نے کہا لیکن رشیدہ کے چہرے پر مایوسی کی جھلکیاں تھیں وہ کچھ اور سوچ رہی تھی میں نے اس سے پوچھا تو کہنے لگی۔

"یہ بتاؤ کہ کیا ہم راستے کی بھول بھلیوں میں نہیں بھٹک رہے ہیں کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ شہر کا راستہ کس طرف ہے؟" میں نے رشیدہ کی بات پر سوچا اور پھر میرے اندر شدید جھلاہٹ پیدا ہوگئی۔

"تمہیں صرف تاریک پہلو نظر آتے ہیں رشیدہ! یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ آخر کار ہم شہر پہنچ ہی جائیں گے۔ بلاوجہ مجھے بھی خوفزدہ کرتی ہو۔ براہ کرم ایسا نہ کرو میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔" رشیدہ خاموش ہوگئی آہستہ آہستہ اندھیرا ہوگیا۔ سورج غروب ہوگیا اور پہاڑوں کے لمبے سائے وادی کو اپنی آغوش میں سمیٹنے لگے۔ ہم خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ رات کا دوسرا پہر تھا کہ ہم نے محسوس کیا کہ ہمارے آس پاس قدموں کی آوازیں گونج رہی ہیں اور ان آوازوں کا اچھی طرح تجزیہ کرنے کے بعد یہ اندازہ لگانے میں دقت نہیں ہوئی کہ ہمیں تلاش کرنے والے غار کے آس پاس موجود ہیں۔ اب صورت حال یہ تھی کہ ہم نے سانسیں تک بند کررکھی تھیں۔ ہمیں خطرہ تھا کہ ہماری ہلکی سی آواز بھی نکل گئی تو ہم پر گولیوں کی برش ہوجائے گی پھر ہم نے ان کی آوازیں سنی ان میں سے کوئی کہہ رہا تھا۔

"زیادہ سے زیادہ یہیں تک پہنچے ہوں گے۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ ہمیں شاید صرف ان پہاڑوں میں چکراتے پھرتے رہے ہیں۔ ورنہ اتنا طویل راستہ کاٹنے کے بعد بستی کے پاس واپس آجانا کیا معنی رکھتا ہے؟" میں نے ان کے الفاظ پر غور کیا اور پھر ان کے یہ الفاظ کہ بستی کے پاس آجانا کیا معنی رکھتا ہے۔ میرے لئے ایک خوفناک دھماکہ ہی ثابت ہوئے تھے۔ میں نے سوچا کہ کیا واقعی طویل سفر طے کرنے کے بعد پہاڑیوں کی

بھول بھلیوں میں گم ہو کر میں اپنی بستی کے پاس واپس آگیا ہوں۔ آہ یہ احساس تو بڑا ہی غم زدہ کر دینے والا تھا۔ اس سے زیادہ پریشانی کی بات بھلا اور کیا ہو سکتی تھی۔ رشیدہ نے بھی شاید یہ الفاظ سن لئے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر بے بسی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ مجھے اب یاد آرہا تھا کہ شاید یہی ندی ہمارے گاؤں کے قریب سے گزرتی تھی ہم نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ایک پہاڑی کے گرد گھومتی ہوئی اس سمت آجاتی ہے۔ واقعی اب حالات کا تجزیہ کرنے سے صحیح طور پر پتہ چل رہا تھا کہ ہم جو سفر طے کر رہے ہیں وہ بالکل ہی بے مقصد رہا اور ہم پھر اپنی بستی کی جانب آنکلے ہیں۔ وہ اب بھی کھڑے ہوئے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ اور غور سے باتیں سننے سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ندی کے کنارے کنارے کچھ دور چلنے کے بعد ہمارا اپنا گاؤں آجاتا ہے اس احساس نے میرے حوصلے پست کر دیئے تھے۔ میری روح پر زخم لگ رہے تھے اور پھر ایک اور خوفناک عمل ہوا۔ دفعتاً بچے کے منہ سے غوں غوں کی آواز نکلی اور دوسرے لمحے میں اچھل پڑا۔ میں نے بچے کو فوراً رشیدہ کے ہاتھ سے لیا اور اپنے چوڑے ہاتھ سے اس کا منہ دبالیا تا کہ یہ کم از کم ان لوگوں کو اپنی جانب متوجہ نہ کر سکے۔ وہ بدبخت یہاں سے دور نکل جائیں اور ان سے میری جان بچ سکے میرے اعصاب تنے ہوئے تھے شدید ہیجان میرے وجود میں برپا تھا۔ رشیدہ میرے بدن سے لگی تھر تھر کانپ رہی تھی اسے بھی یہی خوف تھا کہ وہ لوگ ننھے طارق کی آواز سے ضرور اس طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ کافی دیر تک وہ اس طرح کھڑے آپس میں گفتگو کرتے رہے پھر ان میں سے ایک آواز ابھری۔ "رات کی تاریکی میں ہمیں یہاں سے آگے سفر کر لینا چاہئے ورنہ وہ لوگ نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں گے۔"

"تو پھر کس سمت چلا جائے۔"

"بہتر یہی ہے کہ سیدھے ہاتھ کے راستے سے نیچے اتر جائیں یہی اس وقت مناسب بات ہے۔" مجھے اس ڈھلان کے مطابق کچھ نہیں معلوم تھا جہاں سے وہ نیچے اترنے کی باتیں کر رہے تھے میں تو ندی کے ساتھ ساتھ گھوم کر اس سمت آیا تھا۔ ممکن ہے ادھر کوئی ڈھلان موجود ہو بہرحال میں خاموشی سے ان کے دور نکل جانے کا انتظار کرتا رہا بچے کے منہ پر میرا ہاتھ سختی سے جما ہوا تھا اور وہ تیز تیز ہاتھ پاؤں مار رہا تھا لیکن پھر وہ آہستہ آہستہ اعتدال پر آگیا اور ان کے قدموں کی آوازیں دور ہوتی چلی گئیں۔ پھر جب ان کی آوازیں بالکل ہی کانوں سے اوجھل ہو گئیں تو پھر میں نے ایک گہری سانس لے کر رشیدہ کی طرف دیکھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ خطرہ ٹل گیا وہ کم بخت تو ہمارے بالکل ہی قریب پہنچ گئے

تھے۔" رشیدہ نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں بس پتہ نہیں قدرت کیا چاہتی ہے خطرہ ٹل ہی رہا ہے لو اس بچے کو سنبھالو۔" میں نے بچہ اس کی گود میں دے دیا اور وہ ننھے طارق کو گود میں لے کر بیٹھ گئی اس نے آہستہ سے کہا۔

"تم نے سنا وہ بدبخت کیا کہہ رہے تھے کہ ہم بھول بھلیوں میں بھٹک کر پھر بستی تک آپہنچے ہیں۔ کیا اب بھی تمہارے اندر سفر کی ہمت باقی ہے۔ کیا اب بھی تم یہ محسوس نہیں کر رہے کہ ہمارے لئے شہر تک پہنچنا ناممکن ہے۔ آہ۔ اس کے بعد میں کس طرح سفر جاری رکھ سکوں گی۔ سوچو! مجھے بتاؤ کہ اب ہم کیا کریں؟" پھر وہ چونک کر بولی۔

"ارے یہ طارق سو گیا ہے کیا؟ بڑا بے سدھ ہو رہا ہے یہ دیکھو تو دودھ بھی نہیں پی رہا کیا ہو گیا اسے؟" وہ چونک پڑی اور بچے کو جھنجھوڑنے لگی لیکن ننھا طارق اتنی گہری نیند سو رہا تھا کہ جاگ ہی نہیں رہا تھا۔ پھر ایک لمحے کے لئے مجھے احساس ہوا ایسا خوفناک احساس جس نے میری روح کو لرزا دیا۔ میں نے بے اختیار بچے کی نبض کا جائزہ لیا اس کی سانس محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی۔ پھر میں نے اس کے سینے پر کان رکھ دیا لیکن آہ۔ دل کی دھڑکن بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں نے پاگلوں کی طرح اس کی ناک کے آگے اپنا ہاتھ رکھا لیکن سانس کی آمدورفت بالکل بند تھی۔ میرے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی۔

"رشیدہ رشیدہ یہ کیا ہو گیا ہے۔"

"کک کیا ہو گیا۔ کیا ہو گیا؟ خدا کے لئے اتنی زور سے نہ چیخو۔"

"رشیدہ!" میرے حلق سے دھاڑ نکلی۔ اب مجھے کسی کا خوف نہیں تھا۔ آہ ایک ایسا حادثہ ہو گیا تھا جو کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ میرا چوڑا ہاتھ صرف بچے کے منہ پر ہی نہیں تھا بلکہ اس کی ناک پر بھی آجما تھا اور وہ جس شدت سے جدوجہد کر رہا تھا وہ صرف ایک میرے ہاتھ کو اپنے منہ سے ہٹانے کے لئے نہیں تھی بلکہ وہ زندگی بچانے کی جدوجہد تھی۔ میں نے منہ کے ساتھ اس کی ناک بھی بند کر لی تھی اور اس کا منہ بھی بند کر لیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی سانس اندر گھٹ گئی تھی۔ میرا ہاتھ اتنی دیر تک اس کے چہرے پر جما رہا تھا کہ اس کے بعد اس کی سانسوں کی آمدورفت بند ہو گئی۔ دل کی حرکت بند ہو گئی تھی ہمارا ننھا سا طارق مر چکا تھا۔ میرے اپنے ہاتھ سے اس کی موت واقع ہوئی تھی۔ میرے اپنے ہاتھوں میں اور اس کے بعد مجھ پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ مجھے کچھ احساس نہ رہا کہ میں نے کیا کیا ہے۔ میں نے اپنا لباس کس طرح پھاڑا کس طرح اپنے بال

نوچے اور پھر میں ان کی تلاش میں چل پڑا کافی فاصلے پر وہ مجھے نظر آئے۔ میں نے انہیں دیکھا میری چھری میرے ہاتھ میں تھی۔ میں دبے قدموں آگے بڑھا اور دوسرے لمحے میں نے ان میں سے ایک پر حملہ کردیا۔ اس کی ہولناک چیخ پہاڑوں میں گونج اٹھی۔ پھر میں نے ایک ہی وار نہیں کیا بلکہ پے درپے وار کرکے اس کے جسم میں سوراخ کردیئے۔ اس وقت رائفل والے نے میری طرف رخ کرکے رائفل چلادی۔ اس کی گولی مجھے نہیں لگی تھی۔ میں نے زمین کی طرف نیچے گرتے ہوئے اس سے رائفل چھینی اور اس کا دستہ ان میں سے ایک کے سر پر دے مارا اور اس کی کھوپڑی ٹوٹ گئی اور وہ فوراً مرگیا۔ تیسرا بری طرح دوڑا تھا لیکن میرا دل پتھر کا ہوچکا تھا۔ میں نے رائفل اٹھا کر ٹریگر دبایا۔ وہ لڑھکنیاں کھاتا ہوا نیچے جاگرا۔ میرے دل و دماغ میں ایک شدید طوفان برپا تھا۔ رشیدہ کی سسکیاں مجھے دور تک سنائی دے رہی تھیں۔ وہ بچے کو اپنی آغوش میں لئے کھڑی تھی مردہ بچے کو اس کے مستقبل کے لئے ہم نے بہت کچھ سوچا تھا۔ اور وہ ہمارے ہی ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکا تھا۔ اس کے بعد اس ذہنی کرب اور دیوانگی کے عالم میں ہم دونوں اپنی بستی میں داخل ہوئے۔ بستی کے سرے پر ہی بستی والوں نے ہمارا استقبال کیا تھا۔ بچہ رشیدہ کی گود میں دبا ہوا تھا۔ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا بے شمار لوگ میرے اور رشیدہ کے پیچھے پیچھے سفر کر رہے تھے۔ خاموش اور بے جان۔ وہ مجھ سے کچھ نہیں پوچھ رہے تھے نہ جانے کیا کیا خیال تھا میرے ذہن میں تب میں رکا اور میں نے آہستہ سے کہا۔

"میرے دوستو! میں سونے کا ایک عظیم الشان ذخیرہ فروخت کرنا چاہتا ہوں کیا تم میں سے کوئی ایک سناروں کو بلا لائے گا۔ اس کے بدلے میں تمہیں سونا دوں گا میں اور ہاں ذرا اس ڈاکٹر کو بھی بلالینا جو میرے بچے کا علاج کرتا تھا۔ ان سب کو بلا لاؤ میں یہاں اس درخت کے نیچے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" میرا رخ برگد کے درخت کی جانب تھا جس کے بائیں سمت ایک انتہائی گہرا اور اندھا کنواں موجود تھا کہ یہاں جنوں اور بھوتوں کا بسیرا ہے کچھ کہتے تھے کہ یہ اندھا کنواں ہزاروں سال پرانا ہے اور اس میں اب صرف سانپ اور بچھوؤں کے گھر ہیں اور واقعی یہ حقیقت بھی تھی۔ وہاں کنوئیں کے اندر سے سانپوں کی پھنکاریں صاف سنائی دیتی تھیں۔ میں اس کنوئیں سے تھوڑے فاصلے پر برگد کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور رشیدہ ننھے طارق کو شال میں لپیٹے ہوئے سکوت کے عالم میں درخت کے نیچے کھڑی تھی۔ کچھ لوگوں نے ہم سے ہمارا حال پوچھنے کی کوشش کی لیکن میں نے ان سے کہا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں اور ہم لوگ سونے کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فروخت کرکے واپس آگئے ہیں۔ مسجد کے مؤذن بھی ہمارے پاس پہنچ گئے لوگ طرح

طرح کے سوالات کر رہے تھے لیکن مجھے اس وقت کا انتظار تھا جب قصبے کے سنار اور ڈاکٹر دوڑے چلے آئیں اس کے لئے مجھے کافی دیر انتظار کرنا پڑا۔ شام ہوئی تو کنوئیں کے نزدیک عظیم الشان مجمع تھا۔ لگتا تھا جیسے پورے گاؤں کے لوگ ہی سمٹ آئے ہوں۔ تب میں نے پارس پتھر اپنی جیب سے نکالا اور لوہے کے بڑے سے ٹکڑے کو اپنے سامنے رکھ لیا۔

"لوگو دیکھو یہ پتھر میری ملکیت ہے اس سے میں اپنا مستقبل بنانا چاہتا تھا۔ اس نے میرے مستقبل کے لئے ایک عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ دیکھو بستی والو یہ ہے پارس پتھر۔" لوہے کے ٹکڑے پر رگڑا اور تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد لوہا سنہری رنگ میں جگمگانے لگا۔ وہ سونا بن گیا تھا میں نے سونے کا یہ ٹکڑا مسجد کے مؤذن کو دیتے ہوئے کہا۔ "مؤذن صاحب! آپ کے ذہن میں یہی بات تھی ناں کہ آپ اس سے مسجد کی تعمیر کرائیں گے تو لیجئے میرا خیال ہے کہ یہ آپ کے مقصد کے لئے کافی ہوگا۔ اور یہ پارس پتھر ڈاکٹر صاحب کے لئے' آپ نے اپنے آدمیوں کو میرے پیچھے لگایا تھا ناں کہ وہ مجھے ہلاک کرکے مجھ سے یہ پارس پتھر حاصل کرلیں۔ اور تم لوگ۔ تم لوگ کہتے تھے کہ اس سے نقلی سونا بنتا ہے یہ مؤذن صاحب کے سامنے سونے کا ٹکڑا موجود ہے' خود اس کی جانچ پڑتال کرالیں کہ یہ اصلی ہے یا نقلی۔ لیکن یہ پارس پتھر نقلی ہے۔" میرے ان الفاظ پر لوگوں کے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکلنے لگیں میں نے کہا۔

"ہاں یہ بالکل نقلی ہے یہ دلوں کو سکون نہیں دے سکتا کاش! میں اپنی بیوی کی بات پہلے ہی مان لیتا۔ کاش! میں اپنے بازوؤں پر بھروسہ کرلیتا اور انہی کو پارس بناتا لوگو! جو میرے دل کی کیفیت ہے میں ہی جانتا ہوں لیکن تم لوگوں کو بھی عرصے تک تڑپنا ہوگا۔ دیکھو یہ پارس ہے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر پارس اندھے کنوئیں کی طرف اچھال دیا۔ بے شمار لوگ خوفزدہ انداز میں چیخ پڑے۔ ڈاکٹر نے اپنا کلیجہ پکڑ لیا اور سنار سر پکڑ کر بیٹھ گئے لوگ طرح طرح کی باتیں کررہے تھے اور میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے پھر میں آہستہ آہستہ رشیدہ کی جانب بڑھا وہ شال میں ننھے طارق کی لاش کو لپیٹے ہوئے اس طرح پتھرائی ہوئی سی بیٹھی تھی۔ "ہاں رشیدہ میں نے انہیں قتل کردیا جو ہمارے ننھے طارق کے قاتل تھے انہی کی وجہ سے میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا اور اس کا سانس بند ہوگیا تھا ہمارا بیٹا مرچکا ہے۔ رشیدہ اب ہمارے لئے دنیا بھر کا سونا بے کار ہے۔ سمجھ رہی ہو تم آؤ۔ اٹھو چلیں یہاں سے آؤ اپنے بچے کی لاش دفن کردیں۔" میں نے رشیدہ کو ہلایا۔

لیکن وہ ایک جانب بڑھ گئی وہ بے جان ہوچکی تھی۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا اور پھر درد بھرے لہجے میں بولا۔ "آہ۔ رشیدہ! اتنا بڑا نقصان بے شک لالچ

ایک بری چیز ہوتی ہے کاش! میں سونے کے چکر میں نہ پڑتا دل تو چاہتا ہے کہ تم سب کو قتل کردوں۔ دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں ہلاک کردوں لیکن شاید میں ایسا نہ کرسکوں گا۔ ہاں میں نے ان تینوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ جو میرے بچے کی موت کا باعث بنے اب اس کا نتیجہ کچھ بھی ہو۔ نتیجہ ابھی تک کچھ نہیں نکلا ہے۔ میرے دوست میں پولیس کے خوف سے چھپا چھپا پھر رہا ہوں۔ میں کیوں جینا چاہتا ہوں۔ رشیدہ نہیں ہے۔ ننھا طارق نہیں ہے کچھ بھی نہیں ہے میری زندگی میں پتہ نہیں کیوں زندگی بچانے کی فکر میں سرگرداں ہوں۔ ارے مجھے تو فوراً اپنی بیوی اور بچے کے پاس پہنچنا چاہئے۔ فوراً۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور فوراً ہی اس نے کھنڈر سے باہر چھلانگ لگا دی۔

"سنو میری بات سنو رکو ناصر۔ ناصر ذرا رک جاؤ۔" میں اس کے پیچھے دوڑا لیکن اس کی رفتار مجھ سے کہیں زیادہ تیز تھی۔ وہ دوڑتا رہا اور میں اس کا پیچھا کرتا رہا۔ جانتا تھا کہ اس پر دیوانگی طاری ہوگئی ہے۔ وہ اپنے آپ کو کوئی نہ کوئی نقصان پہنچائے گا لیکن میں اسے نہیں پکڑ سکتا تھا البتہ اس بھاگ دوڑ میں' میں کھنڈر سے اس قدر دور نکل آیا تھا کہ اب آبادی پیچھے رہ گئی تھی۔ وہ دیوانگی کے عالم میں دوڑا چلا جارہا تھا لیکن جب مجھے ہوش آیا اور میں نے یہ محسوس کیا کہ میں اسے نہیں پکڑ سکوں گا تو میں نے اپنے قدم روک لئے ایک دیوانے کو میں کہاں سمجھا سکوں گا وہ اپنا سب کچھ کھو چکا ہے۔

☆======☆======☆

یہ ایک عبرت ناک کہانی تھی۔ جو نہ جانے کیوں میرے کانوں تک پہنچی تھی۔ اب اس کے بعد جب میں شکار پور سے اتنی دور نکل آیا تھا تو واپس وہاں جانا بالکل بے مقصد اور حماقت تھی۔ محمد گل صاحب جیسے اچھے لوگ مجھ جیسے ناکارہ آدمی کی وجہ سے کسی بدنامی کا شکار نہیں ہونے چاہئیں۔ بہت اچھا گھرانہ تھا وہ بڑے نیک دل اور نفیس لوگ تھے۔ میں جو کچھ کر بیٹھا تھا وہ میں ہی جانتا تھا۔

بہرحال آگے بڑھتا رہا پھر میں نے بہت دور سے کوئی متحرک چیز دیکھی غور کیا تو ایک بس تھی گویا وہاں کوئی سڑک بھی ہوسکتی ہے ممکن ہے وہ راستہ شکار پور سے ہی آرہا ہو۔ کہیں نہ کہیں تو لے ہی جائے گی۔ چنانچہ میں اس سڑک کی جانب چل پڑا۔ فاصلہ بہت کافی تھا لیکن جتنا فاصلہ طے کرچکا تھا اس کے بعد تھوڑا سا فاصلہ طے کرلینا بہت زیادہ مشکل نہیں تھا۔ راستے میں میرے ذہن میں بار بار ناصر کا خیال آتا تھا کیا ستم رسیدہ کہانی تھی۔ کیسی افسوس ناک موت تھی اس معصوم بچے کی جو اپنے ہی ماں باپ کے ہاتھوں مارا گیا

تھا۔ ماں باپ کے لئے بھلا اس سے زیادہ اذیت ناک بات اور کون سی ہوسکتی ہے۔ سڑک پر پہنچ گیا پتلی سی سڑک بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد دور سے ایک بس آتی ہوئی نظر آئی اور میں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہوگیا۔ بس میرے قریب آکر رک گئی تو میں اس میں سوار ہوگیا۔ بیٹھنے کی جگہ بھی مل گئی تھی۔ میرے برابر ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے چھوٹا سا قد خوبصورت لمبی داڑھی عمر بھی اسی پچاسی سے کم نہیں ہوگی۔ کنڈیکٹر کو میں نے ٹکٹ کے پیسے دے دیئے اور اس نے ٹکٹ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ بزرگ خاموش بیٹھے ہوئے تھے پھر اچانک ہی انہوں نے بولنا شروع کردیا۔

"زندگی اللہ کی امانت ہوتی ہے اور زندگی میں جو الٹ پھیر آتے ہیں وہ انسان کی کہانی ہوتے ہیں' ہر امانت کی ایک کہانی ہوتی ہے اور یہی کہانی انسان کی الگ الگ شناخت کرتی ہے اپنی کہانی پر خود ہی غور کرو تو قدرت کے نہ جانے کون کون سے راز منکشف ہوں گے۔ وہ تمہیں بتاتی ہے کہ دکھ اور زندگی کیسے گزاری جاتی ہے۔ کبھی خیال کے پیچھے نہ دوڑو۔ بلکہ خیال کو عمل کا درجہ دینے کی کوشش کرو۔" وہ گردن جھکائے خود بخود باتیں کر رہے تھے لیکن ان کی باتیں بڑی عجیب تھیں یوں لگتا تھا جیسے وہ مجھ سے ہی مخاطب ہوں۔ وہ تو مجھ سے مخاطب نہ ہوئے میں خود ہی ان سے بول پڑا۔

"آپ نے فرمایا محترم کہ خیال کا تعاقب نہ کرو اگر وہ خیال زندگی کا ایک حصہ بن جائے تو؟" بزرگ نے اب ابھی میری طرف نہیں دیکھا تھا گردن جھکائے جھکائے بولے۔

"وقت اپنی کہانی کو خود شروع کرتا ہے اور خود ہی اس کہانی کو ختم کرتا ہے۔ کوئی عمل اگر تم سے ممکن نہ ہوسکے تو پھر اسے وقت کے حوالے کردو۔"

"کیا وہ خود اپنے راز منکشف کردے گا؟" میں نے بزرگ کی بات پر غور کیا وہ مجھ سے بالکل مخاطب نہیں ہورہے تھے میں نے انہیں مخاطب کرکے کہا۔ "میری بات سنئے محترم۔" اور وہ اس طرح چونکے جیسے سوتے سوتے جاگ پڑے ہوں۔ "میں آپ سے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" بزرگ سادہ سی نگاہوں سے میری صورت دیکھنے لگے پھر انہوں نے کہا۔

"میں بہرہ ہوں بھائی۔ سماعت سے بالکل محروم ہوچکا ہوں تم اگر کچھ کہہ رہے ہو تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا۔ معافی چاہتا ہوں تم سے۔" انہوں نے اپنے سوکھے ہوئے ہاتھ جوڑ دیئے اور میں نے ان کی کلائیاں پکڑلیں۔

"ارے یہ آپ کیا کر رہے ہیں لیکن آپ جو کہہ رہے تھے وہ میرے لئے بڑا پُراثر تھا۔ آہ میں آپ سے کیسے باتیں کروں۔" بزرگ خالی خالی نگاہوں سے مجھے دیکھتے رہے

کچھ عجیب سی باتیں تھیں۔ اب صبر کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا خاموشی ہی اختیار کی اور یہ سوچنے لگا کہ یہ تو بڑا عجیب سا مسئلہ ہے کیا کرنا چاہئے مجھے بہرحال اب بھلا کر بھی کیا سکتا تھا۔ بس کا یہ سفر جاری رہا بزرگ شاید سو گئے تھے انہوں نے اپنا سر میرے کندھے سے ٹکا دیا تھا لیکن ان کی سانسیں بالکل نہیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں بہرحال انہیں سنبھالے رہا پھر بس کی آخری منزل آگئی۔ مسافر اترنے لگے میں نے بزرگ کو آہستہ سے جگانے کی کوشش کی اور ہلایا لیکن وہ نہیں جاگے۔ مجھے ان کا جسم بالکل سرد محسوس ہوا تو میں گھبرا گیا لیکن اسی وقت دو افراد بس میں داخل ہوئے۔ ایک ادھیڑ عمر تھا دوسرا ایک جوان تندرست و توانا اور لمبے قدوقامت کا مالک شخص تھا۔ انہوں نے مجھے بزرگ کے ساتھ دیکھا تو جلدی سے میرے پاس پہنچ گئے۔

"اوہ۔ ہو رانا صاحب آپ کو تکلیف ہوئی آیئے۔ آیئے براہ کرم آیئے۔"

"سنئے تو سہی۔"

"نہیں آپ نہیں سمجھتے دادا میاں کی حالت بہتر نہیں ہے بس آیئے براہ کرم بعد میں بات ہو گی۔"

"لیکن جناب! میں.........."

"رانا صاحب پلیز آپ آیئے۔" اس بار ادھیڑ عمر آدمی نے کہا۔ بہرحال میں نے بوڑھے کو بس سے اتارنے کی کوشش میں ان کا ساتھ دیا نیچے ایک کار موجود تھی جب بوڑھے کو کار میں لٹا دیا گیا تو نوجوان شخص نے مجھ سے کہا۔ "آپ براہ کرم میرے برابر بیٹھ جایئے ڈیڈی دادا جان کو سنبھال لیں گے۔"

"مسٹر آپ نے میری بات بالکل نہیں سنی۔"

"کمال کر رہے ہیں آپ ان حالات میں آپ کی بات سنی جائے گی۔ آپ بیٹھ جایئے ہم آپ کو قتل نہیں کر دیں گے آپ بیٹھئے تو سہی۔" میں بحالت مجبوری نوجوان کے ساتھ بیٹھ گیا اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد کار ایک عمارت میں داخل ہوئی اور بوڑھے شخص کو اتار کر اندر لے جایا گیا۔ یہاں بھی میں نے ان لوگوں کی مدد کی تھی اور بزرگ کو اندر تک پہنچایا تھا۔ شاید ڈاکٹر کو فون کر دیا گیا تھا۔ وہ دونوں یعنی ادھیڑ عمر شخص اور وہ نوجوان باہر نکل گئے تھے اور میں کمرے میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ اندر سے خواتین کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ جہاں ہم لوگ پہنچے تھے وہ ایک اچھا خاصا شاندار شہر تھا اور میں اس کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ بہرحال کون سا میں یہاں ڈاکہ ڈال کر

بھاگ رہا ہوں۔ وہ لوگ اگر میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ ڈاکٹر آگیا اس نے بزرگ کو ایک انجکشن لگایا۔ ادھیڑ عمر شخص تو باہر نکل گیا تھا نوجوان اندر ہی موجود تھا۔ ڈاکٹر چلا گیا تو نوجوان نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی ایک عجیب شوق ہے دادا میاں نے پوری زندگی اسی شوق کی نذر کر دی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا شوق بہت ہی دلچسپ ہے اب یہ اور بات ہے کہ زندگی میں انہوں نے کچھ حاصل کیا یا نہیں۔"

"مجھے اجازت دیں گے جناب؟" میں نے سوال کیا۔

"رانا صاحب! آپ عجیب آدمی ہیں بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ دادا جان کی طرح آپ بھی بے حد عجیب ہیں۔ دادا جان تو انتہائی ضدی ہیں ہر عمل کر لیتے ہیں جس کی ان کی مرضی ہو۔ کوئی انہیں روکنے والا نہیں ہے لیکن ان کے شناسا بھی ایسے ہوں گے۔"

"آپ ذرا غور کیجئے جب آپ بس میں داخل ہوئے تھے تب بھی میں نے آپ سے کہا تھا کہ براہ کرم آپ میری بات تو سن لیجئے اور اس کے بعد سے میں بار بار آپ سے یہ بات کہتا رہا ہوں اور آپ میری بات ٹالتے رہے ہیں۔ کیا آپ اس انکشاف پر حیران نہیں ہوں گے کہ میں رانا صاحب نہیں ہوں میرا نام گل شیر ہے' اور نہ ہی میں آپ کے دادا جان کو جانتا ہوں ہم لوگ اتفاق سے برابر کی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دادا جان ایک بزرگ آدمی تھے میرے کندھے سے سر ٹکا کر سو گئے اور میں نے باقی سفر انہیں نہ جگایا۔ اب آپ مجھے یہاں تک لے آئے ہیں تو براہ کرم میری بے عزتی کئے بغیر مجھے یہاں سے باہر جانے کی اجازت دے دیجئے۔ چونکہ میں نے نہ ہی آپ کے گھر سے کوئی چیز چوری کی ہے نہ دادا جان کی جیب سے رقم نکالی ہے اور نہ ہی دھوکا دے کر آپ کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کی ہے۔ سمجھ رہے ہیں ناں آپ؟" نوجوان حیرت سے منہ پھاڑے میری صورت دیکھ رہا تھا لیکن اسی وقت دروازے پر وہ عمر رسیدہ شخص اندر داخل ہوا اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ تھی۔ اس نے کہا۔

"واہ عموماً ایسی فلمی کہانیاں علم میں آجاتی ہیں جن میں اس طرح کے دلچسپ واقعات ہوتے ہیں لیکن میں تو پہلے ہی کہتا ہوں کہ ہر کہانی اپنے طور پر ایک حقیقت رکھتی ہے اور یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے جو ہمارے ساتھ پیش آئی لیکن جناب اگر آپ رانا صاحب نہیں بھی ہیں اور گل شیر صاحب ہیں تو آخر اتنی بدحواسی کی کیا ضرورت ہے آپ نے ہماری قدر کی ہے۔ کچھ دیر بیٹھئے ہمارے ساتھ چائے پیجئے۔ بلکہ اگر مہمان بن کر کچھ وقت ہمارے ساتھ گزار سکیں تو ایسا کر کے ہمیں شکریہ کا موقع دیجئے یہ صرف ظاہری بات چیت نہیں ہے بلکہ ایک سچائی ہے۔" نوجوان بھی حیرت سے نکل آیا اس نے کہا۔

"واقعی یہ ایک دلچسپ واقعہ ہے اور جناب گل شیر صاحب اگر آپ کو کوئی اہم کام نہیں ہے تو تھوڑا سا وقت تو ہمارے ساتھ گزاریئے۔ آپ نے اگر ہم پر کوئی احسان نہیں کیا تو چلئے مان لیتے ہیں۔ مگر ہم آپ کو یہ دعوت دے کر آپ پر احسان نہیں کر رہے۔ ہاں اگر آپ کو یہاں کوئی ضروری کام نہ ہو تو۔" میں نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں تو آج کل ایسی ہی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گیا تھا چنانچہ بھلا اس دعوت سے کون انکار کر سکتا تھا پھر ان سب کا تعارف ہوا ادھیڑ عمر شخص کا نام امتیاز علی تھا اور نوجوان کا نام شہباز علی وہ بزرگ ان لوگوں یعنی امتیاز علی کے والد اور شہباز علی کے دادا جان تھے بعد میں شہباز علی نے مجھے بزرگ کے بارے میں یعنی دادا جان کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ "دادا جان ایک بہترین زندگی گزار چکے ہیں اپنی اس زندگی میں انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ ایک الگ عمل ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہماری کوئی بہت بڑی خاندانی جائیداد نہیں تھی۔ یہ دولت اور یہ پُرسکون ماحول دادا جان کی ہی محنت کا نتیجہ ہے بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ انہوں نے ہمارے لئے ایک مستقبل تعمیر کر دیا ہے اور ہم اس سے بھرپور فائدہ حاصل کر رہے ہیں اللہ کے فضل و کرم سے بہت اچھا کاروبار ہے اور زندگی بڑے سکون سے گزر رہی ہے۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے اسی لئے آپ لوگ بڑے لوگ ہیں ورنہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر کوئی کسی کو اتنی اہمیت نہیں دیتا۔"

"آپ کا نام تو پتہ چل گیا ہے گل شیر صاحب لیکن باقی تفصیلات بالکل علم میں نہیں ہیں۔ معافی چاہتا ہوں میرے اندر کچھ بری عادتیں مثلاً یہ کہ اگر کسی کو دوست بناتا ہوں تو دل یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو میرے لئے ایک کھلی کتاب بنا دے اور میں خود بھی تمام حقیقتیں اسے بتا دیتا ہوں۔ بس یوں سمجھ لیں میری طرف سے دوستی کا اظہار یہی ہے۔" میں مسکرا دیا۔

"میں نے کہا اب تو آپ نے مجھے یہ موقع دے دیا ہے شہباز کہ آپ کے ساتھ کچھ وقت گزارا جائے چنانچہ میں ضرور آپ کو اپنے بارے میں تفصیل بتاؤں گا' ابتدائی تفصیل یہ ہے کہ بے سہارا مارا مارا پھر رہا ہوں۔ دنیا میں کوئی عزیز رشتہ دار نہیں ہے لاوارث زندگی گزار رہا ہوں کچھ عجیب و غریب واقعات کا شکار ہوں اور بس آپ یہی سمجھ لیں کہ ہر شخص اپنے آپ کو عجیب و غریب واقعات اور حادثات کا شکار سمجھتا ہے۔ میں بھی انہی میں سے ایک ہوں' لیکن بات ذرا تھوڑی سی بری ہوئی ہے آپ سنیں گے تو یا تو اسے ایک دلچسپ کہانی سمجھیں گے' یہ سوچیں گے کہ اپنے آپ کو دلچسپ بنانے کے

لئے میں نے یہ کہانی گھڑ کر آپ کو سنائی ہے اور اگر یقین کر لیں گے تو حیران ہو جائیں گے۔"

"آہ آپ کے چہرے سے مجھے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ آپ ضرور کسی ایسی اندرونی الجھن کا شکار ہیں جس کا حل آپ کو نہیں مل سکا ہے لیکن میں آپ کو بتاؤں گل شیر کہ اگر الجھن ہے تو اس کا حل بھی موجود ہے خیر چھوڑیئے آپ میرے بہت اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں اور وہ جو کہتے ہیں ناں کہ کچھ شخصیتیں قدرتی طور پر پسند آتی ہیں اور دل ان سے لگ جاتا ہے تو جناب میری تو یہی کیفیت ہے۔ اب آپ مجھے کس حد تک برداشت کر لیتے ہیں یہ آپ پر منحصر ہے۔" میں ہنسنے لگا تھا۔

بہرحال اس کے بعد اس گھر میں مجھے ایک بہترین پناہ گاہ مل گئی' فراخ دل اور کشادہ ذہن کے لوگ تھے' گھر کے فرد کی حیثیت سے ہی انہوں نے مجھے قبول کر لیا تھا اور یہ جاننے کے بعد کہ میری زندگی کا کوئی مشن نہیں ہے کوئی مقصد نہیں ہے۔ خود امتیاز علی صاحب نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں ان کے ساتھ ہی رہوں' انہوں نے بڑی محبت سے کہا تھا۔ "دیکھو بیٹے بات اصل میں یہ ہے کہ صرف سوچنے کا فرق ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو انسان کو انسان کا مقروض رکھا بلکہ اپنا مقروض رکھا ہے۔ اس کا حکم ہے کہ اگر اس کے کسی بندے کو کسی ایسی کیفیت میں دیکھو جو اس کے لئے دکھ دینے والی ہو اور تم اس کے دکھ کا مداوا کر سکو تو اس سے گریز نہ کرو اور بے شک وہی اس قابل بناتا بھی ہے کہ آپ اس کے احکامات کی پیروی کریں۔ ہم بھلا تمہیں کیا دے سکتے ہیں' ہماری اپنی حیثیت اور اوقات ہے ہی کیا' ہاں ایک چھوٹا سا کام ہمارے لئے مشکل نہیں ہو گا اور وہ ہے تم سے محبت۔ تم سے پیار جہاں تک دو روٹیوں کا معاملہ ہے تو میاں یوں تو اتنا سمجھو تو کوئی بھی چیز تمہاری اپنی نہیں ہے دینے والا تمہیں دے دیتا ہے اور یہ اس کی بڑائی ہے کہ وہ تمہارے نام سے دیتا ہے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے یہ کیا میں نے وہ کیا۔ جو کرنے والا ہے وہ تو کوئی اور ہی ہے اتنی ساری باتیں کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم اطمینان سے یہاں رہو۔ شہباز کے ہم عمر ہو ہم تمہیں دوسرا بیٹا سمجھ لیں گے اگر ہمارا دیا نہ کھانا چاہو تو اللہ کے فضل و کرم سے کافی بڑا کاروبار ہے اس کا کوئی حصہ سنبھال لو۔ ایک چھوٹی موٹی سی ذمہ داری قبول کر لو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا' اپنے اندر اعتماد بھی محسوس کرو گے سمجھ رہے ہو نا میری بات۔"

"جی انکل!"

"بس تو پھر کچھ سوچنا نہیں تھوڑے دن آرام سے گزارو اس کے بعد پھر یہ پوزشن

بھی سنبھال لیں گے کسی قسم کی فکر نہ کرنا۔" بڑی تقدیر ہوتی ہے اس شخص کی جس کا واسطہ اچھے لوگوں سے پڑ جائے۔ یہی کیفیت تھی بہرحال میں اور شہباز بہت اچھے دوست بن گئے' شہباز ایک خوبصورت نوجوان تھا اور اس کی فطرت کے بارے میں مجھے بعد میں ہی اندازہ ہوا تھا اس کا گول چہرہ اور نیلی آنکھیں بہت ہی دلکش تھیں۔ وہ خطرناک سے خطرناک لمحات کو اپنے لئے ایک بہترین مشغلہ سمجھتا تھا' قدرت نے اس میں ذہانت' چالاکی' پھرتی اور جسمانی قوت کے اوصاف کوٹ کوٹ کر بھر دیئے تھے۔ بعد میں مجھے اس کی زندگی کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوئیں' اس کی زندگی حادثات اور خوفناک واقعات سے بھرپور تھی۔ اسے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے میں بہت مزہ آتا تھا' دہشت اور خوف کے جذبات اس کے ضمیر میں شامل ہی نہیں تھے۔ اب چونکہ میں اس کا ساتھی بن چکا تھا چنانچہ مجھے اس کے حلقہ احباب کے بارے میں بھی تفصیل معلوم ہوگئی تھی۔ کئی کلبوں کا ممبر تھا اور خصوصاً خواتین اسے بے پناہ پسند کرتی تھیں اور کئی جگہ میں نے محسوس کیا تھا کہ اکثر درمیانی عمر کی عورتیں اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتی تھیں۔ درمیانی عمر سے مراد نوخیزیت کی عمر سے کچھ آگے نکلی ہوئی لڑکیوں اور عورتوں سے ہے۔ پتہ نہیں وہ اس عمر کی عورتوں کو کیوں پسند تھا جبکہ نائٹ کلبوں میں جہاں وہ مجھے لے جایا کرتا تھا اور بہت سی حسین لڑکیاں ہوا کرتی تھیں۔ شاید انہوں نے اس لئے شہباز کی طرف توجہ نہیں دی تھی کہ ان سے زیادہ صاحب حیثیت لڑکیاں ان کی قربت اختیار کرنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن وہ کبھی حد سے آگے نہیں بڑھا تھا' عورتوں سے راہ و رسم بڑھانا اس کی فطرت کے خلاف تھا' اس نے کبھی خود ان سے گھلنے ملنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اکثر وہ مجھ سے کہا کرتا تھا۔

"میں تمہیں بتاؤں کہ دادا جان چلّے اور وظیفوں کے قائل ہیں اب اس عمر میں وہ حسین لڑکیوں کے لئے چلّے نہیں کرسکتے تھے لیکن ایک دن میں نے ان کے کچھ تعویذ غائب کر دیئے۔ تم یقین کرو یا نہ کرو بس اس دن سے یہ سارا چکر چلا ہے یعنی یہ کہ لڑکیاں میری طرف متوجہ ہونے لگیں ہیں۔" میں ہنس پڑا۔ میں نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ دادا جان بھی یہی کوشش کر رہے تھے اور وہ تعویذ جو انہوں نے تیار کئے تھے وہ میں لے اڑا یہی مقصد ہے نا تمہارا!"

وہ بھی ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔ "مذاق کر رہا ہوں آہا ذرا اس عورت کو دیکھو۔" اس نے کلب میں بیٹھی ہوئی ایک خوبصورت سی عورت پر نگاہیں جمائے ہوئے کہا۔ میں خود بھی کئی بار محسوس کر چکا تھا کہ وہ گہری نگاہوں سے اس عورت کے خدوخال کا جائزہ

لے رہا ہے۔ میں نے مدہم لہجے میں کہا۔ "اس سے پہلے تو تم کبھی کسی عورت میں اس طرح دلچسپی نہیں لیتے مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے آج تمہارے دل میں بھی کچھ کچھ ہو رہا ہے۔" وہ میری بات کا کوئی چٹ پٹا جواب دینے کے بجائے سوچ میں ڈوب گیا' پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "واقعی آج میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔"

"کیا مطلب؟"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو وہ مجھے عجیب و غریب دلچسپی کی حامل معلوم ہو رہی ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ اسے دیکھ کر میری ذہنی کیفیت کچھ عجیب سی ہونے لگتی ہے' ضرور اس عورت میں کوئی خاص بات ہے جو بار بار مجھے اس کی طرف متوجہ کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ ضرور وہ میرے ذہن کی کہیں گہرائیوں میں پوشیدہ ہے' میں اپنی روح کے اس اعتراف سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہا۔ میرا ذہن بہت کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن میں کچھ یاد بھی نہیں کر پا رہا۔" اس کے یہ الفاظ سن کر میں نے آنکھیں بند کرلیں کیفیت میری اس سے کہیں زیادہ خراب تھی' ربابہ میرے ذہن کی گہرائیوں میں جاگ رہی تھی۔ وہ میرے دل کے کسی ایسے گوشے میں مستقل طور پر رہنے لگی تھی جسے میں اپنے آپ سے کبھی دور نہیں کرسکتا تھا لیکن بدنصیبی بدقسمتی حالات انسان کو اس کی سوچ سے بہت دور پہنچا دیتے ہیں۔ اچانک ہی ہم دونوں کو کسی نے عقب سے مخاطب کیا' میں نے پلٹ کر دیکھا تو مسز تنویر تھیں۔ مسز تنویر سے ہماری ملاقات اسی کلب میں ہوئی تھی' پتہ نہیں کس طرح کی عورت تھی ایسی لگاوٹ والی باتیں کرتی تھی کہ انسان ایک لمحے کے اندر غلط فہمی کا شکار ہو جائے لیکن پھر اس طرح سپاٹ ہو جاتی تھی کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ انسان اگر اپنی سطح سے تھوڑا سا گر کر اس سے بات کر لیتا اور جب اس کی اصلیت سامنے آتی تو شاید اسے شدید شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا۔ ہم دونوں نے اسے خوشدلی سے خوش آمدید کہا تھا' وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور بولی۔

"یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری میز پر کچھ پینے کے لئے آئی ہوں' بتاؤ تمہیں کیا پلاؤں؟"

"نہیں اب آپ ہمیں اتنا بد اخلاق بھی نہ سمجھیں کہ ہم آپ کو کچھ پلا نہ سکیں بتایئے پلیز۔"

"تو بس میرے لئے اور اپنے لئے کوئی عمدہ سا جوس منگوالو۔" اس نے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔ "ان صاحب کا تعارف نہیں ہوا ایک اجنبی شکل نظر آئی ہے مجھے کون ہے یہ؟"

"میرے بہت ہی گہرے دوست پیارے ساتھی مسٹر گل شیر۔"

"پہلے کبھی نہیں ملاقات ہوئی ان سے ہیلو مسٹر گل شیر میں ان کی گہری دوست ہوں اور ہم لوگ خاصے عرصے سے ایک دوسرے کے شناسا ہیں۔ ویسے یہ لوگ پیار سے مجھے ڈولی کہتے ہیں' آپ بھی اگر ڈولی کہیں گے تو مجھے خوشی ہوگی۔ اس سے یہ مقصد نہیں ہے کہ میں اپنی عمر سے چھوٹا بننے کی کوشش کرتی ہوں بلکہ یہ نام مجھے کچھ ایسے پیارے لوگوں نے دیا ہے جنہیں میں ہمیشہ یاد رکھنا چاہتی ہوں اور جب بھی مجھے ڈولی کہہ کر پکارا جاتا ہے تو پکارنے والے کو میں پیار بھری نگاہوں سے دیکھتی ہوں کیونکہ مجھے وہ یاد آجاتے ہیں جنہوں نے مجھے یہ نام دیا۔"

"جی مس ڈولی آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" اس نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھا تھا اور پھر شہباز کی طرف رخ کرکے بولی تھی۔ "اور کیا تمہیں یہ بات یاد نہیں ہے ڈیئر شہباز کہ کل تمہیں ہمارے پاس آنا ہے۔"

"یہ سوال کرکے آپ یہ ثابت کرنا چاہتی ہیں مس ڈولی کہ آپ ایک غیر اہم شخصیت ہیں۔"

"مطلب؟"

"کل ساڑھے پانچ بجے مجھے آپ کے پاس پہنچنا ہے کیونکہ آپ کی سالگرہ ہے۔"

جواب میں وہ ہنس پڑی۔

پھر بولی۔ "مسٹر گل شیر کو بھی لائیے۔"

"ضرور ویسے مس ڈولی ان خاتون کو بھی میں نے کبھی اس کلب میں نہیں دیکھا ایک اجنبی شخصیت۔" ڈولی نے میرے اشارے پر اس عورت کی طرف دیکھا اور پھر بولی۔

"اوہ ہاں نیلم ساجد علی یقیناً آپ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی ہوگی' بڑی پُراسرار سی شخصیت ہیں زیادہ عرصے سے کلب میں نہیں آتی جاتیں۔ بہت خاموش اور کم گو ہیں پتہ چلا ہے کہ ایک دولت مند کی بیوہ ہیں۔ ویسے ڈیئر اس سلسلے میں نہ تمہارا تجربہ ہے نہ میرا لیکن یہ حقیقت ہے کہ کسی دولت مند کی بیوہ ہونا بڑی خوش نصیبی کی بات ہے دولت مند اور پھر بیوہ۔" ڈولی مزے لے لے کر ہنسنے لگی۔

پھر بولی۔ "آؤ تمہارا تعارف کراتی ہوں بڑی عجیب سی کیفیت محسوس کرو گے اس سے ملاقات کرکے۔" میں نہ ڈولی کو جانتا تھا اور نہ نیلم ساجد کو لیکن میں نے پہلی بار شہباز کو کسی عورت کی طرف خاص طور سے متوجہ دیکھا تھا۔ وہ ایک ریزرو سا آدمی تھا لیکن

ڈولی کی دعوت پر جلدی سے اٹھ گیا تھا' میں خود بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھنے لگا لیکن نہ جانے کیوں کچھ عجیب سی کیفیت ہوگئی تھی میری۔ لگ رہا تھا جیسے پورے بدن میں ایک سرد لہر سی دوڑ رہی ہو۔ جب ہم اس کے قریب پہنچے تو اس نے اپنا خوبصورت چہرہ اوپر اٹھا کر میری آنکھوں میں جھانکا۔ مجھے اس عورت کی چمکدار زرد آنکھوں میں دوسروں کو مسحور کرتی ہوئی بے پناہ قوت کام کرتی دکھائی دی اور چند لمحوں کے لئے میری نگاہیں اس کی نگاہوں سے اس طرح پیوست ہوگئیں کہ پلکوں نے جھپکنا چھوڑ دیا۔ پھر اچانک ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس نے اپنا خوبصورت ہاتھ میرے بجائے شہباز کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہیلو آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی جناب۔ شکریہ ڈولی تم نے مجھے بہت اچھے لوگوں سے ملایا۔" پھر اس نے دوسرا ہاتھ میری طرف بڑھایا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نے دہکتے ہوئے کوئلوں پر انگلیاں رکھ دی ہوں۔ میں نے گھبرا کر اپنا ہاتھ چھڑایا اور اس احساس سے بچنے کے لئے کرسی پر بیٹھ گیا۔ مجھے اس عورت کی غیر معمولی اور سحرانگیز شخصیت کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ وسفید تھا' سر کے بال نیلاہٹ لئے ہوئے' سیاہ آنکھیں بڑی بڑی اور خوبصورت جن کی پتلیاں گہری سیاہ تھیں لیکن چمکیلی اور یوں لگتا تھا جیسے ان سے شعاعیں سی نکل رہی ہوں' دانت سفید اور کسی قدر نوک دار ہونٹ کبوتر کے خون کی طرح سرخ' ٹھوڑی سخت جس کے نیچے سنہری رنگ کے روئیں کی کثرت تھی۔ جسم قوی اور سڈول جس میں نزاکت نام کو نہیں تھی' سنگ مرمر کی طرح سفید ہاتھوں کی انگلیاں غیر معمولی طور پر لمبی جن میں انتہائی قیمتی ہیروں کی انگوٹھیاں نظر آرہی تھیں۔ جسم کے مقابلے میں اس کا سر کہیں چھوٹا تھا لیکن اس نے بال جس انداز میں بنائے تھے اس سے یہ خامی دور ہوگئی تھی۔ آواز میں ایک انوکھی کھنک اور اثر وہ آنکھوں سے آنکھیں ملاکر باتیں کرنے کی عادی تھی اور دوران گفتگو میں نے محسوس کیا تھا کہ ایک مرتبہ بھی اس نے پلکیں نہیں جھپکائی تھیں۔ اس کی نگاہیں نہ جانے کیوں شہباز کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے شہباز اس عورت کی نظروں کا شکار ہو کر پتھرا گیا ہو۔ بہرحال سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا شخصیت ہے۔

پھر اچانک ہی اس عورت نے شہباز کی طرف سے آنکھیں ہٹائیں اور ڈولی کی طرف دیکھ کر بولی۔ "تمہارے دوست ہمیشہ معیاری ہوتے ہیں واقعی میں ان دونوں سے مل کر بہت متاثر ہوئی ہوں' کہئے آپ دونوں کے مشاغل کیا ہیں؟" تھوڑی دیر کے بعد ساری اجنبیت دور ہوگئی یوں لگا جیسے کوئی طلسم ٹوٹ گیا ہے۔ اس کی گفتگو بہت اچھی تھی۔ کچھ دیر پہلے کا جو تاثر ہمارے ذہن پر قائم ہو رہا تھا اس میں کچھ کمی واقع ہوگئی تھی۔

شہباز کی کیفیت تو خیر میں نہیں سمجھا تھا اور اب بھی اس کے بارے میں یہی سوچ رہا تھا کہ ہو نہ ہو اس کی شخصیت ضرور کوئی ایسی پُراسرار کیفیت چھپی ہوئی ہے جو ذہنوں کو عجیب سے احساس کا شکار کرتی ہے۔ کافی دیر تک وہ ہمارے ساتھ رہی پھر بولی اچھا اب مجھے اجازت دیجئے ہاں ڈولی کل تو تم سے ملاقات ہو ہی رہی ہے۔

"شکریہ مجھے یاد رکھنے کا میں تو سمجھی تھی کہ مجھے دوبارہ اس بات کی یاد دہانی کرانی پڑے گی۔" وہ آہستہ سے ہنسی پھر بولی۔ "اجازت میرے پاس اتنا ہی وقت ہوتا ہے آپ لوگوں سے بھی کل ضرور ملاقات ہوگی اوکے ڈولی چلتی ہوں۔" پھر وہ پُراسرار قدم اٹھاتی ہوئی چل پڑی اور ہم دونوں خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے' کچھ دیر کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تھی لیکن میں نے ڈولی کے چہرے پر کسی گہری سوچ کے آثار دیکھے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی اندرونی کشمکش کا شکار ہو ہم دونوں کی کیفیت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ آخر کار مجھے ڈولی سے اس سلسلے میں بات کرنی ہی پڑی میں نے اس سے کہا کیا بات ہے ڈیئر ڈولی تم ایک دم سنجیدہ سی ہوگئی ہو؟

ڈولی نے پُرخیال نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھا اور پھر بولی۔ "ایک بات بتاؤں کیا تمہیں روحوں سے کوئی دلچسپی ہے؟" ہم دونوں ہی چونک پڑے تھے۔ میں نے کہا۔ "میں سمجھا نہیں مسز تنویر۔"

"وہ ایک پُراسرار شخصیت ہے' انتہائی پُراسرار' حالانکہ میری اس سے زیادہ ملاقاتیں نہیں ہوئیں لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس عورت کے اندر ایک شیطانی عورت کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ میں پھر وہی بات کہتی ہوں کہ تم نے غور کیا کہ اس کی آنکھیں کس قدر زرد اور چمکدار ہیں اور ان میں سے روشنی کی شعاعیں پھوٹتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ اس کا حسین اور پُرکشش چہرہ اپنے تمام تر حسن کے باوجود ایک نحوست میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے اور اس کی مسکراہٹ اس کے سفید نوکیلے دانت اور سرخ سرخ ہونٹ جیسے کسی کا خون پی کر آئی ہو۔ کیا یہ تمام نشانیاں ظاہر نہیں کرتیں کہ نیلم ساجد علی کا تعلق شیطانی روحوں سے ہے۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' میں نے محسوس کیا تھا کہ مسز تنویر کسی حسین عورت اور پُرکشش شخصیت کو دیکھ کر جلن اور حسد کا شکار ہوجاتی ہیں' مسز تنویر کی تائید کرنے کی بجائے میں نے اپنے دوست شہباز کی طرف دیکھا۔ شہباز بھی گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا پھر اس نے کہا۔

"کیا کہا جاسکتا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ عورت چند ہی لمحوں میں اپنی شخصیت کا ایک اثر چھوڑ گئی ہے' لیکن اس کا تعلق شیطانی روحوں سے ہے اس کے بارے

میں کوئی بات مجھے نہیں معلوم۔ ویسے کوئی ان شیطانی قوتوں پر یقین کرے یا نہ کرے میں ضرور یقین کرتا ہوں اور خاص طور سے اگر دادا جان کو اس سلسلے میں شریک کیا جائے تو ان سے زیادہ بہتر انداز میں اور کوئی نہیں بتا سکتا۔ ان کا کہنا ہے کہ شیطانی قوتیں بہرحال اس دنیا میں کام کر رہی ہیں اور ان کے اثرات اور اختیارات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ انسان ان شیطانی قوتوں کو کچھ مخصوص طریقوں سے اپنے حکم کا غلام بنا سکتا ہے اور ان سے حسب خواہش مدد بھی لے سکتا ہے۔ اصل میں مائی ڈیئر گل شیر! دادا جان سے تمہارے کتنے ہی گہرے تعلقات ہوں لیکن دادا جان کی دوسری شخصیت کا تجزیہ تم نے نہیں کیا ہے' اگر تم بدروحوں اور شیطانی قوتوں کی اثر انگیزی اور اختیارات کا کرشمہ دیکھنا چاہتا ہو تو دادا جان سے گہرے رابطے قائم کرو۔ وہ ہر کسی کو ان تجربات سے روشناس نہیں کراتے ان کے اپنے کچھ معاملات بے شک ہوں گے لیکن ویسے دادا جان بہت سے واقعات کے سچے شاہد ہیں' بلکہ اگر میں تم سے کہوں کہ میں نے خود بھی ان کا تجزیہ کیا ہے تو شاید تم اب اس بات کو جھوٹ سمجھو۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

میں نے جواب دیا ڈولی نے ان تمام باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"اتفاق کی بات ہے کہ ہم تینوں اس مسئلے میں ایک بات پر متفق ہوگئے ہیں اور میں سمجھتی ہوں کہ نیلم ساجد علی کے بارے میں یہ گفتگو اور تحقیق جاری رہنی چاہئے لیکن کیوں نہ اس کے ساتھ ہی ساتھ کھانے کا دور بھی ہوجائے کھانے کا وقت ہوگیا ہے اور ایک عمدہ کھانا اس وقت ہماری اہم ترین ضرورت ہے۔" ہم دونوں بھی نیلم ساجد علی کے طلسم سے کچھ لمحوں کے لئے باہر نکل آئے اور شہباز نے چٹکی بجا کر ویٹر کو طلب کرلیا' مینو پر ڈسکس ہوتا رہا پھر اس کے بعد کھانے کا آرڈر دے دیا گیا۔

اس کے بعد ویٹر تو کھانا لانے چلا گیا اور شہباز نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"دادا جان کی پوری زندگی ایسے ہی تجربات میں گزری ہے' انہوں نے ایک عظیم دنیا دیکھی اور اپنی عمر کے لاتعداد سال ان واقعات اور تجربات کے مشاہدے میں صرف کئے ہیں۔ انہوں نے افریقہ کے وحشی قبائلیوں کی زندگی کا بھی مطالعہ کیا ہے اور جنوبی امریکہ کے جنگلوں میں بھی گھومے پھرے ہیں۔ ہندوستان اور چین کی پرانی تہذیب کو بھی کھنگالا ہے اور قدیم مصریوں کی رسوم وعقاعد کا بھی جائزہ لیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی مقام ایسا نہیں ہے جہاں بدروحوں اور شیطانی طاقتوں کے قصے سننے میں نہ آئے ہوں انہوں نے مجھے جو واقعات سنائے ہیں ان کے بارے میں اتنا جانتا ہوں کہ دادا جان غلط انسان نہیں

ہیں اور نہ ہی وہ جھوٹ بولتے ہیں بلکہ ان کے اندر جو روحانیت پوشیدہ ہے انہوں نے کبھی اس کا مظاہرہ نہیں کیا لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی انہیں اندر سے ٹٹولے تو وہ بہت ہی سنسنی خیز نظر آئیں گے۔ انہوں نے دنیا کے ایسے ایسے کرشمے دیکھے ہیں کہ انسانی عقل سنے تو حیران رہ جائے۔"

مسز تنویر نے انتہائی دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ "جیسا کہ تم کہہ رہے ہو ڈیئر شہباز کہ دادا جان سے تمہارا گہرا تعلق ہے اور وہ اس سلسلے میں تمہیں اپنے تجربات سے روشناس کراتے رہے ہیں' کوئی ایسا سنسنی خیز واقعہ جو تمہارے علم میں ہو۔"

"بے شمار واقعات سنا سکتا ہوں میں آپ کو مسز تنویر' مثلاً برازیل کے ایک جنگلی قبیلے میں دادا جان ایک ایسے شخص سے ملے تھے۔ جس بارے میں مشہور تھا کہ وہ پوشیدہ قوتوں کا مالک ہے اس وقت دادا جان برازیل کے جنگلات میں سفر کررہے تھے کہ انہیں ایک عیسائی مشنری کے کچھ افراد ملے جو ان غیر مہذب علاقوں میں مذہب کی تبلیغ کرتے پھر رہے تھے۔ ایک دن پادریوں کے سربراہ کو کسی زہریلے سانپ نے ڈس لیا' اس کے جسم پر سیاہ رنگ کے آبلے نمودار ہوئے اور اس کی حالت بے حد خراب ہوگئی یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے تھوڑی دیر بعد وہ مرگیا۔ دادا جان کیونکہ ان کے ہم سفر تھے چنانچہ انہیں بھی ان لوگوں سے خاصی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ پادری کے کفن دفن کی تیاری ہونے لگی کہ جنگلیوں کے ایک گروہ کے ساتھ وہ جادوگر بھی آگیا۔ اس نے پادری کی لاش دیکھی اور اس کے ساتھیوں سے کہا کہ اسے دفنانے کے لئے جلدی نہ کریں حالانکہ پادری مرچکا تھا اور وہ تو سرد ہوچکا تھا سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ شخص کیا کرنا چاہتا ہے۔ مشنری کی اس جماعت میں ایک ڈاکٹر بھی تھا اس نے پادری کی لاش کا دوبارہ معائنہ کیا اور آخری طور پر اس بات کا اعلان کردیا کہ پادری مرچکا ہے لیکن وہ قبائلی جادوگر جو اپنے علم کا مظاہرہ کر رہا تھا اس نے اپنی زبان میں منتر پڑھنے شروع کردیئے تھے اور پادری کی لاش کو درمیان میں رکھ کر اس کے گرد دائرہ بنا دیا تھا۔ وہ منتر پڑھتا رہا اور دوسرے لوگ بیزار ہوگئے' مشنری کے افراد تو یہ ماننے کے لئے تیار ہی نہیں تھے کہ وہ کسی قسم کا کوئی معجزہ دکھا سکتا ہے۔ وہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ ان قبائلیوں نے مشکل میں ڈال رکھا ہے اور بلاوجہ اس بیچارے پادری کی تدفین میں دیر ہو رہی ہے لیکن اس وقت وہ سب حیرت سے گنگ رہ گئے جن میں دادا جان بھی شامل تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک ہلکے سبز رنگ کا کوئی تین فٹ لمبا سانپ جس کی گردن کے نزدیک دو حسین سرخ دھبے پڑے ہوئے تھے ایک جانب سے نمودار ہوا پہلے تو وہ جادوگر کے اردگرد پھرتا رہا پھر مرے

ہوئے پادری کی طرف بڑھا اور اس کی دائیں پنڈلی پر منہ مارا اور بے حس و حرکت پادری کی پنڈلی منہ میں دبائے بیٹھ رہا۔ اس دوران جادوگر مسلسل منتر پڑھتا رہا تھا پھر کچھ لمحوں کے بعد سانپ جدھر سے آیا تھا ادھر ہی واپس چلا گیا لیکن اس کے غائب ہوتے ہی پادری کے بدن میں جنبش ہونے لگی اور کچھ دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر وہ طویل عرصے تک دادا جان کے ساتھ رہا تھا' دادا جان کا کہنا ہے کہ اگر وہ خود یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتے تو کبھی یقین نہ کرتے۔ کوئی ماہر ڈاکٹر بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ مرنے کے بعد وہ پادری کیسے زندہ ہوگیا' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ پادری مرا نہیں تھا بلکہ زہر کے اثرات سے اس کی یہ حالت ہوگئی تھی جس سے موت کا شبہ ہوتا تھا۔ سانپ آیا اور اس نے زہر چوس لیا اور پادری زندہ ہوگیا' ان تمام باتوں پر بحث کی جاسکتی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر جادوگر کے پاس وہ کون سی پُراسرار قوت تھی جس نے سانپ کو آنے اور اپنا زہر چوس لینے پر مجبور کردیا تھا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جادوگر نے پادری کو زندہ کیا ایسا تو خیر کسی حالت میں بھی سوچا نہیں جاسکتا۔ اس سے زیادہ حماقت کی بات اور کوئی نہیں ہوسکتی لیکن مجھے صرف اس بات کا جواب دے دو کہ وہ سانپ کس کے بلانے پر آیا؟" مسز تنویر اور میں خاصے حیران تھے۔

میں نے کہا۔ "ہاں بے شک ان پُراسرار قوتوں کا وجود تو ہے لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ ہے کیا' ممکن ہے مستقبل میں یہ اسرار بھی کھل سکے۔ خیر یہ باتیں تو اپنی جگہ ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس عورت کے بارے میں کیا کریں اس نے کل ہمیں اپنے گھر آنے کی دعوت دے دی ہے۔ تو اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے' ہمیں وہ ملی ہمارا کوئی براہ راست مسئلہ تو اس سے ہے نہیں۔ آخر کیا ضرورت ہے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی۔ وہ کلب میں آتی ہے لوگوں سے اگر اچھے انداز میں ملتی ہے تو ملتی رہے اس کی سالگرہ میں بھی جاکر دیکھ لیں گے۔ کیا صورت حال ہوتی ہے تو میرا مطلب کہنے کا یہ ہے کہ ہمیں بہت زیادہ الجھن میں پڑنے کی ضرورت کیا ہے اس سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس نے کسے کیا نقصان پہنچایا ہے شہباز نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"فرض کرو اگر اس نے کسی کو کوئی نقصان پہنچایا بھی ہے تو کم از کم وہ ہمارے علم میں تو نہیں ہے۔ ہم تو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے ہاں اگر وہ کسی کو کوئی نقصان پہنچایا اپنی ان شیطانی قوتوں سے تو پھر تو دیکھنا پڑے گا۔" ہم لوگ خاموش ہوکر سوچ میں ڈوب گئے' اتنی دیر میں ویٹر نے ہمارے سامنے کھانا لگانا شروع کردیا اور ہم لوگ

کھانے میں مصروف ہوگئے۔ پھر کھانے سے فراغت حاصل ہوگئی تھی‘ نیلم ساجد علی کی شخصیت کی پُراسراریت پر کھانے کے بعد کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی لیکن جب ہم لوگ اپنی جگہ سے اٹھے تو پھر ڈولی نے کہا‘ تو پھر کل کیا پروگرام ہے‘ وہ اپنی سالگرہ میں ہمیں دعوت دے گئی ہے کیا خیال ہے؟ چلیں گے ضرور چلیں گے‘ تو پھر مجھے بھی اس پتے پر آکر لے جانا تینوں ایک ساتھ ہی چلیں گے ٹھیک ہے نا۔ ضرور مسز تنویر آپ کو بھلا کون نظرانداز کرسکتا ہے شہباز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جب ہم واپس اپنے ٹھکانے کی جانب پلٹ رہے تھے تو شہباز بولا۔ "اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس عورت نے جھیل کی سطح پر پتھر پھینک دیا ہے۔"

"کس عورت نے؟" میں چونک پڑا۔

"میں نیلم ساجد علی کی بات کر رہا ہوں‘ میں بھی اتفاق سے اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں اور مزید یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ دادا جان کے اس رجحان کا مجھے صحیح طور پر اندازہ نہیں تھا۔ اصل میں دادا جان کسی کو اپنا شریک کار نہیں بناتے مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں وہ لیکن انہوں نے اپنے قطعی ذاتی معاملات سے مجھے بھی لاتعلق رکھا ہے اور اس کی وجہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ پُراسرار عمل اور اس کے پُراسرار کھیل عموماً جان لیوا ثابت ہوتے ہیں اور ایسے جھگڑے میں پڑنے کے لئے انسان کے پاس بہت زیادہ وقت اور دنیا سے دوری ضروری ہے جبکہ بقول ان کے میں نے تو ابھی زندگی کا آغاز کیا ہے۔"

"بذات خود تمہیں ان معاملات سے کوئی دلچسپی ہے شہباز؟" میں نے سوال کیا۔

"بہت زیادہ۔" شہباز بولا اور میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھی میں نے سوچا کہ کیوں نہ شہباز کو ربابہ کے سلسلے میں اپنا راز دار بناؤں اور اس سے کہوں کہ کیا کوئی ایسی ترکیب ہوسکتی ہے جس سے ربابہ کا راز کھل کر سامنے آسکے لیکن پھر میں نے خود کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ یہ جلد بازی ہوگی بہتر ہے کہ انتظار کرلیا جائے اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ذہن میں نیلم ساجد علی کی شخصیت کچھ اس طرح بیٹھ گئی تھی کہ اسے بھلانا آسان کام نہیں تھا لیکن سونے کے بعد جس کشمکش کا آغازا ہوا وہ میرے لئے بڑی بھیانک تھی‘ خواب ہی کا عالم تھا اس میں ہر چیز موجود تھی جو میں پہلے دیکھ چکا تھا سوائے اس بند کھڑکی کے جو عالم خواب میں کھلی تھی اور ہوا کے کچھ ٹھنڈے جھونکے اندر آئے تھے۔ مجھے یوں لگا جیسے کسی کے قدموں کی چاپ ابھری ہو اور میری آنکھ کھل گئی یا صرف یہ سب میرے لاشعور کی پیداوار تھی۔ میں نے مسہری سے گردن اٹھا کر دیکھا تو کوئی سیاہ رنگ کا سایہ اپنی جگہ سے اٹھ رہا تھا اور پھر وہ سایہ آہستہ آہستہ کھڑا ہوگیا۔ گہرے سیاہ

رنگ کے لباس میں اس کے سفید ہاتھ اور سفید چہرہ نمایاں نظر آرہا تھا اور یہ چہرہ نیلم ساجد علی کے علاوہ کسی کا نہیں تھا لیکن ان آنکھوں میں نفرت اور حقارت کے سوا اور کچھ نہیں تھا‘ وہ آنکھیں حقارت بھرے انداز میں مجھے گھور رہی تھیں۔ میں نے دونوں کہنیاں مسہری پر ٹکا دیں اور آدھا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے کھلی کھڑکی کی جانب دیکھا تو اس کا پردہ بدستور ہل رہا تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔ "آپ اس طرح آپ کا یہاں کیسے آنا ہوا؟" لیکن میرے اس سوال کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور بدستور حقارت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے ایک قدم آگے بڑھایا تو میں فوراً سمٹ گیا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنی لمبی انگلیوں سے میری گردن دبا دینا چاہتی ہو‘ اس کے ہاتھ بھی اسی انداز میں پھیل گئے تھے لیکن پھر ایک اور عجیب واقعہ ہوا اس کے عقب میں لگی دیوار کی ایک تصویر اچانک ہی روشن ہوگئی‘ چٹ کی آواز آئی تھی اور تصویر سے روشنی کی شعاعیں پھوٹ پڑی تھیں۔ اس تصویر میں ایک پہاڑی منظر تھا لیکن اس وقت وہ صرف ایک روشن فریم لگتا تھا اور پھر اس روشن فریم میں ایک چہرہ نمودار ہوا اور یہ چہرہ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ چہرہ ربابہ کے علاوہ کسی اور کا نہیں تھا۔ نیلم ساجد علی بے اختیار پلٹی تھی دوسری طرف تصویر میں جو تماشا ہو رہا تھا وہ بھی قابل دید تھا۔ وہ چہرہ آہستہ آہستہ قریب آتا جارہا تھا‘ بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی کیمرہ زوم کر رہا ہو لیکن جیسے جیسے وہ چہرہ قریب آتا جارہا تھا نیلم ساجد علی اپنی جگہ سے پیچھے ہٹتی جارہی تھی اور کچھ لمحوں کے بعد وہ کھلی کھڑکی کے بالکل قریب پہنچ گئی تھی۔ پھر اس نے ایک الٹی چھلانگ لگائی اور میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئی‘ میں کبھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور کبھی تصویر میں نظر آنے والے ربابہ کے چہرے کی طرف۔ اس وقت میری نگاہیں نیلم ساجد علی کی طرف ہی تھیں جب وہ کھڑکی سے دوسری طرف کودی تھی اور کھڑکی خودبخود بند ہوگئی تھی۔ اس کا پردہ ساکت ہوگیا تھا‘ میں نے ایک دم تصویر کے فریم کی طرف دیکھا تو فریم سپاٹ تھا اور اس پر وہی منظر نظر آرہا تھا۔ ایک آبشار اس سے بنتی ہوئی ندی اور قرب وجوار میں بکھرا ہوا جنگل پھر مجھے یوں لگا جیسے کوئی پُراسرار قوت مجھے سلا رہی ہو اور کچھ ہی لمحوں کے بعد میں بے خبر سوگیا۔

☆======☆======☆

دوسری صبح اپنے بستر پر ہی آنکھ کھلی تھی‘ لیکن رات کے واقعات مجھے اس طرح یاد تھے جیسے سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہوا ہو‘ کھڑکی بند تھی اور تصویر اپنی جگہ

موجود تھی۔ آہ پتہ نہیں وہ خواب تھا یا حقیقت لگ تو یہ رہا تھا جیسے میں ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا' ایک ملازم نے ناشتہ دیا تو میں نے اس سے شہباز کے بارے میں پوچھا۔ "جی صاحب چھوٹے صاحب کہیں گئے ہوئے ہیں۔" دادا جان اپنے کمرے میں ہیں؟

"نہیں دادا بڑے صاحب کے ساتھ جیپ میں بیٹھ کر گئے ہیں غالباً کسی دوسرے شہر۔ کبھی کبھی دادا جان اپنی بیٹی کے پاس جاتے ہیں جو یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک دوسرے شہر میں رہتی ہے۔ وہ جیپ میں جاتے ہیں اور جیپ میں واپس آجاتے ہیں' بڑے صاحب انہیں لے کر گئے ہوئے ہیں اس لئے تو آپ کا ناشتہ آپ کے کمرے میں لایا ہوں۔" شہباز پتہ نہیں کس کام سے نکل گیا تھا میری اس سے اچھی خاصی دوستی ہوگئی تھی اور اگر کوئی خاص مصروفیت ہوتی اسے تو وہ مجھے بتا دیا کرتا تھا۔ بہرحال ہوگا کوئی مسئلہ اب میں اتنا با اثر بھی نہیں تھا کہ مجھے بتائے بغیر کوئی کام ہی نہ کیا جائے۔ بہرحال رات کے واقعات نے ذہن بری طرح الجھا دیا تھا' نیلم ساجد علی کی سالگرہ پارٹی میں جانے کا پروگرام بھی تھا اور خاص طور سے ڈولی نے کہہ دیا تھا کہ اسے بھی ساتھ لے لیا جائے۔ بہرحال دوپہر کے کھانے پر شہباز واپس آگیا تھا خود میرے کمرے میں پہنچا تھا اور کہا تھا۔ "سوری یار تمہیں بتائے بغیر چلا گیا اصل میں ڈیڈی نے کچھ کام میرے سپرد کردیئے تھے بور تو نہیں ہوئے تم؟"

"نہیں نہیں ظاہر ہے کام تو کام ہی ہوتے ہیں' یاد رکھنا آج شام کی محفل ذرا مزے دار ہوگی خاص طور سے ایسی شکل میں کہ ہم ایک شیطانی روح سے ملنے جارہے ہیں۔ ویسے اس عورت کی کلب میں آمد ایک سنسنی خیز اضافہ ہوگی' آج دیکھو کون کون وہاں ملتا ہے اور کوئی خاص بات؟" میں نے ایک لمحے کے لئے چاہا کہ وہ خاص بات جو رات کو ہوچکی ہے شہباز کو بتا دوں لیکن نہ جانے کیوں میرے منہ پر تالا لگ گیا۔ اندر ہی سے کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ کچھ معاملات ایسے بھی ہونے چاہئیں جنہیں صرف اپنی ذات تک محدود رکھا جائے اور میں نے اپنی زبان بند رکھی۔ شہباز ہر طرح سے میرا ساتھ دے رہا تھا' شام کے پروگرام میں جانے کے لئے اس نے میرے لئے لباس بھی بھیجا تھا اور اس کے بعد وہ مجھے ساتھ لے کر بازار بھی گیا تھا۔

"دیکھو جب دوستی ہوگئی ہے تو کسی قسم کا کوئی تکلف نہیں ہونا چاہئے میرا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کے شایان شان تحفہ خریدیں گے۔ ویسے تو وہ عورت مجھے شیطان زادی معلوم ہوتی ہے لیکن کوئی فرق نہیں پڑتا تھوڑی بہت دوستی ایسی عورتوں سے بھی ہونی چاہئے۔" میں نے بہرحال اس کی پیش کش پر اعتراض نہیں کیا تھا' آخر کار ہم مقررہ وقت

پر گھر سے نکل آئے اور تھوڑی دیر کے بعد شہباز ایک ایسی جگہ پر پہنچا جو ایک چھوٹے سے خوشنما بنگلے پر مشتمل تھی۔

یہ مسز تنویر کا مکان تھا' بہت ہی حسین مکان تھا' لیکن اندر سے ایک ملازم نکلا اور اس نے کہا آپ لوگ شہباز علی اور گل شیر ہیں نا۔ ہاں کیا مسز تنویر اندر موجود نہیں ہیں' آپ کے لئے پیغام دے گئی ہیں کہ کوئی بہت ہی ضروری کام پیش آگیا تھا انہیں' کہہ گئیں ہیں کہ اگر اس کام سے فراغت جلدی ہوگئی تو وہیں پہنچ جائیں گی جہاں جانا ہے۔ ٹھیک ہے شہباز نے کہا اور پھر ہم وہاں سے واپس چل پڑے' جب ہم نیلم ساجد علی کی رہائش گاہ پر پہنچے تو باہر ہی لان خوبصورتی سے سجایا گیا تھا اور بڑی زبردست ڈیکوریشن کی گئی تھی۔ بے شمار افراد وہاں موجود تھے' نیلم ساجد علی نے خود ہمارا استقبال کیا' اس وقت وہ جو کچھ نظر آرہی تھی بیان نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایسی حسین عورتیں دیکھنے میں کم ہی آتی ہیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ اس کے چہرے پر معصومیت نام کی کوئی چیز نہیں تھی بلکہ ایک عجیب سا انداز تھا۔ اس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا اور یہ نگاہیں رات والی نگاہوں سے مختلف نہیں تھیں۔ میں سحر زدہ سا اندر داخل ہوا' بڑے اچھے اچھے لوگ یہاں موجود تھے لیکن اچانک ہی پیچھے سے ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ "اوہ میرے خدا مجھے یقین نہیں آتا ڈیئر شہباز کہ آپ بھی یہاں موجود ہوں گے۔" شہباز نے پلٹ کر دیکھا اور میری نگاہیں بھی گھوم گئیں یہ ایک نوجوان اور سڈول جسم والی لڑکی تھی۔

شہباز نے لڑکی کو دیکھ لیا اور بولا۔ "ڈیئر شمائلہ کہو کیا حال چال ہیں تمہارے؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں مگر یہ بتایئے نیلم ساجد علی سے تمہارے کب سے تعلقات ہیں؟"

"صرف ایک دن پہلے سے۔"

"کیا مطلب؟" وہ بولی۔

"کل کلب میں ملاقات ہوئی تھی تو انہوں نے مجھے اور میرے دوست گل شیر کو اپنی سالگرہ میں آنے کی دعوت دی تھی۔"

"انہوں نے خود آپ کو دعوت دی تھی؟" شمائلہ نے کافی حد تک حیرانی سے کہا۔

"کیوں ایسی کیا خاص بات ہے۔"

"نہیں میرا مطلب ہے نیلم ساجد علی سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مردوں سے بالکل بے تکلف نہیں ہوتیں کسی مرد کو اپنی سالگرہ میں دعوت دینا ان کے لئے بڑی عجیب و غریب بات ہے۔"

"اتنے لوگ جو یہاں آئے ہیں کیا ان میں کوئی بھی مرد نہیں ہے؟" شہباز نے پُرمزاح لہجے میں کہا۔

"نہیں آپ کو یقین نہیں آئے گا ڈیئر شہباز کہ یہاں آنے والے مرد وہ ہیں جو اپنی ساتھی خواتین کے توسط سے یہاں تک پہنچے ہیں کسی مرد کو براہ راست دعوت نہیں دی گئی ہے۔"

"یہ تو بڑی اجنبی اور عجیب بات ہے۔"

"آپ یقین کیجئے کہ وہ سیدھے منہ مردوں سے بات ہی نہیں کرتیں۔"

"خود پسند اور مغرور ہیں؟" شہباز نے سوال کیا۔ میں اس دوران بالکل خاموش تھا اور شمائلہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ بولی۔ "صرف مردوں کی حد تک ورنہ لڑکیوں سے وہ بہت خوش اخلاقی اور محبت سے ملتی ہیں۔ مجھ سے ان کی ملاقات ہوئی تو وہ بہت جلد میری سہیلی بن گئیں اور انہوں نے مجھے گلے لگایا اور بھینچ بھینچ کر پیار کیا۔ انہوں نے مجھ سے میری عمر پوچھی میں اس سال اگست میں ۲۱ سال کی ہو جاؤں گی اور وہ صرف ۲۰ برس کی ہیں لیکن انہوں نے کہا کہ میں ان کی بہترین دوست ہوں اور وہ میری سالگرہ خود اپنے ہاتھوں سے منائیں گی۔" پتہ نہیں کیوں شہباز کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی تھی اس نے آہستہ سے کہا۔

"تم نے اس کی کوئی خاص بات محسوس نہیں کی شمائلہ؟"

"میں سمجھی نہیں۔"

"جو کچھ اس نے تم سے کہا کیا وہ غیر معمولی نہیں ہے؟"

"شاید مگر۔"

"سنو شمائلہ ایک بات میں کہوں تم سے تم میری بہت اچھی دوست ہو اگر میں تم سے یہ کہوں کہ تم اس سے بہت زیادہ راہ و رسم نہیں بڑھاؤ گی تو بات بے شک عجیب ہے لیکن نہ جانے کیوں میرا دل کہتا ہے کہ تمہارا اس سے ملنا تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔"

شمائلہ تو حیران تھی ہی لیکن میں اس سے زیادہ حیران ہو گیا تھا' شمائلہ کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ میں شہباز کی صورت دیکھ رہا تھا نہ جانے شہباز کے چہرے پر کیسے تاثرات تھے۔ شمائلہ بولی۔ "مگر تم یقین کرو شہباز کہ میری ممی اور ڈیڈی نے مجھے اجازت دے دی ہے کہ میں اس سے راہ و رسم بڑھاؤں' وہ بھی نیلم ساجد علی سے مل چکے ہیں۔" وہ تو ٹھیک ہے لیکن' اوہو شاید وہ میری ایک اور دوست آرہی ہے شمائلہ نے کہا

اور پھر معذرت کر کے وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ میں شہباز کو دیکھ چکا تھا شہباز نے نہ جانے یہ سب کچھ کیوں کہا تھا۔ اچانک ہی میں نے اس سے کہا شہباز وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ آؤ کہیں بیٹھتے ہیں ہم دونوں آگے بڑھ کر ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔ شہباز نے ایک ویٹر کو بلایا اور اس سے کہا کہ یہ دو کرسیاں یہاں سے ہٹا دی جائیں مقصد یہ تھا کہ کوئی اور یہاں آکر نہ بیٹھ جائے۔ شہباز گہری نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا' میں نے اس سے کہا۔ "تمہارا رویہ بھی بڑا پُراسرار اور سنسنی خیز ہو گیا ہے شہباز کیا تم بتا سکتے ہو' تم نے شمائلہ کو اس سے ملنے کو کیوں منع کیا ہے؟"

شہباز نے کھوئی کھوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر کسی قدر بھاری لہجے میں بولا۔

"میں نہیں جانتا یقین کرو میں بالکل نہیں جانتا۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے شمائلہ کو اس سے ملنے سے منع کیا ہے؟"

"ہاں بلکہ نہایت سختی سے اور میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ شمائلہ نے تمہاری اس بات کو پسند نہیں کیا اور شاید اس سلسلے میں وہ تم سے اتفاق نہیں کرتی۔" شہباز نے کھوئی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر سنبھل کر بولا۔

"اتفاق نہیں کرتی تو بھاڑ میں جائے میں نے کسی کی زندگی کا ٹھیکہ تو نہیں لے لیا ہے۔"

"کیا مطلب میں سمجھا نہیں۔"

"یار پلیز میں اس بارے میں شاید تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا اور وہ اس لئے نہیں بتا سکتا کہ مجھے خود بھی کچھ نہیں معلوم بس نہ جانے کیوں مجھے یوں لگتا ہے جیسے شمائلہ کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"مگر یہ شمائلہ ہے کون؟" میں نے سوال کیا۔

"بہت اچھی دوست ہے میری بہت اچھی لڑکی ہے معصوم اور سادہ لوح بہت جلد کسی کے فریب میں آجانے والی۔ پتہ نہیں یار کیا چکر ہے میرا دماغ اس وقت میرا ساتھ بھی نہیں دے رہا۔" بہرحال تقریب جاری رہی وہ شعلہ جوالہ بنی اِدھر اُدھر آجا رہی تھی اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ شہباز کے اندر ضرور کوئی ایسا تصور جنم لے رہا ہے جو سمجھ میں نہیں آرہا۔ کافی دیر تک نیلم ساجد علی اس تقریب کی دلچسپیوں کو بڑھاتی رہی' پھر اچانک ہی ایک جگہ رک کر اس نے مجھے دیکھا اور مجھے پھر وہی احساس ہوا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی آنکھیں مجھ سے کچھ کہہ رہی ہوں' بہرحال تقریب کا خاتمہ ہو گیا۔ شہباز

کچھ مرجھایا ہوا اور اداس اداس سا تھا' عام حالات میں وہ ایک خوش مزاج اور ہر وقت ہنسنے ہنسانے والا نوجوان تھا لیکن پچھلی رات کے اس وقت سے جب کلب میں اس کی ملاقات نیلم ساجد علی سے ہوئی تھی اس کے اندر ایک نمایاں تبدیلی محسوس کی جا رہی تھی۔ اس تبدیلی کی بنیاد کیا تھی کم از کم میری سمجھ میں تو نہیں آیا تھا' حالانکہ میں شہباز سے بہت بے تکلف ہو چکا تھا لیکن اب بھی اس کی شخصیت کے بہت سے پہلو ایسے تھے جن کے بارے میں مجھے معلومات نہیں تھیں' خود مجھ پر جو بیت رہی تھی وہ بھی میں اچھی طرح جانتا تھا۔ مجھے اس پوری تقریب کے دوران مسلسل یہ احساس ہوتا رہا تھا کہ نیلم ساجد علی کی نگاہ جب بھی مجھ پر پڑتی ہے نہ جانے کیوں اس کے اندر ایک نفرت اور حقارت سی نمایاں ہو جاتی ہے۔ پھر پچھلی رات کا وہ خواب جس کے بارے میں صحیح معنوں میں' میں اب تک یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ 'وہ خواب تھا یا حقیقت۔ پھر رات کو خود شہباز میرے پاس آ گیا حالانکہ اچھی خاصی رات گزر چکی تھی' ہم لوگ ویسے بھی کافی دیر سے پارٹی سے واپس آئے تھے اور میں اور شہباز دونوں اپنے اپنے کمرے میں سونے چلے گئے تھے لیکن اس وقت میں جاگ رہا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ میں بری طرح اچھل پڑا بہرحال میں نے دروازہ کھولا ہی تھا شہباز کو دیکھ کر میں نے گہری سانس لی اور وہ مسکرا کر بولا۔

"میں جانتا تھا کہ تم جاگ رہے ہو گے۔"

"آؤ واقعی میں جاگ رہا تھا اور تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"بس کیا بتاؤں یار بڑی الجھنوں کا شکار ہو گیا ہوں میں۔"

"خیر میری اور تمہاری ملاقات زیادہ پرانی نہیں ہے شہباز اس کے علاوہ میں تمہارے لئے بڑی حیثیت نہیں رکھتا' کسی ایسی بنیاد پر میں تم سے کوئی ایسا سوال نہیں کر سکتا جس کی کوئی ٹھوس وجہ نہ ہو لیکن میرا ذہن پریشان ضرور ہے جب سے تم نیلم ساجد علی سے ملے ہو میں نے تمہارے اندر ایک ہیجان محسوس کیا ہے اور اس وقت اس ہیجان کی تکمیل یوں ہو گئی کہ تم نے شمائلہ کو اس سے تعلقات ختم کرنے کے لئے کہا ہے۔ ہر چیز کی کوئی بنیاد ہوتی ہے شمائلہ سے تمہارا گہرا تعلق بھی نہیں ہے اس کے باوجود۔"

"کاش میں تمہیں بتا سکتا میں تو خود اندھیرے میں بھٹک رہا ہوں' تم یقین کرو مجھے کچھ بھی معلوم نہیں بس میرے اندر سے ایک آواز اٹھ رہی ہے جو بار بار بتاتی ہے کہ یہ عورت نیلم ساجد علی کوئی بہت ہی خطرناک کھیل کھیل رہی ہے اور کسی کی زندگی خطرے میں ہے۔ کاش مجھے اس سے زیادہ کچھ معلوم ہو سکتا میں یہ جان سکتا کہ کس کی زندگی خطرے میں ہے میں تو خود شدید الجھا ہوا ہوں۔ دیکھو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ

ایک پُراسرار عورت ہے اور اسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کے اندر کوئی شیطانی روح حلول کر گئی ہے۔ مجھے خود بھی ایسے معاملات سے دلچسپی ہے میں نے تمہیں اپنی زندگی کے بارے میں آج تک تفصیل نہیں بتائی کبھی کوئی مناسب موقع ہوا تو میں تمہیں بتاؤں گا۔"

"لیکن مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ عورت غیر معمولی طور پر تمہارے اعصاب پر سوار ہو گئی ہے اور تم خواہ مخواہ اس کے اندر اتنی دلچسپی لے رہے ہو۔ فرض کرو اگر وہ کوئی خطرناک کھیل کھیل بھی رہی ہے تو اس سے ہمارا کیا واسطہ۔ ویسے میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر تم واقعی کوئی ایسی سنسنی خیز بات محسوس کرتے ہو تو دادا جان سے رجوع کرو۔ جبکہ تم کہتے ہو کہ دادا جان اس سلسلے میں تمہارے رازدار بھی ہیں اور مددگار بھی۔" میرے ان الفاظ پر شہباز کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ سی نمودار ہوئی۔

پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "تم بے فکر رہو کچھ نہ کچھ تو کر ہی لیں گے میں ایسے ہی ذہنی طور پر مضطرب تھا' اس لئے تمہیں پریشان کرنے آ گیا ہوں اب میں چلتا ہوں۔ اور ہاں ایک بات کہوں دروازہ مت بند کرنا ہو سکتا ہے میرا ہیجان مجھے واپس تمہارے پاس لے آئے' بس نہ جانے کیوں مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں ساری رات سو نہیں سکوں گا۔"

"تو پھر تم یہیں آرام کرو کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے کسی خیال کے تحت کہا۔

"نہیں ہو سکتا ہے مجھے ایک پُرسکون نیند آ جائے۔" اس نے کہا اور پھر چلا گیا۔ میں بستر پر لیٹ کر مختلف خیالات میں کھویا رہا' میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر شہباز کو کیا ہوا ہے۔ ایک طرف تو شہباز اس مشکل کا شکار تھا اس کے دل میں ضرور کوئی ایسی ہی گہری بات تھی' جسے وہ مجھے بتانا نہیں چاہتا تھا یقیناً اس نے نیلم ساجد علی کے بارے میں جو رائے قائم کی ہے اس کی کوئی خاص وجہ ضرور ہو گی جسے میں نہیں سمجھ پا رہا تھا لیکن اس عورت کی شخصیت میں بلاشبہ مجھے کچھ ایسی ہی چیزیں نظر آ رہی تھیں جو دوسروں میں نہیں ہوتیں۔ قد و قامت' شکل و صورت اور چال ڈھال سے وہ جرائم پیشہ ہرگز نظر نہیں آتی تھی۔ اس کی گفتگو کا انداز اور لہجہ باوقار اور دلکش تھا' لیکن نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں کی نفرت میرے لئے بھی باعث حیرت تھی۔ پھر میری ذہنی رو شمائلہ کی جانب چلی گئی کتنی خوبصورت اور معصوم سی لڑکی ہے وہ جوانی اور صحت سے بھرپور ہے۔ خون اس کے چہرے پر چھلکا پڑتا ہے۔ ہو سکتا ہے شمائلہ کی طرف راغب ہونے کی وجہ اس کا حسن ہی ہو' حسن اور عورت ضروری نہیں کہ کسی مرد ہی کی پسند ہو کوئی عورت بھی عورت کو پسند کر سکتی ہے۔ بہرحال اب یہ شہباز کے معاملات ہیں وہ جانے اور اس کا کام آخر کیوں

نہ میں سونے کی کوشش کروں۔ پچھلی رات کی کسر اس رات کو پوری ہوگئی یعنی یہ کہ میں بھرپور نیند سویا اور کوئی دقت مجھے پیش نہیں آئی۔

دوسرے دن شہباز ناشتے پر میرے ساتھ تھا میں نے اس سے دادا جان کے بارے میں پوچھا تو وہ بولا ہاں دادا جان واپس آچکے ہیں۔

"شہباز اگر تم یہ سمجھتے ہو تو پھر تم داداجان سے کیوں رجوع نہیں کرتے؟" شہباز میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا ویسے ایک بات کہوں تم خود بھی اس سے اس قدر متاثر نظر آتے ہو میرا تو خیر مسئلہ ہی دوسرا ہے لیکن تم۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں، ہے ظاہر ہے تم نے ایسی ایسی شخصیتوں سے میرا تعارف کرا دیا ہے کہ میں سوچتا ہوں کہ کسے یاد رکھوں اور کسے بھول جاؤں۔ وہ مسز تنویر ہی کیا غضب کی خاتون تھیں کہ نیلم ساجد علی اور اس کے بعد شعلہ رو یعنی شمائلہ۔"

"وہ تو خیر بہت اچھی لڑکی ہے ایک معصوم فطرت کی مالک حالانکہ اچھے خاصے باپ کی بیٹی ہے لیکن فطری طور پر بالکل سادہ لوح ہے اگر تمہاری اس سے چار چھ ملاقاتیں ہوئیں تو یقیناً تم اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکو گے۔" میں نے مسکرا کر شہباز کو دیکھا اور بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم اس سے کافی متاثر ہو۔"

"ارے ہماری چھوڑو ہمارا تو مسئلہ ہی بالکل مختلف ہے یہاں تو فیصلہ کرنا ہی مشکل ہوجاتا ہے کہ کس کس سے دل لگایا جائے۔" میں ہنس کر خاموش ہوگیا۔ شہباز نے کہا بہرحال اچھا خاصا ہنگامہ ہے ویسے مجھے تعجب ہے کہ ڈولی اس تقریب نہیں پہنچی' پتہ نہیں کیا مصروفیت ہوگی اس کی۔ ہاں یہ بات تو ہے پھر اس شام کو شہباز نے مجھ سے کہا۔ "یار ایک تھوڑا سا کام آپڑا ہے ڈیڈی نے کچھ ذمہ داری میرے سپرد کی ہے مجھے جانا پڑے گا اور کام بھی ایسا ہے کہ مجھے ڈیڈی کے کچھ خاص آدمیوں کے ساتھ جانا ہوگا۔ مگر ایک شرط ہے تم یہاں بالکل بور نہیں ہوگے' ویسے کلب میں تمہاری شناسائی تو ہوگئی ہے ایسا کرنا میرے پیچھے کلب جاتے رہنا کوئی تکلیف نہیں ہوگی تمہیں۔"

"بس، تم بالکل بے فکر ہو کر جہاں جانا چاہتے ہو جاؤ میں اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرلوں گا۔"

"میرے دوست تم سے ایک خاص بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"بولو بولو کیا؟"

"یہاں سے بھاگنے کی کوشش مت کرنا سمجھ رہے ہو نا میرا مطلب ہے۔ یہ نہ ہو

کہ اپنے آپ کو یہاں بوجھ سمجھنے لگو اور کسی سے مشورہ کئے بغیر ہی کھسک لو۔"

"اکثر یہ بات میرے ذہن میں آئی ہے اور میں نے محسوس بھی کیا ہے۔ مگر ایک بات تو بتاؤ شہباز ویسے تو ابھی میرا کہیں جانے کا ارادہ نہیں تھا لیکن پھر بھی یہ بہت ساری عنایتیں۔"

"دادا جان اور خود میرے ڈیڈی تم سے یہ بات کہہ چکے ہیں کہ ہمارے پاس بہت سے ایسے کام ہیں جنہیں تم اپنے طور پر کرکے سکون کی زندگی گزار سکتے ہو۔ ایسی کوئی حرکت نہ کرنا ورنہ یہ کوئی اچھا عمل نہیں ہوگا' یہ سوچا جاسکتا ہے تمہارے بارے میں کہ تم خود کسی کے لئے کچھ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہو اور نہ کسی کی محبت قبول کرتے ہو۔"

"اوکے اوکے یار برا بھلا کہنے پر کیوں تل گئے میں کون سا بھاگ رہا ہوں۔"

"بس میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ ایسی کوئی کوشش بھی مت کرنا اور ایک بات اور ذہن نشین کرلو' تم نے اگر ایسا کیا تو تمہیں تلاش کرلیا جائے گا۔ سمجھ رہے ہو نا!" لیکن رات کو غیر متوقع طور پر شہباز پھر میرے پاس آگیا اور میں اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

"ارے ارے تم تو جا رہے ہو۔"

میرا پروگرام شاید دو دن کے لئے لیٹ ہوگیا ویسے میں باہر سے آرہا ہوں جن لوگوں کے ساتھ مجھے جانا تھا ناں وہی مصروف ہوگئے ڈیڈی کو بتا دیا ہے میں نے۔ آؤ آج میں نے سوچا ہے کہ تمہیں کچھ دکھاؤں۔

"کیا؟"

"تمہیں تجسس ہے نا کہ آخر نیلم ساجد علی کے بارے میں' میں اتنا الجھا کیوں ہوں' اصل میں اس کے نقوش میرے شناسا ہیں اور اس کی شخصیت اسی وقت مجھے بہت زیادہ پُراسرار اور ناقابل یقین لگی تھی جب میں نے اسے کلب میں دیکھا تھا۔ اس وقت نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال آیا ہے آؤ ذرا چلتے ہیں کپڑے بدل لو۔"

جب ہم تیار ہو کر باہر نکلے تو شہباز غیر معمولی طور پر خاموش تھا' پھر ہم ایک شاندار فائیوسٹار ہوٹل میں داخل ہوگئے اور آگے بڑھتے چلے گئے۔ شہباز کے آگے بڑھنے کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے وہ کسی کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنا چاہتا ہو' وہ خاص طور سے میرا ہاتھ پکڑے ایک طرف لے جارہا تھا۔ ہوٹل کے بائیں حصے میں پہنچ کر جب ہم اس طرف مڑے جہاں نہانے کا تالاب بنا ہوا تھا تو دفعتاً شہباز ٹھٹک کر رہ گیا اس نے سختی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا سامنے سے دو عورتیں آرہی تھیں ایک اپنے لباس اور حلیے سے خادمہ نظر آتی

تھی اور دوسری یقیناً اس کی مالکہ تھی جو سرخ رنگ کے ایک انتہائی قیمتی گاؤن اور نقاب میں اس طرح لپٹی ہوئی تھی کہ اس کا چہرہ اور جسم کے دوسرے حصے چھپ گئے تھے یہ لباس کچھ عربی ٹائپ کا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے کوئی پردہ نشین عرب خاتون اس ہوٹل میں مقیم ہے جیسا کہ آپ کو بتا چکا ہوں کہ شہباز انتہائی پوشیدہ طور پر اس طرف آیا تھا اور اس کے اندر ایک عجیب سی کیفیت چھپی ہوئی تھی ہم اس وقت بھی درخت کی آڑ میں تھے دونوں عورتیں ہمارے قریب سے گزریں تو ایک لمحے کے لئے سرخ لبادے والی عورت کے چہرے سے نقاب ہٹا اور دو چمک دار زرد آنکھیں نظر آئیں پھر پورا جسم ایک جھلک دکھلا کر غائب ہوگیا۔ میں بت کی مانند ایک جگہ دم روکے کھڑا ہوا تھا میرے ہوش و حواس رخصت ہوگئے تھے جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہ ناقابل یقین تھا اور میری جسمانی کیفیت بہت عجیب سی ہوگئی تھی میں نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"شہباز......... یہ........ یہ۔"

"ہاں' کیا اب بھی تمہیں میری پریشانی بے مقصد معلوم ہوتی ہے یہ نیلم ساجد علی تھی' لیکن اس وقت اس کی شکل اس کا انداز' مجھے تو یہ اس کی ماں معلوم ہوتی ہے پہلے تو یہ بالکل ایک جوان اور حسین لڑکی نظر آتی تھی مگر اب میں نے اس کا چہرہ بخوبی دیکھا تھا وہ کم از کم چالیس سال کی بڑھیا معلوم ہوتی ہے۔ چہرہ زرد' آنکھوں کے گرد جھریاں اور رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی' چال میں بھی نقاہت اور لڑکھڑاہٹ تھی ہونٹ سفید اور ناک طوطے کی چونچ کی مانند مڑی ہوئی تھی اتنی جلدی اس کے اندر ایسا تغیر کیوں ہوگیا۔ مجھے تو یہ لگتا ہے کہ یہ اس کی ماں ہے ماں نہیں ہے تو بڑی بہن ہوسکتی ہے اور اگر بڑی بہن نہیں ہے تو لازمی امر ہے کہ وہ کوئی ایسی پُراسرار شخصیت ہے جسے دیکھ کر ایک لمحے کے اندر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ نیلم ساجد علی ہے یہی راز تو میں حل کرنا چاہتا ہوں اور یہی وجہ ہے میری جان کہ میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا مجھے ایک دم سے یہ احساس ہوا تھا اور سنو۔ نہ جانے کیوں میرا دل یہ کہتا ہے کہ اس عورت کے اور بھی بہت سے روپ ہیں۔ او ہو دیکھو یہ پتہ نہیں کس خیال کے تحت واپس آرہی ہے آہ۔ اسے کہیں ہماری یہاں موجودگی کا شبہ تو نہیں ہوگیا۔" احتیاطاً شہباز نے فوراً ہی اپنی جگہ بدل دی اور ایک گھنے درخت کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ سرخ گاؤن اور سرخ نقاب میں لپٹی ہوئی وہی عورت ہمارے قریب آئی اور یہ دیکھ کر میں بڑے حیرت زدہ انداز میں سمٹ کر رہ گیا کہ وہ ہمارے سامنے ہی آکھڑی ہوئی تھی اس کی تیز نگاہیں ہم دونوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"اور یقیناً تم دونوں نے مجھے پہچان لیا ہوگا اور یہ بھی مجھے اندازہ ہے کہ تم بے

مقصد یہاں نہیں کھڑے ہوئے ہو ویسے یہ ایک ہوٹل ہے اور دنیا کا کوئی بھی فرد یہاں آسکتا ہے کیسے ہو تم دونوں؟" شہباز نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھالا۔

"ہم بالکل بخیریت ہیں مس نیلم ساجد علی! سوری میں نے آپ کو مس کہہ دیا کیا آپ مس ساجد علی ہیں یا مسز ساجد علی۔"

جواب میں اس کے نوکیلے دانت باہر جھانکنے لگے میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ شہباز نے بڑا رسک لیا ہے وہ بولی۔ "سوری میں اس وقت تمہیں کچھ نہیں پلا سکتی بہرحال کسی کی کھوج میں رہنا اچھی بات نہیں ہے آؤ۔" یہ الفاظ اس نے اپنی ساتھی خادمہ سے کہے تھے اور پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ گئی تھی کم از کم میری کیفیت تو بہت زیادہ خراب ہوگئی تھی لیکن شہباز کے اندر ایک دم کچھ شوخی سی ابھری آئی تھی اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "اگر وہ خود سے میرے سامنے نہ آئی تو یقیناً میں اسے کبھی اس طرح مخاطب نہ کرتا لیکن سمجھتے ہو کیا ہوا ہے۔"

"نہیں۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ مجھے چیلنج کرکے گئی ہے نہ صرف مجھے بلکہ تمہیں بھی وہ اگر چاہتی تو باآسانی آگے بڑھ سکتی تھی اگر اسے ہماری موجودگی کا علم بھی ہوگیا تھا تو وہ ظاہر کرتی کہ وہ نیلم ساجد علی نہیں ہے کوئی اور ہے لیکن اس نے اپنے آپ کو ظاہر کرکے اور ہمیں پہچان کر جو اظہار کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہمیں ذرہ برابر خاطر میں نہیں لائی اور یہ کہہ کر گئی ہے کہ جو کرسکتے ہو کرلو۔"

میں شہباز کی باتوں کو سن رہا تھا ان پر غور کر رہا تھا اور مجھے لگ رہا تھا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے تاہم میں نے آہستہ سے کہا۔ "شہباز! خدا کے لئے مجھے کچھ تو بتاؤ کہ یہ قصہ کیا ہے یہ عورت وہی ہے جسے کل میں نے دیکھا لیکن اس کا حسن کہاں گیا وہ اپنی عمر سے بیس سال زیادہ بوڑھی نظر کیوں آرہی ہے۔"

"صبر کرنا ہوگا' ہمیں صبر کرنا ہوگا میرے دوست لیکن میرا عہد ہے کہ اس راز سے پردہ ضرور اٹھاؤں گا میں تمہیں یہی دکھانا چاہتا تھا اور اس وقت اسی لئے تمہیں یہاں تک لایا تھا کم از کم تمہیں اس بات کا اندازہ تو ہوگیا ہوگا کہ اس عورت کے بارے میں میری تشویش غلط نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم ساری باتوں کو نظرانداز کرکے اس پر لعنت بھیج دیں اور سوچیں گے کہ ہمیں کیا پڑی جو خواہ مخواہ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالیں کیا کہتے ہو اس بارے میں۔"

"نہیں خیر اب اتنی بزدلی کا مظاہرہ تو میں بھی نہیں کروں گا یقیناً ہمیں اس راز سے

پردہ اٹھانا ہوگا۔" میں نے کہا اور شہباز مسکرانے لگا بہرحال سنسنی شدید سنسنی رات کی تنہائیوں میں میرا ذہن خیالات کا مرکز بن جاتا تھا اور میں ان ساری باتوں کے بارے میں بڑے الجھے ہوئے انداز میں سوچتا تھا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا راز ہے واقعی بڑی پُراسرار قوتیں مجھ سے چمٹ گئی تھیں اور خاص طور سے یہ احساس بھی میرے ذہن میں شدت پکڑتا جارہا تھا کہ ربابہ کا معاملہ اب کچھ پھیکا پڑ گیا ہے حالانکہ ربابہ میری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ تھی بات یہ نہیں تھی کہ میں ربابہ سے پریشان اور خوفزدہ تھا وہ بے شک جس انداز میں میرے سامنے آئی تھی وہ آج تک میری سمجھ میں نہیں آیا تھا لیکن بہرحال اس کا تصور کرکے میرا دل ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہوجاتا تھا۔ اکثر یہ آرزو ابھرتی تھی کہ اس کی حقیقت میرے سامنے آئے کسی بھی طرح مجھے اس کے بارے میں پتہ چلے دادا جان عموماً گوشہ نشین رہتے تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ کس طرح دادا جان سے ملاقات کرکے اس بارے میں ان سے معلومات حاصل کروں لیکن پہلی بات تو یہ کہ وہ باہر بہت کم نظر آیا کرتے تھے نہ کوئی ان سے ملنے آتا تھا نہ وہ کسی سے ملنے جاتے تھے حالانکہ میرا رابطہ انہی کے ذریعے ان لوگوں سے ہوا تھا لیکن وہ پیشِ منظر سے ہٹ چکے تھے اور یہ لوگ سامنے آگئے تھے حیرت کی بات ہی تھی کہ خود امتیاز علی صاحب بھی مجھ سے بہت مانوس ہوگئے تھے۔ صبح کے ناشتہ پر شہباز سے ملاقات ہوئی تھی اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا تھا۔ "یار! ساری رات جاگتا رہا ہوں اس موضوع پر اب کوئی بات مت کرنا ذرا اطمینان سے اس موضوع پر گفتگو کریں گے۔" شام کو کوئی ساڑھے پانچ بجے میں باہر نکلا تو امتیاز صاحب سے سامنا ہوگیا گاڑی کی طرف جارہے تھے مجھے دیکھ کر ہاتھ کا اشارہ کیا میں قریب آیا اور بولے۔

"کوئی مصروفیت ہے۔"

"نہیں انکل حکم دیجئے۔"

"یار ذرا میرے ساتھ چلنا ہوگا تمہیں جلدی سے اپنے دو تین جوڑے کپڑے لے آؤ تمہیں معلوم ہے ناں شہباز کو بھی میں نے کام سے بھیجا ہے کل جانا تھا اسے لیکن کوئی مصروفیت ہوگئی آج جارہا ہے۔ چلا گیا ہوگا تمہیں ذرا میرے ساتھ میری زمینوں پر چلنا ہے چار پانچ دن کا پروگرام رہے گا کوئی حرج تو نہیں ہے۔"

"نہیں۔" میں نے بادل نخواستہ کہا۔

"جاؤ بس چند جوڑ کپڑے لے آؤ باقی سب خیریت ہے۔"

میں نے فوراً ہی واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے تھے بہرحال ان لوگوں سے کم از کم

اتنا تعاون تو کرنا ہی تھا مجھے بہترین ماحول میسر ہوگیا تھا اور اگر میں اپنی طرف سے ہی کوئی گڑبڑ نہ کرتا تو یوں لگ رہا تھا جیسے میرے مستقبل کے لئے بھی یہ گھر ایک بہترین سہارا ہے۔ ایک شاندار قسم کی گاڑی میں جس میں ہر قسم کی آرام کی چیزیں موجود تھیں۔ سفر شروع ہوگیا میں امتیاز علی صاحب کے ساتھ ان کی زمینوں کی دیکھ بھال کے لئے چل پڑا تھا یہ پورا خاندان ہی بہت اچھے لوگوں کا خاندان تھا سب سے پہلے دادا جان سے واسطہ پڑا تھا اور دادا جان مجھے یہاں تک لانے کا ذریعہ بنے تھے۔ بے شک وہ ایک گوشہ نشین انسان تھے اور یہاں آنے کے بعد جب انہیں اس بات کا اطمینان ہوگیا کہ میں یہاں مطمئن اور خوش ہوں اور دوسرے لوگوں نے میری یہاں آمد کو دل سے قبول کرلیا ہے تو وہ بھی مطمئن ہوگئے تھے اور ان کے ساتھ رہ کر مجھے قطعی طور پر یہ احساس نہیں ہوسکتا تھا کہ میں اجنبی جگہ پر ہوں لیکن امتیاز صاحب کے ساتھ میرا یہ سفر بہت ہی خوشگوار ثابت ہوا بڑے مہربان اور محبت کرنے والے آدمی تھے مجھے بھی ان کے ساتھ زمینوں کا کام کرنے میں لطف آرہا تھا میں نے وہ سارا حساب کتاب سنبھال لیا جو پہلے خود ان کی ذمہ داری تھی اور خوب خوش اسلوبی سے سارے اعداد وشمار بنائے کہ امتیاز علی صاحب تو آنکھیں پھاڑ کر رہ گئے کہنے لگے۔ "میاں تم نے تو مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ اب تو مجھے یہ احساس ہورہا ہے کہ اصل زمیندار تم ہو میں نہیں اور جو کچھ میں کرتا رہا ہوں وہ تم نے اس سے کہیں بہتر انداز میں کرڈالا ہے اصل میں کبھی کبھی بہت زیادہ شرافت اور ذمہ داری بھی انسان کو پریشان کردیتی ہے جیسے اب تم پریشان ہو جاؤ گے۔"

"میں نہیں سمجھا انکل۔"

"سمجھنا اتنا مشکل کام بھی نہیں ہے اب تو یہ ذمہ داری میں تمہارے ہی کندھوں پر ڈال دوں گا اتنا اچھا کارکن مجھے اور کون ملے گا بولو بھاگو گے تو نہیں۔"

"نہیں میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"بیٹے زندگی میں انسان کو کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے اور جیسا کہ تمہارے بارے میں مجھے معلومات حاصل ہوئی ہیں تمہاری کوئی ایسی خاص مصروفیت بھی نہیں ہے دیکھو زندگی میں کبھی کبھی انسان کو ایسے سہارے ملتے ہیں تمہیں میرا سہارا ملا ہے اور مجھے سچی بات یہ ہے کہ تمہارا۔ میرا بیٹا بھی ہے اور میں یہ ذمہ داری اس پر بھی ڈال سکتا ہوں لیکن تم بھی میرے لئے اپنے بیٹے ہی کی مانند ہو آئندہ ذرا ان تمام چیزوں کو اور غور سے سمجھ لینا۔ دونوں کے فائدے مشترک ہوں گے۔ یہ الفاظ میں پہلی اور آخری بات کہہ رہا ہوں کیونکہ بہرحال یہ خیال بھی رکھنا پڑتا ہے کسی کے لئے کچھ کرنے کا مطلب ہے کہ اس

سے کچھ حاصل بھی ہو۔" میں پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"جو محبت آپ نے مجھے دی ہے وہی میرا حاصل ہے۔"

"خیر ہم اس سلسلے میں بالکل غیر جذباتی گفتگو کریں گے چلو ٹھیک ہے یہ سارے معاملات بعد میں ٹھیک ہوجائیں گے۔" جب ہم کئی دن کے دورے کے بعد واپس پہنچے تو پتا چلا کہ شہباز آکر دوبارہ چلا گیا ہے صرف چند گھنٹوں کے لئے آیا تھا اور میرے لئے ایک ملازم کو پیغام دے گیا تھا کہ ابھی تین چار دن اور لگ جائیں گے اس لئے ذرا بے فکر ہوجاؤں اور اپنے کام سے کام رکھوں۔ میں نے معلومات کیں تو پتہ چلا کہ تین دن پہلے وہ گیا ہے بہرحال یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی میں اپنے آپ کو یہاں بالکل بہتر محسوس کر رہا تھا پھر یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ جس دن میں پہنچا تھا اسی شام ساڑھے چھ بجے شہباز بھی آگیا۔

"واہ جناب آپ نے بھی اپنا کاروبار آخر شروع کرہی دیا مگر میں بہت خوش ہوں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اگر ڈیڈی کو کوئی من بھا جائے تو سمجھ لو کہ اس کے وارے نیارے ہوگئے۔ بہت اچھے انسان ہیں میرے ڈیڈی تم یقین کرو تمہیں اب یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" ہم لوگ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی' ٹیلی فون میرے ہی قریب رکھا ہوا تھا میں نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو۔" میں نے کہا تو دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہیلو کون بول رہا ہے۔" آواز کسی عورت کی تھی اور اس میں تھوڑی سی لرزش تھی آواز سے اندازہ ہوتا تھا کہ عورت چالیس پینتالیس سال سے کم نہیں ہوگی۔

"آپ کس سے بات کرنا چاہتی ہیں خاتون۔"

"شہباز یہیں رہتے ہیں یہ انہی کا نمبر ہے ناں۔"

"جی ہاں بالکل۔"

"براہ کرم وہ کہیں آس پاس موجود ہیں تو انہیں میرا پیغام دے دیجئے ان سے صرف یہ کہئے کہ آنٹی فریدہ بول رہی ہیں شائلہ کی والدہ۔ شائلہ کی حالت بے پناہ خراب ہے براہ کرم شہباز مجھ سے مل لیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

"آنٹی میں آپ کی بات شہباز سے کراتا ہوں۔" میں نے کہا اور شہباز جو حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا جلدی سے فون کی جانب بڑھ گیا اس کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو کون بول رہا ہے آہا؟ خیریت آنٹی فریدہ کیا بات ہے۔ کیا؟" اس نے کہا اور اس کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا پھر اس نے فوراً ہی کہا۔ "میں فوراً پہنچ رہا ہوں بس میں

آرہا ہوں آپ فکر مند نہ ہوں او کے۔" یہ کہہ کر اس نے فون رکھ دیا اس کے چہرے کا رنگ خاصا تبدیل ہوچکا تھا پھر وہ میری طرف رخ کرکے بولا۔ "جلدی کرو۔ یار جلدی کرو۔ اف میرے خدایا میرا خدشہ درست ثابت ہوا بالکل درست ثابت ہوا اگر شائلہ مر گئی تو میں زندگی بھر اپنے آپ کو معاف نہیں کرسکوں گا یہ سب میری غفلت کی وجہ سے ہوا ہے کاش میں اس بدروح کو پہلے ہی ختم کردیتا کاش۔ جلدی تیار ہوکر باہر آجاؤ۔ گاڑی کے پاس میں بھی پہنچ رہا ہوں۔" وہ دوڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا میں حیران رہ گیا تھا شائلہ کو میں نے دیکھا تھا وہی سرخ و سفید حسین اور متناسب جسم کی مالک لڑکی جس انداز میں اس کی ماں نے اس کے بارے میں بتایا تھا وہ تو بڑا ہی سنسنی خیز تھا عورت کی آواز میں بڑی پریشانی جھلک رہی تھی آخر اسے کیا ہوا اور اس کے بعد شہباز کے الفاظ کہ غلطی اس سے ہوئی ہے مجھے اس عورت کے حوالے نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن کوئی عورت کسی لڑکی کو کیا نقصان پہنچا سکتی ہے اس میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ اس کے بعد میں تنہا نیلم ساجد علی سے ملاقات کرنے کی ہمت نہیں کرسکا تھا حالانکہ مجھے اس کا گھر معلوم تھا اس کے علاوہ اس کی بنیادی ایک وجہ اور بھی تھی ورنہ شاید کوئی واقعہ کوئی حادثہ میری اپنی کوئی مشکل مجھے اس کی جانب دوڑا دیتی لیکن میں امتیاز صاحب کے ساتھ باہر نکل گیا تھا اور باہر کی یہ سیروسیاحت زمینوں کے یہ کام کچھ اس طرح میرے دل کو بھا گئے تھے کہ مجھے کسی قسم کی بوریت کا احساس نہیں ہوا تھا لیکن بہرحال یہ ایک انتہائی حیرت ناک بات تھی پھر ہم دونوں ہی جیپ میں بیٹھ گئے جو باہر تیار کھڑی تھی شہباز نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور اس برق رفتاری سے باہر نکلا کہ چوکیدار بھی گھبرا گیا۔ میٹر کی سوئی آگے سے آگے بڑھتی جارہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ شہباز پر اس وقت جنون طاری ہے۔ خیریت سے منزل پر پہنچ جائیں تو بڑی بات ہے لیکن گاڑی جب شہری آبادی سے نکل کر باہر کی سڑک پر آئی تو میں نے تعجب بھرے لہجے میں کہا۔

"تم نے مجھے یہ بات نہیں بتائی شہباز کہ شائلہ شہر سے باہر رہتی ہے۔"

"تم اسے شہر سے باہر نہیں کہہ سکتے شہر ہی کا ایک حصہ ہے آنٹی فریدہ نے وہاں اپنا فارم بنا رکھا ہے میں تین چار بار وہاں جاچکا ہوں آنٹی فریدہ بہت اچھی خاتون ہیں۔ شائلہ کے معاملات بھی کچھ الجھے ہوئے سے ہیں میں نہیں جانتا کہ ان کے اندرونی حالات کیا ہیں اصل میں بات باہر کے لوگوں کے جاننے کی نہیں ہوتی۔ بس یوں ہی ایک آدھ بار آنٹی فریدہ سے پوچھا تھا تو وہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی تھیں۔ ویسے وہ انتہائی سخت قسم کی خاتون ہیں لیکن اخلاق و فطرت کی بڑی اچھی ہیں انہیں معلوم ہے کہ شائلہ

سے میری گہری دوستی ہے ویسے بھی ان کے اپنے حلقے کے کافی لوگ ہیں پتہ نہیں انہوں
نے کیوں خاص طور سے مجھے ہی شمائلہ کے سلسلے میں آگاہ کیا ہے۔" میری ان باتوں نے
شہباز کی کیفیت کچھ بہتر کر دی تھی بہرحال کچھ دیر کے بعد ہم ایک خوبصورت سے دیہی
فارم پر پہنچ گئے جس کا وسیع وعریض احاطہ قابل دید تھا ترکاریوں کا طوفان وہاں آیا ہوا تھا
گھر کے اندرونی حصے میں بے شک پھول لگے ہوئے تھے لیکن بہت بڑے احاطے کو
ترکاریوں کے لئے مخصوص کیا گیا تھا اور وہاں بڑی بے ترتیبی سے مختلف قسم کی ترکاریاں
لگی ہوئی تھیں جو اس وقت بھی بہار دے رہی تھیں لکڑی کا بڑا سا پھاٹک کھلا ہوا تھا اور
اس سے آگے کی روش بالکل صاف شفاف اور موٹی بجری سے بنی ہوئی تھی بہرحال ہم
اصل عمارت کے دروازے پر رکے تھے اور شاید گاڑی کی آواز سن کر وہ دراز قامت اور
خوش شکل خاتون باہر نکل آئیں تھیں جن کے چہرے پر اس وقت پیلاہٹ دوڑ رہی تھی
اور جن کے نقوش شمائلہ سے کافی حد تک ملتے تھے۔

"ہیلو آنٹی۔"

"ہیلو۔" آنٹی فریدہ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا ہوا ہے شمائلہ کو کس کمرے میں ہے وہ۔" شہباز نے بے چینی سے پوچھا

"آؤ میرے ساتھ آجاؤ۔" آنٹی فریدہ بولیں اور واپسی کے لئے مڑ گئیں ہم ایک
کوریڈور میں داخل ہو کر آگے بڑھنے لگے تو شہباز نے کہا۔

"لیکن آنٹی۔"

"آؤ پلیز باقی باتیں بعد میں کروں گی۔" کچھ دیر کے بعد انہوں نے ایک کمرے کا
دروازہ کھولا اور ہم اندر داخل ہو گئے سامنے ہی ایک آرام دہ بستر پر آنکھیں بند کئے
ہوئے شمائلہ لیٹی ہوئی تھی اس کا جسم گردن تک کمبل سے ڈھکا ہوا تھا آنکھیں بند تھیں
اور چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ ہمارے قدموں کی آہٹ پا کر بھی اس نے آنکھیں نہ
کھولیں لیکن اسے قریب سے دیکھ کر میرا کلیجہ اچھل کر منہ کو آگیا۔ کیا یہ وہی جلد صحت
مند جوان لڑکی ہے جس کے چہرے پر جلد کے نیچے خون کی روانی اسی طرح نظر آتی تھی
جیسے خون کی اس چادر پر جلد ہی نہ ہو جس کی آنکھیں روشن اور پیشانی چاند کی طرح چمکتی
تھی جسے ایک نگاہ دیکھنے کے بعد دوبارہ دیکھنے کی آرزو ہی دل میں رہ جاتی تھی اور اگر وہ
سامنے ہو تو دل چاہتا تھا کہ اسے مسلسل دیکھتا رہ جائے لیکن یہ دوسرا حیرت انگیز واقعہ تھا۔
پہلا حیرت ناک واقعہ وہ تھا جب میں نے نیلم ساجد علی کو نوجوان دیکھا تھا اور اس کے کچھ
گھنٹوں کی رفاقت ختم ہوئی تھی تو وہ ایک چالیس سالہ عورت کی شکل میں نظر آئی تھی اور

اس وقت نیلم ساجد علی کا کیس بہت پیچھے رہ گیا تھا اور شمائلہ ہڈیوں کے ایک ڈھانچے کی
شکل میں میرے سامنے کھڑی تھی جس پر زرد رنگ کی ایک سوکھی کھال منڈھ دی گئی ہو
شہباز کے چہرے پر غم کے تاثرات ابھر آئے وہ پتھرایا ہوا اپنی جگہ کھڑا شمائلہ کو دیکھتا رہا خود
میری اپنی کیفیت بھی اس سے کوئی مختلف نہیں تھی۔ بات یہ نہیں تھی کہ شمائلہ سے میرا
کوئی رشتہ تھا میں نے تو اسے صرف ایک بار دیکھا تھا جبکہ شہباز اس سے مخاطب ہوا تھا تو
یوں لگا تھا جیسے شمائلہ سے اس کے گہرے تعلقات ہوں مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ
تعلقات صرف کلب کی حد تک نہیں ہیں بلکہ وہ شمائلہ کی والدہ آنٹی فریدہ کو بھی جانتا
ہے۔ بہرحال شمائلہ کی یہ حالت کیسے ہوئی یہ ایک سنسنی خیز انکشاف ہو سکتا تھا جبکہ مجھے
شہباز کے الفاظ بھی یاد تھے اس نے کہا تھا ایسا میری غلطی کی وجہ سے ہوا ہے مجھے اس
سلسلے میں اس قدر لاپرواہ نہیں ہونا چاہئے تھا کیا واقعی اس دنیا میں اسرار و رموز کے ایسے
ایسے راز بند پڑے ہوئے ہیں کہ انسان کی عقل اس کا ساتھ چھوڑ جائے فریدہ آنٹی
ہمارے عقب میں کھڑی ہوئی تھی میں نے پلٹ کر ان کی صورت دیکھی تو ان کے رخسار
بھی آنسوؤں میں تر تھے اس نے درد بھری آواز میں کہا۔

"ذرا دیکھو تو سہی اسے کیا یہ وہی شمائلہ ہے ابھی چند دن پہلے گلاب کی طرح کھلی
ہوئی تھی کیا ہو گیا اسے کیا ہو گیا آخر۔"

فریدہ زارو قطار رونے لگی۔ "آپ پلیز اپنے آپ کو سنبھالئے آنٹی پلیز ٹھہریئے
میں آپ کو پانی پلاتا ہوں۔" وہ واپس پلٹا بیڈ روم میں فریج ایک گوشے میں رکھا ہوا تھا
اس نے اس میں سے ایک بوتل نکالی فریج کے اوپر گلاس رکھا ہوا تھا اس نے گلاس میں
پانی انڈیلا۔ اس دوران میں نے ایک کرسی گھسیٹ کر آنٹی کو اس پر بٹھایا تھا آنٹی فریدہ نے
پانی پیا اور اس کے بعد میری طرف رخ کر کے بولیں۔

"کیا تم گل شیر ہو۔" میں نے حیرت سے شہباز کی صورت دیکھی تو بجائے میرے
آنٹی فریدہ ہی بولیں۔ "اور فون تم نے ہی اٹھایا تھا میرا مطلب ہے شہباز کے گھر میں۔"

"جی آنٹی فون میں نے ہی اٹھایا تھا لیکن آپ میرا نام کیسے جانتی ہیں۔"

"تم نے یہ نہیں سوچا کہ میں نے آخر شہباز ہی کو اس سلسلے میں کیوں اطلاع دی
جبکہ شاید تمہارے علم میں یہ بات نہ ہو کہ میرے اور بھی تعلقات ہیں یہاں تک کہ میرا
فیملی ڈاکٹر بھی موجود ہے جس کا نام گل ریز ہے۔"

"نہیں آنٹی! ویسے شمائلہ سے ایک بار ملاقات ہوئی ہے میری۔"

"تبھی کی بات کر رہی ہوں۔ شمائلہ نے خود مجھے بتایا تھا کہ اس کی ملاقات گل شیر

نامی ایک نوجوان سے ہوئی ہے جو شاید شہباز کا کزن ہے تمہاری تعریفیں کر رہی تھی وہ کہہ رہی تھی کھلے ہوئے گلاب کی مانند ہے اور اسے اس کی شخصیت بھی بہت پسند آئی ہے تم نے دیکھا ہوگا لیکن میں آہ۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میری بچی کو کیا ہوگیا ہے۔"

"آنٹی مجھے اس دوران کی تمام تفصیلات بتایئے آپ پلیز شائلہ کے مشاغل کے بارے میں ایک ایک لفظ مجھے بتایئے کہیں آپ نے کچھ بتانے سے گریز کیا تو ذمہ داری سو فیصد آپ پر ہوگی۔"

"کچھ معلوم ہو تو بتاؤں۔" فریدہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ان دنوں اس کے معمولات میں کوئی خاص فرق۔"

"ہاں وہ ان دنوں نیلم ساجد علی کا شدید تذکرہ کرتی رہی ہے کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے نیلم ساجد علی نے اس پر جادو کر دیا ہو سسٹر نیلم سسٹر نیلم کرتے کرتے اس کی حالت خراب ہوجاتی تھی۔ اس کا میل جول شروع ہونے کے فوراً بعد اس کی حالت بدلنی شروع ہوئی نہ جانے اس عورت نے میری بچی کو کیا کردیا ہے بس یوں سمجھ لو کہ ہر وقت اس کا نام اس کا تذکرہ اس کی زبان پر رہتا تھا۔ وقت بے وقت وہ اس کے پاس چلی جاتی تھی اور وہاں سے ٹیلی فون آتا تھا کہ مما' سسٹر نیلم کہہ رہی ہیں کہ میں ان کے ساتھ رک جاؤں ایک دو رات وہ اس کے پاس رہی تو میں نے اس کے ساتھ سخت سلوک کیا اور اسے کہا کہ ٹھیک ہے نیلم ایک اچھی عورت ہوگی میں نہیں جانتی اسے لیکن راتوں کو گھر سے باہر رہنا شریف زادیوں کا اصول نہیں ہے۔ میں نے تمہیں جس قدر آزادی دے دی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم راتوں کو گھر سے باہر رہنا شروع کردو مجھے بھی سماج میں ایک مقام حاصل ہے کوئی بھی مجھ سے یہ سوال کرسکتا ہے کہ بیٹی راتوں کو گھر سے غائب کیوں رہتی ہے۔ بہرحال ایک دن وہ اس کے پاس گئی سارا دن اس کے ساتھ رہی شام کو آئی تو کچھ تھکی تھکی سی تھی بستر پر لیٹتے ہی سو گئی اگلے دن پھر وہ وہیں چلی گئی اور رات گئے گھر آئی تو اس کی حالت پہلے سے بھی بدتر تھی چہرہ بے رونق اور چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ میں سمجھی کہ زیادہ دیر تک گھومتے پھرتے رہنے کی وجہ سے تھک گئی ہوگی چنانچہ میں نے اسے مکمل آرام کرنے کی ہدایت کی لیکن دوسرے دن صبح جب میں نے اسے غور سے دیکھا تو پہچان تک نہ سکی۔ دو دن اور دو راتوں کے اندر شائلہ کا سارا حسن اور ساری جسمانی قوتیں ضائع ہوچکی تھیں جیسے کسی نے اس کا تمام خون نچوڑ لیا ہو وہ بستر سے بمشکل اٹھی اور دوپہر کے وقت جانے کی تیاریاں کرنے لگی اب اس وقت مجبوری تھی اس کی حالت دیکھ کر میرے تو حواس ہی خراب ہوگئے تھے میں نے

غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم حد سے زیادہ آگے نہیں بڑھ رہیں یہ کیا حالت ہوگئی ہے تمہاری آئینہ دیکھا ہے اس دوران۔"

"مما میں نیلم کے پاس جا رہی ہوں۔"

"جہنم میں گئی نیلم خبردار تم نے اب تک صرف میری محبت سے فائدہ اٹھایا ہے لیکن اب جب میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم پر ایک عجیب سی دیوانگی سوار ہوتی جارہی ہے تو میرا فرض ہے کہ میں تمہیں اس دیوانگی سے روکوں۔"

"مگر مما میں۔"

"میں نے کہا ناں چلو خبردار گھر سے باہر قدم نہ نکالنا۔" میرے سخت ڈانٹنے پر وہ بستر پر بیٹھ گئی میں نے بہت برا بھلا کہا اسے پھر وہ دوبارہ بستر پر لیٹ گئی آنکھیں بند کرلیں میں باورچی خانے میں جاکر کھانے پکانے میں مصروف ہوگئی پھر ایک گھنٹے کے بعد واپس آئی تو وہ اپنے کمرے سے غائب تھی۔ میرا خون کھول کر رہ گیا تھا رات گئے وہ گھر واپس آئی تو بری طرح لڑکھڑا رہی تھی کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوئی تو اچانک ہی چکرا کر گری اور بے ہوش ہوگئی۔ آہ نہ جانے.......... نہ جانے یہ کیا ہو رہا ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا ہے۔ بہت سوچا ہے میں نے بہت غور کیا ہے نہ جانے کیوں میرے دل نے کہا کہ تم ضرور میری کوئی مدد کروگے شہباز میری بچی۔" فریدہ پھر بری طرح رونے لگی اور شہباز اور میں رحم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے ایک ماں کی تڑپ اس وقت بری طرح دل پر اثر انداز ہو رہی تھی شہباز آگے بڑھا اس کی نگاہیں شائلہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھ رہا تھا میرے پورے وجود میں ٹھنڈی ٹھنڈی لہریں دوڑ رہی تھیں اس وقت تمام خیالات دل سے نکل گئے تھے میں بھی بڑے سنسنی خیز حالات سے گزرا تھا ربابہ میری زندگی کا محور بن چکی تھی اور مجھے یہ صاف اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ کوئی ایسی پُراسرار روح ہے جو میرے گرد چکرا رہی ہے لیکن اس وقت جو یہ سارا مسئلہ کر رہا تھا یہ میری سمجھ سے باہر تھا شہباز خاصا بے تکلف معلوم ہو رہا تھا اس نے آگے بڑھ کر شائلہ کی نبضیں ٹٹولیں' ہونٹوں کو چھو کر دیکھا پلکیں اٹھا کر آنکھوں کو بغور دیکھتا رہا۔ شائلہ کی کیفیت بالکل مُردوں جیسی تھی کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چند دن پہلے کی تروتازہ لڑکی اس وقت کس حالت میں پڑی ہوئی ہے۔ اچانک ہی اس کے جسم میں ہلکی سی جنبش ہوئی اور اس کے ہونٹوں سے آواز نکلی۔

"مما مما!" فریدہ جلدی سے اٹھ کر اس کے پاس پہنچ گئی۔

"بیٹی ہوش میں آؤ شائلہ۔ شائلہ میری جان' میری زندگی۔"

"مما مجھے جانے دو مما پلیز مجھے جانے دو وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی مما میرا اس کے پاس جانا ضروری ہے۔ مما پلیز مجھے اس کے پاس جانے دو۔" میں' آنٹی فریدہ اور شہباز گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہے تھے اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں بار بار یہی کہہ رہی تھی فریدہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آخر یہ کیا ہوگیا ہے اسے تم بتاؤ کیا اس پر جادو کیا گیا ہے۔ وہ عورت کیا تم اسے اچھی طرح جانتے ہو؟ اگر ایسی بات ہے تو مجھے بتاؤ تو سہی وہ کون ہے۔"

ہماری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہم اس کی اس بات کا کیا جواب دیں کم از کم میرا ذہن تو اس سلسلے میں کام ہی نہیں کر رہا تھا۔ فریدہ کے اس سوال پر شہباز بھی خاموش ہی تھا' فریدہ آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی اس کی نگاہیں بار بار ہماری طرف یوں اٹھ جاتی تھیں ہم خود بے بسی کا شکار تھے بھلا اس کی کیا مدد کر سکتے تھے۔ بس خاموش شمائلہ کی صورت دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً ہی شمائلہ نے اٹھنے کی کوشش کی اور بستر سے تقریباً اٹھ گئی۔ اس پر ایک جنون کا سا دورہ پڑا تھا۔ فریدہ نے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا۔ "شمائلہ ہوش میں آؤ.......... شمائلہ ہوش میں آؤ میری بچی۔"

"مجھے جانے دو مما! وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی مما! وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی مجھے جانے دو۔"

"نہیں بیٹی وہ.......... وہ۔"

"جانے دو مما! مجھے جانے دو۔" شمائلہ زور لگانے لگی اور پھر خود ہی نڈھال ہو کر بستر پر گر گئی۔ پھر وہ بے ہوش ہوگئی تھی اس کی کیفیت واقعی بہت خراب تھی۔ کسی بھی قسم کی بیماری انسان پر حملہ آور ہوتی ہے تو آہستہ آہستہ اسے نڈھال کرتی ہے لیکن نہ جانے یہ کیسی بیماری تھی جس نے شمائلہ کو چند دنوں کے اندر اندر جیسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ فریدہ آہستہ آہستہ رو رہی تھی۔ پھر اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "دیکھو.......... دیکھو کیا یہ زندہ بچ جائے گی۔ کیا اس کی زندگی کے کچھ امکانات ہیں؟ دیکھو ذرا اسے کیا حالت ہوگئی ہے اس کی؟ آہ میری سمجھ میں نہیں آیا کیا کروں؟ شہباز نہ جانے کیوں میرے دل نے یہی کہا ہے کہ میں تم سے رابطہ قائم کروں' خدا کے لئے کچھ کرو۔ خدا کے لئے کچھ کرو شہباز۔"

"آنٹی! میں خود اس کے لئے بے حد پریشان ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"اب میں تم سے کیا چھپاؤں شہباز اس عورت کا کوئی وجود ہے یا نہیں؟"

"میں سمجھا نہیں آنٹی۔"

"وہ نیلم آنٹی' آنٹی نیلم کرتی ہے۔ یہ نیلم ساجد علی اس کے بارے میں کچھ تو پتا چلے میں تو اس شبہے کا شکار ہوں کہ کہیں کسی شیطان صفت مرد نے شمائلہ پر یہ چکر نہ چلایا ہو۔"

"نہیں آنٹی یہ آپ بھی جانتی ہیں اور میں بھی جانتا ہوں کہ نیلم ساجد علی کا وجود ہے۔"

"تو میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے اس سے ملاؤ۔ میں اس سے معلومات حاصل کروں گی کہ وہ آخر چاہتی کیا ہے اور اس نے میری بچی کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ میری بچی پر یہ دیوانگی کیوں طاری ہوگئی کچھ پتہ تو چلے مجھے۔ کچھ معلومات تو حاصل ہوں حرام زادی کی بوٹیاں چبا ڈالوں گی اپنے دانتوں سے۔ دیکھو تو سہی چند دنوں کے اندر اندر میری نوجوان بچی کا کیا حال ہے۔ خون پی جاؤں گی میں اس کا وہ سمجھتی کیا ہے کسی ماں سے ٹکرانا کوئی آسان بات تو نہیں ہے۔ شہباز تم میری مدد کرو براہ کرم میری مدد کرو۔"

"آنٹی میں آپ کی ہر طرح کی مدد کے لئے حاضر ہوں۔"

"اصل میں میں ڈاکٹر گل ریز کو دکھانا چاہتی ہوں وہ میرا فیملی ڈاکٹر ہے اور میں جانتی ہوں کہ قابل اعتماد بھی ہے لیکن اپنے تمام راز کسی دوسرے کو سونپ دینا مصیبت کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ خدانخواستہ اگر کوئی اور بات نکلی اور شمائلہ کو کوئی نقصان پہنچا تو پھر ڈاکٹر گل ریز جو ہمیں اچھی طرح جانتا ہے ہمارا راز دار بن جائے گا اور میں اس کے ہاتھوں کھلونا بن جاؤں گی۔ سمجھ رہے ہونا میری بات۔ حالانکہ وہ ایک شریف آدمی ہے اور مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن پھر بھی جوان بچی کے مستقبل کا معاملہ ہے۔ آہ میں ہر طرح سے مصیبت میں گرفتار ہوں۔ دیکھو میں نے تم دونوں کو اپنا رازدار بنا کر اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ میں دنیا میں سب سے زیادہ تم پر اعتماد کرتی ہوں۔ میری مدد کرو۔"

شہباز نے گردن ہلائی اور مجھے اشارہ کر کے ایک طرف ہٹ گیا۔ میں خود تشویش زدہ نظر آرہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"ہاں کیوں کیا بات ہے؟"

"میرا ایک بہت ہی گہرا دوست ہے ڈاکٹر آفتاب! میں اس پر ہر طرح کا اعتبار بھی کر سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے ہم ڈاکٹر آفتاب کو بلا لیتے ہیں۔ وہ ہمیں شمائلہ کے بارے میں صحیح مشورہ دے سکے گا۔"

"ٹھیک ہے ایسا کر لیتے ہیں اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ اس حد تک قابل اعتماد ہے ویسے

میرا خیال ہے آنٹی بھی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ شمائلہ کے معاملے کو ابھی اتنا نہیں اچھالنا چاہئے کہ کوئی اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔ ہمیں اس سلسلے میں احتیاط رکھنا ہوگی۔"

"میں خود بھی اس بات کو محسوس کرتا ہوں۔ دیکھتے ہیں کہ کیا صورت حال ہوتی ہے میں ڈاکٹر آفتاب کو فون کرتا ہوں۔" یہ آخری فیصلہ تھا فریدہ بستر پر شمائلہ کو درست کر رہی تھی۔ جو اب بالکل بے ترتیب پڑی ہوئی تھی۔ شہباز نے قریب آکر کہا۔ "آنٹی میں اپنے ایک شناسا ڈاکٹر کو بلاتا ہوں کم از کم ہم اس سے شمائلہ کی جسمانی کیفیت کا اندازہ تو لگانے کی کوشش کریں گے۔" یہ کہہ کر شہباز ٹیلی فون کی جانب بڑھ گیا میں خاموشی سے شمائلہ کا جائزہ لے رہا تھا اور میرے کانوں میں شہباز کی آواز گونج رہی تھی۔ "ہیلو۔ ہاں.......... جی ڈاکٹر آفتاب سے بات کرائیے۔ ارے بابا! اس سے کہہ دیجئے کہ شہباز بات کر رہا ہے۔ شہباز امتیاز علی۔ آپ کہہ تو دیجئے اس سے.......... اگر آپ نے کسی قسم کی بدتمیزی کی تو اس کی ذمہ دار آپ خود ہوں گی۔ ہاں میں آپ سے کہہ رہا ہوں تو آپ اسے بتا دیجئے.......... جی میں انتظار کر رہا ہوں۔" شہباز نے سخت لہجے میں کہا پھر کچھ لمحوں کے بعد بولا۔ "ڈاکٹر آفتاب.......... یار کیسے کیسے بدتمیزوں کو فون پر بٹھا دیتے ہو۔ یہ کون تھی.......... نہیں بری بات ہے جب اس سے یہ بات کہی جائے کہ وہ تمام احتیاط بالائے طاق رکھ کر تمہیں اطلاع دے تو اتنی بحث کیوں کرتی ہے۔ مجھے اس کے بارے میں بتاؤ.........." پھر کچھ لمحے کی خاموشی کے بعد کہا۔ "سنو.......... فضول باتوں سے بالکل گریز کرنا۔ تمہاری فیس تمہاری پسند کے مطابق ادا کی جائے گی۔ پتہ نوٹ کرو اور تمام ضروری انتظامات کے ساتھ یہاں پہنچ جاؤ۔ ہاں پتا لکھو.......... یار دیکھو بات سنو کبھی کبھی انسان کی ذہنی کیفیت بالکل مختلف ہوتی ہے تم مجھے جانتے ہونا۔ بس ویسے تو تم انتہائی کنجوس آدمی ہو۔ مجھے اس بات کا علم ہے لیکن تمہیں اس وقت کوئی نقصان نہیں ہوگا میں وعدہ کرتا ہوں۔" ہاں لکھو۔ شہباز نے پتہ نوٹ کرایا اور پھر بولا۔ "میرا خیال ہے تمہارے کلینک سے یہاں تک کا فاصلہ دس منٹ کا بھی نہیں ہے۔ ہاں مرض کی نوعیت میں بتائے دیتا ہوں۔ نوجوان لڑکی ہے اچانک ہی اس پر کمزوری کا حملہ ہوا ہے اور شاید چند روز کے اندر اندر اس کا وزن اتنا گرا ہے کہ تصور سے بھی باہر ہو۔ باقی وجوہات کیا ہے اس کی' اس کا اندازہ تم خود لگا سکتے ہو میں نے تمہیں یہ بات اس لئے بتا دی ہے کہ تم ذہنی طور پر تیار ہو کر آؤ۔ ٹھیک ہے شکریہ.......... میں انتظار کر رہا ہوں۔" پھر اس کے بعد ہم خاموشی سے بیٹھ گئے تھے آنٹی فریدہ نے کہا۔

"میں تم لوگوں کے لئے کچھ بنا کر لاؤں۔"

"نہیں آنٹی اس وقت نہیں۔" شہباز نے پوری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ پھر کچھ دیر کے بعد بیل بجی تو شہباز خود ہی دروازہ کھولنے چلا گیا تھا وہ جس شخص کے ساتھ واپس آیا وہ ایک اچھی شخصیت کا مالک نوجوان آدمی تھا لیکن چہرے سے ذہانت ٹپک رہی تھی۔ شہباز نے کوئی رسمی بات نہیں کی۔ ڈاکٹر آفتاب شمائلہ پر جھک گیا پہلے اس کا مختلف طریقے سے جائزہ لیتا رہا۔ نبض دیکھی اور اس کے بعد پلکیں وغیرہ اٹھا کر دیکھیں۔ شمائلہ بے ہوش تھی پھر اس نے اپنے بیگ سے ایک انجکشن نکالا اور اسے تیار کر کے شمائلہ کے بازو میں انجیکٹ کر دیا۔ اس کے بعد فریدہ سے بولا۔

"آپ انہیں کوئی ہلکا سا کپڑا اوڑھا دیجئے اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہمیں کچھ ٹیسٹ کرانے ہوں گے اور میں آپ کو ایک بہتر مشورہ دوں گا اگر آپ مناسب سمجھیں تو۔"

"ہاں ہاں بولو۔"

"بہتر یہ ہوگا کہ آپ اسے میرے کلینک میں داخل کروا دیں میں وہاں اس کی بھرپور نگرانی کروں گا۔"

کیا تم اس سلسلے میں ہمیں کچھ بتا سکتے ہو ڈاکٹر آفتاب۔"

"خون کی بے پناہ کمی کوئی ایسی وجہ ہے جس سے جسم کے اندر کا خون ایک دم سے ختم ہو گیا ہے یہ چیزیں جس قدر خوفناک ہو سکتی ہیں اس کا آپ لوگوں کو بھی اندازہ ہوگا۔ معمولی بات نہیں ہے۔ میں نے اس لئے مشورہ دیا ہے کہ میری لیبارٹری میں ہر طرح کے انتظامات موجود ہیں۔ خون بھی ٹیسٹ ہو جائے گا اور ہر طرح کے ٹیسٹ وہاں سے کئے جا سکیں گے۔ اس کے برعکس باہر سے اگر آپ کچھ کرائیں گے تو آپ کو پریشانی ہوگی۔"

"تم بالکل بے فکر رہو ہم بہت جلد ہی فیصلہ کر کے انہیں تمہارے کلینک میں لے آئیں گے۔ میں ذرا اس سلسلے میں آنٹی سے بات کر لینا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں نے انہیں انجکشن دے دیا ہے اگر تم انہیں وہاں لانا چاہو تو ڈاکٹر فراست ہوگا یا اگر کوئی وقت متعین کر دو تو میں وہاں چلا جاتا ہوں۔ ویسے ڈاکٹر فراست تمہیں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرے گا۔ وہاں پہنچ کر مجھ سے رابطہ قائم کر لینا کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا اور شہباز کی طرف دیکھنے لگا۔ شہباز نے کہا کہ میں ذرا آفتاب کو نیچے تک چھوڑ آؤں۔ آنٹی فریدہ نے شہباز کی طرف دیکھا تو شہباز بولا۔

فکر نہ کریں آفتاب کی فیس میں آپ سے لے لوں گا۔ اور اس کے بعد وہ باہر نکل گیا۔

آنٹی فریدہ گردن جھکا کر خاموشی سے بیٹی کو دیکھتی رہی۔ ایک لمحے کے اندر یہ احساس ہو رہا تھا کہ جیسے شائلہ کو کچھ سکون محسوس ہوا ہو لیکن صورت حال وہی کی وہی تھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اچانک شائلہ پر یہ حملہ کیوں ہوا ہے۔ پھر شہباز واپس آ گیا اور اس نے کہا۔ "جی آنٹی! کیا کہتی ہیں آپ اس بارے میں؟"

"شہباز جب یہاں تک کام کر رہے ہو تم تو اس کا فیصلہ بھی تم خود ہی کرو۔ بولو کیا کہتے ہو؟"

"میری رائے ہے آنٹی کہ شائلہ کو ڈاکٹر آفتاب کے کلینک میں داخل کر دینا مناسب ہوگا اس کی دو وجوہات ہیں نمبر ایک شائلہ کی بھرپور دیکھ بھال ہوگی۔ جس چیز کی اسے ضرور ہوگی وہ فوری طور پر ہسپتال میں فراہم کی جاسکے گی اور اس کے لئے باہر کے لوگوں کو بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑے گی دوسری یہ اگر شائلہ بہت زیادہ دیوانگی کا شکار ہوگی تو اسے وہیں کی وہیں سنبھالا جاسکتا ہے اور آپ کو اس سلسلے میں بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑے گی۔ وہ وہیں درست ہو جائے گی یا پھر نیلم ساجد علی یہاں آکر اس سے رابطہ نہیں کر پائے گی سمجھ رہی ہیں نا آپ' وہ یہاں نہیں پہنچ پائے گی اور ہم میں سے کوئی یہ نہیں بتائے گا کہ وہ کون سے کلینک میں داخل ہے اس طرح عارضی طور پر اس کی نیلم ساجد علی سے بچت ہو جائے گی۔"

"مگر وہ کتیا! آخر ہے کون مجھے اس کے بارے میں تفصیلات تو بتاؤ آخر وہ رہتی کہاں ہے۔ کیا کرتی ہے۔ میری بچی کے ساتھ اس نے کیا سلوک کیا ہے؟ کچھ تو پتہ چل جائے مجھے۔"

"آنٹی! یہ سب بعد کی باتیں ہیں میں فوراً ہی ڈاکٹر آفتاب سے اس سلسلے میں بات کر لیتا لیکن آپ سے اجازت لینا ضروری تھا۔"

"سب کچھ تمہیں ہی کرنا پڑ رہا ہے شہباز! اور تم ہی یہ سب کچھ کرو گے کلینک میں پہنچانے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔" تمام انتظامات خاموشی سے کئے گئے اور اس کے بعد بے ہوش شائلہ کو میں نے اور شہباز نے سنبھالا اور کچھ دیر کے بعد ہم اسے ڈاکٹر آفتاب کے کلینک تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ ڈاکٹر فراست نے فوراً ہی کہا۔ "ڈاکٹر صاحب بھی میرا خیال ہے ابھی کمرے میں موجود ہیں۔ وہ آپ کے ہاں سے یہیں آئے تھے اور انہوں نے مجھے اس بارے میں ہدایات کی ہیں۔"

"پہلے ڈاکٹر آفتاب کو بلا لو۔" شہباز نے کہا۔ آفتاب جو گھر واپس جانے کی تیاری کر رہا

تھا' فوری ہی واپس آ گیا۔

"میرے پیچھے ہی کیوں نہ لے آئے؟"

"بس اب فضول باتوں سے گریز کرو ساری ذمہ داری تمہاری ہے اور چند باتیں میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں ان پر خاص طور سے غور کرنا ہے۔ شائلہ پر دورے پڑتے ہیں کوئی آنٹی نیلم ساجد علی ہے وہ جس کے پاس جانا چاہتی ہے۔ خاص طور سے تمہیں یہ نگرانی کرنی ہے کہ وہ کمرے سے نکل کر بھاگنے نہ پائے۔ خاص طور سے اس کا خیال رکھنا ہے۔"

"بہت اچھا کیا تم نے لیکن تم نے یہ معلوم نہیں کیا کہ یہ نیلم ساجد علی کون ہے؟"

"اللہ بہتر جانتا ہے یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"یار کچھ صورت حال سنگین سی نظر آ رہی ہے۔"

"ڈاکٹر آفتاب اس سنگین صورت حال کا تجزیہ کرنے کے بعد ہی میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے تم میرے دوست ہو معاوضے کا مسئلہ بالکل نہیں ہے۔ تمہارے جو اخراجات ہوں اور جو فیس ہوگی وہ بھرپور طریقے سے ادا کی جائے گی لیکن تمہاری ذمہ داری بھی بھرپور ہوگی۔ یہ کیس نہ تو کسی جرم کا ہے نہ کوئی ایسی بات ہے جو قانون کے لئے الجھن کا باعث ہو یہ صرف ہماری ذاتی الجھن ہے اور اس میں تمہیں شریک ہونا پڑے گا۔" ڈاکٹر آفتاب نے اس وقت دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔

"یار کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تم اگر پریشانی کا شکار ہوتے تو کیا میں تمہاری اس پریشانی کو نظر انداز کر دیتا اب اتنا بھی بے مروت نہیں ہوں بے فکر رہو بلکہ تم نے بہت اچھا کیا یہ سب کچھ بتا دیا۔"

"اوکے آنٹی آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"اگر ڈاکٹر آفتاب مجھے اجازت دیں گے تو میں اپنی بیٹی کے پاس ہی رہوں گی۔ تم لوگ مجھ سے رابطہ رکھو گے۔ میں پیسے وغیرہ بینک سے نکلوالوں گی تم براہ کرم میرے اس مشکل وقت میں میرا ساتھ دو۔ میں کسی اور کو اپنا رازدار نہیں بنا سکتی اب تم ہی میرے رازدار ہو میری مدد کرو تمہیں خدا کا واسطہ۔"

"آپ اس قدر پریشان نہ ہوں آنٹی! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" شہباز نے انہیں تسلی دی اور ڈاکٹر آفتاب کو مزید ہدایات دے کر ہم دونوں وہاں سے نکل آئے شہباز کے چہرے پر گہرے غور و فکر کے آثار تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم گھر پہنچ گئے اور شہباز میرے کمرے میں ہی بیٹھ گیا پھر بولا۔ "یار تم ذرا ایک منٹ رکو۔ میں ذرا کافی کے لئے کہہ

کر آتا ہوں۔" اس وقت واقعی ایسے کسی مشروب کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اپنے
بارے میں میں خیر کچھ بھی نہیں کہہ سکتا میرا ماضی تو آپ کے سامنے ہے۔ بس تھوڑا ذہنی
معیار بڑھتا جارہا تھا پتہ نہیں کیسی کیسی مشکلات سے نکل کر زندگی کے اس موڑ تک پہنچا
تھا۔ ربابہ تو ایک طرح سے پس منظر میں ہی چلی گئی تھی پیش منظر میں جو عجیب وغریب
واقعات نظر آرہے تھے وہی کافی سنسنی خیز تھے۔ کبھی کبھی رات کو تنہائیوں میں جب دل
میں کسک ہوتی تھی تو ربابہ کی آواز اور اس کا درد بھرا گیت کانوں میں ابھر آتا تھا پتہ نہیں
کون تھی کیا تھی۔ انسان اپنی مرضی سے تمام مشکل مسئلے حل بھی تو نہیں کرسکتا اسے
بہرحال وقت کی بے رحمی کا شکار ہونا پڑتا ہے اور طاقتور ہی صحیح فیصلے کرتا ہے چنانچہ وقت
کے فیصلہ کا انتظار میری بھی مجبوری تھی تھوڑی ہی دیر کے بعد جب شہباز واپس آیا تو
ایک ملازمہ ہاتھوں پر کافی کے برتن سنبھالے ہوئے تھی۔ برتن رکھنے کے بعد وہ واپس چلی
گئی تو شہباز خود کافی بنانے لگا ایک پیالی اس نے مجھے دی اور دوسری خود لے کر بیٹھ گیا۔

پھر وہ بولا۔
"اور کیا تم ان تمام واقعات کو شدید حیران کن نہیں کہہ سکتے؟"
"ہاں شہباز یہ بے شک بہت ہی حیرانی کی بات ہے۔"
"اچھا ایک بات بتاؤ۔ کبھی تمہارا واسطہ پُراسرار واقعات سے پڑا ہے؟" میں نے
کچھ دیر تک شہباز کی صورت دیکھی وہ ایک اچھا اور مخلص ساتھی تھا۔ کم از کم اس حد
تک اسے ضرور بتایا جاسکتا تھا جس حد تک بتانا ممکن ہو لیکن نہ جانے کیوں ربابہ کی بات
میرے ہونٹوں تک آکر رک گئی حالانکہ میں شہباز کو بتانا چاہتا تھا کہ تم پُراسرار واقعات کی
بات کر رہے ہو میری زندگی ایک مسلسل اسرار ہے اور شاید یہ بہت کم لوگ ایسے ہوں
گے جو اس طرح زندگی کے ہاتھوں کھیلتے رہے ہوں۔ میں تو بہت ہی عجیب وغریب دنیا کا
انسان ہوں۔ ربابہ میری زندگی کا محور ہے لیکن میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا
مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون ہے اور میرے لئے کیوں بھٹک رہی ہے۔ میں یہ بھی نہیں
جانتا کہ اب وہ کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے کیا چاہتی ہے مجھ سے یہ ساری باتیں میرے
ہونٹوں تک آنا چاہتی تھیں لیکن مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا ہو
ایک نرم اور ملائم ہاتھ جو شاید ربابہ ہی کا ہو۔ شہباز میری کیفیت سے بے نیاز اپنی کافی کی
پیالی سے گھونٹ لے رہا تھا پھر اس نے میری جانب دیکھ کر کہا۔
"تم خاموش ہوگئے۔"
"ہاں شہباز پُراسرار واقعات کا کسی کی زندگی سے کوئی تعلق ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔

"
میں یہ نہیں جانتا تم دادا جان کے بارے میں کہتے ہو کہ دادا جان پُراسرار علوم کے ماہر
ہیں۔ انہیں ایسے معاملات سے بہت دلچسپی ہے۔ بے شک ایسا ہوگا لیکن.........."
"ایک منٹ یار! ایک منٹ تم نے تو میرے دماغ پر ہتھوڑا مار ڈالا ہے تم نے تو
بڑی عجیب وغریب بات کہہ دی ہے۔"
"کیا مطلب میں سمجھا نہیں؟"
"دادا جان۔ دادا جان یار! ایک بات بتاؤ۔ شمائلہ کی کیفیت پُراسرار ہے اور جیسا کہ
میں نے تم سے کہا کہ میں اس سلسلے میں کوئی اہم بات نہیں جانتا۔ مگر دادا جان۔ میرے
خدا! دادا جان اس سلسلے میں ہماری بہترین مدد کرسکتے ہیں۔"
"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم کیا کہو گے دادا جان سے شمائلہ کے بارے میں۔ دیکھو
جو کچھ میرے ذہن میں ہے وہ بہت عجیب ہے۔ اچھا ایسا کرتے ہیں کہ ڈاکٹر کی اس بارے
میں رپورٹ مل جانے دیں۔ اس کے بعد اگر ضرورت پیش آئی تو ہم دادا جان سے اس
بارے میں ضرور بات کریں گے۔ میں سمجھتا ہوں دادا جان ہمارے لئے ایک بہترین معاون
اور مشیر ثابت ہوں گے۔ ویسے گل شیر سچ بتاؤ تمہاری زندگی میں کوئی پُراسرار واقعہ
رونما ہوا ہے؟"

"میں نے کہانا۔ میرے والد اچھے انسان تھے اور میرے چچا گلاب شیر بڑی عجیب
وغریب کیفیت کے مالک ہیں تمہیں صحیح بتا رہا ہوں کہ گلاب شیر ایک پُراسرار اور خطرناک
آدمی تھا۔ میرے والد علی شیر اچھی حیثیت رکھتے تھے۔ کوٹ ہرمورا نامی جگہ ہم رہا کرتے
تھے پھر اچانک ہی میرے والد کا انتقال ہوا اور مجھے پتا چلا کہ گلاب شیر یعنی میرا چچا جو
انتہائی پُراسرار قوتوں کا مالک تھا اور جو کالے علم سیکھنے کے لئے نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا
پھرتا تھا شاید بچپن ہی سے اس کی یہ کیفیت تھی۔ میرے والد صاحب کو مصوری کا شوق
تھا۔ انہوں نے میرے چچا کی ایک تصویر بنائی تھی میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ وہ کیسی تصویر
تھی کیسی شکل تھی۔" میں نے مختصراً اسے وہ واقعات سنائے جن کا میری زندگی سے گہرا
تعلق تھا اور جنہوں نے میری زندگی کا رخ ہی بدل دیا تھا ماں باپ اور باقی تمام لوگ جس
طرح مجھ سے جدا ہوگئے تھے وہ ساری کہانی بڑی عجیب وغریب تھی۔
"شہباز اگر تم انہیں پُراسرار واقعات تصور کرسکتے ہو تو سمجھ لو کہ ان پُراسرار
واقعات کا میری زندگی سے گہرا تعلق رہا ہے۔" شہباز کافی کا گھونٹ لے رہا تھا اور اس
کے چہرے پر تاثر کا اندازہ تھا پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "واقعی اس میں کوئی
شک نہیں ہے کہ تمہاری زندگی میں بھی بڑی پُراسراریت ہے۔ تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ

یوں تو بہت سے واقعات پیش آئے ہیں جو پُراسرار ہیں لیکن جو واقعہ ہوا ہے جس طرح تم نے شمائلہ کو دیکھا تھا اور اس کے بعد تمہیں وہ جس شکل میں نظر آئی ہے۔ وہ بڑی عجیب و غریب ہے۔ اصل میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ زندگی میں بہت سے ایسے عجیب وغریب واقعات ہوتے ہیں جنہیں حیران کن کہا جاسکتا ہے۔ کیا تمہیں انسانی خون پینے والے کسی انسان کے بارے میں کچھ معلومات ہے کیا ایسا کوئی واقعہ تمہارے علم میں جس میں ایسے کسی انسان کا تذکرہ ہو؟"

"مطلب.........؟" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"یار نہ جانے کیوں میرے ذہن پر ایک عجیب سا تاثر ہے مجھے یوں لگتا ہے جیسے کسی نے شمائلہ کے بدن کا سارا خون نچوڑ لیا ہو جیسے......... جیسے کسی نے بس کیا بتاؤں تمہیں۔ بڑی عجیب وغریب بات ہے اچھا مجھے یہ بتاؤ کیا تم نے کبھی انسانی بھیڑیوں کے بارے میں کچھ سنا ہے؟"

"انسانی بھیڑیئے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں جبکہ میرے علم میں کچھ ایسی عجیب وغریب باتیں ہیں جنہیں تم تصور بھی نہیں کرسکتے اچھا یہ بتاؤ کیا نیند آرہی ہے؟"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"تو پھر میں تمہیں کچھ ایسے پُراسرار واقعات کے بارے میں بتاتا ہوں جن میں خون پینے والے انسانوں کا تذکرہ ملتا ہے یہ صرف اخباری یا کتابی واقعات نہیں ہیں بلکہ ایک بڑی سچائی ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ دادا جان کی بے شمار زمینیں ہیں اور ہم لوگ تھوڑی سی دیہی زندگی گزارتے رہے ہیں۔ یہ تو والد صاحب کا شوق تھا کہ انہوں نے شہری رہائش پسند کی ورنہ ایک قصبہ حسین پور کے نام سے ہے۔ یہاں ہماری آبائی حویلی ہے قصبہ حسین پور کہنے کو تو ایک قصبہ ہے لیکن اس کے اعتراف میں بڑی بڑی صنعتیں قائم ہیں اور بہت بڑے بڑے صنعت کاروں نے حسین پور کے خوبصورت موسم سے متاثر ہوکر وہاں اپنی کوٹھیاں بنوائی ہیں اگر تم حسین پور ابھی تک نہیں گئے ہو تو ایک بار وہاں جاکر دیکھو تمہیں زمین پر ایک ایسا حسین شہر بسا ہوا نظر آئے گا جسے دیکھ کر تم انتہائی خوشی محسوس کرو گے۔ حسین پور میں بہت سے صنعت کار رہتے ہیں ان میں ایک بہت بڑا علی آزاد ہے۔ علی آزاد خاصی لاابالی فطرت کا مالک تھا ایک دن اس کے ساتھ ایک بدترین حادثہ پیش آیا تھا علی آزاد نے اپنے بیان میں بتایا کہ وہ ایک سرد او دھندلی صبح تھی۔ جب وہ قبرستان پہنچا اس وقت ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی لیکن علی آزاد کے دل کو

جو غم لگا تھا وہ موسم سے متاثر نہیں کرتا تھا۔ جس وقت وہ قبرستان کے بڑے گیٹ پر پہنچا تو اس کے چہرے پر غم کے گہرے آثار چھائے ہوئے تھے اور جب وہ دروازے کی طرف بڑھا تو اس کے قوی ہیکل جسم کی لرزش اس کا اظہار کرتی تھی کہ اس کے اندر کوئی بہت ہی بڑا غم پل رہا ہے۔ اصل میں بات یہ تھی کہ وہ اپنی بہت ہی چھوٹی سی بیٹی کو دیکھنے کے لئے یہاں آیا تھا جو اس قبرستان میں دفن تھی۔ اور پچھلی ہی شام اس کا انتقال ہوا تھا علی آزاد اپنی بیٹی کو بے پناہ چاہتا تھا لیکن تقدیر نے اس سے اس کی یہ ننھی سی اولاد چھین لی تھی۔ گذشتہ شام ہی اسے دفنایا گیا تھا لیکن شدید بارش اور حد سے زیادہ تاریکی کے باعث گورکن نے قبر کو پتھروں کی سلوں سے ڈھکنے کا کام دوسرے دن پر ملتوی کردیا تھا اور علی آزاد اتنی صبح اس مقصد کے تحت آیا تھا کہ گورکن کے لاش ڈھکنے سے پہلے وہ ایک دفعہ پھر کوشش کرکے وہ اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھ سکے یہ ایک باپ کی خاموش خواہش تھی جس کا اس نے کسی سے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا بڑے آدمیوں کے اس قبرستان میں بہت سا عملہ متعین کیا گیا تھا۔ جو قبروں کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔

عملے کے ایک آدمی نے صبح ہی صبح علی آزاد کو دیکھا اور انعام کے لالچ میں دوڑتا ہوا اس کے پاس آگیا اس نے علی آزاد کو جھک کر سلام کیا تھا علی آزاد آہستہ آہستہ اس حصے کی طرف بڑھا جہاں بچی کی قبر تھی۔ دھندلی سی تاریکیوں میں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی جانور یا آدمی اس کے قدموں کی آہٹ پاکر اس قبر سے نکلا اور اچھل کر ایک طرف بھاگ گیا۔ علی آزاد ٹھٹک کر وہیں رک گیا اور غور کرنے لگا کہ یہ کیا چیز تھی۔ کوئی آدمی' کتا' بھیڑیا یا کوئی بھوت پریت یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ بہرحال گورکن اس کے پیچھے پیچھے آیا تھا اور اس نے خود بھی شاید اس بات پر غور کیا تھا لیکن یہ دیکھ کر اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا اور اس کے حلق سے بے اختیار ایک چیخ نکلی۔ ارے باپ رے۔ علی آزاد کو چونکہ خود بھی اچھی طرح یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ کوئی اس قبر کے پاس ضرور موجود تھا چنانچہ وہ جلدی سے قبر کے پاس پہنچا اور جب اس نے قبر کو دیکھا تو وہ دہشت سے لڑکھڑا گیا اور ضبط کے باوجود اس کے منہ سے دبی دبی سی چیخ نکل گئی۔ "میرے خدا میرے خدا" اس نے دیکھا کہ بچی کا کفن پھٹا ہوا ہے اس کا ادھڑا اور نوچا ہوا کفن بھی مٹی کے اوپر دھجیوں کی صورت میں رکھا ہوا ہے اور لاش کے اعضا الگ الگ ہوچکے ہیں بچی کا ننھا سا پیٹ چاک کرکے آنتیں نکال لی گئیں تھیں اس کے جسم کے دوسرے حصے پر دانتوں کے نشانات نمایاں تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی جانور نے لاش کو قبر سے نکال کر ہڑپ کرنے کی کوشش کی ہے۔ علی آزاد کو اپنی بیٹی سے بے پناہ محبت تھی

وہ تو اس تصور کے تحت یہاں تک آیا تھا کہ آخری بار اس کا دیدار کرے لیکن اس کا جو حال اس کی نگاہوں کے سامنے آیا تھا اس نے اسے برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ وہیں غش کھا کر گر پڑا اور بدنصیب باپ کو فوراً ہسپتال پہنچایا علی آزاد ہفتوں زیر علاج رہا لیکن اس حادثے کا اثر اس کے ذہن پر ایسا ہوا کہ وہ پھر درست ہی نہ ہو سکا اس کے اعصاب مفلوج ہو گئے تھے بمشکل تمام اس نے یہ ساری تفصیل بتائی یہ حادثہ کوئی معمولی نہیں تھا اور پورے حسین پور میں ایک شدید سنسنی پھیل گئی تھی۔

پولیس بھی اس سلسلے میں مصروف ہو گئی تھی کیونکہ معاملہ ایک بڑے صنعت کار کی بیٹی کا تھا۔ یہ خیال کیا گیا کہ کارستانی کسی کتے یا بھیڑیئے کی ہے کیونکہ حسین پور کے پہاڑی موسم میں ان دنوں بھیڑیئے اکثر دیکھے جاتے تھے اور انہوں نے بعض اوقات قبریں کھود کر لاشیں بھی نکالیں تھیں لیکن جب پولیس کے سراغ رسانوں نے قبرستان کا معائنہ کیا بچی کی قبر کے گرد نم مٹی میں بھیڑیئے کے نہیں انسانی قدموں کے نشانات پائے گئے اب سوال یہ تھا کہ اگر یہ کام کسی آدمی کا ہے تو وہ قبرستان میں کیسے داخل ہوا اور باہر کس راستے سے گیا کیونکہ اس وسیع و عریض قبرستان کے گرد تقریباً دس فٹ اونچی دیوار کھچی ہوئی تھی اور اس کے آہنی دروازے کو ہمیشہ مقفل رکھا جاتا تھا۔ ان دروازوں پر ہمیشہ پہرہ رہا کرتا تھا ایک لمحے کے لئے فرض کر لیجئے کہ کوئی شخص قبرستان میں داخل ہو بھی گیا تو بھی یہ بات کسی طرح قابل یقین تھی کہ وہ قبر سے بچی کی لاش نکال کر اس کی یوں بے حرمتی کرے گا اور اسے ہڑپ کرنا چاہے گا۔ یہ کام تو لازمی طور پر کسی وحشی جانور یا درندے کا ہی ہو سکتا ہے حسین پور کے لوگ ابھی اس المناک واقعہ پر قیاس کے گھوڑے دوڑا ہی رہے تھے کہ اسی قبرستان میں ایک اور قبر کھود کر ادھیڑ عمر عورت کی لاش نکالی گئی۔ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا پھر چند دن کے اندر اندر حسین پور کے دوسرے قبرستانوں میں بھی اس طرح کی خبریں آنے لگیں اور شہر میں دہشت کی ایک لہر دوڑ گئی سرکاری اور عوامی حلقے خوفزدہ بھی تھے اور پریشان بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ قصبے کے جنوبی رخ پر واقع قبرستان میں بارہ سالہ لڑکی کی لاش قبر سے باہر پڑی ہوئی پائی گئی۔ لاش کے بازو اور پاؤں الگ الگ کر دیئے گئے تھے لاشوں کے معائنے سے معلوم ہوا کہ ان پر ایک ہی طرح کے دانتوں کے نشان ہیں اس کا مطلب تھا کہ اس درندگی کا ذمہ دار صرف ایک ہی جانور یا انسان ہے۔ اسی دوران پولیس نے ایک اور بھی بات دریافت کی وہ یہ کہ لاشوں کے جو اعضا الگ کئے گئے تھے ان کے معائنے سے یہ معلوم ہوا کہ انہیں چھری یا چاقو سے نہیں کاٹا گیا بلکہ یہ مضبوط بازوؤں کی قوت سے

اکھاڑے گئے ہیں اور ان بازوؤں کے ہاتھوں کے ناخن بھی بہت لمبے اور نوکیلے ہیں۔ ان ہاتھوں اور ناخنوں کے نشانات مٹی میں بھی دیکھے گئے تھے قبروں کی گہرائی جس قدر بھی ہوتی تھی ظاہر ہے اس قسم کی قبر کو کھودنا کسی انسان یا درندے کے لئے کوئی زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ انسان یا درندہ تازہ قبروں پر حملہ کرتا ہے جن سے باآسانی لاشوں کو نکالا جا سکتا ہے بعض جگہ خون کے نشانات بھی دیکھے گئے تھے۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ خون اکھاڑنے والے کے ہاتھوں سے اس وقت گرتا ہے جب وہ ان قبروں کے پتھروں پر زور آزمائی کرتا ہے اور اس کے ہاتھ زخمی ہو جاتے ہیں۔ بہرحال یہ تمام کارروائی بڑی سنسنی خیز تھی کئی دن تک پولیس اس سلسلے میں کوئی سراغ نہیں لگا سکی۔ انتظامیہ نے اس بارے میں غور کیا ایسے قبرستانوں کی قبریں کھودی گئی تھیں جن کے لواحقین اعلیٰ حیثیت کے مالک تھے پھر فوراً ہی سرکاری طور پر ایک میٹنگ ہوئی۔ اگر کسی شخص کو قبرستان میں گھومتا پھرتا دیکھیں تو گولی مار دیں۔ اس کے علاوہ خونخوار کتے بھی قبرستانوں میں چھوڑے گئے جن کے سننے اور سونگھنے کی حس بڑی تیز تھی اور وہ خطرناک سے خطرناک مجرم کا اندھیرے میں تعاقب کر کے اسے پکڑ لیتے تھے قبرستانوں کے اندر جابجا راستوں اور قبروں کے درمیان ایسی بندوقیں لگا دی گئیں کہ اگر کوئی ان پر پاؤں رکھ دے تو یہ بندوقیں خود بخود فائر کر دیں۔ ان میں تار باندھے گئے تھے انتظامیہ نے اپنے طور پر بڑے سنسنی خیز انتظامات کئے تھے لیکن ان تمام انتظامات اور کڑی نگرانی کے باوجود لاشوں کی بے حرمتی اسی طرح ہوتی رہی روزانہ کسی نہ کسی قبرستان سے قبریں کھدنے اور لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی خبریں آتی رہیں۔ پھر کافی دن کے بعد ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ حسین پور کے سرکاری ہسپتال میں ایک طرف ایک قبرستان خاص طور پر بنایا گیا تھا جو لاوارث اور محتاج لاشوں کو دفن کرنے کے لئے بنایا گیا تھا کیونکہ ان دنوں کچھ عجیب و غریب وارداتیں ہو رہی تھیں اس لئے ہسپتال کے اس قبرستان میں بھی کچھ کتے چھوڑ دیئے گئے اس رات موسم کافی سرد تھا اور آسمان سے ہلکی ہلکی بوندیں برس رہی تھیں کہ اچانک ہی کتوں نے بھونک بھونک کر آسمان سر پر اٹھا لیا اور پھر اچانک ہی وہ بھونکتے ہوئے ایک طرف چلے گئے غالباً انہوں نے کسی شے کو قبرستان کے درمیان حرکت کرتے دیکھ لیا تھا۔ چوکیدار جو یہاں پر پہرہ دیا کرتے تھے اور اس سخت موسم کی وجہ سے اپنے کیبن میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے چند ہی لمحوں میں یہ گارڈ ہوش میں آ گئے اور باہر نکلے لیکن انہوں نے کتوں کو واپس آتے ہوئے دیکھا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے

کیونکہ کتوں کی دُمیں ٹانگوں میں دبی ہوئی تھیں اور سر جھکے ہوئے تھے۔ کتوں کی یہ حالت دیکھ کر چوکیدار خود خوفزدہ ہوگئے کیونکہ کتوں پر جو خوف طاری تھا وہ دیکھ کر ان کی ہمت نہیں رہی تھی کہ وہ رات کے وقت قبرستان میں گھوم پھر کر یہ معلوم کریں کہ کیا قصہ ہوا ہے۔

البتہ صبح ہوتے ہی انہیں ایک عورت کی نچی ہوئی لاش قبر سے باہر پڑی ہوئی ملی۔ اس عورت کی لاش ایک کھلی قبر سے نکالی گئی تھی قاعدہ یہ تھا کہ جتنے بھی محتاج اور لاوارث افراد مرجاتے تھے۔ انہیں ایک ہی قبر میں ڈال دیا جاتا تھا اور جب تک قبر لاشوں سے پُر نہ ہوجاتی اس وقت تک اسے بند نہیں کیا جاتا تھا۔ لاش کی بائیں ران پر ان دیکھی بلا کے ناخنوں کے نشانات نمایاں تھے اور یہ کتے انتہائی خوفناک اور شکاری کتے تصور کئے جاتے تھے ایک بار پھر پورے شہر میں افواہیں گردش کرنے لگیں کہیں کچھ کہا جارہا تھا اور کہیں کچھ جن، بھوت، پریت، چڑیلیں، سرکٹے سب ہی کا تذکرہ ہورہا تھا اور حسین پور کے لوگ یہ سوچ رہے تھے ایسا لگتا ہے جیسے ارواح خبیثہ کا ایک پورا غول حسین پور میں گردش کررہا ہو قبرستانوں کی نگرانی کے لئے جن نئے لوگوں کو مقرر کیا گیا تھا وہ الگ خوفزدہ تھے لیکن وارداتیں نہیں رکی تھیں۔ ایک اور رات اس سے بھی عجیب خبر سننے کو ملی ایک قبرستان کے چوکیدار نے حلفیہ بیان دیا کہ رات کو وہ قبرستان کی نگرانی کر رہا تھا کہ اس نے ایک انسانی سائے کو ایک قبر کے اندر سے نکلتے ہوئے دیکھا چوکیدار نے اپنے اوسان بحال رکھے اور پستول سے اس سائے پر فائر کیا چوکیدار نے قسم اٹھا کر کہا کہ اس کا نشانہ خالی نہیں گیا تھا لیکن جس انسانی سائے پر فائر کیا گیا تھا وہ کوئی بلا ہی تھی کیونکہ لمحوں کے اندر اندر وہ قبرستان کی اونچی دیوار پر چڑھ کر نظروں سے غائب ہوگئی۔ چوکیدار نے مزید بتایا کہ جب اسے اطمینان ہوگیا کہ وہ بلا قبرستان سے نکل گئی ہے۔ تو وہ اپنی ٹارچ اٹھا کر اس قبر کی طرف گیا اور اس نے قبر کے اندر روشنی پھینکی اسے چار لاشیں پڑی نظر آئیں یہ دو آدمی اور دو عورتوں کی لاشیں تھیں ان لاشوں کو دیکھ کر چوکیدار چیختا ہوا واپس بھاگا اور دوسرے چوکیدار کو قصہ سنایا لیکن وہ اتنے ڈرے ہوئے تھے کہ کسی نے دوبارہ قبر کے پاس جانے کی ہمت نہیں کی۔ البتہ صبح ہوتے ہی انہوں نے پولیس کو اطلاع دے دی۔ پولیس والے اس قبر کے پاس پہنچے تو ایک حیران کن انکشاف ہوا۔ لاشیں اب چار نہیں بلکہ پانچ تھیں صاف ظاہر تھا کہ وہ بلا رات کو پھر کسی وقت قبرستان میں داخل ہوئی اور اس نے ایک اور لاش کو چیرا پھاڑا۔ ایک ڈاکٹر نے اس لاش کا معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ اس کی انتڑیوں کو چبایا اور جسم کے بعض حصوں کا گوشت بھی کھایا گیا ہے بہرحال جو

کچھ ہورہا تھا اب وہ حد سے آگے بڑھتا جارہا تھا ہر قسم کی کوشش کی جارہی تھی چوکیدار اپنی کوشش میں مصروف تھے خود کار بندوقیں بھی کام کر رہی تھیں لیکن کوئی نام ونشان نہیں ملتا تھا۔ یہ بندوقیں کئی بار چلی بھی تھیں جس کا مطلب یہ تھا کہ کسی نے چلتے ہوئے اس تار پر پیر رکھ دیا تھا جو بندوق کے ٹرائیگر سے بندھا ہوا تھا لیکن زخمی ہونے والے کا کہیں نام ونشان نہیں تھا البتہ تین قبروں سے تین لاشوں کو نکال کر انہیں حسب معمول چیرا پھاڑا جاچکا تھا اور کہیں کہیں سے لاشوں کا گوشت بھی غائب تھا اور ان پر دانتوں کے نشانات واضح طور پر نظر آرہے تھے۔ ایک اور قبرستان میں چوکیدار نے دیوار کے ساتھ ایک تاریک انسان سائے کی شکل میں قبرستان کی دیوار کے پاس سے سرکتے ہوئے دیکھا کیونکہ ان دنوں بڑی دہشت پھیلی ہوئی تھی اور چوکیداروں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ ان کے ہر قسم کے اقدام کی حفاظت کی ذمہ داری لی جاسکتی ہے وہ ممنوع اوقات میں کسی بھی متحرک چیز کو دیکھ کر گولی چلا سکتے ہیں۔

چنانچہ چوکیدار نے بندوق سے اس پر فائر کیا لیکن بے سود۔ سایہ دیکھتے ہی دیکھتے دیوار پر چڑھا اور غائب ہوگیا صبح اس دیوار کو دیکھا گیا تو عین اس جگہ گولی کا نشان دیوار پر موجود تھا جہاں انسانی سایہ کھڑا ہوا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گولی اس کے جسم سے پار ہو کر دیوار سے جالگی ہو۔ خون کا کوئی قطرہ یا دھبہ وہاں بھی نہیں دیکھا گیا اور یہی افواہ شدت اختیار کر گئی کہ بدروحیں یہاں سیروسیاحت کے لئے آئی ہوئی ہیں۔ طویل عرصہ گزر گیا قبرستان میں موجود لاشوں کا یہی حشر ہوتا رہا پولیس کے جاسوسوں نے اپنی نیندیں حرام کرلیں۔ یہاں تک کہ دوسرے شہروں سے بھی اس اطلاع کے بعد لوگوں کی طلبی پر جاسوس پہنچے اور اس نادیدہ بلا کو تلاش کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے رہے مگر ناکامی کے سوا ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا بہرحال رفتہ رفتہ یہی بات جڑ پکڑتی گئی کہ کوئی بہت ہی خوفناک گروہ یہاں آگیا ہے طرح طرح کی لرزہ خیز داستانیں گھر گھر میں دوہرائی جاتی تھیں اور آسیبوں کے حسین پور پر حملے کی داستانیں کہی جارہی تھیں۔ کوئی رکاوٹ ان کی راہ میں حائل نہیں ہو رہی تھی وہ دیواروں سے دھوئیں کی طرح پار ہو رہے تھے کتے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے تلوار لاٹھی یا عام بندوق کی گولی ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی بہرحال یہ تمام چیزیں ہو رہی تھیں مولویوں اور عاملوں کی تلاش شروع ہوگئی تھی اور بڑی دہشت پھیلی ہوئی تھی طرح طرح کے واقعات ایک دوسرے کو سنائے جارہے تھے ہر گھر میں کچھ لوگ راتوں کو جاگتے تھے یہی شکر تھا کہ بات ابھی تک قبرستانوں تک ہی محدود تھی اور دوسری جگہ نہیں تھی۔ بہرحال ایسی ہی تمام صورت حال حسین پور میں پھیلی ہوئی تھی

اور لوگوں نے نقل مکانی شروع کردی تھی بہت سے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر نکل گئے تھے حکومت نے لوگوں کے ذہن سے ان خرافات کو نکالنے کے لئے یہ اعلان کیا کہ یہ بدروحیں نہیں ہیں بلکہ ایک انسانی گروہ ہے جو دیوانگی کے باعث ایسی حرکتیں کر رہا ہے۔ حکومت نے مساجد سے اعلان کردیا کہ جلد یا بدیر اس گروہ کو پکڑ لیا جائے گا لیکن حقیقت یہ تھی کہ انتظامیہ کے افراد بھی دل میں ڈولے ہوئے تھے اور انہیں روز روز یہ یقین ہوتا جارہا تھا کہ ان کا واسطہ گوشت پوست کے انسانوں سے نہیں بلکہ خوفناک بدروحوں سے ہے بھلا وہ انسان کیسے ہوسکتے ہیں جن پر گولی نہ چلے۔ جو لاشوں کو قبروں سے نکال کر ان کا گوشت چبا جائیں اور دس دس گز اونچی دیوار کو آسانی سے پار کر جائیں۔ خونخوار کتے جنہیں دیکھ کر دم دبا کر پلٹ آئیں۔

☆======☆======☆

بہرحال یہ ساری کوششیں بے کار جارہی تھیں اور ابھی تک کوئی ایسا عمل نہیں ہورہا تھا جس سے کسی بہتری کی کوئی امید ہو۔ ایک طرح سے حسین پور ایک ویرانہ بن گیا تھا اور راتوں کو لوگ گھروں سے نکلنے میں دہشت محسوس کرتے تھے تمام صنعت کار اپنے اپنے طور پر حسین پور چھوڑ گئے تھے وہ صنعتیں جو اربوں اور کروڑوں روپوں کی مالیت سے لگائی گئی تھیں آہستہ آہستہ زوال پذیر ہوتی جارہی تھیں اس صورت حال سے جہاں ایک طرف وہ صنعت کار اور حسین پور کے عوام پریشان تھے وہیں حکومت بھی اس بات کو شدید دردِ سری کے طور پر محسوس کر رہی تھی بڑے بڑے اعلیٰ افسران سر جوڑ کے بیٹھ گئے اور یہ سوچنے لگے کہ ان خونخوار درندوں اور بدروحوں کا کوئی مناسب سراغ کیوں نہیں لگا سکا ذہین ترین لوگ جب سر جوڑ کر بیٹھے تو بہت سے انکشافات ہونے لگے پھر ایک خاص گروپ بنا کر حسین پور بھیجا گیا یہ ملک کے ذہین ترین سرکاری ایجنٹوں کا گروپ تھا گروپ نے یہاں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے جو ذہانت کا ایک کام کیا وہ یہ کیا کہ مختلف قبرستانوں سے مختلف دنوں میں ملنے والی رپورٹوں کا تجزیہ کیا اور پچھلی تمام رپورٹوں کو سامنے رکھ کر انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وارداتیں کرنے والے بہت سے لوگ نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ دو یا تین افراد ہیں۔ یا پھر ممکن ہے کہ وہ ایک ہی فرد ہو کیونکہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک وقت میں دو قبرستانوں میں بیک وقت قبریں کھودنے اور لاشیں چبانے کا عمل ہوا ہو۔ ایک وقت میں ایک ہی قبرستان میں یہ سب کچھ ہوتا تھا۔ اس سے یہی بات ظاہر ہوتی تھی کہ ایک فرد ہے جو یہ کام کر رہا ہے اس کے علاوہ جن پہرہ داروں اور گورکنوں نے کبھی کسی سائے وغیرہ کو دیکھا تھا تو وہ ایک ہی ہوتا تھا۔ اس پینل کے سراغ رسانوں کا یہ انکشاف بہرطور بڑا حیرت ناک تھا انہی سراغ رسانوں نے قبرستانوں میں جال پھیلانا شروع کردیئے اور ایسی تمام بلند جگہوں کو خاص قسم کے ایسے پھندوں سے خفیہ طور پر آراستہ کیا جن میں سے اگر کسی میں کسی ہاتھی کا بھی پاؤں پڑ جائے تو وہ اس سے نکلنے نہ پائے اور آخر کار ایک دن ایک قبرستان میں الارم بج اٹھے اور چاروں طرف

سے لوگ ادھر دوڑ پڑے یہ الارم کسی کے اس جال میں پھنس جانے کے آلارم تھے اور جب تیز روشنیوں نے دیوار کے نزدیک لگے ہوئے ایک پھندے میں ایک شخص کو پھنسے ہوئے دیکھا گیا تو سراغ رسانوں کی پوری ٹیم اور انتظامیہ کے تمام افراد وہاں پہنچ گئے یہ ایک وحشی صفت آدمی تھا۔ عمر چالیس یا بیالیس سال کے قریب ہو گی جسم چوڑا ورزشی اور پھرتیلا تھا وہ اپنے چہرے مہرے اور جسامت سے بالکل ایک چیتا معلوم ہوتا تھا پتلی کمر چوڑا سینہ اور ایسے بازو جنہیں دیکھ کر رشک کیا جاسکے بلاشبہ ایک ایسا ہی شخص اتنے سارے لوگوں کو بے بس کرنے کا باعث بن سکتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جب اسے پوری طرح قبضے میں لے لیا گیا اور ایک سراغ رساں نے اس سے سوال کیا۔

"کیا تم ہی وہ درندے ہو جو قبر میں دفن شدہ لاشوں کو چبا جاتے ہو؟" تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"ہاں میں ہی وہ ہوں اگر تم بھی میرے جیسا بننا چاہو تو میری شاگردی اختیار کرو۔"

ایسے عالم میں جب لوہے کے پھندے یا شکنجے نے اس کے پیروں میں گڑ کر اس کے ٹخنوں کی نسیں کاٹ دی تھیں اور اس سے مسلسل خون بہہ رہا تھا وہ اتنے پُرمزاح انداز میں گفتگو کر رہا تھا کہ حیرت ہوتی تھی بہرحال سراغ رسانوں کے پینل نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ ہولناک مجرم پکڑا گیا ہے جس نے حسین پور میں زندگی ختم کر دی تھی اسے وہاں سے لے جایا گیا اور شہری آبادی میں اسے سب سے پہلے تحقیقی گروپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کے پاؤں کی مرہم پٹی کر دی گئی تھی اور ایک بار بھی اس کے چہرے پر کسی خوف یا پریشانی کے آثار نہیں دیکھے گئے تھے۔ وہ اس طرح مطمئن تھا جیسے ان تمام واقعات کی اسے ذرہ برابر پرواہ نہ ہو۔ بہرحال یہ ساری چیزیں اپنی جگہ بڑی سنسنی خیز حیثیت کی حامل تھیں اور یہ اندازہ لگایا جا رہا تھا جس شخص کو پکڑا گیا ہے کیا واقعی وہی ان تمام وارداتوں کے پیچھے تھا یا کچھ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں لیکن جب اس کے بعد یہ سب کچھ نہ ہوا تو اس بات کا اطمینان کر لیا گیا کہ سراغ رسانوں کے پینل نے بالکل صحیح کام سرانجام دیا ہے اب اس شخص سے تحقیق کا مرحلہ پیش آیا یعنی اس سے یہ معلوم کرنے کا مسئلہ یا مرحلہ کہ وہ کون ہے اور اس کی یہ کیفیت کیوں ہے اندازہ یہ ہوا کہ اس بستی کا رہنے والا نہیں تھا اس نے اپنا نام دسمبر خان بتایا تھا اس کے بتانے پر سرکاری افسر نے کہا۔

"کیا یہ تمہارا اصل نام ہے؟"

"میں خود اصل نہیں ہوں تو میرا نام اصل کہاں سے ہو گا۔"

"ہم تمہارا اصل نام جاننا چاہتے ہیں۔"

"میں نے کہا نا میرا اصلی نام نہیں ہے اور اگر سمجھنا چاہتے ہو تو اسے ہی اصلی نام سمجھو۔"

"کہاں کے رہنے والے ہو کیا حسین پور میں تمہارے دوسرے عزیز واقارب بھی موجود ہیں۔"

"نہیں میں کسی کو عزیز نہیں رکھتا اور کبھی میں نے کسی کو عزیز نہیں جانا۔ ہاں پرانی بات ہے جس کے مٹے مٹے نقوش میرے ذہن پر ہیں۔"

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ نقوش کیا ہیں۔"

"شاید میں ایک اچھا آدمی تھا اچھے کھاتے پیتے گھرانے سے میرا تعلق تھا شاید میرے والد بھی صنعت کار تھے خوب کھاتا پیتا گھرانہ تھا ہمارا۔ میرا ایک بھائی بھی تھا جو اچانک ہی کسی بیماری کا شکار ہو کر مر گیا۔ وہ مجھ سے بڑا تھا میرے بڑے بھائی کی موت کے بعد میرے والد اس صدمے سے بیمار ہو گئے میں بھی اپنے بھائی کو بہت چاہتا تھا میں بڑی تنہائی محسوس کرتا تھا پھر میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ پتہ نہیں وہ کوئی آئل ٹینکر تھا جو مجھے مار کر چلا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ میرا جسم کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا میرا دماغ بھی پھٹ گیا پھر بہت سے ڈاکٹروں نے مجھ پر اپنے تجربات کئے اور میرے ٹکڑوں کو جوڑ دیا مجھ میں شاید زندگی باقی تھی کہ میں جڑ گیا اور اس کے بعد سانسیں بھی لینے لگا دماغ بھی کام کرنے لگا لیکن جو کیفیت ہوئی تھی میری اس کے بعد کوئی نہ کوئی کمی تو ہونی چاہئے تھی میرے اندر یقیناً کوئی کمی تھی۔ یہ کمی شاید ایک دماغی عارضہ تھی اور جانتے ہو میرا بہترین مشغلہ کیا تھا میں زندہ پرندوں کو کھولتے ہوئے پانی میں ڈال دیتا تھا ان کے پر کاٹ دیا کرتا تھا بلیوں اور کتوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو آگ کے جلتے تندور میں پھینک دیتا اور مجھے اس میں بہت لطف آتا تھا۔ مجھے ہر چیز کو ختم کر دینے میں مزہ آتا تھا میرا دل چاہتا تھا کہ میں کوئی ایسا عمل کروں جو مجھے خوشی دے اور بہرحال میں نے یہ طریقہ کار دریافت کر لیا۔ ایک رات جب میں اپنے جنون کے عالم میں ایک قبرستان سے گزر رہا تھا تو ایک لاش دفنانے کے لئے قبرستان لائی گئی تھی ابھی اسے قبر میں اتارا ہی گیا تھا کہ شدید بارش شروع ہو گئی اور لوگ وہاں سے ہٹ گئے گورکن قبر کو پتھروں سے ڈھک کر وہاں سے چلا گیا اور میری دیوانگی نہ جانے کیا شکل اختیار کر گئی میرا سر بھاری ہو گیا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور میرا دل چاہا کہ میں اس لاش کو نکال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں میں نہیں کہہ سکتا کہ میری اس حالت کیوں ہوئی۔ میں نے پھرتی کے ساتھ وہ لاش باہر نکالی اور پھاوڑے سے اسے اچھی طرح کچل ڈالا جتنی تیزی سے لاش کا قیمہ بنتا جا رہا تھا اتنی ہی تیزی سے مجھے سکون مل رہا

تھا۔ لاش قیمہ قیمہ ہوگئی بارش کے باوجود میں پسینے سے تر ہانپ رہا تھا اسی وقت قبرستان کا ایک گورکن ادھر آنکلا اسے دیکھتے ہی میں نے کچلی ہوئی لاش گھسیٹنا شروع کردی لیکن وہ خود مجھے دیکھ چکا تھا اور دوسرے لمحے بری طرح چیختا ہوا ایک طرف بھاگ گیا اس کے جاتے ہی میں قبر سے نکلا اور قبرستان کی دیوار پر چڑھ کر باہر کود گیا پھر ایک باغ میں چھپ گیا بارش بھی تیز ہو رہی تھی اور ادھر بھاگ دوڑ ہو رہی تھی اور پھر اس کے بعد مسلسل یہی عمل کرتا رہا۔ میں کب اور کس طرح حسین پور پہنچا مجھے نہیں معلوم بس میں یہاں آگیا اور اپنا یہ عمل کرتا رہا قبرستان میں جاتا۔ تازہ لاشوں کو نکالتا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالتا بہرحال یہ سب کچھ میں مسلسل کرتا رہا اور جب میں یہ کام کرتا تو میرے ہاتھوں سے خون بھی بہنے لگتا تھا لیکن اس وقت مجھے تکلیف درد یا تھکن کا احساس نہیں ہوتا تھا ہاں اگلے روز یہ بات شدت سے محسوس ہوتی تھی اور میں نڈھال ہوجاتا تھا پھر جب میں اپنے ٹھکانے کے پاس پہنچتا تو تھوڑی دیر کے بعد مجھ پر کپکپی طاری ہوجاتی پھر تیز بخار چڑھ جاتا اور میں یہ محسوس کرتا جیسے میں زندگی کھو چکا ہوں یہ کیفیت ہوتی تھی۔“

”جتنے لوگوں نے یہ داستان سنی وہ دنگ رہ گئے تھے یہ بڑی عجیب کہانی ہے اور نہ جانے کیوں میرے ذہن میں بار بار یہ تصور ابھرتا ہے کہ ایسی ہی کوئی کہانی پھر سے دہرائی جارہی ہے۔“ شہباز نے کہا اور میں کپکپا کر رہ گیا اس کا مطلب ہے کہ یہ سارا سلسلہ بھی ایسے ہی کسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ میں نے کہا شہباز دیر تک سوچتا رہا تھا پھر وہ بولا۔

”ویسے ایک بات بتاؤ گل شیر! کیا تم یہ محسوس نہیں کرتے کہ نیلم ساجد علی میں کوئی ایسی ہی خاص بات ہے جو انسان کے ذہن کو کریدتی ہے۔“

”مجھے ایک بات بتاؤ۔“ میں نے شہباز سے کہا۔ ”تمہارے خیال میں اس بات کا خطرہ ہوسکتا ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ تم نے شاید اسی تصور کے تحت اسے ہسپتال میں منتقل کرایا ہے کہ کہیں نیلم ساجد علی اسے تلاش کرتی ہوئی یہاں تک پہنچ نہ جائے ہے ایسی کوئی بات؟“

سو فیصدی۔ اگر نیلم ساجد علی کے اثرات اس پر اتنے زیادہ گہرے ہیں تو اس بات کے امکانات ہوسکتے ہیں کہ وہ اس تک پہنچنے کی کوشش کرے۔“

”تب تو صورت حال بڑی خوفناک ہوجائے گی مگر ایک بات اور وہ یہ کہ خود شائلہ اس کے لئے بے چین ہوگئی ہے۔“ میرے ان الفاظ پر شہباز دیر تک سوچتا رہا پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلاتا ہوا بولا۔

”خدا ہی جانے کیا قصہ ہے خدا ہی جانے اب دیکھو اس کی کیا کیفیت رہتی ہے اگر

وہ بہتری کی طرف مائل ہے تو بہت اچھی بات ہے ورنہ پھر۔“

”ہاں ورنہ؟“

ورنہ میں کیا بتاؤں پتہ نہیں آنٹی فریدہ اس سلسلے میں کس حد تک جانا چاہتی ہیں۔“

”مطلب؟“

”میرا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سلسلے میں قانون کی مدد لینے کی کوشش کریں گی۔

فرض کرو اگر وہ قانون کی مدد لینے کی کوشش کرتی ہیں تو کیا کریں گی زیادہ سے زیادہ یہ کہ نیلم ساجد علی کے بارے میں کسی شبہے کا اظہار کریں گی۔“ میرے اس سوال پر شہباز دیر تک خاموش رہا پھر گردن ہلا کر بولا۔

”ممکن تو نہیں ہے بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے وہ کیا کہہ سکتی ہے دیکھو وقت اپنی کہانی کیسے آگے بڑھاتا ہے لیکن بہرحال بے چاری شائلہ کی جو حالت ہوئی ہے وہ قابل افسوس ہے۔“ شہباز کے جانے کے بعد میں دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا تھا ان دنوں نیند تو تقریباً نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی بس ایک عجیب سا احساس ذہن پر بوجھ ڈالے رہتا تھا۔ شہباز کے جانے کے بعد بھی بستر پر بہت دیر تک لیٹا رہا لیکن نیند نہیں آئی میں جب بے چین ہوگیا تو اپنی جگہ سے اٹھا سامنے والی کھڑکی کھول لی اور دور خلا میں نگاہیں جما دیں۔ یہ بھوت پریت کے قصے یہ انوکھی کہانیاں اپنی جگہ لیکن میری طلب ربابہ ہی تھی میری آنکھیں تاریکیوں میں اسے تلاش کر رہی تھیں۔ کوئی سایہ‘ کوئی خاکہ‘ کوئی روشنی‘ کوئی ایسی چیز نظر آئے جس پر ربابہ کا گمان ہو۔ کان اس کی آواز سننے کے لئے کوشش کر رہے تھے اور میں ایک بے چینی‘ ایک بے کلی سی محسوس کر رہا تھا لیکن نہ تو ربابہ کی کوئی آواز تھی نہ ہی روشنی کی کوئی کرن‘ نہ ہی چاندنی کا دھواں‘ کچھ بھی نہیں تھا۔ کیا تھا وہ سب کچھ کیا کروں کیا کرنا چاہئے بہت دیر تک کھڑکی میں کھڑا اپنے بارے میں فیصلے کرتا رہا یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گزار رہا ہوں بے چارے دادا جان مجھے یہاں لے آئے تھے۔ امتیاز علی اور شہباز بہت اچھے لوگ تھے گھر کا پورا ماحول اپنی جگہ ایک مناسب حیثیت رکھتا تھا لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں یہیں پڑا رہوں۔ گزرے ہوئے لمحات‘ محمد گل صاحب کے گھر کا ماحول یہ ساری چیزیں بڑی عجیب تھیں انسان پتہ نہیں کیسے کیسے مشکلات میں پھنسا ہوتا ہے بے چارہ ناصر جو دولت کی طلب میں اپنا سب کچھ کھو چکا تھا یہاں تک کہ وہ مجرم بھی بن گیا تھا اور اس کے لئے ہر جائے پناہ گم ہوگئی تھی۔ آہ کیا ہے یہ سب کچھ کیا ہے مجھے کیا کرنا چاہئے۔ ربابہ کی تلاش یا زندگی کی تلاش۔ حقیقت یہ ہے کہ ربابہ کی تلاش دنیا سے بھٹکا دیتی تھی ایک ہوا کو تلاش

کرنا ایک ایسے نغمے کی تلاش میں گم ہو جانا جس کا کوئی عملی وجود نہ ہو' بڑی عجیب سی بات تھی اور اب اتنے سارے واقعات سے واسطہ پڑنے کے بعد یہ بات طے ہو چکی تھی کہ رنگ و نور کی اس دنیا کے پیچھے ایک اور دنیا آباد ہے۔ روحوں کی دنیا' یہ روحیں انسانی زندگی سے دور نہیں ہو پاتیں یہ عشق بھی کرتی ہیں اور ان سے سنسنی خیز داستانیں بھی منسوب ہوتی ہیں پھر یہ انسانی زندگی کو اس قدر پامال کر دیتی ہیں کہ وہ کسی قابل نہیں رہتا۔ میں اپنے بارے میں غور کرتا علی شیر کی موت کے بعد جو واقعات پیش آئے تھے۔ سنگینی وہیں سے شروع ہو چکی تھی ایک عجیب و غریب داستان جس میں میرا چچا گلاب بھی شامل تھا یہ ساری داستانیں تاریکی میں گم ہو گئی تھیں کوئی پُرسانِ حال نہ رہا تھا اور میں بھٹکتا پھر رہا تھا زندگی کا کوئی محور تو ہونا چاہئے۔ ربابہ بے شک دل کے کسی ایسے گوشے میں جا بیٹھی تھی جہاں کے راستے بہت تنگ تھے اور ان راستوں سے ربابہ کو نکال کر باہر پھینکنا ممکن نہیں رہا تھا لیکن ان تمام روحوں کے باوجود میں اب یہ نہیں چاہتا تھا کہ صرف ربابہ کا تصور مجھے زندگی سے محروم کر دے اور میں باقی دنیا سے کٹ کر رہ جاؤں بہت سے کردار زندگی میں آتے ہیں جذباتی ہونے کے بجائے اگر وہیں سے کہیں زندگی کا آغاز کر دیا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔ جیسے محمد گل صاحب میں جانتا تھا کہ ایک ایسا باپ جس کی جوان بیٹی ہو اور اس کے پاس ایسے ذرائع نہ ہوں کہ اس بیٹی کو سلیقے سے کہیں ٹھکانے لگا دے وہ ڈوبنے کو تنکے کا سہارا سمجھ کر ہر ایسے شخص کی جانب ہاتھ بڑھانے کی کوشش کرے گا جو اس کے لئے سہارا بن سکے بے شک وہ اتنے اچھے لوگ تھے کہ ان کا سہارا بننا ایک خوشی کی بات ہوتی لیکن یہاں بھی وہی ہو گیا تھا پتہ نہیں بے چاری لڑکی کی آواز ربابہ جیسی کیوں تھی یا پھر وہ صرف ایک دھوکا تھا نہ جانے کیوں دل میں ایک احساس سا پیدا ہوا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ واپس محمد گل صاحب کے پاس چلا جاؤں ساری تفصیل انہیں بتا دوں اور ان سے کہوں کہ اگر وہ مجھے مجرم سمجھتے ہیں تو ندیمہ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیں ساری زندگی ساتھ نبھاؤں گا یہ احساس دل میں پیدا ہی ہوا تھا کہ اچانک کچھ سسکیوں کی آواز کانوں میں پڑی اور میں چونک پڑا میں نے سوچا کہ شاید ہوا کسی ایسی چیز سے ٹکرا کر گزر رہی ہے جہاں سے یہ آواز پیدا ہو رہی ہے لیکن ایسی کوئی آواز نہیں تھی بلکہ یہ انسانی سسکیاں ہی تھیں۔ میں بے چین ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا کھڑکی سے باہر جھانکا مگر وہاں تاریک سناٹے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ کمرے کے در و دیوار بالکل خاموش تھے لیکن سسکیوں کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ آہ کیا ہے یہ سب کچھ اور دوسرے لمحے مجھے احساس ہوا کہ میں نے ابھی ابھی یہ سوچا تھا کہ محمد گل کے پاس جا کر ندیم کا ہاتھ مانگ لوں

کہیں یہ ربابہ کی سسکیاں تو نہیں ہیں شاید ایسا ہی ہے میں نے سینے پر دونوں ہاتھ رکھے درد بھرے لہجے میں بولا۔ "تم نے بھی تو مجھے دربدر کر دیا ہے تم نے بھی تو مجھے بھٹکا دیا ہے سامنے آؤ مجھے بتاؤ میں کیا کروں تمہارے لئے میں بھی اپنے دل کے ویرانوں میں تمہاری تصویر منجمد پاتا ہوں مگر تمہیں کہاں سے حاصل کروں کس طرح تم تک پہنچوں کوئی ذریعہ تو بتاؤ مجھے اپنا راستہ دکھاؤ ربابہ مجھے خود تک آنے کا راستہ دکھاؤ۔" سسکیاں آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی گئیں اور اس کے بعد نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں نیند آ گئی یوں لگا جیسے کسی نے زبردستی پلکیں ایک دوسرے سے چپکا دی ہوں صبح اس وقت جاگا جب شہباز مجھے جھنجھوڑ رہا تھا میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں تو وہ بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہیں بہت دیر سے نیند آئی ہو گی لیکن دیکھو تو سہی گیارہ بج کر بیس منٹ ہو چکے ہیں اب میرا خیال ہے تمہیں اٹھ جانا چاہئے صرف تمہاری وجہ سے میں ہسپتال نہیں گیا۔" میں نے خالی نگاہوں سے شہباز کی صورت دیکھی اس کے الفاظ میری سمجھ میں آ چکے تھے لیکن ہسپتال جانے کا مفہوم میں نہیں سمجھ پایا تھا وہ مجھے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "یار اٹھ جاؤ ناشتہ بھی نہیں کیا ہے میں نے تمہاری وجہ سے۔" میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"بہت زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں چلو غسل خانے میں جاؤ نہاؤ شیو بناؤ اور اس کے بعد تیار ہو کر باہر آ جاؤ میں ناشتہ یہیں کمرے میں منگوائے لیتا ہوں۔" اس نے دو تین بار مجھ سے یہ الفاظ کہے تو میں پوری طرح حواس میں آ گیا اور اس کی ہدایت کے مطابق غسل خانے میں جا گھسا تھا۔ طبیعت پر ایک عجیب سی تھکن سوار تھی دل چاہتا تھا کہ شہباز سے اپنی کہانی بھی بیان کر دوں اور اسے بتاؤں کہ یار دیکھو میں کس مصیبت میں گرفتار ہوں میری کچھ مدد کرو لیکن پھر میں نے سوچا کہ ابھی تو بے چاری شمائلہ کا چکر ہی چل رہا ہے اس وقت اپنی کوئی داستان درمیان میں ٹھونس دینا غیر مناسب عمل ہو گا ہاں اگر شمائلہ کا معاملہ کوئی بہتر شکل اختیار کر جائے پھر میں شہباز کو اپنے بارے میں بھی بتاؤں گا۔ شیو' غسل کیا تر و تازہ ہو گیا یہاں مجھے ان لوگوں نے تمام آسائشیں مہیا کر دی تھیں ہر قسم کے لباس وغیرہ بھی میرے پاس موجود تھے باہر آیا تو گرم گرم ناشتہ تیار تھا میں نے ممنون نگاہوں سے شہباز کو دیکھا اور کہا۔

"یہ میری بہت ہی ناجائز حرکت ہے شہباز! میں اس کے لئے تم سے شرمندہ ہوں۔"

"آؤ بیٹھو ناشتہ کرو اس کے بعد باقی باتیں ہوں گی۔" میں مسکراتا ہوا بیٹھ گیا اور

اس کے بعد ہم دونوں خاموشی سے بیٹھے ناشتہ کرتے رہے شہباز ابھی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا غالباً اس کے ذہن میں نہ جانے کوئی ایسا تصور تھا جو اسے پریشان کر رہا تھا میں اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی فکر کی لکیروں کو دیکھ رہا تھا مجھے اب بقیہ واقعات بھی یاد آ گئے تھے اور یہ بھی یاد آ گیا تھا کہ شہباز ہسپتال جانے کے لئے کیوں کہہ رہا تھا۔ شہباز نے کہا۔

”ویسے تو آنٹی فریدہ کے مالی حالات بہت اچھے ہیں لیکن میں چاہتا ہوں ڈاکٹر آفتاب سے کہہ دوں کہ انہیں کوئی زحمت نہ دے۔“

”یہ تمہارے اپنے تعلقات پر منحصر ہے جیسا مناسب سمجھو۔ ظاہر ہے میں تمہیں اس سلسلے میں کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔“ میں نے کہا۔

”ہوں ٹھیک ہے چلو اب تیار ہو جاؤ جلدی سے چلتے ہیں۔ پتہ نہیں بے چاری آنٹی کتنی پریشان ہوں گی۔“

”ٹھیک ہے بس ایک دو منٹ۔“ میں نے کہا اور پھر واقعی جتنی پھرتی سے میں تیار ہو سکتا تھا تیار ہوا پھر ہم دونوں چل پڑے کچھ دیر کے بعد ہم آفتاب کے کلینک میں داخل ہو رہے تھے اس کمرے میں پہنچے تو شمائلہ آنکھیں بند کئے گہری نیند سو رہی تھی آنٹی فریدہ پریشان سی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں ہم لوگ جب اندر داخل ہوئے تو انہوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا اور پھر ان کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”معافی چاہتا ہوں آنٹی کافی دیر ہو گئی کچھ تھوڑا سا کام پڑ گیا تھا۔“

”نہیں بیٹے تم نے جو انتظام کیا ہے وہ بہت اچھا ہے خدا تمہیں خوش رکھے میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی تم میرے اس طرح کام آؤ گے میں نے تو بس بے خیالی کے عالم میں تم سے رجوع کیا تھا اور کچھ ذہن میں ہی نہیں آیا تھا لیکن تم نے حق دوستی ادا کر دیا۔ میں جانتی ہوں کہ تم کسی بھی لالچ کے تحت شمائلہ کے لئے یہ سب کچھ نہیں کر رہے ہو ایک بار شمائلہ سے میری بات ہوئی تو میں نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا شہباز سے تمہارے تعلقات دوستی سے کچھ آگے ہیں یعنی تم لوگ ایک دوسرے سے محبت وغیرہ تو نہیں کرتے۔ تو شمائلہ نے ہنستے ہوئے کہا کہ شہباز میرا بہت اچھا دوست ہے اور ہم دونوں کے درمیان ایسا کوئی احمقانہ جذبہ نہیں ہے۔ بیٹے! اس کے باوجود تم نے دوستی اس طرح نبھائی ہے میں تمہارا شکریہ ادا کر کے اس کی توہین نہیں کرنا چاہتی۔“

”اوہ آنٹی میں نے ابھی کچھ بھی نہیں کیا اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں شمائلہ کو اس طرح بے یار و مددگار چھوڑوں گا تو اپنے ذہن سے یہ خیال ہمیشہ کے لئے مٹا ڈالئے وہ میری بہت اچھی دوست ہے۔ وہ جس مشکل کا شکار ہو گئی ہے اسے اس مشکل سے نکالنے کے

لئے میں ہر اقدام کروں گا آپ اپنے آپ کو بالکل تنہا نہ سمجھیں۔“ آنٹی فریدہ نے نگاہیں جھکا لیں پھر بولیں۔

”میں نے کہا ناں دعائیں ہی دے سکتی ہوں اس کے بدلے میں تمہیں اور کچھ دینے کے لئے میرے پاس نہیں ہے۔“

”اچھا خیر چھوڑیئے یہ بتائیے کہ کیسی طبیعت رہی؟“

ڈاکٹر آفتاب نے اسے صرف سلائے رکھا ہے کہتا ہے صرف اس وقت جگائے گا جب اسے خوراک دینا ہو گی ورنہ اس کا سوئے رہنا زیادہ بہتر ہے۔ کئی ٹیسٹ کرائے ہیں اس نے ابھی ان کی رپورٹ نہیں ملی رات کو تقریباً ڈھائی بجے تک میرے پاس بیٹھا رہا ہے مجھے تسلیاں دیتا رہا ہے مجھ سے حالات پوچھتا رہا لیکن میں نے کہا کہ جو کچھ بتاؤ گے تم ہی بتاؤ گے۔ اس بے چارے نے کوئی اعتراض نہیں کیا اس بات پر اور مجھ سے بڑی تسلی آمیز لہجے میں بولا کہ میں فکر نہ کروں جو کچھ بھی ہو گا بہتر ہی ہو گا۔“

میں خاموشی سے آنٹی فریدہ کی صورت دیکھ رہا تھا شمائلہ کا چہرہ اب بھی پہلے ہی کی مانند نظر آ رہا تھا۔ ہم دونوں کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ شمائلہ جب بھی جاگے گی نیلم ساجد علی کے بارے میں بات کرے گی پتہ نہیں کیا قصہ تھا اس وقت شمائلہ گہری نیند سو رہی تھی۔ بہرحال شہباز نے آنٹی فریدہ سے ناشتے وغیرہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا۔ ”نہیں بیٹے ڈاکٹر آفتاب نے رات کو تین بجے مجھے آخری کافی پلائی تھی اور اس کے بعد سونے کی ہدایت کر دی تھی۔ وہ دیکھو اس نے بستر کا تمام انتظام کیا ہوا ہے اتنی آسائش کسی ہسپتال میں ملنا ممکن نہیں ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی مہنگا ہسپتال کیوں نہ ہو۔ وہ خاص طور سے میرا خیال رکھ رہا ہے اور اس کی وجہ میں جانتی ہوں شہباز کہ تم ہو۔“

”بس شمائلہ ٹھیک ہو جائے آنٹی ہمیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہئے۔“

”سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اسے ہوا کیا ہے ایک بات تو تم مجھے بتا دو نیلم ساجد علی کو یقینی طور پر تم جانتے ہو گے۔ کون ہے کہاں رہتی ہے کیا کرتی ہے؟“

”نہیں آنٹی بے شک نیلم ساجد علی کو میں نے ایک بار دیکھا تھا لیکن اسی کلب میں جہاں شمائلہ جاتی ہے کسی نے بتایا تھا کہ یہ نیلم ساجد علی ہیں اور حال ہی میں کلب میں آئی ہیں بس۔“

”میں اس چڑیل کو تلاش کرنا چاہتی ہوں ملوں اس سے اور پوچھوں اس نے کیا کیا ہے میری بچی کو۔“

”آنٹی جب آپ نے یہ ساری ذمہ داریاں ہم پر چھوڑ دی ہیں تو براہ کرم کچھ مت

کیجئے گا خاص طور سے اس سلسلے میں آپ سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ فرض کیجئے آپ جوش جذبات میں اس عورت تک پہنچ گئیں اور وہ سچ مچ کوئی خطرناک عورت نکلی تو آپ کے ذریعے وہ بڑی آسانی سے شائلہ تک دوبارہ پہنچ سکتی ہے۔ یہ تو ایک بہت اچھی جگہ ہے جہاں آپ کو اس وقت رہنا ہوگا جب تک کہ شائلہ بالکل تندرست نہ ہوجائے اس دوران نیلم ساجد علی کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے ابھی تو ہم ذرا شائلہ کی طرف سے غیر مطمئن ہیں اس کا مسئلہ حل ہوجائے تو پھر دیکھیں گے۔" ابھی ہم یہ باتیں کرہی رہے تھے کہ ڈاکٹر آفتاب آگیا اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے پتا چل چکا تھا کہ آپ دونوں یہاں آئے ہوئے ہیں کیسے ہیں آپ۔"

"آنٹی فریدہ سے تمہارے بارے میں بات چیت ہو رہی تھی آفتاب اصل میں ڈاکٹر تو تم اچھے ہو ہی لیکن دوست بھی بہت اچھے ہو اور یقین کرو ایسے وقت میں تمہارے علاوہ اور کسی کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔"

"مجھے خوشی ہوگی اگر آپ جیسے لوگوں کے کچھ کام آسکوں ویسے ٹیسٹ کی رپورٹیں آچکی ہیں آؤ میں تمہیں ان کے بارے میں بتاؤں۔"

"نہیں اب جب کہ تم نے ان کا تذکرہ کر ہی دیا ہے تو آنٹی فریدہ کے سامنے ہی سب کچھ بتاؤ۔"

"اوکے۔ پوری باڈی ٹھیک ہے کسی بھی قسم کی کوئی تکلیف یا بیماری نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ حیرت انگیز طور پر خون کی بے پناہ کمی ہوچکی ہے۔ خون او نیگیٹو ہے اور تم جانتے ہو کہ او نیگیٹو خون کتنا مشکل ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود میں نے ضرورت کے مطابق خون کا انتظام کرلیا ہے ابھی تھوڑی دیر کے بعد میں بلڈ لگوا دوں گا اور اس میں کچھ دوائیاں بھی دے رہا ہوں باقی اور کوئی بات نہیں ہے خون کی کمی پوری ہوجائے تو یہ اٹھ کر کھڑی ہوجائیں گی۔"

"ہوں ٹھیک ویسے کیا یہ ہوش میں آجائے گی۔"

"میں نے بے ہوش کیا ہوا ہے اور تم بالکل بے فکر رہو مسلسل چیک کر رہا ہوں یہ بے ہوشی نقصان دہ نہیں ہے بلکہ دوران خون اور ذہنی کیفیت کو مطمئن کرنے کے لئے ہے تمام اعصابی بہتری کی دوائیں بھی ساتھ ساتھ دی جارہی ہیں۔ اگر تم مجھے ایک اچھا ڈاکٹر سمجھتے ہو تو اطمینان رکھو انشاء اللہ تعالیٰ میں انہیں تندرست کرکے تمہارے حوالے کردوں گا۔" ڈاکٹر آفتاب کے ان الفاظ نے فریدہ آنٹی کے چہرے کو جتنا اطمینان بخشا تھا وہ ہماری محنت کا انعام تھا پھر بہت دیر تک ہم لوگ وہاں رکے رہے ڈاکٹر آفتاب کو پھر میں

نے خاص طور سے ایک بات کی ہدایت کی کہ اس کے بارے میں بات باہر نہ جائے ڈاکٹر آفتاب ہمارے ساتھ باہر نکل آیا تھا پھر اس نے کہا۔

"صورت حال خاصی پُراسرار نوعیت کی حامل ہے میں پہلے بھی تم لوگوں کو یہ بات بتا چکا ہوں کہ لڑکی جسمانی طور پر بالکل مکمل ہے مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس کے بدن کا سارا خون کسی خاص ذریعے سے نکال لیا گیا ہو اور اس کی یہ کیفیت صرف خون کی کمی کی وجہ سے ہے بہرحال وہ ٹھیک ہوجائے گی مگر میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ایسا کیسے ہوا۔"

"ڈاکٹر آفتاب ہوسکتا ہے کہ آنٹی فریدہ سے تمہاری ملاقات ہوئی ہو اور تم لوگوں نے موضوع سے ہٹ کر بات کی ہو میں تمہیں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ شائلہ ہمیں کلب میں ملتی تھی اور وہیں سے ہماری دوستی ہوئی تھی جیسا کہ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ اس دوستی میں عشق و محبت نام کی کسی چیز کا دخل نہیں تھا نہ ہے بس یوں سمجھ لو کہ آنٹی فریدہ بذات خود ایک بہت اچھی خاتون ہیں اور ہم لوگ ایک دوسرے سے کسی حد تک مخلص ہوگئے ہیں۔ میں فریدہ آنٹی کے لئے اتنا ہی پریشان ہوں اور شائلہ کے لئے بھی جتنی خود فریدہ آنٹی تاہم اس بات کا میں وعدہ کرتا ہوں کہ شائلہ تھوڑی سی بہتر ہوجائے گی تو ساری کہانی ہماری سمجھ میں آئے گی اور ہم تمہیں بھی اس سے ناآشنا نہیں رکھیں گے۔"

"ٹھیک بہرحال تم لوگ مطمئن رہو۔" وہاں سے واپس آنے کے بعد ہم لوگ اپنی مصروفیات میں گم ہوگئے بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اہم مسئلہ ہمارے لئے ایک بنیادی نوعیت کا حامل تھا اور ہم ہر قیمت پر اسے حل کرنا چاہتے تھے اسی شام ہم نے طے کیا کہ ساری باتیں اپنی جگہ' ڈاکٹر آفتاب اس سلسلے میں مکمل طور پر اطمینان کا اظہار کرتا ہے تو کیوں نہ اب ہم نیلم ساجد علی کو تلاش کریں۔ میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے اسے تلاش کرنے کی ضرور تو نہیں پیش آئے گی۔"

"کیا مطلب؟"

"کیا کلب میں ہماری اس ملاقات نہیں ہوسکتی؟"

"ہاں یقیناً ہوسکتی ہے۔ خود میرے ذہن میں بھی یہی بات تھی کم از کم ایک بات کی خوشی ہے وہ یہ کہ نیلم ساجد علی کو ابھی تک ہماری ہنگامہ آرائیوں کی خبر نہیں ہے پتہ نہیں شائلہ کے اس تک نہ پہنچنے سے اس پر کیا اثرات مرتب ہوئے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شائلہ اس کے لئے ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہو اگر ہمارا اندازہ غلط نہیں ہے اور شائلہ کی بری حالت میں خود اس کا بھی اپنا ہاتھ ہے میرا مطلب ہے نیلم ساجد علی کا۔ یہ بھی ہوسکتا

ہے کہ اس نے شائلہ جیسی اور بھی بہت سی لڑکیوں کو پھانس رکھا ہوگا۔"

"تو پھر کیا خیال ہے۔ آغاز کلب سے ہی کرنا ہوگا؟" شہباز اور میں اس بات پر متفق ہوگئے تھے چنانچہ خاصی تیاریوں کے بعد مناسب وقت کا تعین کرکے ہم لوگ نکل کھڑے ہوئے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم کلب میں داخل ہوگئے نیلم ساجد علی سے ابھی بہت زیادہ واقفیت نہیں تھی لیکن بہرحال کسی کام کا آغاز کرنے کے لئے تھوڑی سی بھاگ دوڑ کرنی ہی پڑتی ہے اس وقت وہ ہمیں کلب کے بڑے ہال میں نظر نہیں آئی تو ہم نے طے کیا کہ الگ الگ کمروں میں اسے تلاش کیا جائے اور اس کے بعد ہم دونوں بڑے ہال سے نکل آئے اور مختلف کمروں کا جائزہ لینے لگے۔ جگہ جگہ اپنی اپنی تفریحات ہو رہی تھیں کہیں تاش کھیلی جارہی تھی تو کہیں رولٹ مشین پر قسمت آزمائی کی جارہی تھی لیکن ان تمام کمروں میں ہمیں نیلم ساجد علی نظر نہیں آئی تو مایوسی کی ایک لہر ہمارے ذہنوں میں پیدا ہوگئی یہ تو ذرا کچھ غیر مناسب سی بات رہی تھی اگر وہ یہاں سے غائب ہوگئی تو ہمیں اس سے زیادہ کوئی معلومات حاصل تو نہیں تھیں پھر ہم اسے کہاں تلاش کریں گے۔ یہ خیال دل میں جڑ پکڑ رہا تھا ایک بار پھر ہم بڑے ہال میں داخل ہوئے تو اچانک ہی میرے قدم ٹھٹک گئے میں نے نیلم ساجد علی کو دیکھ لیا تھا۔ سیاہ رنگ کے انتہائی خوبصورت لباس میں ملبوس تھی جس کے کناروں پر ہلکے گلابی رنگ کی گوٹ لگی ہوئی تھی ایک چوڑی اور قیمتی فر اس کے قدموں پر پڑی ہوئی تھی بے حد دلکش نظر آرہی تھی بلاشبہ ایک ایسی شخصیت جس کی عمر کو نظرانداز کرکے صرف اس پر غور کیا جاسکتا تھا ویسے جہاں تک عمر کا تعلق تھا تو ایک ایسا منظر دیکھ چکے تھے ہم کہ آج اسے اس حالت میں دیکھ کر یقین نہ آئے اور اس میں پتہ نہیں کیا مصلحت تھی شاید ہمارے اندر کا چور یا پھر سچ مچ کوئی حقیقت کہ جب نیلم ساجد علی کی نگاہ ہم دونوں پر پڑی تو وہ چونکی تھی اور پھر آہستہ آہستہ ہماری جانب بڑھنے لگی تھی حالانکہ ہم سے اس نے نگاہ ملائی بھی تھی لیکن ہم نے ایسا اظہار کیا جیسے ہم نے اسے نہ دیکھا ہو اور ہم لوگ بڑے ماہرانہ انداز میں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے تب وہ ہمارے قریب پہنچی اور اس کی مترنم آواز گونجی۔

"ہیلو.........."

ہم دونوں چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے اور پھر ہم نے بھی گرم جوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے ہیلو کہا۔

"کیا آپ لوگ ابھی آئے ہیں۔"

"ہاں۔"

"تو پھر آیئے میرے ساتھ بیٹھئے۔" اس نے خود دعوت دی اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک لمحے کے لئے ہم اس کے اس انداز سے نروس ہوگئے تھے۔ پتہ نہیں وہ خاص طور سے ہماری جانب راغب ہوئی تھی یا صرف ایک اتفاق تھا شناسائی کا ایک انداز۔ ہم نے اس کی پیشکش قبول کرلی۔ غالباً کلب میں اس نے کوئی میز مخصوص کرائی تھی میں نے اس سے سوال کیا۔

"آپ ابھی یہاں تشریف لائی ہیں محترمہ نیلم ساجد علی؟"

"بس ابھی ابھی کیوں پوچھا آپ نے یہ سوال؟"

"ہم ذرا دیر کے آئے ہوئے ہیں کلب کے دوسرے حصوں میں تھے لیکن اس سے پہلے ہال میں' اس وقت ہم نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔" وہ میز پر بیٹھتے ہوئے عجیب انداز سے مسکرائی اور بولی۔

"کیا آپ نے میری تلاش میں چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں تھیں؟"

شہباز اچانک سنجیدہ ہوگیا تھا اور مجھے احساس ہوا کہ میرا اس سے یہ سوال غیر مناسب تھا ایک چالاک عورت کے لئے کسی بھی بات کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرنا مشکل کام نہیں تھا۔ تاہم شہباز نے فوراً ہی محاذ سنبھالتے ہوئے کہا۔

"اصل میں مسٹر گل کی آپ سے بڑی مختصر سی ملاقات ہے میڈم یہ نوجوان خاصا دل پھینک واقع ہوا ہے اچھے چہروں کی تلاش میں اس کی نگاہیں ہر وقت ہی بھٹکتی رہتی ہیں اور یقیناً آپ اسے یاد ہوں گی۔" شہباز نے دوہرا کھیل کھیلا تھا اور ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہے تھے ایک طرف تو اس نے میرے سوال کی حماقت کو ختم کردیا تھا اور دوسری طرف اس نے نیلم ساجد علی پر جال بھی ڈالا تھا اب یہ نہیں معلوم کہ نیلم ساجد علی اس جال میں پھنسی تھی یا پھنسنے کی اداکاری کرکے اس نے ہم دونوں کو پھانسنے کی کوشش کی تھی وہ بڑے دلکش انداز میں مسکرائی اور بولی۔

"ایک بات کہوں' کیا میرا چہرہ ان دلکش چہروں کی فہرست میں شامل ہے جنہیں ان کی نگاہیں تلاش کرسکتی ہیں؟"

"اگر آپ یہ سوال مجھ سے کرتیں میڈم تو یقین کیجئے کہ میں تو دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر دو زانو بیٹھ جاتا اور یہ کہتا کہ نیلم ساجد علی مجھے اپنے بہترین دوستوں میں قبول کرلیجئے لیکن کیا کروں کبھی کبھی اپنے پیروں پر خود کلہاڑی مار لی جاتی ہے اپنے دوست گل شیر کا تذکرہ کرکے میرا خیال ہے میں نے اپنا نقصان کیا ہے۔"

نیلم ساجد علی ہلکے سے ہنس پڑی بڑے بڑے خوبصورت دانت تھے اور ہنسنے سے اس کے

ہونٹوں کا جو زاویہ بنتا تھا وہ ایک عجیب و غریب دلکشی کا حامل تھا بس یوں محسوس ہوتا ہو جیسے کوئی بھیڑیا غرا رہا ہو لیکن ایک عجیب سی کشش کے ساتھ وہ ہنس کر بولی۔ "میرے لئے تو بڑی پریشانی کے لمحات ہوں گے۔"

"کیوں میڈم؟"

"بھئی تم دونوں کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ تم میں سے کون زیادہ دلکش ہے اور کون کم اور کس سے دوستی فوراً بڑھانی چاہئے اور کسے ناراض کرنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنی کسی حماقت سے تم جیسے اچھے دوستوں کو کھو بیٹھوں۔"

"بات اصل میں یہ ہے میڈم کہ ہم دونوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے جہاں تک دلکش چہروں کی پسند کا تعلق ہے تو آپ یقین کیجئے کہ ہماری یہ پسند بڑی پاکیزہ ہے اچھی صورت بے شک دل کو متاثر کرتی ہے لیکن حسین پھول ڈالیوں سے توڑ کر گملوں میں سجا لینے سے مرجھا جاتے ہیں اور ہم اس کے قائل نہیں ہیں۔"

"آپ تو بڑے اچھے شاعر ہیں مسٹر شہباز۔"

"اگر شاعری صرف سچائی کا نام ہے تو پھر واقعی ہر شاعر سچا ہوتا ہے میں ہی کیا۔"

"اچھا اب یہ بتاؤ کہ کیا پیو گے؟"

"میز آپ کی ہے اس لئے جو پیشکش آپ کرنا چاہیں۔"

"اوکے!" وہ بولی اور اس نے ویٹر کو بلا کر ایک مشروب طلب کر لیا پھر کہنے لگی۔

"کیا کیا کرتے ہیں آپ لوگ۔"

"بس سمجھئے دونوں زندگی کے ان لمحات کو خوبصورت بنا رہے ہیں۔ جنہیں جوانی کہا جاتا ہے اور جلد بازی کر رہے ہیں اس لئے کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ بڑی عارضی چیز ہے اور اس کے بعد زوال شروع ہو جاتا ہے۔"

"اب میں یہ کیسے پوچھوں کہ اس سلسلے میں زندگی سے لطف اندوز ہونے کا طریقہ کار کیا ہے آپ لوگوں کا۔"

"سیر و سیاحت، حسن و جمال کی پوجا اور بس کھانا پینا۔"

"خیر بات تو مکمل ہو جاتی ہے بڑی خوشی ہوئی آپ لوگوں سے مل کر۔"

"خوشی تو ہمیں بھی ہوئی ہے میڈم لیکن بات وہیں رہ جاتی ہے وہ اصل میں آپ سے ملاقات کا ایک اور کوئی ذریعہ ذہن میں نہیں آتا۔"

"جیسے تم کلب میں میرے لئے ہی آئے تھے۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کلب میں اس

وقت آپ سے زیادہ حسین کوئی خاتون نہیں ہے۔"

"ارے کیسی باتیں کر رہے ہو اچھے حربے استعمال کر رہے ہو تم۔ عورت عمر کے کسی بھی حصے میں داخل ہو جائے اپنے حسن کی تعریف شاید اسے ہمیشہ ہی پسند آتی ہے چلو خیر تمہارا شکریہ ملتے رہو۔"

"وہ آپ کی ایک دوست نظر نہیں آ رہیں وہ بھی بہت دلکش خاتون تھیں۔"

"میری دوست۔"

"ہاں شمائلہ۔"

"او ہو ہاں واقعی پتہ نہیں کہاں غائب ہے کئی دن سے مجھ سے بھی نہیں ملی جبکہ اکثر وہ مجھ سے ملنے آتی رہتی ہے؟"

"یہاں کلب یا کہیں اور؟"

شہباز نے سوال کیا تو وہ کسی قدر چونک سی گئی میں نے محسوس کیا کہ اس نے گہری نگاہوں سے شہباز کا جائزہ لیا ہے اور اس کی نگاہوں کا تجسس یہ بتاتا ہے کہ وہ شہباز کے اس سوال کے پیچھے جھانک رہی ہے اور شہباز کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ویٹر کے لائے ہوئے مشروب کا اس نے ایک گھونٹ لینے کے بعد کہا۔ "آپ لوگ روزانہ کلب آتے ہیں؟"

"تقریباً۔"

"شمائلہ مل جائے تو اس سے کہئے کہ میں اس کی تلاش میں ہوں پتہ نہیں وہ کیوں میرے پاس نہیں آ رہی۔"

"چلئے بات ختم ہو گئی ہم تو خود اس کے بارے میں آپ سے پوچھنا چاہتے تھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتی ہے۔"

"ہاں۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس نے مجھے اپنے گھر کا پتہ نہیں بتایا۔"

"خاتون کلب کے علاوہ اگر کہیں اور آپ سے ملنے کی کوشش کی جائے تو؟"

"ناکامی ہو گی آپ کو کیونکہ میرا اور آپ کا کلب میں ہی ملنا زیادہ مناسب ہے۔ ہاں اگر کبھی تعلقات کی نوعیت اس حد تک ہوئی تو پھر میں آپ کو اپنے گھر کا ایڈریس دے دوں گی۔" کافی دیر تک اس سے باتیں ہوتی رہیں اچانک ہی وہ کچھ اکتائی سی نظر آنے لگی تھی اس بات کو ہم نے محسوس کیا اور یہ بھی غور کر لیا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی معذرت کر کے اٹھ جائے اس کے اٹھ جانے سے پہلے ہمیں خود اس کی میز سے اٹھ جانا چاہئے۔ چنانچہ ہم اس سے اجازت لے کر اٹھ گئے تھے پھر ہم اس ہال سے ہی باہر آ گئے۔ شہباز

کہنے لگا۔ ”ایک بات بتاؤ کیا خیال ہے اس کا تعاقب کر کے اس کا گھر معلوم کرنے کی کوشش کی جائے؟“ میں نے شہباز کی طرف دیکھا اور کہا۔

”کوئی حرج بھی نہیں ہے لیکن اس کے لئے ہمیں اس کے اٹھنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔“

”وہ تو ہے دیکھو کس وقت اٹھتی ہے وہ۔ نظرانداز نہیں کر سکتے ہم اسے۔“ بالکل پھر کافی دیر تک ہم باہر ہی گھومتے رہے یہ پتہ نہیں اتفاق تھا یا پھر کوئی خاص وجہ کہ نیلم ساجد علی کوئی پندرہ منٹ کے بعد ہی باہر نکل آئی تھی اور پھر وہ آگے بڑھتی رہی اس کے بعد پارکنگ لاٹ پر کھڑی ہوئی ایک کار میں بیٹھ کر اس نے کار باہر نکالی اور چل پڑی ہم دونوں اپنی کار کی جانب دوڑے تھے۔ شہباز نے بھی اپنی کار خاصی پھرتی سے باہر نکالی تھی اور اس کے بعد آگے جانے والی کار کے پیچھے چل پڑا تھا ہم لوگ نیلم ساجد علی کی کار کی عقبی روشنیوں پر نگاہ جمائے فاصلہ طے کر رہے تھے اچانک ہی میں نے محسوس کیا کہ نیلم ساجد علی کی کار مختلف سڑکوں پر مڑنے لگی ہے ایسا تب ہوتا ہے جب کسی کو تعاقب کا شبہ ہو جائے اور وہ اس شبہے کی تصدیق کرنا چاہے شہباز نے بھی یہ بات محسوس کر لی اور کسی قدر الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے اسے ہمارے پیچھے آنے کا علم ہو گیا ہو۔“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔ تو اب دیکھو جو مناسب سمجھو۔“ میں نے کہا شہباز نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد اچانک ہی ایک پولیس کی موبائل گاڑی ایک گلی سے نکلی اور اس نے تھوڑا سا آگے جا کر ہمارا راستہ روک لیا پولیس والے نیچے اتر آئے ان میں سے ایک آفیسر نے کہا۔

”آپ کے کاغذات۔“

”خیریت آفیسر۔“ شہباز نے کہا۔

”آپ کاغذات دکھائیے۔“ پولیس آفیسر نے نرم لہجے میں کہا اور شہباز نے کار کی ڈگی سے کاغذات نکالے اور پولیس آفیسران کا جائزہ لینے لگا نیلم ساجد علی کی کار تو خیر آگے نکل ہی گئی تھی لیکن شہباز شدید غصے میں تھا۔ آفیسر نے شکریہ کے ساتھ کاغذات واپس کئے تو شہباز نے کہا۔

”آفیسر یہ میرا کارڈ ہے ذرا مجھے آپ یہ بتا دیجئے کہ مجھے روکنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ کوئی شبہ ہوا تھا آپ کو مجھ پر؟“

”نہیں جناب! چند لمحات پہلے موبائل پر ایک خاتون نے ہم لوگوں سے رابطہ قائم

کیا تھا اور کہا تھا کہ ایک کار ان کی کار کے پیچھے آ رہی ہے انہیں شبہ ہے کہ ان کا پیچھا کیا جا رہا ہے براہ کرم انہیں روکئے۔ انہوں نے جو لوکیشن بتائی تھی وہ یہی تھی۔ ہو سکتا ہے اطلاع آپ کے لئے نہ ہو پلیز برا نہ منائیے گا۔ بہرطور پولیس اپنے فرائض ادا کرتی ہے۔“

”کوئی بات نہیں آفیسر۔“ شہباز نے بظاہر مطمئن لہجے میں کہا اور کار میں بیٹھ کر کار دوبارہ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی لیکن اس کے دانت بھنچے ہوئے تھے کہنے لگا۔ ”حرام زادی چوٹ دے گئی۔ یقیناً اسے ہمارے تعاقب کا شبہ ہو گیا تھا لیکن اگر اب بھی یہ سوچا جائے کہ وہ کوئی شریف عورت ہے تو لعنت ہے ہم پر۔“

”بچ کر کہاں جائے گی کلب تو نہیں چھوڑ دے گی۔“ میں نے بھی غصیلے لہجے میں کہا۔ اس کے بعد ہم لوگ گھر ہی واپس آ گئے تھے لیکن شہباز شدید غصے میں تھا اس نے کہا۔

”گل شیر کل ہم دونوں ذرا الگ الگ راستہ اختیار کریں گے۔ میرا خیال ہے اگر اسے اس بات کا شبہ ہو گیا ہے کہ ہم کسی وجہ سے اس کی کھوج میں ہیں تو ممکن ہے وہ الٹا ہمارا تعاقب کر کے شمائلہ کا پتہ لگانے کی کوشش کرے گی چنانچہ کل ایک خاص طریقہ کار اختیار کیا جائے وہ یہ کہ میں تو کار لے کر گھومنے پھرنے نکل جاؤں گا تم میرے دوست! کوٹھی کے پچھلے راستے سے باہر نکلنا تھوڑا فاصلہ پیدل تو طے کرنا پڑے گا لیکن تم اس طرح سے میدان عبور کر کے ٹیکسی کر کے ہسپتال چلے جانا میں ہسپتال میں تمہیں فون کروں گا شام تک تمہیں وہاں رہنا ہو گا آنٹی فریدہ کو اطمینان دلا دینا ذرا اس کی کیفیت کا جائزہ بھی لے لینا میری مراد شمائلہ سے ہے میں دیکھوں گا کہ کہیں نیلم ساجد علی تعاقب کرنے کی کوشش تو نہیں کرتی۔“ میں نے پُراطمینان انداز میں گردن ہلا دی تھی۔ دوسری صبح کو شہباز نے ناشتہ میرے ساتھ ہی کیا لیکن اس کے بعد وہ باہر نکل گیا اور میں آنٹی فریدہ کے پاس جانے کی تیاریاں کرنے لگا تھا میں نہیں جانتا تھا کہ شہباز کا خدشہ درست ہے یا نہیں لیکن ایک بات ضرور تھی کہ نیلم ساجد علی نے ہمارے تعاقب سے باخبر ہو کر ہی پولیس کو اس سلسلے میں ہوشیار کیا تھا پتہ نہیں اس خطرناک عورت کا کیا چکر ہے یہ کیا کھیل کھیل رہی تھی لیکن ظاہر ہے میں خود بھی ایسے ہی پُراسرار حالات کا شکار تھا۔ بھلا میں اس بات کو غلط کیسے سمجھتا البتہ اب نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہوتا جا رہا تھا کہ ربابہ میرے راستے سے ہٹ گئی ہے اتنے دن تک اس کا میرے سامنے نہ آنا اس بات کی دلالت کرتا ہے۔ کبھی کبھی تو یہ خیال آتا تھا کہ میں خود ہی کسی دماغی عارضے کا شکار تو نہیں

رہا ہوں۔ ربابہ کا کوئی وجود نہ ہو اور میں خواہ مخواہ اس کے چکر میں پھنسا ہوا ہوں ایسا بھی ہو سکتا ہے لیکن ریاض بھی تو اس کا گواہ تھا ایسی بات نہیں ہوئی تھی کوئی نہ کوئی ایسا سلسلہ تھا ضرور۔ ربابہ کے تصور کے ساتھ میرے دل کے کچھ گوشوں میں کسک ہونے لگتی تھی میں اس بات سے قطعی انکار نہیں کروں گا کہ میں اس سے محبت نہیں کرنے لگا تھا بہرحال مقررہ وقت پر میں آنٹی فریدہ کے پاس پہنچ گیا کوئی خاص دقت نہیں ہوئی تھی۔ شمائلہ اب بھی گہری نیند سو رہی تھی آنٹی فریدہ کے چہرے پر البتہ کچھ رونق نظر آئی تھی۔ انہوں نے میرے عقب میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "آؤ بیٹے! شہباز نہیں آیا۔"

"آنٹی وہ ذرا کچھ مصروف تھے۔"

"ہاں ہاں ظاہر ہے کاروباری آدمی ہے بہرحال بیٹے میں آپ لوگوں کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔"

"آنٹی آپ کیوں ہمیں بار بار یہ احساس دلاتی ہیں کہ ہم غیر ہیں۔ شمائلہ ٹھیک ہوجائے آپ کی مشکل دور ہوجائے۔ ہمارا فرض پورا ہوجائے گا اس میں شکریہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"ڈاکٹر آفتاب بتا رہے تھے کہ تمام بل بھی تم لوگوں نے ہی ادا کیے ہیں۔"

"یہ بات شہباز جانتے ہیں اور یہ کوئی ایسی قابل ذکر بات ہے بھی نہیں آپ یہ بتائیے کہ شمائلہ اب کیسی ہیں۔"

"دو گھنٹے تک جاگی ہے وہ۔ مجھ سے باتیں بھی کی ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ بہتری کی طرف مائل ہیں۔"

"ڈاکٹر ذرا احتیاط کے ساتھ بلڈ لگا رہے ہیں صرف ایک پوائنٹ خون دیا ہے کہتے ہیں سست رفتاری سے کام کرنا ہوگا ایک دم بدن میں خون بھر دینا مناسب بات نہیں ہوگی ویسے یہ لوگ جس طرح میری بچی کی دیکھ بھال کر رہے ہیں بس میں کیا بتاؤں۔"

"بس کچھ نہ بتائیے سب خیریت ہے اور سب ٹھیک ہے۔ ہاں یہ بتائیے شمائلہ نے کیا باتیں کیں آپ سے؟"

"کھوئی کھوئی سی ہے پوچھ رہی ہے مجھ سے کہ مما میرا کیا کھو گیا ہے۔ مجھے کیا تکلیف ہے۔ میں نے جان بوجھ کر نیلم ساجد علی کا نام نہیں لیا اس کے سامنے وہ خود بھی کسی کا نام نہیں لے رہی بس اس کا اپنا ایک انداز ہے یعنی کوئی ایسی بات نہیں کی اس نے جو نیلم ساجد علی کے بارے میں کوئی تفصیل بتاتی۔ تم یقین کرو اگر میں چاہتی تو اس کے ذہن کو اس طرف راغب کر سکتی تھی مگر میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا صرف اس خیال

کے تحت کہ کہیں اسے نیلم ساجد علی یاد نہ آجائے اور وہ ہنگامہ نہ کرے۔"

"اچھا کیا آپ نے ابھی ہم اسے پُرسکون ہونے دیتے ہیں اس کے بعد دیکھیں گے کہ کیا صورت حال رہتی ہے۔ کسی بھی شکل میں اسے ذہنی طور پر ابھارنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"میں خود بھی یہی کہہ رہی ہوں۔" آنٹی فریدہ نے کہا۔

"آپ بے فکر رہیں آج میں خاصا وقت آپ کے ساتھ گزاروں گا مجھ سے بہت ساری باتیں کیجئے۔" آنٹی فریدہ بہت خوش ہوئی تھیں۔ دوپہر کا کھانا بھی ہم لوگوں نے ساتھ کھایا ڈاکٹر آفتاب سے بھی ملاقات ہوئی اور اس نے بہت اچھے جذبات کا مظاہرہ کیا یہ بھی کہا اس نے آنٹی فریدہ کے سامنے کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے بس صرف اور صرف خون کی کمی کے باعث یہ کیفیت ہوئی ہے۔ یہ کمی آہستہ آہستہ پوری ہوجائے گی تو حالت بالکل ٹھیک ہوجائے گی۔ پریشانی کی ذرا برابر ضرورت نہیں ہے۔ یہاں سے تقریباً اطمینان ہوگیا تھا کہ کم از کم بیچاری شمائلہ کی زندگی خطرے میں نہیں ہے ہاں نیلم ساجد علی کو کسی قیمت پر یہاں تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ کوئی ڈھائی بجے شہباز کا فون آیا اس نے کہا کہ سب خیریت ہے اور ایسا کوئی شبہ نہیں ملا اس نے کہا کہ شام ساڑھے چار بجے وہ ہسپتال پہنچے گا پھر وہ وقت مقررہ پر ہسپتال آگیا تھا اور فریدہ آنٹی سے ملاقات کرنے کے بعد ہم دونوں وہاں سے واپس چل پڑے تھے۔ شہباز نے پورے اطمینان سے کہا کہ نیلم ساجد علی نے اس کا تعاقب نہیں کیا ہے اس نے بڑے افسوس بھرے انداز میں کہا کہ کاش ہم اس کی کار کا نمبر دیکھ لیتے تو اسے تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہ ہوتا۔ رات کو ہم لوگ نائٹ کلب پہنچ گئے اور پھر تین دن تک نائٹ کلب جاتے رہے لیکن نیلم ساجد علی کا کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا غالباً ہمارے تعاقب کرنے سے وہ ہوشیار ہوگئی تھی۔ پتہ نہیں کم بخت کون تھی اور کیا چکر چلا رہی تھی تیسری رات کلب سے واپسی پر اچانک ہی شہباز نے کہا۔

"یار ایک بات بتاؤ ایک بہت بڑی غلطی نہیں ہوگئی ہے ہم سے؟"

"کیسی غلطی۔"

"اگر ہم دادا جان کو اس بارے میں بتا دیتے تو کیا حرج تھا۔" میں نے چونک کر شہباز کو دیکھا اور کہا۔

"دادا جان کو؟"

"بس اسے بہت بڑی حماقت کہہ سکتے ہو تم کہ یہ خیال ہی ذہن میں نہیں آیا میرا خیال تو یہ ہے کہ دادا جان ہماری بہت اچھی رہنمائی کر سکیں گے تعجب ہے واقعی تعجب

ہے۔ تو پھر کل دادا جان کے ساتھ اس سلسلے میں میٹنگ رہے گی۔" میں نے اتفاق کرتے ہوئے گردن ہلادی تھی دادا جان کے بارے میں جیسا کہ میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ گوشہ نشین قسم کے انسان تھے عام طور پر گھر والوں کے ساتھ کھانے پینے میں شریک نہیں رہا کرتے تھے۔ بلکہ کوٹھی ہی کے ایک حصے میں انہوں نے اپنے لئے ایک حجرے جیسی جگہ بنا رکھی تھی اگر کوئی ان سے ملاقات کرنا چاہتا تھا اس حجرے میں ہی جا کر مل سکتا تھا چنانچہ دوسرے دن ہی ان کی جانب چل پڑے دادا جان کا ایک خاص ملازم رفیق نامی تھا جو عموماً ان کے ساتھ رہتا تھا اور ان کی ہر طرح کی دیکھ بھال کرتا تھا دادا جان بھی اس ملازم سے زیادہ مطمئن رہتے تھے۔ ایک دو بار رفیق بیمار ہوا تو پتہ چلا کہ دادا جان خود اس کی تیمارداری کررہے ہیں بہرحال ان کے درمیان خاصی دوستی تھی میں جب دادا جان کے حجرے میں پہنچا تو رفیق باہر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا ہم دونوں کو دیکھ کر کھڑا ہوگیا اور بولا۔ "جی چھوٹے صاحب خیریت؟"

"کیا کر رہے ہیں دادا جان؟"

"انہیں بخار ہے۔ خاصا تیز بخار رہا ہے انہیں رات کو۔"

"کیا؟" شہباز دھاڑا اور رفیق کو گھورتا ہوا بولا۔

"کسی کو بتایا تم نے؟"

"نہیں چھوٹے صاحب دادا جان نے منع کر دیا تھا۔"

"تم انتہائی بے وقوف آدمی ہو رفیق۔ دادا جان کے منع کرنے سے کیا ہوتا ہے؟ تمہیں بتانا چاہئے تھا آکر۔"

"صاحب جب انہوں نے منع کردیا تو ہم کیا بتاتے آپ کو' ہماری ڈیوٹی تو انہی پر لگائی ہے نا اور کہا گیا ہے کہ ان کی بات کی تعمیل کریں آپ ہمیں بلاوجہ بے وقوف کہہ رہے ہو۔" رفیق نے برا مانتے ہوئے کہا بہرحال شہباز نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا دادا جان بستر پر نیم دراز کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھے۔ ہم دونوں کو دیکھ کر مسکرائے اور کتاب رکھ دی۔

"جیسا کہ رفیق نے بتایا تھا کہ آپ کو بخار ہوگیا ہے دادا جان۔"

"ہاں بخار ہونا چاہئے جسم کے وہ اندرونی حصے جو بیرونی حرارت براہ راست نہیں حاصل کرسکتے بخار سے یہ حرارت حاصل کر لیتے ہیں اور سیراب ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ بخار آنا چاہئے ہاں اسے دیر تک قائم نہیں رہنا چاہئے۔ البتہ بخار بلانے کو تو ابھی تک کوئی دوا ایجاد نہیں ہوئی ہے چلو خیر اب میں ٹھیک ہوں۔ بخار آیا بھی تھا تو ختم ہوگیا کوئی خاص بات

نہیں ہے۔"

"مطلب یہ کوئی ایسی بات نہیں کی جاسکتی آپ سے جو آپ کے دل و دماغ پر بوجھ ڈالے۔"

"تم نے یہ یقین کیسے کرلیا کہ کون سی بات میرے دل ودماغ پر بوجھ ڈالتی ہے اور کون سی نہیں ڈالتی۔ میاں کام کی بات کرو فضول بکواس سے گریز کرو۔ بہتر ہے بیٹھ جاؤ۔" دادا جان نے کڑک دار لہجے میں کہا تو ہم کرسیوں پر بیٹھ گئے دادا جان سوالیہ نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہے تھے پھر شہباز نے کہا۔

"دادا جان ایک لڑکی سے ہماری دوستی ہے شائلہ نام ہے اس کا اپنی والدہ کے ساتھ رہتی ہے۔ کھاتے پیتے خوشحال لوگ ہیں کوئی پریشانی نہیں ہے انہیں۔ لڑکی کلب میں آتی رہتی ہے دادا جان صرف چند روز پہلے وہ ایک تروتازہ اور زندگی سے بھرپور لڑکی تھی اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ ہم تین چار دن پہلے اس کے پاس گئے تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ وہ لڑکی بہت بری حالت میں ہے۔ زرد پڑ چکی ہے بدن سوکھ گیا ہے آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے ہیں اور بے ہوشی کی کیفیت کا شکار ہے رنگ ایسا ہوگیا ہے کہ جیسے جلا ہوا موم۔ میرا مطلب ہے رنگ تو ویسے صاف ہے لیکن بس یوں سمجھ لیجئے کہ اس میں پیلاہٹ آگئی ہے اچانک ہی ایسے کیسے ہوگیا ہے؟ دادا جان! مزید میں کچھ تفصیل بتا دوں وہ کچھ ذہنی طور پر دیوانی بھی ہوگئی ہے ایک خاتون ہے نیلم ساجد علی وہ ان سے ملتی ہے اور اب جب سے وہ بیمار ہوئی ہے تو نیلم ساجد علی کا نام لے لے کر بھاگتی رہتی ہے۔ نیم بے ہوشی یا نیم غشی کی کیفیت میں وہ آنٹی نیلم' نیلم کہہ کر فرار ہوتی ہے۔ مزید دادا جان کہ اس آنٹی نیلم کو ہم نے بھی دیکھا ہے ایک پُرشباب معاف کیجئے گا خوبصورت عورت ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہم اس کی عمر کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکے۔ کتنی عمر ہے اس کی البتہ ایک بات خاص طور سے آپ کو بتائی جائے کہ کچھ دن پہلے ہم نے اس کو دیکھا تھا تو وہ بھی بالکل تر و تازہ اور سرسبز وشاداب تھی چہرہ زندگی سے بھرپور تھا پھر ایک دن وہ ہمیں ایک اجنبی جگہ نظر آئی تو ایک چالیس یا پچاس سالہ بوڑھی عورت معلوم ہو رہی تھی بالکل اسی طرح تبدیل ہوئی تھی وہ دادا جان کہ اگر کسی سے کہیں تو وہ یقین نہ کرپائے۔ بہرحال ہم حیران تو ہوئے تھے پھر ہم نے ابھی چند روز پہلے اسے دیکھا تو وہ پہلے ہی کی مانند تروتازہ تھی شائلہ کی یہ پُراسرار بیماری اور نیلم ساجد علی کا اس میں اس انداز میں ملوث ہونا کہ شائلہ اس کا نام لے لے کر چیختی رہی ہے آپ یوں سمجھ لیجئے دادا جان کہ یہ دونوں چیزیں ہماری الجھن کا باعث بنی تو ہم آپ تک پہنچ گئے۔ ممکن ہے کہ آپ کے پاس اس کا کوئی

حل ہو۔"

دادا جان خاموشی سے ساری گفتگو سن رہے تھے بہت دیر تک وہ خاموش بیٹھے رہے پھر بولے۔ "اگر تم ن دونوں باتوں کا آپس میں ربط چاہتے ہو تو کوئی ایسی سبیل نکالو کہ میں اس لڑکی کو دیکھ سکوں ویسے جہاں تک میرا تجربہ کام کررہا ہے یہ کوئی ایسا ہی قصہ ہے جیسا ایک بار بہت پہلے ہو چکا ہے۔"

"کیسا قصہ دادا جان؟" شہباز نے سوال کیا لیکن دادا جان پُرخیال انداز میں خاموش ہوگئے بہت دیر بعد انہوں نے پھر کہا۔

"اس کے لئے مجھے خاصی تفصیل میں جانا پڑے گا یہ سارا واقعہ اتنا پُراسرار اور حیران کن ہے کہ تم اسے حقیقت کی بجائے افسانہ سمجھنے پر مجبور ہو جاؤ گے لیکن بہرحال ہماری دنیا میں کوئی انوکھی بات نہیں کائنات کے ایسے بے شمار راز ہیں جو نہیں کھلتے اور جن کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی جاتی۔ یہ معاملہ بھی انہی میں سے ہے۔ تم سمجھ لو بہت ہی پرانی بات ہے خاصی پرانی اس وقت کی جب عمر بیس پچیس سال تھی ان دنوں یہ تمہارے ٹیلی ویژن ڈرامے وغیرہ نہیں تھے بلکہ نوٹنکیاں ہوتی تھیں۔ ٹینٹ لگا کر ڈرامے کئے جاتے تھے اور لوگ بڑے شوق سے دیکھتے تھے انہیں ناٹک بھی کہا جاتا تھا تو ایسے ہی ایک ناٹک میں ایک عورت نیلما نامی آئی تھی۔ نیلما کے دین مذہب کے بارے میں کوئی بات معلوم نہیں تھی لیکن اس عورت نے لاتعداد نوجوانوں کو اپنا دیوانہ بنا لیا تھا اور رقص و موسیقی کے ذریعے بڑی زبردست حیثیت حاصل کرلی تھی میں نے خود اپنی آنکھوں سے اسے قریب سے دیکھا تھا۔ خاص طور سے اس لئے کہ میں کسی کے کہنے پر اس تک پہنچا تھا۔ میں نے اپنے لئے اسٹیج کے بالکل قریب جگہ حاصل کی تھی۔ تب میں نے نیلما سیٹھی کو دیکھا وہ حسن وجوانی کا ایسا مجسمہ تھی جو واقعی لوگوں کو اپنا دیوانہ بنا سکتا تھا سرخ وسفید رنگ' سنہری بال' آنکھیں زرد اور چمکیلی' نوکیلے دانت' ہونٹ خون کی طرح سرخ' سخت ٹھوڑی جس پر سفید روئیں کثرت سے تھے جسم کچھ اس طرح کا تھا جیسے کسی سنگ تراش نے اپنے ہاتھوں سے تراشا ہو۔ ہاتھ پیر گردن اور بازو سنگ مرمر سے تراشے ہوئے تھے جسم کے مقابلے میں سر چھوٹا اور آواز دلکش ایسی پُروقار کہ روح کے اندر اتر جائے۔"

میں نے شہباز کی طرف دیکھا میرے اندر تو اضطراب کی لہریں پیدا ہو رہی تھیں لیکن شہباز مجھ سے زیادہ پُرجوش نظر آرہا تھا اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"خدا کی پناہ دادا جان! آپ نے تو نیلم ساجد علی کا پورا حلیہ بیان کردیا۔" دادا جان کی گہری اور سنجیدہ نگاہیں ہم دونوں کی جانب اٹھی ہوئی تھیں ایک بار پھر وہ گہری نگاہوں

سے میرا جائزہ لیتے رہے پھر شہباز کو دیکھا اور اس کے بعد بولے۔

"کیا نام بتایا تم نے اس عورت کا؟"

"نیلم ساجد علی۔"

"نیلم ساجد علی۔ نیلما! تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے بچو ورنہ نہ جانو کیوں میرے ذہن میں کچھ عجیب سی کشمکش ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں تصور کی آنکھ سے ایک بار پھر نیلما کو دیکھ رہا ہوں۔ نیلما سیٹھی ہاں واقعی جو صورت میں نے تمہیں بتائی اگر یہی وہ شکل ہے تو کیا کیا جاسکتا ہے پریشانی تو ہوتی ہے انسان کو آخر یہ بھلا کیا ہے کوئی فریب نظر' لیکن فریب نظر نہیں ہوتا کچھ حقیقتیں اس طرح زندہ ہوجاتی ہیں کہ سمجھ میں کچھ نہیں آتا لیکن وہ ہوتا ہے۔" دادا جان جیسے خود سے مخاطب ہوگئے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ یہاں ہم دونوں کی موجودگی کو بھول گئے ہوں ان کی آواز ابھری۔ "میں آج بھی ماضی کے انہی لمحات کی طرف لوٹ رہا ہوں ہاں واقعہ بالکل سچ ہے ان دنوں نوٹنکی بڑی اہمیت کی حامل تھی میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں بلکہ جانتا تھا کہ جس کا نام سیٹھ مفتی داس تھا۔ سیٹھ مفتی داس بھی نوٹنکی میں آیا تھا حالانکہ اس وقت اس کی عمر تقریباً پچاس برس کے لگ بھگ ہوگی لیکن وہ میرے برابر بیٹھا ہوا تھا اور رقص کے دوران وہ پلکیں جھپکانا بھول گیا تھا اس کی نگاہیں مسلسل نیلما سیٹھی کو تکتی رہی تھیں اور میں اس کے انداز میں شدید بے چینی محسوس کررہا تھا۔ عمر کا مسئلہ تو خیر جیسا بھی ہو لیکن یہ بات میں سمجھ رہا تھا کہ یہ نیلما سیٹھی کے لئے کچھ زیادہ ہی بے چین ہو رہا ہے مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نے اس سے پوچھ ہی لیا۔ سیٹھ مفتی داس میں آپ کو جانتا ہوں۔ کیسے ہیں آپ؟ کیا بات ہے کچھ طبیعت خراب ہے آپ کی۔ اس کے جواب میں اس نے عجیب بات کہی اس کے الفاظ ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اس نے کہا تم کہو گے کہ بوڑھے کا دماغ چل گیا ہے بھگوان کی سوگند اس عورت کو میں نے اس عمر میں دیکھا تھا جسے نوجوانی نہیں بلکہ نوخیزیت کی عمر کہا جاسکتا ہے۔ سترہ یا اٹھارہ سال ہوگی میری عمر اس وقت اور اس عورت کا حلیہ اس زمانے میں بھی بالکل ایسا ہی تھا۔ اس نیلما سیٹھی کی بات کررہا ہوں بوڑھے مفتی داس کے یہ الفاظ سن کر مجھے ہنسی آگئی میں نے ہنستے ہوئے کہا بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے سیٹھ صاحب کہ جس عورت کو آپ نے اب سے چالیس سال پہلے دیکھا ہوگا وہ آج بھی ویسی کی ویسی ہے۔ ویسے آپ کو اس کا نام یاد ہے۔ ہاں اس کا نام تھا نیلا راجسن۔ اس نے جواب دیا تھا۔ آپ ایک بر پھر غور کریں نیلا راجسن کیا ایسی ہی تھی۔ سو فیصدی مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے سال گزرنے کے بعد اس میں ذرہ برابر تبدیلی کیوں نہیں پیدا ہوئی۔

اوہ ہو یہ ممکن ہے نیلما اسی عورت کی بیٹی ہو بعض اوقات بیٹی کا حلیہ بھی جوانی میں ایسا ہی ہوتا ہے جیسا اس کی ماں کا اس بات کے امکانات ہیں کہ نیلما سیٹھی نیلا رابنسن ہی ہے اور ویسے بھی نیلا رابنسن عیسائی تھی اور یہ لڑکی ہندو۔ یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی ایک عیسائی عورت کی سیٹھی نامی ہندو سے شادی کر سکتی ہے رابنسن اس کے باپ کا نام ہوگا۔ اگر ان دونوں کی اولاد پیدا ہوئی تو اس کا نام نیلما سیٹھی رکھا جاسکتا ہے۔ شاید ویسے ایک اور بات بھی مجھے یاد آرہی ہے میرے دوست تم اگر مجھے جانتے ہو تو مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں تمہیں نہیں جانتا۔ یہ بات مفتی داس نے مجھ سے کہی تھی بچو! اس نے کہا کہ کچھ عرصے پہلے وہ ایک عجیب وغریب واقعے سے دوچار ہوچکا ہے یہی عورت نیلما سیٹھی اپنی عمر سے بیس سال زیادہ نظر آتی تھی۔ اتفاق سے تھیٹر سے ہٹ کر میں نے اسے دیکھ لیا تھا مجھے یوں لگا جیسے وہ تیزی سے بڑھاپے کی طرف بڑھ رہی ہو میں حیران ہوگیا پھر کوئی مزید بیس یا بائیس دن کے بعد میں نے اسے پھر دیکھا تو اس کی عمر ساٹھ سے پینسٹھ سال کے قریب لگ رہی تھی اور میں اس بات پر شدید حیران ہوگیا تھا۔ میں یہاں پر بلاوجہ نہیں آرہا تھا بلکہ اس عورت نے مجھے عجیب وغریب الجھن کا شکار کردیا ہے اس وقت جب مجھے وہ ایک بوڑھی عورت کی حیثیت سے نظر آئی تھی تو اس نے ایک نوجوان اور صحت مند لڑکی کو اپنے پاس ملازم رکھا ہوا تھا یہ لڑکی کوئی دو مہینے تک نیلا رابنسن کے پاس رہی اور اس دوران میں نے اسے روز بروز گھلتے ہوئے دیکھا جبکہ نیلا رابنسن ایک بار پھر جوان ہونے لگی پھر ٹھیک دو مہینے کے بعد وہ لڑکی مرگئی اور نیلا رابنسن کی جوانی حسن وصحت کا مجسمہ نظر آنے لگی اور تم یقین کرو کہ میں مسلسل اس چکر میں پڑا رہا اور وہ مجھے عجیب و غریب صورت میں نظر آتی رہی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ایک مرد کی حیثیت سے اس کے حسن وجمال پر نگاہیں جمائے ہوئے ہوں تو یہ تمہاری غلطی ہے۔ اصل میں مجھے نیلما سیٹھی کو دیکھ کر نیلا رابنسن نظر آئی ہے جسے میں نے کافی عرصے کے بعد دیکھا ہے بہرحال یہ بات مجھے آج تک یاد ہے۔ مفتی داس شدید حیران اور پریشان تھا لیکن اس کے بعد میں تمہیں بقیہ قصہ سناؤں۔ نیلما سیٹھی کے بارے میں یہ بات میرے ذہن میں بیٹھ گئی تھی اور میں خاصا پریشان تھا لیکن پھر یہ نوٹنکی ہمارے شہر سے چلی گئی نیلما اس سے منسلک تھی اور اس میں رقص کرتی تھی جب یہ قصہ ختم ہوگیا تو میں بھی آہستہ آہستہ نیلما سیٹھی کو بھول گیا لیکن کوئی پانچ سال کے بعد جبکہ میں تعلیم حاصل کررہا تھا میرا واسطہ پھر ایک عورت سے پڑا یہ بے شک نیلما سیٹھی نہیں تھی لیکن نیلما سیٹھی ہی تھی۔ میں نے اس کا سراغ لگانا شروع کردیا مجھے یہاں اس نوٹنکی کی موجودگی کا پتہ نہیں چلا تھا بلکہ اتفاقی طور پر نیلما سیٹھی

نظر آئی تھی اور میں ان تمام پرانی یادوں کے ساتھ اس عورت کی طرف متوجہ ہوگیا تھا میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہ عورت بھی اتنی برق رفتاری سے بڑھاپے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ میں حیران ہوگیا تھا جب میں نے اسے اس نئی جگہ دیکھا تو وہ بیس اکیس برس کی ایک نوخیز اور نوجوان اور پُرکشش لڑکی نظر آرہی تھی لیکن میرے دیکھتے ہی دیکھتے چند روز کے اندر وہ چالیس سال کی نظر آنے لگی پھر اس کے چہرے پر چھائیاں نمودار ہوئیں آنکھیں اندر کو دھنسنے لگیں اور قد چھوٹا ہونے لگا۔ اس نے اپنی تیمارداری کے لئے ایک نوجوان اور صحت مند خادمہ کو ملازم رکھا جو ایک ماہ کے اندر اندر سوکھ کر کانٹا ہوگئی اور آخر کار مر گئی لیکن میں نے ایک بار پھر اسے جوان ہوتے ہوئے دیکھا تھا اب وہ عورت صحت مند اور جوان ہوتی چلی گئی اور اسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہی لڑکی ایک ماہ پہلے چالیس سال کی ایک عورت نظر آتی تھی میرے ذہن پر بری طرح سے یہ تمام باتیں چھاگئی تھیں۔ میں نے اس کا پیچھا کرنا شروع کردیا میں نہیں جانتا تھا کہ اسے اس بات کا علم ہوگیا کہ میں خصوصی طور سے اس کا تعاقب کررہا ہوں یا کوئی اور بات تھی لیکن ایک دن وہ اچانک ہی غائب ہوگئی وہ جس فلیٹ میں رہتی تھی اس کے بارے میں' میں نے معلومات حاصل کرلی تھیں آس پاس کے لوگوں سے پتہ چلا کہ وہ ملک سے باہر چلی گئی ہے اس کے بارے میں یہی علم ہوا تھا کہ وہ ایک پُراسرار سی عورت تھی اس کا نام البتہ مجھے نہیں معلوم ہوسکا تھا اور اب تم یہ بتا رہے ہو کہ وہ نیلم ساجد علی کے نام سے یہاں موجود ہے۔"

دادا جان کے الفاظ بم کے دھماکوں سے کم نہیں تھے ہر لمحے ایک خوفناک دھماکہ ہو رہا تھا ہم لوگ دیر تک اس پوری کہانی کو سن کر سکتے کے عالم میں رہے پھر شہباز نے کہا۔

"کیا کہتے ہو تم اس بارے میں گل شیر میں نے تم سے ڈھکے چھپے الفاظ میں یہی کہا تھا ناں۔ اب یہ ایک حیرت ناک بات ہے کہ بس ایک ہی کردار اس سلسلے میں اتنے عرصے سے مصروف عمل ہے اگر تم دادا جان کی بات پر یقین نہیں کرتے تو میں تم سے کہتا ہوں کہ جس طرح بھی بن پڑے اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو تم دیکھو گے کہ دادا جان کے الفاظ بالکل درست نکلتے ہیں۔"

"ہاں حیرانی کی بات یہی ہے کہ ایک ہی عورت صرف تھوڑے تھوڑے فرق سے ہمارے سامنے آرہی ہے اور اس پر ماہ و سال کی گردشیں اثر انداز نہیں ہوتیں۔ وہ بڑھاپے کی طرف جاتی ہے لیکن عارضی طور پر اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اسے شباب کی طرف لوٹنے کے لئے ایک نوجوان اور صحت مند لڑکی کی ہمیشہ ضرورت پڑتی

ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس صدی کی سب سے حیرت ناک کہانی ہے۔"

"تو پھر اب بتاؤ کیا کیا جائے؟" شہباز نے مجھ سے پوچھا تو دادا جان کہنے لگے۔

"اس لڑکی کی حفاظت کرو بے شک وہ ایک خوفناک عورت ہے اور میں اب پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ شائلہ کی تلاش میں ہوگی۔"

"دادا جان ایک بات اور بتایئے۔"

"پوچھو۔"

"کیا اس کو شائلہ ہی کی ضرورت پیش آئے گی یا میرا مطلب ہے کہ وہ کسی اور لڑکی کو بھی طلب کرسکتی ہے؟"

"یہ اصل میں معمولی کام نہیں ہے تم خود سوچو اگر کوئی عورت ایسا عمل کرتی ہے اور خاص طور سے کوئی ایسی عورت جو خون کی رسیا ہو تو بہرطور وہ جرائم پیشہ عورتوں میں شمار ہوگی اور معمولی جرائم پیشہ نہیں بلکہ اسے لمحوں میں بدترین سزا دی جاسکے گی تاکہ کسی اور کو اس کے ہاتھوں کوئی ایسا نقصان نہ پہنچے۔ کیا کہتے ہو اس بارے میں؟"

"جی دادا جان آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"صرف دو کام وہ یہ کہ اس لڑکی شائلہ کی بھرپور حفاظت اور اس عورت کی تلاش بے شک میری طبیعت کچھ خراب ہے لیکن اگر تمہیں وہ عورت مل جائے تو ایک بار مجھے اس کا دیدار ضرور کرا دینا میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ماضی قدیم کی یہ نیلما سیتھی یا نیلا رابنسن اب کیا حیثیت رکھتی ہے۔"

"ٹھیک ہے دادا جان آپ کا بہت بہت شکریہ۔" ہم لوگ باہر نکل آئے مجھ پر جس قدر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے وہ میں ہی جانتا تھا۔

شہباز نے مسکراتے ہوئے کہا۔" فرض کرو تم کسی ایسی مشکل میں پڑ جاؤ تو کیا کرو گے گل شیر!" میں نے شہباز کی طرف دیکھا ایک لمحے کے لئے دل کی طرف سے ایک تحریک شروع ہوئی جس نے زبان تک پہنچنا چاہا لیکن نہ جانے کیوں ربابہ کی آبرو دل کو دل ہی میں رکھنی پڑی۔ نہ جانے کیوں یہ لگا جیسے ربابہ کے بارے میں تفصیلات بتانا اسے سرعام رسوا کرنا ہے اور یہ میں نہیں کرسکتا تھا پھر دوسرے دن تمام تر احتیاط کے بعد جب ہم شائلہ کو دیکھنے ہسپتال پہنچے تو وہ ہوش میں تھی آنٹی فریدہ اسے خوراک دے رہی تھیں وہ تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی لیکن نقاہت اور کمزوری ابھی دور نہیں ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی ہم دونوں کو بڑی خوشی ہوئی آنٹی فریدہ بھی خوشی کے عالم میں بولیں۔

"شائلہ کا کہنا ہے کہ اب یہ بالکل ٹھیک ہے اور اسے کوئی پریشانی نہیں ہے۔" شائلہ نے مدہم لہجے میں کہا۔

"مما کہتی ہیں کہ میں شدید بیمار ہوگئی تھی اور اس شدید بیماری کے عالم میں تم دونوں نے ہماری اس قدر مدد کی ہے کہ مما تو تمہارے نام سے خوش ہوجاتی ہیں وہ کہتی ہیں کہ اب ان کے ایک نہیں دو بیٹے ہیں جو یقیناً انہیں کسی مصیبت میں نہیں پڑنے دیں گے آپ لوگوں نے میرا بڑا ہی ساتھ دیا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ڈیئر شائلہ لیکن یہ بتاؤ کہ تمہیں پریشانی کیا ہے۔ کیوں بیمار ہوگئی تھیں۔"

"اصل میں بس بیماری کچھ ایسی تھی کہ میں خود بھی ذہنی طور پر نہیں سمجھ پائی ویسے میں چاہتی ہوں کہ مجھے یہاں سے جلد چھٹی مل جائے آپ پلیز ڈاکٹر صاحب سے بات کریں ڈاکٹر صاحب بہت اچھے انسان ہیں لیکن ابھی وہ مجھے یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دینا چاہتے۔"

"ہاں میں جانتا ہوں ڈاکٹر ابھی تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔"

"پھر بھی اصل میں مجھے ایک ضروری کام ہے۔" وہ پُراسرار لہجے میں بولی۔

"یقیناً ہم تمہیں بہت جلدی گھر لے چلیں گے بس تھوڑا سا وقت اور ویسے وہ ضروری کام اگر تم چاہو تو ہمیں بتا دو۔"

"بتانے کی بات نہیں ہے ویسے آپ بھی نیلم ساجد علی سے ملے تو تھے ناں۔ میڈم نیلم اس قدر مہربان اور پُرخلوص خاتون ہیں کہ تم یقین کرو کہ دل بری طرح ان کی جانب کھنچتا ہے اور یہ آرزو دل میں پیدا ہوتی ہے کہ زیادہ وقت ان کے ساتھ گزارا جائے۔ ویسے تم یقین کرو میں نہیں جانتی کہ میں ہسپتال میں کتنے دن سے ہوں لیکن وہ میرا انتظار کرتی ہوں گی۔ وہ مجھے بہت چاہتی ہیں اور یہ بھی میں تمہیں بتاؤں کہ وہ بہت مظلوم خاتون ہیں وہ بیمار ہیں اس قدر اچھی باتیں کرتی ہیں اور اس قدر محبت سے پیش آتی ہیں کہ انسان ان کے قدموں میں رہنا پسند کرے میں بھی ان دنوں ان کی تیمارداری کر رہی ہوں۔"

"وہ بیمار ہیں بظاہر تو نہیں لگتیں ہم تو ان سے مل چکے ہیں ناں۔"

"ہاں بیمار ہیں بیچاری۔"

"کیا بیماری ہے انہیں؟"

"وہ کمزوری محسوس کرتی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ ان کا علاج صرف یہ ہے کہ وہ

مجھ جیسی نوجوان اور صحت مند لڑکیوں کے ساتھ وقت گزاریں بس اسی میں ان کی زندگی ہے اصل میں بہت تنہا ہیں وہ۔ زندگی کے ایک طویل عرصے تک تنہا رہی ہیں۔ ساجد علی صاحب نہایت اوباش اور غلط انسان تھے انہوں نے کبھی انہیں تحفظ نہیں دیا۔ بے وقوف ہی بناتے رہے جبکہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ساجد علی صاحب ایک نکمے اور ناکارہ انسان ہیں اور صرف اپنی بات پر توجہ دیتے ہیں اور کچھ نہیں سوچتے۔ بس یوں سمجھ لو کہ بیچاری نیلم ساجد علی اِدھر اُدھر اپنا دل بہلاتی رہتی ہیں ایسے کسی کو تلاش کرتی رہتی ہیں جو ان کی یہ تنہائی دور کرے۔ مجھ سے انہوں نے بڑی محبت کا اظہار کیا ہے۔"

"ویسے اچھی بات ہے ثمائلہ کہ تم نے ان کی تنہائیوں کو دور کرنے کی کوشش کی یہ بہت ہی اچھی بات ہے ویسے تم کس طرح ان کی تیمارداری کرتی تھیں؟"

"بس وہ بستر پر لیٹ جاتیں میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیتیں میں انہیں کوئی اخبار یا کتاب پڑھ کر سناتی پھر آہستہ آہستہ مجھ پر غنودگی طاری ہو جاتی جب آنکھ کھلتی تو کمرے میں گھپ اندھیرا چھایا ہوتا پھر مجھے عجیب و غریب خواب نظر آتے اور میں اپنے آپ کو بے حد تھکا ہوا اور کمزور محسوس کرتی۔ براہ کرم مجھے ان کے پاس پہنچا دیجئے پتہ نہیں ان بیچاری کی کیا حالت ہے۔"

"ہاں ہاں بالکل تمہیں ان کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔"

یہ بات اس طرح تکمیل پائی کہ کم بخت عورت یقینی طور پر خون آشام تھی اور خون پی کر اپنا حسن وجمال قائم رکھے ہوئے تھی۔ دادا جان نے جو کچھ بتایا تھا وہ بالکل درست تھا یہ وہی شیطان عورت تھی جو برسوں سے اس سلسلے میں کام کر رہی تھی دادا جان بیچارے بھی بیمار تھے لیکن یہ طے پایا تھا کہ جیسے ہی دادا جان کی صحت کچھ بہتر ہو جائے گی اس سلسلے میں ہم دوسرا قدم اٹھائیں گے۔ اس دوران اس بات کا پورا پورا خیال رکھیں گے کہ نہ تو خود ثمائلہ ان تک جانے پائے اور نہ محترمہ نیلم ساجد علی ثمائلہ کو تلاش کرکے یہاں تک پہنچیں یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم کلب کا چکر بھی لگا رہے تھے حیرت انگیز طور پر نیلم ساجد علی کلب سے غائب تھی۔ غالباً اسے اس بات کا پورا پورا شبہ ہو گیا تھا کہ اگر اور کچھ نہیں تو ہم دونوں ہی اس کے پیچھے لگ گئے ہیں دادا جان بے چارے ویسے ہی دھان پان سے آدمی تھے اس بیماری نے انہیں اور بھی لاچار کر دیا تھا اور کئی دن تک وہ اس قابل نہیں ہو سکے تھے کہ وہاں جاکر نیلم ساجد علی کو ایک نگاہ دیکھ سکیں۔ بہرحال یہ تو مجبوری تھی جسے ٹالا نہیں جاسکتا تھا اور ہم صرف انتظار کر رہے تھے کہ کوئی صحیح صورت حال سامنے آئے۔ میں نے شہباز سے کہا۔

"شہباز ایک بات بتاؤں باقی ساری باتیں تو اپنی جگہ ہیں لیکن نیلم ساجد علی کی تلاش آسان کام نہیں ہوگی اس عورت کو اگر یہ شبہ ہو گیا ہے کہ ہم اس کے راستے پر لگ گئے ہیں تو ایسا نہ ہو کہ وہ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرے۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے فرار ہو جائے گی تو اس سے کم از کم بیچاری ثمائلہ کی جان تو بچ جائے گی۔"

"میں اس سلسلے میں تم سے ذرا سا اختلاف کرتا ہوں۔"

"وہ کیا؟" شہباز نے خاصی دلچسپی سے پوچھا۔

"شہباز تم جانتے ہو دادا جان کیسی بھیانک کہانی سنا چکے ہیں وہ لڑکی یا وہ عورت' یا وہ ناگن یا وہ شیطان کتنے عرصے سے زندہ ہے اور نہ جانے وہ کتنی لڑکیوں کو زندگی سے محروم کر چکی ہے کیا ایسی عورت کا زندہ رہنا مناسب ہے؟"

"تمہارا مطلب ہے کہ تم اسے ہر قیمت پر ختم کئے بغیر نہیں چھوڑو گے؟"

"ہاں سچ بتاؤں تو واقعی میرا بالکل یہی ہے۔" وہ سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ اس معاملے میں پولیس کو ملوث کر لیا جائے؟"

"پولیس!" میں نے پُرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا پھر بولا۔ "جس طرح ڈاکٹر تمہارا دوست ہے اگر ایسا ہی پولیس آفیسر تمہیں مل جائے جو گہرے جذبوں سے کام لے کر عمل کرے تب تو ٹھیک ہے ورنہ تم خود دیکھو۔ معاملہ ذرا مختلف شکل اختیار کر جائے گا یعنی یہ کہ وہ عورت انتہائی خطرناک ہے پولیس والے یقیناً یہ چاہیں گے کہ آنٹی فریدہ باقاعدہ رپورٹ درج کرائیں اور اس رپورٹ کے تحت تمام تر کارروائی ہو اس طرح وقت سے پہلے ثمائلہ کو منظر عام پر لانا ہوگا اور کہیں یوں نہ ہو کہ اس عورت کو ثمائلہ کا علم ہو جائے اور وہ خفیہ طور پر ثمائلہ کو لے اڑے کیونکہ ثمائلہ ابھی تک اس کے زیر اثر ہے۔" شہباز نے میری ان باتوں کو غور سے سنا پھر مسکراتا ہوا بولا۔

"بالکل ٹھیک ہے ایک انسپکٹر سے میری گہری شناسائی اور دوستی ہے انسپکٹر فاروق اس سلسلے میں ہماری بھرپور مدد کرے گا چلو تمہیں اس سے ملواتا ہوں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ یہ شہر میرا ہے یہاں میرے دوست اور بچپن کے ساتھی ہیں۔ انسپکٹر فاروق بھی انہی میں سے ایک ہیں۔" انسپکٹر فاروق ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ لاابالی فطرت کا مالک بہترین جسم رکھتا تھا مجھ سے مل کر بہت خوش ہوا کہنے لگا۔

"بھائی گل شیر صاحب محکمہ پولیس میں آنے سے پہلے ہم دونوں لڑکیوں کا پیچھا کیا کرتے تھے اور انہیں ان کے گھر تک چھوڑنے جاتے تھے گویا یہ سمجھ لیجئے کہ ہم تمام

لڑکیوں کے بھائی تھے۔"

"ہاں اور میں ان کا بہنوئی' ہم کا لفظ کیوں استعمال کر رہے ہو؟" شہباز نے غصیلے لہجے میں کہا اور انسپکٹر فاروق قہقہہ مار کر ہنس پڑا پھر بولا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں بتاؤ کون سی بات غلط کہی میں نے پیچھا کرتے ہوئے اور انہیں ان کے گھر تک چھوڑنے جاتے تھے گھر کے دروازے سے ہماری واپسی ہوتی تھی کوئی میں غلط کہہ رہا ہوں ہر بات ٹھیک بتائی ہے میں نے خیر چھوڑو۔ بہت دن کے بعد چکر لگا۔"

"وہ جو کہتے ہیں کہ گھوڑے کی پچھاڑی اور پولیس کی اگاڑی ہمیشہ خطرناک ہوتی ہے تو بس سمجھ لو کہ اس لئے تمہارے پاس نہیں آتا۔"

"سوچ لو اب آگئے ہو تو تھوڑے دن تک ہمارے لاک اپ میں رہو وعدہ کرتا ہوں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"اے۔ اے پولیس والے' بہت زیادہ فضاؤں میں اڑنے کی کوشش مت کرو مجھے اپنے لاک اپ میں رکھنا اتنا آسان نہیں ہوگا اس کے بعد تمہیں میرے ساتھ لاک اپ میں رہنا ہوگا۔" دونوں اس طرح کی باتیں کر رہے تھے مشروبات آگئے اور اس کے بعد شہباز نے مطلب کی بات شروع کی۔ "ایک سنگین صورت حال درپیش ہے ڈارلنگ اب تم یہ بتاؤ کہ اس سلسلے میں کیا مدد کرسکتے ہو؟"

"صورت حال کیا ہے؟"

"کبھی کسی بدروح کو گرفتار کیا ہے تم نے؟"

"بدروح' آج تک بدروحوں کو ہی گرفتار کرتا چلا آیا ہوں بدروحوں سے اگر تمہاری مراد بھوت' جن' چڑیل وغیرہ ہیں تو وہ ایک الگ بات ہے لیکن جرائم کی دنیا میں جو انسان آجاتا ہے اس کے جسم میں لازمی طور پر کوئی بری روح ہی ہوتی ہے اچھی روح والے جرائم نہیں کرتے۔"

"شاعری مت کرو میں بڑی سنجیدہ بات کر رہا ہوں ایک لڑکی ہے اچھے کھاتے پیتے گھرانے کی وہ ایک ایسی مصیبت میں گرفتار ہوگئی ہے جسے بیان نہیں کیا جاسکتا.........." پھر اس کے بعد انسپکٹر فاروق کو تمام تفصیلات بتائی گئیں تو انسپکٹر فاروق بے حد سنجیدہ ہوگیا اس نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"میرے خدا گویا تمہارا کہنا ہے کہ وہ شیطان عورت صدیوں سے زندہ ہے کیا اس دور میں ایسی کسی بات پر یقین کیا جاسکتا ہے؟"

"اگر حقیقتیں تمہاری ان نگاہوں کے سامنے ہوں تب بھی یقین نہیں کرو گے؟" شہباز نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں میرا یہ مطلب بالکل نہیں ہے ظاہر ہے تم مجھ سے مذاق کرنے کے لئے نہیں آئے ہوگے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں کیا باقاعدہ اس سلسلے میں تمہاری رپورٹ درج کروں۔"

"رپورٹ درج کرانی ہوتی تو محلے کے تھانے میں جایا جاتا تم تک آنے کا مطلب یہ ہے کہ تم دیکھ کر سوچو اور اپنی پولیس کی ماہرانہ ذہانت سے کام لو۔"

"مجھے ذہین کہہ کر تم نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔" فاروق نے پھر مزاحیہ انداز میں کہا پھر جلدی سے بولا۔ "لڑکی کو دیکھ سکتا ہوں؟"

"ہاں تمہیں تو خاص طور سے اسے دکھانا ضروری ہے۔"

"تو پھر مجھے اس سے ملاؤ ہم لازمی طور پر کچھ نہ کچھ کرسکیں گے۔"

فاروق کو ہم خفیہ طور پر ہسپتال لے گئے تھے بیچارہ ڈاکٹر آفتاب بڑا مناسب معاوضہ لے رہا تھا ہم سے اور وہ بھی ہم زبردستی اسے دے رہے تھے ورنہ وہ ایسے موقعوں پر ناراض ہوجاتا تھا لیکن پرائیویٹ کلینک تھا اور وہ جو کہتے ہیں کہ گھوڑا گھاس سے یاری کرے گا تو کھائے گا کیا چنانچہ ہم اسے مجبور کرتے تھے البتہ جو تعاون وہ کر رہا تھا وہ بے مثال تھا۔ فاروق نے اس سے کئی سوالات کئے اور اس نے یہی جواب دیا کہ لڑکی کے ذہن میں کچھ اس طرح نیلم ساجد علی سے ملنے کا سودا سمایا ہوا ہے کہ اگر اسے کچھ گھنٹوں کے لئے ہوش میں رہنے دیا جائے اور اس کے بدن کو بھرپور توانائی دے دی جائے جیسی کہ اب تک اسے نہیں دی گئی لیکن دی جاسکتی ہے تو وہ سیدھا ادھر ہی کا رخ کرے۔

"اللہ تمہارا بھلا کرے ایسا کرو آج شام اسے بھرپور توانائی دے دو۔"

"مطلب؟" ڈاکٹر آفتاب نے شہباز کی طرف دیکھا تو شہباز نے کہا۔

"یہ نوجوان جو سادہ کپڑوں میں نظر آرہا ہے بظاہر کسی یونیورسٹی کا سٹوڈنٹ معلوم ہوتا ہے اصل میں ایک ذہین پولیس آفیسر ہے اور اس سلسلے میں اس نے اپنی خدمات ہمیں پیش کردی ہیں۔"

"بڑا صحیح فیصلہ کیا میں خود یہی چاہتا تھا کہ اب یہ معاملہ پولیس کے ہاتھوں میں پہنچ جائے تم یقین کرو دوستی کی بنیاد پر میں تم سے یہ الفاظ نہیں کہہ سکتا لیکن میں خود بڑا خوفزدہ تھا کہ خدانخواستہ لڑکی کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے میری ذمہ داریاں بھی آجاتی ہیں یہ بڑا اچھا ہوا فاروق صاحب۔ اب آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ

مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"اگر ہم شمائلہ کو پوری پوری جسمانی قوتیں دیتے ہیں تو اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچے گا؟"

"بالکل نہیں وہ جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں قطعی طور پر ایک نارمل اور تندرست لڑکی ہے بس یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کسی گاڑی سے پیٹرول نکال لیں گے تو گاڑی تو اپنی جگہ اتنی ہی خوبصورت اور مضبوط ہوگی لیکن چلے گی کیسے۔ بالکل یہی کیفیت شمائلہ کی ہے ہم اسے غذائی طور پر تو فوراً توانائی نہیں دے سکتے لیکن کچھ ایسے انجکشن ہیں جو اس کی جسمانی قوتوں کو مکمل طور پر بحال کر دیں گے۔"

"ہوں' آنٹی فریدہ آپ یہ بتائیے کہ آپ اپنی بچی کی مکمل تندرستی کے سلسلے میں کتنا رسک لے سکتی ہیں؟" فاروق نے آنٹی فریدہ سے پوچھا۔

"رسک!" آنٹی فریدہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"ہاں آپ کو رسک لینا پڑے گا لیکن اگر آپ کو یہ اطمینان دلایا جائے کہ یہ کوئی رسک نہیں ہوگا ظاہر ہے جو حالات اب تک سنے گئے ہیں ان کی کیفیت ایسی نہیں ہے کہ شمائلہ کو کوئی خطرہ لاحق ہو۔ اصل میں ہم نیلم ساجد علی کا پتہ معلوم کرنا چاہتے ہیں اور پتہ ہمیں شمائلہ سے ہی معلوم ہو سکے گا۔"

"تم اس سے وہ پتہ پوچھ سکتے ہو۔"

"ہمیں یقین ہے کہ وہ ہمیں اس کا پتہ نہیں بتائیں گی۔ آپ اگر اس سے پتہ معلوم کر سکتی ہیں تو معلوم کر کے ہمیں بتا دیجئے۔" انسپکٹر فاروق نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا اور فریدہ سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا۔ "اعتماد سے تو میں بھی نہیں کہہ سکتی لیکن تم لوگ کرنا کیا چاہتے ہو۔ وہ جب بھی ہوش میں آتی ہے تو کہتی ہے کہ اسے جانے دیا جائے۔ وہ انتظار کر رہی ہوگی وہ جانا چاہتی ہے۔"

"ہم اسے جسمانی توانائی دینے کے بعد آزاد چھوڑ دیں گے اور پھر اس کا تعاقب کریں گے ظاہر ہے کہ وہ سیدھی نیلم ساجد علی کے پاس جائے گی۔ اس طرح اس کے ذریعہ ہی ہمیں نیلم ساجد علی کا پتہ معلوم ہو سکے گا۔"

"آہ اس میں کوئی خطرہ تو نہیں ہوگا؟"

"آپ کے خیال میں کیا خطرہ ہو سکتا ہے کیا وہ شمائلہ کو پنجوں میں دبوچ کر خلا میں پرواز کر جائے گی؟ آپ کمال کرتی ہیں شمائلہ وہاں تک پہنچے گی اور ہم اس پر نگاہ رکھیں گے۔ آپ کو مکمل اطمینان دلایا جاتا ہے کہ شمائلہ کو ذرا برابر نقصان نہیں پہنچے گا۔" آنٹی

فریدہ نے شہباز اور میری طرف دیکھا اور پھر ممنون لہجے میں بولیں۔

"جو کچھ تم سب میری بچی کے لئے کر رہے ہو اس کا کوئی صلہ میرے پاس نہیں ہے تمہارے لئے اور اپنی بچی کے لئے دعائیں کر سکتی ہوں تم لوگ جیسا مناسب سمجھو میں تمہارا راستہ نہیں روکوں گی۔"

"بہت بہت شکریہ تو پھر ہم آپ کی اجازت کے ساتھ اپنا پروگرام بنا لیتے ہیں۔" فاروق نے کہا اور فریدہ آنٹی نے گردن ہلا دی۔

ڈاکٹر آفتاب بھی اس پورے کیس میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا بہت سے اہم کام اسے ہی سرانجام دینے تھے چنانچہ وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا اس کی خصوصی توجہ نے شمائلہ کو بہترین صحت دے دی۔ ویسے اس نے ہم لوگوں سے وعدہ لیا تھا کہ جب ہم نیلم ساجد علی کی تلاش میں نکلیں گے تو وہ بھی ہمارے ساتھ ہوگا۔ آخر کار وہ دن آ گیا جب ڈاکٹر فاروق شمائلہ کے سلسلے میں گرین سگنل دینے والا تھا۔ طریق کار کا تعین فاروق نے کیا تھا اس دن شمائلہ کی حالت بہت اچھی تھی۔ منصوبے کے مطابق آنٹی فریدہ نے شمائلہ سے کہا کہ تمہاری طبیعت کافی اچھی لگتی ہے اگر تمہیں کوئی پریشانی نہ ہو تو گھر کا ایک چکر لگا لوں۔ بقول آنٹی فریدہ کے شمائلہ ایک دم چونک پڑی پھر بولی۔ ہاں آپ گھر کا ایک چکر ضرور لگا لیں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ ڈاکٹر سے تمہیں ڈسچارج کرنے کی بات کروں تاکہ تم بھی میرے ساتھ گھر چلو۔ "ایک آدھ دن اور رکیں امی ایسی کیا جلدی ہے۔" شمائلہ نے کہا چونکہ وہ دن رات یہاں سے جانے کی رٹ لگائے رکھتی تھی۔ ٹھیک ہے پھر میں ایک دو گھنٹے کے لئے چلی جاتی ہوں۔ آنٹی فریدہ تیاریاں کر کے باہر نکل آئیں اس وقت شام کے سائے بڑھنے لگے تھے باہر ہم سب لوگ موجود تھے آنٹی فریدہ نے ہمیں تفصیل بتائی پھر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"میرا دل شدید گھبرا رہا ہے آپ لوگوں نے یہ پروگرام بنا تو لیا ہے کہیں میری بچی کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اپنی زندگی کی قیمت پر مس شمائلہ کی حفاظت کریں گے۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔" انسپکٹر فاروق نے کہا۔ آنٹی فریدہ کو کہاں جانا تھا ایک جگہ وہ بیٹھ گئیں ہم سب پوری طرح ہوشیار تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ کب شمائلہ اپنے کمرے سے نکلے اس کے لئے ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد شمائلہ کمرے سے باہر نکل آئی اس وقت وہ خوب چاق و چوبند نظر آ رہی تھی اور ہوشیاری سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی چونکہ ہسپتال سے باقاعدہ ڈسچارج نہیں ہوئی تھی اس

لئے اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ عملے کے لوگ اسے دیکھ کر روک نہ لیں۔ وہ خیریت سے گیٹ سے باہر نکل گئی۔ ڈاکٹر آفتاب پولیس جیپ میں فاروق کے ساتھ تھا۔ میں اور شہباز کار میں تھے۔ ہسپتال سے باہر کاریں اور ٹیکسیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ شمائلہ نے ایک ٹیکسی کے قریب پہنچ کر ڈرائیور سے بات کی اور پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر چل پڑی تھی۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں تھا کہ وہ نیلم ساجد علی کے گھر جا رہی ہے۔ شہباز نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "ہمیں وہاں خطرہ بھی پیش آسکتا ہے۔"

"میں یہی کہنا چاہتا تھا حالانکہ پولیس ساتھ ہے لیکن ایک شیطانی عورت سے مقابلہ بھی آسان کام نہیں ہے اس لئے خصوصی طور پر احتیاط ضروری ہے۔ ٹیکسی سفر کرتی رہی پھر ایک رہائشی علاقے میں داخل ہو کر وہ ایک چھوٹے سے مکان کے سائے میں رک گئی شمائلہ ٹیکسی ڈرائیور کو وہیں روک کر اندر چلی گئی۔ ظاہر ہے بل کی رقم وہ اندر سے لاکر دے گی لیکن ہم رک نہیں سکتے تھے بڑی مشکل سے تو اس کی حالت بہتر ہوئی تھی۔ انسپکٹر فاروق نے بھی شاید یہی فیصلہ کیا تھا۔ ہم نے بھی کار روکی اور پھر ایک لمحہ انتظار کئے بغیر ہم مکان کے گیٹ سے گھستے چلے گئے۔

وسیع و عریض مکان میں مکمل خاموشی تھی یوں لگتا تھا جیسے وہاں کوئی ملازم وغیرہ بھی نہ ہو۔ حالانکہ بڑی عجیب سی بات تھی ایک عظیم الشان گھر پھر نیلم ساجد علی کسی معمولی حیثیت کی حامل بھی نہیں تھی، لیکن یہ خاموشی ناقابل یقین تھی انسپکٹر فاروق، ڈاکٹر آفتاب اور ہم دونوں بڑی شدید سنسنی محسوس کر رہے تھے، ٹیکسی ڈرائیور بیچارہ شاید کرائے کے انتظار میں کھڑا ہوا تھا، ہم نے بہرحال ایسی ہی پوزیشن اختیار کی تھی کہ کسی کو ہمارے قدموں کی آہٹ کا بھی احساس نہ ہو۔ پھر ہمیں مدھم مدھم سی انسانی آوازیں آ رہی تھیں اس پر رک کر ہم نے اپنی سانسیں تک روک لیں اور اندر جھانکنے لگے، کمرہ تاریک تھا اور اس میں عجیب سی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ مغربی کھڑکی سے ڈوبتے ہوئے سورج کی مدھم روشنی پردوں سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔ پہلے تو ہمیں کچھ نظر نہ آیا لیکن پھر آنکھیں اس نیم تاریک ماحول کی عادی ہو گئیں اور جو کچھ ہمیں نظر آیا اسے دیکھتے ہی دہشت سے سارا وجود کانپ اٹھا۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس عورت کو دیکھا جسے عورت کہنا اس وقت مشکل تھا سامنے والی مسہری پر ایک عجیب و غریب مخلوق لیٹی ہوئی تھی اور اس کے نقوش سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہی نیلم ساجد علی ہے لیکن کیفیت یہ تھی کہ اس کا چہرہ سوکھ کر چمرخ کا ہو چکا تھا۔ رنگ گہرا سبز اور اس کی کھوپڑی سکڑ کر مختصر ہو گئی تھی۔ اندر کو دھنسی ہوئی زرد آنکھیں بے نور جن کی پتلیاں خوفناک

انداز میں حرکت کر رہی تھیں، ناک کان اور منہ بڑی حد تک مسخ ہو چکا تھا پھٹے ہوئے سیاہ ہونٹوں میں سے لمبے لمبے سفید دانت جھانک رہے تھے اس کے بدن میں جنبش ہو رہی تھی اور وہ آوازیں بھی جنہیں سن کر ہم اس طرف آئے تھے کمرے میں گونج رہی تھیں وہ کہہ رہی تھی۔

"شیمی شیمی میری جان کہاں غائب ہو گئی تھیں تم آہ تم نہیں جانتی مجھے تمہاری ضرورت ہے آہ مجھے تمہاری سخت ضرورت ہے آؤ تو سہی میری جان میرے قریب آؤ تو سہی میری جان میرے قریب آؤ۔" شمائلہ کو شیمی کہہ کر مخاطب کیا جا رہا تھا۔ شمائلہ بے خودی کے سے عالم میں اس کی جانب بڑھی اور اس کے قریب بیٹھ گئی۔ نیلم ساجد علی کے سوکھے ہوئے دونوں ہاتھ فضا میں بلند ہوئے اور اس نے شمائلہ کے بال اپنی مٹھیوں میں جکڑ لئے اس کے لمبے لمبے نوکیلے دانتوں کے دونوں سرے باہر نکل آئے اور آنکھیں انتہائی دہشت ناک انداز میں پھیل گئیں۔ پھر اس کے دانت شمائلہ کی گردن کی جانب بڑھے ہم سب تو دہشت سے گنگ تھے لیکن انسپکٹر فاروق اپنے فرائض جانتا تھا وہ پستول لے کر اندر داخل ہوا اور دوسرے لمحے اس کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔

"خبردار ذرا بھی جنبش کی تو گولیوں سے چھلنی کر دوں گا دونوں کو۔" اس آواز نے بڑا زبردست کام کیا ایک تو ہماری بھی ہمت بندھ گئی دوسرے نیلم ساجد علی بری طرح اچھل پڑی اور اس نے شمائلہ کو چھوڑ دیا شمائلہ کو جیسے ہوش آ گیا تھا وہ دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہمیں دیکھنے لگی۔ انسپکٹر فاروق کی اس جسارت کے بعد ہم بھی اندر داخل ہو گئے تھے۔ شہباز نے فوراً ہی بٹن دبا کر کمرے کی تیز روشنیاں جلا دیں اور کمرے کا سنسان ماحول ایک عجیب سی خوفناک کیفیت پیش کرنے لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لمحات سے ہم گزر رہے تھے ان میں بڑے سے بڑے دل والوں کا پتہ پانی ہو سکتا تھا۔ لیکن بہرحال ہم دشمن کے سر تک پہنچ گئے تھے۔ نیلم ساجد علی اپنی بھیانک آنکھوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔ اس نے ہم میں سے ایک ایک کو دیکھا اور اس کے بعد بڑی کمزور آواز میں بولی۔

"کون ہو تم لوگ اور کیوں گھر میں گھس آئے ہو۔ کیا تم ڈاکو ہو، قانون شکن ہو، کوئی قانون نہیں جانتے تم۔ میں ایک بیمار عورت ہوں میری حالت دیکھ رہے ہو اس کے بعد تمہارا یہ جارحانہ انداز، لڑکے تیرے ہاتھ میں یہ پستول کیوں ہے؟ اور تو ہمیں دھمکیاں کیوں دے رہا ہے آخر تو کیا چاہتا ہے؟"

"مکار عورت مجھے صرف تیری موت درکار ہے۔" انسپکٹر فاروق نے پستول کو

جنبش دے کر کہا۔

"تعجب کی بات ہے مجھ جیسی بیمار اور تقریباً موت کے قریب عورت کے خلاف کسی کے دل میں اگر یہ تصور پیدا ہو جائے تو میرے لئے بڑی حیرت کی بات ہے تمہیں مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہے لڑکے؟"

"یہ ابھی تم کیا کر رہی تھیں اس لڑکی کے ساتھ۔"

"وہ تو اس لڑکی سے ہی پوچھو یہ بیچاری معصوم لڑکی بس یوں سمجھ لو کہ میری خدمت گار ہے یہ مجھے زندگی دینے کی کوشش کر رہی ہے آہ کتنی عظیم ہے یہ میرے لئے تم لوگ کیا جانو' شائلہ...... تیمی...... مجھے سہارا دے کر بٹھاؤ ان لوگوں کو یا تو میرے بارے میں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے یا پھر یا پھر...... کیا کہوں مجھے سہارا دو......" لیکن شائلہ اب اپنی جگہ سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے ہوش آ گیا ہو بالکل یوں لگتا تھا جیسی وہ کسی طلسم سے آزاد ہو گئی ہو۔ نیلم ساجد علی دو تین بار کراہی پھر خود ہی کوشش کر کے اٹھ کر بیٹھ گئی اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "بچو! میں ذرا واش روم تک جاؤں گی' براہ کرم میری مدد کرو۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ تمہیں مجھ سے کیا دشمنی ہے؟"

"نیلم ساجد علی تمہارا سارا کھیل ختم ہو گیا ہے۔"

"کیا نام لیا تم نے میرا نیلم ساجد علی' نیلم کسی عورت کا نام ہے اور ساجد علی کسی مرد کا لیکن تم یقین کرو ان دونوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے آہ براہ کرم مجھے ایک لمحے کے لئے۔" وہ کپکپاتے ہوئے پیروں سے اٹھی انسپکٹر فاروق ہی نہیں ہم سب بھی اس کا گہرا جائزہ لے رہے تھے اس کا رخ واش روم کی جانب تھا دفعتاً ہی انسپکٹر فاروق تیزی سے واش روم کی جانب لپکا اور اس نے اٹیچ باتھ روم کا دروازہ کھول دیا لیکن اس وقت بجلی سی چمک گئی باتھ روم تو خیر محفوظ تھا وہاں سے باہر نکلنے کی کوئی جگہ نہیں تھی لیکن ہم اس کھڑکی کو نظرانداز کر بیٹھے تھے جس کا پردہ ہوا کے جھونکوں سے خاصا اونچا اٹھ جاتا تھا اس دور میں ایسی کھڑکیاں گھروں میں نہیں ہوتیں جن میں نہ شیشے ہوں نہ سلاخیں۔ بس خالی سپاٹ دروازے جو باہر کی جانب کھلتے ہوں اور جن میں شیشے لگے ہوئے ہوں ایسی کھڑکی کسی خاص مقصد کے تحت ہی بنائی جاتی ہے۔ نیلم ساجد علی جو دیکھنے میں بظاہر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اب دو قدم چلنا بھی اس کے لئے ممکن نہ ہو اسی کھڑکی کی جانب دوڑی تھی اور پھر اس نے ایک دم باہر چھلانگ لگا دی تھی۔ انسپکٹر فاروق جو واش روم میں ہی جھانک رہا تھا چونک پر پلٹا تھا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا صورت حال اس کی سمجھ میں

نہیں آئی تھی' لیکن ڈاکٹر آفتاب کے حلق سے ایک چیخ سی نکلی ادھر اس کھڑکی سے ادھر اس کھڑکی سے...... انسپکٹر فاروق پتہ نہیں صورت حال کو سمجھا یا نہیں سمجھا لیکن بہرحال وہ کھڑکی کی طرف دوڑا اور الجھے ہوئے انداز میں اس نے پردہ سرکایا پھر برق رفتاری سے کھڑکی سے دوسری جانب نکل گیا' شہباز اور ڈاکٹر آفتاب وہیں کھڑے رہ گئے تھے جبکہ میں نے بھی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگائی تھی انسپکٹر فاروق ایک سمت دوڑا چلا جا رہا تھا مکان کا چھوٹا سا احاطہ سنسان پڑا ہوا تھا اور انسپکٹر فاروق احاطے کی پچھلی دیوار کے قریب تھا۔

"نکل گئی بدبخت...... آہ نکل گئی وہ بدروح تھی یہ دیوار دیکھ رہے ہو اس نے اس طرح دوڑ کر یہ دیوار عبور کی جیسے فضا میں پرواز کر رہی ہو اور اور......" میں نے بھی اس دیوار کو دیکھا اگر ہم دونوں دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرتے تو ہمیں کوئی خاص فائدہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ اتنی دیر میں نہ جانے کہاں سے کہاں نکل چکی ہو گی جو ہولناک عورت اتنی اونچی دیوار چھلانگ کر فضا میں پرواز کرتی ہوئی نکل گئی ہو بھلا اب احاطے کے دوسری طرف اس کے ملنے کے کیا امکانات ہو سکتے تھے۔ انسپکٹر فاروق نے زور سے گردن جھٹکی اور پھر پستول ہولسٹر میں لگا کر واپس پلٹا ہم دونوں اسی کھڑکی سے اندر آئے تھے اندر کا ماحول اب بدل گیا تھا۔ شائلہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ایک کوچ پر بیٹھی ہوئی تھی اور ڈاکٹر آفتاب اور شہباز اس کی جانب دیکھ رہے تھے دونوں کھڑکی سے اندر داخل ہو گئے تو شہباز نے بے اختیار پوچھا۔

"نکل گئی؟"

"ہاں۔ تھی چڑیل...... پر بچ گئی......" اور اس کے بعد ہم شائلہ کی جانب متوجہ ہوئے۔ "اور تم شائلہ تم ہم لوگوں کو دھوکہ دے کر یہاں تک آئی تھیں۔" شائلہ نے کوئی جواب نہیں دیا تو شہباز نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "چلو خیر...... تمہاری ممی تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔" شائلہ نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ کچھ شرمندہ شرمندہ سی تھی کچھ تھکی تھکی سی' ہم اسے لے کر واپس چل پڑے انسپکٹر فاروق نے پولیس کانسٹیبلوں کو کچھ ہدایات دیں اور انہیں اسی مکان پر تعینات کر دیا گیا راستے میں فریدہ خاتون کے گھر کی جانب سفر کرتے ہوئے ہم لوگ باتیں کر رہے تھے۔

امکان یہ ہے کہ اب وہ یہاں کبھی نظر نہیں آئے گی لیکن یہ بات بھی تو ہے کہ وہ شیطانی قوتوں کی مالک تھی اگر وہ نظر آ بھی گئی تو ہم کم از کم اسے گرفتار نہیں کر سکیں گے ہاں یہ الگ بات ہے کہ اسے گولیاں مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ اس گفتگو کے دوران ہم

شمائلہ کے چہرے کا بھی جائزہ لے رہے تھے۔ اس کے چہرے پر کوئی خاص بات نہیں تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ یا تو اب وہ نیلم علی کے ٹرانس سے نکل آئی ہے یا پھر اسے اب بھی مصلحت سے کام لینا پڑ رہا ہے اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کرنا مشکل تھا آخر کار ہم فریدہ بیگم کے گھر پہنچ گئے۔ بیچاری فریدہ بیگم بڑے عجیب و غریب انداز میں ہمارا انتظار کر رہی تھیں ہمیں دیکھا اور اس کے بعد اپنی بیٹی کو دیکھا۔ اضطراب کے عالم میں کھڑی ہو گئیں دونوں ہاتھ پھیلا کر شمائلہ کی جانب لپکیں۔ شمائلہ نے سر جھکا دیا تھا فریدہ بیگم اسے اپنے سینے سے لگائے کھڑی رہیں۔ دیر تک یہ جذباتی منظر سامنے رہا پھر شمائلہ بیگم نے کہا۔

"زندگی واپس کرنے والوں کا شکریہ ادا نہیں کیا جاتا ان کے سامنے صرف سر جھکا دیئے جاتے ہیں۔ تم سب نے میری بیٹی کو بچانے کے لئے میرے ساتھ جو تعاون کیا میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ اس کا بھرپور شکریہ ادا کر سکوں۔ اس لیے تمہارا شکریہ ادا نہیں کروں گی۔ ہاں یہ دعا ضرور دوں گی تمہیں کہ اللہ پاک تم لوگوں کو تمہاری ان نیکیوں کا صلہ دے۔" فریدہ بیگم کو ہم نے کچھ خصوصی ہدایات کیں اور یہ بتایا کہ وہ خوفناک چڑیل زندہ ہے اور ابھی اس سے احتیاط برتنی ہوگی۔ فریدہ بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا بس انہوں نے یہ کہا تھا کہ وہ خیال رکھیں گی پھر ہم وہاں سے چلے آئے۔ زندگی کے لاتعداد مشاغل تھے چنانچہ ایک شمائلہ کا سلسلہ نہیں تھا تین چار دن کے بعد انسپکٹر فاروق سے ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا کہ نیلم ساجد علی نے دوبارہ اس طرف رخ نہیں کیا اور اب شاید اس کے امکانات نہیں ہیں۔ ادھر ایک دو بار فریدہ بیگم کو بھی فون کیا گیا' انہوں نے خیریت بتائی اور یہی کہا کہ شمائلہ بالکل ٹھیک ہے۔ پھر غالباً تین یا چار دن مزید گزر گئے۔ شہباز اور میں نے اپنی آنکھوں سے شمائلہ کا جائزہ لینے کے لئے ایک دن فریدہ بیگم کے ہاں پہنچے تو دروازے پر تالا لگا ہوا ملا اور جب ہم وہاں سے واپس پلٹے تو سامنے سے ایک چوکیدار آتا ہوا نظر آیا۔ اس نے قریب آکر ہمیں سلام کیا اور بولا۔ "آپ صاحب جی شہباز ہو نا.......... شہباز صاحب..........؟"

"ہاں کیوں خیریت؟"

"اس گھر کا بیگم صاحب نے آپ کے لئے ایک پرچہ دیا تھا اور ہم سے بول گیا تھا کہ آپ ادھر آؤ تو وہ پرچہ آپ کو دے دیا جائے۔"

"مگر تم مجھے کیسے پہچانتے ہو؟" شہباز نے کہا۔

"صاحب آپ کا یہ نیلے رنگ کا کار اور اس کا نمبر بیگم صاحب ہمیں بتا گیا تھا۔" شہباز نے جلدی سے پرچہ کھول کر دیکھا ایک مختصر سی تحریر تھی۔

شہباز! سلامت رہو بیٹے۔

تم لوگوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ کمبخت چڑیل زندہ ہے فرار ہو گئی ہے اور کسی وقت بھی اس کی واپسی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ میں عورت ذات ہوں ایک ہی بچی کی ماں۔ میرا اور کوئی بھی نہیں۔ شمائلہ کو موت کے شکنجے سے بچانے کے لئے تم لوگوں نے جس طرح میرا ساتھ دیا ہے۔ رہتی دنیا تک میں اس کے لئے شکر گزار رہوں گی اور تمہیں دعائیں دیتی رہوں گی لیکن اب اس شہر میں رہنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ افسوس میں تمہیں بھی یہ نہیں بتا سکتی کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے کبھی یہاں واپسی ممکن ہو کیوں کہ بہرحال اس شہر سے ہی زندگی کی ساری یادیں وابستہ ہیں اور یہیں میں نے سب کچھ کیا ہے ہاں یہ واپسی اس وقت ممکن ہو گی جب کبھی کہیں سے مجھے یہ پتہ چل جائے گا کہ وہ چڑیل فنا ہو چکی ہے۔ سمجھے۔ بہرحال ایک بار پھر تمہارا شکریہ میرے کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی تم نے میرا بڑا ساتھ دیا ہے۔

فریدہ

شہباز نے خط پڑھ کر ایک طویل سانس لی میں بھی وہ خط پڑھ چکا تھا اس کے بعد اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے ظاہر ہے وہ دوسروں پر بھی تو بھروسہ نہیں کر سکتی تھی۔ او کے۔ آؤ چلو چلتے ہیں۔" زندگی کے شب و روز اسی طرح گزرتے رہے۔ شہباز کے گھر میں میرے لیے بڑی وسعتیں تھیں۔ ان لوگوں نے مجھ پر احسانات کے انبار لاد دیئے تھے۔ حالانکہ رہ رہ کر مجھے یہ احساس ہوتا تھا کہ مجھ سے کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ بس ایک طرح سے شہباز کا دوست ہوں اور اسی کی بنیاد پر یہاں میرا قیام ہے لیکن یہ بنیاد کافی نہیں تھی کوئی بائیس تیئس دن گزر چکے تھے ان تمام واقعات کو۔ ایک دن ہم اپنے مخصوص کلب پہنچے اس کلب ہی سے شمائلہ کی یاد وابستہ تھی اور یہیں سے نیلم ساجد علی کا کھیل شروع ہوا تھا۔ کلب میں بہت سی شناسائیاں تھیں۔ لوگوں سے ملاقات کرتے پھرے' نیلم ساجد علی یاد آئی تو شہباز نے کچھ لوگوں سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں لیکن وہاں سے یہی پتہ چلا کہ نیلم ساجد علی کا کوئی وجود نہیں رہا ہے اور اب وہ یہاں نہیں آتی' انسپکٹر فاروق نے بھی حتمی طور پر یہ بتایا تھا کہ ہر طرح نیلم ساجد علی کا جائزہ لے لیا گیا ہے وہ اس مکان میں واپس کبھی نہیں آئی۔ انسپکٹر فاروق نے کہا۔ "وہ ایک غیر انسانی شخصیت ہے تم نے دیکھا کیا حلیہ ہو رہا تھا اس کا لیکن اس کے باوجود وہ اس طرح بھاگی کہ ہم اس کی گرد بھی نہیں پا سکے۔ میرے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ ذہنی طور پر بھی اتنی ہی

طاقتور ہے اور اسے اس بات کا علم تھا کہ ہم اتنی آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے چنانچہ وہ فرار ہوگئی اور اس کے بعد اس نے ادھر کا رخ نہیں کیا شاید کرے بھی نہیں۔ اس کے علاوہ میں نے مکان کی تلاشی بھی لے لی ہے کچھ بھی نہیں ہے سوائے فرنیچر کے۔ کاغذ کا ایک پرزہ بھی نہیں ملا مجھے نہ ہی کوئی روپیہ پیسہ وغیرہ۔"

☆======☆======☆

بہرحال اس طرح سے نیلم ساجد علی کا کیس ختم ہوگیا تھا لیکن ایک دن یہ داستان پھر سے زندہ ہوگئی۔ شہباز کے دوست کے گھر پارٹی تھی کوئی بہت ہی صاحب حیثیت آدمی تھا جس کی کوٹھی میں یہ پارٹی تھی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وسیع و عریض لان پر انتظام کیا گیا تھا۔ ایک طرف پارکنگ لاٹ تھی جس میں بے شمار کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ دوسری جانب سرسبز و شاداب گھاس پر درختوں کے درمیان اس طرح کرسیاں لگائی گئی تھیں کہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں بہت ہی حسین منظر نگاہوں کے سامنے تھا۔ ہم لوگ بھی تیار ہو کر وہاں پہنچ گئے۔ خواتین خوش گپیاں کر رہی تھیں۔ امیر لوگوں کا طرز زندگی صحیح معنوں میں سامنے آرہا تھا معزز بیگمات اور ان کی حسین صاحب زادیاں۔ شہباز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"گل شیر! یہ بتاؤ زندگی میں یہ رنگینیاں بنیادی حیثیت نہیں رکھتیں۔" میں کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر میں نے کہا۔

"اصل میں بنیادی حیثیت تو نہیں کہہ سکتے میرا یہی خیال ہے کیونکہ بنیادی حیثیت میں بڑے وسیع معنی آجاتے ہیں۔ زندگی کی وسعتوں کا ایک حصہ یہ رنگینی ضرور ہے حقیقت ذرا مختلف ہے۔ بہرحال ہو سکتا ہے تم جو کچھ کہہ رہے ہو سچ کہہ رہے ہو۔" ہم لوگ باتیں کرتے رہے شہباز کی بھی خاصی شناسائیاں تھیں بہت سے لوگ اسے ملتے رہے بڑے آدمیوں کی پارٹی تھی۔ سارے کام بڑے ہو رہے تھے۔ بہت سے افراد تھے۔ رقص کے لئے موسیقی شروع ہوگئی اور جوڑے رقص کے لئے فرش پر جانے لگے جو عارضی طور پر اس لان پر ہی بنایا گیا تھا اور یہ رسم بھی جاری ہوگئی۔

تھرکنے والے اپنے وجود کی کیفیت سے بے نیاز تھرک رہے تھے میں شہباز کے ساتھ ایک میز پر بیٹھا ہوا رقص دیکھ رہا تھا کہ اچانک ہی میری نظر ایک طرف اٹھ گئی بہت ہی حسین بے پناہ حسین سفید لباس میں ملبوس ایک حسین عورت درختوں کے ایک کنج کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اس کی آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں لیکن یہ

آنکھیں مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی برقی رو ان آنکھوں سے نکل کر براہ راست مجھ تک پہنچ رہی ہو یہ رو درمیان کی ہر چیز کو کراس کرتی ہوئی مجھ تک آرہی تھی۔ اور یہ آنکھیں میں ان آنکھوں کو نہیں بھول سکتا تھا۔ نیلم ساجد علی جب اپنے صحیح رنگ و روپ میں حسین و جمیل عورت کی حیثیت سے پہلی بار میرے سامنے آئی تھی تو میں نے ان آنکھوں پر غور کیا تھا اور دل میں سوچا تھا کہ یہ آنکھیں کسی کو سحر میں گرفتار کرنے کے لئے بڑی مضبوط شخصیت رکھتی ہیں۔ آہ یقیناً وہ نیلم ساجد علی ہی تھی اپنے اسی حسین روپ میں۔ میں نے ایک لمحے کے لئے ذہن کو جھٹکا اور زور سے شہباز کی کلائی پکڑ لی۔ میرے ہاتھ کی گرفت پر چونک کر شہباز نے مجھے دیکھا اور حیرت سے بولا۔ "ارے ارے کلائی توڑو گے میری۔ طاقت کا مظاہرہ کر رہے ہو کیا بات ہے کیا ہوگیا؟"

"شہباز وہ دیکھو وہ اس طرف درخت کی اس کنج کے پاس۔" شہباز نے میرے اشارے پر اس طرف دیکھا اور ایک دم سے اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اس کے منہ سے آواز نکلی۔

"نیلم ساجد علی۔" اور اس کے ساتھ وہی برق رفتاری سے میز سے کھڑا ہوگیا۔

"رکو شہباز رکو۔" میں نے اپنی کرسی پیچھے کھسکاتے ہوئے کہا۔ ہم دونوں تیزی سے اس جانب لپکے فاصلہ کافی تھا اور درمیان میں بہت سی میزیں بچھی ہوئی تھیں ہم نے سفید پوش عورت کو برق رفتاری سے ایک سمت جاتے ہوئے دیکھا۔

"بھاگو وہی ہے۔" شہباز نے کہا اور ہم تمام اخلاقیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میزوں کے درمیان دوڑنے لگے بہت سے لوگوں نے ہمیں حیران نگاہوں سے دیکھا تھا نیلم ساجد علی اس دوران کسی ہوا کی طرح عمارت کے گیٹ سے باہر نکل گئی تھی۔ حالانکہ ہماری کار پارکنگ لاٹ پر کھڑی تھی اسے نکالا بھی جا سکتا تھا لیکن چونکہ وہ پیدل اس طرح دوڑی تھی اس لیے ہم بھی اس طرف دوڑ گئے تھے۔ البتہ جب ہم نے گیٹ سے باہر قدم رکھے تو اس کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ ہم پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتے رہے۔ شہباز نے مدہم لہجے میں کہا۔ "لو یہ مصیبت پھر سے زندہ ہوگئی یار یہ تو بڑی گڑبڑ ہوگئی اب کیا کریں؟" لیکن ظاہر ہے اس کا اب "کیا کریں" کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ بہت دیر تک ہم وہاں کھڑے رہے اور اس کے بعد یہی بہتر سمجھا کہ واپس پلٹ پڑیں گھر آنے کے بعد ہم دونوں ایک ہی کمرے میں بیٹھے تشویش سے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے۔ پھر میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"بہرحال شہباز! فریدہ آنٹی کا یہاں سے نکل جانا ہی اچھا ہوا یقینی طور پر یہ عورت

شائلہ کا پتہ نہیں لگا سکی لیکن یار کیا شئے ہے؟"

"دادا جان تمہیں اس بارے میں تفصیل سے بتا چکے ہیں۔ اس لئے اب اس پر غور کرنا ہی بیکار ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" میں نے مدہم لہجے میں کہا۔ بہر طور ساری باتیں اپنی جگہ میں بھی سنسنی محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ رات بھر برے برے خواب آتے رہے تھے۔ دوسرے دن ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد معمول کے مشاغل میں وقت گزرا۔ شہباز بھی ساتھ ہی موجود تھا باہر سے ملازم نے اطلاع دی کہ ڈاکٹر آفتاب آئے ہیں۔ ڈاکٹر آفتاب ایک مصروف آدمی تھا۔ اس کا آنا بے مقصد نہیں ہو سکتا تھا۔ بس یہ خیال آیا تھا دل میں کہ کہیں ڈاکٹر آفتاب نے بھی تو نیلم ساجد علی کو نہیں دیکھ لیا۔ ڈاکٹر آفتاب اندر آیا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ خاصا دہشت زدہ نظر آ رہا تھا آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں لباس بھی بے ترتیب تھا۔ ہم دونوں سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے کہا۔ "شکر ہے کہ تم دونوں گھر پر ہی مل گئے میں یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نہ ملو۔"

"فون کر لیتے یہ خدشہ دور ہو جاتا۔"

"بڑا اپ سیٹ ہوں میں بہت زیادہ۔ نیلم ساجد علی تو نظر نہیں آئی تم لوگوں کو؟"

"کیوں خیریت؟" ہم دونوں نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"یار ایسا لگتا ہے جیسے اب وہ ہمارے خلاف کچھ کرنے پر آمادہ ہے۔"

"مطلب؟"

"تمہیں میرے کلینک کے بارے میں تو معلوم ہے نا میں کلینک میں تھا اور او پی ڈی کر رہا تھا۔ ایک مریضہ کے پاس پہنچا چادر اوڑھے لیٹی ہوئی تھی میرے اسسٹنٹ نے مجھے بتایا تھا کہ شاید اس کے اپنڈکس کا درد اٹھتا ہے۔ قریب پہنچ کر میں نے اس سے کہا کہ بی بی چہرہ کھولو اور اس کے بعد میں نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے چہرے کی چادر ہٹا دی' وہ نیلم ساجد علی تھی۔ انتہائی خوبصورت شکل و صورت کی مالک اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اس کے چہرے پر نفرت کے نقوش تھے پھر اس نے سرد لہجے میں کہا کہ ڈاکٹر آفتاب تم لوگوں نے جو کچھ کیا ہے اس کے بعد تم اپنی خیریت مناؤ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔ یہ کہہ کر اس نے چادر دوبارہ اوڑھ لی میں نے اپنے اسسٹنٹ کو دیکھا وہ مجھ سے کافی فاصلے پر موجود تھا ایک دوسرے مریض سے گفتگو کر رہا تھا اور پھر جب میں نے واپس بستر کی طرف دیکھا تو تو تو.........."

"ہاں تو کیا ہوا؟"

"یار بستر خالی تھا وہ موجود نہیں تھی' ساری تفتیش کی لیکن کوئی خاص بات نہیں معلوم ہو سکی۔ اتنا ہی پتہ چل سکا کہ اس بستر پر ایک مریضہ کا اندراج ہوا تھا وہ درد میں مبتلا تھی اسے انٹروینس لگا دیا گیا تھا اور یہ سوچا گیا تھا کہ اس کا آپریشن کر دیا جائے گا لیکن پتہ نہیں کیا ہوا وہ کہاں غائب ہو گئی یہ کیفیت ہے بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تم یقین نہیں کرو گے کہ وہ کس قدر خوبصورت نظر آ رہی تھی کمبخت نے.........." ہم دونوں نے تشویش سے ایک دوسرے کی صورت دیکھی بہرحال ڈاکٹر آفتاب کو اس سے لاعلم نہیں رکھا جا سکتا تھا چنانچہ میں نے اسے بتایا کہ ہم بھی اسے دیکھ چکے ہیں ڈاکٹر آفتاب نے کہا۔ "اصل میں.......... ویسے تو خیر ہم اتنا نرم چارہ نہیں کہ کوئی ہمیں آسانی سے نگل جائے لیکن نہ جانے کیوں اس عورت کو دیکھ کر دل پر اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ انسپکٹر فاروق کو بتاؤ ہو سکتا ہے وہ اس سلسلے میں کچھ کرے۔" ہم لوگ یہ فیصلہ کرنے کے بعد اس تھانے پہنچ گئے جہاں انسپکٹر فاروق تعینات تھا اسے ساری صورت حال بتائی تو اس نے تشویش زدہ لہجے میں کہا۔

"بہرحال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ایک سنسنی خیز عمل ہے اور عورت واقعی بے حد پراسرار اور خوفناک شخصیت تم لوگ ایسا کرو اپنے طور پر محتاط رہو کیونکہ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ زندہ ہے اور ہم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے اب جب تم یہ بات کہہ رہے ہو تو میں تمہیں بتاؤں کہ وہ کسی غلط ارادے سے ہم لوگوں کے اردگرد چکرا رہی ہے۔" انسپکٹر فاروق کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی جس نے ہمیں چونکا دیا شہباز نے پراسرار انداز میں پوچھا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ وہ؟"

"ہاں سو فیصدی تم اس بات پر یقین کر لو کہ وہ ہمارے اردگرد چکرا رہی ہے۔"

"انسپکٹر کوئی واقعہ پیش آیا ہے تمہارے ساتھ؟"

"میں تمہیں خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا دو دن پہلے وہ میرے گھر پہنچی تھی اور میری بیوی کے پاس بیٹھ کر اس سے باتیں کر رہی تھی وہ ہمارے خاندان کے بارے میں پوچھ رہی تھی اور اس نے اپنا تعارف نیلم احمد کے نام سے کرایا تھا۔ اتفاق کی بات یہ کہ میں اسی وقت گھر پہنچا باہر سبز رنگ کی ایک کار کھڑی ہوئی تھی جس کا نمبر انتیس انتیس تھا میرے لئے یہ کار اجنبی تھی لیکن بہرحال جب میں اندر پہنچا تو اچانک ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی میں اسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا وہ تیزی سے باہر نکلی اور اس کے بعد کار میں بیٹھ کر ہوا ہو

گئی۔ میں نے اپنی بیوی سے اس کے بارے میں پوچھا تو وہ خود حیران نظر آنے لگی اس نے کہا کہ وہ تو بڑی اچھی عورت ہے مجھ سے تعلقات بڑھا رہی تھی بڑی عجیب عجیب باتیں کر رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اس ملک میں اجنبی ہے۔ ماں باپ یہیں سے تعلق رکھتے تھے لیکن وہ باہر کے ممالک میں پروان چڑھی ہے اور اب یہاں بحالت مجبوری آگئی ہے اسے اچھے دوست ساتھی چاہئیں لیکن تمہیں دیکھ کر نہ جانے وہ کیوں ایک دم بھاگ اٹھی کوئی گڑ بڑ ہے کیا؟ بیوی کو تو خیر میں نے کچھ نہیں بتایا۔ عورت ذات خوفزدہ ہو جاتی ہے لیکن میں اس وقت سے بہت پریشان تھا۔ بہرحال ایک پولیس مین ہونے کی حیثیت سے کچھ کام خود بخود کر لیا تھا۔ چنانچہ میں نے کار کا نمبر نوٹ کر لیا تھا۔ خود بخود ذہن میں نوٹ ہو گیا تھا۔ کار کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ رینٹ اے کار سے حاصل کی گئی تھی۔ حاصل کرنے والے کا نام پتہ دیکھا تو وہ بھی نیلم احمد کے نام سے ہی تھا۔ پتہ البتہ غلط لکھوایا ہوا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی صحیح بات پتہ نہیں چل سکی۔" ہم سب کے چہرے پر یکساں کیفیت نظر آرہی تھی۔ ڈاکٹر آفتاب سب سے زیادہ خوفزدہ تھا کہنے لگا۔ یار کہیں کوئی گڑ بڑ نہ ہو جائے۔ بس احتیاط رکھو۔ اور پھر ڈاکٹر آفتاب سے ملاقات کے تیسرے دن آخر کار گڑ بڑ ہو گئی۔ انسپکٹر فاروق ہی کا فون ملا تھا۔ شہباز نے فون ریسیو کیا تھا اور پھر وہ بری طرح اچھل پڑا تھا میں اس وقت ساتھ ہی موجود تھا اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"کک.........کہاں.........کیسے؟" اور اس کے بعد وہ سنتا رہا تھا میں نے تو خیر یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ کس کا فون ہے لیکن شہباز کے چہرے کے تاثرات سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی بہت ہی خاص بات ہے اس گھر میں میری بڑی عزت تھی بڑی محبت کرتے تھے سب لوگ مجھ سے بڑا اچھا وقت گزر رہا تھا لیکن بہرحال ہر جگہ تھوڑی سی احتیاط کرنا ضروری ہوتی ہے میں نے بھی کم از کم اتنی احتیاط ضرور کی تھی کہ اپنی حد کا خیال رکھا تھا۔ اب شہباز سے یہ تو نہیں پوچھ سکتا تھا کہ کس کا فون ہو سکتا ہے کوئی ذاتی ہی معاملہ ہو لیکن فون کرنے کے بعد میں نے شہباز کی پیشانی پر پسینے کے قطرات دیکھے وہ میری طرف دیکھ کر خوفزدہ لہجے میں بولا' ڈاکٹر آفتاب کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس انکشاف پر میری جو کیفیت ہونی چاہئے تھی وہی ہوئی۔ ساکت رہ گیا۔

"اور اس کی گردن پر دو گول سرخ نشانات ہیں ایک ایسے خون آشام کے دانتوں کے نشانات جس نے اس کے بدن سے سارا خون چوس لیا ہے۔"

"لیکن کس کا فون تھا؟"

"انسپکٹر فاروق کا۔"

"کہاں ہے وہ اس وقت؟"

"آؤ چلتے ہیں۔" راستے میں شہباز نے مجھے بتایا کہ انسپکٹر فاروق ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ ہم لوگ وہاں پہنچ گئے وہ اپنے آفس ہی میں بیٹھا ہوا تھا ہمیں دیکھ کر پھیکے انداز میں مسکرایا اور بولا۔ "ایک فلمی کہانی کا آغاز ہو گیا ہے ڈاکٹر آفتاب اس دنیا سے رخصت ہو گیا وہ اپنے گھر کے بیڈ روم میں مردہ پایا گیا اور اس کی بیوی نیم پاگل ہو گئی ہے۔ اس کے ماں باپ وہاں آگئے ہیں یہ بالکل معلوم نہیں ہو سکا کہ ڈاکٹر آفتاب پر کیا گزری ہے لیکن بہرحال لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھیجی گئی ہے۔ البتہ میں نے اس کا جائزہ لیا ہے اور سو فیصدی نیلم ساجد علی کا کیس نظر آتا ہے۔ یار یہ تو بڑی گڑ بڑ ہو گئی کیا کیا جائے؟ کچھ نہیں کر سکتے بہرحال دیکھتے ہیں تم لوگوں کو میں پہلے ہی ہوشیار کر چکا ہوں اپنے بیڈ روم کے دروازے مضبوطی سے بند رکھو بھرا ہوا پستول ساتھ رکھو اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی۔" انسپکٹر فاروق کے پاس سے جب ہم واپس پلٹے تو میں نے شہباز سے کہا۔

"کیوں نہ اس سلسلے میں دادا ابو سے مشورہ کیا جائے۔ وہ تو بڑے علوم کے ماہر ہیں ہو سکتا ہے ہمیں اس چڑیل سے بچنے کے لئے کوئی راستہ مل جائے۔"

"دادا ابو نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"پرسوں صبح ہی تو وہ گئے ہیں اصل میں ان کا آنا جانا انتہائی پراسرار ہوتا ہے وہ اتفاق سے میں نے امی سے معلوم کر لیا تھا تب مجھے پتہ چلا کہ دادا ابو اپنے کسی دوست سے ملنے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔"

"اوہ! حالات بتا رہے ہیں کہ کوئی گڑ بڑ ہو گی اور امکان اس بات کا ہے کہ معاملہ خطرناک حد میں داخل ہو جائے۔" بہرحال مجھ پر بھی خوف طاری تھا۔ رات کو اپنے بیڈ روم میں' میں نے تمام کھڑکیاں دروازے بند کر لئے تھے بھرا ہوا پستول ساتھ رکھا تھا جو مجھے شہباز نے فراہم کیا تھا۔ میں نے شہباز کو بھی محتاط رہنے کی ہدایت کی تھی اور شہباز نے سنجیدگی سے گردن ہلا دی تھی۔ میں بڑے عجیب انداز سے سوچتا رہا تھا اور میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ آنٹی فریدہ اپنی بیٹی شمائلہ کو لے کر شہر سے چلی گئی تھیں اور اس چڑیل کے ہاتھوں سے محفوظ ہو گئی تھیں۔ کیوں نہ میں بھی خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں بہت دیر تک اس بات پر سوچتا اور غور کرتا رہا تھا دل تو چاہا تھا کہ واقعی ایسا ہی کروں لیکن پھر مردانگی ابھر آئی میں نے سوچا کہ دو اور افراد بھی تو ہیں وہ اس مشکل کا

شکار ہیں انہیں چھوڑ کر بھاگ جانے کا مقصد ہے کہ جب بھی وہ مجھے یاد کریں گے انتہائی نفرت سے یاد کریں گے۔ یہ تو بزدلی کا ایک شدید عمل ہے جو میں کروں گا۔ چنانچہ بس یہ نہ کر سکا ضمیر نے اجازت نہیں دی تھی لیکن ضمیر کے اجازت دینے نہ دینے سے کیا ہوتا ہے یہی رات ایک اور بھیانک رات بن گئی۔

اس وقت جب میں اپنے کمرے میں سو رہا تھا اچانک ہی چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیں یہ آوازیں اندر سے آ رہی تھیں۔ میری آنکھ کھل گئی چیخ و پکار کی دہشت ناک آوازوں نے میرا بدن ساکت کر دیا تھا اور میں بستر پر بیٹھ کر خالی خالی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک دھماکہ سا ہوا اور میں اٹھ کر باہر بھاگا وہی ہوا جس کی امید تھی شہباز کے کمرے کے سامنے مجمع لگا ہوا تھا۔ نوکر وغیرہ کھڑے ہوئے تھے۔ اندر سے رونے پیٹنے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ تب میں نے شہباز کو دیکھا اس کا آدھا جسم مسہری پر تھا آدھا نیچے لٹکا ہوا تھا اور گردن میں دائیں سمت دو گول سوراخ نظر آ رہے تھے اور اس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہ گیا سیدھی سی بات تھی کوئی شاید اس بات کو نہیں جانتا ہو گا لیکن میں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ بہرحال بعد کی تفصیل بے مقصد ہی ہے انسپکٹر فاروق کو البتہ میں نے فون کر دیا تھا اور انسپکٹر فاروق سادہ کپڑوں میں آ گیا تھا۔ میں نے فاروق سے کہا۔ ”فاروق! کیا کرنا چاہیے؟ میرا عزیز دوست رخصت ہو گیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہم دونوں بھی بچ جائیں گے۔ شہباز پر کیا گزری اس بارے میں بھلا کون بتا سکتا ہے؟ لیکن یہ نشان............“

”خاموش رہو یہاں کسی کو یہ بتاؤ گے تو سارے کے سارے پریشان ہو جائیں گے ویسے بھی بے چارے اس جوان موت کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے خوف اور بیدار ہو جائے گا ان کے اندر۔ اپنے طور پر یہ کچھ بھی سوچتے رہیں۔ میں بہت پریشان ہوں تم ایسا کرو یہاں سے چلے جاؤ۔ کسی دوسرے شہر۔“

”سمجھ میں نہیں آتا ویسے اب یہاں تو میرا رہنا ممکن نہیں ہے شہباز ہی سے دوستی تھی۔ دادا ابو بھی موجود نہیں ہیں یار یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی فاروق۔ تمہیں پتہ ہے پچھلے دن میں اس پُراسرار مکان کے چکر لگا چکا ہوں اور تم پر ایک سنسنی خیز انکشاف یہ کر رہا ہوں کہ نیلم ساجد علی اسی مکان میں رہتی ہے۔“

”کیا؟“

”ہاں۔“

”لک............ کیسے پتہ چلا کیا وہ تمہیں ملی؟“

”نہیں............ اصل میں یہ بات تو تمہارے علم میں ہے کہ اس مکان کو سیل کر دیا گیا تھا۔ کافی دن تک ایک کانسٹیبل کی ڈیوٹی وہاں لگائی گئی لیکن بعد میں ضرورت نہیں محسوس ہوئی لیکن سیل بدستور لگی ہوئی ہے۔ میں مکان میں داخل ہوا ایک دفعہ پہلے بھی گیا تھا تو میں نے اس کی حالت دیکھی تھی گندا پڑا ہوا تھا بالکل لیکن کل جب میں اندر گیا تو ایک بیڈ روم مجھے صاف ستھرا نظر آیا جسے میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ اس بیڈ روم کے عقب میں ایک کھڑکی کھلتی ہے۔ بالکل ویسی ہی کھڑکی جیسی کھڑکی سے وہ ایک بار نکل کر بھاگی تھی۔ کمرہ بھی وہی تھا' نہیں دوسرا کمرہ تھا لیکن کمرے کا معائنہ کر کے یہ اندازہ ہوا کہ وہ وہاں آتی رہی ہے۔ تو پھر بس شہباز پر یہ گزرے گی یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی۔ میں نے دل میں سوچا تھا کہ ایک پروگرام ترتیب دیا جائے اور اب کے پوری ہمت کے ساتھ اسے گھیر لیا جائے۔ اوہو............ دیر ہو گئی پھر تو............ نہیں معلوم تھا کہ وہ کمبخت شہباز پر اس طرح حملہ کر دے گی۔ آہ ہم دوست اچھے دوستوں سے محروم ہو گئے لیکن بہرحال میں شکست نہیں مانوں گا۔ بولو ہمت کرو گے اس مکان میں جانے کی؟“

”کیا مناسب رہے گا یہ؟“

”بالکل مناسب رہے گا مجھے تو یہ کام کرنا ہے میں بہرحال ایک پولیس آفیسر ہوں۔ بے شک پولیس آفیسر بدروحوں سے نہیں لڑ سکتا لیکن دو افراد کا قتل میرے علم میں ہے اور میں جانتا ہوں کہ انہیں کس سے قتل کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میں اس بارے میں کسی کو کچھ بتا نہیں سکتا کیونکہ الٹی آنتیں گلے پڑ جائیں گی لیکن بہرحال یہ بات میرے علم میں ہے کہ مجھے ریڈ کرنا ہے۔ ہاں تم اگر چاہو بلکہ نہیں میں ایک پوری پولیس فورس کے ساتھ وہاں جاؤں گا۔ جو کچھ بھی بن پڑے گا میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں صرف اس لیے کہ تم بھی ان حالات سے آشنا ہو لیکن اب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ مناسب نہیں ہو گا۔“ کسی بھی خطرے کو قریب نہیں لانا چاہتا تھا اس لئے میں خود بھی خاموش ہو گیا تھا۔ چنانچہ شہباز کے سلسلے میں مصروف ہو جانا پڑا بہرحال شہباز کے اہل خاندان کی جو کیفیت تھی میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا دادا ابو کو بھی شاید اطلاع دے دی گئی تھی لیکن بعد میں مجھے پتہ چلا کہ جس جگہ وہ گئے تھے وہاں موجود نہیں ہیں۔ کسی کام سے کہیں اور گئے ہوئے ہیں۔ یہ تھا سارا کھیل اور اب اس سلسلے میں ایک سنجیدہ بات پر غور کر رہا تھا وہ یہ کہ جس طرح بھی بن پڑے مجھے یہ گھر چھوڑ دینا چاہیے۔ بلکہ واقعی زندگی ایک قیمتی شے ہے اسے بچانے کے لئے مجھے یہ شہر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔

غم کے منحوس سایوں میں لپٹا ہوا یہ گھر اب بڑا تکلیف دہ ہو گیا تھا میرے لئے ویسے شہباز کی موت نے میرے دل پر بہت برا اثر ڈالا تھا میں نے باقی تمام ساری سوچیں نظر انداز کر دیں۔ فاروق شاید آج ہی رات اس گھر پر ریڈ کرنے والا تھا میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ مجھے اپنی کارروائی کے نتیجے سے آگاہ کر دے اور فاروق نے اس کا وعدہ کر لیا تھا۔

اس رات بھی تین ساڑھے تین بجے تک جاگتا رہا اور پھر سو گیا لیکن پوری احتیاط کے ساتھ دروازے بند کر کے پستول تکیے کے نیچے رکھ کر اور دوسری صبح بھی میری لئے بڑی سنگین تھی۔ میں نے خود ہی تھانے فون کیا تھا۔ تھانے سے فاروق کے محرر کی آواز سنائی دی۔ "کون بول رہا ہے بھئی؟"

"انسپکٹر فاروق سے بات کروائیں میں ان کا دوست بول رہا ہوں۔"

"کمال ہے جی کیسے دوست ہو آپ؟ آپ کو انسپکٹر صاحب کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں؟" محرر کی بات نے ایک لمحے کے لئے میرے دل کی حرکت بند کر دی تھی۔ تھوڑی دیر تک تو میری آواز ہی نہیں نکلی پھر بڑی مشکل سے میں نے ہمت کر کے پوچھا۔

"کیا بات ہے کل تو میری ان سے ملاقات ہوئی ہے۔ جلدی بتاؤ کیا بات ہے؟"

"وہ جی رات کو کسی ریڈ پر گئے تھے وہاں شہید ہو گئے۔" محرر کی آواز سنائی دی اور مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ محرر نے ٹیلی فون بند کر دیا تھا لیکن میں ریسیور دیر تک ہاتھ میں لئے کھڑا رہا۔ پھر لرزتے ہاتھوں سے ریسیور رکھ دیا اور میرا سر بری طرح چکرا رہا تھا دل سینے کے پنجرے کو توڑ کر باہر نکلا آ رہا تھا آہ تینوں چلے گئے تینوں ہی چلے گئے۔

ہر ایک اپنی جگہ نایاب شخصیت کا مالک تھا بس اس سے زیادہ اور کیا سنتا دل سینے کے پنجرے کو توڑ کر باہر نکل آ رہا تھا میرے اندر کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں بہت تھوڑی سی زندگی باقی رہ گئی ہے میری لیکن ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اب تو بزدلی کا بھی کوئی تصور بھی باقی نہیں رہ گیا تھا اب کسے اپنی بہادری دکھائی تھی جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے نکل جایا جائے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے وہ کمبخت بدروح یقیناً اب میری ہی تاک میں ہو گی میرا پیچھا نہیں چھوڑے گی وہ۔ زندگی کے بہت سے احساسات سے دور ہو گیا تھا۔ دنیا دیکھی تھی عقل بھی آ گئی تھی۔ چنانچہ بہتر یہی تھا کہ زندگی بچائی جائے۔ بس اس کے بعد بھلا رکنے کا کیا جواز تھا۔ ان لوگوں نے بے شک میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ بڑے احسانات تھے لیکن زندگی باقی رہے تو احسانات اتارے جائیں۔ جب زندگی ہی خطرے میں پڑ گئی ہو تو پھر اپنا کون سا کام کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اسی رات کو میں خاموشی کے ساتھ ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا کوئی تعین نہیں تھا

انکوائری سے پہلی ٹرین کے بارے میں معلوم کیا اور جو سب سے دور جا رہی تھی اس کے ٹکٹ خرید لئے اور پھر ٹرین میں جا بیٹھا ٹرین مجھے لے کر چل پڑی۔ راستے بھر انہی سوچوں میں غرق رہا ہر چیز پر ایک شبہ سا ہوتا تھا۔ ہر طرف خوف کا ایک گمان سا تھا آہ سارے ہی معاملے بے مقصد تھے میری زندگی بھی کتنی عجیب ہے بعض لوگ شروع ہی سے ایسی انوکھی تقدیر لکھوا کر لاتے ہیں کہ خود ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ تقدیر کے یہ موڑ کیا معنی رکھتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے ہر انسان اپنے بارے میں بہت سے خیالات قائم کر لیتا ہے۔ کچھ اپنے آپ کو زندگی کے کسی مقصد کے لئے وقف سمجھتے ہیں۔ میں اپنے بارے میں کیا سمجھوں بھلا میری زندگی کا مقصد کیا تھا اب تک تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ جیسی گزری تھی جس انداز میں زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ اس میں تو کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ ماں باپ وغیرہ سارے کے سارے عجیب سی کیفیتوں کا شکار رہے تھے۔ تعجب کی بات تھی واقعی تعجب کی بات تھی جو کچھ ہوا تھا بڑا سنسنی خیز اور دردناک تھا لیکن ماضی بہرطور بھول جانے کی چیز ہوتی ہے۔ انسان بے شمار باتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے اب بھی کبھی کبھی جب ماں باپ یاد آتے تھے تو ایک عجیب کیفیت کا شکار ہو جاتا تھا۔

لیکن یہی بڑی قوت عطا کی ہے معبود حقیقی نے انسان کے اندر کہ بہرحال وہ ماضی کو بھولنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ صورت حال کیسی ہی سنگین کیوں نہ ہو آخر کار اسے صبر بھی آ جاتا ہے میں تو اب بالکل ہی تبدیل ہو گیا تھا۔ ہاں اگر زندگی میں کوئی چیز فراموش نہیں ہو پائی تھی تو وہ ربابہ تھی۔ حالانکہ ربابہ سے میرا ایسا کوئی بڑا عشق نہیں چلا تھا۔ وہ بے شک ایک پُراسرار شخصیت تھی لیکن کتنی ہی پُراسرار ہو ابھی تک اس کا راز میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا تھا۔ وہ کون تھی؟ کیا چاہتی تھی مجھ سے؟ کچھ لمحوں کے لئے میری زندگی میں کیوں آئی تھی اور پھر کہاں گم ہو گئی تھی اتنی قربت جتانے کے بعد۔ البتہ ایک بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا کہ وہ جب بھی یاد آتی تھی دل میں ایک کسک سی پیدا ہو جاتی تھی۔ ٹرین کے سفر میں تو وہ مجھے بہت ہی یاد آئی کیونکہ ایک بار پہلے بھی ٹرین میں دوڑتی ہوئی رات میں اسے اس گیت کے ساتھ پایا تھا۔ ایک ایسا گیت جو دل کی گہرائیوں میں اتر جائے ایک ایسا گیت جو جذبات کی ترجمانی کرے۔ ربابہ مجھ سے محبت کرتی تھی۔ کیوں؟ یہ بات میری سمجھ میں آج تک نہیں آئی تھی اور یہ بھی نہیں سمجھ میں آیا تھا کہ کتنی ہی بار نگاہوں کے سامنے آنے کے بعد اب وہ اتنے عرصے سے کیوں غائب ہو گئی تھی۔

میری نگاہیں بار بار ٹرین سے باہر جاتیں اور میں اسے تلاش کرتا لیکن یہ خواہش

پوری نہیں ہو سکی، ٹرین کا سفر ختم ہو گیا۔ میں ایک بھرے پُرے شہر کے اسٹیشن پر اتر گیا اور میں نے اپنے آپ کو ان خوابوں کی گرفت سے آزاد کرا لیا جو میرے ذہن کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھے۔ ماضی بے شک ایک داستان ہوتا ہے ایک تحریر ہوتا ہے۔ انسان اگر اسے لکھنے بیٹھ جائے تو بہت سے صفحات بھر جائیں۔ دل کی تسکین بھی ہو جائے بہرحال وہ ایک ایسا سرمایہ ہوتا ہے جو کبھی انسان سے چھینا نہیں جا سکتا۔ البتہ حال کے بارے میں فیصلہ کرنا بہت ضروری ہوتا ہے اس عظیم الشان شہر میں مجھے اپنے لئے نئی زندگی تلاش کرنی تھی ماضی کی تمام باتوں کو چھوڑ کر، جو ہو چکا تھا وہ ایک الگ بات تھی لیکن جو اب ہونا ہے اس کے لئے ایک بہتر راستہ منتخب کیا جائے۔ اب میں صرف ایک چھوٹی سی بستی کا معمولی ذہن کا آدمی تھا۔ ماضی تو میرا خیر بہت اچھا تھا والد صاحب نے بہت کچھ چھوڑا تھا اور ایسی بات نہیں تھی کہ میں نے کچھ نہ دیکھا ہو لیکن بعد میں وہ سب چھن گیا تھا۔ کچھ ایسے لوگوں کی نذر ہو گیا تھا جو ان تمام چیزوں کو برداشت نہیں کر پاتے تھے۔ اس بڑے شہر میں اپنے لئے زندگی تلاش کرنا ایک انتہائی مشکل کام تھا۔ میں نے سولہ راتیں یہاں کے فٹ پاتھوں اور پارکوں میں گزاریں اور نوکری تلاش کرتا رہا۔ یہ سترہویں رات تھی۔ جب میں ایک ہسپتال کے باہر بنی ہوئی ایک فٹ پاتھ پر آرام کر رہا تھا۔ تین دن قبل یہ فٹ پاتھ دریافت کی تھی۔ اصل میں پارکوں اور دوسری جگہوں پر خاصی گڑبڑ ہوتی تھی اور فٹ پاتھوں پر وغیرہ سونے والوں کو کبھی پولیس پریشان کرتی کبھی غنڈے کئی جگہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن یہاں ہسپتال میں داخل ہونے والے مریضوں کے لواحقین سوتے تھے انہیں ہسپتال کے اندر جگہ نہیں ملتی تھی لیکن وہ اپنے عزیزوں سے دور بھی نہیں رہتے تھے۔ یہ جگہ مجھے بہت مناسب محسوس ہوئی اور میں یہاں رات کا وقت گزارنے لگا۔ دن میں نوکری کی تلاش رات کو یہاں آکر سو جاتا تھا۔ کپڑے وغیرہ میلے کچیلے۔ باقی سب کچھ زندگی کے ساتھ ساتھ تھا۔ کم از کم مجھے یہاں نیلم ساجد علی کا خوف نہیں تھا۔ میرے تین ساتھی مر چکے تھے اور میں موت کے خوف سے یہاں آگیا تھا حالانکہ میں جانتا تھا کہ شہباز کی موت کے باوجود اگر میں وہیں زندگی گزارنا چاہتا تو وہ لوگ مجھے اپنی اولاد کی مانند رکھتے لیکن زندگی سب سے قیمتی شے ہوتی ہے کوئی اگر یہ کہے کہ اس کے دل میں خوف کا بسیرا نہیں ہے تو یا تو جھوٹ بولتا ہے یا پھر جانور ہو سکتا ہے۔ کم از کم انسان تو نہیں۔ یہاں اس فٹ پاتھ پر خاصا دلچسپ وقت گزر رہا تھا۔ کچھ لوگوں سے شناسائی بھی ہو گئی تھی انہی میں مجھے سجاد بھی نظر آیا تھا۔ ایک اچھی شخصیت کا مالک لیکن اپنے آپ سے بھٹکا ہوا تھا دو دن سے دیکھ رہا تھا اسے۔ تیسرے دن

اتفاق سے وہ میرے پاس ہی موجود تھا۔ اصل میں اس کی شخصیت نے مجھے متاثر کیا تھا اور کئی بار میرا دل چاہا تھا کہ میں اس سے بات کروں۔ اس رات موقع مل ہی گیا میں نے اس سے کہا۔ ”مسٹر! میں آپ کو دو تین بار دیکھ چکا ہوں آپ کا کوئی عزیز ہسپتال میں داخل ہے۔“ جواب میں وہ پھیکی سی ہنسی ہنس پڑا پھر بولا۔

”آہ میں خود اپنا عزیز ہوں اور زندگی کے ہسپتال میں داخل ہوں مگر افسوس میرا علاج نہیں ہو رہا میرا علاج ہی نہیں ہو رہا۔ میں اپنی لٹی ہوئی جاگیر کی تلاش میں ہوں لیکن کھو گیا ہے سب کچھ۔ سب کچھ کھو گیا ہے دوست۔ اگر میں تم سے سوال کروں کہ میری سلاکیہ کہاں ہے تو تم میری تمام باتوں کو سن کر اور میرے اس سوال پر میری جانب عجیب نگاہوں سے تو دیکھو گے۔ سوچو گے آدمی شکل و صورت سے تو اچھا لگتا ہے لیکن ہے بالکل دیوانہ اس کی باتوں میں کوئی ربط نہیں ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ جب انسان کسی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تو فیصلے کرنا بھی تو مشکل ہو جاتا ہے۔ ہر بات کے پیچھے ایک وزن ہوتا ہے ہر لفظ کا ایک پس منظر ہوتا ہے۔ اب پس منظر کے بغیر اگر تم سے براہ راست سوال کر دیا جائے تو کیا سوچو گے تم؟“

میں واقعی پریشان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ جتنی باتیں اس نے کی تھیں ان میں ربط بھی تھا سلیقہ بھی تھا لیکن ان کا مفہوم کچھ گڑبڑ تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا میں جانتا ہوں۔ سلاکیہ کہاں ہے؟ یہ سلاکیہ کون ہے؟ اور اس شخص کا اس سے کیا تعلق ہے اس کی تشریح وہ خود ہی کر چکا تھا میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ تو وہ ہنس پڑا پھر بولا۔ ”یقین کرو میں پاگل نہیں ہوں حالانکہ اہل دانش کہہ چکے ہیں کہ جو اپنے آپ کو پاگل نہ کہے وہ پاگل ہے لیکن دانشوروں کی بات دانشور جانیں۔ میں تو تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ میں پاگل نہیں ہوں۔ کیا تمہارا کوئی عزیز ہسپتال میں داخل ہے؟“

”نہیں بھائی یہ سمجھ لو کہ میں بھی زندگی کے ہسپتال میں داخل ہوں۔“

”ویری گڈ۔ اس لحاظ سے تو ہمارے درمیان ایک رشتہ قائم ہو گیا کیا خیال ہے؟“

”خیر تم تو کہہ رہے ہو کہ یہاں تمہارا ابھی کوئی عزیز نہیں ہے؟“

”یہاں ہی نہیں پوری دنیا میں میرا کوئی عزیز نہیں ہے۔“

”ارے واہ دل چاہتا ہے تمہیں گلے لگا لوں۔ پیارے دوست یہی کیفیت تو میری ہے چلو اٹھو یہاں سے کہاں تھے اب تک؟ اور اتنی دیر میں کیوں ملے؟ اٹھو یہاں سے۔“

”کہیں لے جانا چاہتے ہو مجھے؟“

”یار کہہ تو رہا ہوں۔“ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا دل میں یہی فیصلہ کیا کہ

کسی ساتھی کا ساتھ ہونا زندگی میں بے حد ضروری ہوتا ہے۔ یہ شخص اچھا معلوم ہوتا ہے بس تھوڑی سی بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا لیکن ان باتوں میں جو سلیقہ تھا وہ مجھے بڑا متاثر کر رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس کے ساتھ تھوڑا وقت گزار کر دیکھ لیا جائے۔ چنانچہ میں چل پڑا وہ مجھے لئے ہوئے پیدل چلتا رہا۔ پھر تھوڑے فاصلے پر پہنچ کر اس نے ایک رکشہ روکا۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا لیکن اس نے کہا۔ "آؤ آؤ بیٹھو تکلف نہ کرو۔ اتفاق سے ہمارے درمیان بہت سے رشتے نکل آئے ہیں تنہائی کا رشتہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ آؤ ہم اس رشتے کو مستحکم کرلیں۔" آٹو رکشہ ایک ایسی عمارت کے سامنے رکا جہاں خوبصورت فلیٹ بنے ہوئے تھے آٹو رکشہ کا کرایہ ادا کرنے کے بعد وہ فلیٹوں کی جانب بڑھ گیا دن رات ہی لفٹ سروس تھی اور اس وقت بھی وہاں لوگ لفٹ سے اوپر آجا رہے تھے لیکن اس نے سیڑھیوں کی جانب بڑھتے ہوئے کہا کہ ہمیں پہلی ہی منزل پر چلنا ہے۔ دل تو چاہا کہ اس سے بہت سے سوالات کروں لیکن پھر خاموش ہو گیا۔ پہلی منزل پر ایک فلیٹ پر پہنچ کر وہ رکا تو میں یہ سمجھا کہ وہ دستک دے کر کسی کو بلائے گا یا کال بیل کا بٹن دبائے گا لیکن اس نے جیب سے چابی نکال کر دروازے کا لاک کھولا اور میں حیران رہ گیا۔ بہرحال جس طرح وہ فلیٹ میں داخل ہوا تھا اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوئی چور نہیں ہے بلکہ یہ فلیٹ اسی کی تحویل میں ہے۔ میں نے فلیٹ کو اندر سے دیکھا تو دنگ رہ گیا انتہائی شاندار فرنیچر قالین ایئر کنڈیشنڈ غرضیکہ ہر چیز موجود تھی۔ گرد آلود بے ترتیب بس یوں لگتا تھا جیسے اسے کوئی استعمال نہ کرتا ہو۔ وہ اس ڈرائنگ روم میں پہنچا جہاں انتہائی قیمتی فرنیچر پڑا ہوا تھا ایک ڈسٹر اٹھا کر اس نے ایک صوفے پر پڑی ہوئی مٹی کی تہہ جھاڑی اور مجھ سے بولا۔ بیٹھو' میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا اور سوچ رہا تھا الٰہی میری زندگی میں ان پُراسرار کہانیوں کے علاوہ بھی کچھ ہے یا اسی طرح ہی الجھا رہوں گا۔ نہ جانے کیوں اندر سے ایک آواز سی محسوس ہوئی کہ ہاں تیری زندگی ان پُراسرار کہانیوں سے عبارت ہے اور انہی میں گزرے گی یہ صرف اپنا خیال اپنا احساس تھا۔ میں ڈرائنگ روم کے ماحول پر نظریں دوڑانے لگا تین دیواروں پر تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ یہ تصویریں سمندری جہاز کی تھیں جن پر "کریون گولڈ" لکھا ہوا نظر آتا تھا۔ کریون گولڈ ایک مسافر بردار جہاز تھا اور یہ اس کی اصل تصویریں تھیں یعنی کیمرہ تصویریں جنہیں انلارج کرایا گیا تھا۔ بے حد خوبصورت جہاز تھا لیکن اس جہاز کا اس شخص کی زندگی سے کیا تعلق تھا پھر اس فلیٹ میں وہ اس طرح کیسے چلا آیا اس نے خود بھی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری حیرانی میں سمجھ رہا ہوں میں اس فلیٹ کا مالک ہوں سجاد علی میرا نام

ہے اور یہ فلیٹ تنہا میری ملکیت ہے۔" میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا تو وہ بولا۔ "ہاں تمہارا سوال بالکل ٹھیک ہے کہ اگر میرے پاس یہ فلیٹ موجود ہے تو میں فٹ پاتھوں پر کیوں پڑا رہتا ہوں' میں نے یہ حلیہ کیوں بنا رکھا ہے؟ تو دوست ایسا بھی ہوتا ہے ابھی تم نے کہا تھا کہ دنیا میں تمہارا کوئی نہیں ہے بس سمجھ لو کہ میں بھی اسی تنہائی کا شکار ہوں۔ زندگی میں ایک ساتھ ملا تھا لیکن آہ چھٹ گیا سلاکیہ کے بارے میں' میں نے پوچھا تھا تم سے سلاکیہ کے بارے میں دیکھو۔ یہ دیکھو۔" اس نے اچانک ہی اپنی قمیض کا گریبان کھول کر اپنا سینہ نمایاں کر دیا اس کے سینے پر ایک عجیب سا نشان نظر آرہا تھا سینے پر بیچوں بیچ بس یوں لگتا تھا جیسے کوئی خوبصورت تتلی اڑتے اڑتے ایک جگہ بیٹھ گئی ہو۔ عجیب و غریب نشان تھا یہ میں اسے دیکھنے لگا تو وہ بولا۔

"یہ نہ جعلی ہے نہ مصنوعی ہے تم تجربہ کر سکتے ہو۔ یہ نشان میری زندگی کا ایک عجیب و غریب حیثیت کا حامل ہے آہ کاش تم میری داستان سنو تم جانو کہ سلاکیہ کیا ہے؟ دوست مجھے ہمیشہ انسان کا دھوکہ رہا ہے تنہا زندگی نہیں گزار سکتا ورنہ اس فلیٹ میں تنہا رہ کر میں ذہنی طور پر ختم ہو جاؤں گا۔ دیکھو کتنا خوبصورت فلیٹ ہے یہ بڑی چاہت سے بنایا تھا میں نے۔ یہ میری اپنی کمائی سے بنا ہے حالانکہ میرے والد..........." وہ بولتے بولتے ایک دم خاموش ہو گیا اور میری طرف دیکھتا رہا اور پھر اس نے کہا۔ "سنو گے میری داستان' سننا پسند کرو گے؟"

"ہاں کیوں نہیں؟"

"تم نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ تمہارا کیا نام ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"گل شیر۔"

"گل شیر میرے دوست میری داستان بڑی غم آلودہ ہے اگر تم میرے دل کی بھڑاس نکل جانے دو میری داستان سن لو تو سمجھ لو کہ میرے اوپر سب سے بڑا احسان کرو گے۔ آہ میں نے بہت عرصے سے ایک لفظ استعمال نہیں کیا ہے۔ یہاں چائے کا سارا سامان موجود ہو گا۔ خشک دودھ بھی ہے۔ ٹھہرو میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ سجاد بیٹھو میں سمجھتا ہوں کہ سب سے اہم تمہاری کہانی ہے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ میں تو واقعی حیران رہ گیا اور ایک بات میں تم سے کہوں یہ پُراسرار کہانیاں میری زندگی کا حصہ بھی ہیں میں بھی تمہیں اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤں گا۔"

"کیا ہی اچھا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میری محنت بار آور ہو گئی میں ہمیشہ ایک

اچھے دوست کی تلاش میں رہا ہوں اور اچھے دوست فٹ پاتھوں پر ہی مل جاتے ہیں ورنہ یہ دنیا بڑی خود غرض ہے۔" ٹھیک کہتے ہو میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو میں چائے بن کر لاتا ہوں۔" وہ چلا گیا اور میں خاموشی سے بیٹھا در و دیوار کو تکتا رہا نگاہیں ایک بار پھر کریون گولڈ کی جانب اٹھ گئی تھیں۔ اس جہاز کا اس شخص کی زندگی سے کیا تعلق ہے جس طرح اس کی تصویریں بڑے اہتمام اور بڑی چاہت سے سجائی گئی تھیں۔ وہ یہ ظاہر کرتی تھیں کہ ضرور اس کے پس منظر میں کچھ ہے۔ تھوڑے فاصلے پر کہیں سے کھڑبڑ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں غالباً وہ چائے کے برتن دھو رہا تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس شخص کے ساتھ میری شناسائی ہو جائے تو میرے تنہائی دور ہو جائے گی اور میں زندگی میں کوئی عملی قدم اٹھا سکوں گا اب میں یہی چاہتا تھا کہ میری بھی کوئی زندگی ہو۔ بہت بھٹک چکا تھا اِدھر اُدھر کے معاملات میں۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ چائے لے کے آگیا۔ چائے کی پیالی اس نے میرے سامنے رکھی اور ایک اپنے ہاتھ میں لے کر بیٹھ گیا پھر گہری سانس لے کر بولا۔ "پھر تم نے کیا فیصلہ کیا؟"

"سجاد میں تمہاری کہانی سننا چاہتا ہوں۔" اس کی نگاہیں خلاء میں بھٹکنے لگیں تھوڑی دیر تک وہ اِدھر اُدھر دیکھتا رہا اور پھر اس کے بعد اس کی نگاہیں جہاز کی تصویر پر آکر جم گئیں۔ کچھ دیر تک وہ اسی طرح خاموش بیٹھا رہا پھر اس نے کہا۔ "انسان عجیب و غریب احساسات کا مالک ہوتا ہے محبت صرف جانداروں سے نہیں کی جاتی بلکہ کبھی کبھی بے جان چیزیں بھی انسانی زندگی میں بڑی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں۔ میرا ماضی ابتدائی لمحوں میں بہت شاندار تھا۔ بہت بڑے آدمی کا بیٹا تھا۔ میں زندگی کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے آخر کار ایک ایسا لمحہ آیا جب مجھے ایک شپنگ کمپنی کے ایک جہاز کا کپتان بنا دیا گیا۔ اس کے لئے تمام تعلیم مکمل کر چکا تھا اور اس وقت میری عمر صرف چھبیس سال تھی میں اس کمپنی کا سب سے نو عمر لیکن کمپنی کے عہدیداروں کے مطابق ایک تجربے کار کپتان تھا۔ کمپنی میری اوپر پورا بھروسہ کرتی تھی اور میں نے اپنی کپتانی کے تین سال کامیابی سے گزار دیئے تھے مجھے شروع ہی سے کریون گولڈ کا کپتان بنایا گیا تھا بلکہ بقول میرے والد صاحب کی کہانی تو اسی وقت شروع ہو گئی تھی جب میں دو سال کا تھا اور اس کے بعد یہ کہانی آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ میرے والد نے مجھے اس کے بارے میں ساری تفصیل بتائی تھی اور وہ خوبصورت تتلی کے بارے میں بھی بتاتے تھے۔ ابھری ہوئی رنگین لکیروں کا یہ نشان عجیب نشان تھا اور میرے والد اس سلسلے میں بڑی ہی عجیب کہانی سناتے

تھے۔ انہوں نے ایک بار پھر مجھ سے صرف کہانی کے طور پر یہ کہا۔ سجاد یہ خاصی پرانی بات ہے میں اور میری بیوی یعنی تمہاری والدہ ایک بار سمندری سفر کر رہے تھے تم اس وقت صرف دو سال کے تھے۔ بہت خوبصورت اور بہت ہی حسین۔ مسافر بردار جہاز کے تقریباً تمام ہی مسافر تم سے بہت دلچسپی لیتے تھے۔ ایک شام ہم جہاز کے عرشے پر کھڑے ہوئے سمندر کی لہروں سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ تم اپنی ماں کی انگلی چھڑا کر ننھے ننھے قدموں سے چل پڑے ہم نے توجہ ہی نہیں دی لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد تمہاری والدہ کو تمہارا خیال آیا اور انہوں نے پلٹ کر تمہیں تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن تم موجود نہیں تھے۔ دور دور تک تمہارا کوئی نشان نہیں تھا۔ ہمارے پیروں تلے زمین نکل گئی میں بھی پریشان تھا لیکن میں اپنی بیوی کی طرح حواس باختہ نہیں ہوا۔ میرا خیال تھا کہ تمہیں جہاز کے کسی مسافر نے اپنی گود میں لے لیا ہو گا ورنہ دو سال کا بچہ اپنے قدموں سے کہاں جا سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے جہاز کے عملے سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں لیکن سب ہی نے لاعلمی ظاہر کی تھی اور میرا دل لرزنے لگا مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں تم سمندر میں نہ گر پڑے ہو۔ بہرحال میں نے جہاز کے کپتان کو اطلاع دی اور کپتان نے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کر دیا کہ اگر دو سالہ بچہ سجاد کسی کے پاس ہو تو وہ کپتان کے کیبن میں پہنچا دے۔ اس کے ساتھ ہی کپتان نے عملے کے تمام لوگوں کو تمہاری تلاش پر مامور کر دیا عملے کے لوگوں نے جہاز کا چپہ چپہ چھان مارا۔ ایک ایک چپے کی تلاشی لے ڈالی لیکن تمہارا نام و نشان نہیں ملا۔ تمہاری ماں تقریباً پاگل ہو گئی تھی اور رو رو کر مری جا رہی تھی جہاز کے ایک ایک مسافر سے پوچھ گچھ کی جا رہی تھی لیکن سب نے لاعلمی ظاہر کی سب کو مجھ سے ہمدردی تھی اور سبھی اس خوبصورت بچے کی گمشدگی پر غمگین تھے۔ آہ وہ رات قیامت کی رات تھی تمہاری ماں کی دل ہلا دینے والی چیخیں تھیں۔ لوگ ہمیں تسلی دے رہے تھے لیکن اب میں بھی مایوسی سے یہی سوچ رہا تھا کہ ہماری لاپرواہی سے تم سمندر کی نذر ہو گئے اور یہ سانحہ زندگی کا سب سے عظیم سانحہ تھا تمہاری والدہ کی کیفیت اتنی خراب تھی کہ ان کے لئے ڈاکٹروں کو بلانا پڑا تھا غم نے مجھے بھی مفلوج کر دیا تھا کہ اچانک دن کے دس بجے کپتان کے کیبن کا ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا اور تم اس کی گود میں تھے۔ تمہیں زندہ سلامت دیکھ کر ہم زندگی کے قریب آگئے بہرحال کچھ دیر کے بعد ہمیں پتہ چلا کہ تم کپتان کے کیبن میں سوتے ہوئے ملے تھے۔ بہرحال یہ بھی ایک عجیب بات تھی۔ کپتان خود بھی حیران رہ گیا تھا۔ ہم نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ کیونکہ تم ہمیں مل گئے تھے۔ بہرحال والد صاحب نے مجھے یہ عجیب و غریب تفصیلات

بتائیں۔ پھر اتفاق کی بات یہ ہے کہ قاہرہ سے والد صاحب کے ایک قدیم دوست ہمارے گھر تشریف لائے یہ ایک عمر رسیدہ بزرگ تھے اور قاہرہ یونیورسٹی میں درس دیا کرتے تھے۔ ہم لوگ یونہی مختلف تفریحات میں مشغول رہا کرتے تھے ساحل سمندر پر ایک مرتبہ نہاتے ہوئے بزرگ امین حسان نے مجھے دیکھا تو انہیں میرے سینے پر یہ تتلی کا نشان نظر آیا وہ اسے دیکھ کر چونک پڑے تھے۔ انہوں نے مجھ سے اس بارے میں بہت سی باتیں کیں والد صاحب بھی قریب ہی موجود تھے۔ جب انہوں نے ان سے اس کے بارے میں سوال کیا تو والد صاحب نے بڑی قدیم داستان دہرائی اور امین حسان نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ شاید تمہیں اس بات کا علم نہ ہو کہ اس نشان کی ایک تاریخ ہے اور بڑی عجیب و غریب تاریخ ہے۔ کیا مطلب؟ میرے والد نے پوچھا تھا۔ اگر میری یادداشت دھوکہ نہیں دے رہی تو یہ ایک پُراسرار قبیلے کا مذہبی نشان ہے۔ اصل میں ایک قلمی کتاب میں ایک عظیم سیاح نے غیر مہذب قبیلوں کے مذہبی نشانات اور ان کی اشکال کے تصوراتی کتاب میں بہت سی تفصیلات لکھی تھیں اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ان تفصیلات میں یہ نشان بھی موجود تھا۔ بہرحال اس پر خاصی بحث شروع ہو گئی۔ مجھے اس وقت بھی اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری زندگی کی یہ پُراسرار کہانی اسی وقت شروع ہو گئی تھی۔ جب میں جہاز میں سفر کر رہا تھا اور میری عمر صرف دو سال کی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کہانی نے آگے بڑھنے میں پورے ستائیس سال لئے اور اس کے بعد اس کا دوسرا باب شروع ہوا بہرحال میں تم سے کریون گولڈ کا تذکرہ کر چکا ہوں کریون گولڈ پر مجھے پورے تین سال گزر چکے تھے اور یہ چوتھے سال کی ابتداء تھی۔ اس بار میرا سفر طویل تھا مسافروں کی ایک بڑی تعداد لے کر میں سفر کر رہا تھا میری کاوشوں نے کریون گولڈ کو بے حد آرام دہ بنا دیا تھا اور جو مسافر ایک بار اس کا سفر کر لیتے تھے آئندہ سفر میں یہی کوشش کرتے تھے کہ کریون گولڈ میں جگہ ملے۔ چنانچہ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ دوران سفر کریون گولڈ کا کوئی کیبن خالی رہ جائے۔ مسافروں سے بھرا ہوا جہاز سمندر کے سینے پر رواں دواں تھا۔ حالانکہ موسم گرم تھا لیکن سمندر کی خنک ہواؤں نے گرمی کا احساس فنا کر دیا تھا اور جہاز کے مسافر پُرسکون تھے چاندنی راتوں میں جہاز پر رت جگا ہوتا تھا۔ مسافر عرشے پر چہل قدمی کرتے اور ماحول بے حد خوشگوار ہو جاتا۔ تمام مسافر بے حد خوش تھے۔

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی چند مسافر میرے دوست بن گئے تھے حالانکہ میں مسافروں سے دوستی بڑھانے سے اجتناب کرتا تھا۔ چند لمحات کے یہ ساتھی بچھڑ جانے کے

بعد دل کی کسک بن جاتے ہیں۔ اس لئے کسی کو دل تک پہنچنے ہی نہ دیا جائے لیکن خوش اخلاقی اور مہمان نوازی بھی کوئی چیز ہے۔ چنانچہ مرزا نیاز بیگ اور ان کا خاندان جو تفریحی سفر کر رہا تھا میرے بہت قریب ہو گیا تھا۔ مرزا نیاز بیگ ایک تاجر تھے لیکن عام تاجروں کی طرح خشک اور کاروباری نہیں تھے۔ بے حد خوش اخلاق ہنس مکھ اور ملنسار انسان تھے۔ دو لڑکیاں اور ایک لڑکا اور ایک ان کی بیوی اس طرح پانچ افراد پر مشتمل یہ خاندان میرا دوست بن گیا۔ اکثر وہ لوگ میری دعوتیں کرتے تھے۔ کئی بار مجھے ان کو بھی مدعو کرنا پڑا۔ سب ہی مجھ سے بے حد بے تکلف ہو گئے تھے۔ خاص طور پر مرزا نیاز بیگ کی لڑکیاں سویرا اور عظمٰی ہر وقت میرے پاس گھسی رہتی تھیں۔ وہ بے حد بے تکلف ہو گئی تھیں اور دوران گفتگو اتنی بے تکلف ہو جاتیں کہ مجھے خاموش ہو جانا پڑتا تھا لیکن میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ دل کی چور نہیں تھیں۔ بہت صاف گو تھیں بہرحال ایک دوست کی حیثیت سے میں انہیں پسند کرنے لگا تھا۔ بہرحال اس کہانی سے ان لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے یہاں ان کا تذکرہ فضول ہے۔ چار اپریل کی ایک گرم رات تھی حالانکہ اپریل کا موسم گرم نہیں ہوتا لیکن آج دن بھی سخت گرم رہا تھا اور فضا میں حبس تھا۔ مسافر اپنے کیبنوں سے بہت کم باہر نکلے تھے۔ باہر کی نسبت کیبن سرد تھے۔ اس لئے وہ کیبنوں میں ہی گھسے رہے لیکن کب تک رات کو وہ باہر نکل آئے۔ عرشے پر بے پناہ ہجوم ہو گیا لیکن ہوا اب بھی بند تھی اور فضا میں حبس تھا گرمی سے مسافر خود کو بہلانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ میرے اسسٹنٹ نے سمندر کے اس رنگ پر تشویش کا اظہار کیا تھا لیکن وہ اپنے تجربے کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتا تھا۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ موسم خراب ضرور ہے لیکن طوفان کے آثار نہیں ہیں۔ تب وہ مطمئن ہو گیا۔ وہ سب میرے اوپر بے حد اعتماد کرتے تھے۔ چاند نکل آیا تھا اور سمندر پار چاندنی تڑپ رہی تھی۔ مسافر عرشے پر چہل قدمی کر رہے تھے اور جوں جوں رات گزرنے لگی عرشے پر بھیڑ کم ہوتی رہی اور رات کو ایک بجے تک پورا عرشہ خالی ہو گیا۔ مجھے بھی نیند آ رہی تھی چنانچہ سونے کے لئے چل پڑا لیکن نہ جانے کیوں بستر پر لیٹنے کے بعد میری نیند اڑ گئی۔ میرے ذہن میں کوئی پراگندہ خیالات بھی نہیں تھے جن کی وجہ سے نیند نہ آ رہی ہو۔ بس ایک عجیب سی بے کلی تھی۔ ایک انوکھا احساس تھا ایک پریشان سی کیفیت۔ کافی دیر میں بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر جب کسی طور نیند نہیں آئی تو اٹھ گیا۔ سلیپنگ سوٹ پہن کر میں باہر نکل آیا اور میرے قدم عرشے کی طرف بڑھ گئے کہ شاید آسمان کے نیچے کھلی فضا کوئی سکون بخش دے اس سے قبل یہ کیفیت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ میں تو بڑا ہشاش بشاش

انسان تھا۔ کوئی فکر نہیں تھی عیش و عشرت کی زندگی گزار رہا تھا۔ پھر یہ سب کچھ کیا تھا لیکن خود میرا ذہن اسے سمجھنے سے قاصر تھا میں عرشے پر آگیا۔ سمندر کا لامتناہی سکوت لہروں پر لوٹتی چاندنی۔ بڑا دلکش اور پُرسکون منظر تھا لیکن اس منظر نے بھی میری بے چینی کو دور نہیں کیا۔ دور کہیں رات کے جاگنے والے خلاصی وائلن بجا رہے تھے وائلن کا تڑپتا سسکتا نغمہ میرے کانوں کو برا لگ رہا تھا انہیں روکنا بھی مجھے گوارا نہیں تھا۔ اپنے گھروں سے دور سمندر کے سینے پر زندگی گزارنے والے ان جفاکشوں کو خوشی کے چند لمحات میسر آجاتے ہیں تو میرے اوپر کیا اثر پڑتا تھا۔ ریلنگ سے ٹک کر کھڑا ہو گیا تھا ان کی دھیمی آوازیں میرے کانوں سے ٹکرا کر سماعت کو زخمی کر رہی تھی۔ دفعتاً مجھے اپنے بائیں سمت ایک آہٹ محسوس ہوئی اور میری محویت ٹوٹ گئی میں نے پلٹ کر دیکھا چند سائے میرے سامنے کھڑے تھے سیاہ رنگ کے لباس میں ملبوس ان میں ایک عورت تھی اور دو مرد لیکن ان کے حلیے کو دیکھ کر میں چونک پڑا وہ افریقی نسل سے تعلق رکھتے تھے اور کوئی افریقی میرا مطلب ہے کہ اس قسم کے افراد اس جہاز میں سفر نہیں کر رہے تھے پھر یہ لوگ کہاں سے آگئے۔ ان کے چہرے تاریکی کے مظہر تھے صرف آنکھوں کے سفید ڈھیلے نظر آ رہے تھے۔ میں تعجب سے انہیں دیکھ رہا تھا پھر ان کے کھڑے ہونے کا انداز بھی عجیب تھا ایسا لگتا تھا جیسے وہ میرے پاس ہی آئے ہوں۔ میں انہیں دیکھتا رہا ذہن کے نہ جانے کون سے گوشے میں ایک خیال ابھرا۔ یہ چہرے اجنبی نہیں ہیں کہیں نہ کہیں انہیں دیکھا ہے کہاں اور کب یہ یاد نہیں آ رہا۔

تینوں سائے خاموش کھڑے تھے اور یہ خاموشی کئی منٹ طویل ہو گئی آخر مجھے ہوش آیا اور میں چند قدم ان کی طرف بڑھ گیا۔

"کیا بات ہے کون لوگ ہیں آپ کیا چاہتے ہیں؟" میں نے بیک وقت کئی سوال کر دیئے حالانکہ یہ سوال غیر فطری تھے۔ سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ جہاز پر کہاں سے آئے۔ تب ان میں سے ایک مرد آگے بڑھا اس نے سیاہ رنگ کی ایک پلیٹ میرے سامنے کر دی جس پر شاید فاسفورس سے ایک نشان بنا ہوا تھا ایک چمکدار نشان میں تعجب سے اس پلیٹ کو دیکھنے لگا چاندنی میں تتلی کی یہ پلیٹ صاف نظر آ رہی تھی اور اس پر چمکتا ہوا نشان۔ دفعتاً میرے ذہن میں ایک دھماکہ ہوا تتلی جیسا یہی نشان تو میرے سینے پر موجود تھا۔ میرا ہاتھ غیر ارادی طور پر اپنے سینے کو ملنے لگا تب مرد نے گردن جھکا لی اور واپس اپنے ساتھیوں کے سامنے جا کھڑا ہوا اور پھر عورت آگے بڑھی اور میرے قریب پہنچ گئی اس کے بدن سے ایک عجیب سی خوشبو اٹھ رہی تھی جو میرے ذہن میں اتر گئی اس نے

اپنے سیاہ ہاتھ بڑھائے اور میرا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ "ہمیں پہچانو ارلاشا ہم تمہارے غلام ہیں۔" اس نے نسوانی لیکن کرخت آواز میں کہا۔ میں نے اس کی دونوں کلائیوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں اپنے چہرے سے جدا کر دیا اور پریشان لہجے میں بولا لیکن میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

"ستائیس سال بہت ہوتے ہیں میرے لعل! لیکن بعض رشتے صدیوں قائم رہتے ہیں۔ دل کی گہرائیوں کو ٹٹولو۔ ہم یاد آجائیں گے۔" عورت نے کہا۔

"نہ جانے آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں میری سمجھ میں نہیں آیا مجھے بتائیے۔ آپ کون ہیں اور اس جہاز پر کہاں سے آگئے ہیں میں اس جہاز کا کپتان ہوں میں نے پہلے آپ کو اس جہاز میں نہیں دیکھا ہے۔"

"ہندوریہ کے اس نشان کو بھی بھول جاؤ گے ارلاشا جو تمہارے سینے پر آویزاں ہے۔ یہ اعزاز تو تمہاری زندگی کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ ہندوریہ کے جانباز اس اعزاز کو حاصل کرنے کے لئے سب کچھ لٹانے کو تیار ہیں۔ صدیوں کے بعد یہ اعزاز کسی کو ملتا ہے اور اس بار تم اس کے حقدار ٹھہرے تھے۔ کیونکہ تمہاری پیدائش اسی ساعت ہوئی تھی جب ہندوریہ کی دیوی سمبوریہ نے جنم لیا تھا پوری دنیا میں اس ساعت اور کوئی پیدا نہیں ہوا تھا سوائے تمہارے۔ پیدا بھی ہوئی تھیں تو لڑکیاں جو کسی طرح اس اعزاز کی حقدار نہیں تھیں اس اعزاز کو یوں نظر انداز نہ کرو ارلاشا جو تمہیں پیدائش کے دو سال بعد مل گیا تھا۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا نہ جانے آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں براہ کرم میرے آفس چلیں اور مجھے بتائیں کہ آپ کیسے آگئے۔ آپ کو مکمل تفصیل بتانا پڑے گی۔"

"نہیں ارلاشا تم بھول گئے ہو تو ہمیں سب کچھ یاد ہے پھر ہمارا فرض ہمیں مجبور کر رہا ہے کہ ہم زیادہ وقت صرف نہ کریں آؤ ارلاشا کشتی تمہاری منتظر ہے ورنہ بہت وقت ہو جائے گا۔"

"کیا بکواس ہے کہاں چلوں میں آپ لوگ سیدھی طرح میرے آفس چلیں ورنہ مجھے اپنے آدمیوں کو آواز دینا پڑے گی۔"

"غلاموں اور پرستاروں سے ایسا سلوک اچھا نہیں ہے ارلاشا! ہماری کیا مجال جو ہم تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کریں مگر تم بھی ہمیں دکھ نہ دو۔" اس بار مرد نے کہا۔

"آپ لوگ یا تو خود پاگل ہیں یا مجھے پاگل بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ براہ کرم مجھے مجبور نہ کریں کہ میں کوئی سخت قدم اٹھاؤں۔ آئیے میرے آفس میں۔" میں نے دفتر

کی طرف قدم بڑھائے۔

"ایک بار پھر یہ نشان دیکھو اورلاشا۔ شاید تمہیں سب کچھ یاد آجائے۔" مرد نے وہ پلیٹ پھر میرے سامنے کردی جس پر پُراسرار نشان بنا ہوا تھا۔ میری نگاہیں غیر اختیاری طور پر اس نشان پر جم گئیں اور پھر کوشش کے باوجود اس سے نگاہیں نہ ہٹا سکا۔ میرا ذہن مفلوج ہوتا جارہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہوگئی تھیں اور میں اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر جب میری نگاہیں اس سے ہٹیں تو میں نے خود کو ایک کشتی میں پایا۔ پرانے طرز کی بادبانی کشتی جو کافی بڑی تھی اور جسے بہت سے سیاہ فام چلا رہے تھے۔ میں حیرت سے اچھل پڑا۔ میں نے اردگرد کے ماحول کو دیکھا چاروں طرف بے کراں سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ جہاز کا دور دور تک پتہ نہیں تھا نہ جانے میں کہاں نکل آیا تھا۔ یہ کون لوگ تھے اور مجھے کہاں لے جارہے تھے۔ تب میری نگاہ ان تینوں افراد پر پڑی جو مجھے جہاز میں نظر آئے تھے۔ وہ تینوں میرے سامنے ہی بیٹھے تھے اور ان کے چہروں پر پُرسکون مسکراہٹ تھی۔

"میں کہاں ہوں تم لوگ مجھے کہاں لے جارہے ہو؟" میں نے پریشانی سے پوچھا۔

"ہندوریہ!" عورت نے جواب دیا۔

"کیا بکواس ہے میرا جہاز کہاں گیا؟ میں یہاں کیسے آگیا؟"

"تمہارا آنا ضروری تھا میرے بچے فکر مت کرو تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ہر انسان اپنا فرض پورا کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے تم کیوں اپنے فرض سے بھاگنا چاہتے ہو۔ ہندوریہ کے لوگوں کو تمہاری ضرورت ہے صدیوں کے بعد ان کا نصیب جاگا ہے دیوی سلاکیہ نے اولاد کی خواہش ظاہر کی ہے اور تمہیں معلوم نہیں کہ ہندوریہ کے بدنصیب کب سے اس مژدے کے لئے ترس رہے ہیں۔ وہ خوش نصیب صدیوں پہلے مرچکے ہیں جن میں سلاکیہ موجود تھی۔ اس کے بعد آج تک ہندوریہ پریشانیوں کا شکار ہے تمہاری برکت ہندوریہ کے مقدر کھول دے گی۔ ہزارہا انسان تمہیں دعائیں دیں گے۔ تم ان خوشیوں سے کیوں انحراف کررہے ہو؟" عورت کی آواز میں ایک درد ایک التجا تھی لیکن میں سخت پریشان تھا نہ جانے کیسے طلسم میں پھنس گیا تھا۔ میرے ساتھی میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے اور وہ مجھے نہ پاکر کتنے پریشان ہوں گے۔ یہ وحشی لوگ نہ جانے کیا چاہتے ہیں میں پاگلوں کی طرح ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ "تمہارے علاوہ کوئی اور ہماری خوشیاں واپس نہیں لا سکتا ہم سے تعاون کرو میرے لعل ہم تمہارے احسان مند ہوں گے۔" عورت نے پھر کہا۔ میں گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں کسی طلسم میں گرفتار ہوگیا تھا۔

آخر جہاز سے میں کیسے یہاں آگیا کچھ بھی تو یاد نہیں تھا۔ میرے جسم پر سلیپنگ سوٹ تھا جسے پہنے ہوئے میں اپنے کیبن سے نکل کر عرشے پر آیا تھا اس کے بعد کیا ہوا مجھے کچھ یاد نہیں تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ جہاز سے اس کشتی پر مجھے کیسے لایا گیا۔ اب اس طلسم سے نکلنا مشکل تھا۔ یہ لوگ خصوصی طاقتوں کے مالک تھے اور ان سے انحراف مصیبتیں بھی لا سکتا تھا تو پھر کیا کروں۔ خود کو تقدیر کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں۔ یہی بہتر ہے۔ عقل نے کہا اور پھر یہ واقعات دلچسپ بھی تو ہیں حیرت کے سمندر سے نکل آنے کے بعد ان میں دلچسپی بھی تو لی جا سکتی ہے۔ رہ گیا جہاز اور کے مسافروں کا معاملہ تو یہ جو کچھ ہوا تھا میری اپنی کوشش میرا اپنا خیال تو نہیں تھا۔ میں تو بے بس ہوگیا تھا جہاز منزل پر پہنچ جائے گا۔ زیادہ سے زیادہ میری ملازمت ختم ہوجائے گی مجھے کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا فی الحال ان دلچسپ واقعات سے لطف اندوز نہ ہونا حماقت ہے اور اس الجھی فضا کو ختم کردیا جائے اور ان لوگوں سے تعاون کرکے انہیں حیرت میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ ان خیالات کے تحت مجھے کسی قدر سکون ہوگیا اور میں پھیل کر کشتی میں بیٹھ گیا۔ میں نے کشتی چلانے والے ایک ایک نوجوان کو دیکھا سب کے رنگ گہرے اور جسم مضبوط تھے۔ ان کے چہرے تاثرات سے عاری تھے اور کشتی کھیلنے سے ان کے مضبوط بازوؤں کی مچھلیاں تڑپ رہی تھیں ان لوگوں سے گزرتی ہوئی میری نگاہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دونوں سیاہ فام مردوں اور عورت پر پڑی۔ یہ لوگ بھی قوی ہیکل تھے تینوں درمیانی عمر کے تھے اور ان کے چہروں سے بزرگی جھلکتی تھی۔ عورت تو یوں بھی میرے بچے میرے لعل کہہ کر مخاطب کرتی رہی۔ ان سب کو دیکھ کر میں نے ایک گہری سانس لی اور پھر میں نے عورت کو ایک اشارہ کیا وہ چونک کر میری شکل دیکھنے لگی اور میں نے اسے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ عورت کے چہرے پر خوشی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور میرے پاس آکر میرے قدموں میں بیٹھ گئی۔ "یہاں بیٹھو!" میں نے اسے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"میری جگہ ان قدموں میں ہی ہے میرے بچے۔ مجھے یہیں رہنے دو۔" اس نے محبت سے کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"ایلازہ۔" عورت نے جواب دیا۔

"یہ دونوں کون ہیں؟"

"یہ بھی تمہارے خادم ہیں ان میں سے ایک کا نام ایگون ہے اور دوسرا ہوما

ہے۔"

"تم لوگ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

"ہندوریہ ہماری سرزمین زیادہ دور نہیں بس اس سورج کے چھپتے ہی ہم اپنی سر زمین پر پہنچ جائیں گے۔"

"ہاں وہ سلاکیہ کی زمین ہے۔ سلاکیہ نے وہاں چھ بار جنم لیا ہے اور جب وہ ساتویں بار جنم لے گی سوکھی ہوئی کھیتیاں لہلہانے لگیں گی۔ جانوروں کے خشک تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔ زمین سونا اگلے گی۔ صدیوں کی پیاس بجھ جائے گی۔ جھرنے پھر سے پہاڑوں سے گرنے لگیں گے۔ ہندوریہ پھر سے حسین ہو جائے گا اور وہاں کے لوگوں کے چہرے پھر سے کھل اٹھیں گے۔ غور کرو میرے لعل تم ہندوریہ کے باشندوں کے لئے کس قدر اہمیت رکھتے ہو۔ ہمارے ساتھ تعاون کرو ہم تم سے دغا نہ کریں گے۔"

"یہ سب میری وجہ سے ہو گا؟"

"ہاں یہ سب تمہاری وجہ سے ہو گا تم ہماری امیدوں کا مرکز ہو۔"

"مگر کس طرح میری یہ اہمیت کیوں ہو گئی میں جو تم سے کہیں دور کا انسان ہوں۔ میں جس نے تمہارے قبیلے کا نام بھی نہیں سنا ہے پھر ایک غیر انسان تمہاری امیدوں کا مرکز کیسے بن گیا؟؟"

"تم خود کو غیر محسوس کر رہے ہو میرے بچے حالانکہ جب سے تم نے اس دنیا میں آنکھ کھولی ہے اسی وقت سے تم ہمارے اپنے ہو ہم نے قدم قدم پر تمہیں نگاہ میں رکھا ہے۔ سنو اس داستان کا ایک ایک لفظ سنو ہم ہندوریہ کے لوگ سلاکیہ کے پجاری ہیں۔ سلاکیہ جو خوش حالی کی دیوی ہے۔ ہندوریہ کے سب سے بڑے معبد میں جو ایک پہاڑی کی گہرائیوں میں ہے سلاکیہ کا بت نصب ہے سلاکیہ اسی بت سے جنم لیتی ہے۔ ہندوریہ کے لئے خوشی کا پیغام لاتی ہے اور ہندوریہ کی فتوحات پھیل جاتی ہیں۔ کوئی قبیلہ اس سے آنکھ ملانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ہندوریہ کی زمین سونا اگلتی ہے اور قبیلہ خوشحال ہو جاتا ہے لیکن ہر قبیلے میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اچھے لوگوں میں خراب انسان ہونا لازمی ہے تین بار ایسا ہو چکا ہے کہ کوئی نہ کوئی دیوی کو ناراض کر دیتا ہے اور پھر دیوی ان کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے اور اس کے بعد ہندوریہ ذلت اور رسوائی کی تاریکیوں میں پڑ جاتا ہے۔ ہمارا قبیلہ سب سے قدیم ہے اس قبیلے میں سلاکیہ نے تین بار جنم لیا لیکن تینوں بار قبیلے کے لوگ اسے خوش رکھنے میں ناکام رہے اور وہ انہیں چھوڑ کر چلی گئی لیکن اچھے لوگ بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں وہ پوری زندگی دیوی سے دعائیں مانگتے گزارتے دیتے ہیں

کہ واپس آجائے اور روٹھی ہوئی مہربان ماں واپس چلی آتی ہے اور قبیلے کے لوگ پھر سے فیض یاب ہو جاتے ہیں۔ ہماری عمریں بہت کم ہیں میرے بیٹے سمجھو کہ ہماری پشتوں سے دیوی ہم سے دور ہے اور قبیلے کے روحانی پیشوا اس کے پجاری اسے واپس بلانے کے لئے کوشاں ہیں اسے اپنے بچوں پر رحم آگیا اور اس کے معبد کا پجاری عظیم روحانی قوتوں کا مالک ہے صدیوں کی روایت کے مطابق ایک خاص مہینے میں ڈوبنے والے چاند کی آخر رات کے ایک مخصوص لمحے میں جب چاند تاریکی میں غوطہ زن ہوتا ہے پیدا ہونے والا مرد ہی دیوی کا منظور نظر ہوتا ہے سلاکیہ اسے اپنا شوہر تسلیم کرتی ہے اور وہی اسے واپس لانے والا ہوتا ہے چنانچہ مہربان ماں کی پیشن گوئی کے بعد بڑے پجاری کو اس شخص کی تلاش تھی اس نے پوری دنیا کا زائچہ دیکھا اور ایک نشان پر انگلی رکھ دی یہ تم تھے میرے بچے ہاں یہ تم تھے اور ہمیں تمہاری نگرانی پر مامور کر دیا گیا ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم تمہارے سینے پر ہندوریہ کی عظیم دیوی کا نشان لگائیں چنانچہ اس وقت کا انتظار کیا جانے لگا کہ جب تم اس قابل ہو جاؤ کہ تمہارا سینہ نشان برداشت کر سکے پھر اس شام جب تم سمندر کے سینے پر سفر کر رہے تھے ہم نے پہلی بار تمہیں اٹھایا اور ہندوریہ لے گئے جہاں بڑے پجاری نے اپنے ہاتھ سے تمہارے سینے پر یہ نشان لگا دیا اس طرح تم دیوی کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ اس وقت سے تم جہاں بھی رہے ہم تمہارے ساتھ رہے ہم نے تمہیں واپس اس جگہ پہنچا دیا جہاں سے تمہیں لائے تھے۔ تم اپنے والدین کے زیر سایہ پرورش پاتے رہے لیکن ہم بھی تمہارے ساتھ تھے ہم تمہیں ہر حادثے ہر دشمن سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ کیونکہ تم دیوی کی منت تھے

ہاں میرے بچے، تم جس مذہب جس فرقے سے بھی تعلق رکھتے ہو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن ہم تمہیں اپنا روحانی پیشوا اپنا نجات دہندہ ہی سمجھتے ہیں یہ وہ داستان ہے جس کا ہر لفظ سادہ اور سچ ہے تمہاری زندگی ایک قبیلے کی زندگی ہے اور تم سوچ سکتے ہو کہ تم ہماری نگاہ میں کیا اہمیت رکھتے ہو۔" میں تعجب سے یہ انوکھی کہانی سن رہا تھا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہے کیسی انوکھی کیسی بے تکی کہانی ہے۔ میں ایک سیدھا سادا سا کپتان کسی قبیلے کا روحانی پیشوا کیسے بن سکتا ہوں لیکن میں ہوش و حواس میں تھا میری آنکھیں اور کان کھلے تھے اور میں نے یہ کہانی حواس کے عالم میں سنی تھی۔ تب مجھے اپنے والد کی سنائی ہوئی کہانی یاد آئی جو انہوں نے اپنے ایک دوست کو سنائی تھی۔ میں وہ کہانی بھول چکا تھا لیکن تتلی کا نشان اب بھی میرے سینے پر تھا اور میرے والد نے اس بارے میں اپنے دوست کو جو تفصیل بتائی تھی وہی تفصیل ان لوگوں کی زبانی

معلوم ہوئی تھی تو دو سال کی عمر میں مجھے اٹھا لانے والے یہی لوگ تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر سوچا اور پھر میرے ذہن میں عجیب عجیب خیالات آنے لگے۔ یہ وحشی جن کی پُراسرار کہانیاں میں نے سنی تھیں۔ نہ جانے میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ ان کے ہاں قربانی کی رسم بھی تو ہوتی ہے دیوی کی نہ جانے کیا صورت ہو۔ ان کے وحشیانہ عقائد میرے ذہن میں گھومنے لگے اور میں کسی قدر خوفزدہ ہو گیا۔ میں نے خوفزدہ نگاہوں سے کشتی کھینے والے وحشیوں کو دیکھا ان کے جسم توانا تھے اور چہرے خوفناک' میرے ہاتھ پاؤں بے جان ہونے لگے تھے۔ انوکھے تصور میرے ذہن میں جاگزیں تھے بہرحال فرار کی کوئی راہ نہیں تھی میں پُراسرار طلسم میں پھنس گیا تھا اس سمندر میں کر بھی کیا سکتا تھا چنانچہ میں نے خود کو خدا کے حوالے کر دیا۔ جو قسمت میں لکھا ہے ہو جائے گا اور ایک بار پھر سکون مل گیا۔ کشتی کا سفر جاری رہا۔ نہ تھکنے والے غلام اسی جوش و خروش سے کشتی چلا رہے تھے اور پھر پورا دن اور ایک رات سفر کرنے کے بعد جب صبح کو کشتی میں میری آنکھ کھلی تو ایک خوبصورت سرزمین میرے سامنے تھی کشتی اس کے قریب پہنچ چکی تھی میں نے آنکھ کھول کر یہ سرزمین دیکھی تو بڑی فرحت کا احساس ہوا۔ بھورے رنگ کا ساحل جس کے عقب میں سرسبز درخت نظر آ رہے تھے۔ خالی پڑا تھا۔ کسی انسان کا پتہ نہیں تھا کشتی برق رفتاری سے ساحل کی طرف دوڑ رہی تھی اور پھر وہ کنارے پر پہنچ گئی غلام پانی میں کود پڑے اور انہوں نے ہاتھوں سے کشتی کو خشکی پر کھینچنا شروع کر دیا انہوں نے پوری کشتی کو خشکی پر کھینچ لیا۔ تب دونوں مرد اور عورت نیچے اتر گئے اور پھر انہوں نے مجھ سے نیچے اترنے کی فرمائش کی اور میں ایک کراہ کے ساتھ نیچے اتر آیا۔

"آؤ میرے بچے بڑا پجاری تمہارا منتظر ہو گا۔" عورت نے مجھ سے کہا اور میں ان تینوں کے ساتھ چل پڑا۔ میں ذہنی طور پر یکسو نہیں تھا۔ میں ان لوگوں کے ساتھ ریت کا ساحل طے کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم درختوں کے پاس پہنچ گئے بڑے گنجان درخت تھے جن سے گزرنے کا راستہ نہیں تھا لیکن درختوں کے ایک جھنڈ سے گھوم کر میں نے ایک راستہ دیکھا درختوں کے درمیان ایک سرنگ بنی ہوئی تھی جو درختوں کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ عورت سب سے آگے تھی اس کے پیچھے میں اور میرے پیچھے دونوں سیاہ فام تھے۔ عورت میری رہنمائی کر رہی تھی درختوں کو کاٹ کر بنائی گئی سرنگ بہت طویل تھی۔ ہم بتدریج گہرائی میں اترتے جا رہے تھے۔ آگے درخت اتنے گھنے تھے کہ دن کی روشنی کے باوجود یہاں تاریکی تھی یہاں تک کہ ایک مقام ایسا آ گیا جہاں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ مجھے یہ بھی اندازہ نہ ہو سکا کہ درختوں کی اس سرنگ کا اختتام

ہو گیا لیکن عورت اور اس کے ساتھی چونکہ اس راستے سے پوری طرح واقف تھے اس لئے انہیں دقت نہیں ہو رہی تھی۔ عورت رک گئی میرے ہاتھ اس کے جسم سے ٹکرائے تھے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ وہ رک گئی ہے۔ پھر میں نے ایک دروازے کے کھلنے کی چرچراہٹ سنی تھی اور میں تاریکی میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

"آؤ........." مجھے عورت کی آواز سنائی دی اور میں نے آگے قدم بڑھا دیئے۔ کسی دروازے کی چوکھٹ سے مجھے ٹھوکر لگی لیکن میرے پیچھے آنے والوں نے مجھے سنبھال لیا۔ سیڑھیاں ہیں میرے پیچھے آنے والوں نے بتایا۔ ہم اس سرنگ کے ذریعے نیچے گہرائیوں میں اترے تھے اور اس کے بعد سیڑھیاں۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور سیڑھیاں طے کرتا رہا۔ سیڑھیوں کے اختتام پر ایک ننھا سا سفید نقطہ نظر آیا تھا۔ یقیناً یہ روشنی تھی لیکن اس کی گہرائی دیکھ کر مجھے چکر آنے لگا روشنی کا نقطہ پھیل رہا تھا پھر مجھے ایک چوڑا دہانہ نظر آیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس عظیم الشان دروازے پر پہنچ گئے۔ گہری تاریکی سے گزر کر میں تیز روشنی میں پہنچا تھا اس لئے میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور میرے ساتھیوں نے مجھے پکڑ لیا آنکھیں بند کئے کئے میں نے مزید چند قدم طے کئے اور پھر روشنی کم ہوئی میں نے آنکھیں کھول دیں تب میں نے خود کو پتھروں سے تراشے ہوئے ایک کمرے میں دیکھا۔ خاصا کشادہ کمرہ تھا۔ دیواروں پر جانوروں کی کھوپڑیاں سجی ہوئی تھیں۔ ایک دیوار میں موی شمع جل رہی تھی نیچے فرش پر نرم گھاس بچھی ہوئی تھی اور مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کسی اعلیٰ پائے کے قالین پر چل رہا ہوں۔ مشعل کی روشنی میں' میں نے اس گھاس کو دیکھا یقیناً سمندری گھاس تھی۔ ایک پتھر کی چٹان پر مسہری بنائی گئی تھی جس پر چیتے کی کھال بچھی ہوئی تھی۔ بس یہ تھی اس کمرے کی کل کائنات مجھے لانے والے میرے سامنے کھڑے تھے میں ان کی شکل دیکھنے لگا۔ "تمہاری ذمے داری یہاں ختم ہو جاتی ہے اب تم بڑے پجاری کے مہمان ہو اس کے بعد وہی تمہاری میزبانی کریں گے۔"

عورت نے کہا اور پھر وہ تینوں رکوع کے انداز میں جھکے اور دروازے کی طرف بڑھے۔ "سنو تو۔" میں نے گھبرا کر انہیں آواز دی اور وہ رک گئے۔ "اس وحشت ناک جگہ پر میں تنہا رہوں گا؟"

"تنہا نہیں تمہاری خدمت کے لئے بہت سے غلام حاضر ہیں۔"

"کہاں ہیں؟" میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارلاشا کے غلامو سامنے آؤ۔" عورت نے کہا اور اسی وقت غار میں بے شمار

دروازے کھل گئے۔ ہر دروازے سے ایک سیاہ فام وحشی اندر آگیا اور وہ سب قطار میں کھڑے ہو گئے اور میرے سامنے جھک گئے۔ "ارلاشا کو پہچانتے ہو؟"

"پہچانتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"اسے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے اور سنو تم اپنی ہر ضرورت کے بارے میں ان سے کہہ دو گے۔ تمہاری ناراضگی ان کی موت ہوگی۔" میں نے وحشت زدہ نگاہوں سے ان وحشیوں کو دیکھا جو رحم طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ میں نے عجیب سے انداز میں گردن ہلا دی۔ تب عورت اور اس کے دونوں ساتھی کمرے سے باہر نکل گئے۔ میرے غلام گردن جھکائے کھڑے تھے میں ان میں سے ایک، ایک کی شکل دیکھ رہا تھا پھر میں نے ان میں سے ایک کو اشارہ کیا اور اس نے میرے حکم کی تعمیل کی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"کال!" اس نے پھٹی پھٹی آواز میں جواب دیا۔

"کال! باقی لوگوں کو واپس بھیج دو۔" میں نے دوسرا حکم دیا۔ اور کال نے اشارہ کیا۔ وہ سب گردن جھکائے انہی دروازوں کی طرف بڑھ گئے جن سے برآمد ہوئے تھے۔ صرف کال میرے نزدیک گردن جھکائے کھڑا رہ گیا۔

"تم مجھے جانتے ہو؟"

تجھے کون نہیں پہچانے گا عظیم ارلاشا۔

"کیوں کیا تم نے مجھے دیکھا ہے۔"

"تیری تصویر تو ہمارے سپنوں میں محفوظ ہے۔ ہم نہ جانے کب سے تیرے انتظار میں تھے۔ تیرے آنے کی عظیم خبر جوشان نے پہلے ہی دے دی تھی۔"

"جوشان کون ہے؟"

"معبد کا سب سے بڑا پجاری ہندوریہ کی سب سے عظیم شخصیت ہمارا راہنما دیوی کا منظور نظر۔" اوہ میں نے گہری سانس لی پھر میں نے کسی خیال کے تحت کہا۔

"کیا جوشان بہت بوڑھا ہے؟"

"ہمارے دادوں پردادوں نے اس کی غلامی کی ہے۔"

"کیا وہ پراسرار قوتوں کا حامل ہے؟"

"وہ ہندوریہ کی قسمت کا مالک ہے۔ عظیم قوتیں ان کی غلام ہیں سلاکیہ نے اسے بہت سی قوتیں دے دی ہیں وہ دلوں کے راز جان سکتا ہے۔ وہ زمین کی گہرائیاں اور آسمان کی بلندیاں ناپ سکتا ہے۔" کال نے عقیدت کے لہجے میں کہا۔

ہوں میں نے ایک بڑی سانس لے کر اس سے پوچھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے کال؟"

"سلاکیہ کا عظیم معبد ہے۔"

"اس عورت نے تمہیں بتایا ہے کال کہ میری ناراضگی تمہاری موت ہے۔ اس لئے تم مجھے بتاؤ کہ دیوی سلاکیہ کو کیسے جنم دیا جائے گا۔ کیا یہاں انسانی زندگی کی قربانی دی جاتی ہے؟" میں نے کہا اور میرے اس سوال پر کال کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اس نے پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"میرے اوپر بھروسہ کریں میرے آقا! بدنصیب کال کی زندگی ہی کتنی ہے۔ یہ راز تو وہ بوڑھے بھی نہیں جانتے جن کی گردنیں ہلتی ہیں صدیوں پہلے دیوی سلاکیہ ہمارے درمیان آئی تھی اور پھر وہ ناراض ہو کر چلی گئی اور ہمارے اندر پھوٹ پڑ گئی ہم کمزور ہو گئے۔ ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے لگے ہماری کھیتیاں خشک ہو گئیں مویشی ہلاک ہو گئے لیکن اب زمین میں کونپلیں پھوٹنے لگی ہیں دریاؤں میں پانی آگیا ہے۔ درختوں پر پتے لگنے لگے ہیں اور عظیم پجاری کہتا ہے کہ یہ دیوی سلاکیہ کی آمد کی خبر ہے ہم سب اس کے منتظر ہیں ارلاشا۔ ہماری آنکھیں تمہیں دیکھنے کو ترس رہی تھیں ہم نے تمہاری صورت دیکھ لی ہے اور اب ہمیں یقین ہے کہ سلاکیہ ہم میں ضرور آئے گی اب ہندوریہ کی قسمت جاگنے والی ہے۔" میں نے ایک گہری سانس لی بلاشبہ یہ سادہ انسان جھوٹ نہیں بول رہا ہو گا۔ اس کا چہرہ اس کی سچائی کا مظہر تھا لیکن بہرحال وہ میرے دوسرے سوال کا جواب دے سکتا تھا۔

"کیا دیوی سلاکیہ انسانی جان کی بھینٹ قبول کرتی ہے؟"

"نہیں وہ رحم کی دیوی ہے اسے انسانی خون کی طلب نہیں جوشان کہا کرتا ہے کہ انسانی زندگی کی قربانی ظالمانہ کھیل ہے۔ جسے وحشی قبیلے انجام دیتے ہیں دیوی خون کی پیاسی نہیں ہے وہ تو محبت کے پھول لے کر دنیا میں آتی ہے اور اس کے بعد سے وہ صرف محبت کے پیغام دیتی ہے اس لئے ہمارے ہاں انسانی خون کی بھینٹ نہیں دی جاتی۔" اور یہ سن کر میرے دل سے ایک بوجھ ہٹ گیا۔ میرے دل سے خوف نکل گیا جو کچھ میں نے سوچا تھا وہ نہیں ہے اور اگر یہاں میری زندگی خطرے میں نہیں ہے تو پھر کوئی بات نہیں میں پوری دلجمعی سے ان لوگوں میں رہوں گا اور ان کی سادہ معصومانہ رسومات سے لطف اندوز ہوں گا۔ یہاں آنے کے بعد دل میں جو وسوسے پیدا ہوئے تھے ہٹ گئے اور میں تمام واقعات میں اور زیادہ دلچسپی لینے لگا۔ میرے لئے متعین کردہ غلام میرے اردگرد

رہتے تھے اور میری جنبش ابرو کے منتظر رہتے تھے۔ وہ میرے ایک اشارے پر سب کچھ کرنے کو تیار تھے۔ یہاں آئے اب مجھے چھتیس گھنٹے گزر چکے تھے ان چھتیس گھنٹوں میں اس ماحول سے اکتاہٹ ضرور محسوس ہوئی تھی۔ آسمان دیکھنے کو دل چاہ رہا تھا لیکن کال نے درخواست کی تھی کہ ابھی اس کمرے سے نہ نکلوں یہ بڑے پجاری کی درخواست ہے۔ بہرحال میں نے چھتیس گھنٹے گزار لئے تھے اس دوران میری کافی خاطرمدارت ہوئی تھی۔ بھیڑ کا دودھ اور جنگلی پھل کے علاوہ بھنے ہوئے پرندے جن کا گوشت بے حد لذیذ ہوتا تھا۔ پُر تکلف کھانوں کے ماحول سے نکل کر آیا تھا اس لئے یہ کچا پکا اور سادہ کھانا مجھے بے حد پسند آیا تھا۔ تیسرے دن صبح جب میں سو کر اٹھا تو کال حسب معمول میرے پاس موجود تھا وہ میری مسہری سے گردن ٹکائے بیٹھا تھا میں نے اسے دیکھا اور پھر آہستہ سے آواز دی اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ آقا۔ وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"بڑے پجاری تک میرا پیغام پہنچا دو میں اس قید سے اکتا گیا ہوں میں آسمان دیکھنا چاہتا ہوں۔" جو حکم آقا! کال نے گردن جھکا دی اور وہ باہر نکل گیا۔ دوسرے غلام میری آواز سن کر اندر آ گئے اور انہوں نے حسب معمول اپنا کام شروع کر دیا لکڑی کے ایک بڑے برتن میں گرم پانی لایا گیا اور اسے میرے پیروں کے نزدیک رکھ دیا گیا۔ پھر دو غلام اسفنج سے میرے جسم کے کھلے حصوں کو صاف کرنے لگے۔ خود میں نے پانی سے دانت وغیرہ صاف کئے۔ اس کے بعد ناشتہ لایا گیا جس میں ایک بھنا ہوا پرندہ اور گرم دودھ اور ایک چھوٹا سا پھل تھا۔ جو انتہائی لذیذ تھا ناشتہ سے فارغ ہوا تھا کہ کال جو میرا پیغام لے کر گیا تھا واپس آ گیا۔ "کیا جواب ملا کال؟"

"مجھے اجازت مل گئی ہے آقا کہ رات کی تاریکیوں میں آپ کو باہر لے جاؤں۔ مقدس جوشان تمہیں سورج کی کرنوں سے چھپانا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوریہ والوں کو تمہاری آمد کی سن گن مل گئی ہے وہ تمہیں دیکھنے کے لئے بے چین ہیں اور یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے اس وقت تک جب تک سلاکیہ کی نگاہیں تمہیں نہ دیکھ لیں۔ کوئی انسان تمہاری جھلک نہیں دیکھ سکتا۔"

"گویا دن بھر مجھے انتظار کرنا پڑے گا۔"

"ہاں لیکن آپ اس کمرے سے نکل سکتے ہیں۔ ان غاروں میں گھوم پھر سکتے ہیں۔" کال نے جواب دیا۔

"تب آؤ مجھے ان غاروں کی سیر کراؤ۔" میں نے کہا اور کال نے گردن ہلا دی۔ یہاں آنے کے بعد پہلی بار میں غار کے اس کمرے سے نکلا اور باہر قدم رکھا۔ کمرے کے

باہر وہی تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی جسے میری آنکھیں برداشت نہیں کر سکتی تھیں لیکن اس وقت اور اُس وقت میں بہت فرق تھا۔ میں نے دیکھا روشنی کی کرنیں بے پناہ بلندی پر تھیں جس جگہ میں کھڑا تھا وہاں چاروں طرف قدرتی پتھروں کی دیواریں انتہائی بلندیوں تک چلی گئی تھیں۔ بالکل ایک چوڑے کنویں کی شکل تھی میں نے حیرت سے اس کنویں کو دیکھا جس کی تہہ میں' میں کھڑا تھا۔ کیا سورج کی شعاعیں نیچے نہیں پہنچ سکتیں؟ میں نے کال سے پوچھا۔

"نہیں میرے آقا اسے اس انداز سے بنایا گیا ہے کہ شعاعیں روشنی تو دے سکیں لیکن تہہ نہ چھو سکیں۔"

"اسے انسانی ہاتھوں سے بنایا گیا ہے؟"

"نہیں اس سے قبل یہاں سنگلاخ چٹانیں تھیں بڑے پجاری نے اپنے طلسم سے زمین میں سوراخ کیا ہے۔" کال نے جواب دیا۔ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی اس لئے میں خاموش ہو گیا۔ ہاں میں اس بڑے پجاری کے بارے میں ضرور سوچ رہا تھا جو واقعات اب تک پیش آئے تھے ان کے تحت سوچا جا سکتا تھا کہ درحقیقت وہ شخص پُراسرار قوتوں کا مالک ہے کیونکہ خود میں دو سال کی عمر میں جہاز سے غائب ہوا تھا۔ جس کی تصدیق میرے والد صاحب کر چکے تھے اور اب اسی طرح وہ مجھے جہاز سے لے آئے تھے۔ کنویں نما جگہ میں چاروں طرف سوراخ تھے جو دوسرے حصوں کے لئے راستے تھے ان میں سے ایک سوراخ سے گزر کر ہم ایک اور بڑے ہال میں پہنچے جہاں چربی کی مشعلیں روشن تھیں۔ غار کی دیوار پر روغنی تصاویر بنی ہوئی تھیں اور یہ تصاویر میرے لئے کافی دلچسپ تھیں۔ ان تصاویر سے [illegible]یہ کی تاریخ اور ان کے عقائد کا پتہ چلتا تھا میں مختلف تصاویر دیکھ کر ان کے بارے میں اندازہ لگا رہا تھا کہ ان تصاویر میں کوئی فنکاری نہیں تھی۔ تاہم یہ ان کے جذبات کی ترجمان تھیں اور انہیں دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ ہندوریہ والے نیم وحشی قبائل سے ضرور تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے ہاں رسومات نہیں ہیں اور نہ ہی وہ کسی قسم کی رسومات کو ادا کرتے ہیں۔ ورنہ ان کی تصاویر بھی ضرور ہوتیں۔ کال مجھے ایک غار کی سیر کرا رہا تھا ایک غار کی دیوار میں' میں نے اس قبیلے کا وہ نشان بھی دیکھا جو میرے سینے پر بھی موجود تھا۔

میں نے کال سے اس کے بارے میں پوچھا۔ "یہ دیوی کا نشان ہے خود دیوی سلاکیہ نے قبیلے والوں کو یہ نشانی دی ہے اس کی کہانی بھی خوب ہے۔ صدیوں پرانی داستان ہے جب ہمارے آباؤ اجداد دوسرے قبیلے والوں سے جنگ کیے بغیر زندہ نہیں رہ

سکتے تھے۔ اس وقت ایک قبیلہ کوہالہ اس علاقے کا سب سے بڑا زبردست اور جنگجو قبیلہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ ارد گرد کے تمام قبائل اپنی پیداوار کا چوتھائی حصہ اس قبیلے کو دیتے تھے بھیڑیں' اون' شکار کا گوشت' جلانے کی چربی' خود ان قبیلوں کی اپنی ضروریات پوری نہ ہوتیں لیکن چوتھائی حصہ اس قبیلے کو ضرور پہنچ جاتا تھا اور اگر کوئی قبیلہ اسے ادا کرنے میں ناکام رہتا تو اسے تاخت و تاراج کر دیا جاتا تھا۔ ایسا ہی ایک بار ہندوریہ نے کیا وہ حسب سابق اپنا حصہ کوہالہ کو نہیں پہنچا سکا تھا۔ تب کوہالہ کے وحشی ہمارے اوپر چڑھ آئے اور سخت جنگ ہوئی لیکن کوہالہ کے سامنے کون ٹھہر سکتا تھا۔ ہمارا قبیلہ پسپا ہو کر واپس پلٹ پڑا اور پھر ہم رات کے وقت یہاں سے بھاگ جانے کی تیاریاں کرنے لگے کیونکہ دن کی روشنی میں کوہالہ براہ راست حملہ آور ہونے والے تھے۔ بس صبح کو کوہالہ کے جنگجو نعرے لگاتے اور نیزے ہلاتے حملہ آور ہوئے لیکن اس نشان نے سورج کی شعاعوں سے مدد لی اور یہ شعاعیں نیزوں کی انی کی طرح ان کے سینوں کے پار ہونے لگیں وہ جنگجو جل کر راکھ ہو گئے۔ بزرگوں کا کہنا ہے کہ ان کے قبیلے کا ایک بھی سپاہی جان بچا کر نہ لے جا سکا۔ اس طرح کوہالہ کے ارد گرد تمام قبائل کو نجات مل گئی اور یہ متبرک نشان ہماری فتح کا نشان بن گیا اس وقت سے آج تک یہ ہمارا نشان ہے اور اس نشان سے ہمیں جو برکتیں ملی ہیں وہ ناقابل تردید ہیں۔"

☆======☆======☆

کال بہت دلچسپ آدمی تھا۔ بے حد مہذب شام تک وہ میرے ساتھ رہا پھر اجازت لے کر چلا گیا میں رات کے کھانے کے بعد کال کا انتظار کرنے لگا اور پھر جب تاریکی پھیل گئی تو کال میری پاس آ گیا۔ کیا تم تیار ہو آقا؟ اس نے پوچھا ہاں کال چلیں۔ میں نے کہا آؤ آقا اس نے کہا اور پھر وہ میرے ساتھ چل پڑا اس بار وہ ایک ایسے غار میں پہنچا تھا جہاں دن میں مجھے نہیں لے جایا گیا تھا۔ اس غار میں بھی سیڑھیاں تھیں جو بلندی کی طرف چلی گئی تھیں۔ میں تندرست و توانا آدمی ہوں میرے پھیپھڑے ابھی تک مضبوط ہیں لیکن اس وقت وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میرا سانس بری طرح پھول گیا۔ میری رانیں جواب دینے لگیں بہرحال بہ ہزار دقت اوپر پہنچا اور پھر کافی دیر تک زمین پر لیٹا ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں سے خود کو درست کرتا رہا تب کہیں جا کر توانائی واپس آئی اور میں چاندنی رات میں اس پُراسرار وادی کی سیر کرنے لگا۔ ہوائیں بے حد فرحت بخش تھیں۔ جنگلی پھولوں کی خوشبو چاروں طرف گردش کر رہی تھیں روح معطر ہو گئی اور میں کال کے ساتھ بہت دور نکل آیا۔ آسمان پر اجالا پھوٹنے لگا چاند نکل رہا تھا۔ ہم ایک بلند چٹان پر

کھڑے ہو کر چاند کا نظارہ کرنے لگے اور پھر جونہی چاند ابھرا روشنی پھیلی تو سب سے پہلے میری نگاہ ایک انسان پر پڑی۔ سفید لباس میں ملبوس ایک قوی ہیکل جسم والا بوڑھا دونوں ہاتھ بلند کئے کھڑا تھا کال نے اسے دیکھا اور اس کی گردن جھک گئی۔ "یہ کون ہے؟" میں نے کال سے پوچھا۔

"مقدس جوشان!" اس نے گردن جھکائے جواب دیا اور میں اس پُراسرار شخص کو دیکھنے لگا جو بدستور ہاتھ بلند کئے کھڑا تھا کئی منٹ اسی طرح گزر گئے۔ تب اس نے ہاتھ گرائے اور آہستہ آہستہ ہماری طرف بڑھنے لگا قریب پہنچنے پر میں نے اسے غور سے دیکھا خاصا مہیب لیکن بارعب آدمی تھا اس نے دونوں ہاتھ سامنے کئے اور جھک گیا۔ "مقدس ارلاشا۔" اس کے منہ سے نکلا اور پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے کال سے کہا۔ "واپس چلا جا غلام! یہ اتفاق ہے کہ ارلاشا اسی رات کو باہر نکلا ہے جو مرادوں کی رات ہے اور جس رات میں دیوی نے اسے اپنے قریب آنے کی اجازت دی ہے۔" کال پھر جھکا اور پھر وہ پلٹ کر واپس چل پڑا۔ میں خاموشی سے بڑے پجاری کو دیکھ رہا تھا جب کال نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو جوشان نے میری طرف دیکھا اور پھر اس نے بھاری آواز میں کہا۔ "میں تمہارے تعاون کا دل سے شکر گزار ہوں نوجوان تمہیں تھوڑی بہت تفصیل معلوم ہو چکی ہے لیکن مزید کچھ باتیں میں صاف گوئی سے تمہیں بتاؤں گا۔ تم بے شک ہم میں سے نہیں ہو لیکن ہمارے ہاں کی رسوم تمہارے تصورات سے باہر ہیں۔ میں نے اس دنیا کے علوم بھی حاصل کئے ہیں اس لئے تم مجھے افریقہ کے ان وحشیوں جیسا نہ پاؤ گے۔ جیسے کہ یہاں کی روایت ہے اس سے قبل اور آج بھی یہاں کے بہت سے قبائل میں بہت سی وحشیانہ رسومات رائج ہیں لیکن اگر تم یقین کرو تو میں تمہیں بتا دوں کہ یہ رسومات دیوتاؤں کی ضرورت نہیں ہیں۔ انسان کی اندھی عقیدت اور غلط سوچ نے اسے بھٹکا دیا ہے۔ پھر حد سے زیادہ چالاک انسانوں نے اپنی وحشیانہ فطرت کی تکمیل کے لئے دیوتاؤں کا سہارا لے کر یہ رسومات رائج کر لی ہیں اور ان کے سہارے وہ اپنی ہیبت برقرار رکھتے ہیں اور اپنے دشمنوں سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔ میں نے اس قبیلے کو اس راہ پر ڈالا ہے کہ اس کی حیثیت بھی برقرار رہے اور وحشیانہ سرگرمیوں سے بھی دور ہو جائے اور مجھے خوشی ہے کہ میں اس میں کامیاب ہوں لیکن ان باتوں کے باوجود تمہاری دنیا سے الگ اس سادہ سی دنیا میں جادو کا وجود ہے۔ دراصل انسان کے عقائد اس کے لئے راہوں کا تعین کرتے ہیں۔ تم اگر سوکھے پتوں میں بھی زندگی تلاش کرو اور یقین کر لو کہ زندگی موجود ہے تو وہ پتے زندگی پا لیں گے۔ ہماری یہ باتیں تمہاری دنیا کی رسومات سے

جدا ہیں۔ ہماری زندگی کی راہیں تم سے الگ ہیں۔ ہم دیوتاؤں سے قریب ہیں اور وہ ہمیں سب کچھ دیتے ہیں۔ ان کی ہمیں ضرورت ہے۔ شاید تم میرے الفاظ میں الجھ جاؤ نوجوان' چنانچہ میں تمہیں بتا دوں کہ تمہاری دنیا اور اس کے اصولوں سے کسی حد تک واقف ہوں لیکن تمہیں روحانی دنیا سے دور محسوس کرتا ہوں اور خود کو اس کے قریب۔ ہماری دنیا اور ہے اور تمہاری دنیا اور۔ چنانچہ ہم وہی کرتے ہیں جو ہمارے اصول ہیں اور ہم مطمئن بھی رہتے ہیں۔ اب تم خود دیکھ لو تم عام دنیا کے ایک عام انسان ہو لیکن ہمارے عقیدے نے تمہیں ہمارے لئے محترم بنا دیا ہے اور یقیناً وہی ہو گا جو ہمارا خیال ہے۔ تم نے ابھی تک ہم سے تعاون کیا ہے۔ ہمیں تمہارے تعاون کے کچھ لمحات اور درکار ہیں۔ ایک انسان کی حیثیت سے دوسرے انسانوں سے تعاون تمہارا فرض ہے لیکن اگر تمہاری مصروفیات تمہیں الجھا دیں تب بھی ہماری یہی درخواست ہے کہ ہم سے تعاون کر کے ہمیں نئی زندگی دے دو۔"

بوڑھے کی تقریر عجیب تھی درحقیقت اس کا مافی الضمیر میری سمجھ نہیں آیا تھا تاہم میں نے یہ اندازہ ضرور لگایا تھا کہ وہ ذہین انسان ہے اور برا نہیں ہے۔ چنانچہ چند منٹ خاموشی کے بعد میں نے پوچھا۔ "لیکن میں ہی تمہاری نگاہوں میں کیوں آیا؟ تم مہذب دنیا کے کسی بھی انسان کو استعمال کر سکتے تھے۔"

"وہ عورت تمہیں بتا چکی ہے تمہاری پیدائش ایک ایسے وقت ہوئی ہے جو ہمارے عقائد سے متعلق ہے۔ پوری دنیا میں اس وقت اور کوئی پیدا نہیں ہوا تھا۔"

"ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔"

تم سے تعاون کے وقت سے پہلے کچھ بتانا تمہارے تجسس کو ختم کر دے گا تمہیں سوچنے کا موقع دے گا اس لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ ہاں یہ اطمینان دلانا ضروری ہے کہ تمہاری زندگی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"اور اگر میں تمہاری بات ماننے سے انکار کر دوں تو؟"

"ایک مخصوص وقت کے بعد تمہیں یہ اجازت بھی ہو گی۔ صرف اس وقت تک تعاون کرو۔"

"وہ وقت کب آئے گا؟"

"آگیا ہے حیرت انگیز طور پر قریب آگیا ہے آج اسی وقت جب چاند آدھی منزل طے کرے گا اس کے بعد ہمارا تم پر کوئی اختیار نہ رہے گا۔" بوڑھے نے کہا اور میرا دل دھڑکنے لگا۔ گویا وہ وقت آگیا ہے جس کے لئے انہیں میری ضرورت تھی۔ اس کے بعد

بوڑھے نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی وہ خاموش کھڑا رہا اور رات بیتتی رہی کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر بوڑھے نے ایک گہری سانس لی اور پھر میرے قریب آکر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ مقدس ارلاشا ہماری امیدیں تم سے وابستہ ہیں یہ طے ہے کہ دیوی سلاکیہ تمہارے ذریعے جنم لے گی ایک بار پھر درخواست ہے کہ اگر کچھ قوتیں تمہیں مجبور کریں کہ تم سلاکیہ کے بت سے تعاون نہ کرو تو ہماری زندگیوں کا خیال رکھنا برسوں سے پریشانیوں کا شکار اس قبیلے کو تمہاری وجہ سے نئی زندگی مل جائے گی۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔" وہ میرا ہاتھ پکڑے آگے بڑھنے لگا میرے دل کی عجیب کیفیت تھی۔ تجسس خوف پُراسرار واقعات ان سب نے مل کر میری عجیب کیفیت بنا دی تھی میرا دل چاہتا تھا کہ بوڑھے سے ہاتھ چھڑا کر بھاگ جاؤں اور کبھی دل یہ چاہتا تھا کہ دیکھوں تو کیا ہونے والا ہے۔

کیا ہو گا؟ میں خود بھی ایک پُراسرار کہانی کا کردار بن گیا تھا وہ کردار بھی تو میرے جیسے انسان ہوتے تھے۔ جو اسرار کے طلسم میں الجھ کر عجیب وغریب حیثیت اختیار کر لیتے۔ دیکھوں تو سہی میری کیا کیفیت ہوتی ہے اور کسی پُراسرار چکر میں الجھنے کے بعد انسان کیا محسوس کرتا ہے اور پھریوں بھی لاکھ یہ پجاری عام حیثیت کا کوئی انسان معلوم ہوتا تھا لیکن اس کی پُراسرار قوتیں میرے سامنے عیاں تھیں۔ میں ان کا تجربہ کر چکا تھا۔ میں اس کے ساتھ چلتا رہا پجاری مجھے لئے ہوئے ایک بلند پہاڑی کے نزدیک پہنچ گیا جو چاندنی میں بے حد پُراسرار معلوم ہو رہی تھی۔ پہاڑی بھورے رنگ کی تھی لیکن اس میں ایک حصہ بالکل سیاہ تھا اس کے سامنے چٹانیں سیڑھیوں کی طرح پھیلی ہوئی تھیں۔ بوڑھا میرا ہاتھ پکڑے پکڑے ان سیڑھیوں کو طے کرنے لگا اور آخری سیڑھی کے پلیٹ فارم پر ہم دونوں کھڑے ہو گئے۔ سامنے ہی وہ سیاہ چٹان تھی جو بڑی ہیبت ناک معلوم ہو رہی تھی۔ بوڑھے نے آسمان کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہو گئی۔ چاند کافی سفر طے کر چکا تھا اور ایک بار پھر اس کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھ گئے۔ وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدا رہا تھا میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا قوی ہیکل بوڑھا اپنی عمر کے لحاظ سے کافی طاقتور تھا اس کی چمکدار نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر اچانک اس کے منہ سے کچھ آوازیں بلند ہوئیں اور میں اچھل پڑا۔ میں نے اس سیاہ چٹان میں گڑگڑاہٹ کی آواز سنی اور میں پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ چٹان میں ایک گول سوراخ نمودار ہو گیا تھا اس سوراخ کے سامنے سے ٹوٹنے والا ٹکڑا نیچے لڑھک رہا تھا۔ میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پہلے سوراخ کو اور پھر بوڑھے کو دیکھا۔

"راستہ کھل گیا۔ جاؤ اندر چلے جاؤ۔ وہاں تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے مقدس

سلاکیہ تمہاری منتظر ہے اندر چلے جاؤ۔ میرے بچے جاؤ۔" اس نے کہا اور میں نے جھجک کر سوراخ کی طرف دیکھا اس کے دوسری طرف گھور تاریکی نظر آرہی تھی۔ "جھجکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اندر چلے جاؤ تاکہ صبح کو روشنی پھول کھلا دے جاؤ وہی تمہارا مسکن ہے۔" اور میرے قدم خود بخود اس سوراخ کی طرف بڑھ گئے میں نے خوفزدہ انداز میں سوراخ میں قدم رکھا اور اس کے دوسری طرف ہموار زمین محسوس کر کے اندر داخل ہو گیا۔

ٹٹول ٹٹول کر میں نے دوسرا قدم اٹھایا زمین بالکل ہموار تھی میں نے پھونک پھونک کر تین قدم اندر رکھے اور ایک بار پھر اچھل پڑا۔ میرے تیسرے قدم کے ساتھ ہی غار منور ہو گیا میں نے خود بخود جل اٹھنے والی مشعلوں کو دیکھا۔ جو دیوار میں نصب تھیں۔ ان مشعلوں سے رنگین روشنیاں پھوٹ رہی تھیں اور وہ ایک قطار میں لگی ہوئی تھیں۔ میں تعجب سے اس پُراسرار ماحول کو دیکھنے لگا۔ فضا میں ایک خوشگوار اور مسحور کن بو پھیلی ہوئی تھی مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ بو کہاں سے آرہی ہے میں مزید چند قدم آگے بڑھا مشعلوں کی قطاریں میری رہنمائی کر رہی تھیں۔ یہ ایک لمبی سرنگ تھی جو نہ جانے کہاں تک چلی گئی تھی بہرحال کوئی پُراسرار قوت میری رہنمائی کر رہی تھی میں آگے بڑھتا رہا سرنگ طویل ثابت نہ ہوئی اور اس کا اختتام ایک کشادہ ہال میں ہوا۔ اس کشادہ ہال میں ایک سیاہ چٹان بالکل چوکور تراشی ہوئی رکھی تھی اور اس چٹان کے عقب میں پتھر کا ایک پُراسرار چہرہ موجود تھا دلکش خدو خال مسکراتے ہونٹ جو بالکل سرخ تھے۔ سرخ آنکھیں جو خوفناک ہونے کے باوجود عجیب سی دلکشی کی حامل تھیں۔ میں اس نسوانی چہرے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ میرے دل میں ہلچل سی مچ رہی تھی چہرے کے نقوش میرے دل میں گداز پیدا کر رہے تھے۔ درحقیقت میں کسی سحر میں بند ہو گیا تھا میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ اس چہرے سے نگاہیں ہٹاؤں تب اچانک میں نے ان سرخ ہونٹوں کو مسکراہٹ کے انداز میں پھیلتے دیکھا اور میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ نہ جانے یہ میرا وہم تھا یا حقیقت۔ ہاں وہ مسکراہٹ تھی ایک دلکش مسکراہٹ جو اب پورے چہرے پر پھیلتی جا رہی تھی اور پھر بے جان آنکھوں میں روشنی کی چمک پیدا ہوئی' ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ پلٹ کر بھاگ نکلوں لیکن دوسرے لمحے دل سے یہ خیال نکل گیا۔ میں ان دلکش آنکھوں میں کھو گیا دو ہاتھ کی انگلیاں نظر آئیں سرخ و سفید انگلیاں جو چٹان کے عقب سے ابھر رہی تھیں اور میں اس سفید ہاتھ کو دیکھ کر اچھل پڑا۔ بڑا سنسنی خیز تجربہ تھا۔ چٹان سے تراشا ہوا مجسمہ مسکرا رہا تھا اور چٹان کے عقب سے گوشت پوست کا ہاتھ ابھر رہا تھا جس کا

رنگ سیاہ چٹان سے مختلف تھا۔ میں ابھرتے ہوئے اس حسین ہاتھ کو دیکھتا رہا جو اب چٹان سے آگے نکل آیا تھا اور پھر اس ہاتھ نے مجھے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ بڑا دلکش اشارہ تھا میں نے حیران آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا بڑے تیکھے انداز میں مجھے دیکھ رہی تھیں پھر ایک گڑ گڑاہٹ کے ساتھ چٹان ایک طرف سرک گئی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

ایک نسوانی پیکر چٹان کے عقب میں کھڑا تھا حسن و دلکشی کا مرقع گوشت پوست کا پیکر یہ چہرہ وہی تھا لیکن جسم اس سے ذرا مختلف میرا منہ حیرت سے کھل گیا تب میرے کانوں میں ایک مترنم آواز گونجی۔ "ار.......... لا.......... شا۔" رک رک کر یہ تینوں الفاظ ادا کئے گئے لیکن ان الفاظ میں کیا تاثیر تھی۔ میری حیرت ختم ہو گئی میرے دل میں ایک عجیب سا جذبہ جاگ اٹھا اور میرا دل چاہا کہ آگے بڑھوں اور اسے قریب سے دیکھوں اور میرے قدموں نے میرا ساتھ دیا۔ میں آگے بڑھ کر اس کے بالکل قریب پہنچ گیا ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ آنکھوں کی کشش بڑھ گئی۔

"بھول گئے ارلاشا!" اس نے عجیب سے انداز میں کہا اور میرے ذہن میں ایک مشین چل پڑی مجھے احساس ہونے لگا جیسے میں اسے برسوں سے جانتا ہوں یہ چہرہ تو میری روح میں رچا ہوا تھا۔ یہ آنکھیں تو میرے شعور کی گہرائیوں میں موجود تھیں۔ ایسا دلکش سوال تھا۔ "سلاکیہ.........." میں نے بھی اسی انداز میں کہا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ہاں ارلاشا میں تمہاری سلاکیہ ہوں میں ہی تمہاری سلاکیہ ہوں۔" وہ بھی آگے بڑھی اور ہم دونوں اس طرح بغلگیر ہو گئے جیسے برسوں کے بچھڑے ہوئے ساتھی ہوں۔ میرے حواس اب بھی بحال تھے لیکن میرے اعضاء میری زبان میرے قابو میں نہ تھی۔ میں سوچ کچھ رہا تھا تاہم اس کے سینے سے لگ کر مجھے ایک عجیب سکون کا احساس ہوا۔

"پھر صدیوں بعد ملے ہیں کیا تمہیں پہلے کی باتیں یاد نہیں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں سلاکیہ میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے کہا۔

"ہاں تم میری دنیا سے دور کے انسان ہو تم میرے بارے میں کبھی کچھ نہ جان سکو گے یہی دیوتاؤں کی مرضی ہے۔" اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا پھر میرا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ "آؤ ارلاشا گھر چلیں صدیوں کا ملاپ ہے دل میں بہت سی باتیں ہیں جو ایک دوسرے سے کریں گے۔" اور میں اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا لیکن سلاکیہ سے اجنبیت محسوس نہیں ہو رہی تھی میں بھول گیا تھا کہ وہ کن حالات میں مجھے ملی ہے بس اس کے جسم سے اٹھنے والی بھینی بھینی خوشبو مجھے ایک عجیب سا احساس دلا رہی تھی وہ مجھے لئے

ہوئے غار کی ایک اجنبی سرنگ کی طرف بڑھ رہی تھی اور ہم اس سرنگ سے بھی گزر گئے دوسری طرف ایک انتہائی خوبصورت ماحول تھا۔ ایک سرسبز و شاداب قطعہ۔ وہاں دن تھا نہ رات تھی۔ بس ملگجا سا بھیگا ماحول تھا۔ موسم ٹھنڈا اور خوشگوار کھلے ہوئے پھولوں کے درمیان ایک ننھا سا تالاب جس کے شفاف پانی میں رنگین مچھلیاں تیر رہی تھیں اور تالاب کے کنارے ایک خوبصورت سا سفید مکان کسی قسم کی لکڑی سے بنا ہوا تھا یہ جگہ دیکھ کر روح کو عجیب سی فرحت کا احساس ہوا اور روشنی میں سلاکیہ کو دیکھا۔ سیاہ چہرہ لیکن تیکھے نقوش حسین تراش کا جسم بلاشبہ وہ خوبصورت ترین جسم کی مالک تھی اور پھر اس کی محبوبانہ چال خود سپردگی کا حسین انداز ایک انوکھی کیفیت جذبات پر طاری ہو رہی تھی وہ مجھے لئے ہوئے پھولوں کے ایک کنج کے قریب پہنچ گئی اور پھر اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ "یہ جگہ یاد نہیں ارلاشا؟"

"مجھے کچھ یاد نہیں ہے سلاکیہ سوائے اس کے کہ میں تمہیں جانتا ہوں میری روح کی گہرائیوں میں تیری تصویر محفوظ ہے۔" مین نے کہا اس نے میرا بازو پکڑ کر مجھے بٹھایا اور خود بھی میرے قریب بیٹھ گئی۔

"تم کچھ یاد نہیں رکھ سکتے میرے محبوب۔ بے شک تمہیں کچھ بھی یاد نہیں رہنا چاہئے کیونکہ تم ہم میں سے نہیں ہو تم ایک الگ دنیا کے باسی ہو لیکن ایک نہ ایک دن تم ہم میں سے ضرور ہو گے۔"

"میں تمہیں چاہتا ہوں سلاکیہ۔"

"میں بھی تمہاری دیوانی ہوں ارلاشا تم کوئی بھی ہو میں تمہاری ہوں۔"

اس نے میرے سینے پر سر رکھ دیا اور اس کے جسم سے اٹھتی ہوئی مہک میرے دماغ کو معطر کرنے لگی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا' سرخ آنکھوں میں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا میرا دل چاہا کہ اس سمندر میں ڈوب جاؤں۔ ہم دونوں ایک دوسرے میں گم ہو گئے اور تالاب کی مچھلیاں دوڑ دوڑ کر کنارے پر آ گئیں وہ پانی میں جست کر کے ہمیں دیکھ رہی تھیں۔ پانی کی شڑاپ شڑاپ سے ہم چونکے سلاکیہ نے تالاب کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں شرم کے تاثرات پیدا ہو گئے۔ میری نگاہ بھی کنارے پر موجود مچھلیوں پر جم گئی تھی۔ "بڑی شریر ہیں یہ مچھلیاں ہمیشہ مجھے تنگ کرتی ہیں آؤ اندر چلیں۔" اس نے شرگیں آواز میں کہا اور میں اس کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔ میرے قدم بوجھل ہو رہے تھے۔ نشے کی سی کیفیت تھی اس کے جسم کی بو مجھے پاگل کر رہی تھی۔ ہم تالاب کے کنارے پر بنے ہوئے چھوٹے سے خوبصورت مکان میں پہنچ

گئے۔ سلاکیہ نے مکان کے دروازے سے جھانک کر تالاب کی طرف دیکھا اور ہنس پڑی۔ "چلی گئیں مایوس ہو گئیں۔" اس نے بچوں کے سے انداز میں کہا اور دروازہ بند کر دیا۔ میں اس چھوٹے مکان کو دیکھ رہا تھا۔ صرف ایک کمرہ تھا جس میں ایک طرف پتھر کی تراشی ہوئی خوبصورت مسہری پڑی تھی۔ زمین پر جانوروں کی کھالیں بچھی ہوئی تھیں چاروں طرف گملے رکھے ہوئے تھے جن میں پھول مہک رہے تھے۔ اس نے میرا بازو پکڑا اور مسہری کی طرف بڑھ گئی۔ پھر اس نے مجھے اپنے نازک جسم کے بوجھ سے مسہری پر بٹھا دیا اور میری شکل دیکھنے لگی۔

"کتنے دکھ کی بات ہے ارلاشا ہم ہمیشہ اجنبی ہوتے ہیں آخر دیوتا یہ اجنبیت کب ختم کریں گے ہم ایک نگاہ میں ایک دوسرے کو کب پہچانیں گے۔ ایسا کب ہو گا ارلاشا؟"

"میں نہیں جانتا سلاکیہ!" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ یاد ہے تو بتاؤ تم کون ہو؟"

"ایک بحری جہاز کا کپتان جس کی زندگی میں یہ واقعات ایک خواب کی حیثیت رکھتے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور اس کے چہرے پر اداسی پھیل گئی اور اس کے بعد جب تم خواب سے جاگو گے تو میں تم سے بہت دور ہوں گی۔ نہ جانے کتنی دور اس نے ایک سسکی لے کر کہا اور پھر وہ مجھ سے لپٹ کر سسکنے لگی میرا دل بھی غم میں ڈوب گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس سے کیا کہوں۔ بہرحال میں اس کے لئے غمزدہ تھا۔ کئی منٹ کے بعد اس کی سسکیاں تھمیں اور پھر وہ درد بھری آواز میں بولی۔ "یہی دیوتاؤں کی مرضی ہے ارلاشا ہم سب بے بس ہیں بے شک ہم بے بس ہیں آؤ دیوتاؤں کی خواہش پوری کریں ہم تو ان کے کھلونے ہیں۔ صرف کھلونے۔" اور اس نے نہایت بے باکی سے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں اس قدر آگے بڑھ جاؤں گا لیکن سلاکیہ میری رہنمائی کر رہی تھی۔ سلاکیہ کی آغوش میں سب کچھ فراموش کر بیٹھا اور جب عقل واپس آئی تو سلاکیہ میرے حواس پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک تھی۔ "تم نے ہندوریہ کو سلاکیہ بخش دی۔" اس نے محبت سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں کچھ نہیں جانتا سلاکیہ میں کچھ نہیں جانتا لیکن اب تم سے جدائی مجھے گوارہ نہ ہو گی۔" میں نے اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا اور سلاکیہ بھی میری محبت کا جواب محبت سے دینے لگی اور پھر اس خوبصورت جگہ میں سلاکیہ کی معیت میں وقت کا احساس بھی نہ ہوا۔

میں سلاکیہ کے ساتھ انتہائی دلکش لمحات گزار رہا تھا۔ میرے ذہن میں سب کچھ محو ہو گیا تھا۔ صرف سلاکیہ کی آغوش یاد تھی۔ سلاکیہ ایک وفادار عورت تھی وہ میرا خیال رکھتی تھی۔ ہمارے دن رات طرب سے گزر رہے تھے۔ اب سلاکیہ کے جسم میں ایک نمایاں تبدیلی آگئی تھی اور میں اس تبدیلی سے اچھی طرح واقف تھا کبھی کبھی میں اس تبدیلی کے بارے میں عجیب انداز میں سوچنے لگتا۔ وہ ہماری اولاد ہو گی کیا ہم اس جگہ اس کی پرورش کریں گے۔ مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا کہ کون سی جگہ ہے لیکن سلاکیہ نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی اکثر اس تذکرے پر وہ خاموش ہو جاتی۔ وقت کو پر لگ گئے تھے۔ پھر اس نے ایک بچی کو جنم دیا بالکل سلاکیہ کی طرح تھی سیاہ چہرہ سرخ آنکھیں اور دودھ کی طرح سفید جسم۔ بچی کو جنم دینے کے بعد سلاکیہ کے چہرے پر ایک پتھریلا سکوت چھا گیا تھا۔ اس کے ہونٹ مسکراہٹ سے عاری تھے۔ پھر جب دن کی روشنی ہوئی تو وہ بچی کو میرے حوالے کر کے مکان کے دروازے سے نکل گئی۔ میں نے سوچا شاید وہ تالاب کی طرف جا رہی ہے لیکن کافی وقت گزر گیا اور وہ واپس نہیں آئی بچی کو گود میں لئے ہوئے میں دروازے سے باہر نکل آیا لیکن سلاکیہ کہیں موجود نہ تھی۔ میں نے اسے آوازیں بھی دیں لیکن سلاکیہ کا کہیں نشان نہ تھا۔ مجھ پر ہول سوار ہونے لگا میں بچی کو گود میں لئے چاروں طرف دوڑنے لگا۔ سلاکیہ کو آوازیں دے رہا تھا لیکن سلاکیہ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ میرے حواس گم ہوئے جا رہے تھے۔ میں دیوانوں کی طرح ایک طرف بڑھ رہا تھا تب مجھے اس سرنگ کا دروازہ نظر آیا جس میں سے گزر کر میں سلاکیہ کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ ممکن ہے سلاکیہ اس غار میں کہیں موجود ہو چنانچہ میں پھر دوڑنے لگا یہاں تک کہ میں اس غار میں پہنچ گیا جہاں سلاکیہ کو پہلی بار دیکھا تھا اور پھر میری آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔

سلاکیہ اس چٹان کے پیچھے موجود تھی لیکن پتھر کے اس مجسمے کی شکل میں۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ چیخ چیخ کر آوازیں دیں لیکن پتھر کے بے جان چہرے پر کسی قسم کے تاثرات پیدا نہیں ہوئے۔ میرے حواس گم ہوئے جا رہے تھے پتھر کے اس مجسمے کو ہلانے کی کوشش میں ناکام ہو کر میں بچی کو سینے سے لگائے ہوئے غار کے دہانے سے باہر نکل آیا۔ تب میری نگاہ بوڑھے پجاری پر پڑی وہ آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیے اسی طرح کھڑا تھا جیسے میں چھوڑ کر گیا تھا۔ ”جوشان سلاکیہ کہاں گئی اس کا کہیں پتہ نہیں ہے۔“ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور بوڑھا پجاری مجھے دیکھنے لگا۔

”وہ تو تمہاری گود میں موجود ہے ارلاشا دیکھو اس نے جنم لے لیا ہے دیکھو

ہندوریہ کی قسمت بدل گئی ہے۔ زمین خزانے لٹا رہی ہے ہندوریہ کے درختوں کا ایک پتہ بھی خشک نہیں ہے۔ دیوی واپس آگئی ہے ارلاشا دیوی واپس آگئی۔“ بوڑھے نے خوشی سے بھرپور آواز میں کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ ”تمہارا شکریہ ارلاشا! ہندوریہ کے ایک ایک بچے کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔“

”سلاکیہ کہاں گئی جوشان‘ سلاکیہ کہاں ہے؟“ میں نے غم آلود لہجے میں کہا اور میرے قدم بے جان ہونے لگے میں صدمے سے بے ہوش ہو گیا اور پھر جب ہوش میں آیا تو میں نے اپنا جسم ہچکولے لیتا محسوس کیا۔ میرے جہاز کے عملے کے لوگ مجھے گھیرے کھڑے تھے اور میں مستول پر کریون گولڈ کا جھنڈا لہرا رہا تھا اور لہروں کی مانوس آوازیں مجھے سنائی دے رہی تھیں۔ میرے حواس جواب دینے لگے میں اپنے جہاز کے عرشے پر پڑا تھا صبح ہو چکی تھی اوز میری بے ہوشی سے میرے عملے کے لوگ پریشان نظر آرہے تھے۔

”کیسی طبیعت ہے چیف؟“ میرے ماتحت نے مجھ سے پوچھا۔

”میں واپس کیسے آیا؟ مجھے یہاں کون ڈال گیا؟“

”آپ کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی شاید صبح کو خلاصی ادھر آئے تو انہوں نے آپ کو دیکھا۔“

”سلاکیہ کہاں ہے میری بچی کہاں ہے؟“ میں نے بدحواس ہو کر پوچھا اور میرے عملے کے لوگ مجھے حیرت سے گھورنے لگے۔

پھر اس کے بعد تم خود سمجھ سکتے ہو میرے دوست آہ تم خود سمجھ سکتے ہو نہ جانے کتنے سال بیت گئے۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا یہ سب کچھ ایک زندہ خواب کی مانند میری نگاہوں کے سامنے سے گزرتا ہے۔ ہر رات میں اپنے آپ کو ہندوریہ کی وادیوں میں پاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ سلاکیہ میری محبوبہ میری بچی کی حیثیت سے ان وادیوں میں نظر آتی ہے جہاز کی ملازمت چھوڑ دی لیکن اس کے بعد نہ جانے کب تک ان علاقوں میں بھٹکتا پھرا ہوں۔ نہ جانے کیسے کیسے ذرائع سے کام لے کر معلومات حاصل کی ہیں لیکن قبیلہ ہندوریہ مجھے کبھی نہیں ملا۔ سلاکیہ مجھے کبھی نہیں ملی جو زندگی گزار رہا ہوں وہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے لئے ہے کچھ بھی نہیں ہے میری زندگی بس صبح کہیں شام کہیں اپنی شخصیت کو کھو دینا چاہتا ہوں۔ بھلا دینا چاہتا ہوں جہاز کے کپتان کو جسے زندگی میں یہ چوٹ کھانی پڑی تھی۔ سجاد زار و قطار رونے لگا مجھے بے اختیار ہنسی آرہی تھی میں اپنی اس ہنسی کو روکنے کی کوشش کرنے لگا جس سے میرا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ حالانکہ بڑی عجیب بات تھی ایک دکھ بھری کہانی سننے کے بعد تو انسان کے دل بری طرح متاثر ہو جاتے ہیں لیکن

میں ہنس رہا تھا اپنی تقدیر پر اس کی تقدیر پر کیا مزیدار بات ہے۔ انسان نہ جانے کیسے کیسے حالات کا شکار ہوتا ہے۔ سبھی غمزدہ ہیں کسی نہ کسی شکل میں کوئی نہ کوئی مشکل میں پڑا ہی ہوا ہے زندگی کے بہت سے شعبے ہیں کوئی فوج میں ملازمت کرتا ہے۔ کوئی ڈاکٹر ہو کر انسانوں کی مدد کرتا ہے۔ فوجی ہو کر اپنے وطن کی بقاء کے لئے لڑتا ہے۔ پولیس میں شامل ہو کر جرم کرنے والوں کو سیدھی راہ پر لاتا ہے۔ کوئی سڑکوں کی صفائی کرتا ہے۔ حفظان صحت کے لئے ہر شخص کوئی نہ کوئی خدمت انجام دیتا ہے۔ سڑکوں پر بیٹھے ہوئے سڑک چھاپ نجومی قسمت کا حال بتاتے ہیں۔ درویش بن کر لوگوں کے سر سے جادو جن بھوت اتارتے ہیں لیکن یہ سب غیر قومی جذبے کے تحت ہوتا ہے۔ پہلے کے تذکرہ کیے ہوئے لوگ بے شک اپنے فرض قومی فریضے کے طور پر انجام دیتے ہیں لیکن سڑک چھاپ نجومی اور کالے جادو کے ماہر چند پیسوں میں قسمت کا حال بتانے والے میرے خیال میں انسان کو بھٹکاتے ہیں۔ کوئی ایسا شعبہ بھی تخلیق ہونا چاہئے جس میں لوگوں کے یہ مسائل حل کیے جائیں۔ اپنے خیال پر خود ہی ہنسی سی آنے لگی سجاد کی سسکیاں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔

میں نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا' میں تمہارے دکھ کو سمجھ چکا ہوں سجاد واقعی تم بہت ہی دکھی انسان ہو اس نے آنسو بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولا۔

"ساری باتیں اپنی جگہ شاید اپنی محبوبہ کو بھلا دیتا لیکن وہ معصوم بچی جو اس دنیا میں سلاکیہ کی حیثیت سے آئی تھی۔ ان لوگوں کے طلسم کا شکار ہو گئی۔ آہ وہ سنگی مجسمہ کچھ وقت کے لئے زندہ ہوا تھا میں جانتا ہوں میری ننھی سی معصوم بچی بڑے پجاری کے پاس ہو گی لیکن وہ کمبخت قبیلہ نہ جانے کہاں زمین کے نیچے سما گیا ہے۔ بس اس کا پتہ نہیں ملتا مجھے۔ آہ کاش کوئی مجھے اس کا پتہ بتا دے۔" سجاد سسکیاں لیتے ہوئے بولا لیکن بہرحال کون ایسا تھا جو اسے اس کا پتہ بتا دیتا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ "میرے دوست اگر تم اس دنیا میں تنہا ہو تمہارا کوئی بھی نہیں ہے تو میرے ساتھ رہو میں سڑکوں اور بازاروں میں بھٹکتا پھرا ہوں۔ مجھے کسی ایسے ہمدرد کی تلاش تھی جو میرے دکھ میں شریک ہو جائے۔ جو کم از کم میرے درد بھرے دل پر مرہم ہی رکھ دیا کرے۔ میرے زخموں کو اپنا زخم سمجھ لیا کرے۔ ایک تھوڑا سا دلاسہ تھوڑی سی کہانی۔ میں نے بھی دل میں سوچا کہ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ تھوڑی سی خود غرضی ہر انسان کی زندگی کا حصہ ہوتی ہے۔ سجاد کو اگر کسی ساتھی کی ضرورت ہے تو مجھے بھی تو کوئی پناہ گاہ درکار ہے سجاد کو تو خیر ایک ٹھوکر لگ چکی ہے۔ مگر مجھے تو ٹھوکریں لگ رہی تھیں۔ ٹھوکر پر ٹھوکر۔ نہ جانے کیسی کیسی مصیبتیں

میرے سر پڑ گئی تھیں۔ محبت کی تھی تو ربابہ جیسی پُراسرار لڑکی سے جس کا سراپاؤں ہی سمجھ میں نہیں آتا تھا اور اس کے بعد ایک اور کمبخت چڑیل میری جان کی گاہک بن گئی تھی۔ ورنہ کون چاہتا ہے بس اپنی اپنی آرزوئیں لئے سب زندگی کی صلیب پر لٹکے رہتے ہیں۔ سجاد کا ساتھ قبول کر لیا وہ میرے راضی ہو جانے سے خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے مجھے اپنے فلیٹ کی ایک ایک چیز دکھائی اور بولا جو کچھ نہیں ہے وہ وہ تمہیں مہیا کر دوں گا۔ تم فکر مت کرنا۔

بہرحال دوسرے دن صبح کو ناشتے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں سجاد کے ساتھ باہر نکل آیا۔ سجاد کو میں نے اپنی کہانی بہت مختصر انداز میں اور اس طرح سنائی تھی کہ بہت سی حقیقتیں اس کے علم میں نہیں آ سکی تھیں۔ ہم لوگ بازاروں میں سفر کرتے رہے۔ سجاد بھی صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ وہ کہنے لگا دل چاہتا ہے دنیا کی ہر چیز خرید لوں بہت سے پیسے میرے پاس بے کار پڑے ہوئے ہیں ان کا کوئی مصرف نہیں ہے۔ آہ اگر انسان صاحب اولاد ہو تو کتنا اچھا لگتا ہے اسے اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے چیزیں خریدنا۔

میں نے ایک دن ریستوران میں بیٹھے ہوئے اس سے کہا سجاد میں ایک مشورہ دوں برا نہ مانو تو۔

"تمہارے لہجے میں سنجیدگی بتاتی ہے کہ تم مجھے کیا مشورہ دو گے؟"

"کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہو گے کہ تم شادی کر لو کیوں یہی کہو گے نا تم بیوی ہو گی بچے ہوں گے۔ کر لوں میں میرے دوست ایسا کر لوں مگر تم یقین کرو جب بھی کبھی میں ایسا تصور کرتا ہوں تو دور کہیں خلاؤں میں مجھے دو آنکھیں گھورتی ہیں۔" میں نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا ٹھیک سمجھا تھا وہ بالکل ٹھیک سمجھا تھا۔ میں یہی کہنا چاہتا تھا۔ اس سے بہرحال اس کے بعد میں خاموش ہو گیا۔ سجاد نے کہا یقین کرو اس دوران ایک دو بار ایسا ہوا ہے کہ کچھ لڑکیوں نے میرے قریب آنے کی کوشش کی لیکن مجھے خلاء میں گھورتی ہوئی دو آنکھیں.......... وہ آنکھیں۔ آہ شیشے کے اس پار اس وقت بھی میری جانب دیکھ رہی ہیں ایک عجیب سی کیفیت ہے ان آنکھوں میں۔" اس نے اشارہ کیا اور میری نگاہیں بے اختیار شیشے کی جانب اٹھ گئیں۔ درحقیقت وہاں دو آنکھیں موجود تھیں دو پُراسرار آنکھیں دو انوکھی آنکھیں لیکن ان آنکھوں کے نیچے کچھ انوکھے نقوش بھی تھے میں شدت حیرت سے اچھل پڑا۔ سجاد اپنی بات کر رہا تھا لیکن میں جن دو آنکھوں کو دیکھ رہا تھا

انہیں دیکھ کر میری روح کی گہرائیوں میں لرزشیں پیدا ہو گئی تھیں۔ آہ یہ آنکھیں یہ آنکھیں تو اسی منحوس چڑیل کی تھیں جس کی وجہ سے میں بھاگ کر یہاں آیا تھا جو میرے تین دوستوں کو کھا چکی تھی۔ وہی بھیانک چڑیل نیلم ساجد علی یقینی طور پر شیشے کی دوسری جانب موجود تھی۔ میں بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا اور دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ بیچارہ سجاد حیرت سے منہ پھاڑے دیکھتا رہا۔ میں برق رفتاری سے دوڑتا ہوا اس جگہ تک پہنچا تھا جہاں مجھے وہ آنکھیں نظر آئی تھیں۔ تھوڑے فاصلے پر ایک بھکارن تیز تیز قدموں سے جا رہی تھی اس کے بدن پر میلے کچیلے کپڑے تھے۔ بلکہ چیتھڑے جھول رہے تھے۔ وہ لنگڑا رہی تھی اس کے سر کے بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے یہی بھکارن تھی جو ابھی شیشے کے پاس سے ہٹی تھی لیکن یہ بھکارن نہیں نیلم ساجد علی تھی۔ میں اچھی طرح پہچان رہا تھا بہت سی ایسی شناخت کی چیزیں تھیں جن سے نیلم ساجد علی کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔ میرے تن بدن میں خوف کی لہریں دوڑ گئیں۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ میری تلاش میں بھٹکتی ہوئی یہاں تک آ گئی ہے۔ میں دوڑنے لگا تو میں نے بھکارن کو بھی دوڑتے دیکھا وہ مخالف سمت جا رہی تھی۔ کافی فاصلے پر پہنچ کر ایک بار پھر وہ رکی اور اس نے پلٹ کر دیکھا۔

آہ وہی منحوس جھریوں والا چہرہ جو نیلم ساجد علی کا ایک بار ہو چکا تھا وہ جو تبدیل ہونے کے بعد ایسا ہی ہو جاتا تھا اس کی آنکھوں میں خوفناک سرخی لہرا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں وہ مجھے گھورنے لگی اور اس کے بعد اس نے برق رفتاری سے پھر آگے چھلانگ لگا دی۔ میں رک گیا اگر میں اس کے پیچھے دوڑتا تو کیا بگاڑ سکتا تھا اس کا' بھکارن کے روپ میں وہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ میں اسے پکڑ لیتا اسے مارتا لوگ جمع ہو جاتے اور پھر میرا نہ جانے کیا حشر ہوتا اور پھر میں اسے مار بھی سکتا تھا یا نہیں۔ وہ تو پُراسرار قوتوں کی مالک ایک چڑیل تھی۔ میں کیا کر سکتا تھا کیا بگاڑ سکتا تھا خوف سے میرے قدم منجمد ہو گئے تھے۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد مجھے سجاد اپنی طرف آتا ہوا نظر آیا وہ حیران اور پریشان میرے قریب پہنچ گیا۔ "ارے کیا ہو گیا تمہیں کیا ہو گیا۔ بتاؤ کیا ہوا۔ کیوں نکل بھاگے تھے وہاں سے؟"

"آؤ سجاد۔" میں نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"یار کچھ تو بتاؤ کس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ میں نے دیکھا تھا ہوٹل سے باہر نکل کر کوئی تم سے آگے کافی فاصلے پر بھاگ رہا تھا۔ مگر وہ تو ایک بھکارن تھی میلے کچیلے چیتھڑوں میں ملبوس۔"

"ہاں نہ جانے کیوں مجھے یوں لگا تھا جیسے میری شناسائی ہو اس بھکارن سے۔" سجاد چند لمحات مجھے دیکھتا رہا۔ نیلم ساجد علی یا خوفناک بھکارن یا پھر ہولناک چڑیل غائب ہو چکی تھی۔ اب اس کے بارے میں کچھ کہنا ہی بے کار تھا۔ سجاد واپس پلٹا تو میں نے کہا کیا تم نے ہوٹل کا بل ادا کر دیا؟

"ہاں ایک نوٹ پلیٹ کے نیچے دبا کر آ گیا ہوں۔ میں تو سخت پریشان ہو گیا تھا کہ نہ جانے تمہیں کیا ہوا؟"

"بس یار کبھی کبھی مجھ پر اس طرح کے دورے پڑ جاتے ہیں۔ کیا بتاؤں تمہیں؟"

"دوست ایک بات کہوں تم بھی کچھ پُراسرار حقیقتوں میں لپٹے ہوئے ہو نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہوتا ہے۔"

"اب کہاں چلیں؟"

"کہیں بھی نہیں آؤ تھوڑی دیر گھومتے پھرتے ہیں۔ میں تم سے اب بھی تمہارے بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا لیکن اگر دل چاہے تو تم مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دینا۔ میرے دوست اس سے دل کا بوجھ کافی ہلکا ہو جاتا ہے۔ جیسے میرا' یقین کرو جب سے میں نے تمہیں اپنی کہانی سنائی ہے اپنے آپ کو اس کے بعد سے کافی ہلکا محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے سجاد کو کوئی جواب نہیں دیا اور ہم لوگ واپس فلیٹ آ گئے۔

میرے آ جانے پر سجاد بہت خوش تھا وہ کھانے پینے میں دلچسپی لے رہا تھا رات کو اپنے بستر پر لیٹ کر میں دہشت سے کانپتا رہا۔ نیلم ساجد علی کا نظر آ جانا اس بات کی دلیل تھی کہ آخر کار وہ مجھے تلاش کرتی ہوئی یہاں تک آ گئی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اب کیا ہو گا۔ آہ میں کچھ نہیں جانتا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں؟ زندگی ایک ہولناک صحرا بن کر رہ گئی تھی ایسی وحشت سوار ہوئی کہ دل چاہا کہ یہاں سے نکل بھاگوں۔ میں تھوڑی دیر تک لیٹا رہا اور اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھا تھوڑے فاصلے پر ایک چھوٹا سا پارک موجود تھا۔ اس پارک کو میں دن کی روشنی میں دیکھ چکا تھا۔ نہ جانے کیوں میرا دل چاہا کہ اس پاک کی جانب جاؤں اور کچھ نہیں تو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے میرے وجود کو سکون بخشیں گے نیلم ساجد علی کا تصور مجھے مسلسل دہشت زدہ کر رہا تھا۔ دوسرے کمرے میں سجاد گہری نیند سو رہا تھا۔ میں خاموشی سے فلیٹ کے دروازے سے باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر کے بعد سنسان اور ویران پارک میں داخل ہو گیا۔ پارک میں لائٹیں موجود تھیں لیکن اس وقت پارک کی لائٹیں بجھی ہوئی تھیں۔ ہاں تھوڑے فاصلے پر سرکاری لائٹیں روشن تھیں۔ جن سے پارک کا ایک گوشہ منور نظر آ رہا تھا۔ پارک کے

پُرسکون ماحول میں مجھے تھوڑے سے سکون کا احساس ہوا۔ ہوا بھی بڑی اچھی چل رہی تھی میں ایک جگہ رک کر گہری سانسیں لینے لگا۔ سفید رنگ کی ایک بینچ سامنے پڑی ہوئی تھی میں سوچنے لگا کہ اس پر جا کر بیٹھ جاؤں لیٹ جاؤں۔ یقینی طور پر بینچ کے پتھر کی ٹھنڈک مجھے سکون بخشے گی۔ میں آہستہ آہستہ بینچ کی جانب چل پڑا لیکن نہ جانے مجھے ایسا کیوں محسوس ہوا کہ بینچ پیچھے ہوتی جا رہی تھی۔ ایک لمحے تک تو میں نے اسے اپنی نظروں کا دھوکہ سمجھا لیکن پھر جب مجھے یہ احساس ہو گیا کہ جتنا فاصلہ میں طے کر چکا ہوں اس کے تحت مجھے بینچ تک پہنچ جانا چاہئے تھا لیکن بنچ اپنی جگہ سے پیچھے کھسکتی جا رہی تھی تو میں ایک دم ٹھٹک کر رہ گیا۔ میرے دل میں ایک عجیب سے خوف نے جنم لیا۔ اچانک ہی مجھے اپنے عقب سے سرسراہٹیں محسوس ہوئیں اور میری آنکھیں ایک دم پلٹ پڑیں اور اس کے بعد میری نگاہ اس کالے رنگ کے ہیولے پر پڑی جو مجھ سے کوئی پندرہ گز کے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔ اس کی سرخ آنکھیں چمک رہی تھیں اور یہ ہیولہ ان آنکھوں کے نیچے روشن تھا جو نیلم ساجد علی کے علاوہ اور کسی کا نہیں تھا۔ وہی بھیانک مکروہ چہرہ جسے دیکھ کر میری دہشت عروج پر پہنچ جاتی تھی میرا بدن تھر تھر کانپنے لگا۔

دفعتاً ہی نیلم ساجد علی کی آواز ابھری۔ "اور تو سمجھتا تھا کہ مجھ سے بچ جائے گا کیا تجھے اس بات کا علم ہے کہ اب دونوں عورتوں میں سے بھی کوئی اس دنیا میں نہیں ہے۔ شمائلہ کو میں ختم کر چکی ہوں اور اس کی ماں فریدہ کو بھی۔ انہوں نے بھی ایک دوسرے شہر میں جا کر پناہ لی تھی لیکن بے وقوف میرے بارے میں نہیں جانتے۔ میرا نام کیا ہے تو بھی میرے بارے میں نہیں جانتا بھاگ سکتا ہے بھاگ' دیکھوں کیسے بھاگتا ہے تو۔" اس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور مجھے یوں لگا جیسے میرے پاؤں جم گئے ہوں۔ دفعتاً ہی میرے کانوں میں ایک ہلکی سی سرسراہٹ اور ابھری۔ یہ نیلم ساجد علی کے قدموں کی آواز نہیں تھی۔ بلکہ یہ آواز مجھے کہیں دور ہوا کے دوش پر آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور اس آواز میں ایک سرگوشی گھلی ہوئی تھی۔

"میں ہوں نا اور جب تک میں ہوں مجال ہے کسی کی کوئی تمہیں نقصان پہنچا سکے۔ میرے محبوب میں تمہارے لئے ہوں نہ جانے کب سے بھٹک رہی ہوں اور میں نہ جانے کب تک بھٹکتی رہوں گی۔ قصور میرا نہیں ہے میں چاہتی ہوں تمہیں۔ وقت نے ماحول نے حالات نے اگر تمہیں مجھ سے دور کر دیا ہے تو اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ ظالم دنیا تمہیں مجھ سے چھین لے۔ آخر کار ایک دن تم میرے ہو گے تم میرے ہو گے اور ان جیسی منحوس بلائیں تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گی کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گی۔" الفاظ

اس قدر واضح تھے کہ میں شدت حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا مجھے یوں لگا جیسے نیلم ساجد علی چونک کر رہ گئی ہو۔ دفعتاً اس کی خوفناک آواز ابھری۔ "کون ہے جو بھی کوئی ہے سامنے آئے۔" وہ چاروں طرف دیکھنے لگی اور پھر درخت کے عقب سے میں نے ایک سفید رنگ کے وجود کو نمودار ہوتے ہوئے دیکھا۔ لمبے سیاہ بال بے نقش چہرہ ہاں اس وقت اس کے چہرے پر کوئی نقش نہیں تھا لیکن میرا دل کہتا تھا کہ یہ ربابہ ہے۔ کالے کالے لمبے لمبے بکھرے ہوئے بال ہوا میں اڑتا ہوا سفید لباس۔ نیلم ساجد علی کی غراہٹ ابھری۔

"کون ہے تو؟"

"ایک پریم کی پجارن داسی ہوں اس کی جسے تو نقصان پہنچانے پر تلی ہوئی ہے اس کی ہر مشکل میں اس کا ساتھ دینے کے لئے اس سنسار میں آئی ہوں۔"

"تو اس سنسار سے واپس چلی جا تجھے پتہ نہیں تو کس کے سامنے آئی ہے؟"

"دیکھ پریم شکتی سنسار میں سب سے بڑی شکتی ہوتی ہے اس شکتی سے نہ ٹکرا تو۔ جو کچھ کرتی رہی ہے تو جانے اور تیرا دھرم پر اس کے خلاف اگر تو نے کچھ کیا تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" جواب میں نیلم ساجد علی کا بھیانک قہقہہ سنائی دیا میں جیسے پتھرا گیا تھا اور وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا تو بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔ ربابہ کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر اس وقت کوئی نقش نہیں تھا۔ بس یوں لگتا تھا جیسی کسی سنگ تراش نے ایک مجسمہ تراشا ہو اور ایک ایسی عورت کا حسین مجسمہ جسے دنیا کی سب سے حسین عورت کہا جا سکے لیکن ابھی اس کے نقوش نہ تراشے ہوں اس نے۔ دفعتاً ہی نیلم ساجد علی نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے تو اپنے محبوب کے ساتھ اس سنسار سے دفع ہو جا۔" اور دفعتاً ہی اس نے ایک مٹھی کھولی اور حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکالی اس کے ساتھ ہی بے شمار سانپ فضا میں اڑتے ہوئے آئے اور ربابہ کے جسم کے گرد چکر لگانے لگے لیکن ربابہ کے پورے بدن سے ایک سفید سا دھواں خارج ہونے لگا اور کچھ ہی لمحوں کے اندر اندر سانپ اس دھوئیں میں غائب ہو گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ چاروں طرف سے لمبی چونچ والے پرندے ربابہ کی طرف لپکے اور انہوں نے ربابہ کے بدن پر چونچیں مارنا شروع کر دیں لیکن دوسرے ہی لمحے ان پرندوں پر آگ کے شعلے چمکے اور وہ جلتی ہوئی شکل میں زمین پر گرنے لگے۔ میری روح فنا ہوئی جا رہی تھی۔ نیلم ساجد علی اپنے دو وار ناکام دیکھ کر غرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "فنا کر دوں گی میں تجھے فنا کر دوں گی۔"

"میں تجھے بتاتی ہوں کہ کون کسے فنا کرتا ہے۔"
اچانک ہی ربابہ کے دونوں ہاتھ فضا میں گھومے اور سفید زنجیروں کا ایک جال سا نیلم ساجد علی کی جانب لپکا نیلم ساجد علی کا پورا بدن زنجیروں میں جکڑ گیا تھا۔ ایک لمحے انتظار کے بعد اس نے ان زنجیروں کو توڑنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے تمام زنجیریں توڑ کر نیچے پھینک دیں۔ ایک بار پھر اس نے مٹھیاں بند کیں اور جب مٹھیاں کھولیں تو چمگادڑ جیسے بہت سے جانور ربابہ کی جانب لپکے۔ مجھے تو وہ لوگ بھول ہی گئے تھے اور آپس میں جنگ ہو رہی تھی۔ چمگادڑ جیسے جانوروں کی آوازیں بھی بلند ہو رہی تھیں ایسا لگتا تھا جیسے بہت سی روحیں مل کر رو رہی ہوں۔ اتنی تیز آوازیں تھیں کہ کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے لیکن وہ منظر بھی اتنا ہی بھیانک تھا اچانک ہی وہ پرندے جو چمگادڑوں کی شکل کے تھے واپس پلٹے اور انہوں نے نیلم ساجد علی پر حملہ کر دیا۔ نیلم ساجد علی سے یہ پرندے لپٹ کر اسے چونچیں مار رہے تھے اور وہ غرائی ہوئی آواز میں انہیں اپنے آپ سے دور کرنے لگی۔ وہ اب بری طرح پریشان تھی پرندے اس کے بدن سے لپٹ گئے تھے اور وہ ان سب کو الگ کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس بار پرندے اسے نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ان کی چونچیں نیلم ساجد علی کے جسم میں داخل ہو رہی تھیں اور جہاں بھی یہ چونچ داخل ہوتی تھی وہاں سے خون کا فوارہ بلند ہو جاتا۔ اب وہ بری طرح قلابازیاں کھانے لگی تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے بدن کی کھال اتر رہی ہو۔ یہ کھال اس طرح اتری جیسے کسی جانور کے بدن کی کھال اتار دی گئی ہو اندر سے گوشت نظر آ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد نیلم ساجد علی گوشت کا ایک لوتھڑا بن کر رہ گئی تھی۔ اس دوران ربابہ کے بدن سے بھی خون کی بوندیں بہنے لگی تھیں اس کا سفید لباس خون سے سرخ ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں یہ اس کا خون تھا یا کسی اور کا۔ نیلم ساجد علی اب ایک گوشت کے لوتھڑے کی طرح زمین پر پڑی تڑپ رہی تھی اور اس کا وجود چھوٹے سے چھوٹا ہوتا جا رہا تھا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ ایک جلے ہوئے مٹی کے ڈھیر کے علاوہ اور کچھ بھی نہ رہ گئی۔ ربابہ خاموش کھڑی ہوئی تھی اس کی آواز اب بھی ابھر رہی تھی۔
"کمبخت کمینی میرے محبوب کو نقصان پہنچانے چلی تھی۔" دفعتاً ہی جیسے میرے بدن میں بجلی سی چمک گئی میں نے دو قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔
"ربابہ سنو تو سہی ربابہ دیوانہ کر دیا ہے تم نے مجھے پاگل کر دیا ہے میری بات تو سنو۔" میں نے اس کی جانب بڑھنا چاہا تو وہ ایک دم پیچھے ہٹنے لگی جیسے سفید بینچ پیچھے ہٹ رہی تھی۔ "میری بات سنو ربابہ میں، میں فنا ہو جاؤں گا میں مرجاؤں گا۔ ربابہ مجھے کچھ تو

بتاؤ تم تک پہنچنے کے لئے میں کیا کروں آخر میں کیا کروں؟" دفعتاً ہی ربابہ کا وجود فضا میں بلند ہونے لگا اور مجھے اس کی آواز سنائی دی۔
"انتظار میرے محبوب انتظار۔" اور کچھ لمحوں کے بعد جیسے کوئی بجلی کا بلب بجھ گیا ہو۔ ربابہ کا کہیں کوئی وجود نہیں تھا۔ نیچے نیلم ساجد علی بھی موجود نہیں تھی۔ ہاں وہ جلا ہوا مٹی کا ڈھیر صاف نظر آ رہا تھا۔ دفعتاً ہی میرے بدن پر ایک لرزا سا طاری ہوا اور پھر میں اس طرح وہاں سے پلٹ کر بھاگا جیسے خوفناک روحیں میرا تعاقب کر رہی ہوں میں نے سجاد کے فلیٹ میں آ کر ہی دم لیا۔ میرا پورا بدن پسینے سے تر تھا اور میرا سینہ دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ آہ یہ سب کچھ کیا تھا حقیقت تھا یا ایک خواب تھا لیکن خواب اس طرح تو نہیں دیکھے جا سکتے تھے میرا پورا بدن ہوش میں تھا سب کچھ سوچ سکتا تھا۔ بھاگتا ہوا اندر آیا اپنے کمرے کے سامنے تھا۔ تھکے تھکے قدموں سے میں کمرے کی جانب بڑھا اور پھر اپنے بستر پر گر پڑا۔ آہستہ آہستہ اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ میری ربابہ نے میری مدد کی ہے۔ نیلم ساجد علی موت کی آغوش میں جا سوئی۔ ایک بدروح کو ایک ایسی ہی روح نے فنا کیا جو اس سے زیادہ طاقتور تھی۔ وہ بے نقش وجود جس کے نقوش میں پہلی بار دیکھ چکا تھا اور جنہیں دیکھنے کے بعد دوبارہ دیکھنے کی آرزو میری زندگی کا حصہ بن چکی تھی۔ آہ وہ میرے لئے آئی تھی اس نے اپنی ماورائی قوتوں سے میری دشمن کو ختم کر دیا تھا۔ دل چاہ رہا تھا قہقہے لگاؤں اپنی محبوب کی اس فتح پر لیکن اسی دل کا ایک گوشہ آنسو بھی بہا رہا تھا اس کی جدائی پر، کیا کروں ربابہ تجھے کہاں تلاش کروں لیکن وہ مجھ سے کچھ کہہ کر گئی تھی وقت کا انتظار کرنے کے لئے۔ جیوں گا خدا کی قسم جیوں گا اس کے حصول کے لئے جیتا رہوں گا چاہے اس دنیا میں مجھے کتنی ہی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑے اور ایک نئے عزم کے ساتھ میں نے اپنے آپ کو تروتازہ کیا۔ کچھ بھی ہو جائے۔ مجھے زندگی میں دلچسپی چاہئے وقت یقیناً اپنے لئے مناسب فیصلہ کرے گا۔ ربابہ مجھے تسلی دے گئی ہے۔ ضرور کچھ نہ کچھ ہو گا ضرور کچھ نہ کچھ ہو گا۔

☆======☆======☆

دوسرے دن سجاد نے بھی میری شگفتگی کو محسوس کر لیا اور بولا۔ "کیا بات ہے رات کو کوئی خوشگوار خواب دیکھ ڈالا کیا؟"

"یہی سمجھ لو سجاد۔"

"کیا دیکھ ڈالا؟" سجاد نے بڑی اپنائیت سے پوچھا اور میں اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ جب میں کچھ نہیں بولا تو اس نے کہا۔ "ویسے حقیقت ہے گل شیر میں نے تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا لیکن تم میرے لئے ابھی بھی ایک بند کتاب ہو۔ میں تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"کیا بتاؤں سجاد بس یوں سمجھ لو میں چور ہوں۔ میری زندگی کی کہانی ایسی ہے کہ مجھے اسے چھپانا ہی پڑتا ہے۔ بتانا چاہوں تو خود شرمندگی ہوتی ہے۔" میرے اس جواب پر سجاد کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔ کچھ دیر وہ مجھے دیکھتا رہا پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو میں بھی خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ میں اپنے بارے میں یقین دلا سکوں۔ ہو سکتا ہے تمہیں اپنے بارے میں مجھے کچھ بتا کر مجھ سے کوئی نقصان پہنچ جائے۔"

"برا مان گئے میرے دوست شاید میرے الفاظ نے تمہیں صدمہ پہنچایا ہے۔ ٹھیک ہے سنو میرے بارے میں اپنا دکھ بھول جاؤ گے تمہارے دل پہ دکھ کی ضرب سے کہیں زیادہ میں زندگی کے ایک انوکھے عذاب میں گرفتار ہوں۔ امید ہے کہ ہم دونوں کی داستانوں کا ایک حصہ مشترک ہو گا اور وہ یہ ہے کہ ہم عشق کرتے ہیں۔"

"تمہاری محبوبہ کہاں ہے؟" اس نے پوچھا تو میں نے اسے پوری کہانی سنا دی اپنی زندگی کے ہر راز سے آگاہ کر دیا اور وہ حیران رہ گیا۔ "تمہیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ربابہ کون ہے۔"

"نہیں میں نہیں جانتا۔"

"حالانکہ تمہیں اس سے یہ پوچھنا چاہئے تھا۔"

"میں نے پوچھا تھا۔ وہ کہتی ہے وقت آنے پر بتاؤں گی۔"

"اوہ اس کا مطلب ہے اس کے پس پشت کوئی انوکھی داستان ہے۔ واقعی یہ تو بڑی انوکھی کہانی ہے۔ ویسے آخری بار وہ تمہیں کب ملی ہے؟" اس کے اس سوال پر میرے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے اسے نیلم ساجد علی کی کہانی نہیں سنائی تھی۔ اس کے سوال کے جواب میں' میں نے اسے نیلم ساجد علی کی کہانی سنائی اور وہ ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔ پھر اس نے مدھم لہجے میں کہا۔ "یار تم تو حیرت انگیز شخصیت نکلے۔ میں نے خواب میں بھی تمہارے بارے میں اس انداز میں نہیں سوچا تھا۔" اور وہ حسرت بھرے انداز میں خاموش ہو گیا۔ مجھے ایک دم احساس ہو گیا کہ وہ کچھ سوچ رہا ہے۔

"کیا بات ہے تم خاموش ہو گئے؟"

"بس یونہی میرے دل میں ایک خیال آیا تھا۔"

"کیا خیال؟"

"مجھے اپنی لٹی ہوئی جنت کی تلاش ہے اور ایک بار صرف ایک بار میں سلاکیہ کی دنیا میں جانا چاہتا ہوں۔ میں' وہاں کا طلسم توڑنا چاہتا ہوں۔ وہاں میری بیٹی بھی ہے۔" اور پھر سجاد کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

میرے دل میں ہمدردی کا طوفان اٹھ آیا میں نے کچھ دیر غور کیا میرے لئے اس دنیا میں کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا میں تمہاری مدد کے لئے حاضر ہوں سجاد اگر میں تمہارے کام آ سکا تو مجھے خوشی ہو گی۔ اس کی آنکھوں میں مسرتوں کے چراغ جل اٹھے پھر وہ ایک دم چونک کر بولا۔ "آج کیا تاریخ ہے۔ شاید چوبیں۔ اوہ میرے خدا میرے خدا اس کا مطلب ہے کہ.........." وہ پھر خاموش ہو گیا۔ اس کے موڈ میں ایک خوشگوار تبدیلی رونما ہو گئی۔

"اب تم مجھ سے زیادہ پُراسرار ہو گئے ہو کیا بات ہے۔ مجھے بتاؤ۔"

"ایک منٹ صرف ایک منٹ!" اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا وہ بچوں جیسی حرکتیں کر رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں بوسیدہ جلد والی ایک ڈائری تھی۔ "تمہیں یہ ڈائری پڑھنی ہے۔"

"کیا مطلب کس کی ڈائری ہے یہ؟"

"پلیز ابھی یہ نہ پوچھو اور اسے پڑھ لو۔ وعدہ کرو پڑھو گے۔" ٹھیک ہے میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور ڈائری کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اسی وقت میں نے ڈائری کھولی اس

میں ایک انوکھی داستان تھی۔

☆======☆======☆

میں نے یہ داستان پڑھنی شروع کردی۔

ساری بستی کی اولاد تھا۔ میں یہیں پیدا ہوا تھا ماں باپ کب مرے کیسے مرے تھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ بس ہوش سنبھالا تو شیر خان کے ساتھ تھا۔ ان کے بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا ان کے گھر کے سارے کام کرتا تھا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا چچا شیر خان ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ تو میں ماموں نیاز علی کے گھر آگیا۔ وہ اکیلے تھے بیمار تھے دکان تھی ان کی جس پر میں بیٹھتا تھا۔ کافی دن وہاں بیٹھا پھر ماموں نیاز مرگئے۔ دکان بند ہوگئی۔ اسے مسجد کی تحویل میں دے دیا گیا اور مجھے حمید خان لوہار اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے کہا میں اسے لوہے کا کام سکھاؤں گا۔ زندگی بنا دوں گا اس کی۔ پھر وہ میری زندگی بنانے لگا رشیدہ باجی حمید خان کی بیوی تھی۔ عمر میں حمید خان سے آدھی بھی نہیں تھی۔ کالے حمید خان کے ساتھ ہوتی تو سیاہ و سفید رنگ سامنے آجاتے۔ مجھ سے بڑی محبت کرتی تھی اور میرے کھانے پینے کا بہت خیال رکھتی تھی۔ برا تو حمید خان تھا بھی نہیں لیکن وہ گالیاں بہت بکتا تھا۔ نشہ بھی کرتا تھا مجھے بھی ننگی گالیاں دیتا تھا۔ جب نشے میں ہوتا تھا تو رشیدہ باجی کو بہت مارتا تھا۔ بس یہ بات مجھ سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ مجھے حمید خان سے بہت نفرت ہو جاتی تھی اور میرا دل چاہتا تھا کہ اسے اسی ڈنڈے سے ایسے پیٹوں کہ اس کا قیمہ بن جائے۔ پھر جب حمید خان سو جاتا دارو کے نشے میں تو رشیدہ باجی مجھ سے ہلدی چونا پسوا کر بدن پر لگواتی تھیں۔ میں حتی المقدور اس کی تیمار داری اور دل جوئی کرتا تھا۔ بڑی عقیدت تھی مجھے اس سے بڑا دکھی تھا میں اس کے لئے۔

ایسی ہی ایک شام حمید خان دارو کے نشے میں لڑکھڑاتا ہوا اندر داخل ہوا اور باورچی خانے میں بیٹھی رشیدہ باجی نے ایک سسکی سی بھری اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ آلو بھری پوریاں پکا رہی تھی۔ کیا ہے رشیدہ باجی میں نے پوچھا۔

"وہ پی کر آیا ہے اب مجھے مارے گا۔" رشیدہ باجی خوف بھرے لہجے میں بولی۔

"تم اندر جاؤ رشیدہ باجی دروازہ اندر سے بند کرلو۔" میں نے اسے مشورہ دیا۔

"دروازہ توڑ دے گا رجب علی وہ بڑا ہی دیوانہ ہے۔ دیکھو وہ ادھر آرہا ہے۔" رشیدہ باجی خوف سے کانپتے ہوئے بولیں۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا جب بھی حمید خان لڑکھڑاتے قدم سے نظر آتا باجی رشیدہ کی آواز لڑکھڑانے لگتی تھی اور میں بے بسی سے ہاتھ

ملتا رہ جاتا تھا۔ "کہاں مرگئی ہے ری تو میں کہتا ہوں کہاں ہے؟" حمید خان کی آواز ابھری اور رشیدہ باجی آٹے بھرے ہاتھ جھاڑتے ہوئے جلدی سے باورچی خانے کے دروازے سے باہر نکل آئی۔ "تجھے پتہ تھا میں آرہا ہوں اور تُو وہاں گھسی بیٹھی تھی کیوں کھانا پک گیا؟" حمید خان نے پوچھا۔

"بس ابھی لائی ابھی لائی۔" رشیدہ باجی دروازے کی طرف دوڑی اور حمید خان چند قدم آگے بڑھ آیا۔

"ابے تُو یہاں کیوں مرا ہوا ہے اور تُو اِدھر آ کتنی بار کہا ہے تجھ سے کہ اسے باورچی خانے میں گھسیٹ کر مت بٹھایا کر۔ کبھی سنا تُونے باہر تو آ تیری.........." حمید خان نے ایک موٹی سی گالی بکی۔ اسے تو کوئی بہانہ ہی چاہئے ہوتا تھا۔ رشیدہ باجی باہر آنے کی ہمت نہ کر سکی تو حمید خان خود اندر گھس گیا اور پھر رشیدہ باجی کی لمبی چوٹی پکڑ کر گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا۔

"کبھی مانتی ہے میری بات تُو بول ہتھنی کی ہتھنی ہو رہی ہے۔ میرا دیا کھاتی ہے اور میری سنتی بھی نہیں۔" حمید خان اِدھر اُدھر ڈنڈا تلاش کرنے لگا اور کیا مجال تھی کہ رشیدہ باجی کی کہ اس کا مخصوص ڈنڈا جو ایک ٹنڈ منڈ درخت کے پاس پڑا رہتا تھا۔ حمید خان کی نگاہوں سے بچا کر کہیں رکھ دیتی۔ اس وقت تو پھر حمید خان کے ہاتھ میں جو کچھ بھی آتا اسی سے رشیدہ باجی کو مارنے لگتا تھا۔ ڈنڈے کی مار کا رشیدہ باجی کو تجربہ تھا اور وہ پینترے جانتی تھی جن سے ڈنڈے کی مار کسی قدر ہلکی ہو سکے۔ چنانچہ وہ ڈنڈا چھپاتی نہیں تھی۔ حمید خان نے پیار بھری نظروں سے اس ڈنڈے کو دیکھا پھر باجی رشیدہ کو چوٹی سے پکڑے پکڑے درخت کی جڑ کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس نے ڈنڈا اٹھالیا۔

"سنو تو سہی حمید خان سنو تو سہی بس ایک منٹ میں کھانا لائی میں نے آلو کی پوریاں بنائی ہیں۔ میں تمہارے لئے گرم گرم لے کر آرہی ہوں۔" رشیدہ باجی نے درد بھرے لہجے میں کہنے لگی۔

"ارے تیری پوریوں کی ایسی کی تیسی۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ نہیں سن رہی۔ مانتی ہے کبھی میری بات بول مانتی ہے کبھی۔" حمید خان نے ایک ہی ہاتھ میں دو داؤ لگا دیئے۔ ڈنڈا پوری قوت سے رشیدہ باجی کی پیٹھ پر پڑا تھا۔ باجی رشیدہ ناچ کر رہ گئی۔ حمید خان نے پینترا بدل لیا۔ اس بار پھر ڈنڈا رشیدہ باجی کے بدن پر پڑا اور رشیدہ باجی درد بھری آواز میں کراہنے لگی۔

"ہائے ہائے حمید خان پوریاں جل جائیں گی تم کھا کر تو دیکھو کتنی اچھی پوریاں پکائی

ہیں میں نے۔ مت مارو مجھے مت مارو۔" باجی رشیدہ کی آواز درد اور آنسوؤں سے بھری ہوئی تھی۔ میں وہیں کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس بار حمید خان نے اس کے شانے کو نشانہ بنایا اور نہ جانے کیوں میرے دل میں ایک عجیب سی لہر اٹھی۔ میں دو قدم آگے بڑھا اور رشیدہ باجی کے درمیاں آگیا۔ ڈنڈا میری گردن کے نیچے پڑا تھا۔

"مت مارو بڑے بھائی رشیدہ باجی کو کیا بگاڑا ہے انہوں نے تمہارا؟"

"ابے تو بیچ میں کیوں آیا۔ میاں بیوی کے بیچ میں آتا ہے۔ چل ہٹ یہاں سے۔" حمید خان دھاڑا۔

"مت مارو استاد حمید خان۔ چھوڑ دو۔ رشیدہ باجی کو چھوڑ دو رشیدہ باجی کو۔" میں نے پھر کہا لیکن اس بار حمید خان نے ڈنڈا ذرا رخ بدل کر گھمایا ڈنڈا رشیدہ پر ہی برس رہا تھا لیکن میں نے اسے اپنے ہاتھ کے چوڑے حصے پر روکا۔ ہتھوڑا چلانے والا ہاتھ فولاد کی مانند تھا۔ ڈنڈے کی ضرب نے کوئی خاص اثر نہ کیا۔ البتہ میری موٹی انگلیوں نے ڈنڈے پر اپنی گرفت قائم کرلی اور اس کے بعد حمید خان کا رقص شروع ہوگیا اور ڈنڈا میری مٹھی میں تھا۔ حمید خان اسے چھڑانے کے لئے بل کھا رہا تھا۔ اس کوشش میں رشیدہ باجی کی چوٹی بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اب وہ دونوں ہاتھوں سے ڈنڈا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن میں نے بھی تہیہ کرلیا تھا کہ اب ڈنڈا حمید خان کے ہاتھ میں نہیں جائے گا۔ حمید خان نے اپنی تمام کوششیں کرلیں وہ بری طرح چراغ پا ہوگیا۔ اس کی آنکھوں سے شرارے ابلنے لگے تھے۔ منہ سے کف نکل رہا تھا اور نہ جانے وہ اس دوران کیا کیا بکواس کرتا جا رہا تھا۔ ڈنڈا اس کے ہاتھ سے چھٹ گیا۔ "مقابلہ کرے گا مجھ سے مقابلہ کرے گا۔ میں نے تجھے اس لئے بچپن میں پال پوس کر جوان کیا ہے۔ نانجار' نمک حرام ذلیل۔" حمید خان گالیاں دیتا رہا۔ میں ڈنڈا ہاتھ میں لئے خاموش کھڑا رہا۔ ایک بار پھر حمید خان کو طرارہ آگیا تو وہ میری طرف جھپٹا لیکن ڈنڈا وہ پھر بھی میرے ہاتھ سے نہ چھین سکا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی تمام کوشش ناکام گئی۔ رشیدہ باجی بھاگ کر باورچی خانے میں چھپ گئی تھیں اور حمید خان بری طرح ہانپنے لگا تھا۔ "مار ڈالوں گا میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا۔ میں تیرے باپ کے برابر ہوں مجھ سے مقابلہ کیا ہے تُونے نانجار مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔"

"نہیں حمید خان نہ میں نے مقابلہ کیا ہی اور نہ ہی ہاتھ اٹھایا ہے۔ تم بس رشیدہ باجی کو مت مارو۔ یہ ڈنڈا آج سے گھر میں نہیں رہے گا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے ڈنڈا پکڑا اور اس کے تین ٹکڑے کرکے ایک طرف پھینک دیئے۔

"یہ یہ تونے میری عزت ٹکڑے ٹکڑے کرڈالی۔ اس کے لئے اچھا اب سمجھا اب سمجھا سب دیکھ لوں گا ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ سب نمٹ لوں گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا فکر کس بات کی ہے یہ چکر چل رہے ہیں اس گھر میں۔" حمید خان غراتا ہوا باہر نکل گیا نہ جانے کہاں چلا گیا تھا وہ۔

رشیدہ باجی باورچی خانے میں چھپی ہوئی تھی حمید خان کے جانے کے بعد باہر نکل آئی۔ اس کے شانے کی ہڈی میں چوٹ لگی ہوئی تھی اور وہ ایک ہاتھ سے ہڈی پکڑے ہوئے۔ آنسو بہاتے میرے سامنے درخت کے کٹے ہوئے تنے کے قریب جا کھڑی ہوئی تھی۔ "دیکھو رشیدہ باجی میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ استاد مجھے کچھ بھی کہہ لے لیکن وہ جب تمہیں مارتا ہے نا تو یقین کرو کہ سارے ڈنڈے میرے بدن پر پڑتے ہیں۔" میں نے کہا اور رشیدہ باجی زور زور سے رونے لگی۔ پھر درد بھرے لہجے میں بولی۔"

"تُو مت بولا کر تُو مت بولا کر رجب علی۔ میری تو تقدیر ہی پھوٹ گئی ہے۔ میرے ماں باپ نے ہی میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو تُو مجھے بچالے گا۔ آج تُونے یہ ڈنڈا توڑ دیا ہے۔ تُونے حمید خان سے دشمنی مول لے لی ہے۔ مجھ سے زیادہ اسے کوئی نہیں جانتا۔ اس کے دل میں بال پڑ جائے گا تیرے لئے۔ بچپن سے اس نے پالا پوسا ہے۔ بہت دن ہو گئے تجھے میرے ساتھ رہتے ہوئے۔ بڑی محبت ہوگئی ہے تجھے مجھ سے۔ حمید خان نے اگر تجھے گھر سے نکال دیا تو تیرا کیا ہوگا؟ تیرے سہارے کچھ ہنس بول لیتی ہوں۔ رجب علی اب اگر تُو بھی نہ ہوا تو پھر کیا ہوگا۔" رشیدہ باجی روتی رہی۔

"ارے نہیں رشیدہ باجی حمید خان مجھے گھر سے نہیں نکالے گا۔ وہ دل کا اتنا برا نہیں ہے بس دارو کا نشہ اسے پاگل کر دیتا ہے۔ تم فکر مت کرو رشیدہ باجی میں سب کچھ ٹھیک کرلوں گا۔" میں نے کہا اور حسب معمول ہلدی چونا پیسنے چلا گیا۔ پھر میں نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر پلنگ پر بٹھایا اور اس کی قمیض اوپر اٹھا دی کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ بدن جو میرے سامنے عریاں ہو جاتا ہے کسی غیر کا ہے۔ میرے لئے تو وہ ایک ماں کی حیثیت رکھی تھی۔ حالانکہ میں نے اسے کبھی ماں نہیں کہا تھا۔ بس رشیدہ باجی ہی کہتا تھا۔ ماں کے لفظ کے تو صحیح معنی بھی نہیں جانتا تھا۔ یہ بدن میرا ہی تھا۔ بالکل اس طرح جیسے میرا بدن ہو اسی لئے میں اسے بے تکلفی سے ہر جگہ سے کھول لیا کرتا تھا۔ کبھی یہ سوچا ہی نہ تھا میں نے کہ یہ بدن میرے لئے اجنبی ہے۔ مجھے رشیدہ باجی سے ایسے ہی لگاؤ تھا کہ اس کے بدن پر پڑنے والے ڈنڈے مجھے اپنے بدن پر پڑتے محسوس ہوتے تھے۔ اس

وقت بھی میں نے یوں ہی کیا۔ رشیدہ باجی کی قمیض کا پچھلا حصہ میں نے شانوں تک اٹھا دیا۔ چوٹ چوں کہ شانوں پر لگی تھی اور وہی جگہ زیادہ دکھ رہی تھی۔ چنانچہ میں نے اس کی ایک آستین بھی اتار دی اور رشیدہ باجی کا اوپری بدن تقریباً برہنہ ہو گیا۔ پھر اس کے شانے کی ہڈی کے پاس جو سرخ ہو رہی تھی ہلدی چونا لگانے لگا لیکن مجھے گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی ایسی حرکت ہو سکتی ہے۔

حمید خان آندھی اور طوفان کی طرح اندر داخل ہوا اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ "لو دیکھ لو۔ دیکھ لو۔ دیکھ لو یہ ہے نیکی کا صلہ دیکھ لیا تم نے بلال چچا دیکھا تم نے کیا ہو رہا ہے۔" یہ حمید خان نے کہا اور بلال چچا اپنے دونوں گال پیٹنے لگے۔

"ارے توبہ توبہ ارے توبہ توبہ۔ اتنی سی عمر پر قصور اس بچے کا نہیں ہے۔ حمید خان قصور، قصور تیری جورو کا ہے۔ توبہ توبہ۔" بلال چچا آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر رخ موڑے کھڑے تھے۔ رشیدہ باجی کے بدن میں جیسے کرنٹ لگ گیا تھا۔ وہ ہکا بکا بس حمید خان کی شکل دیکھ رہی تھی پھر اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"حمید خان حمید خان یہ تو بلال چچا کو کیوں لایا ہے؟"

"تیرے کرتوت دکھانے حرام زادی تیری اصلی شکل دکھانے۔ بڑی بھیگی بلی بنی رہتی تھی اس گھر میں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میں نے آستین میں سانپ پالا ہے۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ اس گھر میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ حرام کی پوٹ میں نے کبھی تیرے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔ پر تو کیا نکلی۔" حمید خان کا نشہ جیسے ہرن ہو گیا تھا اور اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ بھی نہیں تھی۔ نہ جانے آج اسے کیا ہو گیا تھا لیکن رشیدہ باجی کو بھی آج کچھ ہو ہی گیا تھا۔ اس کی آواز میں بھی لڑکھڑاہٹ نہیں تھی وہ بپھرے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی اس نے قمیض برابر کر لی تھی۔ اس کی آنکھوں سے بھی شرارے نکل رہے تھے۔

"آج تک تیری ہر بات برداشت کرتی آئی ہوں حمید خان۔ پر دیکھ کوئی گندی بات منہ سے مت نکالو۔ تو بے اولاد ہے حمید خان تو کیا جانے اولاد کیا ہوتی ہے۔ تو تو بس میرا منہ مت کھلوا اور بلال چچا تو بڑھاپے کی حدود میں آ گئے ہو تمہیں غیرت نہ آئی اس طرح گھر میں گھستے ہوئے۔ تم کیا بکواس کر رہے تھے؟" رشیدہ باجی کی سانس پھولنے لگی۔

"جو دیکھا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے وہی کہہ رہا ہوں۔" بلال چچا سینہ آگے نکال کر بولے۔

"تم نے اپنے گھر میں دیکھا ہے کوئی بیٹی ہے تمہاری کوئی ماں ہے تمہاری کوئی بہن

ہے تمہاری۔ نکل جا میرے گھر سے بڈھے کھوسٹ نکل جا میرے گھر سے نہیں تو میں تیرا سر پھاڑ دوں گی۔" رشیدہ باجی نے سل کا پتھر اٹھایا اور بلال چچا جلدی سے باہر نکل گئے۔ حمید خان کو جیسے ہوش آ گیا تھا۔ اس نے رشیدہ باجی کے ہاتھ میں پتھر دیکھا اور بپھرے ہوئے انداز میں بولا۔

"تو نے تو نے بلال چچا پر پتھر اٹھایا ہے۔" وہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"تو بھی چلا جا اس وقت حمید خان میرے سامنے سے ورنہ میں خون کر دوں گی تیرا سمجھا تو نے جو گندی بات کہی میں اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ میرا بچہ ہے میرا بیٹا ہے وہ میری کوکھ سے پیدا نہیں ہوا لیکن میں اسے اپنی اولاد کی طرح چاہتی ہوں۔ سمجھا میں تجھے منہ کھول کر کچھ نہیں کہنا چاہتی حمید خان' اس لئے کہ دین منع کرتا ہے۔ مگر تو اس وقت میرے سامنے سے چلا جا۔"

حمید خان نے جو رشیدہ کے یہ تیور دیکھے تو سچ مچ باہر چلا گیا۔ میرے دل میں مسرت کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ میں نے رشیدہ باجی کا یہ روپ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں تو سچی بات ہے صورت حال کو بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔ رشیدہ باجی میں یہ جرأت کہاں سے آ گئی۔ حمید خان نے کیا کہا۔ بلال چچا کیا کہہ کر گئے تھے۔ جس نے رشیدہ باجی کے بدن میں چنگاریاں بھر دی تھیں اور اس کا دل اتنا بڑا کر دیا تھا لیکن میرے دل میں مسرت کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ میں رشیدہ باجی کے پاس پہنچا اور پتھر اس کے ہاتھ سے لے کر ایک طرف پھینک دیا اور اس سے چمٹ گیا۔ "یہ بات ہوئی ناں رشیدہ باجی آج تم نے حمید خان کو ٹھیک کر دیا۔ میں تو پہلے ہی کہتا تھا۔ استاد دل کے اتنے برے نہیں ہیں نہ ہی وہ اتنے زیادہ بہادر ہیں۔ بس دارو پی کر بہک جاتے ہیں۔ خدا کرے ان کی یہ دارو چھوٹ جائے۔"

رشیدہ باجی نے میری شکل دیکھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

"برا ہو گیا رجب علی تیری شکل بدل گئی حمید خان کی نگاہوں میں تیری شکل تیرے استاد کی نگاہوں میں بدل گئی۔ یہ بہت ہی برا ہوا۔" رشیدہ باجی کی باتیں میری سمجھ میں ٹھیک طور سے نہیں آ رہی تھیں۔ میں اس سے سوالات کرتا رہا لیکن اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ رات کو حمید خان چپ چاپ آ کر اندر سو گیا۔ دوسری صبح مجھے تو حالات بھی یاد نہیں رہے تھے ویسے بھی کوئی خاص تبدیلی نہیں تھی۔ معمولات میں حمید خان ناشتہ وغیرہ کر کے بھٹی پر بیٹھ گیا۔ میں نے بھی جلدی سے باجرے کی روٹی دودھ کے ساتھ کھائی اور پھر بھٹی پر پہنچ گیا۔ استاد حمید کام میں مصروف تھا۔ اس کا چہرہ کچھ بدلا بدلا لگ رہا تھا۔ ایک بار اس نے میری طرف نگاہ اٹھائی دیر تک سرخ سرخ آنکھوں سے

گھورتا رہا اور پھر خاموشی سے گردن اٹھا کر لوہے کے ٹکڑے آگ میں تپانے لگا۔ میں نے ہتھوڑا اٹھا لیا تھا۔ رات کی باتیں درحقیقت میرے ذہن میں نہیں رہی تھیں لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ حمید خان اپنے ذہن میں لئے بیٹھا تھا۔ میں ہتھوڑا چلاتا رہا استاد حمید نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی جب دیر تک اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی تو مجھے ہی خیال آیا۔

"استاد کیا سوچ رہے ہو؟" حمید خان نے ہاتھ روک کر میری شکل دیکھی اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے میں نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔ "مجھ سے ناراض ہو استاد!"

"نہیں بھائی تقدیر نے جس کے لئے عیش لکھ دیئے وہ تو عیش کرے گا ہی۔" حمید خان نے جواب دیا۔

"کیا مطلب استاد میں سمجھا نہیں۔"

"تیری عمر سمجھے کی نہیں ہے بیٹا جو کچھ تجھے سمجھایا گیا ہے تُو وہی سمجھتا ہو گا لیکن تو نہیں جانتا کہ جس تھالی میں تُو نے کھایا ہے اسی میں چھید کیا ہے۔"

"تھالی میں چھید، نہیں استاد تم کہو تو میں ابھی باورچی خانے سے جا کر تھالی اٹھا لاؤں۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔" میں جواب دیا استاد حمید مجھے گھورتا رہا۔ پھر گردن ہلا کر بولا چل کام کر کام اور میں ہتھوڑا برسانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب فرصت ملی تو میں نے پھر عاجزی سے کہا۔

"دیکھو استاد تم رشیدہ باجی کو نہ مارا کرو۔ وہ بہت اچھی ہے بہت ہی اچھی ہے۔ تم نہیں جانتے جب تم ڈنڈے سے اس کی پٹائی کرتے ہو تو مجھے تمہارے ڈنڈے اپنے بدن پر پڑتے محسوس ہوتے ہیں۔ میں ماں کو نہیں جانتا مگر رشیدہ باجی نے مجھے ماں کی طرح ہی پالا ہے۔"

"چپ کر ذلیل بے غیرت بکواس مت کر ماں کے مقدس رشتے کو تُو کیوں بدنام کر رہا ہے۔ کام کر اپنا کام تُو کیا جانے ماں کیا چیز ہے۔" استاد حمید نے نفرت سے کہا اور پھر خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اس کا دل صاف نہیں ہوا تھا۔ بہرطور میں اتنی گہرائی میں سوچ نہیں سکتا تھا لیکن میں نے سوچا کہ استاد کا غصہ ایک آدھ دن میں خود اتر جائے گا۔ دو تین دن تک استاد نے دارو نہیں پی۔

غالباً یہ تیسری رات کی بات ہے میں حسب معمول برآمدے میں سو رہا تھا رشیدہ باجی اور حمید خان استاد بڑے کمرے میں تھے۔ گرمیوں کے دن تھے اس لئے دروازہ کھلا

ہی رکھا گیا تھا۔ میں شدید گرمی کی وجہ سے صحیح طرح سے سو نہیں پایا تھا کہ اندر سے مجھے کچھ گھٹی گھٹی آوازیں سنائی دیں۔ حمید خان اور رشیدہ باجی کچھ باتیں کر رہے تھے لیکن یہ آوازیں مناسب نہیں تھیں۔ میں جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا میرے دل میں یہ خیال تو تھا ہی کہ استاد اور رشیدہ باجی ناراض ہیں۔ اس دن سے دونوں نے بات چیت بھی نہیں کی تھی۔ میں دروازے کے قریب گیا اندر لالٹین جل رہی تھی اور اس کی مدھم روشنی میں استاد رشیدہ باجی کے سینے پر چڑھا بیٹھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ رشیدہ باجی کی گردن پر تھے اور رشیدہ باجی کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخیں نکل رہی تھیں۔ استاد کہہ رہا تھا۔ "میں اپنے جیتے جی یہ نہیں ہونے دوں گا۔ سمجھ گئی اولاد کی طرح پالا ہے۔ مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ عورت اتنی غلیظ ہوتی ہے۔ اولاد کی طرح پالا ہے تو نے یہ نہیں ہو سکتا۔ جھلسا جھلسا کر ماروں گا تجھے اپنے جیتے جی یہ نہیں ہونے دوں گا۔"

"سنو تو سہی سنو آہ حمید خان میری گردن چھوڑ دو میں نے میں نے۔" رشیدہ باجی نے گھٹی گھٹی آواز میں کچھ کہا اور میں برداشت نہ کر سکا اور اندر داخل ہو گیا۔ میرے قدموں کی آواز سن کر حمید خان نے اپنے ہاتھ رشیدہ باجی کی گردن پر سے ہٹا دیے اور گھوم کر میری طرف دیکھا اس کی آنکھوں سے چنگاریاں برس رہی تھیں۔

"لے آ گیا آ گیا تیرا چاہنے والا بچا لیا اس نے تمہیں لیکن کب تک، سن لے کان کھول کر سن لے میں اب بہت جلد اس گھر سے تیری لاش اٹھاؤں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ بستی والے حمید خان کے منہ پر تھوکتے پھریں لیکن میں تجھے جیتا نہیں چھوڑوں گا۔ سنا میں تجھے جیتا نہیں چھوڑوں گا۔" حمید خان دندناتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ رشیدہ باجی اپنی گردن مسل رہی تھی۔ پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ "رجب علی تُو کہیں جا نہیں سکتا یہاں سے تُو چلا جا بیٹا کہیں چلا جا یہاں سے۔ تیری وجہ سے بہت کچھ ہو رہا ہے۔ وہ رشتے بدنام ہو رہے ہیں جن کی وجہ سے یہ آسمانوں کی چھت ٹکی ہوئی ہے۔ ورنہ سب کچھ گر پڑے گا۔ ساری دنیا ملیامیٹ ہو جائے گی۔ میرے بچے تُو یہ گھر چھوڑ کر چلا جا۔"

"میں کہاں جاؤں گا رشیدہ باجی کہاں جاؤں گا؟" میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ "کوئی بھی نہیں ہے میرا شناسا اور مجھے کوئی بھی نہیں جانتا ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے رشیدہ باجی؟"

"ستیاناس جائے اس حمید خان کا جس کے دل میں غلط فہمی گھر کر چکی ہے۔ خدا اسے ڈھائی گھڑی کا ہیضہ دے۔ اس نے کیا کیا باتیں نہیں کی ہیں مجھ سے۔ میں تو سوچ

بھی نہیں سکتی رجب علی میں تو سوچ بھی نہیں سکتی۔" وہ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی کہ میرا کلیجہ ہل کر رہ گیا۔ وہ اس انداز میں رو رہی تھی کہ دل سینے میں پانی بنا جا رہا تھا۔ میں نے اسے کلیجے سے لگانے کی کوشش کی تو رشیدہ باجی نے دونوں ہاتھ رکھ کر مجھے پرے دھکیل دیا۔ "میرے بچے میرے لال تُو میری کوکھ سے پیدا نہیں ہوا تو بڑا ہو چکا ہے۔ میں تو یہ بھی کہتی ہوں کہ لوگ تو کوکھ سے پیدا ہونے والے پر بھی الزام لگا سکتے ہیں۔ دور رہ مجھ سے دور رہ مجھ سے اپنی محبت کا اظہار نہ کر۔ جو بے لوث ہوتی ہے خدا جانتا ہے اور میں جانتی ہوں۔ مگر دنیا نہیں جان سکتی۔ دنیا مجھے اور تجھے بدنام کر رہی ہے۔ حمید خان مجھے زندہ نہیں رہنے دے گا۔ رجب علی تو سمجھ تیری رشیدہ باجی مر چکی ہے۔ تیری ماں ایک بار پھر مر گئی۔ رجب علی!" رشیدہ باجی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ میرے دل اور دماغ میں ایک طوفان برپا تھا استاد حمید۔ حمید خان تو رشیدہ باجی کو مار ڈالے گا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر میں خاموشی سے اس کمرے سے باہر نکل آیا۔ میرے دل و دماغ میں ایک طوفان برپا تھا۔ استاد حمید تُو رشیدہ باجی کو نہیں مار سکے گا۔ اس سے پہلے میں خود تجھے موت کی نیند سلا دوں گا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا پھر جا کر اطمینان سے اپنی چارپائی پر لیٹ گیا لیکن نیند کس کی آنکھوں میں تھی۔ میرے ذہن کا نہ جانے کون سا حصہ متاثر ہو گیا تھا حمید خان کے لئے میرے دل میں نفرت کی جڑیں پکتی جا رہی تھیں۔ میں رات بھر اذیت کا شکار رہا طرح طرح کی باتیں میرے ذہن میں آتی رہیں اور پھر صبح ہو گئی۔

حمید خان نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا تھا رات کا نشہ اتر گیا تو صبح کو ٹھیک ٹھاک نظر آنے لگا۔ فطرتاً یہ غلط آدمی تھا لیکن اس کی یہ غلطی اس کی تقدیر پر سیاہی پھیر چکی تھی۔ میرے دل سے وہ بات نہ ہٹ سکی جو میرے ذہن میں پروان چڑھ رہی تھی۔ رشیدہ باجی کا بلک بلک کر رونا اور اس کے الفاظ میرے ضمیر کو جھنجوڑ رہے تھے۔ حمید خان کی طرف دیکھا تو میرے دل میں نفرت کی آگ جلنے لگتی۔ رشیدہ باجی نے مجھ سے کہا تھا کہ حمید خان اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس نے مجھے سینے سے بھی نہیں لگنے دیا حالانکہ کیسی ٹھنڈک ہوتی تھی اس کی ممتا بھری آغوش میں۔ وہ مجھے ایک چھوٹے سے بچے کی مانند ہی تصور کرتی تھی لیکن حمید خان نے آج اس چھوٹے سے بچے کو بڑا بنا دیا تھا۔ اس نے تیرہ ساڑھے تیرہ سال کے بچے کو جوانی کا احساس دلا دیا تھا۔ نہ صرف جوانی کا بلکہ اس پر ایک تہمت بھی لگا دی تھی اور تہمت بھی کس سے۔ ایک ایسی عورت کے ساتھ جسے وہ ماں کے طور پر تصور کرتا تھا۔ چنانچہ آج حمید خان کی خیر نہیں تھی۔

"اے رجب علی کیا کر رہا ہے تُو چل بھٹی سلگا' دیر ہو رہی ہے بڑا کام کرنا ہے مجھے۔ آج شام کو میلہ ہے ناں میلے میں بھی جانا ہے تُو جائے گا؟" میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے مکان کے اس حصے کی طرف چل پڑا۔ جو بیرونی تھا اور جہاں حمید خان کی بھٹی تھی۔ میں نے بھٹی کو ماچس دکھائی اور پنکھا چلانے لگا۔ کوئلے آہستہ آہستہ سرخی اختیار کر رہے تھے اور اس سے کہیں زیادہ سرخی میری آنکھوں میں رچی ہوئی تھی۔ اس سے کہیں زیادہ جہنم میرے سینے میں سلگ رہا تھا۔ حمید خان کھانے پینے کے بعد باہر آ گیا۔ میں نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا تھا۔ ہوتا یہ تھا کہ پہلے میں بھٹی سلگاتا اس دوران حمید خان کھا پی لیتا اور چند ہی لمحات کے بعد رشیدہ باجی باہر آتیں اور مجھے بلا کر لے جاتیں۔ پھر مجھے بھی کچھ کھانے کو ملتا اور اس کے بعد میں ہتھوڑا چلاتا تھا لیکن حمید خان کو جیسے میری پرواہ ہی نہیں تھی۔ یا پھر اس نے دل کی گہرائیوں میں کوئی بات بٹھا دی رکھی تھی۔ وہ باہر آ کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ میں پنکھا چلاتا رہا۔ کوئلے پوری طرح دہک گئے تب حمید خان نے لوہے کا ایک موٹا سا ٹکڑا کوئلوں پر رکھ دیا اور سنی سے اسے الٹ پلٹ کرنے لگا۔ وہ خاموش تھا اور میں بھی اس کے پیچھے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ تب ہی چودھری فراز وہاں پہنچ گیا اور کہنے لگا حمید خان کام شروع کر دیا بھیا۔ ہاں چودھری صاحب کوئی خاص بات ہے۔

"نہیں بھائی میں تو یہ پوچھ رہا تھا کہ شام کو میلے کی طرف جاؤ گے دنگل ہے آج میلے میں۔"

"اچھا کون لڑ رہا ہے؟"

"ارے وہی اپنا گلزار آج برابر کے گاؤں والے سے اس کی کشتی ہے۔ گرو ناتھ بہت دن سے اسے چت کرنے کی فکر میں ہے لیکن اپنے گلزار پر خدا کا سایہ ہے آج تک گرو ناتھ کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے چودھری صاحب ساتھ ہی چلیں گے۔" حمید خان نے کہا اور چودھری گردن ہلانے لگا۔ وہ اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا حقہ لے کر آئے تھے چنانچہ وہ حقے کے کش لیتے رہے۔ حمید خان بھی سنی سے لوہا الٹ پلٹ کرتا رہا۔ کبھی کبھی چودھری صاحب کے ہاتھ سے حقہ لے کر اس کے دو تین کش لگا لیتا۔ تھوڑی دیر کے بعد چودھری صاحب اٹھ گئے۔ لوہا سرخ ہو چکا تھا۔ تب حمید خان نے اسے سنی سے پکڑ کر نہائی پر رکھا اور میں دس سیر وزنی ہتھوڑا لے کر اس جگہ سے اٹھ گیا۔ ایک تھوڑی سی جگہ کھدی ہوئی تھی جہاں مجھے ہتھوڑا سرخ لوہے پر برسانا ہوتا تھا اور حمید خان اسے ایک خاص شکل

دے دیتا تھا۔ میں نے اپنی جگہ کھڑے ہو کر پہلا ہتھوڑا مارا۔ دوسرا اور پھر تیسرا لوہا آہستہ آہستہ سیاہ ہونے لگا تھا۔ حمید خان نے اسے سرخی کی طرف سے پلٹا' چوتھا' پانچواں' چھٹا اور پھر حمید خان نے چونک کر مجھے دیکھا۔ "ابے کیا ہو گیا ہے تجھے صحیح چوٹیں نہیں پڑ رہیں ذرا ہاتھ جما کر مارو۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا اور میرے دانت ایک دوسرے میں بھینچ گئے۔ میں نے آہستہ سے گردن ہلائی اور میرے بدن میں ایک تھرتھری سی پیدا ہو گئی۔ میں نے ہتھوڑا بلند کیا اور دفعتاً ہی میرا ایک قدم آگے بڑھ گیا ہتھوڑا نیچے جھکا اور حمید خان کی کھوپڑی کے اوپر پڑا۔ کھوپڑی کی ہڈی تڑاخ سے ٹوٹی اور پھر ہتھوڑا اس کی گردن تک اترتا چلا گیا۔ کھوپڑی کے حصے کا تو نام و نشان ہی مٹ گیا تھا۔ حمید خان کے حلق سے تو آواز بھی نہیں نکلی تھی۔ ہتھوڑے نے پہلے کھوپڑی کی ہڈی توڑی بھیجہ نکال باہر پھینکا اور پھر گردن کی ہنسلی توڑتا ہوا دونوں شانوں کے بیچ پیوست ہو گیا۔ خون کے فوارے ابل پڑے تھے اور بھٹی میں بھی چھن چھن کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے ہتھوڑا ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔ میرے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں سرخی چمک رہی تھی۔ اب حمید خان رشیدہ باجی کو ہلاک نہیں کر سکے گا۔ میری ماں کو نہیں مار سکے گا۔ رشیدہ باجی زندہ رہے گی۔ یہ خود ہی جہنم رسید ہو گیا۔ اتنی ہی دیر میں چودھری فراز پھر واپس آ گئے کوئی چیز رکھی بھول گئے تھے لیکن یہاں کا تماشہ دیکھ کر حقہ ان کے ہاتھ سے دور جا پڑا۔ ایک دلخراش آواز نکلی اور وہ دوڑتے ہوئے میرے پاس پہنچے۔

"ارے ارے' ارے ارے' یہ کیا ہوا' یہ کیا ہوا؟" انہوں نے خوف سے کانپتی ہوئی آواز سے کہا اور میں نے ہتھوڑا چھوڑ دیا۔ چودھری فراز خوفزدہ انداز میں کئی قدم پیچھے ہٹ گئے اور پھر وہ چیختے ہوئے پیچھے دوڑے۔" ارے غضب ہو گیا۔ غضب ہو گیا جلدی چلو جلدی چلو آؤ جلدی آؤ' دوڑو بھاگو۔" قرب و جوار میں جتنے لوگ تھے اس کی آواز پر دوڑتے ہوئے اندر آ گئے۔ میں اپنی اسی جگہ پر کھڑا تھا۔ جہاں سے میں ہتھوڑا برساتا تھا۔ میرے پیر ایک لمحے کے لئے بے جان سے ہو گئے تھے۔ ہاتھوں میں بھی سنسنی ہو رہی تھی۔ آنکھوں کی سرخی شاید بجھ چکی تھی۔ اندر سے رشیدہ باجی نے بھی یہ آوازیں سن لیں اور جھانکنے لگیں لیکن یہ صورت حال ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ البتہ جو لوگ اندر پہنچے تھے وہ دہشت سے کانپ رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں میرے گرد اچھا خاصا مجمع لگ گیا تھا۔ لوگ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے لیکن میں خاموش تھا۔ حمید خان کے بدن سے اچھلنے والا خون بھٹی کو آدھی سے زیادہ سرد کر چکا تھا۔ قرب و جوار

میں بھی خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ جس میں بھیجے کے ٹکڑوں کی آمیزش تھی۔ آنکھوں سے یہ منظر دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ پھر کسی نے میرا بازو پکڑ کر مجھے گڑھے سے باہر نکال دیا۔ میں پیچھے ہٹ گیا لوگ مجھے جھنجوڑ رہے تھے۔ ارے یہ کیا ہو گیا موذی یہ کیا ہو گیا ارے یہ کیا ہو گیا؟ ارے حمید کا خان کا سر کہاں گیا جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔ بہر طور مجھے پکڑ لیا گیا ایک رسی میرے ہاتھوں میں باندھ دی گئی۔ گویا مجھے قاتل تصور کر لیا گیا تھا۔ پھر اندر سے باجی رشیدہ کی دلخراش چیخ سنائی دی شاید اب انہیں صورت حال کا صحیح اندازہ [illegible]ا تھا۔ بہرحال میری ذہنی کیفیت جوں کی توں رہی بس خواب کے سے عالم میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ لوگوں کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ جتنے منہ اتنی باتیں نہ جانے کون کیا کیا کہہ رہے تھے۔ پولیس کو خبر دو۔ ارے بچہ ہے پھانسی لگ جائے گی پر اس نے جان بوجھ کر کہاں مارا ہو گا۔ غلطی حمید کی تھی دس سیر کا ہتھوڑا بچے کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ ننھی سی جان ہے کتنی عمر ہو گی۔ کاٹھی اچھی ہے یہ دوسری بات ہے۔ بس ہاتھ بہک گیا اور ہتھوڑا حمید کے سر پر پڑ گیا۔ بھیا میں تو اللہ لگتی کہتا ہوں قصور اس بے چارے کا بھی نہیں ہے۔ قصور کون دیکھتا ہے بابا جی حمید اس کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ پولیس تو اس کو پکڑے گی ہی۔ ارے تم اپنی اپنی کہے جا رہے ہو کیا تم خود پکڑ کر پولیس تھانے لے جاؤ گے؟ کون لے جائے گا اسے پکڑ کر؟ بابا جی نے سوال کیا اور اس بات پر سب کو سانپ سونگھ گیا۔ ہم لوگ اگر تھانے جائیں گے تو پولیس پکڑ کر ہمیں بھی بٹھا لے گی۔ بھیا چودھری صاحب کے پاس ہی چلو سیدھے اور پھر اگر چودھری صاحب کے پاس نہیں گئے تو ویسے بھی غلط بات ہو جائے گی۔ چودھری صاحب کے پاس چلو۔ چل بھائی چل اور مجھے رسی سے گھسیٹتے ہوئے چودھری کے پاس لے جایا گیا۔ چودھری نثار خان اس بستی کے چودھری تھے بہت بڑی حویلی تھی ان کی۔ میں نے تو کبھی ان کی حویلی کے اندر قدم بھی نہیں رکھا تھا دور سے البتہ کئی بار اس حویلی کو دیکھا تھا لیکن دل میں کوئی آرزو نہیں پیدا ہوئی تھی۔ میری دنیا تو صرف حمید خان کی بھٹی تک محدود تھی۔ بہر طور چودھری صاحب کی حویلی کے دروازے پر سارے کے سارے رک گئے اور چودھری صاحب کو اندر اطلاع بھجوا دی گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد نیک نفس چودھری نثار کرتا تہمد پہنے پگڑی سر پر رکھے ہانپتے ہانپتے باہر آئے۔ "ارے کیا ہوا یہ کیا سن رہا ہوں میں؟" انہوں نے کہا۔

"چودھری صاحب حمید خان مر گیا۔"

"مگر کیسے؟"

"ہتھوڑا لگ گیا اس کے سر پر لوہا کوٹ رہا تھا رجب علی اس کا شاگرد پتہ نہیں کیسے ہتھوڑا اس کے سر پر پڑ گیا۔ بھیجہ ہی غائب ہو گیا۔"

"ارے بھیجے کی بات کر رہے ہو۔ کھوپڑی ہی غائب ہو گئی۔" کسی دوسرے نے لقمہ دیا۔

"اوہ اوہ بیچارہ مر گیا؟"

"ہاں چودھری صاحب جی بیچارہ بیٹھا بیٹھا ہی مر گیا۔" اوہ چوہدری صاحب نے پریشان انداز میں داڑھی کھجاتے ہوئے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولے۔ "کیوں بے کیا ہوا تھا؟" میں خاموش نگاہوں سے چوہدری صاحب کو دیکھتا رہا۔ میرے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ چوہدری صاحب نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا اور نرم لہجے میں بولے۔ "آؤ اندر آؤ بیٹھ جاؤ۔ پانی وانی لاؤ اس کے لئے اور ہاتھ کھول دو اس کے ہاتھ کیوں باندھ رکھے ہیں تم نے؟" چوہدری صاحب اسی لہجے میں بولے اور میرے ہاتھ کھول دیئے گئے۔ مجھے پانی پلایا گیا درحقیقت پانی اس وقت میرے جلتے ہوئے ذہن کے لئے بڑے سکون کا باعث تھا۔ میں نے پانی کے دو تین گلاس پیے چوہدری صاحب بغور مجھے دیکھ رہے تھے۔ دوسرے چند افراد بھی کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے چند ایک کی آنکھوں میں میرے لئے ہمدردی کے آثار تھے اور کچھ مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہے تھے لیکن مجھے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ میں نے تو سب کچھ سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ ممکن ہے سوچنے کے آثار میرے چہرے سے نمودار ہو جاتے لیکن اس وقت میرے لئے نہ سوچنا ہی بہتر ثابت ہوا۔ ذہن آزاد چھوڑ دیا تھا جو کچھ ہو چکا تھا۔ میں اس سے غیر مطمئن نہیں تھا لیکن چند الفاظ میری رہنمائی کر رہے تھے کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا تھا کہ دس سیر کا ہتھوڑا تھا ممکن ہے اتفاق سے حمید خان کے سر پر لگ گیا ہو۔ تو ٹھیک ہے میں کیوں اس بات کا اعتراف کروں کہ میں نے جان بوجھ کر حمید خان کے سر پر ہتھوڑا مارا تھا۔ بھلا یہ اعتراض کرنے سے مجھے کون سا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے اگر میں یہ کہہ دیتا کہ ہتھوڑا میں نے نہیں مارا بلکہ خود بخود حمید خان کے سر پر پڑ گیا۔ حمید خان آگے جھک گیا تھا۔ یا پھر کوئی اور ایسی ہی بات تو اس سے کم از کم میں دوسروں کی ہمدردیاں تو حاصل کر سکتا تھا۔ نہ جانے مجھ میں کہاں سے اتنی عقل آ گئی تھی کہ میں اس انداز میں سوچنے لگا تھا اور دل ہی دل میں اس بات پر متفق ہو گیا کہ اگر مجھ سے پوچھا گیا کہ ہتھوڑا کیسے لگا تو پھر میں یہی جواب دوں گا کہ میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ کئی گھنٹے میں وہاں رہا چوہدری صاحب نے کچھ لوگوں کو کہیں بھیج دیا تھا اور اس کے بعد چوپال جم گئی۔ چند معزز لوگ آ کر بیٹھ

گئے۔ میرے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔ دوسری طرف شاید حمید خان کی لاش کی تجہیز و تکفین کا بندوبست ہو رہا تھا یا پھر شاید اسے پولیس کے حوالے کرنے کے کچھ پروگرام بنائے جا رہے تھے۔ بہر طور مجھے اس سلسلے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں تھیں۔ جس جگہ چوپال جمی تھی میں اس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ چوپال میں چند بزرگ بیٹھے ہوئے تھے اور چوہدری نثار بدستور اپنی ٹھوڑی کھجائے جا رہے تھے پھر انہوں نے سب سے مخاطب ہو کر کہا۔

"بھائیو! میں امن پسند آدمی ہوں قانون کا احترام کرتا ہوں۔ بات کچھ بھی ہو معاملہ ایک آدمی کے خون کا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ بچہ ہے اور یقیناً اس نے جان بوجھ کر خون نہیں کیا ہو گا۔ تم خود سوچو میں اسے کیسے چھپا سکتا ہوں۔ حمید خان کے قتل کی اطلاع کسی نہ کسی طرح باہر نکل ہی جائے گی اور اگر ہم نے خاموشی اختیار کی تو لوگ یہی سوچیں گے کہ پتہ نہیں کیا مصلحت تھی۔ میں نے ہمیشہ اپنی عزت کا خیال رکھا ہے اور میں اس بار بھی قانون کو دھوکا دینے کی کوشش نہیں کروں گا۔ باقی اس بچے کی قسمت ہے۔ ہاں ایک بات میں تھانیدار سے ضرور کہوں گا کہ بچہ بے قصور ہے اور اس نے اس سے پہلے کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے اس پر شبہ کیا جائے۔"

"ٹھیک ہے چوہدری صاحب جیسا آپ مناسب سمجھیں آپ بہتر سوچتے ہوں گے۔ بہرصورت بڑی ہی افسوس ناک موت ہے بیچارے حمید خان کی بیوی بیوہ ہو گئی۔ اس بیچاری کا تو اور کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے۔ خیر یہ تو کوئی بات نہیں ہے کچھ نہ کچھ کریں گے۔ حمید خان تو مر گیا لیکن میں اس بچے کی بابت سوچ رہا ہوں۔ بیچارہ بچہ نہ جانے کیا ہو گا اس کا۔ ٹھیک ہے یہ ہماری بستی میں کسی کا بچہ نہیں ہے۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ بارش کے پانی میں بہتا ہوا آیا تھا لیکن بہرحال پوری بستی نے اسے جگہ دی تھی۔ حمید خان نے اسے اپنے پاس رکھا تھا۔ طویل عرصے سے وہ اس کے ساتھ تھا اور اس سے بھی ہم لوگوں کو اتنی ہی ہمدردی ہو سکتی ہے جتنی حمید خان سے لیکن قانون کا پیٹ تو بھرنا ہی ہوتا ہے۔ یہ معاملہ قانون ہی کے ہاتھوں بہتر طور پر سلجھے گا۔ میں اس سے چشم پوشی اختیار نہیں کر سکتا۔ چشم پوشی اختیار بھی نہیں کرنی چاہیے۔"

"چوہدری صاحب بات پولیس کے ہاتھ میں آئے گی۔ تو سارے بھید کھل جائیں گے۔ بلال چچا جو ابھی اندر داخل ہوئے تھے، طنزیہ انداز میں بولے اور لوگ ان کی جانب دیکھنے لگے۔ پھر کسی نے کہا۔

"کیسے بھید کھل جائیں گے بلال چچا؟"

"کیا بتاؤں بھیا دنیا کی عمر بہت کم رہ گئی ہے بلال چچا مدبرانہ انداز میں بولے۔

"پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہو بلال چچا جو بات ہے صاف صاف کہیئے۔ بس جی کیا صاف صاف کہوں آسمان بس گرنے ہی والا ہے زمین پر۔ میں نے سنا تو پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ موذی یہ رنگ لائے گا۔"

"ارے ارے بلال چچا آپ اس بچے کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں۔" کسی نے کہا۔

"ارے میاں تم جسے بچہ کہہ رہے ہو ناں۔ سانپ ہے سانپ ارے توبہ توبہ کوئی اس کی معصوم شکل دیکھ کر سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ اتنا زہریلا سانپ ہوگا۔"

"کیا کہہ رہے ہیں۔ بلال چچا آپ میرے سامنے ہیں کیا کہنا چاہتے ہیں۔ آپ اس بچے کے بارے میں۔"

"چوہدری صاحب دیر سے پہنچا ہوں۔ مجھے تو اس چوپال میں بلایا ہی نہیں گیا لیکن چوہدری جی ہمیشہ پتے کی بات کہتا ہوں۔ جو کچھ آپ اس بچے کے بارے میں سوچ رہے ہیں ناں وہ بالکل غلط ہے بے وقوف بنا رہا ہے یہ آپ سب لوگوں کو سمجھے آپ۔" بلال چچا نے کہا۔

"کیا مطلب ہوا اس بات کا؟" چوہدری نثار غصیلے انداز میں بولے۔

"مطلب میں بتاتا ہوں بلکہ اس سے ہی پوچھ لو ارے کل ہی کی بات ہے مجھے کیا پتہ تھا کہ حمید خان اپنی زندگی کے آخری الفاظ ادا کر رہا ہے۔" میرے سامنے مجھے کیا پتہ تھا کہ اس چھوٹی سی بات کا اتنا برا نتیجہ نکلے گا پوچھو اس سے پوچھو کل ہوا تھا؟"

"آپ ہی بتا دیں بلال چچا آپ شاید بہت دور کی کوڑی لے کر آئے ہیں۔" چوہدری نثار نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں بھائی میں یہ بتاؤں گا میں ہی بتاؤں گا یہ گناہ گار آنکھیں سب کچھ خود دیکھ چکی ہیں۔ یہ گناہ گار کان سب سن چکے ہیں۔ کل رات کی بات ہے حمید خان دارو پی کر گھر پہنچا تھا۔ یہ لڑکا اندر موجود تھا۔ حمید خان نے اسے اور اپنی جورو کو ایسی حالت میں دیکھا کہ وہ برداشت نہ کر سکا۔ سارا نشہ ہرن ہو گیا اس کا کچھ کہہ سن کر میرے پاس پہنچا اور مجھے بلا کر لے آیا۔ حمید خان کی جورو اس لڑکے کے چکر میں پھنسی ہوئی ہے۔ توبہ توبہ یہ بڑی بری بات ہے۔ مگر میں نے اسے بڑا سمجھایا بجھایا۔ چوہدری صاحب اور اس سمجھانے بجھانے کے بعد تو میں وہاں سے چلا آیا۔ بگڑ گئی تھی وہ مجھ پر بھی اور حمید خان پر بھی اس لڑکے پر

جان نچھاور کئے جا رہی تھی۔ یہ ہے پورا کھیل اور اب اس کھیل کی روشنی میں آپ خود سوچ لیں کہ حمید خان کا خون کیسے ہوا؟"

"بلال چچا آپ بکواس کر رہے ہیں۔" چوہدری نثار نے کہا۔

"کیوں بھائی کیوں بکواس کر رہا ہوں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھی بات کر رہا ہوں۔ کیوں بے رجب علی ذرا بول تو سہی کیا ہوا تھا کل رات؟" میں پھر خاموش رہا۔ تب چوہدری نثار میری طرف متوجہ ہوئے۔

"رجب علی کیا یہ درست ہے کہ بلال چچا کل رات حمید خان کے گھر آئے تھے؟"

"ہاں یہ درست ہے چوہدری صاحب!" میں نے جواب دیا۔ "حمید خان اور اس کی بیوی کی لڑائی ہوئی تھی۔ ہاں چوہدری صاحب ان دونوں کی لڑائی ہوئی تھی۔" میں نے جواب دیا اور حمید خان نے دارو پی کر رشیدہ باجی کو مارا تھا اور میں نے حمید خان سے کہا تھا کہ رشیدہ باجی کو نہ ماریں وہ بے قصور ہیں۔

"کیوں کہا تھا تو نے؟" اس لئے کہ رشیدہ باجی میری ماں کی حیثیت رکھتی ہے میں نے چوہدری صاحب ماں کو کبھی نہیں دیکھا لیکن رشیدہ باجی مجھے ماں کی طرح ہی لگتی ہیں۔

"ارے توبہ توبہ ماں کی طرح لگتی ہیں۔ ارے ماں کو بدنام کر رہا ہے بے غیرت' بدنسل!" بلال چچا نے کہا اور میں بلال چچا کو دیکھنے لگا۔ پھر میرے منہ سے غراتی ہوئی آواز نکلی۔ "بلال چچا میں بدنسل ہوں کیسے کہہ سکتے ہو تم یہ بات اور کیسے تم میرے اور میری ماں کے اوپر تہمت لگا سکتے ہو؟ چوہدری صاحب بلال چچا کو روک لیں حمید خان تو اتفاقیہ طور پر مارا گیا ہے لیکن بلال چچا' بلال چچا کو میں اس طرح ماروں گا کہ دنیا دیکھتی رہ جائے گی۔"

"دیکھا چوہدری صاحب اسے تم بچہ کہتے ہو اس کے ذہن میں مرنے مارنے کا تصور موجود ہے سمجھے۔ ارے میں کہتا ہوں سانپ ہے یہ موذی ہے اسے فوراً پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔ سرکار سے کہہ کر اسے پھانسی دلوائی جائے اس نے حمید خان کی بیوی کو خراب کیا ہے اپنے محسن کو مارا اور اب یہ بہت بڑا مجرم بن جائے گا۔ میں کہے دیتا ہوں اس کے چہرے سے پتہ چل رہا ہے کم بخت کو دیکھو سانڈ کا سا قد ہو رہا ہے حمید کی کمائی کھا کھا کر اس کو مار ڈالا ہے۔ ارے توبہ توبہ ہائے ہائے۔"

"ٹھیک ہے بلال چچا حمید خان کو تو میں نے مارا ہو یا نہ مارا ہو وہ ایک الگ بات ہے لیکن خدا کی قسم اس طرح پتھروں سے کچل کچل کر ماروں گا کہ تم موت کے بعد بھی تڑپتے رہو گے سمجھے۔ اس بات کو یاد رکھنا بلال چچا تم نے میری ماں پر تہمت لگائی ہے۔ تم سوچ

لینا۔"

"ابے جا سوچ لیا اچھی طرح بڑے دیکھے ہیں ماں کے سپوت اور چوہدری صاحب میں تو بڑے اچھے وقت پر آگیا ورنہ یہ سسرا نہ جانے تمہارے ذہن میں کیا کیا محبتیں ڈال دیتا۔ تم نے سن لی اس کی باتیں تمہیں پتہ چل گیا کہ یہ اتنا معصوم نہیں ہے جتنا شکل سے نظر آرہا ہے۔" بلال چچا نے کہا۔

"نہ جانے آپ کو اس سے کیا دشمنی ہے بلال چچا' بہر طور میں یہ کہہ چکا ہوں کہ معاملہ میں اپنے ہاتھ میں نہیں رکھوں گا۔ پولیس ہی اس معاملے کو بہتر طور پر حل کر سکتی ہے۔"

"مگر پولیس ہے کہاں؟" بلال چچا نے کہا۔

"آدمی بھیجے ہیں تھانیدار صاحب آتے ہی ہوں گے۔ آخر فاصلہ ہے انہیں بھی آنے میں کچھ دیر لگے گی۔" چوہدری صاحب نے کہا اور پھر یہ میٹنگ برخاست ہوگئی۔ مجھے وہیں رہنے دیا گیا۔ چوہدری صاحب کے چار آدمی میری نگرانی کر رہے تھے۔ ویسے میں اتنا پکا نہیں تھا کہ وہاں سے بھاگنے کی سوچتا۔ البتہ سوچ رہا تھا کہ حمید خان کے سلسلے میں کسی بات کا اعتراف نہیں کروں گا۔ یہ نہیں کہوں گا کہ میں نے اسے خود جان بوجھ کر ہتھوڑا مار کر ہلاک کیا ہے۔ اس بات سے میں بہت مطمئن تھا لوگ میرے چہرے سے کوئی خاص اندازہ نہیں لگا سکتے تھے۔

تقریباً ڈیڑھ بجا ہو گا اس وقت دن کا جب پولیس گھوڑوں پر سوار ہو کر پہنچ گئی۔ آگے آگے لمبی مونچھوں والے تھانیدار جی تھے جو پولیس کی وردی پہنے ہوئے تھے ان کے پیچھے سپاہی جو حویلی سے باہر ہی رک گئے تھے۔ تھانیدار صاحب بھی چوہدری صاحب کی اجازت کے بعد ہی اندر آئے تھے۔ انہیں بیٹھنے کے لئے موڑھے پیش کئے گئے اور چند بڑے بڑے آدمی وہاں بیٹھے گئے۔ تھانیدار صاحب نے میرا بغور جائزہ لیا اور پھر چوہدری صاحب سے بولا۔ "کچھ الفاظ میرے کانوں تک پہنچ چکے ہیں چوہدری صاحب آپ کی بستی میں خون ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ بستی تو امن پسندوں کی بستی ہے۔ یہاں اس سے پہلے کبھی کوئی واردات نہیں ہوئی۔ بہر طور چوہدری صاحب برائیاں کہاں نہیں ہوتیں کیا واقعہ ہوا ہے کیا آپ مجھے تفصیل سے بتائیں گے؟"

"کچھ نہیں تفصیلات معلوم کرنا تمہارا کام ہے۔ تھانیدار صاحب صورت حال یہ ہوئی کہ یہ بچہ کافی عرصہ سے حمید کان کے ہاتھ پرورش پاتا رہا ہے اور اس کے ہاں کام کرتا رہا ہے۔ بظاہر ایک نیک نام بچہ ہے آج صبح ہتھوڑا چلاتے ہوئے اس کا ہتھوڑا کچھ غلط

ہو گیا اور حمید خان کے سر پر پڑا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ ہم نے اسی وقت اسے پکڑ کر یہاں منگوا لیا تھا اور اب آپ کا انتظار کر رہے تھے۔"

"کیا عمر ہو گی چوہدری صاحب اس بچے کی۔"

"غالباً تیرہ چودہ سال۔"

"ہوں گویا بالغ نہیں ہے لیکن لگتا تو تگڑا جوان ہے۔"

"کاٹھی اچھی ہے اس کی لیکن عمر اتنی ہی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ بہت چھوٹا سا تھا غالباً تین یا چار سال کا جب باڑھ میں لپٹا ہوا آیا تھا اور اس کے بعد یہ اسی بستی میں رہتا ہے۔"

"گویا اکیلا ہے تو چوہدری صاحب کیا کرنا ہے اس کا؟"

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟ قانون کو اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے یہ میں بتاؤں گا۔"

"ارے نہیں نہیں چوہدری صاحب میرا مقصد یہ نہیں تھا بلکہ بات کچھ اور تھی۔" تھانیدار نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بات یہ ہے کہ چوہدری صاحب آپ کی بستی کا معاملہ ہے آپ جیسا حکم دیں گے ویسا ہی کیا جائے گا۔ اب یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ہتھوڑا کس طرح اس کے سر پر پڑا۔ ممکن ہے اس نے جان بوجھ کر مارا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے جان بوجھ کر نہ مارا ہو۔"

"یہ بات تو آپ اس سے معلوم کر سکتے ہیں۔" چوہدری صاحب نے جواب دیا۔

"اچھا اچھا گویا آپ کو اس معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" بس چوہدری صاحب یہی پوچھنا چاہتا تھا۔ ٹھیک ہے جی میں نے تو بس وفاداری کی وجہ سے یہ بات پوچھی تھی کہ ممکن ہے چوہدری صاحب کی مرضی کچھ اور ہو اور میں کوئی غلط کام کر دوں۔"

"نہیں قانون کی ضرورت جس طرح پوری ہوتی ہو مجھے وہی بات پسند ہو گی۔" چوہدری صاحب نے جواب دیا۔

"سبحان اللہ سبحان اللہ۔ مجھے پتہ ہے چوہدری صاحب کہ کبھی آپ کی بستی میں کوئی جرم نہیں ہوا اور میں فخر سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ چوہدری نثار کی بستی امن پسندوں کی بستی ہے۔ اچھا جی میں اسے لے جاؤں گا ذرا کسی آدمی کو میرے ساتھ بھیج دیں حمید خان کے ہاں اس کے جورو جاتا بھی ہیں۔ میرا مطلب ہے بچے وغیرہ۔"

"بچہ تو کوئی نہیں ہے جورو ہے۔" چوہدری صاحب نے جواب دیا۔

"اچھا اچھا تو پھر میں اس سے مل لوں گا۔"

"مل لیں مگر ایک بات اور بھی سن لیں آپ۔" چوہدری صاحب نے کہا۔ "کسی کی بات پر کان نہ دھریں انصاف اور قانون کے تقاضے جو کہتے ہیں وہی کریں۔ یہاں بہت سے لوگ بہت سی باتیں کہیں گے۔ ان کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ آپ کو صحیح اندازہ کرنا ہے اگر یہ بچہ کسی بھی غلطی کا مرتکب ہوا تھا تھانیدار صاحب تو بہر طور ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس کی ناسمجھی کی عمر ہے اور ناسمجھی کی عمر میں اگر کوئی بات ہو جائے تو اس پر ہمدردی سے غور کرنا چاہئے۔ ہمارے اپنے بھی بچے ہیں۔"

"بالکل جی بالکل آپ اسے یہیں رہنے دیں میں ذرا حمید خان کے گھر ہو کر آتا ہوں۔" ٹھیک ہے چوہدری صاحب نے کہا اور تھانیدار چائے پینے کے بعد حمید خان کے ہاں چلے گئے۔

حمید خان کے ہاں بلال چچا بھی موجود تھے اور بلال چچا حقیقت کہنے کے لئے بڑی بری طرح بے تاب تھے۔ ویسے یہ بات بھی ان کے کانوں تک پہنچ چکی تھی کہ چوہدری صاحب اس سلسلے میں ابھی تک لاتعلق رہے ہیں۔ یعنی انہوں نے یہ نہیں کہا کہ رجب علی مجرم نہیں ہے۔ گویا اس طرح اس بات کا خدشہ بھی نہیں رہا تھا کہ چوہدری صاحب کی مخالفت مول لینی پڑے گی۔ بہرحال تھانیدار صاحب تو حمید خان کے گھر چلے گئے۔ چوہدری صاحب کے ہاں بھی مجمع منتشر ہو گیا۔ میں اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ چوہدری صاحب نے بڑے اہتمام سے میرے لئے کھانا منگوایا اور میرے نزدیک بیٹھ گئے۔

"کھانا کھاؤ بیٹے جو کچھ ہو چکا ہے وہ خدا کی مرضی تھی اور جو کچھ ہو گا اس میں بھی خدا کی مرضی شامل ہو گی۔ بہر صورت میری دعا ہے کہ خدا بہتر ہی کرے گا۔ ہاں اگر تم مجھے اپنا بزرگ سمجھ لو تو سچی بات بتا دو کیا ہوا تھا۔"

"چوہدری صاحب کچھ نہیں ہوا تھا رات کو ٹھیک سے سویا نہیں تھا۔ بس نیند نہیں آئی تھی۔ مچھر کاٹ رہے تھے۔ میرے بدن پر مچھروں کے نشانات بھی پڑے ہوئے تھے۔ صبح ہی صبح تیار ہو کر ہتھوڑا چلانے آ گیا تھا۔ حمید خان کام کر رہا تھا۔ میں ہتھوڑا چلا رہا تھا مگر مجھے نیند کے جھونکے آ رہے تھے۔ پھر نہ جانے میرا ہاتھ بہک گیا یا حمید خان آگے بڑھ آیا۔ ہتھوڑا لوہے پر پڑنے کی بجائے حمید خان کے سر پر پڑ گیا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا ہے وہ آپ کو پتہ چل گیا ہو گا۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"ہاں چوہدری صاحب۔"

"ایک بات بتاؤ رجب علی حمید خان کی بیوی تو جوان ہے۔ تمہیں کیسی لگتی ہے؟"

"جی چوہدری جی بہت اچھی۔"

"وہ تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہے؟"

"میں نے ماں کو نہیں دیکھا چوہدری صاحب لیکن لوگوں کی ماؤں کو دیکھا ہے وہ بہت سے بچوں کی ماؤں سے اچھی تھی میرے لئے' بڑا ہی چاہتی تھی مجھے۔ میری ہر بات کا خیال رکھتی تھی۔ میں بھی اسے ماں کی طرح چاہتا تھا۔"

"خدا رحم کرے خدا رحم کرے ان لوگوں پر بھی اور تم پر بھی۔ جو تم پر برائیوں کا الزام لگاتے ہیں۔ بہرصورت وہ انصاف کرنے والا ہے تم فکر مت کرو بیٹے خداوند کریم انصاف کرے گا۔" چوہدری صاحب نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ میں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا نہ جانے کیوں مجھے کسی قسم کا خوف نہیں تھا اس کی بنیادی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ میں ہونے والے واقعات سے قطعی ناواقف تھا۔

تھانیدار جی ابھی واپس بھی نہیں آئے تھے کہ ایک شاندار نوجوان سیاہ رنگ کے گھوڑے پر سوار اندر داخل ہوا۔ بدن پر شکاری وردی تھی ہاتھ میں رائفل تھی بہت ہی اچھی شکل و صورت کا مالک تھا۔ یہ چوہدری صاحب کا بیٹا تھا۔ چوہدری مشتاق خان تھا۔ دو گھوڑے سوار اس کے پیچھے اور چلے آ رہے تھے۔ مشتاق خان حویلی میں داخل ہو کر گھوڑے سے اترا اور سائیس نے اس کا گھوڑا پکڑ لیا۔ مشتاق خان کا بدن پسینے میں بھیگا ہوا تھا وہ اندر کی جانب جانے لگا اور دفعتاً اس کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹک گیا۔ چوہدری صاحب اس وقت میرے پاس ہی کھڑے تھے۔ اس نے چوہدری صاحب کو سلام کیا اور ان کے نزدیک آ گیا۔ "کیا ہو رہا ہے بابا جان!" اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں مشتاق آج ایک عجیب معاملہ پیش آ گیا ہے۔"

"کیا معاملہ پیش آ گیا ہے؟ اور یہ لڑکا کون ہے؟"

"رجب علی ہے اس کا نام۔"

"ویری گڈ عمر چھوٹی لگتی ہے لیکن قد کاٹھ پہلوانوں جیسا ہے آج شام کو میلہ ہے ناں بابا جان۔"

"ہاں بیٹے آج میلہ ہے لیکن یہاں آج ایک دوسرا ہی میلہ ہو گیا ہے۔"

"ہوا کیا ہے کیا بات ہے؟"

"خون ہو گیا آج بستی میں۔"

"ارے کس کا خون؟"

"حمید خان کا؟"

"کس نے کر دیا؟"

"اس بچے کے ہاتھوں؟"

"واہ گویا میرا اندازہ درست تھا۔" مشتاق خان مسکرا کر بولا۔

"کیا مطلب؟" چوہدری نثار نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں بابا جان آپ کو پتہ ہے کہ میں چہرہ شناس ہوں۔ اس لڑکے کے چہرے پر ایک خاص بات دیکھ رہا ہوں۔ معمولی چیز نہیں ہے یہ بابا جان آپ یقین کر لیں بڑی شاندار شخصیت کا مالک نکلے گا ایک دن اور پھر ابھی اس نے اپنا کارنامہ دکھا دیا۔ کیوں خون کر دیا اس نے حمید خان کا؟" مشتاق تو اس انداز میں بات کر رہا ہے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

"مجھے اتنا دکھ ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

"کیوں بابا جان حمید خان سے آپ کا کوئی خاص تعلق تھا۔"

"ارے نہیں کسی سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ مگر تم اس بچے کی عمر دیکھو اور اب آنے والے وقت کے بارے میں سوچو پتہ نہیں کیا سلوک ہو اس بے چارے کے ساتھ۔ ممکن ہے خون کے الزام میں پھانسی بھی لگ جائے۔"

"تو چھوڑیئے ناں بابا جان ایک آدمی مر گیا۔ مار دیا ہو گا کوئی وجہ ہو گی تھانیدار کو بلا کر کہہ دیجئے کہ کوئی سلسلہ نہیں بس اتفاق کی بات تھی مگر اس نے مارا کیسے اسے؟"

"ہتھوڑے سے مار دیا۔ بھیجہ نکل گیا کھوپڑی توڑ دی۔"

"ونڈر فل ونڈر فل۔ دیکھا میں نہ کہتا تھا۔" مشتاق خان پھر اسی انداز میں بولا لیکن چوہدری نثار کی کڑی نگاہیں دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ "میرا مطلب ہے بابا جان قتل بھی شاندار پیمانے پر ہوا ہے اس بچے کو بچانا میرا فرض ہے اس کو بچا لیں بابا جان۔"

"نہیں بھئی یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ میں قانون کو اپنے ہاتھ میں کبھی نہیں لے سکتا۔ حالانکہ تھانیدار صاحب نے بھی مجھ سے یہی سوال کیا تھا کہ کیا کرنا ہے اس سلسلے میں۔ اب تم بتاؤ میں اس سے کیا کہہ سکتا ہوں کہ ایک قاتل کو معاف کر دیا جائے۔ تفتیش کی جائے اگر بچہ اتفاقیہ اس معاملے میں ملوث ہے تو ظاہر ہے قانون کا فرض ہے کہ اس کے ساتھ رحم کرے اور اگر یہ قتل جان بوجھ کر کیا گیا ہے اور اس میں کوئی بات ایسی ہی ڈھکی چھپی ہے تو پھر میں کسی قاتل کو بچانے کی سفارش نہیں کر سکتا۔"

"تھانیدار کہاں ہے بابا جی؟" مشتاق خان نے پوچھا۔

"حمید خان کے ہاں گئے ہوئے ہیں۔ تفتیش کرنے کے لئے۔"

"اچھا اچھا جیسی آپ کی مرضی میں چلتا ہوں۔" مشتاق خان نے کہا اور اندر چلا گیا۔"

بھلا اسے میرے معاملے سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جبکہ میں کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر چوہدری صاحب کے کہنے پر آرام کرنے لیٹ گیا تھا' تھانیدار اپنے آدمیوں کے ساتھ واپس آیا۔ اس کے کھانے کا بندوبست حویلی ہی میں کیا گیا تھا۔ پھر اس نے کھانا کھایا اس کے بعد وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں میں موجود تھا۔ پتہ نہیں اس نے نثار خان کے ساتھ کیا گفتگو کی تھی اور معاملہ کس حد تک گیا تھا۔ پھر وہ میرے نزدیک آ گیا۔ تین سپاہی اس کے ساتھ موجود تھے۔ سپاہیوں نے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں اور پھر تھانیدار صاحب نے کڑک لہجے میں کہا۔ "چلو۔"

"کہاں؟" میں نے کہا۔

"چلو فضول باتیں نہیں کرتے۔" تھانیدار کے لہجے میں غراہٹ تھی۔ میں خاموشی کے ساتھ آگے بڑھ گیا مجھے ایک گھوڑے پر سوار کیا گیا۔ ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے تھے ایک سپاہی میرے پیچھے بیٹھا تھا باقی سپاہی بھی گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ تھانیدار نے چوہدری مشتاق کو سلام کیا اور ان کے گھوڑے واپسی کے لئے مڑ گئے۔ میری زندگی کا نیا سفر شروع ہوا تھا۔ میں نے کہا ناں بچپن سے میں اسی بستی میں تھا۔ بس کچھ مٹے مٹے سے نقوش اس وقت کے ذہن میں باقی تھے۔ جب کوئی گھر تھا میرا کچھ لوگ تھے۔ کون تھے کیا تھے۔ کیسے تھے' مجھے یاد نہیں تھا۔ اس کے بعد صرف رمضان اور اس کے بعد حمید خان اور اس کی بیوی یعنی رشیدہ باجی بس۔ یہ بستی میرے لئے ایک ایسی جگہ تھی یہاں تک میری پوری معلومات محدود تھیں۔ اس سے آگے کیا تھا نہ میں نے کبھی معلوم کرنے کی کوشش کی تھی اور نہ مجھے معلوم ہوا تھا لیکن اب میری پرواز ایک نئی دنیا کی جانب تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ نئی دنیا میرے لئے کیسی ہو گی اور مجھے اس میں کیا کرنا ہو گا۔ گھوڑے کی سواری بھی میرے لئے زندگی کا نیا تجربہ تھی حالانکہ میرے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور مجھے خوف تھا کہ اگر گھوڑے نے ٹھوکر کھائی تو نیچے گر پڑوں گا لیکن اس کے باوجود مجھے بڑا لطف آ رہا تھا۔ خوف اور دہشت کا احساس میرے ذہن میں موجود نہیں تھا۔ جو کچھ میں نے سوچا تھا اس پر میں اٹل تھا کہ تھانے جا کر تھانیدار کو یہی بتاؤں گا کہ ہتھوڑا اتفاقیہ طور پر حمید خان کے سر پر لگ گیا تھا۔ بہر طور کافی دیر تک یہ سفر جاری رہا گھوڑے برق رفتاری سے دوڑ رہے تھے اور اس وقت شام کے دھندلکے زمین پر اترنے لگے تھے۔ جب میں ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچ گیا۔ بستی کیا تھی بس چند مکانات

تھے اور اس کے پاس ہی تھانے کی عمارت تھی اگر کوئی اور بستی تھی تو وہاں سے کچھ فاصلے پر تھی چونکہ دور دور تک کھلے میدان نظر آرہے تھے۔ تھانے کی عمارت اچھی خاصی وسیع تھی۔ اس کا احاطہ تھا جس میں بے شمار درخت کھڑے ہوئے تھے۔ درختوں کے نیچے چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ باہر پولیس والے بیٹھے ہوئے اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے۔ تھانیدار کو دیکھ کر سب کھڑے ہو گئے۔ بہر طور تھانیدار نے مجھے اتارا میرے ہاتھ کھول دیئے گئے اور مجھے سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا۔ وہ رات سلاخوں کے پیچھے گزری تھی۔ تھانیدار نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ رات کو مجھے کھانے کو بھی دیا گیا تھا اور میں اطمینان سے کھانا کھا کر زمین پر سو گیا۔ میرے لئے یہ ساری باتیں اجنبی نہیں تھیں۔

دوسری صبح تھانیدار نے مجھے لاک اپ سے نکلوا کر اپنے دفتر میں بلوا لیا۔ اس کے سامنے ہی میز پر ایک موٹا رول رکھا ہوا تھا۔ اس نے رول کو میز پر بجایا اور میں سیدھا کھڑا ہو گیا۔ وہ بغور میری شکل دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے آدمی کو اشارہ کیا اور اس نے دروازہ بند کر دیا۔ ہوں تھانیدار بڑا سا ہنکارہ بھر کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر بولا' تو تیرا نام رجب علی ہے۔ جی میں نے جواب دیا۔ "رجب علی دوستوں کی طرح بات کرے گا یا دشمنوں کی طرح؟"

"جی تھانیدار صاحب میں میں۔"

"میرا مطلب ہے صحیح بات بتا دے تو تیری میری دوستی بھی ہو سکتی ہے اور تیرے لئے آسانیاں بھی فراہم ہو سکتی ہیں۔ اگر جھوٹ بولا تو سمجھ لے کے خیر نہیں ہے تیری۔"

"جی صحیح بات بتاؤں گا تھانیدار جی۔" میں نے جواب دیا۔

"تو یہ بتا حمید خان کی بیوی کیسی تھی؟"

"جی کیسی تھی وہ جوان تو ہے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں خوبصورت بھی ہے۔"

"کیا کرتی ہے وہ تیرے ساتھ؟"

"تھانیدار جی آپ بھروسہ کریں کہ وہ مجھے بہت پیار کرتی تھی کھانا کھلاتی تھی مجھے اپنی اولاد کی طرح چاہتی تھی۔"

"بس یہیں سے تو جھوٹ بول رہا ہے باقی باتیں مان لیں کہ پیار کرتی ہو گی تجھے وہ اور اس وقت جب حمید خان گھر پر نہیں ہوتا ہو گا۔" تھانیدار نے کہا اور مسکرانے لگا۔

"تھانیدار جی اس کے بارے میں کوئی بری بات مت کہو وہ میری ماں تھی۔ میں

نے ماں نہیں دیکھی لیکن تم بھروسہ کرو میں نے ہمیشہ اسے اپنی ماں کی طرح چاہا ہے۔"

"دیکھ ماں ماں کر کے بکواس مت کرو ورنہ دانت توڑ دوں گا تیرے ایک گھونسا مار کر۔ مجھے جانتا ہے میں کون ہوں۔"

"تم کیا کہلوانا چاہتے ہو تھانیدار جی؟"

"کہلوانا نہیں چاہتا صحیح بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"صحیح بات یہی ہے تھانیدار جی جو میں تم سے کہہ رہا ہوں۔"

"ہوں تو گویا تم دونوں فرشتے تھے۔ کیوں؟" تھانیدار نے ایک ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"وہ تو میں نہیں جانتا تھانیدار جی لیکن جو گندی بات تم کہہ رہے ہو میں اس سے نفرت کرتا ہوں۔ وہ بہت اچھی تھی اور میں اسے ماں کی طرح چاہتا تھا اور حمید خان کو بھی باپ کی طرح چاہتا تھا وہ میرا استاد تھا اس نے مجھے پالا تھا پرورش کی تھی میری مجھے کھانے کو دیتا تھا۔"

"تُو نے اپنے باپ کو ہلاک کر دیا۔" تھانیدار نے کہا ایک لمحے کے لئے میں خاموش رہا۔ پھر میں نے بھاری آواز میں کہا۔

"تھانیدار جی میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔ تم اگر مجھے جان سے مار ڈالو گے تو میں خاموشی سے مر جاؤں گا۔ کوئی میری لاش بھی لینے نہیں آئے گا لیکن جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ بالکل سچ ہے۔ حمید خان حسب معمول کام کر رہا تھا میں نیند میں تھا میں نہیں جانتا میں آگے بڑھ گیا یا حمید خان آگے بڑھ گیا۔ ہتھوڑا اتفاق سے حمید خان کے سر پر لگ گیا ورنہ میں بھلا اپنے محسن کو مار ڈالتا۔"

"ہوں شکل سے ہی بڑی چیز معلوم ہوتے ہو مگر تُو مجھے نہیں جانتا میں نے تو بڑے بڑوں کی زبان کھلوا لی ہے۔ کچھ بھی ہو تجھے حمید خان کے قتل کے الزام میں پھانسی دی جائے گی۔ سمجھا' بچنے کی صرف ایک ہی شکل ہے صرف ایک ہی شکل۔"

"میں بچنا نہیں چاہتا جو کچھ میں نے کیا ہی نہیں اس کا اعتراف کیسے کر لوں!" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے بیٹے جب الٹا لٹکا کر بید پڑیں گے تو ساری باتیں خود ہی قبول کرے گا۔"

"تمہارا جو دل چاہے تھانیدار جی میں نے تم سے جو بات کہہ دی سو کہہ دی۔"

"دیکھ رجب علی مان جا میں یوں کرتا ہوں کہ حمید خان کی بیوی کو بلاتا ہوں بیان لینے کے لئے۔ تو وہ سب کچھ میرے سامنے اس سے کہنا جو حمید خان کی غیر موجودگی میں

کہتا رہا ہے جب وہ تیرے چکر میں آجائے تو میں تیرے پاس آجاؤں گا اور اس کے بعد........" تھانیدار نے آنکھ دبائی۔ "اس کے بعد تیری جان بچ سکتی ہے سمجھا تو۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا تھانیدار جی۔ جو کچھ تم کہہ رہے ہو میں نہیں کروں گا۔ کچھ بھی نہیں کہوں گا بس میں نے جو تم سے کہہ دیا ہے وہی سچ بات ہے۔"

"اکڑ مت اکڑ مت ورنہ تیرے چیخنے تک کی آوازیں باہر نہیں جائیں گی۔" تھانیدار نے غصیلے لہجے میں کہا۔

اس وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ "کون آمرا کون ہے؟" تھانیدار نے سوال کیا اور ایک کونے میں کھڑے ہوئے سپاہی نے دروازہ کھولا لیکن جو کوئی بھی اندر داخل ہوا تھا اسے دیکھ کر تھانیدار جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ "ارے ارے چھوٹے سرکار آپ آپ یہاں کیسے کوئی خاص بات ہو گئی مجھے بلوا لیا ہوتا۔" تھانیدار نے بڑی نیاز مندی سے کہا۔ چوہدری نثار کا بیٹا مشتاق خان ایک خوبصورت لباس میں ملبوس مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کی مسکراتی نگاہیں مجھ پر پڑیں اور پھر وہ تھانیدار کی طرف دیکھنے لگا۔ تھانیدار نے فوراً ہی سپاہی کو اشارہ کیا اور سپاہی فوراً کرسی صاف کرنے لگا۔ "تشریف رکھئے چھوٹے سرکار کیسے آگئے آپ تو اس تھانے میں بھی پہلی بار ہی آئے ہیں۔"

"ہاں اور شاید آخری بار بھی۔" مشتاق خان نے جواب دیا۔

"نہیں نہیں ہم سب آپ کے خادم ہیں اگر کوئی کام ہو تو ہمیں ضرور آگاہ کریں ہمیں بلوا لیا کریں۔ ویسے آپ کے یہاں آنے سے مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے مشتاق صاحب' بڑے جاگیر دار نے کبھی تھانے کا رخ نہیں کیا حالانکہ میں نے کئی بار دعوت دی۔"

"شریف آدمی تھانوں کا رخ کہاں کرتے ہیں۔ تھانیدار صاحب بیٹھئے بیٹھئے آپ بھی۔" مشتاق نے کہا اور خود کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھانیدار اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور خاموشی سے چھوٹے سرکار یعنی مشتاق کی شکل دیکھ رہا تھا۔ سرخ و سفید چہرہ بہت بڑا سر جس پر گھنے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی اور انگاروں کی طرح سرخ ٹھوڑی صاف مونچھیں دونوں طرف لٹکی ہوئی لمبا تڑنگا بدن دیکھنے میں بہت ہی اچھا لگتا تھا۔ تھانیدار صاحب جس طرح ان کے قدموں میں بچھے جا رہے تھے وہ بھی میرے لئے بڑی دلچسپ بات تھی۔ حالانکہ تھانیدار کا رعب اس پورے تھانے پر اور عام لوگوں پر زیادہ ہوتا تھا لیکن چھوٹے سرکار کے آگے تو وہ بھیگی بلی بن گئے تھے اور اس کوشش میں مصروف تھے کہ کسی بھی طرح چھوٹے سرکار ان سے خوش ہو جائیں۔

"کیا حشر کیا آپ نے اس کا تھانیدار جی۔"

"کس کا چھوٹے سرکار؟"

"میں اس کی بات کر رہا ہوں جو اس وقت بھی آپ کے پاس موجود ہے میں نے تو سوچا تھا کہ آپ شاید اس کی کھال اتار کر کھونٹی پر بھی ٹانگ چکے ہوں گے۔"

"ابھی شروع نہیں کیا سرکار لیکن مجال ہے اس بھوتنی والے کی کہ اصل بات گول کر جائے ویسے چھوٹے سرکار اور اس بستی کی عزت ہمیں اپنی عزت کی طرح پیاری ہے۔ بھلا مجال ہے کسی کی جو آپ کی بستی کو بدنام کر دے اگر اس لونڈے نے قتل کیا ہے تو یہ کام میرا ہے کہ اسے پھانسی دلواؤں۔"

"ارے نہیں نہیں تھانیدار جی آپ تو بڑے تجربہ کار ہیں میں تو یہ سمجھا تھا کہ آپ کا تجربہ بڑے بڑے افسروں سے زیادہ ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے اس نے یہ قتل جان بوجھ کر کیا ہے؟" چھوٹے سرکار نے سوال کیا اور تھانیدار کی حالت خراب ہو گئی۔ وہ شاید سمجھ نہیں سکے تھے کہ چھوٹے سرکار کے آنے کا مقصد کیا ہے۔ آیا وہ مجھے قاتل ثابت کرنا چاہتے ہیں یا بے گناہ۔ چھوٹے سرکار بھی تھوڑی دیر تک تو لطف لیتے رہے وہ خود بھی تھانیدار کی حالت سمجھ چکے ہوں گے پھر انہوں نے تھانیدار کی مشکل کو خود ہی آسان کر دیا اور کہا۔ "بس کچھ لوگ اس چکر میں رہتے ہیں کہ کسی کو پھنسائیں۔ پھر حمید خان کی بیوی نوجوان تھی یقینی طور پر اسے بدنام کر کے غلط مقاصد حاصل کرنے کے بارے میں سوچا گیا ہو گا اور اس لئے لوگوں نے اس بے گناہ کو نشانہ بنایا ہے۔ اب دیکھئے بچے کا ہاتھ ہے دس سیر وزنی لوہے کا ہتھوڑا اگر ایک انچ آگے بڑھ گیا تو اس میں بھلا اس کا کیا قصور ہے۔"

"خود میرا بھی یہی خیال تھا چھوٹے سرکار مگر کیا کروں حالات کی چھان بین کئے بغیر صحیح صورت حال کا اندازہ لگانا بڑا مشکل ہے۔ میں بھی اس پریشانی میں ہوں کہ کیا کرنا چاہئے۔"

"چھوڑیئے تھانیدار صاحب کیا کرنا ہے۔ بستی والے اس بیچارے کے دشمن ہو گئے ہیں لاوارث ہے مگر میں کسی لاوارث کو اس طرح لاوارث دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ بڑا رحم آیا مجھے اس کی گرفتاری کے بعد بچہ ہے ابھی عمر ہی کیا ہے۔ ابھی سے جیل چلا گیا تو جیل سے نکل کر کیا بن جائے گا۔ آپ خود ہی سوچیں اگر پھانسی ہو گئی تو ہمیں کون سا ثواب ہو گا۔"

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں چھوٹے سرکار لیکن قتل کا معاملہ ہے چھوٹا موٹا

کیس نہیں ہے جو سنبھالا جا سکے اس کا کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا۔ ابھی تو میں تفتیش کر رہا ہوں۔ ابھی میں نے چالان بھی نہیں بنایا اس کا ایف آئی آر بھی نہیں کاٹی۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ کمبخت خود کیا کہتا ہے۔"

"کون دیکھے گا تھانیدار جی میں خود بھی کہوں تو آپ تب بھی اس مسئلے کو دیکھیں گے۔" چھوٹے سرکار نے عجیب انداز میں کہا اور تھانیدار چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"نہیں سرکار یہ بات نہیں بھلا مجال ہے تھانیدار کی کہ چھوٹے سرکار کی بات کو کاٹے مگر کیس بڑے سرکار نے میرے سپرد کیا ہے۔ چوہدری نثار خان بڑے نیک آدمی ہیں۔ وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی چاہتے ہیں۔ اگر یہ لونڈا بے قصور نکلا تو میں اپنے ہاتھوں سے اسے آپ کے پاس پہنچا کر آؤں گا۔"

"پہنچا کر آنا کیا معنی رکھتا ہے تھانیدار اسے تو میں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ رہے چوہدری نثار صاحب تو بھائی ان کی نیکیاں ان کے ساتھ رہیں ہمیں بھی تھوڑی بہت نیکی کرنے کا حق ہے' کیا خیال ہے آپ کا؟"

"جی وہ جی وہ چھوٹے سرکار مگر میرا مطلب ہے چوہدری صاحب کو کیا جواب دوں گا۔"

"کس سلسلے میں تھانیدار صاحب۔"

"اس لڑکے کے سلسلے میں اگر میں نے آپ کے سپرد کر دیا اور آپ اسے دوبارہ بستی لے گئے تو پھر چوہدری صاحب مجھے بلا کر یہ سوال نہیں کریں گے۔ کہ لڑکے کو کیوں چھوڑ دیا گیا۔"

"اول تو تھانیدار صاحب ایسے لڑکے کا جس کے بستی میں اتنے دشمن بن گئے ہوں کہ اس پر الزام تراشی کرنے لگیں اس بستی میں کیا کام میں نے اگر یہ نیک کام کیا بھی تو اسے بستی کیوں لے جاؤں گا۔ آپ خود غور کریں ارے کسی بھی شہر میں چھوڑ دوں گا کہیں دو وقت کی روٹی کما لے گا۔ بیچارہ جوان ہو جائے گا اپنی زندگی گزارے گا باقی رہا آپ کا معاملہ تو چوہدری نثار صاحب کو کیا پڑی ہے کہ وہ ایک معمولی لڑکے کے بارے میں سوالات کرتے پھریں اور اگر آپ کو ایسا خدشہ ہے بھی تو میں کس لئے ہوں۔"

"ٹھیک ہے چھوٹے سرکار جی مگر سرکاری معاملہ ہے آپ خود سمجھدار ہیں۔ آپ سوچیں تو سہی میری جان پھنس جائے گی اگر بستی کے لوگوں نے باہر اطلاع پہنچا دی تو میرا کیا ہو گا۔ تبادلہ ہو جائے گا یہاں سے ممکن ہے مقدمہ بن جائے میرے خلاف۔ ان ساری چیزوں کو روکنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔"

"تھانیدار صاحب میں یہاں آیا ہوں تو اس کا مقصد ہے کہ میں ہی یہاں آیا ہوں سمجھ گئے آپ۔"

"جی جی چھوٹے سرکار!" تھانیدار پریشانی کے عالم میں گردن کھجانے لگا لیکن چھوٹے سرکار کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا۔ پھر ان کی جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی باہر نکل آئی اور تھانیدار کی میز پر پہنچ گئی۔ تھانیدار کی آنکھوں میں ایک دم چمک آ گئی تھی اور اس نے جھجکتی ہوئی نگاہوں سے چھوٹے سرکار کی طرف دیکھا چھوٹے سرکار گھنی مونچھوں کے نیچے مسکرا رہے تھے مجھے ان کی یہ مسکراہٹ بے حد پسند آئی۔ پھر چونکہ میں ان کے الفاظ خود بھی سن چکا تھا وہ میرے بچاؤ کی کوشش کر رہے تھے اور یہ معمولی بات نہیں تھی۔ اتنے بڑے آدمی کا بیٹا زبردست شخصیت کا مالک میری حمایت کر رہا تھا۔ میرے آنکھیں چھوٹے سرکار پر واری ہونے لگیں۔ چھوٹے سرکار نے کہا کہ میں اس کو اپنے ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔ ٹھیک ہے آپ لے جائیں اسے میں رپورٹ تیار کر لوں گا۔ تھانیدار نے کہا اب اس کے لہجے میں نہایت نرمی پیدا ہو گئی تھی وہ خوشامدانہ انداز میں باتیں کر رہا تھا۔

"کیا کریں گے آپ تھانیدار صاحب ذرا مجھے بھی تو بتائیں۔" چھوٹے سرکار نے پوچھا۔

"بس سرکار آپ جیسے لوگوں کی دعائیں چاہئیں آپ جیسے لوگوں کی خدمت نہ کی تو پھر کیا کیا۔ بس اسے فرار دکھا دوں گا۔ آج رات یہ لاک اپ سے فرار ہو جائے گا کل میں بستی پہنچ جاؤں گا اور قرب و جوار میں دو چار سپاہی دوڑاؤں گا اس کی تلاش میں اور ظاہر ہے یہ نہیں ملے گا مگر چھوٹے سرکار آپ اسے اتنی دور لے جائیں کہ پھر یہ دوبارہ نہ پکڑا جائے اور اس کا حلیہ بھی بدلوا دیں۔" چھوٹے سرکار ہنستے ہوئے بولے۔ "ٹھیک ہے ٹھیک ہے باقی کام میں خود کر لوں گا آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں تھانیدار صاحب۔"

چند لمحات کے بعد چھوٹے سرکار کھڑے ہو گئے انہوں نے میری طرف دیکھا اور ہنسنے لگے۔ "آبھئی آجا کیا ناں ہے تیرا۔ رجب علی عجب نام ہے بہر طور آجا تو بھی کیا یاد کرے گا بچے!" اور میں تھانیدار کو سلام کر کے چھوٹے سرکار کے ساتھ باہر نکل آیا۔ باہر چھوٹے سرکار کی شاندار کار کھڑی تھی بعد میں پتہ چلا کہ اس گاڑی کو جیپ گاڑی کہتے ہیں میں تو کبھی خواب کے عالم میں بھی کسی گاڑی میں نہیں بیٹھا تھا میں نے اگر کوئی اعلیٰ درجے کی سواری کی تھی تو وہ بھینس کی پیٹھ تھی جو کبھی کبھی تالاب میں نہاتی ہوئی نظر آ جاتی تھی اور کبھی اگر حمید خان مجھے کسی کام سے بھیج دیتا تو پھر بھینس ہی کی تھوڑی دیر کی سواری

میرے لئے بہترین تفریح ہوا کرتی تھی۔ میں اس گاڑی میں بیٹھ گیا جسے چھوٹے سرکار کا ایک ملازم چلا رہا تھا۔ دو اور آدمی اسی گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مشتاق صاحب نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور میں خوش خوش اس گاڑی میں بیٹھ گیا اور پھر گاڑی چل پڑی۔ مجھے بڑا ہی لطف آرہا تھا۔ چھوٹے سرکار اور ان کا ایک ساتھی آپس میں کچھ باتیں کر کے ہنس رہے تھے مگر میری سمجھ میں ان کی باتیں نہیں آرہی تھیں۔ پھر دفعتاً چھوٹے سرکار نے میری طرف رخ کر کے کہا۔ ”رجب علی!“

”جی چھوٹے سرکار!“

”یار سچ سچ بتائے گا ایک بات اگر میں تجھ سے پوچھوں تو۔“

”جی چھوٹے سرکار میں بھلا آپ سے جھوٹ بولنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”وہ بلال چچا جو کہہ رہے تھے اس میں کہاں تک حقیقت ہے؟“

”رشیدہ باجی کے بارے میں چھوٹے سرکار!“ میں نے سوال کیا۔

”ہاں یار ویسے تُو بڑا ہی سمجھدار ہے تیرا قد کاٹھ بھی اس بات کی دلالت نہیں کرتا کہ تُو تیرہ سال کا ہے لیکن بہرحال عمر اور قد کاٹھ سے کیا ہوتا ہے انسان اگر عیش کرنے پر آجائے تو بہت ہی چھوٹی عمر سے کر لیتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تُو بڑا شریف بچہ ہو گا شکل ہی سے لگتا ہے لیکن تیری وہ رشیدہ باجی میرا مطلب ہے کہ تیرے استاد حمید خان اور رشیدہ باجی کی عمر میں بڑا فرق ہے جوان تھی نا تیری رشیدہ باجی؟“

”سرکار میں نے کبھی انہیں اس نگاہ سے دیکھا ہی نہیں کہ وہ کتنی عمر کی ہیں۔ بس سرکار میں نے انہیں اپنی ماں کی طرح چاہا۔ دیکھا سمجھا اور انہوں نے میرے ساتھ ماں ہی کا سا سلوک کیا۔“

”دیکھ یار ہم تو تیرے دوست ہیں۔ ہم سے کیا پردہ اگر ایسی ویسی بات ہے تو پرواہ نہ کر تجھے دوبارہ بھی رشیدہ باجی کے پاس خاموشی سے پہنچایا جا سکتا ہے۔ ایسے کہ کسی کو کان و کان خبر نہ ہو بول اب جواب دے۔“

”چھوٹے سرکار آپ نے میرے اوپر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ زندگی بھر آپ کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا۔ آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا چھوٹے سرکار۔ جو کچھ ہوا ہے سب جھوٹ ہے بالکل بکواس۔ بلال چچا خود بڑے نامراد آدمی ہیں وہ اس وقت بھی دارو پی کر حمید خان کے ساتھ آئے تھے جب یہ ہنگامہ ہوا تھا سچی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے ہی اس سارے معاملے کو ہوا دی تھی اور پھر انہوں نے جو کچھ چوہدری صاحب کے

سامنے میرے اور رشیدہ باجی کے بارے میں کہا ہے اس نے میرے بدن میں آگ دوڑا دی ہے چھوٹے سرکار میں جو کچھ بھی ہوں میں جانتا ہوں میری کوئی حیثیت نہیں ہے چھوٹے سرکار اتنا مجھے معلوم ہے کہ تھانیدار مجھے لے آیا تھا۔ وہ میرے ساتھ جو بھی سلوک کرتا اس میں اسے روکنے والا کوئی نہ ہوتا۔ آپ نے میری جان بچائی ہے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے میری یہ ہمت نہیں ہے کہ میں آپ کے سامنے جھوٹ بول سکوں چنانچہ اگر آپ کو کبھی میری بات جھوٹ لگے یا آپ کو یہ علم ہو جائے کہ میں نے آپ سے جھوٹ بولا ہے تو چھوٹے سرکار آپ کو اپنے باپ کی قسم ہے کہ مجھے جان سے مار دیں۔“

”او ہو ہو ہو۔ اس کا مقصد ہے بھئی کہ بچہ سچ کہہ رہا ہے۔ تو یہ سب بلال چچا کی کمینگی تھی۔ دیکھو بھئی ہم کسی شریف عورت کے بارے میں برے انداز میں نہیں سوچ سکتے برائیوں کے بھی تو کچھ اصول ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے نا!“

”بالکل ٹھیک ہے۔“ مشتاق خان کے ساتھی نے کہا۔

”چنانچہ یہ موضوع ختم ارے ہاں تُو نے بلال چچا کے بارے میں کچھ قسمیں کھائی تھیں۔“

”ہاں چھوٹے سرکار میں نے کھائی تھیں اور انہیں پورا کرنے کا ارادہ بھی رکھتا ہوں۔“

”پھانسی پا جاتا تو پھر کہاں سے قسمیں پوری کرتا؟“

”یہ بھی جانتا ہوں چھوٹے سرکار لیکن اس کے لئے کہہ چکا ہوں کہ آپ نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔“

”اچھا اچھا اب اس نئی زندگی کے بدلے ہمیں بھی تو کچھ دے گا یا نہیں۔“

”اپنی کھال اتار کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں۔“

”یار کمال ہے تیری جیسی عمر کے بچوں سے جیسا کہ تیرے بارے میں کہا جاتا ہے کبھی ایسے الفاظ نہیں سنے۔“

”اس کی وجہ میں بتا سکتا ہوں آپ کو۔“ چھوٹے سرکار کے ساتھی نے کہا اور مشتاق خان صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے بھلا وہ کیا۔

”لاوارث بچہ ہے تنہائیوں نے اور حالات نے اسے وہ تجربہ بخش دیا ہے جو ایک طویل عمری کا تجربہ ہو سکتا ہے اور یہ جو کچھ بول رہا ہے اس کے اکیلے پن کا نتیجہ ہے۔ تنہا انسان جو اپنے اطراف میں محبتوں سے محروم رہتا ہے۔ سوچنے کا موقع مل جاتا ہے اور پھر وہ دنیا سے ضرورت سے زیادہ روشناس ہو جاتا ہے۔ یہ لڑکا مجھے اس احساس کا شکار معلوم

ہوتا ہے۔"

"یار پروفیسر کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔ اب دیکھو ناں یہ بچہ بستی میں تو واپس نہیں جا سکتا اس کی اب پرورش ہمیں ہی کرنی ہو گی۔ ٹھیک ہے نا پھر ہم یوں کرتے ہیں کہ اسے اپنے ساتھ شہر لے چلتے ہیں وہاں اسے ہم اپنے ساتھ رکھیں گے۔" بالکل ٹھیک ہے پروفیسر نے جواب دیا جیپ سفر کر رہی تھی میں ان لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔ میرا رواں رواں چھوٹے سرکار کا احسان مند تھا اور میں نے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ چھوٹے سرکار اگر کبھی میری جان بھی مانگیں تو میں اس سے دریغ نہیں کروں گا۔ ایک طویل سفر کر کے ہم رات کو ایک شہر میں پہنچے میں نے زندگی میں پہلی بار ایک دوسری بستی دیکھی تھی ورنہ اس بستی کے علاوہ میری معلومات ہی کچھ نہیں تھیں۔ گاڑی جب شہر میں داخل ہوئی تو روشنیوں کا ایک بہت بڑا سمندر میری نگاہوں کے سامنے تھا ایسی بڑی بستی میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی میری نگاہیں تعجب سے پھیل گئیں اس ماحول سے سہما سہما سا نظر آنے لگا۔ گاڑی چل رہی تھی اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سڑکوں پر بکھرا ہوا انسانوں کا ہجوم گاڑی کے نیچے آجائے گا اور اس میں سے دس بیس مر جائیں گے لیکن گاڑی چلانے والا بہت ہوشیار تھا وہ انسانوں کے درمیان سے گاڑی کو بآسانی نکال لیتا چلا گیا اور پھر ایک بہت بڑی حویلی کے سامنے گاڑی رک گئی بعد میں مجھے پتہ چلا کہ یہ حویلی دراصل ایک ہوٹل ہے۔ ہوٹل کے ایک بہت خوبصورت کمرے میں جو درحقیقت خواب کا کمرہ معلوم ہوتا تھا یا پریوں کا پرستان' مجھے لے جایا گیا۔ یہاں نہ جانے کیسے کیسے سامان موجود تھے اس وقت تو مجھے ان کے نام نہیں آتے تھے۔ بہرصورت مجھے ایک مسہری پر بٹھایا گیا۔ وہ اتنی گدگدی تھی کہ میں اس پر بیٹھتے ہی کھڑا ہو گیا مجھے یوں محسوس ہوا کہ مسہری پر چادر کے نیچے کچھ نہ ہوا اور میں زمین کی گہرائیوں میں دفن ہوتا جا رہا تھا لیکن بعد میں مجھے پتہ چلا کہ مسہری پر ایک بہت ہی نرم گدا بچھا ہوا تھا ایسا نرم گدا جس کے بارے میں' میں نے خوابوں میں بھی نہیں سوچا تھا۔

"تو بھئی رجب علی اب تم یہاں آرام کرو میں تمہارے برابر دوسرے کمرے میں ہوں۔ یہ کمرہ صرف تمہارا ہے۔" مشتاق خان صاحب نے کہا۔

"مم میں یہاں اکیلا رہوں گا۔"

"کیوں۔ وہاں کیا رشیدہ باجی کے ساتھ رہتے تھے۔" مشتاق خان نے سوال کیا اور میں شرمندہ سی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہو گیا۔ "ڈرنے کی بات نہیں ہے تم جب چاہو برابر والے دروازے پر دستک دے کر اندر آسکتے ہو یہاں بالکل آرام سے وقت

گزارو ابھی تمہارے پہننے کے لئے ہمارے پاس دوسرے کپڑے نہیں ہیں۔ رات کو یہاں رہیں گے صبح کو پھر سفر کریں گے اور اپنے شہر پہنچ جائیں گے وہاں تمہیں بڑا آرام اور اطمینان ملے گا۔ پھر وہاں بہت ساری باتیں ہوں گی۔ سمجھ گئے؟"

"جی چھوٹے سرکار!" میں نے جواب دیا۔ درحقیقت ڈر کا کوئی تصور میرے ذہن میں موجود نہیں تھا بس یہ کمرہ جو کہ بہت عجیب تھا اور یہاں جو چیزیں موجود تھیں مجھے ان کے استعمال کا طریقہ نہیں آتا تھا اس لئے میں ذرا حیران تھا۔ چھوٹے سرکار اور ان کے ساتھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور میں اس کمرے کا جائزہ لینے لگا ہر چیز اجنبی تھی سوائے مسہری کے جس پر بیٹھا جا سکتا تھا لیکن یہ مسہری عجیب و غریب تھی مجھے اس پر لیٹتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آدمی گہرے کنویں میں جا رہا ہو۔ ڈرتے ڈرتے میں اس پر بیٹھا اور دوبارہ کھڑا ہو گیا لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے یہ احساس ہو گیا تھا کہ مسہری صرف ایک حد تک دھنستی ہے اور پھر رک جاتی ہے۔ چنانچہ تیسری بار جب میں بیٹھا تو بیٹھا ہی رہا۔ بڑی نرم چیز تھی بیٹھنے کے ساتھ ہی لیٹ گیا اور اتنا لطف آرہا تھا مجھے کہ بیان نہیں کر سکتا لیکن مسہری جتنی خوبصورت تھی میں اتنا ہی گندہ ہو رہا تھا اس کا مجھے احساس تھا اس عمدہ مسہری پر لیٹتے ہوئے کچھ شرم سی آرہی تھی۔ بہرطور میں وہاں زیادہ دیر تک نہ رکا اور وہاں سے اٹھ کر اس دروازے تک پہنچ گیا جو باہر جانے کا نہیں تھا شاید اس دروازے کے دوسری جانب کوئی کمرہ تھا فرش اور دیواریں اتنی چکنی تھیں کہ یوں لگتا جیسے ہاتھ لگائے میلی ہو جائیں گی۔ نہ جانے کیا کیا چیزیں ان میں لگی ہوئی تھیں۔

چمکدار چمکدار لوہے اور چینی کی چیزیں حالانکہ حمید خان کے ہاں لوہے کے بہت سے پرزے بنائے تھے نہ جانے کیا کیا چیزیں بنائی تھیں۔ درخت کاٹنے کی درانتی کھیت کاٹنے کے تیشے اور نہ جانے کیا کیا لیکن یہ گول گول لٹو میری سمجھ سے باہر تھے۔ بہرحال میں نے ایک ماہر مکینک کی طرف ان کے قریب پہنچ کر ان کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ ایک لٹو کو جو میں نے گھمایا وہ گھومنے لگا۔ مجھے بھی دلچسپی پیدا ہوئی اور میں نے لٹو کو زور سے گھمایا لیکن دوسرے لمحے بارش شروع ہو گئی۔ میں اچھل پڑا نہ جانے یہ چھت میں سے بارش کیسے نکل رہی تھی۔ اوپر دیکھا تو پانی کی پھواریں میرے اوپر پڑ رہی تھیں ذرا سی دیر میں میرے سارے کپڑے بھیگ گئے لیکن پانی بھی ایسے ہی لٹو سے آرہا تھا۔ میں نے حیرت سے اس لٹو کو دیکھا گویا آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں پانی کے نیچے چنانچہ ذرا ہٹ کر میں نے گرتے ہوئے پانی کو دیکھا اور کیا بتاؤں کیسا مزہ آیا تھوڑی دیر کے بعد میں ماضی کی تمام باتیں بھول گیا تھا ان پھواروں کے نیچے میں بڑی دیر تک کھڑا رہا اور میرے کپڑوں

سے پانی ٹپکتا رہا دفعتاً مجھے خیال آیا کہ دروازہ تو بند ہے میں کیوں نہ کپڑے اتار کر بارش کے نیچے نہاؤں چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ میں خوب نہایا صابن بھی رکھا ہوا تھا صابن مل کر میں نے اپنے بدن کی تمام میل دھو ڈالی جو نہ جانے کب سے میرے بدن کی زینت تھی۔ نہانے کا موقع تو بارہا ملا تھا لیکن اس طرح نہیں زیاد سے زیادہ اگر حمید خان سے چھٹی مل جاتی تو نہر میں نہایا کرتا تھا اس وقت واقعی میرے بدن کا میل صاف ہو جاتا ہو گا لیکن ایسا کبھی کبھی ہی ہوتا تھا خوب اچھی طرح نہانے کے بعد مجھے کپڑوں کی فکر ہوئی میرے کپڑے تو ایسے تھے کہ اب انہیں بدن پر ڈالنے سے بدن کے میلے ہونے کا خطرہ تھا لیکن مجبوری تھی کیا کرتا بھیگے ہوئے کپڑوں کو نچوڑ کر ایک طرف پھیلا دیا لیکن اب مجھے یہ خطرہ تھا کہ کہیں کوئی دروازہ کھول کر اندر نہ آجائے کیوں کہ دروازہ باہر سے بند تھا چنانچہ میں اس نہانے کی جگہ سے باہر نہ نکلا۔ نچوڑے ہوئے کپڑوں کو میں نے تھوڑی دیر تک پھیلائے رکھا اور اس کے بعد میں نے انہیں گیلا ہی پہن لیا اور آکر بیڈ پر لیٹ گیا نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا کہ دروازے پر آہٹ سنائی دی اور دو آدمی اندر آگئے ان کے ساتھ مشتاق خان کا آدمی بھی تھا انہوں نے ہاتھوں میں کھانے کی چیزیں سنبھالی ہوئی تھیں جو میرے سامنے رکھ دی گئیں اور مشتاق صاحب کے آدمی نے کہا۔ کھالو انہیں اور اس کے بعد آرام کرو۔ اب صبح تک تمہارے پاس کوئی نہیں آئے گا۔ کھانے پینے کی چیزیں بھی اس کمرے کی طرح عجیب تھیں میں نے چکھ چکھ کر دیکھیں سب مزیدار تھیں اور پھر جس حد تک جو چیزیں میرے پیٹ میں جا سکتی تھیں میں نے اندر رکھ لیں اور اس کے بعد آرام سے لیٹ گیا۔ پیٹ بھر گیا تھا دن بھر کی تھکن تھی چنانچہ سو گیا دوسرے دن خاصے دن چڑھے جاگا تھا کسی نے مجھے جگانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی میں خود ہی جاگا تھا۔ جاگنے کے بعد میں حیران پریشان بیٹھا ہوا تھا کہ اب کیا ہو گا۔ پھر خیال آیا کہ باہر نکل کر دیکھوں کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ مشتاق صاحب کا ایک آدمی میرے سامنے پہنچ گیا۔ جاگ گئے تم۔ جی ہاں۔ میں نے جواب دیا۔ ٹھیک ہے میں ناشتہ بھجوائے دیتا ہوں ناشتہ کر لینا اور اس کے بعد روانگی کی تیاریاں کر لینا۔ اس شخص نے کہا اور میں نے سعادت مندی سے گردن ہلا دی۔ اتنے عیش و عشرت میں بسر ہو رہی تھی۔ اب مزے آگئے تھے۔ چنانچہ کیا ضرورت تھی کہ ان لوگوں سے چوں چرا کی جائے چنانچہ جیسا وہ کہتے رہے میں کرتا تھا۔ تقریباً اس وقت سورج خوب چڑھ چکا تھا ایک بار پھر ہم نے سفر شروع کر دیا میں اب بہت خوش اور مسرور تھا مشتاق خان اب خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا اور اس کا آدمی ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ کافی طویل مسافت کے بعد اس وقت جب سورج ڈھل رہا تھا

ہم ایک اور عظیم الشان بستی میں پہنچ گئے اس بستی میں اتنی اونچی اونچی عمارتیں تھیں جنہیں گردن اٹھا کر دیکھنے سے وحشت ہونے لگی تھی۔ میں نے تو کبھی خواب میں اتنی اونچی عمارتوں کے بارے میں نہیں سوچا۔ خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ میں نے سوچا یہ تو جادوگروں کی بستی ہے، لیکن یہ بستی کتنی خوبصورت تھی اس کا اندازہ مجھے بخوبی ہو رہا تھا۔ گاڑی ایک ایسی خوبصورت عمارت میں رکی کہ بس میرے بیان سے باہر ہے۔ دونوں طرف ہری بھری گھاس لگی ہوئی تھی بیچ میں عمارت کے دروازے تک جانے کا راستہ تھا۔ دروازہ بہت بڑا تھا وہاں گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ بھی تھی اور بہت ہی چوڑی چوڑی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ مشتاق صاحب نیچے اتر آئے اور انہوں نے اپنے آدمی سے کہا۔ اسے لے جاؤ اور اس کے کپڑے سلواؤ باقی معاملات میں خود طے کر کے جاؤں گا۔ انہوں نے اپنے آدمی کو حکم دیا اور ان کے آدمی نے گردن ہلا دی۔ اندر کا ماحول بالکل ویسا ہی تھا۔ جیسا میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ یعنی جس کمرے میں مجھے پہنچایا گیا وہ اتنا ہی خوبصورت تھا ویسے ہی فرش بچھا ہوا تھا اس پر جس میں پاؤں ٹخنوں تک دھنستے چلے جاتے تھے۔ اپنے لباس کو دیکھ کر شرم آ رہی تھی یہ مسئلہ بھی بہت جلد حل ہو گیا۔ دو لڑکیاں اندر آئیں کیسے عجیب لباس پہنے ہوئے تھے انہوں نے۔ میں نے خواب میں بھی ایسے لباس نہیں دیکھے تھے۔ ہماری بستی کی لڑکیاں لمبے لمبے لہنگے اور چولیاں پہنتی تھیں۔ پھر شلوار اور قمیض جن میں ان کے پورے بدن ڈھکے ہوتے تھے لیکن یہ لڑکیاں ایسے چست کپڑے پہنے ہوئے تھیں کہ ان کے بدن صاف نظر آ رہے تھے لیکن انہیں اس میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہو رہی تھی ان کے بال بھی بڑے عجیب انداز میں بنے ہوئے تھے اور چہرے بھی بڑے خوبصورت تھے رنگین لپے لپے ہوئے۔ میں نے ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی لیکن وہ میرے لئے کپڑے لائی تھیں۔

"ہیلو۔" ان میں سے ایک نے کہا میں تعجب سے اس لڑکی کی صورت دیکھنے لگا۔

"میں آپ سے ہی مخاطب ہوں۔"

"جج جی؟" میں نے پھر حیرت سے کہا۔

"اوہ بیچارہ کسی طور پر بولنا بھی نہیں جانتا۔" دوسری لڑکی نے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے میں بولنا اچھی طرح جانتا ہوں بس آپ کو دیکھ کر تھوڑا سا جھجک گیا ہوں۔"

"اچھا اچھا جھجکنے کی ضرورت نہیں ہے ہم تمہارے دوست ہیں۔"

"دوست۔ جی دوست تو مرد ہوتے ہیں لڑکیاں تو سہیلیاں ہوتی ہیں۔"

"تو پھر تم ہمیں اپنی سہیلی سمجھ لو۔"

"واہ میں کیوں سمجھ لوں۔"

"کیوں تم ہم سے دوستی نہیں کرو گے۔" دوسری لڑکی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"دوستی کی بات نہیں ہے میں تو لڑکا ہوں۔"

"لڑکا ہو تو کیا ہوا۔ ہماری سہیلی بن جاؤ۔" دوسری لڑکی نے بے تکلف ہوتے ہوئے کہا۔ "شکل و صورت اور معصومیت سے تو لڑکی ہی معلوم ہوتے ہو۔"

"بیکار باتیں مت کرو میں لڑکی وڑکی نہیں ہوں یہ کیا ہے۔"

"کپڑے ہیں تمہارے۔"

"اچھا اچھا میرے بدن پر صحیح آجائیں گے۔"

"بالکل صحیح آجائیں گے لاؤ ہم تمہیں پہنا دیں۔"

"اے اے پیچھے ہٹو کیا بدتمیزی ہے یہ۔" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا اور دونوں لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

"کیوں اس میں بدتمیزی کی کیا بات ہے۔"

"تم.......... تم مجھے کپڑے پہناؤ گی۔"

"تو کیا فرق پڑتا ہے اس سے۔"

"کیوں فرق کیوں نہیں پڑتا تم عورت ہو۔ جاؤ باہر جاؤ میں کپڑے پہن لوں گا۔"

"نہیں ڈیئر یہ شہر ہے تم دیہات سے آئے ہو ناں۔"

"ہاں۔"

"کیسی بستی ہے تمہاری۔"

"بستی؟" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا پھر بولا۔ "ہماری بستی بہت چھوٹی سی ہے وہاں لوگ ایسے کپڑے نہیں پہنتے۔ فرق ہوتا ہے ناں جگہ میں۔

"وہاں لوگ ڈھیلے ڈھالے اور سادہ کپڑے پہنتے ہوں گے جیسے کہ تم نے پہنے ہوئے تھے لیکن یہاں کپڑے پہننے کا انداز یہ ہے اب دیکھو نہ یہ کپڑے جو تم نے پہنے ہوئے ہیں ایسے کپڑے ہیں جو یہاں بیڈ روم میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ بیڈ روم سمجھتے ہو۔"

"یہ کیا ہوتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"کمرہ ایک ایسا کمرہ جس میں تم رہتے ہو جہاں سوتے ہو۔"

"اچھا اچھا اسے بیڈ روم کہا جاتا ہے۔" میں نے اپنے کمرے کی طرف اشارہ کرکے

پوچھا۔ "ٹھیک ہے میں اسے یاد رکھوں گا۔"

"ہاں ضرور تمہیں ہر چیز یاد رکھنی چاہئے انسان کو بہت کچھ سیکھنا چاہیے۔ اب یہ لباس جو تم پہنے ہوئے ہو ناں یہ سونے کا لباس ہے۔"

"کک۔ کیا کہہ رہے ہو۔ سونے کا لباس۔ اچھا اچھا ٹھیک ہے لیکن جاگنے کا لباس کون سا ہے؟" میں نے سوال کیا اور لڑکیاں ہنس پڑیں۔

"یار لطف آگیا۔" ایک لڑکی نے دوسری لڑکی سے کہا۔

"کیوں؟"

"بھئی دیکھو نا۔ کیا چیز ہاتھ آئی ہے۔" وہ میری طرف اشارہ کرکے بولی۔ اب میں اتنا احمق نہیں تھا کہ ان کی باتیں نہ سمجھ سکتا میں نے ذرا غصیلے لہجے میں کہا۔

"میرا مذاق اڑا رہی ہو تم لوگ۔ اڑا لو اڑا لو۔"

"ارے نہیں نہیں بھلا ہم تمہارا مذاق کیوں اڑائیں گے نام کیا ہے تمہارا؟" ایک لڑکی نے بے تکلفی سے سوال کیا۔

"رجب علی۔"

"ویری گڈ۔ بڑا آرٹسٹک نام ہے۔"

"کیا نام ہے؟" میں نے غرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"بہت ہی پیارا نام ہے۔ بہت عمدہ ہے بے حد خوبصورت۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔

"ویسے تم بہت کم سن ہو کتنی عمر ہے تمہاری؟"

"میں نے کبھی اس کا حساب نہیں رکھا۔ اس کا حساب کتاب میری باجی رشیدہ رکھتی تھیں۔" رشیدہ باجی۔ لڑکی ہنس پڑی۔

"دیکھو رشیدہ باجی کے نام پر ہنسنے والوں کے میں دانت نکال کر ہاتھ پر رکھ دیا کرتا ہوں سمجھیں وہ میری ماں تھیں ماں۔ تم لوگ کوئی غلط بات نہیں سمجھنا۔"

"ارے نہیں نہیں غلط بات سمجھ کون رہا ہے۔ ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہے بھئی میرا نام ریٹا اور یہ ماریا ہے۔ یاد رہے گا تم کو ہم لوگوں کا نام۔"

"مجھے ضرورت ہی کیا ہے یاد رکھنے کی۔"

"بھئی دیکھو دوستانہ گفتگو کرو اب ہم اس عمارت میں ساتھ ہی رہیں گے ہمارا اور تمہارا ساتھ رہے گا۔" ماریا نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا اور چھوٹے سرکار۔"

"یہ چھوٹے سرکار کون ہیں؟" ماریا ہنسنے لگی اور میں نے جلدی سے گردن ہلائی۔

"میرا مطلب ہے مشتاق خان صاحب۔"

"اوہ سمجھی رجب علی چھوٹے سرکار یہاں رہتے نہیں ہیں بس کبھی کبھی ادھر آتے ہیں پھر واپس چلے جاتے ہیں۔ اب تم چونکہ بستی میں نہیں جاؤ گے نا اس لیے تمہارا قیام یہیں ہو گا۔" ماریا نے جواب دیا۔

"ہوں!" میں نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی اور پھر بولا۔ "ٹھیک ہے بستی جانا تو میرے لیے خطرناک ہو گا چھوٹے سرکار مجھے بڑی مشکل سے رہا کرا کر لائے ہیں۔ اگر میں نے بستی میں قدم رکھا تو یوں سمجھ لوں کہ میری شامت ہی آجائے گی اول تو بڑے سرکار مجھے نہیں چھوڑیں گے اور پھر وہاں کے لوگ بڑے خراب لوگ ہیں۔ حالانکہ میں نے وہیں ہوش سنبھالا ہے لیکن اس بستی کے لوگوں نے کبھی محبت نہیں دی۔"

"ہم تمہیں محبت دیں گے ڈیئر۔ جس طرح بھی تم چاہو گے۔" وہ لڑکی جس کا نام جولی تھا وہ بولی اس کی مسکراہٹ مجھے عجیب سی لگی تھی لیکن اس مسکراہٹ کا مفہوم میری نگاہوں میں واضح نہیں تھا۔ بہرطور وہ مجھ سے بے تکلف ہوتی رہیں اور تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے مجھے ناشتہ کرایا۔ یہ ناشتہ جو میں نے کیا تھا میری زندگی میں انوکھی حیثیت کا حامل تھا۔ ایک بڑی سی میز کے گرد بہت سی چیزیں چن دی گئیں تھیں میں تو انہیں دیکھتے ہی بوکھلا گیا تھا البتہ وہ دونوں لڑکیاں میرے سامنے آکھڑی ہوئی تھیں۔

"یہ یہ ناشتہ۔ مم۔ میرا مطلب ہے میں اکیلا۔"

"ہاں ہاں تم جتنا کھا سکتے ہو کھاؤ باقی جو بچے اسے رہنے دینا۔"

"ارے واہ یہ تو جھوٹا ہو گا۔"

"اوہ نو ڈیئر جھوٹا نہیں ہو گا دیکھو یہ خالی پلیٹ ہے تم اس میں تھوڑی چیزیں نکالو اور جس قدر مناسب سمجھو کھالو پھر باقی چیزیں کیسے جھوٹی ہوں گی۔"

ہاں یہ بات تو ہے لڑکیوں نے پھر خود ہی مجھے ناشتہ دیا اور کیا لذیذ چیزیں تھیں میں نے سوچا کہ اب تو زندگی کا لطف ہی آگیا ہے۔ اگر چھوٹے سرکار میرے اوپر اتنے ہی مہربان ہیں تو بس یوں ہی سمجھا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اب آئندہ زندگی بے حد شاندار ہو گی لیکن یہ چھوٹے سرکار آخر ہیں کیا چیز انہیں مجھ سے اتنی دلچسپی کیوں پیدا ہو گئی ہے۔ یہ بات میں نے ایک لمحے کے لیے سوچی تھی پھر یہ خیال میرے ذہن سے آکر گزر گیا تھا میں ناشتے سے فارغ ہو چکا تھا۔ لڑکیاں مجھے ساتھ لے کر پھر اسی کمرے میں آگئیں جو اب میرا اپنا تھا۔ پھر ماریا نے کہا اچھا اب تم آرام کرو تھوڑی دیر کے بعد مشتاق صاحب تم سے ملاقات کریں گے۔ اوہ اچھا اچھا انہیں میرا سلام کہہ دینا میں نے کہا اور وہ دونوں ہنستی

ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔ اب ان ساری باتوں کو سوچنا دماغ کو خراب کرنے کے مترادف تھا جو کچھ ہو چکا تھا وہ تو ہو چکا تھا اور جو ہو رہا تھا وہ بہت ہی لطف انگیز تھا۔ اس لیے میں نے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ تقریباً بارہ بجے ہوں گے اس وقت جب چھوٹے سرکار مشتاق خان نے مجھے یاد کیا جو آدمی مجھے بلانے آیا تھا میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ چھوٹے سرکار ایک دوسرے کمرے میں موجود تھے یہ عمارت تھی یا شیطان کی آنت میں نے اتنی بڑی عمارت اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی اور یہ کمرہ جس میں مجھے بلایا گیا تھا ایک بہت بڑا ہال تھا جو ناقابل بیان حد تک سجا ہوا تھا ایک ہال میں ایک چوڑے چہرے والا اور موٹی گردن والا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ جو شکل سے خاصا ہیبت ناک دکھائی دیتا تھا۔ میں جب اندر داخل ہوا تو اس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا جیسے میرا مذاق اڑا رہا ہو پھر گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"آپ کا خیال ٹھیک تھا چھوٹے خان صاحب۔"

"رجب علی نزدیک آجاؤ۔ یہ محمد شوکت ہیں۔ آج سے شوکت صاحب تمہارے استاد ہیں اور تمہارے ساتھی ہیں اور جو کچھ بھی تم سمجھ لو وہ ہیں۔ یہاں اس عمارت میں رہ کر تمہیں شوکت صاحب کی ہر بات پر عمل کرنا ہو گا۔ جس طرح بھی یہ کہیں اس سے ذرا بھی انحراف نہ ہو۔ میں تو زیادہ یہاں نہیں رہتا بس شوکت صاحب ہی یہاں رہتے ہیں اور شوکت صاحب تمہاری تربیت کریں گے۔"

"کیا کریں گے چھوٹے سرکار!"

"تربیت میرا مطلب ہے تمہیں دنیا کے بارے میں سمجھائیں گے۔ بیٹھو میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" چھوٹے سرکار نے کہا اور ان کی اشارے پر میں اس جگہ بیٹھ گیا جہاں انہوں نے اشارہ کیا تھا۔ "دیکھو رجب علی میں نے ایک ہی نگاہ میں تمہیں اس وقت دیکھا تھا جب تم ہماری حویلی میں بڑے سرکار کے پاس موجود تھے میں نے تمہیں دیکھتے ہی پسند کر لیا تھا کیونکہ میں انسانوں کو سمجھنے میں ماہر ہوں۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا رجب علی کہ تم انتہائی سمجھ دار' طاقتور اور پھرتیلے لڑکے ہو تمہارے چہرے کی بناوٹ بتاتی ہے کہ تم اپنی زندگی میں انتہائی کامیاب رہو گے۔ چنانچہ میرے دل میں تمہارے بارے میں خیال پیدا ہوا کہ میں تمہیں سہارا دوں اور جو کچھ تم عام حالات میں نہیں بن سکتے تھے وہ بناؤں اور جب تمہارے بارے میں معلومات کیں تو پتہ چلا کہ تم ایک جرم میں پھنس گئے ہو صاف ظاہر ہے کہ ہتھوڑا تم نے حمید خان کے سر پر مارا تھا اور حمید خان کو مرنا ہی تھا جلد ہی تمہارا جرم ثابت ہو جاتا پولیس عدالت تمہیں کبھی زندہ نہیں چھوڑتی۔ میں نے بڑی

کوشش کر کے تھانیدار کے شکنجے سے تمہیں بچایا ہے اور تم جانتے ہو کہ اب تمہاری حیثیت کیا ہے؟" چھوٹے سرکار نے کہا۔

"نہیں سرکار!"

"مفرور۔ تم ایک مفرور قیدی ہو اور یقینی طور پر پولیس تمہاری تلاش میں رہے گی لیکن جب تم میری پناہ میں ہو تو پولیس تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی وہ تمہیں تلاش کرتی رہے گی لیکن پا نہیں سکے گی اس دوران میں تمہیں کچھ سے کچھ بنا دوں گا ایسا کہ اگر پولیس تمہارے سامنے بھی آجائے تو تمہیں پہچان نہ سکے گی اور یہ کام شوکت صاحب کریں گے۔ شوکت صاحب میرے گہرے دوست اور ساتھی ہیں یہ تمہیں زندگی کے وہ سارے راستے بتائیں گے جو تمہارے لیے کامیابی کے راستے ہوں گے اور اگر تم اس بستی میں حمید خان کے ہاں ہتھوڑا چلاتے رہتے تو تمہاری ساری زندگی یونہی گزر جاتی اور تم کبھی بڑے آدمی نہ بن سکتے۔ اب تم فوراً بتا دو تمہیں حمید خان پسند تھا یا چودھری نثار خان۔ میرا مطلب ہے چوہدری نثار کی حویلی تھی درجنوں ملازم تھے ان کے ہاں حمید خان صبح سے شام تک لوہا کوٹتا تھا اور چند پیسے کماتا تھا۔ جواب دے رجب علی تجھے کون سی زندگی پسند ہے؟" چھوٹے سرکار نے پوچھا۔

"چھوٹے سرکار ظاہر ہے چوہدری نثار بہت بڑے آدمی ہیں اور کس کے دل میں خواہش نہیں ہوتی کہ وہ بڑا آدمی نہ بنے۔"

"ویری گڈ۔ ویری گڈ لیکن اگر تم چوہدری نثار سے دس گنا بڑے آدمی بن جاؤ تو؟" چھوٹے سرکار نے کہا۔

"تو یہ میرے خوش قسمتی ہو گی چھوٹے سرکار!"

"لیکن خوش قسمتی کو آواز دینے کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ وہ سب کچھ کرنا ہوتا ہے جس سے آدمی بڑا بنتا ہے۔ کیا تم وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہو؟"

"کیوں نہیں چھوٹے سرکار میں ہر طرح سے تیار ہوں اور اگر آپ میری مدد پر آمادہ ہیں تو پھر وہ سب کچھ کرلوں گا جو آپ چاہیں گے۔"

"ویری گڈ۔" چھوٹے سرکار نے محبت بھرے انداز میں میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور پھر شوکت صاحب کی طرف رخ کر کے بولے۔ "سنا آپ نے شوکت صاحب میں نے غلط آدمی کا انتخاب تو نہیں کیا؟"

"نہیں مشتاق خان بلاشبہ مجھے اس لڑکے کے تیور اچھے نظر آرہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کام کا آدمی بن جائے گا۔"

"تو بس پھر سوچنا کیا ہے آپ بنا دیں ناں اسے کام کا آدمی میں آج ہی یہاں سے چلا جاؤں گا دیکھوں گا کیا کچھ ہو رہا ہے اس کی تلاش میں پولیس کیا کر رہی ہے اور کیا رائے ہے لوگوں کی اس کے بارے میں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمیں اس کی حفاظت بھی کرنی چاہئے۔"

"اس کی تو آپ فکر نہ کریں بھلا کس کی مجال ہے جو اس پر ہاتھ ڈال سکے۔" شوکت خان نے کہا۔

"باقی اسے دنیا کی ساری چیزوں سے روشناس ہونا چاہئے آپ اس کی تربیت جس انداز میں کریں گے آپ کو معلوم ہے۔" چھوٹے خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں آپ کے مشن میں برابر کا شریک ہوں۔" شوکت خان ہنستے ہوئے بولا۔ میں اس ماحول سے کوسوں پیچھے تھا لیکن جو کچھ میں سنتا تھا اسے ذہن نشین کرنے کی کوشش ضرور کرتا تھا تاکہ بہت جلد ان لوگوں کے قریب آکھڑا ہوں۔ یہ میری دلی خواہش تھی اور شاید میرے اندر اس کی صلاحیت بھی تھی کہ میں نے ان معاملات کو طویل عرصہ لگانے کے بجائے بہت جلد طے کر لیا۔ میرا محسن میرا دوست مشتاق خان چلا گیا شوکت خان بہت باغ و بہار قسم کی شخصیت تھا ہر وقت ہنستا ہنساتا رہتا تھا وہ لطیفے بھی سناتا تھا لیکن لطیفے ابھی میری سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ جولی اور ماریا سائے کی طرح میرے پیچھے لگی رہتی تھیں ان لڑکیوں کے بدن دیکھ کر بعض اوقات مجھے شرم کا احساس ہونے لگتا تھا۔ ابھی میرے ذہن میں ان کے لیے کوئی خاص بات پیدا نہیں ہوئی تھی البتہ ان چار ہی دنوں میں میری ان کے ساتھ گہری دوستی ہو گئی تھی اور میں نے ان کو دوست کی حیثیت سے قبول کر لیا تھا۔ ابھی ہم لوگ کوٹھی تک محدود تھے جولی اور ماریا نے دوستی ہی کے انداز میں مجھ سے کہا تھا رجب علی اب تم اپنی بستی سے نکل کر آئے ہو اب تم مستقبل کے بڑے آدمی بننے والے ہو۔ چنانچہ کیوں نہ تم بڑے آدمیوں کے سے انداز سیکھو۔

"بھلا وہ کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"بھئی شرط یہ ہے کہ تم ہمیں دوست سمجھو۔"

"وہ تو میں سمجھ چکا ہوں۔ حالانکہ تمہیں قاعدہ سے میری سہیلیاں ہونا چاہئے۔"

"سہیلیوں اور دوست میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ یہ تو زبان کا معاملہ ہے جو دل چاہے کہہ لو۔"

"ٹھیک ہے۔ بہرطور میں تو تمہیں اپنا دوست سمجھ چکا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر دیکھو آج تمہارے نئے لباس آجائیں گے ہمارے ہاتھوں سے لباس پہنو اور

جو کچھ ہم تمہیں کہیں کرتے رہو۔"

"تمہاری باتیں مانوں۔ دیکھو بے وقوفی کی باتیں مت کرو مجھ سے جب میں اپنے ہاتھوں سے اپنے کپڑے پہن سکتا ہوں تو تمہارے ہاتھوں سے کیوں پہنوں؟" میں نے جھلا کر کہا۔

"اس لیے کہ ہم دوست ہیں۔"

"واہ یہ کوئی دوستی ہوئی۔"

"تو اور کیا یہی تو دوستی ہوتی ہے۔" جولی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں ایسی دوستی کو نہیں مانتا دوستی تو بہت سے لوگوں سے ہوتی ہے لیکن کیا وہ ایک دوسرے کو کپڑے پہناتے ہیں۔"

"دراصل جدید دنیا میں میرا مقصد ہے شہر میں اور دیہات میں فرق ہوتا ہے شہر کے لباس پہننے کے لئے تمہیں کچھ دن مشق کرانا ہوگی ہم تمہیں وہی مشق تو کرا رہے ہیں جب تم اپنی ہاتھوں سے یہ سارے لباس پہننا سیکھ جاؤ گے تو ہم تمہیں اس کے لئے مجبور نہیں کریں گے سمجھے۔"

"اُفوہ تم بڑی بے شرم لڑکیاں ہو تمہیں مجھے لباس پہناتے ہوئے شرم نہیں آئے گی۔؟"

"نہیں۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ ہم دوست ہیں۔" دونوں لڑکیوں نے کہا۔

"بہرطور دیکھا جائے گا۔ لباس تو آجائیں۔" میں نے جواب دیا۔ لباس اس دوپہر ہی کو آگئے واقعی خوبصورت لباس تھے میں نے شوکت خان کو ایسے سوٹ میں دیکھا تھا اور دیکھتا رہ گیا تھا۔ چھوٹے سرکار نے بھی ایک بار ایسا ہی لباس پہنا تھا میرے سامنے' بھلا میں ان کی کہاں برابری کر سکتا تھا اور آج یہ لباس میرے لیے بھی لائے گئے تھے۔ جولی اور ملدیا دو بلاؤں کی طرح مجھ پر مسلط ہو گئیں انہوں نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا اور پھر بڑی عجیب و غریب کیفیت پیدا ہو گئی تھی انہوں نے مجھے نیا لباس پہنایا ٹائی باندھی موزے پہنائے اور نہایت ہی اعلیٰ قسم کے جوتے پہنائے بال سنوارے میرے۔ نہ جانے کیا کیا کچھ کرتی رہیں اور اس کی بعد انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ آئینے میں' میں نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا تھا یہ میں نہیں تھا کسی قیمت پر نہیں جان سکتا تھا کہ یہ میں ہوں۔ وہ دونوں بھی بڑی پیار بھری نگاہوں سے مجھے

دیکھ رہی تھیں۔ پھر ماریا نے ایک سسکاری بھرتے ہوئے کہا۔

"ہائے رجب علی تم اتنی چھوٹی سی عمر میں کیا قیامت بن چکے ہو کیا لگ رہے ہو کوئی دیکھے گا تو دل پکڑ کر رہ جائے گا۔"

"دیکھو ماریا بکواس نہیں چلے گی۔"

"اچھا تو تم جولی سے پوچھو کیوں جولی سچ سچ بتا دے۔" لیکن جولی مجھ میں گم تھی اس نے رقابت بھری نگاہوں سے ماریا کو دیکھا اور پھر کہنے لگی۔

"ماریا سوچ لینا اچھی طرح سے اس بار اگر تم نے کوئی گڑ بڑ کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"اری جاؤ اس کے لئے تو میں تم سے ڈوئل لڑنے کے لئے تیار ہوں دونوں میں سے ایک رہے گا میں یا تم!" ماریا نے کہا۔

"دیکھ ماریا باز آجا۔ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں تمہیں ماننا پڑے گا۔"

"جولی جولی اری چھوڑ ان باتوں کو جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" ماریا نے کہا۔

"کس سلسلے میں بکواس کر رہے ہو تم لوگ؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ دونوں نے جلدی سے کہا اور ہنس پڑیں۔ ان کی بہت سی باتیں پُراسرار ہوتی تھیں میری سمجھ میں ہی نہیں آتی تھیں پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "آؤ تمہیں شوکت صاحب کے سامنے پیش کریں۔"

"شوکت صاحب موجود ہیں؟" میں نے پوچھا۔ ہاں' ماریا نے جواب دیا اور میں ان کے پیچھے چل پڑا۔ چلتے ہوئے مجھے ذرا دقت ہو رہی تھی۔ ایسے جوتے اور کپڑے میں نے کبھی نہیں پہنے تھے زیادہ سے زیادہ دو پٹیوں کی چپل پہنی تھی اول تو کہیں جانا نہیں ہوتا تھا گھن پر کھڑا ہوتا تھا تو ننگے پاؤں گھر میں رہتا تھا تو ننگے پاؤں ہاں کبھی میلے ویلے میں چلا گیا تو جوتے پہن لیتا تھا ویسے بھی لباس وغیرہ کے سلسلے میں نے کبھی بہت زیادہ غور نہیں کیا تھا لیکن اب جب کہ میں نے یہ لباس پہنا تو میرا دل چاہ رہا تھا کہ ایسے اچھے اچھے لباس پہنوں۔ شوکت صاحب اپنے کمرے میں موجود کسی کتاب کو دیکھ رہے تھے جب میں داخل ہوا تو انہوں نے پلٹ کر مجھے دیکھا انہوں نے پہلی نگاہ سرسری انداز میں ڈالی تھی لیکن پھر وہ ایک دم ہی چونک پڑے انہوں نے کتاب رکھ دی تھی اور جلدی سے کھڑے ہو گئے تھے ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں میرے پیچھے ماریا اور جولی کھڑی مسکرا رہی تھیں۔

"یہ......... یہ......... تم......... ماریا یہ وہ......... میرا مطلب ہے یہ رجب علی ہی

ہے خدا کی پناہ واقعی یہ تو رجب علی ہی ہے اوہ خدا کی پناہ ویری گڈ ویری گڈ بھئی کیا بنا دیا ہے تم لوگوں نے اسے ونڈر فل ونڈر فل۔"

"ہم نے نہیں بنایا شوکت صاحب یہ تو بنے بنائے تھے بس یوں سمجھیں کہ ان کی تراش خراش باقی تھی۔" ماریا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھئی کمال ہو گیا واقعی اور میں قائل ہو گیا اپنے اس مشتاق خاں کا کیا ہیرا تلاش کیا ہے۔ ماریا سچ بتاؤ ساری باتوں سے ہٹ کر بتاؤ کہ یہ کیا چیز ہے؟" شوکت صاحب حیرت سے بولے۔

"بہت شاندار واقعی بہت شاندار بہت انوکھا۔" ماریا نے جواب دیا۔

"بھئی ویری گڈ کمال ہو گیا۔" شوکت صاحب نے کہا اور پھر مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھنے لگے۔ "آؤ بھئی رجب علی بیٹھو کیسا محسوس کر رہے ہو اس لباس میں؟"

"زیادہ اچھا نہیں وہ اپنا ڈھیلا ڈھالا لباس.........."

"نہیں بھئی ڈھیلے ڈھالے لباس کی بات مت کرو تم ایک چست و چالاک آدمی ہو ایک شاندار اور نوجوان بھلا ابھی سے تمہیں ڈھیلے ڈھالے لباسوں سے دلچسپی کیوں پیدا ہو گئی زندگی تو تیز روی کا نام ہے اپنے ہر فعل میں ہر قدم میں چستی و چالاکی پیدا کرو تمہیں اس دنیا سے لڑنا ہے۔"

"لڑنا ہے؟" تعجب سے پوچھا۔

"ہاں لڑنا ہے ہر ایک پر اپنی برتری ثابت کرنی ہے سمجھے تم عام آدمی نہیں ہو مشتاق خاں کے پٹھوں میں سے ہو' پٹھا سمجھتے ہو۔"

"ہاں جس طرح پہلوان کے پٹھے ہوتے ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"بالکل بالکل چوہدری مشتاق خاں صرف شہر میں رہتا ہے پڑھتا ہے اور چھوٹا موٹا کاروبار کر رہا ہے لیکن یہ چھوٹا موٹا کاروبار آج اگر مشتاق خان چاہے تو چوہدری نثار کی زمینوں کو کھڑے کھڑے خرید سکتا ہے جانتے ہو وہ اتنا طاقتور اور صحت مند کیسے بنا۔"

"نہیں میں نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا۔

"جان جاؤ گے۔ جان جاؤ گے۔ سب کچھ جان جاؤ گے بیٹے۔ بس شوکت کی بات مانتے رہو۔ ارے بھئی ماریا اور جولی آج تم میرا خیال ہے اپنے اس رجب علی کو گھمانے لے جاؤ سمندر کا کنارہ دکھاؤ اسے۔ رجب علی کبھی سمندر دیکھا ہے؟"

"نہیں کیا ہوتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"افوہ۔ بھئی کمال کی بات ہے کیسی شاندار چیز ہے لیکن کتنی معصوم بھئی ماریا میں

آج ہی رجب علی کی تعلیم کے لئے ایک ٹیوٹر مقرر کر رہا ہوں تم لوگوں کے اوپر بہت ساری ذمہ داریاں نہیں ڈالی جا سکتیں۔"

"کوئی حرج نہیں ہے شوکت صاحب ہم یہ کام بھی کر دیں گے۔" جولی نے کہا۔

"نہیں نہیں اس کی ضرورت نہیں ہر شخص ہر کام میں ماہر نہیں ہوتا۔ میں اس سلسلے میں کسی ماہر کی خدمت حاصل کروں گا۔ آج اس کا بندوبست ہو جائے گا تم یوں کرو کہ آج رجب علی کو گھمانے لے جاؤ سمندر کے کنارے۔"

"دونوں؟" ماریا نے پوچھا اور جولی اسے گھورنے لگی۔

"ہاں ہاں بھئی تم لوگ آپس میں رجب علی کے لئے جھگڑا مت کرو اب تو یہ تمہاری ہی تحویل میں ہے۔" شوکت صاحب ہنستے ہوئے بولے اور پھر دونوں لڑکیاں بھی ہنسنے لگیں۔ عجب ماحول تھا یہاں کا شوکت صاحب کہنے کو تو یہاں کے انچارج تھے ہر شخص ان کے حکم کی تعمیل کرتا تھا لیکن چونکہ ان کی فطرت ہنسی مذاق تھا ہر شخص سے پیار سے بات کرتے تھے اس لئے سب ان سے بے تکلف تھے اور ہر طرح کی باتیں کر لیا کرتے تھے۔ بہرطور یہ بات طے ہو گئی کہ شام کو مجھے سمندر کے کنارے لے جایا جائے گا۔ سمندر کے بارے میں مجھے بھی زیادہ معلومات نہیں تھیں اپنی بستی میں تو ندیاں دیکھی تھیں یا زیادہ سے زیادہ چھوٹے موٹے تالاب۔ میں نے ماریا اور جولی سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا سمندر دیکھنے کی چیز ہوتی ہے رجب علی' خنک ہواؤں کا مرکز بڑی رومانیت ہوتی ہے اس کے ساحل پر ہم کسی ویران سے ساحل پر چلیں گے کسی ایسی جگہ جہاں زیادہ رش نہ ہو۔

"رش کیا ہوتا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میرا مطلب ہے مجمع۔" جولی نے جواب دیا۔

"اوہ اچھا۔" میں گہری سانس لے کر بولا۔ "گویا وہاں بہت سے لوگ جاتے ہیں۔"

"ہاں بھئی سیر و تفریح کے لئے سمندر کا کنارہ بہت پُرلطف ہوتا ہے بس آج چل جو رہے ہیں۔" سمندر پر جانے کے لئے ان لوگوں نے مجھے دوسرا لباس پہنایا۔ گو لباس کی بار بار رد و بدل مجھے زیادہ پسند نہیں آئی تھی لیکن بہرطور اب میں چونکہ اپنے آپ کو اس نئے ماحول میں ضم کر رہا تھا اس لئے جو کچھ یہ لڑکیاں کہتی تھیں اس پر بے چوں و چرا عمل کرتا تھا۔ لڑکیوں نے بھی بڑے خوبصورت لباس پہنے تھے لیکن ان کے لباس میں وہی کیفیت تھی یعنی ان کے بدن کے زیادہ تر حصے نمایاں نظر آ رہے تھے اور مجھے اس بات سے وحشت ہوتی تھی چلو گھر کی حد تک تو ٹھیک ہے لیکن باہر بھی ایسے لباس۔ لوگ

دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ شام کو تقریباً ساڑھے چار بجے ایک خوبصورت سی گاڑی میں بیٹھ کر ہم لوگ چل پڑے مجھے انتہائی حیرت ہوئی تھی جب میں نے جولی کو گاڑی چلاتے ہوئے دیکھا اس نے مجھے اپنے برابر بٹھایا تھا اور ماریا پیچھے بیٹھی تھی ماریا کا منہ پیچھے بیٹھنے سے پھول گیا تھا۔ جولی نے جب گاڑی آگے بڑھائی تو میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

”ارے تم گاڑی چلانا جانتی ہو؟“

”کیوں اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟“ جولی بولی۔

”میرا مطلب ہے لڑکی ہو کر۔“

”اوہ ڈارلنگ لڑکیاں تو اب ہوائی جہاز بھی چلالیتی ہیں۔“

”اوہ ہوائی جہاز!“ میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

”ہاں اسے بھی جانتے ہو یا نہیں۔ ہاں ہاں کیوں نہیں ہماری بستی سے گزرتا ہے بڑی تیز آواز آتی ہے اس کی اور میں اکثر اس کے بارے میں سوچتا رہ جاتا تھا۔“

”کیا سوچتے تھے؟“ جولی نے پوچھا۔

”یہی کہ یہ کس طرح اڑتا ہے اور جب میں یہ سنتا تھا کہ اس میں انسان بیٹھے ہیں تو مجھے بڑی حیرت ہوتی تھی۔“

”کمال کی بات ہے تم نے بستی میں کبھی کچھ نہیں دیکھا۔“

”کیا دیکھتا سوائے حمید خاں کی بھٹی اور گھن کے یا پھر تالاب میں تیرنے والی بھینسوں کے جن پر میں کبھی کبھی سواری کرتا تھا میں تو اس گاڑی میں پہلی بار بیٹھا ہوں۔ میرا مقصد ہے کہ پہلی بار اس وقت بیٹھا تھا جب چوہدری مشتاق خاں مجھے لائے تھے اور دوسری بار آج بیٹھا ہوں۔“

”میں تمہیں گاڑی چلانا سکھا دوں گی۔“

”بس بس بس جولی میری موجودگی کا بھی خیال کریں۔“ ماریا نے پیچھے سے کہا اور جولی ہنس پڑی۔

”ماریا سوری محسوس مت کرنا تم اگر چاہو تو خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال سکتی ہو۔“

”نہیں نہیں ٹھیک ہے کوئی بات نہیں۔“ ماریا نے کہا اور گاڑی سڑکوں پر دوڑتی رہی سڑکوں کے اطراف میں مجھے عجیب و غریب میدان نظر آرہے تھے خاصی رونق تھی لوگ بازاروں میں خرید و فروخت بھی کر رہے تھے دکانیں تھیں کہ بس دیکھنے کے قابل تھیں جگ مگ جگ مگ کر رہی تھیں گو ابھی رات نہیں ہوئی تھی لیکن اکثر دکانوں میں تیز روشنیاں جل رہی تھیں میں اس شہر کو بڑی دلچسپ نگاہوں سے دیکھتا رہا شہر میں آنے

کے بعد سے اب تک دیر کے بعد ہم سمندر کے کنارے پہنچ گئے ریتیلے ٹیلے دور دور تک بکھرے ہوئے تھے اور ان کے پیچھے پانی تھا لیکن پانی کا یہ عظیم الشان تالاب دیکھ کر میں حیران رہ گیا میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ جہاں تک نگاہ جائے پانی ہی پانی ہو۔ میں نے جولی سے بڑی حیرت سے پوچھا۔

”جولی اس کے دوسری طرف کیسے پہنچتے ہوں گے؟“ جولی ہنس پڑی۔

”ہاں کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟“ میں نے سوال کیا۔

”اس کی کوئی دوسری طرف ہے ہی نہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ یہ سمندر اتنا دور تک چلا گیا ہے کہ تم مہینوں اس میں سفر کرتے رہو لیکن کنارے تک نہیں پہنچو گے۔“

”لو کنارہ تو کوئی نہ کوئی ہوگا ضرور!“ میں نے سوال کیا۔

”ہاں ہے لیکن اس سے آگے بھی سمندر ہے۔ بھئی سمندر کی باتیں ابھی میری سمجھ میں نہیں آتیں۔“ میں نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

”آجائیں گی ویسے کیسا لگا تمہیں سمندر؟“

”بڑا ہی خوبصورت۔ آؤ جوتے اتارو کنارے کنارے چہل قدمی کرتے ہیں۔“ جولی نے کہا۔

”ہاں میں تو پانی میں تیرنا بھی جانتا ہوں بڑا اچھا تیر لیتا ہوں میں۔“

”ٹھیک ہے لیکن یہ سمندر تیرنے کا نہیں اگر تمہیں تیرنا ہے تو کسی دن ہم سوئمنگ پول چلیں گے۔“

”کہاں؟“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

”سوئمنگ پول۔“

”یہ کیا ہوتا ہے۔“

”بس یہ مت پوچھو تم دیکھو گے تو لطف آجائے گا۔“

”ٹھیک ہے میں تمہیں دکھاؤں گا کہ کیسے تیرا جاتا ہے مجھے بہت اچھا تیرنا آتا ہے۔“

”یقیناً آتا ہوگا تمہارا یہ خوبصورت بدن ہی بتاتا ہے لیکن بس تمہاری عمر خدا کی قسم کبھی کبھی تو تمہاری عمر پر بے حد غصہ آتا ہے۔“

”کیوں؟“ میں نے پوچھا۔

"ارے چھوڑو۔ اس کیوں اور کیا کو آؤ۔" جولی کہنے لگی اور پھر دونوں میرا ہاتھ پکڑے آگے بڑھنے لگیں جیسے میں کوئی چھوٹا سا بچہ ہوں۔ میں پانی میں اٹھکیلیاں کرتا رہا جولی اور ماریا کبھی کبھی پانی میرے اوپر اچھالنے لگتی تھیں میں بھی جوابی طور پر یہی کارروائی کرتا تھا ان کے لباس بھیگ گئے تھے ہم جس طرف تھے اس طرف لوگوں کا مجمع نہیں تھا ویسے وہاں سے کافی دور بہت سے افراد نظر آرہے تھے اور سب اپنے اپنے طور پر سمندر کی تفریحات میں مشغول تھے پھر اکا دکا لوگ اس طرف بھی بڑھنے لگے۔ میں نے خاص طور سے ان تینوں کو دیکھا جو دوسرے لوگوں کے مجمع سے کٹ کر ہماری طرف آرہے تھے۔ تینوں نوجوان تھے اور ان کے انداز میں کسی قدرے بیہودگی پائی جاتی تھی تھوڑی دیر کے بعد وہ ہمارے قریب سے گزرے اور ان میں سے ایک نے آواز کسی۔ "لو بھئی ایک انار دو بیمار۔" دوسرا بولا۔

"دو انار ایک بیمار کیوں نہیں کہتے۔"

"ہاں انار تو سچ مچ دو ہی ہیں۔" تیسرے نے کہا۔ میں یہ انار اور بیمار والی بات تو سمجھ نہیں سکا لیکن ان لوگوں کا انداز مجھے کچھ عجیب سا لگا وہ ہمارے قریب سے گزر کر چند قدم آگے بڑھے اور کھڑے ہوگئے۔

"یہ بدمعاش لگتے ہیں رجب علی! چلو یہاں سے ہٹیں۔" جولی نے کہا۔

"بدمعاش' یہ کیا ہوتا ہے؟"

"افوہ میرا مطلب ہے یہ لوگ ہمیں پریشان کریں گے آؤ یہاں سے ہٹ جاتے ہیں۔"

"نہیں بھئی اس کی کیا ضرورت ہے کیا پریشان کریں گے ہمیں یہ تینوں۔"

"رجب علی خواہ مخواہ کوئی غلط بات ہو جائے گی اگر انہوں نے بدتمیزی کی تو تم برداشت نہیں کر پاؤ گے پھر جھگڑا ہو جائے گا اور تفریح گاہوں میں جھگڑا مناسب نہیں رہتا۔"

"ٹھیک ہے کھڑی رہو وہ اپنی جگہ پر کھڑے ہیں ہمیں اس پر کیا اعتراض ہے ہم سے کچھ کہیں گے تو دیکھا جائے گا۔"

"وہ جو کچھ کہہ چکے ہیں تم نے اس پر غور نہیں کیا۔"

"غور کر رہا تھا لیکن بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"ایک تو تمہاری موٹی عقل ہمیں پریشان کرتی رہتی ہے ارے اس میں نہ سمجھ میں آنے والی کون سی بات ہے وہ صاف صاف تو ہم سے بدتمیزی کر رہے ہیں۔"

"ہوں تو پھر تو انہیں اس بدتمیزی کا مزہ چکھانا پڑے گا۔" میں نے کہا۔ ماریا اور جولی نے میری تائید میں گردن ہلا دی اور میں خونخوار نگاہوں سے ان بدمعاشوں کو دیکھنے لگا ان میں سے ایک آدمی چند قدم آگے بڑھ آیا اور مسکرا کر لوفرانا انداز میں مجھ سے بولا۔

"کیوں بڑی بھائی شکل و صورت سے تو زیادہ عمر کے نہیں لگتے مگر یہ عیش ہو رہے ہیں۔" وہ میرے اتنے قریب آگیا تھا اب میرے لئے برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔

"آؤ تمہیں بھی عیش کرا دوں۔" میں نے کہا اور اس کی طرف بڑھ گیا دوسرے لمحے میں نے اس کی گردن پکڑ کر ہاتھ گھما دیا بات اچانک ہی ہوئی تھی اس لئے میرا یہ ہاتھ خاصا جاندار تھا اس کے جبڑے ہل گئے تھے ہاتھ مارتے ہی میں نے گریبان چھوڑ دیا تھا چنانچہ اس نے اچھی خاصی قلابازی کھائی اور الٹا ہو گیا لیکن اس کے دونوں ساتھی تیور بگاڑ کر میری طرف لپکے اور پھر انہوں نے عجیب انداز میں اپنے دونوں ہاتھ میرے سامنے رکھ دیئے میں نے ان کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تو ان میں سے ایک کی لات میرے پاؤں کے گھٹنے پر لگی اور در حقیقت بڑی عجیب ٹھوکر تھی کہ میرا پاؤں جھنجھنا کر رہ گیا دوسرے نے پلٹ کر پھر میرے ایک لات ماری جو میرے پیٹ پر پڑی اور میں دوہرا ہو گیا لیکن معاملہ دو لڑکیوں کی عزت کا تھا اور میں تو عزت کے لئے خون کر چکا تھا چنانچہ میرے رگ و پے میں وحشت دوڑ گئی۔ میں حالانکہ ان لوگوں کے مقابلے میں بہت کم عمر تھا لیکن بس ایک دیوانگی ہی مجھ پر طاری ہو گئی تھی میں ان کی طرف جھپٹا تو انہوں نے کئی ہاتھ مجھ پر رسید کر دیئے یہ تھپڑ نہیں تھے بلکہ کھردرے ہاتھ تھے جو میرے بدن کے جس حصے پر پڑ رہے تھے وہ حصہ بس یوں لگتا تھا جیسے ٹوٹ گیا ہو لیکن میں نے ان میں سے ایک کی گردن پکڑ لی لیکن دوسرے نے مجھ پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے لیکن میں نے بھی جس شخص کی گردن پکڑی تھی وہ نہ چھوڑی اور اسے دبانے لگا گردن کے سامنے کا حصہ یعنی حلقوم میری گرفت میں نہ آیا تھا بلکہ شانوں کی رگیں میری مٹھی میں دبی ہوئی تھیں اور ان پر دباؤ ڈال رہا تھا میرا شکار دونوں کہنیوں سے میرے پیٹ اور بدن کے دوسرے حصے پر ضربیں لگا رہا تھا اور میری گرفت سے نکلنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا لیکن یہ گرفت معمولی نہیں تھی چنانچہ وہ نکل نہیں پا رہا تھا اور نڈھال ہوتا جا رہا تھا جب کہ دوسرا شخص مسلسل میرے بدن پر ضربیں لگا رہا تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے جسم کی بہت سی ہڈیاں اپنی جگہ سے کھسک گئی ہوں لیکن ہار ماننے کا سوال نہیں تھا۔ البتہ وہ جس کے جبڑے پر ہاتھ پڑا تھا وہ اس طرح سیدھا ہوا تھا کہ اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بس یہ تیسرا ہی آدمی تھا جو اپنے ساتھی کو چھڑانے کی جدوجہد میں مصروف تھا میں

نے پوری قوت سے اس شخص کو گھما کر اس پر دے مارا جو میری پٹائی کر رہا تھا اور دونوں آپس میں ٹکرا کر ڈھیر ہو گئے میں نے اس کوشش سے فائدہ اٹھایا اور ان پر لپکا لیکن جونہی ان میں سے ایک کے پاؤں پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی اس نے اپنی لات گھمائی اور میری پنڈلی پر دوبارہ وہی ضرب پڑی لیکن اس کے بعد ان تینوں میں سے کوئی نہیں رکا تھا بس اس ضرب سے انہیں اٹھنے کا موقع مل گیا تھا اور وہ اس طرح بھاگے کہ پلٹ کر نہیں دیکھا۔

میرا بدن گویا چُور چُور ہو چکا تھا اتنی جان نہیں تھی کہ میں اپنے پیروں پر کھڑا رہوں لیکن عزت کا معاملہ تھا۔ اپنی کمزوری کا مظاہرہ ان لڑکیوں کے سامنے نہیں کر سکتا تھا' چنانچہ میں کھڑا خونی نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا دونوں لڑکیاں عجیب سے انداز میں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ پھر ماریا نے تحسین آمیز انداز میں کہا واقعی حیرت انگیز مشتاق خان کی دریافت کبھی معمولی نہیں ہوتی یہ ہمارا تجربہ ہے۔

"کیا مطلب؟" میں نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"اوہ کچھ نہیں بس تمہارے بارے میں کہہ رہے تھے تم نے تو ان تینوں کی چٹنی بنا کر رکھ دی ہے۔"

"مگر وہ عجیب و غریب جنگ لڑ رہے تھے ان کی یہ جنگ میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ میں بتا سکتی ہوں۔" جولی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "وہ جوڈو کراٹے کے ماہر تھے۔"

"کاہے کے ماہر تھے؟" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

ایک مخصوص فن جنگ جو کہ مارشل آرٹ کہلاتی ہے اگر چاہو تو تم بھی یہ سیکھ سکتے ہو۔

پتہ نہیں کیا کیا بکواس کرتی ہو ایک تو تمہاری یہ گٹ پٹ میری سمجھ میں نہیں آتی' کم بختوں نے میرے بدن کی ہڈیاں ہلا کر رکھ دی ہیں بہرطور میں یہ طریقہ جنگ ضرور سیکھوں گا۔" میں نے کہا اور جولی اور ماریا مسکرا دیں۔ ان کی یہ مسکراہٹ میری سمجھ میں نہیں آئی تھی اور اس کے بعد بھی اس سمندر کے کنارے مٹرگشت کرتا رہا اور ان لوگوں سے خوش گپیاں ہوتی رہیں ورنہ جو میری حالت ہو رہی تھی وہ میرا دل ہی جانتا تھا۔ یہ مارشل آرٹس یا جوڈو کراٹے جس کا نام ان لوگوں نے لیا تھا میری سمجھ سے باہر تھا لیکن یہ طریقہ جنگ مجھے بے حد پسند آیا تھا۔ کم بختوں نے ہاتھوں ہی ہاتھوں سے اینٹوں اور پتھروں

کا کام لیا تھا ایسی ضربیں لگائی تھیں کہ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو ڈھیر ہو جاتا بلکہ مر جانا پسند کرتا ساری ہڈیاں ورم کر آئی تھیں۔ کافی دیر تک ہم لوگ سمندر کے کنارے ٹہلتے رہے ان لوگوں نے شاید میرے چہرے سے تکلیف کا اندازہ لگا لیا تھا چنانچہ ان لوگوں نے واپسی کی تجویز پیش کر دی اور ہم سب لوگ واپس چل پڑے اور اسی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ جہاں ہمارا قیام تھا۔ شوکت صاحب موجود تھے انہوں نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا بڑا خوش نظر آ رہا تھا یہ شخص۔

"ہیلو رجب علی کیسے مزاج ہیں؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"غلط رجب علی خاص بات تو ہے۔" ماریا بول پڑی۔

"بھلا کیا؟" شوکت نے میرے بجائے اس سے سوال کیا۔

"بس آج تو رجب علی نے کمال ہی کر دکھایا۔"

"بھلا وہ کیا ہمیں بھی تو کچھ معلوم ہو۔" شوکت صاحب بولے۔

"بس تین بدمعاش آ گئے تھے سمندر کے کنارے ہم سے چھیڑ خانی کرنے لگے اور رجب علی نے وہ مرمت کی ان کی کہ مزا آ گیا ان کو' بھاگ گئے بری طرح ایک کا تو جبڑا ہی ٹیڑھا ہو گیا تھا۔" ماریا نے کہا۔

"واہ بھئی رجب علی کو تو چوٹ نہیں آئی؟"

"چوٹ کیوں نہیں آئی ہو گی وہ جوڈو کراٹے کے ماہر تھے۔ شوکت صاحب آپ خود دیکھتے تو حیران رہ جاتے۔ جوڈو کراٹے کے تینوں ماہر رجب علی پر ٹوٹ پڑے تھے پہلا تو رجب علی کے پہلے ہی ہاتھ میں ڈھیر ہو گیا۔ باقی دو نے باقاعدہ رجب علی پر جوڈو کراٹے کی مشق شروع کر دی انہوں نے رجب علی کے بدن پر بے شمار وار لگائے۔ رجب علی نے ان میں سے ایک کو پکڑ لیا دوسرا مسلسل رجب علی کو مارتا رہا تھا لیکن کیا مجال کہ جس شخص کو رجب علی نے پکڑا تھا وہ خود کو چھڑا سکے' رجب علی نے خود ہی اسے چھوڑا اور جیسے ہی وہ رجب علی کی گرفت سے نکلا تو وہ تینوں بھاگ گئے۔"

"اوہ اوہ یہ تو بڑے دکھ کی بات ہے جوڈو کے ماہروں نے رجب علی کو بھی نقصان پہنچایا ہو گا۔ تم یوں کرو کہ رجب علی کے بدن پر مالش کر کے سکائی کر دو اور ماریا تم میرے ساتھ آؤ۔" شوکت صاحب نے کہا اور ماریا کا چہرہ ایک دم بجھ سا گیا جب کہ جولی کی آنکھیں ایک دم چمکنے لگیں۔ بہرطور جولی مجھے لے کر چل پڑی اور ایک کمرے میں آ گئی جو شاید جولی کی اپنی رہائش گاہ تھی۔ اس نے کمرے کا دروازہ بند کر کے ہیٹر جلایا اور پھر

مجھے لباس اتارنے کے لئے کہا۔

"ایک تو تم لوگوں کو پتہ نہیں کیا سوجھتی ہے بس گھس آتی ہو میرے پاس اور خواہ مخواہ۔" میں نے جھینپتے ہوئے انداز میں کہا۔

"او نو ڈیئر تم یقین کرو کوئی ایسی بات نہیں ہے میں تمہاری سکائی کروں گی۔" جولی بولی اور میں نے بحالت مجبوری اوپری بدن سے کپڑے اتار دیئے۔ جولی ایک الماری کی طرف بڑھی اور ایک شیشی نکال لائی جس میں سفید رنگ کا کوئی محلول تھا۔ اس سے اس نے آہستہ آہستہ میرے بدن کے ان حصوں پر ملنا شروع کر دیا جو ہلکے سے ورم کر آئے تھے۔ اس کے نرم و نازک ہاتھوں سے مجھے بڑا سکون مل رہا تھا جولی شاید چوٹوں کو ملنے کی خاصی ماہر تھی مجھے اتنا سرور محسوس ہوا کہ ناقابل بیان تھا۔ جولی اپنے طور پر نہ جانے کیا کیا کرتی رہی میں نے خود کو بے سدھ چھوڑ دیا تھا۔ ایک بار میں نے نگاہیں اٹھا کر جولی کے چہرے کی طرف دیکھا اس کا چہرہ بری طرح سرخ ہو رہا تھا۔ میں چونک پڑا۔

"او جولی شاید تم تھک چکی ہو تھکن کے آثار تمہارے چہرے سے پتہ چل رہے ہیں۔"

"نہیں نہیں ٹھہرو ایک منٹ تمہارے بدن کو اتنا سکون دوں گی کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ میں تمہیں ایک ایسی چیز پلاتی ہوں جس سے تمہیں بے حد سکون ملے گا۔" جولی اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک الماری کی جانب بڑھ گئی۔ وہاں اس نے بوتل میں سے کوئی دوا نکال کر ایک گلاس میں انڈیلی پھر اس نے پانی ملایا اور میرے پاس لے آئی۔

"اسے ایک ہی سانس میں پی جاؤ۔" اس نے کہا اور میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا لیکن یہ دوا ایسی قابل نفرت تھی کہ مجھے الٹی سی آنے لگی۔ میں نے منہ بناتے ہوئے غصیلے انداز میں کہا۔

"یہ کیا پلا دیا تم نے مجھے تم تو کہتی تھیں سکون ملے گا تمہیں یہ تو بدمزہ چیز ہے۔"

"نہیں ڈیئر یہ بدمزہ نہیں ہے ایک گلاس اور پیو تب مزہ آئے گا۔"

"فضول باتیں مت کرو ایک گلاس پیا ہے تو مزہ آگیا دوسرا گلاس کیسے پیوں گا۔"

"میری خاطر۔" جولی نے کہا اور دوسرا گلاس جو وہ پہلے ہی بنا کر لائی تھی میرے سامنے کر دیا۔ میں نے بحالت مجبوری یہ گلاس پی لیا اور تھو تھو کرنے لگا۔ جولی ہنسنے لگی تھی لیکن دوسرا گلاس پینے کے بعد میرے ہوش و حواس نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

☆======☆======☆

ڈائری کے اوراق یہاں سے خراب ہو گئے تھے آگے جا کر بھی کچھ بے ترتیب سے ہو گئے تھے' میں نے سوالیہ نگاہوں سے سجاد کو دیکھا تو وہ مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔ "یقیناً اب تمہاری نگاہوں میں اکتاہٹ کے جو تاثرات ابھرے ہیں ان کی وجہ میں سمجھتا ہوں تم ضرور یہ سوچ رہے ہو گے کہ آخر اس ڈائری کا مجھ سے یا تم سے کیا تعلق ہے۔ تو میں تمہیں ایک عجیب بات بتاؤں بہت ہی عجیب جب تک تم نے اپنی کہانی نہیں سنائی تھی میرے ذہن میں کوئی خیال نہیں آیا تھا لیکن تمہاری کہانی سننے کے بعد ایک بڑا عجیب انکشاف ہوا ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"مجھ پر دیوانگی طاری تھی پاگلوں کی طرح مارا مارا پھر رہا تھا میں' تب مجھے ایک بوڑھی عورت ملی اس نے کچھ عجیب الفاظ کہے تھے جو آج بھی مجھے یاد ہیں۔"

"کیا الفاظ تھے وہ؟"

"اس نے کہا تھا تین انار تینوں ہی بیمار تین ملیں گے تو تینوں کی مشکل حل ہو گی۔ گل' سجاد اور رجب اور یہ سب کچھ مجھے اب بھی یاد ہے۔" سجاد کے اس انکشاف پر میں بھی حیران رہ گیا تھا۔

میں گہری نگاہوں سے سجاد کا جائزہ لے رہا تھا پھر میں نے کہا۔ "وہ بوڑھی عورت کون تھی جس نے یہ پیش گوئی کی تھی۔"

"ایک پاگل دیوانی سی عورت تھی لیکن جس کا کہا ہوا ہر لفظ سچ ہوتا تھا۔ میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں میرے دوست۔"

"ارے ارے' کیسی باتیں کر رہے ہو۔ مائی ڈیر سجاد' حقیقت یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں تمہارے سوا میرا کوئی دوست نہیں ہے۔ میں نے تو فیصلہ کیا ہے کہ جب تک تم مجھ سے نہیں اکتاؤ گے میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔" میرے ان الفاظ پر سجاد نے گہری نظروں سے میرا جائزہ لیا' پھر بولا۔

"تم نے پہلے بھی یہ الفاظ کہے ہیں اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا اپنے وعدے پر اٹل رہو گے؟"

"تمہیں شک ہے؟"

"نہیں' لیکن زندگی میں کچھ دوست ایسے ہوتے ہیں جو اگر بچھڑ جائیں تو پھر زندہ رہنے کو دل نہیں چاہتا اور تم میرے دل میں اتنی ہی گہرائیوں میں چلے گئے ہو۔"

"شکریہ سجاد' میں بھی تمہیں سچے دل سے بتا رہا ہوں کہ تمہاری محبت میرے لئے

بھی اتنی ہی قیمتی ہے' وجہ شاید یہ ہے کہ ہم دونوں ہی دل کے مارے ہیں۔"

"میں نے تمہاری کہانی سن لی ہے اور تم نے میری' میں نہیں جانتا تم نے میرے بارے میں کیا سوچا ہے' لیکن میں نے تمہارے بارے میں کچھ ضرور سوچا ہے' تو معاف کرنا' میں تمہیں ابھی نہیں بتاؤں گا' ہاں میں چاہتا ہوں کہ تم رجب علی کی داستان ضرور پڑھ لو۔ کبھی کبھی ہمیں دوسروں کی داستانوں سے بڑے بڑے سبق مل جاتے ہیں۔" میری نگاہیں ڈائری کے اوراق پر پھسلنے لگیں۔ شوکت صاحب رجب علی کے بارے میں نہ جانے کیا کیا منصوبے بنائے ہوئے تھے لیکن جولی نے ایک غیر ذمے دار حرکت کر کے رجب علی کو بھڑکا دیا کیونکہ وہ ایک معصوم اور باکردار انسان تھا۔ ڈائری کے اوراق کا دوسرا حصہ بڑا دلچسپ اور چونکا دینے والا تھا میری نظریں اوراق پر جم گئیں۔

شیطان عورت نے مجھے شراب پلا دی تھی جس کا اندازہ بہت بعد میں ہوا تھا' لیکن بہرحال میں وہاں سے بھاگ نکلا سوچے سمجھے بغیر کہ مجھے کہاں جانا ہے یہ احساس تھا کہ جن لوگوں کے درمیان میں ہوں وہ اچھے لوگ نہیں ہیں وہ ضرور مجھے کسی مصیبت میں پھنسا دیں گے ان کے جال سے نکل جاؤں پھر دیکھوں گا کہ آگے کیا کرنا ہے۔ اس وقت میرے بدن پر عمدہ لباس ضرور تھا لیکن جیب میں کچھ نہیں تھا اور بغیر پیسوں کے کوئی بات سوچی نہیں جا سکتی تھی۔ ایک لمحے کو دل چاہا کہ اپنی جگہ سے اٹھوں اور کسی ایسے شخص کو پکڑ لوں جس کی جیب میں کچھ ہو اسے حاصل کر لوں۔ خواہ اس کے نتیجے میں اسے زخمی ہی کیوں نہ ہونا پڑے' لیکن کم از کم میرا کام تو بن جائے گا۔ ایک لمحے کے لئے ذہن بری طرح بھٹک گیا تھا اور میں اپنی اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ چند قدم بڑھا تو خیال آیا یہ مناسب نہیں ہے اگر آغاز اس طرح سے کیا تو پھر انجام بھی یہی ہو گا۔ نہیں' ابھی اپنے ذہن کو اس پراگندہ اور منتشر ذہن کو کسی راستے پر لگانا مناسب نہیں جذباتی لغزش اور احمقانہ فعل یا سوچ غلط راستوں پر ڈال سکتی تھی اور بہرطور میری خاندانی روایت یہ نہیں تھی میں یہ سب کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ بہرطور کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا ورنہ رات یونہی گزر جائے گی۔ قدم آگے بڑھتے رہے اور پھر ایک فیصلہ کرنے کے بعد میں اسٹیشن کی جانب چل پڑا۔

رات چونکہ خاصی ہو گئی تھی اس لئے اسٹیشن بھی سنسان ہی پڑا ہوا تھا' بس چند دکانیں کھلی ہوئی تھیں' کچھ خوانچے والے اپنی مخصوص جگہوں پر بیٹھے اونگھ رہے تھے غالباً ابھی کوئی ٹرین نہیں آنے والی تھی ورنہ وہ مستعد ہوتے۔ کہاں جاؤں؟ میں نے اپنے ذہن سے سوال کیا لیکن اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ ایک بینچ پر بیٹھ کر میں نے

ٹمٹاتی ہوئی روشنیوں پر نگاہیں جما دیں۔ نہ جانے کتنا وقت اسی طرح گزر گیا۔ پھر دفعتاً خوانچوں والوں میں زندگی پیدا ہو گئی۔ دور دور تک کسی ٹرین کا پتہ نہیں تھا لیکن یہ لوگ اس طرح تیاریاں کر رہے تھے جیسے وہ مصروف ہونے والے ہوں میں نے اندازہ لگا لیا کہ کوئی ٹرین آنے والی ہے' ان تمام لوگوں کو ٹرین کے اوقات پتہ ہوتے ہیں اور میرا یہ اندازہ درست ہی نکلا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ بہت دور سے انجن کی روشنی نظر آئی اور پھر آہستہ آہستہ ٹرین کی گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ خوانچے والے اپنے اپنے خوانچے سنبھال کر ٹرین کے بالکل کنارے پر آ گئے تھے۔ میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ کاش میں اس ٹرین سے سفر کر سکتا اگر میں یہاں سے جدوجہد کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو پھر یہ ٹرین جہاں سے آ رہی اور جہاں جا رہی ہے مجھے اس کا سہارا لینا ہو گا۔ ٹکٹ نہیں تھا میرے پاس' لیکن جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ لاکھوں افراد بلا ٹکٹ سفر کرتے ہیں۔ جہاں تک جا سکا چلا جاؤں گا اور جہاں موقع ملا اتر جاؤں گا کہ کم از کم دہلی سے نجات مل جائے گی۔ ٹرین پلیٹ فارم پر لگ گئی اور خوانچے والوں کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔ کمپارٹمنٹس میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ لوگ اتر رہے تھے۔ چڑھ رہے تھے' میں نے ایک قلی سے اس ٹرین کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ چالیس منٹ یہاں رکے گی۔ چالیس منٹ بہت ہوتے ہیں میں ایک ایک کمپارٹمنٹ میں جھانکنے لگا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میرے لئے کون سی جگہ مناسب ہو گی۔ تھرڈ کلاس کے کمپارٹمنٹ میں عموماً لوگ سو رہے تھے جو نئے سوار ہوئے تھے وہ اپنے لئے بیٹھنے کے لئے جگہ تلاش کر رہے تھے۔ اتنا ہنگامہ تھا کہ میرا دل بیٹھنے لگا میں کسی تھرڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں سفر نہیں کر سکتا تھا اور پھر جب بلا ٹکٹ سفر ہی کرنا تھا تو کیوں نہ فرسٹ کلاس میں کیا جائے تاکہ تھانے میں بند ہونے میں مزہ آئے۔ میں نے اس سلسلے میں اپنی پسند کی جگہ کی تلاش شروع کر دی اور پھر ایک کمپارٹمنٹ مجھے پسند آ گیا' لیکن ابھی اس میں سوار ہونا مناسب نہیں تھا۔ کھلی کھڑکی سے ایک ادھیڑ عمر کا شخص باہر جھانک رہا تھا۔ باقی کھڑکیاں خالی پڑی ہوئی تھیں تعجب کی بات تھی کہ اس پورے کمپارٹمنٹ میں ایک ہی آدمی تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ کافی دیر تک میں اس کے گرد چکراتا رہا اور بار بار پلیٹ فارم پر لگی ہوئی بڑی گھڑی میں وقت دیکھتا رہا اور پھر جب ٹرین نے وسل دی تو میں اس کمپارٹمنٹ میں سوار ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ دوسری وسل ہوئی اور ٹرین آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ قرب و جوار میں ریلوے ڈیپارٹمنٹ کا کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا' ریلوے گارڈ اپنے ڈبے میں سوار ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں بھی خاموشی سے ٹرین پر سوار ہو گیا۔ فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ

کے سامنے کے حصے میں ایک چھوٹی سی تقریباً اڑھائی فٹ چوڑی گیلری بنی ہوئی تھی اس کے بعد دروازہ تھا اور دوسرے ہی حصے میں کھڑکیاں نظر آرہی تھیں لیکن اب ان کھڑکیوں پر پردہ ڈال دیا گیا تھا۔ آدمی جو باہر جھانک رہا تھا اندر چلا گیا تھا۔ میں اب اتنی جرأت تو نہیں کر سکتا تھا کہ اندر چلا جاتا وہیں گیلری میں ہی ایک جگہ بیٹھ گیا۔ ٹرین آہستہ آہستہ رفتار پکڑتی جا رہی تھی چونکہ رات کا وقت تھا اس لئے زیادہ ہنگامہ نہیں تھا۔ میں وہیں بیٹھ کر اونگھنے لگا تھا۔ ذہن اب سوتا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر اسی طرح گزر گئی اور اس کے بعد میں نیم غنودہ سی کیفیت میں وہیں گٹھڑی بن کر لیٹ گیا۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ اس وقت رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ ٹرین بدستور فراٹے بھر رہی تھی۔ چاروں طرف ہُو کا عالم تھا کہ دفعتاً میرے کانوں میں ایک آواز ابھری۔ کوئی مجھے جھنجوڑ رہا تھا۔ میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں آنکھیں کھول دیں۔ مجھے جھنجوڑنے والا ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا اس کے چہرے پر وحشت نظر آرہی تھی حلق سے کراہیں نکل رہی تھیں میں چونک کر سیدھا ہو گیا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہے بھگوان' ہے بھگوان مر رہا ہوں میں' مر رہا ہوں میں' میری مدد کرو' میری مدد کرو بچے میری سہائتا کرو۔"

"بولو بابا کیا بات ہے' کیا بات ہے؟" میں مجسم ہمدردی بن گیا۔

"مجھے دل کا دورہ پڑا ہے سخت تکلیف ہے مجھے میری مدد کرو۔"

"او آیئے آیئے۔" میں نے اسے سہارا دیا اور بازوؤں کے سہارے سے اٹھا کر اندر لے آیا۔ اندر لا کر میں نے اسے ایک کوچ پر لٹا دیا اور اس کے سینے پر آہستہ آہستہ مالش کرنے لگا۔

"پانی پانی' مجھے پانی پلا دو۔" اس نے کہا میں نے اِدھر اُدھر دیکھا' تھوڑے فاصلے پر ایک تھرمس رکھا ہوا تھا میں اس کی جانب دوڑ گیا۔ تھرمس میں ٹھنڈا پانی موجود تھا۔ میں نے جلدی سے تھرمس کے ڈھکن میں پانی نکالا اور سہارا دے کر ادھیڑ عمر کے آدمی کو پانی پلایا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"کہاں درد ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں یہاں پر۔" اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔ میرے پاس اس وقت کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس کے ذریعے میں اس درد کو رفع کر سکتا۔ چنانچہ پریشان نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"تھوڑا سا پانی اور پلاؤ۔ تھوڑا سا پانی اور پلا دو۔" اس نے کہا اور میں نے جلدی

سے اسے پانی پلایا پھر میں نے محسوس کیا کہ اس کی حالت کسی حد تک اعتدال پر آتی جا رہی ہے میں بدستور اس کی مالش کرتا رہا۔ وہ آنکھیں بند کئے کراہتا رہا اور پھر آہستہ آہستہ پُرسکون ہو گیا۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اس کی یہ خاموشی کوئی اور معنی نہ رکھتی ہو چنانچہ میں نے اسے آہستہ سے آواز دی۔

"بابا' بابا۔" اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ "اب کیسی طبیعت ہے؟"

"بیٹا اب کافی ٹھیک ہوں' اب خاصی بہتر ہے میری حالت۔"

"اوہ اگر آپ کو زیادہ تکلیف ہو رہی ہو تو میں گاڑی روکنے کی کوشش کروں۔"

"نہیں بیٹا! گاڑی روکنے سے کیا ہو گا؟ کیا ہو گا گاڑی روکنے سے؟"

"ممکن ہے بابا' ریلوے کے عملے کے لوگ آپ کی مدد کر سکیں۔"

"نہیں اب میں کافی بہتر ہوں۔" بوڑھے آدمی نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

"بیٹا! تم جو میرے سینے کی مالش کر رہے ہو' اس سے کافی فائدہ ہوا ہے' میں کافی سکون محسوس کر رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

"تو پھر آپ آرام سے لیٹے رہیں بابا میں مالش کرتا ہوں۔"

"تمہیں تکلیف ہو گی بیٹے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں بابا آپ' آپ کی زندگی ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہے۔"

"بھگوان تمہیں سکھی رکھے۔" ادھیڑ عمر شخص نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ میں ہلکے ہاتھ سے اس کی مالش کرتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے اس کے چہرے پر سکون کے آثار پائے۔

رات آہستہ آہستہ بیتی جا رہی تھی' بوڑھا اب شاید غافل ہو گیا تھا۔ پھر صبح کی روشنی پھوٹنے لگی اور اس وقت میں نہیں جانتا تھا کہ کیا وقت ہوا تھا جب بوڑھے نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ مجھے دیکھ کر پہچاننے کی کوشش کرتا رہا اور پھر چونک پڑا۔ پھر اس نے سراسیمہ نگاہوں سے اپنے سامان کی جانب دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ میں اس کی یہ ساری کیفیات نوٹ کر رہا تھا پتہ نہیں اس کے ذہن میں کیا خیال تھا۔ آہستہ آہستہ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔ "تمہارا بہت شکریہ بیٹا۔ رات کو اگر تم نہ ہوتے تو نہ جانے کیا کیفیت ہو جاتی میری۔"

"میں نے کیا کیا ہے بابا۔ کچھ بھی تو نہیں کیا۔" میں نے کہا۔

"نہیں بیٹے! تم نے جو کچھ کیا ہے وہ میرے دل میں ہے میں جانتا ہوں کہ تم نے

میرا کتنا ساتھ دیا ہے۔"

"نہیں بابا یہ میرا فرض تھا۔ اس میں تشکر کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ہے بھی بیٹا اور نہیں بھی ہے' لیکن برے وقت میں انسان کو انسان کا سہارا ہی بہت ہوتا ہے میں زنجیر کھینچ سکتا تھا لیکن بدحواسی کے عالم میں یہی مجھے سوجھی کہ کوئی انسان میرے پاس ہو۔"

"تعجب کی بات ہے کہ آپ اس کمپارٹمنٹ میں تنہا سفر کر رہے ہیں۔"

"ہاں' بس یہ اتفاق ہے کچھ سواریاں تھیں میرے ساتھ جو دہلی سے پہلے ہی اتر گئی تھیں۔ دہلی میں بھی کوئی اس ڈبے میں سوار نہ ہوا۔ مگر تم۔ تم باہر گیلری میں کیوں بیٹھے ہوئے تھے؟"

"بس بابا ایسے ہی۔" میں نے جواب دیا اور بوڑھا مجھے دیکھنے لگا۔ "ایک بات کہوں بیٹا۔ برا تو نہیں مانو گے۔" بوڑھے نے لجاجت سے پوچھا۔"

"نہیں بابا کہئے۔"

"انسان بڑی کمینی چیز ہے۔ اس کے دل میں ایسی ایسی گندگیاں آجاتی ہیں کہ بعض اوقات اس کا احساس اسے خود ہی شرمندہ کر دیتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا بابا۔"

"رات کو میں اپنی مصیبت پر تمہارے پاس دوڑا چلا گیا تھا تمہیں ساری رات پریشان کرتا رہا لیکن جب صبح کو میری آنکھ کھلی تو میں نے گھبرا کر اپنے سامان کو دیکھا۔ میرے ذہن میں ایک دم یہ خیال آیا تھا کہ کہیں میرا سامان تو غائب نہیں ہو گیا اور سچی بات تو یہ ہے بیٹے کہ یہ خیال تمہاری ہی وجہ سے آیا تھا کیونکہ تم اجنبی ہو' لیکن پھر میرے خیال نے مجھے خود ہی شرمندہ کر دیا تھا۔ تم نے تو میری مدد کی تھی اور میں تمہارے بارے میں کسی برے انداز سے سوچ رہا تھا۔ ویسے بیٹے کوئی بھی شخص ہوتا میری اس کیفیت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ضرور کرتا۔ یہ سامان نیچے لے کر اتر جانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔"

"اوہ بابا! آپ نے ٹھیک سوچا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ دنیا میں اس قسم کے لوگ بھرے ہوئے ہیں لیکن میں ایسا انسان نہیں ہوں۔"

"مجھے معاف کرنا بیٹے' میں تم سے پہلے ہی معافی مانگ چکا ہوں۔ دراصل میں انسان کی سوچ کے بارے میں بتا رہا تھا۔"

"ہاں' بابا! یہاں کسی پر بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے کہا۔ "اچھا خیر چھوڑو

ان باتوں کو۔ میں من کا سچا آدمی ہوں اس لئے سچائی ہی سے میں نے تمہیں اپنی سوچ کے بارے میں بتا دیا تھا۔ اب تم اپنے بارے میں بتاؤ بیٹے۔"

"کیا معلوم کریں گے میرے بارے میں۔"

"پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم گیلری میں کیوں سو رہے تھے؟"

"بابا میرے پاس ٹکٹ نہیں ہے۔"

"کیوں بیٹے!۔"

"اس کی وجہ پیسے ہیں۔ میرے پاس پیسے نہیں تھے پھر جب ٹرین چلی تو میں اس میں گھس آیا اور یہاں گیلری میں بیٹھ گیا۔"

"کہاں جا رہے ہو؟"

"کہیں نہیں بابا۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"ہاں میں کہیں نہیں جا رہا۔"

"تو پھر ٹرین میں کیوں سوار ہوئے تھے؟"

"صرف دہلی چھوڑنے کے لئے۔"

"اوہ' دہلی کیوں چھوڑنا چاہتے تھے۔" بوڑھے نے سوال کیا۔

"اس لئے کہ اس شہر سے مجھے نفرت ہو گئی ہے۔"

"وجہ؟"

"بس کچھ ایسے ہی حالات مجھے یہاں پیش آئے تھے بابا۔"

"خوب' تمہارے ماتا پتا دہلی میں ہی ہیں۔"

"نہیں۔"

"پھر کہاں ہیں۔"

"آسمان پر۔" میں نے جواب دیا۔

"ایں؟"

"ہاں وہ مر چکے ہیں۔" میں غمزدہ لہجے میں بولا۔

"اوہ۔" بابا افسوس سے گردن ہلانے لگا پھر بولا۔ "مجھے بہت دکھ ہوا بیٹا! تم نے تھوڑی سی دیر میں اپنا ایک مقام بنایا ہے اور تمہاری اس محرومی کو محسوس کر کے حقیقتاً مجھے بڑا دکھ ہوا ہے۔"

"بابا اب تو عادت پڑ گئی ہے۔" میں نے کہا اور بوڑھا پُرخیال نگاہوں سے مجھے

دیکھنے لگا۔"

"ہاں بیٹا یہ وقت تو سب پر ہی آتا ہے اور تمہارے دوسرے بہن بھائی اور رشتے ناتے دار؟"

"اب اس دنیا میں کوئی نہیں ہے میرا بابا' میں اس دنیا میں تنہا ہوں۔"

"اوہ' بڑا دکھ ہوا بیٹے تمہاری یہ باتیں سن کر۔ چہرے سے کسی بھلے خاندان کے لگتے ہو۔ نام کیا ہے تمہارا؟" میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ اپنا اصل نام بتانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ روہن کا نام میرے ذہن میں گونجا اور میں نے آہستہ سے کہا۔

"روہن۔"

"اوہ' ہندو ہو' یہ اچھی بات ہے۔ میرا نام شیکھر ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا اور مجھے خوشی ہوئی کہ اتفاقیہ طور پر میرے منہ سے روہن کا نام نکل گیا تھا۔ ورنہ شاید میں اس بوڑھے کی ہمدردیاں بھی کھو بیٹھتا۔ میں نے اس کا سامان لے کر نیچے اترنے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہ ہی میں نے اس بارے میں سوچا تھا لیکن اتنا میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ دنیا میں بالکل ہی سیدھا سچا بن کر وقت گزارہ نہیں جا سکتا۔ میری اصلی شخصیت مسخ ہو چکی ہے اور اسے اس وقت ہی سامنے آنا چاہئے' جب وہ اپنی اصل حیثیت میں سامنے آئے اور یہ وقت ابھی دور تھا۔ بوڑھا خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا تھا۔ پھر اس نے سوال کیا؟

"مگر بیٹا دہلی سے تمہیں نفرت کیوں ہو گئی' دہلی تو بہت اچھی جگہ ہے۔"

"بس بابا جہاں اپنا کوئی موجود نہ ہو جہاں قدم قدم پر یہ احساس پیدا ہو کہ یہاں تنہا اور لاوارث ہوں تو پھر اس جگہ سے نفرت ہو ہی جاتی ہے۔"

"اوہ اچھا اچھا تو اب کہاں جانے کا ارادہ تھا؟"

"میں نے کہا ناں بابا۔ حالات سے گھبرا کر اس ٹرین میں سوار ہو گیا تھا۔ سوچا تھا کہ جہاں تقدیر لے جائے گی وہاں چلا جاؤں گا۔ بغیر ٹکٹ گرفتار بھی ہو سکتا تھا لیکن اس طرح کم از کم دہلی تو چھوٹ جاتی۔"

"ایک بات پوچھوں بیٹا برا تو نہیں مانو گے؟"

"آپ پوچھتے جایئے بابا میرے اندر برا ماننے کی حس ختم ہو چکی ہے۔" میں نے کہا۔

"ارے نہیں نہیں' یہ بات نہیں' اچھا چھوڑو جانے دو۔"

"نہیں بابا پوچھ لیجئے' اس میں الجھن کی کیا بات ہے؟"

"بیٹا کوئی ایسا جرم تو نہیں کیا جس کی وجہ سے تمہیں بھاگنا پڑا ہو۔"

"نہیں بابا' میں نے ایسا کوئی جرم نہیں کیا۔"

"ٹھیک ہے مجھے تمہارے چہرے پر سچائی نظر آ رہی ہے میرے ساتھ دونا ماچھی چلو گے۔ میرے بال بچے وہیں پر ہیں' دھونا ماچھی میں ہمیں تیرتھ یاترا جانا ہے تم بھی ہمارے ساتھ چلنا۔"

"میں وہاں جا کر کیا کروں گا شیکھر جی؟"

"بس بیٹا جو ہم کریں گے وہی کرنا۔ میں تمہیں ایک بڑے کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں۔" شیکھر نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے چہرے پر کش مکش کے آثار تھے لیکن پھر میں نے سوچا کہ میں کیوں حماقت کر رہا ہوں زندگی اسی کا نام ہے۔ اعلیٰ انداز بے شک انسان کی زندگی میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ زندگی کی گاڑی اسی طرح آگے بڑھتی ہے یہ وقتی سہارا مل رہا ہے تو اسے قبول کر لوں اس طرح کم از کسی غلط راستے پر نہیں بھٹک پاؤں گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ صحیح راہیں گزارنے کا کوئی موقع ملے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اب کسی کی مدد قبول نہ کرنا اور اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرنا وقتی سہارا قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں شرمندہ نگاہوں سے شیکھر جی کو دیکھنے لگا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"دیکھئے شیکھر جی میں ایک خادم کی حیثیت سے آپ کی خدمت کر سکتا ہوں آپ بیمار ہیں اگر آپ چاہیں تو وقتی طور پر کچھ عرصے کے لئے مجھے نوکر رکھ لیں میں آپ کی سیوا کروں گا اور ہر وقت آپ کے ساتھ رہوں گا لیکن مجھے کوئی مقام یا حیثیت دینا چاہتے ہیں تو معاف کیجئے گا میں اسے قبول نہیں کروں گا۔"

"چلو یونہی سہی اگر تم اس میں خوش ہو تو میں انکار نہیں کرتا یوں سمجھ لو تم آج سے میرے سیوک ہو۔"

"اس میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"بس بس مجھے خوشی ہوئی۔" شیکھر جی نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ٹی ٹی کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے جھانک کر کمپارٹمنٹ کو دیکھا۔ اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لسٹ کو دیکھا اور پھر اندر گھس آیا۔

"معاف کیجئے گا میرے اندازے کے مطابق اس کمپارٹمنٹ میں صرف ایک آدمی کو ہونا چاہئے تھا۔"

"ہاں ہاں۔ یہ میرا آدمی ہے۔ دہلی سے سوار ہوا تھا۔ ٹکٹ نہیں لے سکا تھا تم اس

کا ٹکٹ بنا دو۔" شیکھر نے کہا اور تھوڑے فاصلے پر ٹنگی ہوئی واسکٹ میں سے پرس نکال کر اس میں سے کچھ نوٹ نکالے اور ٹی ٹی کو دے دیئے۔ ٹی ٹی نے میرا ٹکٹ بنا کر میرے ہاتھ میں تھما دیا اور پھر وہ شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ گیا۔ شیکھر جی کچھ سوچتے رہے پھر میری طرف رخ کر کے بولے۔ "دیکھو بیٹا! میں تو اس وقت ناشتہ نہیں کروں گا۔ تم اپنے لئے ناشتہ منگوالو۔ ڈائننگ کار میں چلے جاؤ وہاں سے تمہیں ناشتہ مل جائے گا۔"

"کوئی خاص بھوک نہیں ہے۔"

"دیکھو روہن اب تم میرے سیوک بن چکے ہو اس لئے جو کچھ میں کہوں تمہیں وہی کرنا ہوگا۔" شیکھر نے کہا اور میں نے گردن جھکا دی۔ گیلریوں سے گزرتا ہوا میں ڈائننگ کار میں پہنچ گیا اور پھر ایک ویٹر کو میں نے ناشتے کے لئے کہہ دیا۔ ہلکا پھلکا سا ناشتہ میں نے طلب کیا تھا تھوڑی دیر کے بعد ناشتہ آگیا اور میں ناشتہ کرنے لگا۔ شیکھر جی نے پانی لیا اور پھر مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ یوں دوپہر ہو گئی۔

دوپہر کا کھانا بھی ڈائننگ کار سے منگوایا گیا تھا لیکن صرف میرے لئے شیکھر جی نے اپنے لئے صرف چائے منگوائی تھی اور پھر شام کے چار بج گئے۔ ٹھیک چار بجے ہم لوگ تیار ہو گئے کیونکہ شیکھر جی کے خیال کے مطابق اگلا اسٹیشن دونا ماچھی کا ہی تھا۔ جب ٹرین اسٹیشن پر رکی تو میں نے بادلوں کی کجلاہٹ کے پس منظر میں اونچے اونچے پہاڑ دیکھے دونا ماچھی کوئی ہل اسٹیشن ہی تھا۔ میں شیکھر جی کو سہارا دے کر دروازے تک لایا لیکن اس وقت چند افراد ٹرین کی طرف دوڑے۔ ان میں دو ملازم ٹائپ آدمی تھے۔ ایک صاف ستھری شکل کا نوجوان تھا ایک تقریباً چالیس سالہ شخص تھا وہ سب شیکھر جی کو لینے آئے تھے ملازموں نے جلدی جلدی شیکھر جی کا تھوڑا سا سامان اتار لیا اور ان دونوں افراد نے انہیں سہارا دے کر نیچے اتارا۔ شیکھر جی نیچے اترتے ہی میری طرف بڑھے اور کہنے لگے۔ "آؤ روہن بیٹا۔ تم وہاں کیوں کھڑے رہ گئے۔" میں جو ان سب کو دیکھ کر ایک لمحہ کے لئے ٹھٹک سا گیا تھا جھجکتے ہوئے انداز میں نیچے اتر آیا شیکھر جی نے پیچھے مڑ کر میرا ہاتھ پکڑا اور پھر مسکرا کر چالیس سالہ شخص کی طرف رخ کر کے بولے۔ "سودھیر یہ میرا بیٹا روہن ہے۔"

"اوہ اچھا اچھا اور روہن جی کھڑے کیوں ہو گئے۔" سودھیر خوش اخلاق معلوم ہوتا تھا نوجوان نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑا۔

"تو تم ہمارے چاچا جی ہو۔" اس نے کہا بڑا خوبصورت نوجوان تھا یہ تیکھے نقوش کا مالک، گھنگریالے بال بڑی بڑی آنکھوں میں ایک عجیب سی کشش چھائی ہوئی تھی میں مسکرا

دیا، شیکھر جی بھی مسکرا دیئے تھے۔ "عمر میں تو یہ تجھ سے چھوٹا ہی ہوگا روہن مگر سچ مچ تیرا چچا ہی ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے چچا بھتیجا کی عمر میں بڑا فرق نکل آتا ہے۔ دادا جی۔" روہن نے کہا۔ میں ساری صورتِ حال سمجھ رہا تھا۔ ان لوگوں کے رشتے کا مجھے احساس ہوتا جا رہا تھا بہرطور وہ وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ اسٹیشن کے باہر دو گھوڑوں والی ایک گاڑی کھڑی ہوئی تھی مختصر سا سامان اس میں رکھ دیا گیا کوچوان نے بھی اس سلسلے میں مدد کی تھی اور پھر ہم سب گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی سبک روی سے چل پڑی سڑکیں پتلی پتلی اور مضبوط بنی ہوئی تھیں ان میں گڑھے نہیں تھے ایک لمبی سڑک طے کر کے ایک چوراہا آیا اور چوراہے سے گاڑی بائیں سمت مڑ گئی۔ چھوٹی چھوٹی دکانیں اطراف میں نظر آرہی تھیں کاروبار جاری تھے۔ پہاڑی بستی خاصی خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔ کئی اونچے نیچے راستوں سے گزر کر بالآخر ہم ایک چھوٹے سے لیکن خوبصورت مکان کے دروازے کے سامنے رک گئے دروازہ عبور کر کے ایک لمبی بیٹھک تھی اس کے بعد ایک اور دروازہ تھا ایک بڑا صحن ختم ہونے کے ساتھ ساتھ ہی کمروں کا آغاز ہو جاتا تھا۔ یہ مکان خالص ہندوانہ طرز کا بنا ہوا تھا اور مجھے بہرطور اب اپنے آپ پر قابو رکھنا تھا۔ مجھے بیٹھک ہی میں چھوڑ دیا گیا اور جس لڑکے کا نام روہن لیا گیا تھا۔ میرے لئے آرام و آسائش کا بندوبست کرنے لگا۔ اس نے ایک چارپائی ڈالی اس پر چادر بچھائی اور تین کرسیاں لا کر رکھیں اور پھر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہاں تو روہن مہاراج اب دیکھ لیں کس طرح اچانک آپ ہمارے چاچا بن بیٹھے۔"

"روہن نہیں، میں تو صرف شیکھر جی کا سیوک ہوں۔"

"ہم سب ہی دادا جان کے سیوک ہیں ان کی سیوا کر کے ہم سب کو بڑا آنند ملتا ہے۔"

"وہ آپ کے دادا ہیں۔"

"ہاں، میرے پتا جی کا نام سودھیر ہے میرا نام روہن ہے اور میرے دادا بھی شیکھر ہیں یہاں ہم اپنے ماتا اور اپنی بہن کے ساتھ آئے ہوئے ہیں۔"

"آئے ہوئے ہیں یا یہیں رہتے ہیں۔"

"نہیں رہتے تو ہم دوسری جگہ ہیں یہاں پر ہم یاترا کے لئے آئے ہیں۔"

"اچھا اچھا، تو دادا جی بعد میں کیوں آئے۔"

"دادا جی کو کچھ کام تھے انہوں نے ہم سب کو یہاں بھیج دیا اور کہا کہ وہ بعد میں

آئیں گے یہ گھر بھی ہمارا اپنا ہی ہے اور بہت پہلے ہم یہاں رہتے تھے دادا جی نے یہ گھر بیچا نہیں بلکہ یہ اب بھی ہمارے پاس ہے اور خالی ہی پڑا رہتا ہے۔"

"اچھا اچھا کوئی کاروبار ہے آپ لوگوں کا۔"

"ہاں، ہم پیتل کی گھنٹیاں بناتے ہیں اور اس سلسلے میں ہماری بہت سی بھٹیاں ہیں جہاں بے شمار لوگ کام کرتے ہیں۔ بھگوان کی دیا سے اچھا خاصا کاروبار چلتا ہے ویسے آپ کی دادا جی سے ملاقات کیسے ہوئی۔"

"ٹرین میں دادا جی سخت بیمار ہو گئے تھے۔"

"اوہ دادا جی دل کے مریض ہیں لیکن ڈاکٹروں کی رائے کچھ اور ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ دادا جی کو دل کا مرض نہیں بلکہ وہ گیس کے مریض ہیں گیس جب دل پر چڑھ جاتی ہے تو وہیں درد ہونے لگتا ہے کئی بار دادا جی کا اس سلسلے میں علاج بھی ہو چکا ہے لیکن سال دو سال کے بعد انہیں یہ تکلیف ہو جاتی ہے۔"

"بھگوان نے چاہا تو ان کی یہ تکلیف رفع ہو جائے گی۔" میں نے کہا۔

"تو کیا دادا جی کی طبیعت ٹرین میں خراب ہو گئی تھی۔"

"ہاں کافی خراب ہو گئی تھی' خوش قسمتی یہ تھی کہ میں وہاں موجود تھا۔"

"آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی روہن جی ہم کچھ پریشانیوں کا شکار رہے ہیں اس لئے یہاں آئے ہیں۔"

"کیسی پریشانیاں۔"

"یہ تو آپ کو دادا جی ہی بتائیں گے۔" روہن نے کہا اور میں خاموش ہو گیا اس گھرانے میں مجھے وقتی طور پر بڑا سکون ملا تھا۔ دوپہر کو میرے لئے کھانا وغیرہ آیا اور روہن نے میرے ساتھ ہی کھانا کھایا باقی لوگ اندر رہے تھے لیکن تقریباً دو بجے دادا جی ایک خاتون کے ساتھ اندر آئے وہ ہندوانہ لباس پہنے ہوئے تھی ماتھے پر بندیا لگی ہوئی تھی چہرے سے بہت نرم خو نظر آتی تھی۔ آکر انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میں نے انہیں دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ جو کچھ بنا تھا اب اسے پوری طرح نبھانا بھی تھا۔ چنانچہ میں اس دوران ہندو معاشرے کی لاتعداد باتیں سیکھ گیا تھا اسی انداز میں عمل بھی کر رہا تھا کہ کسی کو میرے بارے میں شبہ نہ ہو سکے۔ دادا جی نے میرا تعارف کرایا اور بتایا کہ کس طرح میں نے بروقت ان کی مدد کر کے ان کا دل جیت لیا تھا انہوں نے کہا۔ "روہن کا اس سنسار میں کوئی بھی نہیں ہے سودھیر میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ اب روہن میرے ساتھ

ہی رہے گا میری سیوا کرے گا اور میں اب اسے اپنے بیٹے کی طرح رکھوں گا۔"

"بہت اچھی بات ہے پتا جی۔ اس میں کوئی حرج تھوڑا ہی ہے۔" سودھیر نے کہا اور پھر خاتون بولی۔ "روہن بیٹے تم تو میرے روہن سے بھی چھوٹے ہو میں ماں کی طرح ہوں تم یہاں رہ کر کسی بات کی چنتا مت کرنا جس چیز کی ضرورت ہو مجھے بلا تکلیف بتا دینا۔"

"بہت اچھا ماں جی مجھے ایک گھر مل گیا ہے یہ میری خوش قسمتی ہے میں اپنے بارے میں آپ سے اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ دادا جی سے میرا ٹکراؤ تھوڑی ہی دیر کا ہے لیکن میری ذات سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور اس کا فیصلہ میرا عمل کرے گا۔"

"کیوں نہیں کیوں نہیں بیٹا ہم لوگ بھی چہروں کو پہچانتے ہیں آخر عمریں گزاری ہیں تم کسی اچھے ہی گھر کے معلوم ہوتے ہو۔ باباجی نے تمہارے بارے میں ہمیں بہت کچھ بتا دیا ہے اب تم آرام سے یہاں رہو تھوڑے دن کے بعد ہم یاترا کو چلیں گے۔ تمہیں بھی ہمارے ہی ساتھ چلنا ہوگا۔" میں نے گردن ہلا دی تھی یہ گھر بڑا پُرسکون محسوس ہوا تھا مجھے۔ شام ہوئی رات ہو گئی۔ روہن سے کافی باتیں ہوئی تھیں لیکن ابھی تک میں نے ان لوگوں سے۔ ان کی یہاں آمد کی وجہ نہیں پوچھی تھی وہ لڑکی رچنا بھی مجھے نظر نہیں آئی تھی۔ جس کے بارے میں روہن نے تذکرہ کیا تھا رات کے کھانے کے بعد شیکھر جی مجھ سے کہنے لگے۔

"بیٹا تم کہاں سونا پسند کرو گے۔ اگر یہاں ڈیوڑھی میں من نہ لگے تو میں تمہاری چارپائی اندر ہی بچھوا دوں۔"

"نہیں شیکھر جی میں یہیں ٹھیک ہوں بلکہ یہاں بہت آرام سے ہوں۔"

"روہن تو اگر چاہے تو ڈیوڑھی میں سو جانا۔" اور روہن عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ "اوہو اچھا اچھا ٹھیک ہے' بھائی تم اندر ہی سو جانا ہم کب منع کرتے ہیں تمہیں یہ سن کر ہنسی آئے گی روہن کہ یہ روہن بڑا ڈرپوک ہے۔ ہر چیز سے ڈرتا ہے کہنے لگا اتنے عرصے سے گھر خالی پڑا ہوا ہے اس لئے یہاں بھوتوں نے بسیرا کر لیا ہو گا بس' ماں کے ساتھ لگ کر ہی سوتا ہے۔" میں بھی ہنسنے لگا میں نے کہا۔

"کوئی بات نہیں دادا جی میں یہاں بہت سکون سے ہوں آپ روہن جی کو اندر ہی سونے دیں۔" رات کو تقریباً گیارہ بجے وہ سب سونے کے لئے چلے گئے کافی وقت ہو گیا تھا مجھے نیند نہیں آئی پتہ نہیں ٹائم کیا ہوا تھا۔ ذہن خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا یہ جگہ جودونا ماچھی کے نام سے مشہور تھی۔ میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی اور نہ ہی اس

کے بارے میں کچھ تفصیلات سنی تھی ویسے مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ دہلی سے کافی دور ہے اور اس طرف یقینی طور پر کسی کا ذہن نہیں جائے گا۔ ویسے بھی میں کوئی جرم کر کے نہیں بھاگا جو میری تلاش میں چاروں طرف پولیس دوڑ رہی ہو گی میں نہیں ملوں گا تو وہ لوگ خاموش ہو جائیں گے لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے یہاں سے میں اپنے مستقبل کا آغاز کیسے کروں۔ یہ بہت اچھے لوگ تھے لیکن ظاہر ہے میں ان کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزار سکتا تھا یہ تو ایک وقتی سکون حاصل کرنے کے لئے میں نے کارروائی کی تھی۔

ابھی میں اس سوچ بچار میں گم تھا کہ دفعتاً ڈیوڑھی کے دروازے پر آہٹ سنائی دی میں نے یہی سوچا تھا کہ کوئی آرہا ہے ممکن ہے روہن ہو نیند نہ آئی ہو تو میری طرف نکل آیا ہو یا پھر کوئی اور کسی کام سے باہر جا رہا ہو کیونکہ باہر جانے کا راستہ ڈیوڑھی ہی سے گزرتا تھا۔ دروازہ کھلا اور مجھے موم بتی کی روشنی لرزتی نظر آئی اس موم بتی کے پس منظر میں جو کچھ مجھے نظر آیا وہ میرے حواس چھین لینے کے لئے کافی تھا۔ سفید لباس میں ملبوس ایک انتہائی خوبصورت لڑکی جس کی شکل دیکھ کر نگاہ نہ ٹھہرتی تھی اندر داخل ہو گئی تھی موم بتی اس کے ہاتھ میں تھی اس کی آنکھیں نیم خوابیدہ سی تھیں اور بال کھلے ہوئے تھے۔ لمبے لمبے بال جو کمر سے نیچے آرہے تھے اتنا حسین وجود تھا اس کا کہ انسان کو یقین نہ آئے۔ وہ آہستہ آہستہ بڑھ آئی اور ایک لمحے کے لئے میرا دل اچھل پڑا۔ جیسا روہن کا خیال تھا کہ خالی مکان میں بھوتوں نے اپنا گھر بسا لیا ہو گا کہیں یہ اس مکان میں رہنے والی کوئی روح نہ ہو۔

لیکن اتنی حسین روح' وہ اندر داخل ہو گئی اور میں جلدی سے اپنے بستر سے کھڑا ہو گیا میرے کھڑے ہونے پر وہ چونک کر میری طرف متوجہ ہو گئی۔ چند لمحات وہ مجھے دیکھتی رہی اب اس کی آنکھیں پوری طرح کھل گئی تھیں اس نے چند لمحات اس طرح مجھے دیکھنے کے بعد موم بتی ایک جگہ موم گرا کر اس پر چپکا دی اور پھر دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کھڑی ہو گئی میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔ یہ کون ہے اور یہاں کیوں آئی ہے بہرصورت جب کافی دیر اسی طرح گزر گئی تو میں نے ہی ہمت کی۔ "آپ آپ کہیں باہر جا رہی تھیں؟"

"ہاں' مگر میں تمہیں دیکھ کر رک گئی' کیا باہر چاند نکل آیا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"تو پھر دروازہ کھول کر دیکھو۔" اس نے کہا اور میں بے اختیار دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا لیکن چاند نہیں نکلا تھا باہر تاریکی پھیلی ہوئی

تھی تب میں نے گھوم کر اسے دیکھا۔ "نہیں چاند نہیں نکلا۔"

"نہیں نکلا۔" اس کے لہجے میں مایوسی سی تھی۔

"ہاں کیوں' آپ چاند کا کیا کریں گی۔"

"چاندنی رات میں مجھے سنسان سڑکوں پر گھوم کر بڑا آنند ملتا ہے۔"

"آپ کون ہیں۔"

"رچنا ہے میرا نام۔" اس نے جواب دیا اور میرے ذہن میں ایک دھماکہ سا ہوا۔ یہ روہن کی بہن تھی میں نے ابھی تک اسے نہیں دیکھا تھا نہ ہی اس کے بارے میں کچھ سوچا تھا روہن کے نقوش اس سے ضرور ملتے تھے لیکن روہن جیسے حسین نوجوان سے بھی وہ ہزار گنا حسین تھی اتنے نازک خدوخال کی لڑکی میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ میں سمجھ نہ سکا کہ اب مجھے اس کے بعد کیا کہنا چاہئے۔

"تو رچنا جی آپ اکیلی کیوں جا رہی تھیں۔" میں نے بالآخر ہمت کر کے پوچھا۔

"میں تنہا ہی اس سنسار میں آئی ہوں اور تنہا ہی رہنا چاہتی ہوں۔"

"جی۔" میں نے تعجب سے کہا۔

"ہاں' تم بتاؤ کوئی کسی کا ہے اس سنسار میں سب اپنے اپنے من کی میت ہیں رشتے ناطے سب یہاں آنے کے بعد ہی پیدا ہوتے ہیں اور جو چیز یہاں پیدا ہوتی ہے وہ فانی ہوتی ہے۔ سمجھے تم یہاں سنسار میں جس چیز نے جنم لیا ہے وہ تباہ ہوتی ہے مٹ جاتی ہے۔ جھوٹی ہوتی ہے اس پر وشواش نہیں کیا جاسکتا۔"

"لیکن آپ نے رشتے ناتوں کی بات کہی۔"

"ماتا پتا' بہن بھائی سارے رشتے ناطے تو سنسار میں آنے کے بعد ہی بنتے ہیں۔ بتاؤ کس نے یہ کہا کہ میرے گھر بہن پیدا ہونے والی ہے یا بھائی پیدا ہونے والا ہے جب پیدا ہو جاتے ہیں تب ان سے محبتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔"

"واقعی آپ کی سوچ میں بڑی گہرائی ہے۔"

"جھوٹ تو نہیں کہا میں نے۔"

"ہاں' آپ نے جھوٹ نہیں کہا۔"

"تو پھر میں تنہا ہی کیوں نہ باہر جاؤں کون میرا ساتھی بنے گا۔"

"مگر کیا آپ نے اپنے پتا جی کو بتا دیا۔"

"کیوں بتاتی۔ پاگل ہوں میں۔ میں کبھی کسی کو اپنے بارے میں نہیں بتاتی تمہیں صرف اس لئے اپنا نام بتا دیا ہے کہ تم ہمارے ہاں اجنبی ہو ویسے تمہارا اپنا نام کیا ہے؟"

"میرا نام روہن ہے۔"

"روہن۔" اس نے اس انداز میں کہا کہ جیسے اسے میری بات پر یقین نہ آیا ہو۔ اس کی گہری سیاہ چمکدار آنکھیں مجھ دیکھ رہی تھیں پھر وہ آہستہ سے بولی۔

"نہیں تمہارا نام روہن نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں؟" میں اچھل پڑا ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں عجیب سے خیالات آئے تھے۔

"نہیں تم روہن نہیں ہو۔"

"پھر کون ہوں میں۔"

"میں کیا جانوں، بیٹھنے کو نہیں کہو گے تم مجھ سے۔"

"بیٹھ جایئے رچنا جی آپ چاندنی رات میں سیر کے لئے جا رہی تھیں چاند تو نکلا نہیں۔"

"ہاں، چاند نہیں نکلا پتہ نہیں آج چاند نکلے گا بھی یا نہیں بادل تو نہیں آسمان پر۔"

"معلوم نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر دروازہ کھول کر دیکھو۔" وہ آہستہ سے مسکرا دی مجھے یہ لڑکی نہایت ہی عجیب لگ رہی تھی۔ بے حد پُراسرار سمجھ میں ہی نہ آتا تھا کہ اس کائنات میں رہنے والی کوئی زندہ مخلوق ہے۔ بس اس کی شکل و صورت اس کا انداز اس کے گفتگو کرنے کا طریقہ آسمانی مخلوق کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ میں اس کے پُرسحر حسن سے بے حد متاثر ہو گیا تھا لیکن میرے ذہن میں کوئی برا خیال نہیں ابھرا تھا۔ یہ اس خاندان کی ایک فرد تھی جس نے مجھے انتہائی پریشان کن حالات میں سہارا دیا تھا اور میرا فرض اتنا ہی تھا کہ میں اس خاندان کو جب تک میں اس میں موجود رہوں کسی پریشانی کا شکار نہ ہونے دوں۔ اس کی لڑکی کی باتیں اتنی الجھی الجھی سی تھیں کہ میں ان کے بارے میں اندازہ لگانے سے قاصر تھا۔ وہ خاموش بیٹھی مجھے دیکھتی رہی دفعتاً اندر ایک شور کی سی آواز ابھری اور پھر سب بری طرح باہر کی جانب دوڑے، کھلے ہوئے دروازے سے وہ سب اندر داخل ہو گئے تھے۔ ان میں سودھیر جی تھے روہن تھا اور اس کی ماتا جی تھیں دادا جی دوڑے ہوئے نہیں آئے تھے میں بوکھلا کر کھڑا ہو گیا وہ سب ڈیوڑھی میں آئے اور مجھے دیکھ کر چونک پڑے۔ "وہ روہن، روہن، ابھی کوئی یہاں سے.......... اوہ.......... دروازہ کھلا ہوا ہے۔"

"کسے تلاش کر رہے ہیں آپ۔ سودھیر جی!" میں نے سوال کیا اور اس وقت سودھیر جی نے روشن موم بتی کو دیکھا۔ پھر اس کی نگاہ رچنا پر پڑی اور وہ گہری سانس لے

کر کھڑے ہو گئے۔ "وہ، یہاں موجود ہے۔" انہوں نے اپنی دھرم پتنی سے کہا۔

"اوہ، ہاں، رچنا بیٹی تم کیوں یہاں چلی آئیں۔"

"کیوں ماتا جی میرے اوپر پابندیاں لگا دی گئی ہیں۔" اس نے سوال کیا۔

"نہیں بیٹی مگر رات کے اس سمے۔"

"میں ذرا چاندنی رات کی سیر کرنے جا رہی تھی۔"

"ہے بھگوان ہے بھگوان کیا باہر چاند نکلا ہوا ہے۔" اس بار رچنا کی ماں نے پوچھا تھا۔ میں حیران رہ گیا یہ سب ایک ہی سوال کیوں کر رہے ہیں۔ میں نے دل میں سوچا لیکن پھر ان لوگوں کی پریشانی دیکھ کر خود میں بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"نہیں ماں جی، باہر چاند نہیں نکلا۔"

"بھگوان کا کرم ہے۔ کرم ہے بھگوان کا۔" عورت گہری گہری سانسیں لینے لگی سودھیر لڑکی کا ہاتھ پکڑے کہہ رہا تھا۔

"چلو رچنا بیٹی، اندر چلو آرام کرو آج چاند نہیں نکلا۔"

"کیوں نہیں نکلا پتا جی۔"

"نہیں بیٹی چاندنی رات نہیں نا اور پھر بادل ہو رہے ہیں۔"

"پتہ نہیں یہ بادل آسمان پر کیوں آجاتے ہیں۔" اس نے مایوسی سے کہا اور واپس مڑ گئی اتنی دیر میں شیکھر جی دھوتی سنبھالتے ہوئے باہر آ گئے تھے۔

"کیا ہوا، کیا ہوا۔" انہوں نے پوچھا اور پھر یہاں سب کو دیکھ کر سکون کی سانس لی اتنی دیر میں سودھیر جی لڑکی کو لے کر باہر نکل گئے تھے روہن اور شیکھر جی اندر رہ گئے۔ پھر سودھیر جی کی بیوی بھی اندر چلی گئی تھیں میں متحیرانہ انداز سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا تب شیکھر جی نے کہا۔ "روہن، بیٹا جاؤ اندر جاؤ آرام کرو تم نے دروازہ کیوں نہیں بند کیا۔"

"مجھے کیا معلوم دادا جی بس نیند آ رہی تھی سو گیا ہوں گا۔"

"جاؤ، دروازہ اندر سے بند کر لینا میں روہن کے پاس ہی ہوں۔" شیکھر جی نے کہا اور پھر میرے پاس چارپائی پر بیٹھ گئے۔ میں بڑے احترام سے ان کے قدموں میں بیٹھنے لگا لیکن انہوں نے میرے بازو پکڑے اور مجھے اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا۔

"بیٹا روہن تم نے خود مجھے اپنا داس کہا ہے میں نے نہیں سمجھا تم میرے لئے میرے بیٹے بلکہ روہن کے سمان ہو ایسی باتیں مت کرو جن سے مجھے دکھ ہو۔"

"کوئی بات نہیں شیکھر جی میں تو۔ میں تو بس آپ کا احسان مند ہوں۔"

"اب یہ باتیں کرنا نہیں چھوڑو گے بیٹا ہم لوگ بہت پریشان ہیں۔ ہمارا ساتھ دو

ہمارے اپنے بنو اور ہماری مدد کرو ہماری اس تکلیف میں تم اچانک ہی آکر شریک ہو گئے ہو اس لئے ہم تم سے کوئی بات نہیں چھپا سکتے اس تکلیف میں ہماری مدد کرو بیٹا۔"

"کیا بات ہے شیکھر جی۔ آپ مجھے حکم دیجئے۔ آپ مجھے بتایئے کہ میں کیا کروں۔"

"بیٹا! ہم بڑی پریشانی کا شکار ہیں میری پوتی کو تم نے دیکھا اس کا نام رچنا ہے کیسی لگی تمہیں۔"

"بہت اچھی ہے مجھے اپنی بہن کی طرح محسوس ہوئی ہیں۔" میں نے جواب دیا تاکہ شیکھر جی کے دل میں کوئی شک نہ پیدا ہو۔ ویسے بھی میں سیدھی سچی طبیعت کا آدمی تھا اور آج تک میری ذات میں کوئی برائی نہیں پیدا ہو سکی تھی۔ شیکھر جی گردن ہلانے لگے اور پھر بولے۔

"میں نے درست کہا تھا ناں کہ کوئی اونچا خون ہے تمہارے شریر میں بیٹے اگر تم نے اسے بہن کہا ہے تو پھر بہن کی کہانی سن لو وہ بہت اچھی لڑکی ہے پڑھی لکھی ہر طرح سے سگھڑ اور سلیقہ شعار شکل و صورت تم اس کی دیکھ چکے ہو لیکن اس کی یہ شکل و صورت ہی اس کے لئے مصیبت بن گئی۔"

"کیا ہوا شیکھر جی۔"

"وہ پریت کے سائے میں ہے۔"

"کیا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں وہ بھوتوں اور پریتوں کے سائے میں ہے۔"

"رچنا جی؟"

"ہاں بیٹا رچنا۔"

"مگر، مگر وہ تو بڑی اچھی باتیں کر رہی تھیں ان کی باتوں میں کھویا کھویا پن ضرور تھا مگر وہ باتیں بڑی اچھی کرتی ہیں۔"

"پڑھی لکھی ہے وہ باتیں اس کے من کی گہرائیوں میں ہیں۔ اتنی سندر اتنی سلیقے کی کہ تم سوچ نہیں سکتے یہ اب سے ڈیڑھ سال پہلے کی بات ہے کہ اچانک اس پر پریت کا سایہ ہو گیا۔" میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ بھوت پریت کے بارے میں' میں نے بہت کچھ سنا تھا لیکن کبھی ان کے شکار نہیں دیکھے تھے۔ رچنا بھوتوں کا شکار ہے تو عجیب بات تھی یہ خوبصورت لڑکی کس طرح اس مصیبت کا شکار ہو گئی تاہم میں نے اپنی معلومات کے لئے پوچھا۔

"دادا جی! رچنا بھوتوں کا شکار کیسے ہو گئی۔"

"بیٹا ڈیڑھ سال پہلے کی بات ہے کہ ہم لوگ ایک یاترا کو گئے تھے۔ رچنا بڑی اچھی اور سگھڑ لڑکی تھی اس کی سہیلیاں بھی اس کے ساتھ تھیں بس کہیں نکل گئی جب وہاں سے واپس آئی تو کھوئی کھوئی سی تھی اور بڑی عجیب باتیں کر رہی تھی لیکن رات کو تقریباً ایک بجا تھا جب اس کے کمرے سے چیخوں کی آوازیں بلند ہوئیں ہم نے کمرے میں داخل ہو کر دیکھا تو ایک عجیب و غریب منظر تھا۔ اس کی چارپائی کے چاروں طرف شعلے بھڑک رہے تھے کوئی بھی ان شعلوں سے اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ رچنا چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے لمبے لمبے بال چھتری کی طرح چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ ایسا عجیب و غریب منظر پہلے کبھی کسی نے نہیں دیکھا ہوگا۔ رچنا کے بالوں کی چھتری شعلوں کے اوپر تھی لیکن یہ بال جل نہیں رہے تھے۔ جب کہ شعلے ان بالوں سے گزر کر اوپر اٹھ رہے تھے۔ ہم نے رچنا کا چہرہ دیکھا تو ہمارے پران ہی نکل گئے۔ اس کی زبان ڈیڑھ فٹ لمبی باہر نکلی ہوئی تھی۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں چہرہ انگاروں کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ وہ ہماری رچنا ہی نہ تھی۔

بڑی مشکل سے ہم نے اپنے آپ پر قابو پایا۔ بات اگر اپنی بیٹی کی نہ ہوتی تو ہم چیخ پکار کر بھاگ چکے ہوتے لیکن بیٹی خطرے میں تھی رچنا کی ماں تو وہیں بے ہوش ہو گئی۔ سودھیر نے ہمت کر کے آگے قدم بڑھائے لیکن جونہی وہ آگ کے شعلوں کے پاس پہنچا اسے اتنی گرمی لگی کہ وہ چیخ کر پیچھے ہٹ گیا کوئی ان شعلوں سے گزر کر نہیں جا سکتا تھا تھوڑی دیر رچنا اس حالت میں رہی اس کے بعد آہستہ آہستہ آگ کے شعلے بجھتے چلے گئے۔ جوں جوں شعلے بجھتے چلے جا رہے تھے اس کے بال بھی نیچے گرتے جا رہے تھے پھر وہ لیٹ کر سو گئی۔ صبح کو جب وہ اٹھی تو اسے رات کے واقعات یاد نہیں تھے لیکن ہم لوگ اس عبرت ناک منظر کو نگاہوں کا دھوکا بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ بھلا اس کے بال چھتری کی طرح کیسے کھڑے ہو گئے تھے شعلے کہاں سے آئے تھے اور اس کی زبان باہر کیسے نکل آئی تھی۔ اس کا چہرہ اتنا خوفناک کیوں ہو گیا تھا۔ تم نے دیکھا کہ اتنے حسین چہرے کی لڑکی کیسی خوفناک لگ رہی ہو گی۔ اس وقت بڑے پریشان تھے ہم لوگ وہ دن ایسے ہی گزر گیا سب کے سب بھوکے ہی رہے تھے دن بھر اس کے لئے پریشان رہے رچنا کو تو جیسے صورتِ حال کا کوئی اندازہ ہی نہ تھا لیکن پھر رات کو ایک بجے وہی کھیل شروع ہو گیا۔ رچنا اس وقت اپنی ماتا جی کے پاس سو رہی تھی آج خاص طور سے اس کی ماں نے اسے اپنے پاس سلایا تھا کہ دفعتاً میری بہو کو کسی نے اٹھا کر پلنگ سے دور پھینک دیا۔ میری بہو اتنی زور سے گری تھی کہ اس کی کہنیاں چھل گئیں۔ گھٹنوں پر بھی چوٹ آئی تھی وہ دہشت سے چیخ

پڑی۔ اتنی زور سے اچھال کر پھینکنے والا پتہ نہیں کون تھا لیکن جب اس نے اپنے پلنگ کی طرف دیکھا تو وہی پچھلی رات کا منظر تھا پلنگ کے چاروں طرف شعلے بھڑک رہے تھے اور رچنا کے بال چھتری کی طرح کھڑے ہو گئے تھے۔ اس کی لمبی زبان باہر نکلی ہوئی تھی میری بہو کی دلدوز چیخیں ہم سب کو سنائی دیں اور ہم سب اس کے پاس پہنچ گئے۔ اس بیچاری کو تو بڑی مشکل سے باہر نکالا گیا' لیکن رچنا کو اس حال میں دیکھ کر ہمارے دل ڈوب گئے تھے۔ ہم نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا اور طے یہ کیا کہ پنڈت کو بلا کر اس سلسلے میں کوئی کارروائی کی جائے۔ میرے ایک جاننے والے کی دوستی پنڈت رگولعل سے تھی۔ جب ہم نے انہیں یہ صورتِ حال بتائی تو انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ آج کی رات میں تمہارے گھر گزاروں گا۔ ہمیں رات کے ایک بجنے کا انتظار تھا آج رچنا اپنے کمرے میں تنہا سوئی تھی۔ چنانچہ جب رات کے ایک بجے رچنا کے کمرے سے چیخوں کی آوازیں سنائی دیں تو ہم اس سے زیادہ دور نہیں تھے۔ پنڈت رگولعل نے وہ منظر دیکھا اور پھر دروازہ کھول کر اندر چلے گئے۔ ہم میں سے کسی کو ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ اندر جائیں لیکن پھر ہمت کر کے میں اور سودھیر پنڈت رگولعل کے ساتھ اندر پہنچ گئے۔ پنڈت رگولعل جی کچھ اشلوک پڑھ رہے تھے۔ اشلوک پڑھتے پڑھتے انہوں نے رچنا کی طرف پھونک ماری تو رچنا کی گز بڑی زبان اندر چلی گئی اب وہ خوف ناک نگاہوں سے رگولعل کو دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔ ”رگولعل جی کیا چاہتے ہو۔“

”کون ہو بھائی تم' کیوں اس بچی کو پریشان کرتے ہو۔“

”میں جو کچھ بھی ہوں رگولعل جی' اس کی جان نہیں لوں گا۔“

”لیکن بھئی' تم کیوں اس بچی کو تنگ کر رہے ہو۔“

”یہ مت پوچھو رگولعل جی۔“

”کیوں۔“

”میں بتانا پسند نہیں کرتا۔“

”بہت خوب' بھائی لیکن تم چاہتے کیا ہو۔“

”بس من آ گیا ہے اس پر' اس لئے اس کے ساتھ ہی رہوں گا اور تم سے کہہ دیتا ہوں کہ اب اسے پریشان کرنے کی کوشش مت کرنا۔ اب یہ میری ہے۔ سارے سنسار میں میرے سوا اب اسے کوئی حاصل نہیں کر سکتا۔ میں روزانہ رات کو ایک بجے اس کے پاس آتا ہوں اور صبح تک رہنا چاہتا ہوں۔ تم لوگ اگر مجھے پریشان نہ کرو تو میں اسے نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔“

رگولعل جی نے اس کے بارے میں بہت کچھ پوچھا گچھا لیکن اس نے یہی کہا کہ اس چکر میں نہ پڑیں۔ رگولعل جی ورنہ بر حال ہو گا تمہارا۔ اس کے بعد سے بیٹا ہم نے رچنا کے علاج کے لئے کون سی جگہ چھوڑی۔ بنارس گئے ہردوار گئے۔ پتہ نہیں کہاں کہاں گئے اسے لے کر لیکن اس بلا نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ تھوڑے دن پہلے کی بات ہے کسی پنڈت نے ہمیں بتایا کہ ہم رچنا کو کالی بیری کے علاقے میں لے جائیں۔ کالی بیری کا علاقہ بڑا مشہور ہے۔ جب ہم لوگ یہاں رہتے تھے تب بھی ہم نے اس کے بارے میں سنا تھا لیکن ہماری سمجھ میں اس کا نام نہیں آیا تھا۔ کالی بیری کے پُراسرار علاقے کے بارے میں بڑی بڑی کہانیاں مشہور ہیں۔ میں کبھی وہاں گیا تو نہیں لیکن یہاں رہ کر میں نے اس کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔ اس کا فاصلہ یہاں سے کافی ہے' لیکن کچا راستہ ہے اور عام لوگ وہاں نہیں جاتے کالی بیری ایک مندر ہے میں نے سنا ہے بھوت پریت اتر جاتے ہیں ہمیں تو یہی معلوم نہیں ہو سکا کہ رچنا کے ساتھ جو مصیبت ہے وہ کیا ہے چنانچہ ہم اسے کالی بیری لے جانے کے لئے ہی یہاں آئے ہیں۔ یہ لوگ پہلے آ چکے تھے۔ میں اب پہنچا ہوں۔ ارادہ یہی ہے کہ دو چار دن قیام کے بعد رچنا کو کالی بیری لے جائیں۔“

میں خاموشی سے یہ داستان سن رہا تھا۔ بڑی انوکھی داستان تھی لیکن میں اس سے منحرف نہیں تھا کیونکہ میں نے اپنا پورا خاندان انہی معاملات میں کھویا تھا میرے باپ کے دشمن نے ان پر جادو ہی تو کرایا تھا۔ دیوالی پر چلنے والے مٹھ ہمارے لئے قاتل بن گئے اور ہم انہی کا شکار ہوئے تھے۔ پھر گزرے ہوئے واقعات میرے ذہن میں تازہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ میں شیکھر کی باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ پھر میرے دل میں اشتیاق پیدا ہو گیا' کالی بیری کے بارے میں' میں بھی جاننا چاہتا تھا۔ ”شیکھر جی' کالی بیری کے بارے میں کچھ اور بتایئے مجھے۔“

”بس بیٹا' میں نے کہا نا کہ میں خود بھی کبھی نہیں گیا وہاں' لیکن سنا ہے اس کے اطراف میں بڑی خوفناک چیزیں موجود ہیں۔ وہاں عام طور سے بھوتوں کے مارے ہوئے لوگ جاتے ہیں اور سنا ہے کہ تندرست ہو جاتے ہیں۔“

”تو پھر کب جا رہے ہیں آپ کالی بیری۔“

”بس بیٹا دو چار دن کے اندر اندر ہی سفر کریں گے۔“

”شیکھر جی! میں بھی آپ کے ساتھ ہی چلوں گا۔“ میں نے کہا۔

”ہاں ہاں ضرور بیٹا' بھلا تو کہاں رہ جائے گا تو بھی ساتھ ہی چلے گا۔ میں نے گاڑی منگوائی ہے۔ گاڑی ہماری ریل کے ذریعے پہنچنے والی ہے۔ جونہی گاڑی آ گئی ہم لوگ یہاں

سے چلے چلیں گے۔"

"مجھے بہت افسوس ہے رچنا کو میں بھی بہن کہہ چکا ہوں اور اپنی بہن کے لئے میں جو کچھ بھی کر سکا کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"بیٹا اب اگر تم ہم میں شامل ہی ہو گئے ہو تو میں تم سے ایک درخواست کرتا ہوں۔ اس کا پورا پورا خیال رکھنا۔"

"جی ہاں شیکھر جی آپ کہیں میں آپ کی ہر بات مانوں گا۔"

"رچنا بہت اچھی بچی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہر لمحہ اور ہر جگہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے تو تم اسے اپنی نگاہوں میں رکھنا بہت ہی پیاری بچی ہے۔ بھگوان کرے ٹھیک ہو جائے جب ٹھیک ہو جائے تب دیکھنا کیسی اچھی باتیں کرتی ہے۔" شیکھر جی کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے تھے۔ میں انہیں دلاسے دینے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے کہا۔ "ہاں سن بیٹا! یہ دروازہ تو اندر سے بند کر لیا کر' یہ راتوں کو نکل جاتی ہے رات کے کسی بھی لمحے تجھے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دے تو دروازہ نہ کھولنا۔ جب تک کہ تو ہم میں سے کسی کی آواز نہ سن لے۔"

"جی بہت بہتر' آپ اطمینان رکھیں۔" میں نے جواب دیا۔ شیکھر جی دیر تک میرے پاس بیٹھے رہے اور پھر چلے گئے۔ کہانی در کہانی پیدا ہو رہی تھی۔ یہ انوکھے واقعات میری لئے بڑے تعجب خیز تھے۔ شیکھر جی کے جانے کے بعد' بہت دیر تک میں اس بارے میں سوچتا رہا۔ کرن کمہار سے مجھے یہی نقصان پہنچا تھا۔ کالا جادو۔ سفلی علم اور دوسری باتوں کے بارے میں مجھے کوئی تفصیل معلوم نہیں تھی۔ میں نے کبھی اس بارے میں زیادہ جاننے کی کوشش نہیں کی تھی حالانکہ یہ تمام باتیں میرے ذہن میں چبھتی تھیں مجھے اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ سفلی علم کے ذریعے کرن کمہار نے میرے پورے خاندان کو تباہ و برباد کر ڈالا ہے۔ یہ سفلی علم کیا ہے کبھی یہ سوچنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ مولوی صاحب نے ایک آدھ بار اس بارے میں تھوڑی بہت باتیں بتائی تھی لیکن میں نے اس وقت ان باتوں پر توجہ نہیں دی تھی۔ کرن کمہار بذات خود سفلی علم کا ماہر نہیں تھا۔ اس نے اس کے لئے یقیناً کسی کی خدمات حاصل کی ہوں گی وہ لوگ کون تھے جو کرن کمہار کو امداد پہنچانے کا باعث بنے تھے اور جنہوں نے معمولی سی بات پر میرے خاندان کے ایک ایک فرد کو ہلاک کر ڈالا۔ یہاں آکر کالی بیری کے بارے میں جو واقعات میں نے سنے وہ میرے لئے بڑے ہی تعجب خیز تھے ابھی مجھے اس کے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم ہوئی تھیں لیکن نہ جانے کیوں میرے دل میں اشتیاق پیدا ہو گیا تھا پھر رچنا میرے ذہن میں گھس آئی۔ کیسی

حسین پاکیزہ سی صورت کی لڑکی تھی۔ دیکھنے میں یقین ہی نہ آتا تھا کہ یہ اس زمین کی کوئی مخلوق ہے۔ ایسا حسن اس سے قبل میری نگاہوں میں کبھی نہیں آیا تھا لیکن دل کی سچائی اور سادگی نے مجھے یہ بات ماننے سے عار نہ ہونے دی تھی کہ جب رچنا شیکھر جی کی پوتی ہے سودھیر جی کی بیٹی ہے روہن کی بہن ہے تو پھر میری بہن ہونے میں اسے کیا دقت ہو سکتی ہے۔ بہرطور اس وقت میں ان کے ساتھ تھا اور یہ میرا سہارا بن چکے تھے ہر چند کہ اب میرے دل میں یہ امنگ نہیں رہی تھی کہ میں کسی خاندان میں ضم ہو کر اپنی زندگی گزاروں بلکہ میں اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کا خواہش مند تھا لیکن زندگی کا کوئی ایسا راستہ میرے سامنے نہیں آسکا تھا جسے اپنانے میں دقت محسوس نہ کرتا۔ کیونکہ دنیا کے بارے میں ابھی میرا تجربہ بالکل محدود تھا۔ صبح ہو گئی رات کو کسی وقت سو گیا تھا لیکن صبح کو جلدی آنکھ کھل گئی۔ اندر گھر میں چہل پہل کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں کسی نے ابھی تک دروازہ نہیں کھٹکھٹایا تھا۔ اس کا مقصد تھا کہ کسی کو باہر جانے کی ضرورت نہیں پیش آئی لیکن پھر میں نے خود ہی دروازہ اٹھ کر کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی روہن اندر آگیا تھا اس کا چہرہ پُرسکون تھا۔ رات کے واقعات کا اس کے ذہن پر کوئی اثر نہیں تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ ان واقعات کے عادی ہو گئے تھے۔ وہ مسکراتا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"اشنان تو نہیں کیا ہو گا تُونے روہن۔"

"نہیں کیا؟"

"تو پھر آؤ۔ اندرونی حصے میں کنواں موجود ہے جاؤ وہاں اشنان کر لو۔" نہانے کا ہندوانہ طریقہ مجھے بھی معلوم تھا یا تو یہ لوگ گھاٹ پر جاتے تھے یا پھر کنوئیں کے کنارے بیٹھ کر نہا لیتے تھے۔

میں نے کوئی تعرض نہیں کیا اور روہن کے ساتھ کنوئیں پر پہنچ گیا۔ یہاں ڈول اور رسی موجود تھی۔ پیتل کا مگا بھی لٹکا ہوا تھا۔ چنانچہ میں بیٹھ کر نہانے لگا اور تھوڑی دیر میں فارغ ہو گیا۔ نہانے کے بعد میں نے لباس تبدیل کیا اور پھر اپنے ڈیوڑھی میں آگیا۔ گھر کے آنگن سے گزرتے ہوئے مجھے کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی لیکن ڈیوڑھی میں شیکھر بھی موجود تھے۔ "کہو بیٹا اشنان کر لیا۔"

"ہاں دادا جی۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر ناشتہ کر لو ابھی آ رہا ہے۔ سب لوگ تمہارے ساتھ ہی ناشتہ کریں گے۔" شیکھر جی نے کہا۔ یہ لوگ مجھے بڑی اہمیت دے رہے تھے میں ان کا بھی ممنون تھا لیکن یہ

فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ مجھے ان کے ساتھ کتنا وقت گزارنا چاہئے۔ بہرطور میں اسی وقت سہاروں کو نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ ناشتے کے لئے سب ہی لوگ آئے تھے۔ رچنا بھی ان میں شامل تھی مجھے دیکھ کر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ میں نے اس سے اس کی خیریت پوچھی تو وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ ”میں بالکل ٹھیک ہوں روہن جی! کل آپ ہمارے گھر آئے تھے مجھے افسوس ہے میں آپ سے نہیں مل سکی دراصل میری طبیعت کچھ خراب رہتی ہے۔“

”ہاں رچنا بہن مجھے پتہ چل گیا تھا۔ کوئی بات نہیں ہے اب تو ہماری ملاقات ہو گئی۔“ رچنا خاموش ہو گئی اس وقت وہ بالکل صاف ستھری طبیعت کی مالک اور صحیح نظر آ رہی تھی۔ دیر تک ہم لوگ باتیں کرتے رہے اس کے بعد شیکھر جی نے کہا۔ ”روہن اگر تم یہاں کے اطراف کی سیر کرنا چاہو تو چلے جاؤ' کہیں راستہ کھو بیٹھو تو میرا نام لے دینا کوئی بھی تمہیں یہاں پہنچا دے گا۔“

”میں جو چلا جاتا ہوں روہن بھیا کے ساتھ دادا جی! اس میں کیا ہرج ہے۔“ روہن نے کہا۔ ”تم جانا چاہو تو چلے جاؤ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ شیکھر نے کہا۔ سودھیر جی نے بھی روہن کو جانے کی اجازت دے دی تھی اور کہا تھا کہ مجھے اچھی طرح یہاں کی سیر کرا دی جائے چنانچہ ہم تیار ہونے کے بعد دونا ماچھی کی سڑکوں' گلیوں اور بازاروں کو دیکھنے کے لئے نکل گئے۔ روہن بڑا کھلنڈرا سا نوجوان تھا میرے برعکس اسے نظربازی کا شوق تھا راستے میں اس نے مجھے ٹٹولنے کی کوشش کی۔ ”اور سناؤ روہن مہاراج کوئی گوپی ملی یا نہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”گوپی کا مطلب گوپی ہی ہوتا ہے۔“

”اوہ میں سمجھا تمہاری مراد کسی لڑکی سے ہے۔“ میں نے کہا۔

”گوپیاں لڑکی ہی ہوتی ہیں روہن جی۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں بھائی۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”نام تو روہن ہے نام کے ساتھ ساتھ آپ کے خیالات بھی روشن ہونے چاہئے تھے۔“

”بدقسمتی سے ابھی پورا نہیں ہوا ہوں ادھورا ہوں۔“ میں نے کہا اور روہن قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ پھر میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم سناؤ تمہارے کیا حال ہیں۔“

”اپنی تو گزر ہی نہیں ہوتی جب تک کہ کسی سے آنکھ نہ لڑ جائے۔“ روہن نے کہا۔

”اس کا مقصد ہے کہ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے۔“

”اکثر کیا ہر تیسرے' چوتھے دن۔ پھر بھائی یہ اپنے دادا جی ہیں ناں۔ بڑی گہری نگاہ رکھتے ہیں مجھ پر۔“ روہن نے کہا۔

”یہ تو اچھی بات ہے بلاوجہ تم بھٹکنے سے بچ جاؤ گے۔“ میں نے کہا۔

”مگر تم بتاؤ جو کچھ کہہ رہے ہو سچ کہہ رہے ہو۔“ روہن نے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ روہن مہاراج کو ابھی تک کوئی لڑکی نہیں ملی؟“

”ہاں یہ ہماری بدقسمتی ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ نہایت فضول کام ہے۔“ میں نے کہا اور روہن ہنسنے لگا۔ ہم لوگ کافی دیر تک گھومتے رہے پھر ایک دھرم شالہ میں جا بیٹھے۔ یہاں بہت سے یاتری کالی بیری جانے کو تیاریاں کر رہے تھے۔ روہن کو ایک لڑکی نظر آئی جو سفید دھوتی میں ملبوس تھی۔ چہرہ عجیب سا تھا۔ دھواں دھواں سا آنکھیں بے حد خوبصورت تھیں لیکن ان میں ایک عجیب سی کیفیت نظر آ رہی تھی۔ روہن اپنی فطرت سے مجبور ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے مجھے کہنی ماری۔ ”دیکھ رہے ہو روہن مہاراج۔“ اس نے کہا۔

”کیا ہے؟“

”ادھر دیکھو ادھر۔ وہ کیا ہے؟ تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا۔“

”روہن کیا یہ ٹھیک ہے۔“

”بالکل ٹھیک ہے' میں جاؤں۔“

”ارے کہاں۔“ میں نے پوچھا۔

”بس تھوڑی دیر کے لئے ذرا بات چیت کروں گا۔ پھر واپس آ جاؤں گا۔“

”تمہاری مرضی میں تمہیں کیسے روک سکتا ہوں۔“ میں نے کہا اور روہن اس طرف چل پڑا۔ میں تھوڑی دیر تک اسے جاتا دیکھتا رہا' پھر میں ہندو یاتریوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایک بوڑھا آدمی جس کی لمبی سی داڑھی تھی جوگیا لباس پہنے ہوئے خلا میں گھور رہا تھا میں اس کے قریب سے گزرا تو اس نے مجھے آواز دی۔ ”سن بالک۔“ اور میں چونک پڑا۔

”آپ نے مجھے پکارا مہاراج؟“ میں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں ادھر آ۔" مہاراج نے کہا اور میں ان کے قریب پہنچ گیا۔ وہ گہری نگاہوں سے مجھ دیکھ رہے تھے کافی دیر تک وہ مجھے دیکھتے رہے پھر انہوں نے کہا۔ "یہاں کہاں آیا ہے بالک۔"

"میں یہیں رہتا ہوں۔"

"نہیں نہیں یہاں کہاں رہتا ہے رے۔ سچی بات بتا۔ سادھوؤں سے بھی جھوٹ بولتا ہے۔" میرے کانوں میں ان کے یہ الفاظ پڑے تو بری طرح چونک پڑا۔

"میں مطلب نہیں سمجھا آپ کا مہاراج۔"

"مطلب یہ کہ تُو دونا ماچھی کا رہنے والا نہیں ہے۔"

"اوہ آپ یہاں کے سب لوگوں کو جانتے ہیں۔"

"تجھے ضرور جانتا ہوں۔"

"اگر جانتے ہیں تو مجھ سے میرے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"اگر تُو خود ہی کچھ بتا دے تو ٹھیک ہے ورنہ تیری مرضی' میں تجھے مجبور تھوڑی کروں گا۔" سادھو مہاراج نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر مجھے آگیا ہے۔"

"تیری مرضی جانا چاہتا ہے تو جا۔ میں نے تو ایسے ہی تجھے آواز دے لی تھی۔ مجھے تُو وہ نظر نہیں آیا تھا جو تُو ہے۔" سادھو مہاراج نے کہا اور رخ بدل لیا لیکن ان کے یہ الفاظ میرے ذہن میں چبھ گئے تھے۔ ایک لمحے کے لئے میں سوچتا رہا' میں نے سوچا کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ ممکن ہے کوئی اور گڑبڑ ہی نہ ہو جائے۔ اب یہ بات تو نہیں کہی جا سکتی تھی کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ "پانی۔" سادھو مہاراج نے میری طرف دیکھ کر کہا اور میں بری طرح اچھل پڑا۔ میرے ذہن میں جو الفاظ تھے ان کی زبان سے کیسے ادا ہوئے تھے۔ ایک لمحہ میں میرے ذہن میں متعدد خیالات آکر گزر گئے۔ کہیں یہ کوئی کام کی چیز ہی نہ ہو۔ روہن اپنے چکر میں گیا ہوا تھا اور میں اس وقت تنہا ہی تھا۔ سادھو مہاراج نے خود ہی مجھے مخاطب کیا تھا اس لئے میں نے اس بات میں کوئی حرج نہیں سمجھا کہ اس کا مغز چاٹوں۔ چنانچہ میں ان کے قریب پہنچ گیا پھر میں نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ آپ کچھ جانتے ہیں۔"

"نہیں بیٹا! ایسی بات نہیں ہے۔"

"پھر یہ پانی۔"

"نہیں نہیں' فضول باتیں مت سوچ رے' بس ویسے ہی تجھ سے ٹھٹھول کرنے کو

جی چاہا تو ہم نے تجھے آواز دے لی۔ برا مت ماننا ہماری بات کا یوں بھی ہمارے دھرم سے تیرا کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے تُو اس کی گہرائیوں میں نہیں سوچ سکے گا۔" سادھو مہاراج کی اس بات نے میرے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیئے تھے اس کا مقصد ہے کہ یہ شخص واقعی کچھ جانتا ہے میرے ذہن میں تجسس جاگ اٹھا تھا۔ میں خاموشی سے اس کی شکل دیکھتا رہا اور بوڑھے سادھو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دھرم کی کیا بات کہی آپ نے مہاراج۔" میں نے سوال کیا اور بوڑھا پھر مسکرا پڑا۔

"چبھ گئی نہ تیرے من کو یہ بات۔"

"ہاں۔" میں نے اعتراف کیا۔

"کیوں چبھ گئی' بتائے گا مجھے۔"

نہیں' نہیں میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے میرے بارے میں کیا کہا۔"

"بالک بھگوان نے منش کو سنسار میں بڑی شکتی دے رکھی ہے۔ ایسی ایسی چیزیں یہاں بکھری پڑی ہیں جن سے سنسار کی یہاں باتیں معلوم ہو جاتی ہیں بس منش کی محنت ہے کہ اس میں سے کچھ حاصل کرے۔ دھرم ریکھا ماتھے کی لکیروں میں چھپی ہوئی تھی اور تیری دھرم ریکھا میں مجھے ہندو یوگ نظر نہیں آرہا اس بنا پر مین نے یہ بات کہہ دی تھی۔"

"سچ کہہ رہے ہیں مہاراج۔"

"ہاں بھئی' میں جھوٹ کیوں بولوں گا' جتنا جانتا ہوں اتنا ہی بتا سکوں گا تجھے۔"

"کمال ہے' لیکن آپ نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔"

"کیا واقعی؟"

"ہاں مہاراج۔"

"پرنت تیرے من میں کھوٹ ہے بالک۔"

"کیسا کھوٹ مہاراج۔"

"تُو کیا سوچ رہا ہے۔"

"میں تو کچھ بھی نہیں سوچ رہا۔" میں نے اپنی سوچ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو ایک بات بتا۔"

"پوچھیں مہاراج۔"

"تیرا دھرم کیا ہے۔"

"میں ہندو ہوں روہن ہے میرا نام۔"

"اچھا ہوگا' دیکھنے میں بھول ہم سے بھی ہو سکتی ہے کہاں جا رہا ہے۔"

"کہیں نہیں' آپ نے یہ کیسے کہا میں یہاں کا باشندہ نہیں ہوں۔"

"بس یہ بھی ہمیں اپنے گیان سے ہی معلوم ہوا۔ ہم نے کہا نا کوئی بڑی بات نہیں معلوم ہوئی۔ بس یہی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں تیرے انداز میں ایک ایسا اڑا اڑا پن پایا جاتا ہے جیسے تو یہاں کی ہر چیز کو دلچسپی کی نگاہ سے دیکھ رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ اجنبی ہی کسی اجنبی جگہ کو اتنی دلچسپی سے دیکھتا ہے بالک ہم نے اس سے یہ اندازہ لگایا۔" میں نے محسوس کیا کہ بوڑھا سادھو خاصا گھاگ ہے یا پھر اسے واقعی اپنے علوم پر دسترس حاصل ہے اور ان کے ذریعے وہ بہت سی باتیں معلوم کر لیتا ہے چنانچہ مجھے اس بوڑھے سادھو سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "آپ کا نام کیا ہے مہاراج۔"

"ہمیں گووند کہتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر مہاراج' آپ نے چونکہ مجھے خود ہی مخاطب کیا ہے اس لئے اب میں آسانی سے آپ کا پیچھا چھوڑنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"ارے نہیں نہیں' بیٹھ جا بیٹا۔ اس پتھر پر بیٹھ جا۔ آ باتیں کریں۔ ہم بھی یہی سوچ رہے تھے کہ کوئی من موجی ملے تو اس سے باتیں کریں۔"

"آپ کا یہ خیال البتہ بالکل درست ہے کہ میں دونا ماچھی میں اجنبی ہوں۔"

"ہاں کب آیا یہاں۔"

"دو تین دن ہوئے ہیں۔"

"کیسے آیا' کوئی خاص بات تھی؟"

"کچھ نہیں بس میرے مالک ہیں شیکھر جی ان کے ساتھ یہاں آیا تھا۔"

"اچھا اچھا' کیا وہ یہیں رہتے ہیں یا صرف رہنے کے لئے آئے تھے۔"

"نہیں پہلے کبھی وہ یہاں رہتے تھے اب تو بیچارے مصیبت میں گرفتار ہیں اسی لئے یہاں آئے ہیں۔"

"مصیبت کیسی مصیبت؟"

"ان کی پوتی رچنا کسی پریت کے سائے کا شکار ہو گئی ہے۔"

"اچھا اچھا تو کالی بیری لے کر آئے ہوں گے وہ اسے لے گئے کالی بیری یا نہیں۔"

"ابھی نہیں' لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"بڑی عجیب جگہ ہے آج سے چھ سال پہلے وہاں آیا تھا لیکن مجھے یہ علاقہ اتنا خطرناک اور پُراسرار معلوم ہوا کہ بتا نہیں سکتا۔ یہاں ایسی ایسی روائتیں مشہور ہیں جو انسان کی سمجھ میں ہی نہیں آتیں۔"

"مجھے اس کے بارے میں کچھ تفصیلات بتائیں گے گووند بابا۔"

"کیا بتاؤں بیٹا یہ پہاڑوں کی ترائیوں میں ہے۔ پتہ نہیں اس جگہ کیسے کیسے مٹھ ہیں کیسے کیسے مندر ہیں۔ یہاں لوگوں کو اپنی اپنی مرادیں حاصل ہوتی ہیں کالی کا مندر بھی یہاں اور کال کا مٹھ بھی۔"

"یہ کال کا مٹھ کیا ہے۔"

"یہ مٹھ ایک مہان ھو کا ہے۔ بڑا مہان یوگی تھا پتہ نہیں اس نے کہاں کہاں سے گیان حاصل کیا اور اس کے بعد اس نے سوچا کہ اگر وہ اپنے گیان کو سینے میں دبائے کسی دن موت کی آغوش میں سو گیا تو اس سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا چنانچہ اس نے اپنے آپ کو مٹھ میں چنوا لیا اور امر ہو گیا وہ کھڑا ہو گیا اور اس نے اپنے معتقدوں کو حکم دیا کہ اس کے گرد دیوار بنا دی جائے۔ پہلے تو لوگ بڑے گھبرائے لیکن جب اس نے سختی سے کہا کہ اس کا مقصد کچھ اور ہے تو لوگوں نے اس کی بات مان لی اور اسے دیوار میں چن دیا گیا اور وہ جگہ کالی کے مٹھ کے نام سے مشہور ہو گئی اور پھر وہ کالا کا مٹھ کہلایا اور اب اسے کال کا مٹھ کہا جاتا ہے اس علاقے یعنی کالی بیری میں اس کا یہ مٹھ بہت مشہور ہے۔ وہاں بہت سے لوگ جاتے ہیں دور دور تک اس کی شہرت ہے اس کے ہزاروں عقیدت مند پیدا ہو گئے ہیں۔ جو دور دور سے آتے ہیں اور مٹھ کے احاطے میں بھجن گا کر واپس چلے جاتے ہیں۔ اس ٹھ کے گرد ایک بڑا احاطہ بنا دیا گیا ہے اور اس احاطے پر کوئی پابندی نہیں ہے لیکن وہاں جو کوئی من میں کھوٹ لئے جاتا ہے اسے نقصان پہنچ جاتا ہے۔ وہ لوگوں کے لئے بہت کچھ کرتا ہے ان کے دامن مرادوں سے بھر دیتا ہے۔ بے شمار لوگ وہاں جاتے ہیں اپنے من کی مراد مانگتے ہیں وہ ان کے لئے سب کچھ کرتا ہے ویسے بڑا جنونی بھی ہے وہ۔"

"جنونی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں بڑا جنونی ہے وہ کوئی بھی شخص من میں کھوٹ لے کر اس کے پاس جائے تو وہ مداخلت برداشت نہیں کرتا اور اگر کوئی اس کے ساتھ جلد بازی یا ایسا کام کرے جو اسے ناپسند ہو تو پھر اس کی خیر نہیں ہوتی وہ یا تو مرجاتا ہے یا پھر پاگل ہو جاتا ہے۔" گووند بابا نے بتایا۔ گووند کی باتوں نے میرے دل میں کالی بیری اور کالے مٹھ کے بارے میں

اشتیاق پیدا کر دیا تھا اگر میں یہ باتیں کہیں اور سن لیتا اور کالی بیری تک میرا پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا تو شاید میں اپنے تجسس اور اشتیاق کو دبا نہ سکتا اور خواہ کتنا ہی طویل سفر کیوں نہ کرنا پڑتا مجھے میں وہاں ضرور پہنچتا لیکن شکر تھا شیکھر جی خود ہی وہاں رچنا کے علاج کے لئے جا رہے تھے چنانچہ میں بے فکر تھا گووند بابا گہری نگاہوں سے مجھ دیکھ رہے تھے یوں محسوس ہوا جیسے ان کی آنکھیں میرے دماغ کو ٹٹول رہی ہوں میں نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے آنکھیں جھکا لیں۔ "میں کچھ نہ کہوں گا بلکہ آنے والا سمے تجھے خود ہی بہت کچھ سمجھا دے گا۔"

"میں نہیں سمجھا گووند مہاراج۔"

"کچھ نہیں، کب جا رہے ہو تم وہاں۔" انہوں نے سوال کیا۔

"بس دو چار دن میں شیکھر جی وہاں کا رخ کرنے والے ہیں۔"

"ٹھیک ہے جاؤ۔" گووند نے کہا اور خاموشی سے اٹھ کر ایک طرف چل پڑا۔ اس کا اس طرح اٹھ کر چلے جانا بھی میری سمجھ میں نہیں آیا تھا ذرا فطری سی بات تھی اصولاً انہیں رخصتی کے دو چار جملے بولنے چاہئے تھے لیکن انہوں نے یہ ضروری نہیں سمجھا تھا اس وقت روہن واپس آ گیا اس کے چہرے پر کھسیاہٹ کے آثار تھے۔ "کہاں پھر رہے ہو تم بھئی روہن۔"

"میں تو چاروں طرف تمہیں دیکھ رہا تھا۔"

"اوہو اوہو، روہن جی مہاراج، وہ کہاں گئی؟" میں نے کہا۔

"لعنت بھیجو جی اس پر، کوئی لڑکی تھی۔"

"ارے ارے خیریت، دور سے تو وہ آپ کو لڑکی ہی نظر آئی تھی۔"

"بس دور سے ہی نظر آتی تھی قریب جا کر چڑیل معلوم ہوئی۔"

"مگر ہوا کیا۔"

"ابے اس کا دماغ خراب ہے۔ پاگل ہو گئی ہے اس کے ماتا پتا بھی اسے ٹھیک ٹھاک کرانے ہی لائے ہیں۔" روہن نے اس انداز میں کہا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔

"اس کے پاگل پن کا کوئی مظاہرہ ہوا۔"

"یہ دیکھو۔" روہن نے اپنی پشت سامنے کر دی اس کی قمیض پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی میرے منہ سے ایک قہقہہ نکلا تھا۔ "اوہو افسوس میں یہ افسوسناک واقعہ دیکھنے کے لئے اس طرف متوجہ نہیں تھا۔"

"ویسے سندر تو ہے لیکن وہ بھی بھوت کی ماری ہوئی ہے۔" روہن نے کہا۔

"واقعی؟"

"ہاں تقریباً وہی کیس ہے جو رچنا کے ساتھ ہوا ہے۔" روہن نے جواب دیا۔

"تب تو افسوس کی بات ہے۔"

"نہیں افسوس کی بات تو یہ ہے دوست! کہ ایک بھلی صورت نظر آئی مگر وہ بھی خراب نکلی۔" روہن نے منہ بنا کر کہا میں ہنستا رہا پھر میں نے کہا۔

"روہن اپنی عادت کو ترک کرنے کی کوشش کرو یہ اچھی عادت نہیں ہے۔"

"دیکھ یار روہن میں نے تجھے اپنا یار سمجھا ہے۔ دادا جی کی زبان نہ بول بس یہ میرا شوق ہے۔" روہن نے اس انداز میں کہا کہ اس کے بعد میں اس سے کچھ نہ کہہ سکا۔ کافی دیر ہم وہاں گھومتے رہے پھر روہن نے پوچھا۔ "تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"بس ایسے ہی کالی بیری کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا۔"

"ہاں، یار کہانیاں تو کالی بیری کے بارے میں، میں نے بہت سی سنی ہیں خاص طور سے وہاں کے کالا مٹھ کے بارے میں یوں تو کالی بیری کا پورا ہی علاقہ مٹھوں اور مندروں کا علاقہ ہے۔ وہاں بری روحیں بھی رہتی ہیں اور اچھی آتمائیں بھی سنا ہے دونوں میں کشمکش چلتی رہتی ہے اور بڑے بڑے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔"

"میرے دل میں کالی بیری کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا ہے۔"

"یار میں تو اپنی بہن کے لئے پریشان ہوں۔ رچنا ٹھیک ہو جائے ہمیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہئے۔ بڑی اچھی بہن ہے میری۔"

روہن نے کہا میں نے گردن ہلا دی تھی۔ کافی دیر تک ہم وہاں گھومتے رہے تھے اور پھر واپس آ گئے۔ شیکھر جی، باہر ہی ہمارا انتظار کر رہے تھے ہمیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔ "کیوں بیٹا گھوم لیا دونا ماچھی کا علاقہ۔"

"ہاں، بابا! دلچسپ جگہ ہے۔ بہت دلچسپ ہے، معمولی نہیں ہے ویسے یہاں کے بارے میں اتنی کہانیاں سننے کو ملی ہیں کہ میں تو حیران ہوں اس سے پہلے جب ہم یہاں رہتے تھے تو یہ کہانیاں یہاں گردش نہیں کرتی تھیں۔"

"آپ نے کالا مٹھ کے بارے میں ضرور سنا ہو گا دادا جی۔"

"ہاں یہ زیادہ پرانی بات نہیں جب میں یہاں رہتا تھا اس وقت کالا مٹھ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ہمارے یہاں سے جانے کے بعد ہی سارے واقعات پیش آئے اور اب تو کالا مٹھ کی دھوم ہے یہاں پر۔"

"ہاں، میں نے بھی سادھو موہن کے بارے میں ایک سادھو کے ذریعے تفصیلات

سنی تھیں۔" شیکھر جی نے بتایا کافی دیر تک ہم لوگ یہاں بیٹھے کالی بیری کے بارے میں بات چیت کرتے رہے تھے۔ دوسرا اور تیسرا دن گزر گیا کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا تھا لیکن چوتھی رات کچھ ایسے واقعات پیش آئے جو بے حد خوفناک تھے رات کے تقریباً ساڑھے دس یا گیارہ بجے ہوں گے سب لوگ کھانے پینے سے فارغ ہو کر پُرسکون انداز میں آرام کرنے کے لئے گئے تھے کہ دفعتاً ایک خوفناک چیخ نے ماحول میں لرزش پیدا کر دی۔

میں ڈیوڑھی میں اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا ان حالات کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ چیخ کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ آواز اندر ہی سے آئی تھی اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو رچنا کی تھی میں بے اختیار دروازہ کھول کر اندر دوڑا۔ تمام لوگ گھبرائے ہوئے رچنا کے کمرے کی طرف بھاگ رہے تھے میں بھی ان کے ساتھ ہی اندر گھس گیا لیکن اندر پہنچ کر میں نے جو منظر دیکھا وہ میرے ہوش حواس گم کرنے کے لئے کافی تھا۔ اس سے زیادہ خوفناک منظر میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ انسان کی اتنی بھیانک شکل میرے سامنے اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ حسین رچنا کو دیکھ کر آنکھوں میں خواب نظر آتے تھے۔ اس وقت ایسا ہی ایک بھیانک روپ پیش کر رہی تھی اس کے لمبے لمبے حسین بال چھتری کی مانند چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ایک گول دائرے میں پھیلے ہوئے تھے بالکل سخت لکڑی کی مانند۔ ان بالوں میں اس وقت ذرا بھی لچک نظر نہیں آرہی تھی۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ رچنا کا سر چاروں طرف گھوم رہا تھا اس کی گردن جس خوفناک انداز میں گھوم رہی تھی وہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں تھی بس یہی معلوم ہوتا تھا کہ کسی گڑیا کا سر کسی چابی کے ذریعے گھمایا جا رہا ہو۔ ایک لمحے میں' میں نے اس کی شکل دیکھی تو میری آنکھیں خوف سے بند ہو گئیں۔ اس کی زبان تقریباً ڈیڑھ فٹ باہر نکلی ہوئی تھی۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں چہرہ انتہائی بھیانک اور سرخ نظر آرہا تھا اور اس کے دانت اصل سائز سے کافی لمبے ہو گئے تھے۔ جونہی میں اندر داخل ہوا گھومتی ہوئی گردن ایک دم رک گئی اب اس کا رخ میری طرف ہی تھا دوسرے تمام لوگ بھی اس حیرت انگیز منظر کو دیکھ رہے تھے لیکن شاید وہ پہلے بھی ایسے مناظر دیکھ چکے تھے اس لئے ان کی وہ کیفیت نہ تھی جو میری تھی۔ البتہ وہ بھی سب کے سب انتہائی پریشان اور دکھی نظر آرہے تھے رچنا کی آنکھیں جو اصل سائز سے کئی گنا بڑی ہو گئی تھیں اور گہری سرخ تھیں کچھ اور بھیانک ہو گئیں اور پھر اس کے حلق سے غرائی ہوئی آواز نکلی۔ "تو یہاں کیوں آمرا۔ بول تو یہاں کیوں آیا ہے مُسلے۔" اس نے کہا اور میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا رچنا کے حلق سے جو آواز نکلی تھی رچنا کی آواز تو بے حد مترنم اور بہت خوبصورت تھی وہ بولتی تھی اس تو گویا

چاندی کی گھنٹیاں بجنے لگتی تھیں لیکن اس وقت اس کی حلق سے جو آواز نکلی تھی وہ کسی مرد کی خوفناک اور پھٹی پھٹی آواز تھی اس کی آنکھیں مجھ پر گڑ گئیں۔ میں نے بمشکل تمام دوبارہ آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھنے لگا۔ دفعتاً وہ ہنس پڑی اس کے دانت بے حد خوفناک نظر آرہے تھے۔ اس نے پھر غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں پوچھ رہا ہوں کہ تو یہاں کیوں گھس آیا مُسلے۔"

"میں' میں تمہیں دیکھنے آیا ہوں رچنا۔"

"رچنا!" رچنا نے کہا اور پھر اسی مردانہ آواز میں ہنس پڑی پھر وہ ان لوگوں کی طرف دیکھ کر بولی۔

"یہ مسلمان تمہیں بیوقوف بنانے آیا ہے اسے یہاں سے بھگا دو ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"

"مسلمان؟" لالہ شیکھر جی نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں یہ مسلمان ہے یہ مسلمان ہے تم لوگ جس طرح چاہو یقین کر سکتے ہو۔ بھگا دو اسے بھگا دو یہاں سے ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔ میں رچنا کی جان لے لوں گا۔" لالہ شیکھر جی پریشان سے میری طرف کھسک آئے تھے۔ پھر انہوں نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

"جو کچھ یہ کہہ رہی ہے درست ہے؟"

میں خاموش رہا تب سودھیر جی بھی آگے بڑھ گئے۔

"بولو' کیا یہ درست ہے تم مسلمان ہو۔" میں نے اب بھی جواب نہیں دیا۔ تب رچنا اس انداز میں بولی۔

"اس سے کیا پوچھ رہے ہو۔ مجھ سے پوچھو۔ تم کہو تو مظاہرہ کر کے دکھاؤں۔ میں ایک نگاہ اس کے بدن پر ڈالوں گی تو اس کے ہوش حواس گم ہو جائیں گے سمجھے تم۔ کیوں اے مُسلے۔ بول میں تجھے یہ کر کے دکھاؤں۔" میں ایک لمحے کے لئے کچھ سوچنے لگا اور پھر دفعتاً نہ جانے کہاں سے میرے اندر ایک قوت ابھر آئی۔ وہ جب مجھے مسلمان ثابت کر ہی چکی تھی تو پھر میں خود بھی کیوں نہ اپنا کام دکھاؤں میں نے سوچا۔ دوسرے لمحے میں نے دل ہی دل میں ایک آیت پڑھنا شروع کر دی تھی۔ جونہی میں نے آیت پڑھی اس نے ایک بھیانک چیخ ماری اور ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"دیکھو' دیکھو یہ کیا کر رہا ہے' یہ کیا کر رہا ہے؟ اس سے کہو بند کر دے بند کر دے یہ۔" وہ غرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کر میری طرف لپکی لیکن میں نے آیت مکمل کر کے اس کی طرف پھونک مار دی تھی۔ وہ اس طرح اڑ کر دیوار سے جا ٹکرائی جیسے کسی نے اسے

اٹھا کر پھینک دیا ہو پھر وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ "مار ڈالوں گا' چھوڑوں گا نہیں ٹوبکہ ، ہے اب تم لوگ یہ کام کر رہے ہو میں دیکھوں گا کہ تم مجھے کیسے جلا کر بھسم کرتے ہو اور بہت سارے مسلمان پکڑ لاؤ۔ دیکھوں گا یہ میرا کیا بگاڑتے ہیں۔" اس کی آواز اتنی خوفناک تھی کہ اس سے پورا کمرہ گونج رہا تھا۔ شیکھر جی' سودھیر اور دوسرے تمام لوگ بھی پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ پھر اس نے کہا۔ "نکل جاؤ' نکل جاؤ یہاں سے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ تم بھی نکل جاؤ۔ نکل جاؤ یہاں سے۔" شیکھر جی نے سودھیر کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولے۔ "چلو' باہر چلو' چلو تم بھی چلو۔" انہوں نے مجھ سے کہا اور ہم سب باہر نکل آئے۔ اندر سے رچنا کی غراہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ بہت ہی خوفناک انداز میں غرا رہی تھی۔ روہن اور سودھیر کی بیوی بھی باہر نکل آئے تھے لیکن باہر آ کر ان سب کو اس کے کہے ہوئے الفاظ کا خیال آیا اور شیکھر جی نے مجھ سے پوچھا۔

"روہن کیا وہ سچ کہہ رہا تھا۔"

"کون؟"

"وہ جو رچنا کے اندر تھا۔"

"میں کچھ نہیں جانتا' مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"دیکھو روہن اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو یہ بری بات ہے میں نے تمہارے ساتھ برا سلوک نہیں کیا اب تک میں تمہاری ہر طرح سے مدد کرتا آیا ہوں لیکن اگر تم مسلمان ہو تو تمہارا دھرم بھی برا نہیں ہے۔ اپنے دھرم کی سوگند کھا کر کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔"

"لالہ جی آپ ایک ایسی شخصیت کی بات پر غور کر رہے ہیں جو اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہے۔"

"رچنا ہوش و حواس میں نہیں تھی بیٹا۔ مگر اس پر جو چھایا ہوا تھا وہ ہوش و حواس میں تھا تم نے اس پر کچھ پڑھ کر بھی پھونکا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چلو میں یہ بھی مانے لیتا ہوں کہ جو کچھ تم نے کیا تھا وہ تمہارا کام ہو گا لیکن اگر تم مسلمان ہو تو مجھے بتا دو۔"

"میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔" میں نے کہا۔

"تمہیں بتانا پڑے گا اگر تم مسلمان ہو تو تم نے ہم میں داخل ہو کر ہمارا دھرم نشٹ کر دیا ہے ہم تمہارے ساتھ کھاتے پیتے رہے ہیں یہ بھی اچھا نہیں ہوا اس طرح تو ہم اور مصیبتوں میں پڑ جائیں گے۔"

"میں کہتا ہوں لالہ جی آپ ہر ایرے غیرے پر بھروسہ کر لیتے ہیں کوئی بھی آپ کو دھوکہ دے کر آپ کو لوٹ سکتا ہے میں یہاں کسی کو لوٹنے نہیں آیا۔"

"تو پھر سچ بات کیوں نہیں بتاتے۔ کیا تم مسلمان ہو۔ اگر نہیں ہو تو چلو تم گئو ماتا کا پیشاب پیو۔" اس نے کہا اور میرے پورے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا۔ یہ ایسی کم بخت بات کہی تھی اس شخص نے کہ میں مر کر بھی نہ کر سکتا تھا وہ اندر چلا گیا اور پھر ایک شیشی سے کوئی چیز ایک پیالی میں انڈیل کر لے آیا۔

"گئو ماتا تو پوتر ہے۔ ہندو تو اسے اچھی طرح مانتے ہیں اگر تم ہندو دھرم سے ہو تو اپنے ایمان کا ثبوت دو۔" اس نے پیالی میری طرف بڑھائی میں نے ایک ہاتھ مار کر پیالی نیچے گرا دی اور پھر میں نے چیخ کر کہا۔

"ہاں میں مسلمان ہوں' مسلمان ہوں' میں' لعنت بھیجتا ہوں تم پر۔"

"ہوں' تو پھر تم ہم میں کیوں آگھسے تھے۔" سودھیر نے کہا۔

"سنو سنو' یہاں بیکار باتیں مت کرو۔ ادھر وہ کشٹ میں ہے اور ادھر تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔"

"آپ کیا باتیں کر رہے ہیں لالہ جی اسے آپ نے یہاں داخل کر کے ہمارا ستیاناس مار دیا ہے۔ بھگوان اب کیا ہو گا۔" سودھیر لعل کی بیوی بھی اس کی ہمنوا بن گئی تھی۔ وہ سب نفرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے خود شیکھر جی کے چہرے کے تاثرات اچھے نہیں تھے۔ انہوں نے تیکھے لہجے میں مجھ سے کہا۔

"بڑا ہی کمینہ نکلا رے تو تو۔ میں نے تیرے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا اگر تو بتا دیتا کہ تُو مسلمان ہے تو سو پچاس دے کر تیری چھٹی کرتا۔ تجھے اپنے ساتھ اس طرح یہاں نہ لاتا۔ ہائے ہائے تُو نے میرا دھرم نشٹ کیا ہے۔ ہے بھگوان اب کیا ہو گا؟" لالہ جی بری طرح پریشان نظر آ رہے تھے تب روہن آگے بڑھ کر بولا۔

"مسلمان ہے تو کیا ہوا انسان تو ہے ناں کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ لوگ۔"

"ارے روہن چپ رہ تو تو کائر ہو گیا ہے۔ دھرم سے ہٹ گیا ہے تیرا تو کوئی دھرم ہی نہیں ہے کمینے کہیں کے۔" لالہ جی کی بہو نے روہن کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"ہوں' آؤ تم میرے ساتھ آؤ۔" اس نے میرا بازو پکڑ کر کہا اور مجھے ساتھ لئے ہوئے ڈیوڑھی میں آ گیا۔ وہاں اس نے مجھے بٹھا کر کہا۔ "دیکھو روہن' میں تو تمہیں اب بھی روہن ہی کہوں گا۔ جب تک کہ تمہارا اصل نام مجھے معلوم نہ ہو جائے۔ تم اگر مسلمان بھی ہو تو یقین کرو کہ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے میں نے تمہیں اپنا دوست

بنایا ہے تم میرے دوست رہو گے۔ البتہ اگر تم چاہو تو ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے یہ بتا دو کہ کیا تم واقعی مسلمان ہو۔"

"ہاں' میں کہہ چکا ہوں کہ میں مسلمان ہوں۔"

"تو پھر ہندو کیوں بن گئے تھے۔"

"یہ ایک طویل کہانی ہے روہن' میں تمہیں پھر کسی وقت سناؤں گا۔"

"کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں ہے تو مجھے بتا دو۔"

"ایسی ویسی کوئی بات نہیں ویسے ایسی ویسی بات سے تمہارا کیا مقصد ہے۔"

"دیکھو بھائی' ہم سب جیون میں پتا نہیں کیسی کیسی مصیبتوں میں پڑ جاتے ہیں ایسے ہی من کی بات بھی ہے میرے ذہن میں ایک بات آئی تھی کہیں تم رچنا کو پسند تو نہیں کرتے۔"

"نہیں روہن' وہ تمہاری ہی بہن نہیں ہے میری بھی بہن ہے میں اسے بہن کی طرح ہی مانتا ہوں۔"

"مجھے تمہاری بات پر یقین ہے مگر یہ بتاؤ کہ پھر تم روہن کیوں بن گئے تھے۔"

"میں مصیبتوں کا شکار تھا بہت عرصے پہلے مجھے حامد علی سے روہن بنا دیا گیا تھا۔ میرا اصل نام حامد علی ہے۔"

"کس نے بنایا تھا۔"

"ایک تھا پرنس سکینہ کے نام سے اس نے اپنی مقصد بر آری کے لئے مجھے روہن بنا دیا تھا۔ میں روہن کی حیثیت سے طویل عرصہ دہلی میں رہا ہوں میں نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں اور اس کے بعد پھر میں انگریزوں کے چکر میں پڑ گیا وہاں میرے ساتھ کچھ اس قسم کی باتیں ہوئیں کہ مجھے خاموشی سے وہاں سے بھاگنا پڑا۔ اب جب کہ میں روہن کے نام سے اتنے عرصے سے زندگی بسر کر رہا تھا تو میں نے سوچا کہ تمہیں بھی یہی نام بتا دوں۔ اتفاق کی بات یہ تھی کہ جس ٹرین سے میں یہاں آیا تھا اس میں لالہ شیکھر جی بھی تھے۔ میں نے ٹکٹ نہیں لیا تھا کیونکہ میرے پاس پیسے ہی نہیں تھے میں نے سوچا کہ اگر میں نے لالہ شیکھر جی کو اپنی اصلیت بتائی تو ممکن ہے وہ مجھے مسلمان سمجھ کر اس قابل نہ سمجھیں کہ میرے ساتھ کوئی ہمدردی کریں چنانچہ میں نے انہیں اپنا نام روہن بتا دیا تھا۔" روہن غور سے میری کہانی سن رہا تھا پھر اس نے میرے شانے پر ہاتھ دھر کر ہمدردی سے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے حامد علی کہ تمہاری کہانی بہت دردناک ہے ہرچند

کہ مجھے اس سے مکمل واقفیت نہیں حاصل ہوئی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم پر کتنی بڑی بڑی مصیبتیں پڑی ہوں گی۔ اب مجھے بتاؤ کہ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔"

"کچھ نہیں' جس نے پیدا کیا ہے وہی میری مصیبتوں کو رفع بھی کرے گا۔" میں نے افسردگی سے کہا۔

"نہیں میرے دوست تم فکر مت کرو۔ مجھے افسوس ہے دراصل میرے گھر والے پرانے قسم کے متعصب ہندو ہیں لیکن میں نہیں ہوں۔ ہندو یا مسلمان کم از کم انسان تو سب ہی ہوتے ہیں۔ دھرم سے انسانوں میں تفریق تو نہیں پیدا کی جا سکتی تم اپنے دھرم سے اپنے خدا کا نام لیتے ہو۔ ہم اپنے دھرم سے اپنے بھگوان کا نام لیتے ہیں لیکن اس سے انسانوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"دنیا تمہاری طرح نہیں سوچتی روہن' اب مجھے اجازت دو۔"

"کہاں جاؤ گے۔" روہن نے ہمدردی سے پوچھا اسی وقت سودھیر اندر آ گیا۔

"ارے تم ابھی تک یہاں موجود ہو' میں کہتا چلے جاؤ یہاں سے ورنہ اچھا نہیں ہو گا میں تمہیں دھوکہ دہی کے الزام میں پولیس کے حوالے بھی کر سکتا ہوں۔"

"نہیں سودھیر جی میں یہاں سے چلا جاؤں گا آپ کو اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔" میں نے کہا۔

"پتا جی ایک بات بتایئے یہ بے سہارا ہے دادا جی کا داس بن کر یہاں آیا تھا اور پوری دیانت سے اپنا کام سرانجام دے رہا تھا اب یہ کہاں جائے گا اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔"

"ارے کیوں مرے جا رہا ہے اس کے لئے یہ دھوکے باز ہے مسلمان ہے یہ بات کیا کافی نہیں ہے۔" سودھیر نے کہا۔

"نہیں یہ بات کافی نہیں ہے پتا جی اگر کافی ہو تو میں آپ سے ضد نہ کرتا۔"

"تُو بکواس مت کر' چلو تم یہاں سے جاؤ۔" سودھیر نے آنکھوں پر نفرت کی پٹی باندھ لی۔ میں نے ایک نگاہ روہن کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ سر جھکائے ہوئے باہر نکل آیا۔ روہن افسوسناک نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا جب میں باہر نکل آیا تو دوسرے لمحے وہ دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور افسوس بھرے لہجے میں بولا۔

"دیکھو حامد علی میں تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں کر سکتا میں ابھی ان لوگوں کا دست نگر ہوں جلدی کرو خاموشی سے یہ رقم رکھ لو یہ تمہارے کسی کام آئے گی۔"

"ارے نہیں روہن رہنے دو۔"

"جلدی کرو پتا جی مجھے دیکھ رہے ہیں خواہ مخواہ شبہ کا شکار ہو جائیں گے۔" روہن نے نوٹوں کا ایک چھوٹا سا بنڈل میرے ہاتھوں میں تھما دیا۔ پتہ نہیں کتنے نوٹ تھے میرا خیال ہے سو پچاس روپے ہوں گے جو ایک پڑیا کی شکل میں بندھے ہوئے تھے میں نے انہیں مٹھی میں دبالیا اور اس کے بعد میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ رات تاحدِ نگاہ پھیلی ہوئی تھی دور دور تک کوئی انسان نہیں تھا بستی کے چراغ روشن تھے۔ ان چراغوں میں کوئی چراغ مجھے روشنی نہیں دے رہا تھا۔ کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں میں پناہ لے سکوں۔ مجھے صرف اس لئے ان لوگوں نے اپنے خاندان سے علیحدہ کر دیا تھا کہ میں مسلمان ہوں ٹھیک ہے اگر وہ ہندو ہیں تو میں بھی مسلمان ہوں میں ہی ان کا کیوں احساس کروں میں نے سوچا اور پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں سے کافی دور نکل آیا۔

☆======☆======☆

گلیاں، سڑکیاں، بازار سب سنسان پڑے تھے۔ کہیں کہیں آوارہ کتے بھونک رہے تھے۔ میں اپنے لئے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں بھٹکتا رہا مگر مجھے کوئی پناہ گاہ نظر نہیں آئی تھی۔ تب ایک بڑے سے پیپل کے درخت کے نیچے جہاں ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا ہوا تھا میں نے سوچا کہ رات یہیں گزار دی جائے۔ چنانچہ میں اس چبوترے پر گھٹنوں میں سر دیئے سوچ رہا تھا کہ اب آئندہ کیا ہوگا۔ میں تو کالی بیری کے بارے میں سوچ رہا تھا مجھے یقین تھا کہ گاڑی جس وقت بھی پہنچ جائے گی یہ لوگ مجھے اپنے ساتھ لے کر جائیں گے اور پھر میں وہاں کے حالات خود اپنی نگاہوں سے دیکھوں گا میرے دل میں بڑا تجسّس بڑا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ کالی بیری دیکھنے کا لیکن اب تمام امیدوں پر اوس پڑ گئی تھی۔ رات کے سناٹے میں دور سے کہیں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیتیں تو ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی میں سوچ رہا تھا کہ میں کتنا تنہا ہوں۔ اس دنیا میں کتنا عرصہ ہو گیا مجھے اپنے گھر سے جدا ہوئے۔ اپنے ماں باپ کو کھوئے ہوئے کچھ بھی تو نہیں کر سکا میں ان کے لئے۔ آہ، کاش میں اور کچھ نہ کرپاتا تو کم از کم اپنے باپ کا انتقام ہی لے لیتا اپنے خاندان کی موت کا انتقام۔ جو میرے سینے میں ایک شعلہ بھڑکا دیکھ رہا تھا میں نے اس شعلے کو مدھم ضرور دیکھا تھا لیکن یہ شعلہ بجھا نہیں تھا۔ میری زندگی کا مقصد تو صرف یہی تھا کہ میں اپنے ماں باپ کا انتقام لے سکوں۔ کم بخت کرن کمہار اب تک آزاد پھر رہا تھا۔ میرے دل میں انتقام کے شعلے بھڑکتے رہے۔ میں انتقام کی آگ میں بھٹکتا رہا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اس وقت یہاں سے نکل جاؤں۔ واپس مانک پور پہنچ جاؤں اور کرن کمہار کو اس کے خاندان

کو فنا کر دوں اب تو میں اس قابل ہو چکا تھا کہ یہ کام اپنی جان کی بازی لگا کر سکتا تھا۔ بے چینی کچھ اس طرح بڑھی کہ میں اٹھ کر بیٹھ گیا لیکن دوسرے لمحے مجھے چونکنا پڑا میرے نزدیک ہی کوئی اور بھی بیٹھا ہوا تھا کچھ فاصلے پر صرف چند گز کے فاصلے پر لیکن مجھے اس کی شکل صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔ دھندلی روشنی میں، میں نے اسے بغور دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ کوئی سادھو ہے جو گھٹنوں میں سر دیئے ایک کمبل اوڑھے بیٹھا ہے۔ ایک لمحے کے لئے تو مجھے حیرت ہوئی یہ کب میرے پاس آ بیٹھا جب میں یہاں آ کر لیٹا تھا تو اس درخت کے نیچے کسی انسان کا وجود نہیں تھا نہ ہی مجھے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔ پھر یہ سادھو اچانک کہاں سے نمودار ہو گیا۔ میں متحیرانہ انداز میں اسے گھورتا رہا ظاہر ہے عام سی جگہ تھی کسی کو یہاں آنے سے کون روک سکتا تھا۔ میں ایک لمحے کے لئے اپنے دل میں جو عزم پیدا ہوا تھا اسے بھول گیا اور میں سادھو میں کھو گیا۔ پھر جب مجھ سے برداشت نہ ہو سکا تو میں آہستہ آہستہ اس کے نزدیک پہنچ گیا اس نے میرے قدموں کی آواز سن کر بھی گردن نہیں اٹھائی تھی۔ تب میں اس کے نزدیک گیا اور اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "بابا کیا تم سو رہے ہو؟" میں نے اس سے سوال کیا اور اس نے چونک کر کمبل ہٹا دیا۔ اب اس کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے تھا اور دھندلاہٹ کے باوجود میں اسے پہچاننے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ سادھو گووند تھا وہی سادھو جس نے مجھے متحیر کر دیا تھا اسے دیکھ میں چونک پڑا اور میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "ارے گووند بابا۔"

"ہاں بیٹا، میں ہی ہوں۔" بابا گووند نے نرم لہجے میں کہا۔ بڑی شفقت تھی اس کی آواز میں، بڑی مٹھاس اور بڑا لوچ جو مجھے بہت بھلا محسوس ہوا اس وقت۔

"تم کب آ گئے بابا؟"

"تھوڑی دیر ہوئی بالک۔ تھوڑی دیر ہوئی۔" اس نے جواب دیا۔

"تم نے مجھے نہیں دیکھا تھا؟"

"دیکھا تھا میں سمجھا کہ تو سو رہا ہے؟"

"تمہیں حیرت نہیں ہوئی بابا مجھے یہاں دیکھ کر۔"

"نہیں بیٹا بھاگ میں جو لکھا ہوتا ہے وہ سامنے آتا ہی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اب تو پھر میرا امتحان لینے پر تل گیا تو یہی جاننا چاہتا ہے نا کہ مجھے تیرے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔ بالک میں کوئی شکتی مان نہیں ہوں۔ بہت بڑا علم نہیں ہے میرے پاس چھوٹی چھوٹی باتیں تو ہم سادھو جان ہی لیتے ہیں۔"

"بھلا تُو نے کیا جان لیا۔"

"تُو یہاں کیوں سو رہا تھا۔"

"اب یہ بات تم ہی بتاؤ گے بابا۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر سن تو مجھ سے پوچھنا چاہتا ہے تو میں تجھ سے کہتا ہوں کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے ان لوگوں سے تیرا جھگڑا ہو گیا ہے نا۔ انہیں یہ پتا چل گیا ہے کہ تُو مسلمان ہے۔"

"کیا؟" میں نے متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ دیں۔

"ہاں بیٹا' میں نے جھوٹ تو نہیں کہا کچھ۔" اب میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں اس بوڑھے سادھو کی پوزیشن جان لوں اور اسے تسلیم کر لوں۔ میں نے متاثر لہجے میں کہا۔ "بابا گووند میں آپ سے بہت متاثر ہوا ہوں۔"

"کیوں بیٹے ایسی کون سی خاص بات ہے مجھ میں۔"

"آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا۔"

"میں نے کہا نا۔ تھوڑی سی جوتش ودیا جانتا ہوں۔ نجوم سے مجھے دلچسپی ہے اور بہت ساری ایسی باتیں ہیں جو بھگوان نے مجھے دے دی ہیں بس انہی کو سیکھ رہا ہوں اس سنسار میں۔ سنسار صرف سیکھنے کی جگہ ہے یہاں منش سیکھتا ہے اور سیکھتے سیکھتے ہی چلا جاتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ اس نے بہت کچھ سیکھ لیا ہے تو سمجھو وہ پاگل ہو گیا ہے۔" گووند بابا نے جواب دیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو بابا ویسے میں تمہارے علم سے واقعی بہت متاثر ہوں مجھے اور کچھ بتاؤ۔"

"کیا پوچھنا چاہتا ہے بالک! جو کچھ معلوم ہے میں اسے بتانے میں کوئی برائی نہیں سمجھتا تُو نے کہا تھا تُو ہندو ہے تیرا نام روہن ہے میرا گیان یہ کہتا تھا کہ تُو ہندو نہیں ہے تُو مسلمان ہے پر میں نے اس مسئلے میں تجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ مجھے کیا پڑی تھی مجھے تیری شخصیت سے پیار ہے مجھے منش سے پیار ہے وہ ہندو ہے مسلمان ہے۔ سکھ ہے عیسائی ہے کوئی بھی اس سے مجھے کوئی غرض نہیں۔" گووند نے کہا۔

"آپ بہت بڑے ہیں بابا۔ میں آپ کو کوئی صحیح نام دے سکتا ہوں۔"

"بیٹا مجھے نام دینے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ بس منش ہوں تھوڑا سا گیان سیکھ لیا ہے اور اگر تُو بھی یہ سب کچھ سیکھ لے تو تُو بھی میری طرح بلکہ مجھ سے بھی آگے کی چیز بن سکتا ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ بابا! تمہارا گیان میرے بارے میں کیا کہتا ہے۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا اور بوڑھا مجھے گھورتا رہا پھر بولا۔

"بیٹے! تیرے دل میں بڑی بڑی منوکامنائیں ہیں۔ بڑی آرزوئیں ہیں تیرے دل میں اور تُو انہیں پوری کرنے میں کوشاں ہے۔ بچپن اچھا بیتا' نوجوان بھی نہیں ہوا تھا کہ حادثوں اور صدموں سے گزرنا پڑا۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنے صدمے اٹھاتے ہیں تُو بھی انہی لوگوں میں سے تھا۔ اس کے بعد تُو جہاں پہنچا اور جس نے تیرے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی اس کی اپنی سازشوں کا نتیجہ تھا وہ اپنے لئے کچھ چاہتا تھا تیرے لئے کوئی بھی کچھ کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس کے بعد تُو وہاں سے یہاں آ گیا بالک۔ مجھ سے ایک ایک بات کی تفصیل نہ پوچھ تفصیل بھی میں تجھے بتا دوں گا۔ اگر تو کہے تو تیرے سامنے بہت سے ایسے نام لے دوں جن سے تجھے واسطہ پڑا ہے۔"

"نہیں بابا مجھے یقین ہے آپ نے جو کچھ مجھے بتایا ہے اس میں ذرا بھی کوئی غلطی نہیں ہے میں آپ کو کھلے دل سے تسلیم کرتا ہوں بابا لیکن آپ اتنا جانتے ہیں تو یہ بات بھی ضرور جانتے ہوں گے کہ میرے دل میں کس سے بدلہ لینے کی آرزو ہے۔"

"ہاں' ہے تیرے من میں آرزو لیکن میری باتوں پر اعتبار کرے تو میں تجھے بتاؤں کہ ابھی وہ آرزو پوری نہیں ہو گی۔ اس سلسلے میں کوئی کوشش کرنا بے وقوفی کی بات ہو گی تیرے لئے اور اس سے تجھے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"جن لوگوں سے تُو بدلہ لینا چاہتا ہے وہ اب بھی بہت کچھ ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس سے تجھے نقصان پہنچا ہے۔ تیری دولت چھن گئی ہے۔ تیری جائیداد چھن گئی ہے۔ زمینیں چھن گئی ہیں تیری۔ تیرا سارا سنسار چھن گیا ہے۔ انہوں نے تجھے دربدر کر دیا ہے اور انہوں نے تیری جان لینے کے لئے کیا کیا کوششیں نہیں کیں۔ پھر بھگوان کی مرضی تھی کہ تُو ان کے ہاتھوں ہلاک نہ ہو سو دیکھ لے تُو ہلاک نہیں ہوا' ابھی بھگوان کی مرضی نہیں ہے کہ وہ تیرے ہاتھوں ہلاک ہوں تو اس بات کو بھی سمجھ لے کہ وہ ابھی تیرے ہاتھوں ہلاک نہیں ہوں گے۔ ہاں اگر تُو ان کے ہتھے چڑھ گیا تو وہ تجھے بڑا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

"تو پھر اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے بابا۔"

"شکتی' شکتی حاصل ہونے والی ہے۔ میں تیرے شریر میں ایک حیرت انگیز قوت جنم لیتے دیکھ رہا ہوں۔ ایک ایسی طاقت ایسی شکتی جس کے آگے بڑے بڑے سورماؤں کی

طاقت بھی پیچ ہو گی۔ میں تجھے بتائے دے رہا ہوں تُو ایک دن بہت بڑی چیز بن جائے گا۔ بہت بڑا آدمی۔"

"میں خود بخود بن جاؤں گا یہ سب کچھ بابا۔"

"تقدیر تجھے ان راستوں پر لے جائے گی اور اگر تُو ان راستوں کی نشاندہی چاہتا ہے تو تیری مدد کر سکتا ہوں۔" بوڑھے گووند نے کہا اور میں اس کی باتوں کے سحر میں گرفتار ہو گیا اس نے مجھے بتایا تھا کہ میں ایک بہت بڑی قوت بن جاؤں گا۔ کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے۔ اگر میں واقعی کوئی بہت بڑی قوت بن گیا تو پھر تو میں کرن کمہار سے بھرپور انتقام لے سکوں گا۔ میرے دل میں بے انتہا یہ خواہش جنم لینے لگی کہ کاش بوڑھے کی بات سچ ہو۔ کاش میں اس کے کہنے کے مطابق واقعی بڑا آدمی بن جاؤں میں نے عقیدت مندانہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "بابا مجھے' وہ راستے بتاؤ۔ میں تم سے وہ راستے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"بیٹا' ہر کام کے لئے ایک سمے مقرر ہوتا ہے وقت آنے سے پہلے کوئی کام کبھی نہیں ہو سکتا۔ تُو ابھی جس طرح آہستہ آہستہ چل رہا ہے اسی طرح چلتا رہ۔ کالی بیری جانے کا ارادہ تھا نہ تیرا۔"

"ہاں بابا' کالی بیری کے بارے میں' میں نے بہت سی باتیں سنی تھیں۔ کیا میں وہاں جا سکتا ہوں۔"

"کیوں نہیں بیٹا تُو اس کے بالکل قریب ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ شیکھر نے تجھے اپنے گھر سے نکال دیا۔ تعصب ہے ان لوگوں کے دلوں میں چھوٹے لوگ ہیں' چھوٹے دل کے مالک ہیں لیکن بہرطور مجھے' ان تمام چیزوں سے کیا پڑی۔ سنسار میں اگر یہ ساری باتیں تیرے سامنے نہیں آئیں گی تو تجھے تجربہ کیسے ہو گا۔"

"بڑے تلخ تجربے ہو رہے ہیں بابا گووند میں تو سچے دل سے ان کے ساتھ تھا۔ یہ سچ ہے کہ میں نے ان سے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی تھی میں تو بس ان میں شامل ہونا چاہتا تھا کہ مجھے سرچھپانے کا ٹھکانہ مل جائے اور میں ان لوگوں کی خدمت کرتا رہتا مجھے رچنا بہت پسند تھی بابا میں سچے دل سے ایک بات کہہ رہا ہوں کہ میرے دل میں اس کے لئے کوئی کھوٹ نہیں تھا بس وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی مجھے اپنی بہن سمان لگی اور پھر روہن بہت اچھا لڑکا تھا۔ اس نے میری مدد کی تو میں نے رچنا کو بھی اپنی بہن سمجھ لیا میرے دل میں آرزو تھی کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔ میں ان لوگوں کا ساتھ دینا چاہتا تھا ہر طرح' جتنی بھی میری حیثیت اور اوقات تھی۔ میرے دل میں آج بھی ان کے لئے محبت

اور عقیدت ہے کیونکہ انہوں نے مجھے ایک برے وقت میں سہارا دیا۔ شیکھر جی نے ٹرین میں میرا کرایہ ادا کر کے مجھے بے عزتی سے بچا لیا تھا تو ان بیچاروں کے خلاف کبھی کوئی بری بات نہیں سوچوں گا۔ ان کے دل میں تعصب تھا ٹھیک ہے انہوں نے جو کچھ بھی کیا بہتر کیا۔ ظاہر ہے ہم کسی کا دل تو نہیں صاف کر سکتے۔ ہندو اور مسلمان یہ ساری چیزیں مذہب سے تعلق رکھتی ہیں بے شک میں اپنے مذہب سے محبت کرتا ہوں مجھے اپنا دین بہت پیارا ہے لیکن وقت نے مجھے روہن بنا دیا تھا۔ میں نے حالات کے تحت اپنا یہ بدلا ہوا نام بھی قبول کر لیا تھا۔ کیا کرتا تقدیر میں یہی سب کچھ تھا۔"

"ہاں بیٹا' بھاگ کے آگے کچھ نہیں چلتی اب تو بتا کہ تیرے دل میں کیا ارادہ ہے۔"

"کچھ نہیں بابا' ابھی تو میں اندھیرے میں ہوں۔ میں نے تم سے درخواست کی ہے کہ میری مدد کرو۔"

"دیکھو بیٹا' جوتشی اگر جوتش جانتا ہو تو اسے کم از کم یہ نہیں چاہئے کہ وہ اسے مستقبل کی باتیں بتا دے اور سچی بات یہ ہے کہ ساری باتیں کوئی جان بھی نہیں سکتا چھوٹے چھوٹے واقعات ہوتے رہتے ہیں اور ستارے ان کی نشاندہی ضرور کرتے ہیں لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ستاروں کی مدد سے وہ آنے والے وقت کے مطابق سب کچھ بتا دے گا تو یہ بے وقوفی کی بات ہے۔ کبھی بھی ایسے نہیں کرنا چاہئے میں ابھی تجھے کچھ نہیں بتا سکتا ہاں تیرے آگے کے راستے جو ابھی میرے سامنے کھلے ہوئے ہیں اور جس حد تک کھلے ہوئے ہیں ان کے بارے میں مجھے بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے بابا پھرانہی کے بارے میں بتا دیجئے۔" میں نے بابا گووند سے کہا اور بابا گووند سوچ میں ڈوب گئے پھر کہنے لگے۔

"تُو یہاں سے کالی بیری چلا جا راستہ کسی سے بھی پوچھ سکتا ہے ویسے بھی یہاں سے سیدھا راستہ ہے۔ تھوڑا سا پیدل تو چلنا پڑے گا تجھے لیکن بہرطور تو وہاں پہنچ جائے گا اور سن کالی بیری میں مسلمان بن کر داخل ہونا۔ وہاں اپنے آپ کو روہن بتانے کی ضرورت نہیں ہے اور اب بہتر یہ ہو گا تُو اپنے نام کے ساتھ یہ نام ہٹا لے جو بھی تیرا نام ہے اسے اگر تُو استعمال نہیں کرنا چاہتا تو نہ کر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر کم از کم اپنے دھرم سے ہٹ کر بات مت کرنا۔ ہاں آنے والا سمے اگر تجھے اس کے لئے مجبور کر دے تو دوسری بات ہے لیکن وہ وقت وقت کی بات ہے۔ حالات کے تحت اگر ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے کالی بیری کے بارے میں تجھے بتاؤں اچھی خاصی آبادی ہے وہاں کی لیکن بکھری

ہوئی ہے۔ دیویوں دیوتاؤں کے مندر وغیرہ بہت سے ہیں وہاں پر اور جو کچھ میں نے تمہیں ان مندروں کے بارے میں بتایا ہے اس میں کالکا مندر بھی شامل ہے تو سمجھ ہی چکا ہو گا تجھے ایک بات بڑی دلچسپ محسوس ہو گی کہ پوری کالی بیری میں صرف ایک مسلمان کا مکان ہے اس کا نام زمان خان ہے۔ زمان خان پٹھان ہے اور اس علاقے کا زمیندار ہے۔ باپ دادا کی زمین ہے اور بڑے کروفر سے اب تک اس نے زندگی گزاری ہے۔ حکومت میں بھی اس کے تعلقات ہیں جس کی وجہ سے کوئی بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ویسے بھی وہ بہت شاندار آدمی ہے اور بڑی عزت رکھتا ہے ان علاقوں میں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہاں کے متعصب ہندو اس سے بڑی نفرت کرتے ہیں۔

پتہ نہیں زمان خان کے پاس ایسی کون سی قوت ہے جس کی وجہ سے کوئی اسے آج تک نقصان نہیں پہنچا سکا۔ میں زمان خان سے اچھی طرح واقف ہوں وہ بھی میرا دوست ہے خود اتنا متعصب آدمی نہیں ہے لیکن جو اس سے متعصب ہو اور تعصب کی باتیں کرے اس سے وہ دشمنی بھی رکھتا ہے۔ اگر تو زمان خان کے پاس چلا جائے گا تو وہاں تجھے بہت عزت اور بہتر مقام ملے گا اور میں تجھے یہ مشورہ دیتا ہوں کہ تو اس کے ہاں چلے جانا وہ جگہ تیرے لئے بڑی کارآمد ہو سکتی ہے اور وہاں سے تجھے بہت کچھ مل سکے گا۔ حالات جس طرح بھی ہوں اور جیسے بھی پیش آئیں تو ان میں اپنے آپ کو ضم کر لینا لیکن تجھے ایک جھوٹ بولنا پڑے گا۔"

"کیا جھوٹ۔" میں نے سوال کیا۔

"میں تجھے ایک چیز دیتا ہوں ٹھہر جا۔" گووند نے کہا اور پھر اپنی جھولی میں سے چھوٹی سی مورتی نکال کر میرے ہاتھ میں تھما دی۔ یہ بندر کی مورتی تھی اور غالباً لکڑی کی بنی ہوئی تھی عجیب و غریب بھدی سی شکل تھی میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا ہے بابا؟"

"یہ میرا نشان ہے۔"

"تمہارا نشان؟"

"ہاں، میرا مطلب ہے کہ میرے پاس یہ ایک نشان ہے تو اسے لے کر زمان خان کے پاس جانا اور اس سے اور کچھ مت کہنا۔ اسے بس یہ نشان دے دینا۔ وہ اسے دیکھے گا اور تیرا نام رحمان خان کہہ کر پکارے گا۔ تو اس نام کی تردید مت کرنا بلکہ اس بات کا اعتراف کر لینا کہ تیرا نام رحمان خان ہے باقی باتوں کے بارے میں وہ تجھ سے کچھ نہیں پوچھے گا۔ بس رحمان خان کی حیثیت سے تو وہاں رہے گا کیونکہ رحمان خان کے بارے

میں وہ سب کچھ جانتا ہے لیکن یہ بات بھی جانتا ہے کہ رحمان خان اپنے بارے کچھ نہیں جانتا سوائے اس کے کہ اس کا نام رحمان خان ہے چنانچہ وہ تجھ سے کوئی بات نہیں کرے گا ہاں اگر وہ تجھ سے سوال کرے کہ کہاں سے آیا ہے تو کہہ دینا دہلی سے آیا ہوں۔"

"مگر بابا گووند اس سے کیا ہو گا؟"

"اس سے یہ ہو گا کہ زمان خان تجھے اپنے گھر میں ایک معزز حیثیت دے گا اور اس طرح سے تجھے اس کی اولاد کی سی حیثیت حاصل ہو جائے گی میں یہ نہیں کہتا بیٹا کہ اس کی اولاد بن کر تو اس کی زمینوں پر قبضہ کر لینا۔ بس تجھے وہاں ایک عزت ایک مقام حاصل ہو جائے گا تو دیکھے گا کہ وہاں کے متعصب ہندو تجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن بگاڑ تیرا کوئی بھی کچھ نہیں سکے گا۔ پھر باقی کے معاملات کیسے بھی ہوں تو خود سمجھ دار ہے۔" میں ایک لمحے کے لئے کسی سوچ میں ڈوب گیا ایک مرتبہ پھر مجھے اپنا نام بدل کر کسی کو فریب دینا تھا۔ حالانکہ میں فریبی انسان نہیں تھا میں بذات خود کسی کو بھی فریب دینا نہیں چاہتا تھا لیکن بہرطور اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا۔ مجھے ہندو کی حیثیت سے ٹھکرایا جا چکا تھا اور ظاہر ہے میں صرف وقتی طور پر یہ نام اختیار کرنے کے لئے مجبور ہو گیا تھا ورنہ یہ نام مجھے خود بھی پسند نہیں تھا۔ روہن میرا نام تو نہیں تھا میرا نام حامد علی تھا میں چاہتا تھا کہ مجھے اسی نام سے پکارا جائے لیکن تقدیر کچھ اس طرح کے کھیل دکھا رہی تھی کہ میرا اصل نام گمنام وادیوں میں دفن ہو گیا۔ بہرطور اب جو مجھے نام مل رہا تھا اسے کسی طرح انکار کروں چنانچہ میں نے تھوڑی سی رد و قدح کے بعد گووند کی اعانت قبول کر لی اور ان سے کہا ٹھیک ہے میں کالی بیری چلا جاؤں گا۔ گووند مہاراج ہنسنے لگے تھے تھوڑی دیر تک وہ مجھ سے مزید گفتگو کرتے رہے پھر اس کے بعد اٹھتے ہوئے بولے۔

"اچھا بچہ اب تو آرام کر میں چلتا ہوں۔"

"ارے آپ کہاں جائیں گے بابا گووند۔"

"بیٹا یہ سوال بیکار ہے مجھے خود نہیں معلوم کہ میں کہاں جاؤں گا۔"

"تو پھر کم از کم رات تو یہیں گزار دیں۔"

"ارے ہم دیوانوں کی رات کیا اور دن کیا۔ بس من موجی ہیں جہاں چاہا رات گزاری جہاں چاہا دن گزار لیا۔ اب اتنے ہی سمے میں تیرے پاس بیٹھ سکتا تھا اب اور ممکن نہیں ہے۔"

"تو آپ جا رہے ہیں۔"

"ہاں بچہ بھگوان تجھے سکھی رکھے۔" بابا گووند نے کہا اور اٹھ کر ایک طرف چل

پڑے۔ میں ان سے تمام باتیں کر چکا تھا اور وہ کسی طور رکنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ پھر انہیں روکنا بھی بیکار ہی تھا۔ کیا فائدہ وہ جب نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو میں بندر کی اس مورتی کو دیکھنے لگا آخر ایسی کیا خاصی بات ہے اس مورتی میں باباگووند سے تو میں نے پوچھا نہیں کہ آخر یہ نشان ان کے پاس کہاں سے آیا۔ بہرطور ساری باتیں پوچھنا بھی مناسب نہیں تھا۔ ساری باتیں ایسی نہیں ہوتی ہیں جو بتائی جا سکیں۔ پھر اگر کوئی آدمی بلاوجہ ہمدردی کر رہا ہے تو کیا حرج ہے۔ ویسے باباگووند میرے دل میں بہت بڑی حیثیت حاصل کر چکے تھے۔ کم از کم انہوں نے مجھے میرے بارے میں سب کچھ بتایا تھا۔ کیسی عجیب بات تھی علم نجوم اتنی بڑی قوت رکھتا ہے میں نے سوچا اور میرے دل میں بے اختیار یہ خواہش جاگنے لگی کہ میں بھی علم نجوم سے واقفیت حاصل کروں۔ دیکھوں تو سہی اس میں سب کچھ کیا ہوتا ہے۔ یوں بھی میری زندگی کا ایک طویل حصہ انہی چکروں میں گزر گیا تھا۔ بس بچپن کے وہ سہانے دن تھے جب میں جوان نہیں تھا میں اپنے طور پر زندگی بسر کرتا تھا لیکن اس کے بعد جب سے کرن کمہار نے ہمارے اوپر مصیبتیں نازل کی تھیں اس کے بعد سے میں جادو ٹونوں کا بھی دل سے قائل ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے وہ مٹھ اڑتے ہوئے دیکھے تھے جو ہمارے خاندان کی ہلاکت کا باعث بنے تھے۔ چنانچہ میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہو گئی تھی کہ میں ان تمام علوم کو کسی نہ کسی طور سیکھوں۔ اب تک جو زندگی گزاری تھی اس میں کوئی خاص بات محسوس نہیں ہوئی تھی ممکن ہے میری زندگی میں کوئی نیا پن پیدا ہو جائے۔ یہ تمام باتیں سوچتا ہوا کافی دیر میں اپنی جگہ بیٹھا رہا اور اس کے بعد وہیں لیٹ کر سونے کی کوشش کرتا رہا رات کے نہ جانے کس حصے میں نیند آ گئی۔ دوسری صبح جاگا تو طبیعت پر اضمحلال سا طاری تھا دیر تک اپنی جگہ پڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پرندے خوراک کی تلاش میں نکل گئے تھے گو سورج ابھی پوری طرح بلند نہیں ہوا تھا لیکن اس کی آمد آمد کا اعلان تھا اور فضا میں اچھی خاصی آوازیں پیدا ہو گئی تھیں۔ بھوکا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں بدن پر ہاتھ مارا تو بندر کی مورتی سے ہاتھ ٹکرایا اور مجھے گووند بابا کی ساری ہدایتیں یاد آ گئیں۔ دل میں سوچا کہ پہلے تھوڑا بہت کھانے کا بندوبست کرلوں اور اس کے بعد کوئی دوسرا کام سوچوں کالی بیری جانے کا ارادہ بہت مضبوط ہو چکا تھا چنانچہ وہاں سے چل پڑا۔ زمین پر سونے سے کپڑے وغیرہ گرد آلود ہو گئے تھے بال بکھرے ہوئے تھے لیکن اب مجھے ان تمام چیزوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی جو لباس پہنے ہوئے تھا غنیمت تھا اور فوری طور پر کسی لباس کی ضرورت نہیں تھی ہاں یہ دوسری بات ہے کہ زمان خان کے پاس پہنچنے کے بعد مجھے لباس

تبدیل کرنا پڑے لیکن یہ اس وقت کی بات ہے دیکھتا ہوں گووند بابا کہاں تک درست ہے اور زمان خان میرے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے۔

بازار میں پہنچا ایک حلوائی کی دکان سے حلوا پوری لے کر ناشتہ کیا اور پیٹ بھرنے کے بعد وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ دونا ماچھی کے ایک خاص علاقے میں پہنچ کر میں نے کالی بیری کے باری میں معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ تانگے یہاں سے کالی بیری جاتے ہیں اور ان کا سفر خاصا طویل ہوتا ہے لیکن تانگوں کے علاوہ اور کوئی سواری نہیں مل سکتی تھی ہاں اپنی سواری ہوتی تو دوسری بات تھی۔ چنانچہ میں بھی ایک تانگے میں جا بیٹھا کالی بیری جانے کے لئے کئی سواریاں تانگے میں بیٹھی ہوئی تھیں چونکہ میرا لباس ہندوانہ قسم کا تھا اس لئے اس سلسلے میں مجھے کوئی دقت نہ ہوئی میرے ساتھ جو سواریاں بیٹھی تھیں وہ بھی بس سیدھے سادے قسم کے دیہاتی لوگ تھے جن کی وجہ سے راستے میں مجھے نہ کوئی تکلیف ہوئی نہ ہی کسی نے کوئی سوال کیا اور نہ میں نے کسی کو جواب دیا کیونکہ گووند کہہ چکا تھا کہ اب مجھے ہندو نام سے نہیں روشناس ہونا چاہئے۔ اس طرح دقتیں آ سکتی تھیں اور میں اس کی تمام ترہدایتوں پر عمل کرنے کے لئے پوری طرح خود کو تیار کر چکا تھا۔ کالی بیری کا سفر واقعی بڑا طویل ثابت ہوا۔ گھوڑا بیچارہ بری طرح تھک گیا ہو گا۔ مجھے اس مظلوم جانور پر رحم آ رہا تھا لیکن یہ تو اس کا روزمرہ کا معمول تھا کوچوان بدستور اسے چابک رسید کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کالی بیری کا علاقہ ہمیں نظر آ گیا۔ تانگہ بستی میں داخل ہو گیا تھا۔ کچی سڑکیں تھیں پکی سڑکوں کا نام بھی نہیں تھا یہاں پر۔ بس بعض سڑکیں ایسی تھیں جن پر کنکر بچھے ہوئے تھے یا انہیں اینٹوں کو جوڑ جوڑ کر بنا دیا تھا لیکن یہ سڑکیں اور زیادہ خراب تھیں اینٹیں اتنی خراب ہو چکی تھیں کہ یہ سڑکیں بری طرح ناہموار ہو گئی تھیں۔ تانگے کو جتنی مشکل یہاں سفر کرنے میں پیش آئی تھی پورے کچے راستے پر کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ پھر تانگہ اپنے ایک اڈے پر رک گیا یہاں تمام سواریاں اتر گئیں تو میں بھی اتر گیا۔ میں نے تانگے والے کو اس کا کرایہ ادا کر دیا تھا اور اس کے بعد میں اس پُراسرار جگہ پہنچ گیا جو کالی بیری کے نام سے مشہور تھی۔ کالی بیری میں داخل ہوتے ہی مجھے چھوٹے چھوٹے مٹھ اور بڑے بڑے مندروں کے کلس نظر آ گئے تھے اس کا مقصد تھا کہ یہ مندروں کا علاقہ تھا۔ بہرطور مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی میں سوچ رہا تھا کہ اب کسی مناسب جگہ پہنچ کر زمان خان کا مکان معلوم کروں۔ میں چونکہ ہندو لباس میں تھا جس کا تذکرہ میں پہلے ہی کر چکا ہوں اس لئے مجھے یہاں اجنبی نگاہوں سے نہیں دیکھا گیا تھا۔ کافی دیر تک چلنے کے بعد میں ایک پتلے سے بازار میں پہنچ گیا۔

دکانیں دونوں طرف تھیں ان کے درمیان زیادہ سے زیادہ چار یا پانچ فٹ کی جگہ تھی لوگ آجا رہے تھے الٹی سیدھی چیزیں فروخت کی جا رہی تھیں گڑ رکھا ہوا تھا جس پر کھیاں بھنک رہی تھیں اور کھانے کی ایسی ہی چیزیں بازار میں بکھری پڑی تھیں۔ میں اس سودے بازی کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور بازار کے آخری کنارے تک پہنچ گیا۔ اب میں نے سوچا کہ زمان خاں کا پتہ معلوم کروں۔ چنانچہ میں ایک دکاندار کے سامنے رک گیا۔ مجھے یہ بات تو معلوم تھی کہ یہاں پوری بستی میں صرف ایک مسلمان کا گھر ہے۔ پتہ نہیں زمان خان ان لوگوں کے درمیان کیسے زندہ تھا وہ کیا کر رہا تھا لیکن بہرطور مجھے اس کا پتہ معلوم کرنا ہی تھا میں دکاندار کے سامنے پہنچ گیا اور دکاندار میری طرف دیکھنے لگا اس کی آنکھوں میں خوش اخلاقی کے آثار تھے۔ "کہو بالک کیا چاہئے۔"

"کچھ چاہئے نہیں بابا جی مجھے آپ سے ایک پتہ معلوم کرنا ہے۔"

"اوہو پردیسی ہو' کہیں باہر سے آئے ہو۔"

"ہاں بابا جی۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پوچھو کس کا پتہ پوچھنا ہے۔"

"زمان خان کہاں رہتا ہے؟"

"کیا؟" دکاندار چونک پڑا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آتے تھے پھر اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ "کیوں تمہیں اس مُسلے سے کیا دلچسپی ہو گئی۔"

"مجھے اس سے ملنا ہے بابا صاحب۔"

"کیوں ملنا ہے بھائی' وہ' وہ کسی ہندو کا اس سے ملنا کیا معنی رکھتا ہے۔" دکاندار نے پوچھا۔ "آپ ان تمام باتوں کو جاننے کے بجائے اگر ان کا پتہ بتا دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔" میں نے کہا اور دکاندار مشتبہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"کیا تم بھی مسلمان ہو؟"

"ہاں!" میں نے بھاری لہجے میں کہا اور اس نے نفرت سے منہ ایک طرف اٹھا دیا۔ "سیدھے چلے جاؤ آگے جا کر چوک ملے گا چوک سے الٹے ہاتھ پر گھوم جانا جب وہ سڑک ختم ہو جائے گی تو زمان خان کا مکان تمہیں نظر آ جائے گا۔" اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ میں اس کے لہجے کی نفرت اور بیزاری صاف محسوس کر رہا تھا۔ بہرطور یہی غنیمت تھا کہ اس نے مجھے پتہ تو بتا دیا تھا۔ بہرصورت میں اس کے بتائے ہوئے پتے پر چل پڑا۔ کافی فاصلے پر چلنے کے بعد مجھے وہ چوک نظر آیا۔ چوک کیا ایک چھوٹا سا گول دائرہ تھا جس میں چار راستے تھے اس لئے اسے چوک کا نام دے دیا گیا تھا۔ میں الٹے ہاتھ والے

راستے کی طرف مڑ گیا۔ یہ سڑک بھی خاصی لمبی تھی۔ سڑک کیا وہی کچی راہ تھی جس پر بیل گاڑیاں چلتی تھی لیکن جب اس کا اختتام ہوا تو میں نے ایک چھوٹی سی حویلی دیکھی لال پتھروں کی بنی ہوئی حویلی تھی' جو اب کالی پڑ چکی تھی غالباً ان پتھروں پر دوبارہ رنگ و روغن نہیں کیا گیا تھا سب سے حیرت ناک چیز جو مجھے نظر آئی وہ حویلی کے ایک سمت بنی ہوئی مسجد تھی۔ مسجد کا دروازہ باہر ہی کھلتا تھا اور اس کے گنبد پر مجھے ایک سبز جھنڈا لہراتا ہوا نظر آ رہا تھا بستی میں تنہا مسلمان کا گھر ہے اور اس نے مسجد بھی تعمیر کر ڈالی ہے بہت بڑی بات تھی اس کا مقصد تھا کہ زمان خان کی یہاں کوئی خاص ہی حیثیت تھی۔ بہرصورت مسجد کے دروازے کی طرف جانے کے بجائے میں حویلی کے بڑے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ موٹی لکڑی کے بلند و بالا دروازے کے سامنے پہنچ کر میں نے اس کی زنجیر بجائی اور چند لمحوں کے بعد ایک آدمی باہر آ گیا ہندو ہی تھا۔ ہندوانہ لباس پہنے ہوئے تھا اس نے باہر آ کر ہاتھ جوڑے۔ "جے رام جی کی مہاراج کس سے ملنا ہے۔"

"زمان خان سے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا کام ہے؟"

"یہ اسی کو بتاؤں گا" میں بھاری لہجے میں بولا اور وہ پیچھے ہٹ گیا۔ "تو پھر چلے آؤ ہمارے ساتھ۔" تعجب کی بات تھی کہ زمان خان نے اپنے ملازم بھی ہندو ہی رکھے ہوئے تھے۔ بہرطور میں اس کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس نے مجھے جس طرح جے رام جی کی کہا تھا اس سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ مجھے ہندو ہی سمجھا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ایک وسیع برآمدے میں پہنچ گیا۔ برآمدے کو عبور کر کے جب ہم ایک دوسرے دروازے پر پہنچے تو وہاں وہ شخص رک گیا اور پھر میری طرف رخ کر کے بولا۔ "نام کیا بتاؤں مہاراج کو۔"

"کوئی نام نہیں بتاؤ بس کہو کہ کوئی شخص ان سے ملنا چاہتا ہے۔" میں نے کہا۔

"عجیب بات ہے اگر وہ مجھ سے پوچھیں تو کیا بتاؤں۔"

"جو کچھ میں نے کہا ہے وہی کہہ دو۔" میں نے کہا اور وہ اندر چلا گیا۔ چند ہی لمحات کے بعد وہ باہر آیا اور مجھے اندر جانے کا اشارہ کر کے خود بھی اندر داخل ہو گیا اب ہم ایک ڈیوڑھی میں تھے۔ ڈیوڑھی سے گزر کر ہم ایک چوڑے صحن میں پہنچے۔ صحن کے اختتام پر بہت سے کمرے بنے ہوئے تھے اور سامنے ایک چبوترہ تھا جس پر سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اور اس چبوترے پر ایک بہت بڑا تخت بچھا ہوا تھا۔ تخت پر ایک قوی ہیکل جوان بیٹھا ہوا تھا۔ یہ غالباً زمان خاں تھا اس کے لباس اور چہرے سے یہ اندازہ ہوتا تھا۔

چہرے پر داڑھی بھی تھی اس کے' کلے ٹھلے کا آدمی تھا اسے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ وہ خاموش نگاہوں سے مجھے گھورتا رہا مجھے اس کے چہرے پر کوئی خاص بات نہیں محسوس ہوئی۔ چند لمحات کے بعد میں اس کے قریب پہنچ گیا اور پھر جب میں نے اسے سلام کیا تو وہ حیرت سے چونک پڑا۔ "وعلیکم السلام" اس نے بھاری لہجے میں کہا اور پھر متحیرانہ انداز میں بولا۔ "کون ہو تم' کہاں سے آئے ہو۔"

"یہ' یہ لایا ہوں میں آپ کے لئے۔" میں نے مورتی نکال کر اس کے سامنے بڑھا دی لیکن یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ اپنا ہاتھ خلا میں اِدھر اُدھر جھلا رہا تھا۔ میں نے حیرت سے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا آنکھیں بظاہر روشن تھیں لیکن وہ بے نور تھیں ہاں وہ آنکھیں بے نور تھیں وہ اندھا تھا جب اس کا ہاتھ اِدھر اُدھر گھوما اور مورتی تک نہ پہنچا تو اس نے کہا۔ "جو کچھ لائے ہو ادھر دو میرے ہاتھ میں۔" میں چونک پڑا اور پھر میں نے جلدی سے مورتی اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ زمان خان نے اس مورتی کو ٹٹول کر دیکھا۔ دیکھتا رہا اور پھر وہ اچھل پڑا۔ "یہاں اور کون موجود ہے؟" اس نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"میں ہوں سرکار۔"

"جاؤ یہاں سے۔" اس نے کہا اور جو ملازم مجھے یہاں تک لایا تھا وہ واپس پلٹ گیا۔ زمان خاں اب اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا اس کا قد بھی سات فٹ سے کم نہیں تھا۔ جسم بھی اسی مناسبت سے چوڑا تھا۔ اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ تب اس نے میرا بازو پکڑ لیا۔ "رحمان خان ہے تمہارا نام" اس نے سوال کیا۔

"ہاں' آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"بس معلوم ہو گیا' اس مورتی میں لکھا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بابا زمان خان آپ اندھے ہیں۔"

"ہاں' بیٹا میں اندھا ہوں۔ آؤ بیٹھو میرے پاس تخت پر بیٹھ جاؤ۔ بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔" زمان خان کے انداز میں ایک عجیب سی کیفیت پائی جاتی تھی اس کا چہرہ کھلا پڑ رہا تھا۔ ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ پھر اس نے میرے چہرے مہرے کو ٹٹول کر دیکھا اور گردن اور شانے پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ "ہندوانہ لباس میں ہو۔"

"ہاں۔"

"کوئی بات نہیں ہے میں تمہارے لئے نیا لباس منگوائے دیتا ہوں لباس تبدیل کر لو رحمان خان اس کے بعد بیٹھ کر آرام سے بات چیت کریں گے۔"

"مگر بابا' میرے ذہن میں بہت بڑا تجسّس ہے۔"

"نہیں بیٹا' تجسّس ذہن میں نہیں رکھتے بس تم یہ سمجھ لو کہ تم اپنے گھر آ گئے ہو' اب میں تمہیں یہاں سے کافی عرصے تک نہیں جانے دوں گا۔"

"جیسی آپ کی مرضی بابا مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے۔"

"تو پھر جاؤ' اندر چلے جاؤ' اس گھر میں عورتیں ہیں ان میں سے کچھ تم سے پردہ کریں گی محسوس مت کرنا' ٹھہرو میں کسی کو آواز دیتا ہوں۔" اس نے کہا اور دفعتاً پیچھے رخ کر کے آواز لگائی۔ "جمیلہ' اے جمیلہ!" تھوڑی دیر کے بعد درمیانی عمر کی ایک عورت باہر نکل آئی۔ اچھے قد و قامت کی عورت تھی یہ بھی' چہرے پر پکا پن تھا مگر وہ مسلمان معلوم ہوتی تھی وہ باہر آئی اور ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ "آ جاؤ' کوئی غیر نہیں اپنا ہی ہے۔" زمان خان نے کہا اور جمیلہ اندر آ گئی۔ "دیکھو یہ میرا مہمان ہے بس یوں سمجھ لو کہ میرا اپنا ہی بچہ ہے اسے لے جاؤ اور اس کے لئے لباس وغیرہ کا بندوبست کرو اور اس کے بعد ڈیوڑھی میں کھانا لگا دو۔"

"جی بڑے سرکار!" جمیلہ نے جواب دیا اور میری طرف رخ کر کے بولی۔ "آؤ میاں اندر آ جاؤ۔" میں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ جمیلہ بڑی چنک مٹک قسم کی عورت تھی اس کی چال میں ایک عجیب سا بانکپن تھا اندر آتے ہی اس کے چہرے کے خدوخال بدل گئے۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا عجیب سی نگاہیں تھیں اس کی مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھنے کے بعد وہ بولی۔ "کہاں سے آئے ہو میاں۔"

"یہ بات تمہیں زمان خاں بابا ہی بتا سکتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تم بھی کچھ بتا دو۔ بڑے گبھرو نوجوان ہو ماشاء اللہ آؤ چلو تمہیں غسل خانہ دکھا دوں۔ اندر جاؤ کپڑے میں لے آتی ہوں تمہارے لئے۔ تمہارا ناپ تو دیکھ لوں۔" اس نے کہا اور میرے بالکل قریب آ گئی۔ مجھے اس عورت کے انداز میں ایک عجیب سی بات محسوس ہوئی تھی جو مجھے پسند نہیں آئی تھی پتہ نہیں کیسی عورت تھی۔ بہرطور میں نے اس کے کسی کام میں مداخلت نہیں کی اور چند لمحات کے بعد وہ مسکراتی ہوئی اس غسل خانے کے پاس پہنچ گئی جو ایک کمرے سے ملحق تھا۔ "جاؤ نہا لو۔ ٹھنڈا گرم پانی دونوں موجود ہیں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں تمہارا لباس لے آتی ہوں۔ دروازہ بجا کر لباس دے دوں گی۔" اس نے کہا اور میں غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ غسل خانے میں پہنچنے کے بعد میں نے کنڈی بند کی اپنا لباس اتارا اور ان نلوں کی طرف دیکھنے لگا جن میں ایک پر ٹھنڈا اور ایک پر گرم لکھا ہوا تھا۔ تعجب کی بات تھی اس چھوٹے سے غیر معروف

علاقے میں اس قسم کے انتظامات کر لئے گئے تھے۔ بہرطور گرم پانی سے نہانے کو جی چاہ رہا تھا اس طرح بھی تھکن بھی اتر جاتی۔ چنانچہ میں نے اچھی طرح گرم پانی سے غسل کیا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس غسل سے ساری تھکن دور ہو گئی تھی۔ پھر میں نے جمیلہ کے لائے ہوئے کپڑے پہنے اور غسل خانے سے باہر نکل آیا۔ جمیلہ کو اس کمرے میں دیکھ کر میں چونک پڑا۔ بڑی بے باک نگاہیں تھیں اس کی حالانکہ اچھی خاصی عمر کی عورت تھی لیکن پتہ نہیں کیوں مجھے اس کی نگاہوں میں عجیب سی بات نظر آئی۔ اس کی وجہ کیا تھی میرا ذہن ابھی یہ سب کچھ سمجھنے سے قاصر تھا حالانکہ میں اب اتنا کم سن بھی نہیں رہا تھا کہ ان باتوں کو سمجھ نہ سکوں لیکن پتہ نہیں کیوں ذہن اس طرف راغب نہیں ہوتا تھا۔ وہاں سے میں ڈیوڑھی میں آگیا۔ جمیلہ نے مجھے آرام کرنے کے لئے کہا اور بولی۔ "یہاں' یہاں آرام سے بیٹھو۔ میں کھانا لگاتی ہوں تمہارے لئے۔" میں نے جواب نہیں دیا وہ اندر چلی گئی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ ایک تھال لئے ہوئے اندر آگئی۔ تھال میں عمدہ قسم کا بھنا ہوا گوشت اور روٹیاں تھیں اس نے کٹی ہوئی پیاز اور پانی کے گلاس وغیرہ بھی میرے سامنے رکھ دیئے پھر ایک کونے میں کھڑی ہو گئی۔

"بس تم جاؤ میں کھا لوں گا۔"

"نہیں میاں گرم گرم روٹیاں تیار ہو رہی ہیں میں لاتی رہوں گی۔" جمیلہ نے جواب دیا اور میں گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ پھر میں نے کھانا شروع کر دیا ازراہ تکلف جی چاہا تھا کہ ایک بار جمیلہ سے بھی پوچھوں لیکن عورت ذات تھی پتہ نہیں کیوں ہمت نہیں پڑی چنانچہ میں اپنی اس خواہش کو دل میں دبا کر خاموش ہو گیا۔ ویسے یہ کام میں اخلاقاً کرنا چاہتا تھا ورنہ جمیلہ کچھ ایسی بے باک واقع ہوئی تھی کہ اس سے زیادہ بے تکلف ہوتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ نیا ماحول تھا اجنبی جگہ تھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ گووند سے کیسے تعلقات تھے اور اس مورتی کو ٹٹولنے کے بعد زمان خاں نے مجھے رحمان خان کیوں سمجھ لیا تھا میرا ذہن یہ گتھی سلجھانے سے قاصر رہا تھا۔ بہرطور ابھی تو حالات دیکھنے تھے۔ تیل دیکھنا تھا تیل کی دھار دیکھنا تھی۔ دیکھوں تو سہی ہوتا کیا ہے۔ وقت گزرتا رہا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جمیلہ تھال وغیرہ اٹھا کر لے گئی۔ وہ مجھ سے کچھ کہہ کر نہیں گئی تھی۔ میں وہیں ڈیوڑھی میں ایک پلنگ پر دراز ہو گیا تھا کھانا کھانے کے بعد کسلمندی سی طاری ہو گئی تھی۔ کافی دیر تک میں آرام کرتا رہا پھر جمیلہ ہی میرے کمرے میں آئی۔ "میاں نے بلایا ہے" اس نے کہا۔ وہ غالباً زمان خان کو بھی میاں ہی کہتی تھی میں اٹھ کر اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ صحن سے گزر کر میں برآمدے میں پہنچ گیا جہاں

زمان خان ایک سرکنڈے کے موڑھے پر بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ میں ان کے نزدیک ہی سلام کر کے بیٹھ گیا۔ زمان خان مجھ سے پوچھنے لگا کہ مجھے کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں ان کی عنایت سے بالکل ٹھیک ہوں۔ تب زمان خان نے کہا۔

"دیکھو رحمان خان یہاں آرام سے رہو جس طرح دل چاہے وقت گزارو۔ یہاں کے ماحول کے بارے میں تھوڑا بہت میں تمہیں بتا دوں گا یہاں انتہائی متعصب قسم کے ہندو رہتے ہیں ان لوگوں سے ہوشیار رہنا بے حد ضروری ہے۔" میرا مقصد ہے کہ کوئی ایسا کام مت کرنا جس سے وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائیں۔ انشاء اللہ ان کی یہ جرأت تو نہیں ہو سکتی کہ وہ تمہاری طرف ٹیڑھی نگاہ سے بھی دیکھیں لیکن پھر بھی محتاط رہنا ضروری ہے۔ میرا دل چاہا کہ زمان خاں کو اپنے بارے میں ساری تفصیل بتا دوں۔ پتا نہیں اس بیچارے اندھے شریف آدمی کو گووند جیسا آدمی دھوکے میں رکھ رہا تھا یا کوئی اور بات تھی۔ بڑی دیر تک میں اس سلسلے میں سوچتا رہا لیکن پھر اپنے آپ کو باز رکھا یہ سوچ کر کہ اگر حالات فوراً ہی خراب ہو گئے تو میرا کیا ہوگا۔ ابھی تو دل جمعی سے یہاں کوئی وقت گزار بھی نہیں سکا تھا۔ زماں خاں مجھ سے بڑی ہی پُر محبت باتیں کرتے رہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے میرے ماضی کے بارے میں پوچھا تو یہ پوچھا کہ میں اس وقت کہاں سے آ رہا ہوں کیوں آ رہا ہوں۔ بس وہ ایسی ہی رسمی قسم کی گفتگو کر رہے تھے پھر انہوں نے کہا۔ "کل سے اگر تم چاہو تو علاقے کی سیر بھی کر سکتے ہو' میرا مقصد یہ ہے کہ تم یہاں پوری تسلی اور اطمینان سے رہو' کوئی چیز ایسی نہ ہو جس سے تمہیں تکلیف پہنچے جہاں جی چاہے گھومتے پھرو۔ بس جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا خیال رکھنا۔" میں نے اثبات میں گردن ہلا دی رات ہو گئی کھانے پینے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں سونے لیٹ گیا لیکن کافی رات گئے تک بستر میں کروٹیں بدلتا رہا۔ نیند نہیں آئی تھی۔ جمیلہ بار بار آ جاتی تھی اور مجھ سے ہنسی مذاق کی باتیں کرنے لگتی تھی۔ بہرطور یہاں اس کا دم میں نے غنیمت جانا اب طبیعت کی جیسی بھی تھی اسے تو برداشت کرنا ہی تھا۔ ویسے میں کسی بھی قسم کی برائی اپنے ذہن میں نہیں پا رہا تھا۔ جمیلہ کے بارے میں بھی میں نے عجیب سے انداز میں سوچا تھا اور پھر رات کو سونے سے قبل میں نے ڈیوڑھی کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔

ویسے باہر سے آنے والے کے لئے یہی ایک راستہ تھا اس سے گزرے بغیر نہیں جایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ جو شخص بھی آتا پہلے ڈیوڑھی میں سے گزر کر ہی اندر داخل ہوتا اس لئے ڈیوڑھی کا دروازہ اندر سے بند کرنا مناسب بات نہیں تھی تاہم میں نے یہ سوچا

تھا کہ اگر کسی کو باہر جانا ہو تو وہ دروازہ کھٹکھٹا کر مجھ سے دروازہ کھلوا بھی سکتا ہے اب اتنی شاہانہ طبیعت تو تھی نہیں میری' وقت نے مجھے ہر طرح کے حالات میں زندگی گزارنے کا عادی بنا دیا تھا اور اس سلسلے میں اب مجھے کوئی تردد نہیں تھا نہ جانے رات کے کون سے پہر میں گہری نیند سو گیا۔ دوسری صبح آنکھ کھلی معمول کے مطابق اٹھا' غسل کیا' جمیلہ صبح ہی صبح نازل ہو گئی تھی۔ مجھے دیکھ کر ہنس پڑی۔ "کیوں کیا میرے سر پر سینگ اُگ آئے ہیں۔" پتہ نہیں مجھے اس کی ہنسی اس وقت کیوں بری لگی تھی۔

"نہیں میاں' رات کا خمار آنکھوں سے چھلک رہا ہے ایسی لال لال آنکھیں ہو رہی ہیں کہ بس کیا بتاؤں۔"

"ڈر لگ رہا ہے تمہیں؟"

"ڈر نہیں لگ رہا میاں' ہنسی آ رہی ہے۔" جمیلہ نے کہا اور منہ میں دوپٹہ لے کر ہنستی ہوئی چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے ناشتہ لگا دیا۔ ناشتے کے ساتھ ساتھ ہی زمان خان بھی اندر چلے آئے۔ وہ ڈیوڑھی میں میرے ساتھ ناشتہ کرنے بیٹھ گئے۔ بہت عمدہ ناشتہ تھا۔ پیالے میں مکھن بھرا ہوا تھا۔ عمدہ قسم کی روٹیاں پکی ہوئی تھیں اور پھر کئی چیزیں تھیں میں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ زمان خاں بھی میرے ساتھ ناشتہ کر رہے تھے اور پھر چائے پینے کے بعذ وہ میرے پاس سے اٹھ گئے۔ "گھوڑا تیار ہے میاں' باہر کھڑا ہوا ہے اگر دل چاہے تو سیر کے لئے نکل جانا اور ہاں سنو تمہارے کچھ لباس اور تیار کرانے پڑیں گے۔ جمیلہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ تمہارے جسم پر جو لباس فٹ آیا ہے وہ زیادہ نہیں ہیں۔"

"نہیں زمان خان صاحب! ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔"

"دیکھو میاں مجھے چچا جان کہو تو بہتر ہے تم مجھے زمان خاں کہہ کر مخاطب نہ کرنا۔ کوئی اگر تم سے پوچھے بھی کہ تم کون ہو تو کہہ دینا کہ زمان خان کا بھتیجا ہوں۔"

"جی بہتر۔" میں نے جواب دیا اور زمان خان باہر نکل گیا۔ میں نے تکلف کرنے کی کوشش کی تھی لیکن زمان خاں نے اس محبت سے مجھے منع کر دیا تھا کہ میں سوچتا ہی سوچتا رہ گیا۔ پتہ نہیں اس شریف آدمی کو کیا غلط فہمی ہو گئی تھی یہ تو طے شدہ بات تھی کہ گووند ہندو تھا اور یہاں کے ہندو متعصب بہت تھے۔ گووند نے مجھے جو چند باتیں بتائی تھیں انہوں نے مجھے اس سے عقیدت تو دلا دی تھی لیکن اس کے باوجود میں یہ فراموش نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ہندو ہے اور ہندو کوئی بھی چال چل سکتا تھا۔ کافی دیر تک میں اس غور و خوض میں ڈوبا رہا پھر میں نے سوچا کہ جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ کم از کم کالی

بیری کے علاقے کی سیر تو کر لوں۔ چنانچہ میں حلیہ وغیرہ درست کر کے باہر نکل آیا باہر سفید رنگ کا شاندار گھوڑا کھڑا تھا۔ ایک ملازم اس کے قریب موجود تھا جو یقیناً ہندو تھا کیونکہ اس کے گھٹے ہوئے سر کے پچھلے حصے میں ایک چوٹی لٹکی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "جے رام جی کی مہاراج!" میں نے سر کی جنبش سے اس کا جواب دیا۔ اس نے گھوڑے کی باگیں پکڑ کر مجھے تھما دی تھیں۔

"سرکار ہم چلیں یا آپ گھوڑا چلا لیں گے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے لگام لے لی اور پھر ایک چھلانگ لگا کر میں گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ وہ شخص کھڑا مجھے دیکھتا رہا تھا کافی دور نکل آنے کے بعد میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ اب دوسری جگہ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔ ویسے میں اس علاقے کو نگاہ میں رکھنا چاہتا تھا۔ بار بار زمان خان کا پتہ پوچھنا مناسب نہیں تھا۔ مجھے خود بھی ان تمام راستوں کو جان لینا چاہئے۔ گھوڑے پر بیٹھ کر میں کالی بیری کے مختلف علاقوں کی سیر کرنے لگا۔ میں سیدھا چلا گیا تھا چونکہ راستوں کا مجھے کوئی خاص علم تو نہیں تھا ویسے کالی بیری کے مکانات اونچے نیچے تھے اور درختوں کی اوٹ سے صاف نظر آ رہے تھے جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہاں کی زمین کافی وسیع و عریض ہے اور یہ کوئی چھوٹی موٹی جگہ نہیں ہے جگہ جگہ مندروں کے کلس بکھرے ہوئے تھے۔ عجیب و غریب قسم کے مندر تھے بعض پر تو چونا وغیرہ کیا ہوا تھا اور بعض بالکل کالے ہو رہے تھے ان کی اینٹوں پر کائی جمی ہوئی تھی اور بہت سے جانور' کبوتر' کوے وغیرہ ان پر بیٹھے نظر آ رہے تھے میں نے لمبے لمبے مینار نما مٹھ بھی دیکھے جن کے نیچے چھوٹی سی ایک عمارت بنی ہوئی تھی اور اس عمارت میں بڑے بڑے طاق بنے ہوئے تھے۔ ان طاقوں میں پھول اور مٹھائیوں کے دونے اور پتہ نہیں کیا کیا چیزیں رکھی نظر آ رہی تھیں جو سڑ رہی تھیں انہیں کوئی کھانے والا نہیں تھا۔ کہیں کہیں پوجاپاٹ کے مناظر بھی نظر آ جاتے تھے۔ میں خاصی دور تک سیر کرتا ہوا آخر ایک ایسے تالاب پر جا نکلا جو چاروں طرف سے خوشنما درختوں میں گھرا ہوا تھا یہ جگہ مجھے خاصی پسند آئی اور میں تالاب کے کنارے گھوڑا روک کر اتر گیا۔ میں نے گھوڑے کو ایک سوکھے سے درخت کے تنے سے باندھا اور سیر کرتا آگے بڑھنے لگا۔ تالاب پر کچھ لوگ نظر آ رہے تھے ایک مختلف حصے میں عورتیں شاید نہا رہی تھیں۔ یقیناً یہ ہندو ہوں گی۔ کیونکہ میں نے سنا تھا کہ یہ عورتیں تالاب پر نہاتی ہیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر مجھے ایک مندر کی سیڑھیاں نظر آئیں۔ تالاب کے بالکل پیچھے ایک مندر تھا جس میں سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اور ان سیڑھیوں کے ذریعے پانی تک جا سکتے تھے۔ خاصی دلچسپ جگہ تھی میں اس طرف

جانا پسند نہیں کرتا تھا جدھر عورتیں نہا رہی تھیں کیونکہ یہ ویسے بھی غیر اخلاقی اور معیوب سی بات تھی چنانچہ میں نے دوسری سمت کا رخ کیا اس طرف بڑھتا ہوا جب ایک درخت کی آڑ سے باہر نکلا تو مجھے دو آدمی نظر آئے دبلے پتلے جسم کا ایک ملازم قسم کا آدمی تھا اور دوسرا ایک اچھا خاصا ہٹا کٹا ہندو تھا۔ بڑی بڑی مونچھیں اور سرخ سرخ ہونٹ اس کی آنکھیں بھی کافی بڑی بڑی تھیں۔ سر گھٹا ہوا تھا اور اس پر چوٹی پڑی نظر آ رہی تھی۔ وہ خالص ہندوانہ قسم کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے ایک دم حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں اور میں آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ مجھے تعجب خیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور پھر اس کے چہرے پر نفرت کے آثار بھر آئے تھے۔ "ارے او ہرے!" اس نے عجیب سے لہجے میں اپنے ملازم کو آواز دی اور ملازم جلدی سے دوڑ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔"

"کیا بات ہے پنڈت جی۔"

"دیکھ رے دیکھ میری آنکھیں جو دیکھ رہی ہیں تو بھی دیکھ رہا ہے۔" پنڈت جی نے کہا یہ شخص ملازم تھا لیکن یہ ملازم بھی اچھی خاصی شکل و صورت کا مالک تھا ہو سکتا ہے کوئی غریب آدمی ہو اپنے حالات سے مجبور ہو کر اس پنڈت کے ہاں ملازمت کر رہا ہو۔

"کیا دیکھ رہی ہیں پنڈت جی آپ کی آنکھیں۔"

"ارے پلٹ کر دیکھ اُلو کی طرح منہ اٹھائے میری ہی صورت دیکھے جا رہا ہے۔" پنڈت نے کہا اور وہ پلٹ کر مجھے دیکھنے لگا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ اشارہ میری جانب ہے لیکن میں نے ان کی طرف توجہ نہ دی۔ البتہ میں وہیں کھڑا ہو گیا تھا ہریا نے مجھے دیکھا اور پھر پنڈت جی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں مہاراج' دیکھا میں نے۔"

"یہ کپڑے کیا بتا رہے ہیں رے یہ تو مسلمان معلوم ہوتا ہے۔" پنڈت اچھی خاصی کھلی زبان میں بولا۔ اس نے آواز دبانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

"ہاں پنڈت جی مسلمان ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"کمال ہے ایک ہی کیا کم تھا جو دوسرا بھی آ گیا بستی میں' اب اور آئیں گے بڑھتے چلے جائیں بڑھتے چلے جائیں گے۔" پنڈت نے نفرت بھرے لہجے میں کہا اور میں آہستہ آہستہ ان کے قریب پہنچ گیا۔

"آپ میرے بارے میں باتیں کر رہے ہیں پنڈت جی۔"

"ہاں اور کس کے بارے میں باتیں کر رہا ہوں۔ کون ہو تم۔" پنڈت جی نے سوال

کیا۔

"کیوں آپ کو میرا یہاں آنا ناگوار گزرا ہے۔"

"میری بات کا جواب دو کون ہو تم۔"

"رحمان خاں ہے میرا نام۔"

"واہ شکل و صورت سے بھی رحیم ہی لگتے ہو مگر رحیموں کی گنجائش کم ہے۔"

"آپ کا تعارف پوچھ سکتا ہوں پنڈت جی۔" میں نے بھی کسی قدر طنزیہ لہجہ اختیار کر کے کہا میں نے محسوس کیا تھا کہ ان کی نگاہوں میں میرے لئے نفرت ہے۔

"دیوداس ہے میرا نام' پنڈت دیو داس اور یہ میرا ملازم ہریا۔"

"خوب خوب میں اپنا نام آپ کو بتا ہی چکا ہوں میرا نام رحمان خان ہے۔"

"ایک خان کیا کم تھا جو دو ہو گئے۔" دیو داس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ "تم رہتے کہاں ہو؟"

"زمان خان کے گھر پر۔" میں نے جواب دیا اور پنڈت دیوداس کو جیسے ایک جھٹکا لگا اس کے انداز میں ایک دم سستی سی آ گئی تھی اس کی نگاہوں میں پہلے جو تیکھا پن تھا اب نہیں تھا۔ اس نے نفرت سے "ہوں" کہا اور دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ ہریا مسکراتی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا پھر اس نے آنکھ سے اشارہ کیا مجھے اور میری سمجھ میں یہ اشارہ نہیں آیا۔ میں چند لمحات وہیں کھڑا رہا پھر جب دیوداس کو اپنے کام میں مصروف دیکھا تو میں وہاں سے آگے بڑھ گیا دیو داس پتے سے بنے ہوئے ایک دونے میں پھول اور پتہ نہیں سندور رکھ کر پانی میں لا رہا تھا۔ میں وہاں سے آگے بڑھ گیا دیوداس کی نفرت میری سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن دیوداس کے ساتھ ساتھ ہریا بھی تو تھا جس نے مجھے نفرت کی نگاہوں سے نہیں دیکھا تھا۔ بہرطور یہ بات تو پتہ چل ہی گئی تھی کہ یہاں کا ماحول بڑا متعصب ہے اور یہاں صرف ایک مسلمان کا گھر ہے پتہ نہیں زمان خاں کس طرح ان لوگوں کے درمیان رہ رہے تھے اور میں نے محسوس کیا کہ وہ معمولی انداز میں نہیں رہ رہے بلکہ ان کا ایک مقام ہے۔ صورتِ حال بھی کچھ بہتر ہی سی نظر آئی تھی۔ حویلی خاصی وسیع تھی جس میں زمان خان رہتے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے کوئی اس حویلی کی طرف بری نظر سے دیکھنے کی بھی جرأت نہیں رکھتا۔ پتہ نہیں اتنے سارے متعصب ہندوؤں کے درمیان زمان خان کس طرح اپنی گزار رہے تھے۔ بہرطور میں یہاں کے عجائبات دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا ایک مندر کے سامنے پہنچ کر میں نے گھوڑا روک دیا یہاں بہت سارے لوگ پوجا پاٹ میں مصروف تھے مجھے کالکا مندر کی تلاش تھی جہاں رچنا کو جادو اتروانے

کے لئے لایا جانے والا تھا۔ پتہ نہیں کیوں جب بھی اس کی صورت میری نگاہوں میں آتی میرے دل پر ایک عجیب سا اثر ہونے لگتا تھا حالانکہ میں اسے بالکل بہن کی مانند سمجھتا تھا۔ روہن کے اچھے سلوک نے مجھے بہرطور متاثر کیا تھا۔

حالانکہ برا سلوک تو میرے ساتھ شیکھر جی نے بھی نہیں کیا تھا لیکن تعصب کا کیا کیا جاتا جو ان کے سینوں میں جاگزیں تھا جب کہ روہن بیچارہ ایک انسان تھا اور صرف انسانوں سے محبت کرنے کا عادی تھا۔ میں اس کا ممنون کرم تھا اور میں نے سوچا تھا کہ اگر مجھے کبھی روہن کا احسان اتارنے کا موقع ملا تو اس سے گریز نہیں کروں گا۔ کافی دور چلنے کے بعد ایک جگہ گھوڑا روکا اور وہاں رک کر ایک آدمی کو مخاطب کیا۔ "سنو بات سنو" میں نے اس سے کہا اور وہ ٹھٹک کر میری طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے میرے لباس کو دیکھا گھوڑے کو دیکھا اور اس کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات نظر آئے۔ "کیا بات ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"کالکا مندر کہاں ہے؟"

"کالکا مندر یہاں کہاں وہ تو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"ادھر سے آرہے ہو نا تم؟" اس نے سوال کیا۔

"ہاں!"

"تو یہاں سے جو سیدھے ہاتھ پر راستہ جاتا ہے اس سے اگر تم پانچ میل دور چلے جاؤ تو پھر تمہیں کالکا مندر نظر آئے گا۔"

"اوہو وہ کافی دور ہے یہاں سے۔" میں نے کہا۔ وہ میری بات کا انتظار کئے بغیر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ یہاں کے لوگوں کا رویہ بالکل بھی اچھا نہیں تھا۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد میں ایک جگہ ستانے کے لئے بیٹھ گیا جہاں بڑے بڑے درخت جھول رہے تھے۔ درختوں پر آم لگے ہوئے تھے لیکن میں نے ان میں سے کسی آم کو توڑنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ ناجائز بات تھی تھوڑی دیر بعد ایک مالی ادھر نظر آیا وہ مجھے دیکھ کر چونکا اور پھر میرے لباس کو دیکھ کر سنبھل گیا۔ "کون ہیں مہاراج آپ؟" اس نے کسی قدر نرم لہجے میں پوچھا تھا۔

"رحمان خاں ہے میرا نام' زمان خان کا مہمان ہوں۔"

"اوہو' بڑے سرکار کے مہمان ہیں آپ!" اس نے ایک دم مؤدب ہو کر کہا۔

"تم جانتے ہو زمان خان کو۔"

"او سرکار جانتے کیا ہیں یہ باغ انہی کا ہے ہم تو نوکر ہیں ان کے۔ آیئے سرکار' اندر ہماری جھونپڑی بنی ہوئی ہے آپ نے کچھ جل پانی۔"

"نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے ویسے میں تمہاری جھونپڑی ضرور دیکھوں گا اکیلے رہتے ہو۔"

"جی سرکار' مالی ہیں ناں یہیں رہتے ہیں۔"

"اور بیوی بچے کہاں رہتے ہیں۔"

"بیوی بچے ہی نہیں ہیں سرکار تو رہیں گے کہاں۔ ہم برہمچاری ہیں۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی جھونپڑی کے قریب پہنچ گیا۔ گھوڑا یہاں میں نے ایک جگہ چھوڑ دیا تھا اور وہ آرام سے گھاس چر رہا تھا۔ مالی نے جلدی سے جھونپڑی سے چارپائی نکالی اور اس کے باہر جھاڑ جھنکار سے بنے ہوئے احاطے میں ڈال دیا۔ یہاں ایک درخت سایا کئے ہوئے تھا۔ بڑی اچھی جگہ تھی بڑی خوشگوار ہوا تھی میں وہاں بیٹھ کر ستانے لگا۔ مالی مجھ سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہو گیا تھا۔ "کیا لائیں سرکار آم کھائیں گے۔"

"نہیں بھئی تمہارا بہت بہت شکریہ پھر کبھی کھائیں گے۔"

"ہم گھر پر پہنچا دیں گے سرکار ایک پیڑ کے آم پکنے والے ہیں ویسے ابھی موسم شروع نہیں ہوا ہے لیکن اس پیڑ کے آم ہمیشہ پہلے سے پک جاتے ہیں۔ بڑے سرکار کے پاس پہنچانے تھے یہ آم ابھی دو تین دن کے بعد توڑیں گے ہم انہیں۔" مالی نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

"تو پھر کچھ اور لائیں سرکار؟"

"نہیں بھئی بس تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور سرکار ضرورت۔" مالی میرے کچھ اور قریب آگیا۔ وہ زمین پر بیٹھا ہوا تھا اور میں چارپائی پر حالانکہ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی لیکن یہاں کا دستور ہی ایسا تھا اس دستور سے مخالفت کرنا مناسب نہیں تھا چنانچہ میں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی۔

"مالی بابا نام کیا تمہارا۔"

"شام ہے سرکار۔"

"مالی بابا ایک بات پوچھوں سچے دل سے بتاؤ گے۔"

"ہاں مہاراج کیوں نہیں ہم نوکر ہیں آپ کے۔ جب ہمارے مالک کے مہمان ہیں تو پھر ہمارے مالک ہی ٹھہرے۔"

"میں زمان خان کا بھتیجا ہوں۔"

"اوہو سرکار ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا کہ مالک کے بھتیجے ہیں آپ۔"

"ہاں۔"

"ویسے سرکار! شام آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہے۔"

"شام' میں تم سے یہاں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"کالی بیری کے بارے میں سرکار!" اس نے سوال کیا۔

"ہاں' میں شہر سے آیا ہوں۔ کالی بیری کے بارے میں' میں نے سنا تو بہت کچھ تھا مگر آیا پہلی بار ہوں۔ یہاں کے حالات مجھے بہت عجیب سے نظر آتے ہیں پہلی بات تو یہ کہ تمہارے مالک کا ایک ہی مکان ہے اس پوری بستی میں اور چاروں طرف تمہاری ذات کے لوگ رہتے ہیں۔"

"ہاں سرکار' مالک اس بستی کے بہت بڑے آدمی ہیں۔ بہت بڑے زمیندار ہیں اور آس پاس کے بہت سے راجاؤں سے ان کے تعلقات ہیں۔ اتنی بڑی شخصیت کے مالک ہیں سرکار کہ اگر کوئی ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھے تو ہزاروں آدمی کالی بیری پر چڑھ بیٹھیں اور یہاں قتل عام ہو جائے۔"

"اوہو ان کا تعلق کسی خاص راجہ سے ہے۔"

"راجہ تو نہیں سرکار بس ہندو ریاستیں ہیں کچھ' مالک پر جان نچھاور کرتی ہیں۔ اگر یہ ریاستیں مسلمان ہوتیں تو شاید حکومت بھی اس بات کی اجازت نہ دیتی کہ آپس میں جھگڑا کیا جائے۔ مگر ہندو راجہ ہیں جو مالک کے دوست ہیں اور مالک پر اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے ہیں۔"

"واہ' یہ تو بڑی عجیب بات ہے کیا کبھی کوئی ایسا ہنگامہ ہو چکا ہے یہاں۔"

"کئی بار سرکار' مقامی ہندوؤں نے یہ کوشش کی کہ بڑے مالک سے یہ علاقہ خالی کرالیں لیکن مالک کے ایک اشارے پر ہزاروں آدمی یہاں داخل ہو گئے۔ انہوں نے تلواریں سونت لیں۔ بندوقیں نکال لیں اور قتلِ عام کے لئے تیار ہو گئے وہ تو بڑے مالک ہی نے منع کر دیا انہیں ورنہ شاید یہاں ایک بھی ہندو زندہ نہ رہتا۔" میں نے گردن ہلائی اب یہ معمہ حل ہو گیا تھا کہ زمان خان کی یہ پوزیشن کیوں ہے پھر میں نے شام سے پوچھا۔

"شام تمہیں حیرت تو ضرور ہو گی کہ میں زمان خان کا بھتیجا ہونے کے باوجود یہ سب معلومات تم سے حاصل کر رہا ہوں لیکن میں بتا چکا ہوں کہ میں نے ساری زندگی شہر میں گزاری ہے اور بہت عرصے کے بعد یہاں آیا ہوں بلکہ یہ سمجھو کہ کالی بیری میں تو پہلی

بار ہی آیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سرکار آپ مالک ہیں ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔"

"میں تم سے کچھ اور معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں پوچھیں سرکار۔"

"یہ تمہارے بڑے سرکار کی آنکھوں کو کیا ہوا وہ اندھے کیسے ہو گئے؟" میں نے پوچھا۔

"سرکار آپ نہیں جانتے یہ بات۔"

"میں نے کہا ناں' نہیں جانتا اگر جانتا تو تم سے کیوں پوچھتا۔" میں نے سادہ لوح مالی سے سوال کیا۔ سادہ لوح مالی کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔

"بڑے سرکار بزرگ ہیں وہ چلے کھینچتے رہتے ہیں اور بہت سے علم جانتے ہیں بڑے بڑے سادھو ان کے سامنے آنے سے کتراتے ہیں چونکہ بڑے سرکار کا علم ان سب سے کہیں زیادہ ہے۔ بڑے سرکار چلہ کشی کے ہی دوران اپنی آنکھیں کھو چکے ہیں۔ مگر ان کے من کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ وہ اپنے من کی آنکھوں سے اتنی دور تک دیکھ لیتے ہیں کہ منش سوچ نہیں سکتا۔ بہت سی ایسی باتیں جو انہیں معلوم ہو جاتی ہیں اور دوسرے لوگوں کو اس کا پتہ بھی نہیں چل پاتا بس اس لئے بڑے مالک کی آنکھیں گئی ہیں۔"

"کب گئی تھیں یہ آنکھیں۔"

"اب تو آٹھ نو سال ہو گئے۔ سرکار ہم تو بچپن ہی سے ان کے ساتھ ہیں۔"

"ٹھیک' اچھا شام یہ بتاؤ کہ یہ کالکا مندر کیا چیز ہے۔"

"مندر ہے سرکار بڑا خطرناک مندر ہے وہاں پجاریوں کا راج ہے۔ بڑے بڑے مہان سادھو وہاں رہتے ہیں۔ دور دور سے وہاں لوگ اپنے علاج کے لئے آتے ہیں اور ٹھیک ہو کر چلے جاتے ہیں۔ بڑی پوتر جگہ ہے مہاراج۔"

"اچھا اس کے بارے میں کوئی اور بات۔"

"باتیں تو بہت سی ہیں سرکار بہت کچھ ہوتا رہتا ہے۔ پر ہمیں اس سلسلے میں کچھ زیادہ نہیں معلوم۔" پتہ نہیں کیوں مجھے محسوس ہوا تھا کہ شام کوئی خاص بات چھپا گیا ہے۔ بہر طور میں نے اس سے اس سلسلے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں کیں۔ جو کچھ اس سے پتہ چلا تھا وہ میرے لئے بہت کافی تھا کم از کم مجھے اس بات کی تسلی تو ہو گئی تھی کہ زمان خاں یہاں ایک مضبوط حیثیت کیوں رکھتا ہے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ زمان خان نے مجھے رحمان کی حیثیت سے کیوں تسلیم کر لیا تھا جب میں وہاں سے واپس چلا تو یہ

بات میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ صورت حال بگڑنے سے پہلے مجھے چاہئے کہ میں کچھ نہ کچھ ایسا کام کرلوں جو میری پوزیشن خراب نہ ہونے دے۔ زمان خاں جیسے آدمی کو دھوکے میں رکھ کر اس کے ساتھ رہ کر اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا بڑی احمقانہ بات تھی۔ مجھے یہ بھی پتہ نہ تھا کہ زمان خاں کے ساتھ اس کے گھر میں کتنے آدمی رہتے ہیں۔ ویسے میں نے محسوس کیا تھا کہ اس کے گھر میں ملازم زیادہ تر ہندو ہیں۔ وہ جمیلہ کون تھی اس کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات نہیں تھی لیکن زمان خاں نے یہی بتایا تھا کہ وہ گھر کی ملازمہ ہے۔ عجیب و غریب عورت تھی اس کا خیال جب مجھے آتا پتہ نہیں کیوں ایک شرم سی میرے اوپر مسلط ہو جاتی تھی وہ مجھے ایسی نگاہوں سے دیکھتی تھی کہ مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میں بے بس ہو گیا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد میں زمان خاں کی حویلی واپس آرہا تھا شام جھک آئی تھی۔ زمان خان معمول کے مطابق ڈیوڑھی میں بیٹھے حقہ پی رہے تھے میرے قدموں کی آہٹ سن کر انہوں نے گردن اٹھائی اور حقہ کی نالی منہ سے نکال کر بولے۔ "گھوم آئے رحمان خاں؟"

"جی چچا جان! آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپ کو چچا جان کہا کروں۔"

"ہاں' بیٹا بڑا اچھا کرتے ہو مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔" میں ان کے پاس آبیٹھا۔

"کہو کیا دیکھا کالی بیری میں' کیسی لگی۔"

"بڑی عجیب جگہ ہے چچا جان انتہائی عجیب۔"

"ہاں' اس میں کوئی شک نہیں ہے لوگوں نے تمہیں دیکھا ہوگا۔ نفرت سے منہ بگڑے ہوں گے۔"

"ہاں اس کی کیا وجہ ہے۔"

"بھئی تعصب ہے اور اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں زمان خان صاحب۔"

"ارے ارے پھر زمان خاں چچا جان کیوں نہیں کہتے ہیں۔"

"بعد میں کہوں گا اگر آپ نے اجازت دی۔" میں نے اپنے فیصلے کے تحت کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔" زمان خان متحیرانہ انداز میں میری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"زمان خاں صاحب سب سے پہلے تو میں یہ بتا دوں کہ میرا نام رحمان خاں نہیں ہے اس کے بعد میں یہ بھی بتا دوں کہ میں دونا ماچھی میں بے یارو مددگار بھٹک رہا تھا کچھ ایسے حالات پیش آئے تھے مجھ پر کہ اگر آپ سنیں گے تو آپ کو بھی مجھ پر رحم آجائے گا۔ تب مجھے گووند نامی ایک سادھو ملا اس نے مجھ سے کہا کہ اگر میں کالی بیری جانا چاہتا ہوں تو زمان

خاں کے پاس ہی جاؤں اور اس نے مجھے بندر کی شکل والی مورتی دی تھی اور کہا تھا کہ یہ مورتی زمان خاں صاحب کے ہاتھ میں دے دوں۔ اس نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ آپ معاف کیجئے گا اندھے ہیں لیکن اب جب کہ میں آپ کے پاس پہنچا ہوں اور یہ مورتی میں نے آپ کو دی ہے تو مجھے احساس ہوا کہ آپ دیکھ نہیں سکتے۔ اگر آپ میری شکل دیکھتے تو شاید یہ بات جان لیتے کہ میں رحمان خاں نہیں ہوں لیکن اب میں آپ کو دھوکے میں نہیں رہ سکتا۔" زمان خاں بالکل سنجیدگی سے میری شکل دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"آگے کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"سب سے پہلی بات تو یہی ہے کہ میں آپ کو کسی قسم کا دھوکا نہیں دینا چاہتا اگر آپ نے مجھے رحمان خاں کی حیثیت سے قبول کیا ہے تو پھر میں اس کی تردید کر دینا چاہتا ہوں کسی کے کہنے سے میں یہاں تک آیا یہاں کا ماحول دیکھا آپ کو دیکھا لیکن پتہ نہیں کیوں دل نہیں چاہتا کہ میں آپ کو کسی قسم کا دھوکا دوں۔ حالانکہ میں بے یارومددگار انسان ہوں اور کوئی بھی سہارا میرے لئے تقویت کا باعث ہوگا لیکن اس کے باوجود میں آپ کو دھوکا دینا نہیں چاہتا۔ کیوں کہ ان دھوکوں نے میری زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔"

"اچھا اب شروع سے اپنی کہانی بتاؤ۔" زمان خان نے کہا اور میں نے انہیں پتہ نہیں کیوں بے کم و کاست ساری کہانی سنا دی اپنے بارے میں انہیں الف سے ی تک مفصل تفصیل بتائی۔ زمان خاں صاحب صبرو سکون سے سنتے رہے تھے پھر میرے خاموش ہونے کے بعد انہوں نے کہا۔ "ہوں' تو تم کافی عرصے تک ہندو کا کردار ادا کرتے رہے ہو۔"

"ہاں زمان صاحب' میں مجبور تھا آپ میری مجبوریوں کو خوب اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے میں نے آپ سے کوئی بات نہیں چھپائی ہے۔"

"بیٹا' یہ بات تو مجھ سے بھی چھپی ہوئی نہیں تھی کہ تم رحمان خان نہیں ہو سچی بات یہ ہے کہ رحمان خان کوئی ہے ہی نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ہاں' رحمان خان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ وجود میں نے تراشا ہے۔" زمان خان صاحب نے کہا اور میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ میں حیران رہ گیا تھا۔

"آپ نے تراشا ہے۔" تھوڑی دیر کے بعد میں نے سوال کیا۔

"ہاں' ایک ایسا نام جو صرف میرے ذہن کی تخلیق ہے اور اس کا کوئی وجود نہیں۔ گووند اس بارے میں اچھی طرح جانتا ہے اور اس نے تمہیں یہاں بھیجا ہے تو یقیناً میری

مرضی سے ہی بھیجا ہے۔"

"گویا' گویا آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ میں رحمان خان نہیں ہوں۔"

"جب رحمان خاں کوئی بھی نہیں ہے تو بھلا مجھے یہ بات نہ معلوم ہوتی یہ نشان گووند کے پاس تھا اور میں نے اسے وقتِ ضرورت کے لئے دے رکھا تھا کہ کبھی کوئی پیغام میرے پاس بھیجے تو یہ نشان اس پیغام کے ساتھ بھیج دے تاکہ میں یہ یقین کر لوں کہ گووند کی طرف سے بھیجا ہوا ہے۔"

"اوہ" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور پھر بولا۔ "تو ان حالات میں میرے لئے کیا حکم ہے۔"

"مجھے چچا جان کہو اور رحمان خاں کی حیثیت سے یہاں رہو جب تک میں مناسب سمجھوں گا تمہیں یہاں رکھوں گا اور اس کے بعد جب مناسب سمجھوں گا تمہیں یہاں سے روانہ ہونے کا حکم دے دوں گا۔ اسی دوران میرے بارے میں جو کچھ تمہیں معلوم ہوا اسے اپنے ذہن میں رکھنا جو بات تمہیں بتانے کی ہوگی میں تمہیں خود بتا دوں گا۔ مجھ سے اس سلسلے میں زیادہ سوالات مت کرنا یہ وقت کی ضرورت ہے۔ اگر اس بات کا موقع ہوتا کہ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں تو میں تمہیں ضرور بتا دیتا لیکن اس وقت تک جب تک کہ وقت نہ آجائے تم مجھ سے میرے بارے میں زیادہ سوالات مت کرنا۔ بس اب تمہارا دل مطمئن ہو گیا ہو گا کہ تم مجھے دھوکا نہیں دے رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے دھوکا نہیں دے رہے تھے البتہ تمہاری کہانی سے مجھے بہت زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ بلاشبہ تم ایسے جوان ہو جسے ساتھ رکھ کر انسان اپنا فریضہ انسانیت ادا کرتا ہے باقی رہا تمہارے انتقام کا مسئلہ تو بیٹے گووند نے تمہیں کچھ اور بھی بتایا ہو گا۔"

"کیا چچا جان؟" میں نے سوال کیا۔

"یہی کہ یہاں رہ کر تم بہت ساری قوتیں حاصل کر لو گے ایسی قوتیں جو تمہیں بہت سے طاقتور لوگوں سے زیادہ بلند و بالا بنا دیں گی۔ دیکھو رحمان خاں میں تمہیں رحمان خاں ہی کہہ کر مخاطب کروں گا تاکہ یہ نام تمہیں اس طرح رٹ جائے کہ جب کوئی تمہیں رحمان خاں کے نام سے پکارے تو تمہیں حیرت نہ ہو۔ تقدیر انسان کے لئے کچھ راستے متعین کر دیتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ انسان روشن ضمیر ہوتا ہے لیکن خدائے بزرگ و برتر نے اس کائنات میں انسان کے لئے ہر چیز مسخر کر دی ہے اس نے تمام کائنات کا علم انسان کو دیا ہے اور تم اس کے نمونے دیکھ رہے ہو۔ انسان ہر چیز تسخیر کرتا چلا جا رہا ہے۔ چنانچہ کچھ علوم ایسے بھی ہیں کہ انسان کو وہ باتیں پتہ چل جائیں جن کے پتہ کرنے سے

قدرت کے معاملات میں مداخلت نہیں ہوتی۔ قدرت نے کچھ باتیں صرف اپنے ہاتھ میں رکھی ہیں۔ باقی انسان کو ایسے علم عطا کر دیئے ہیں کہ اگر وہ چاہے تو اپنے اور اپنے قرب و جوار کے حالات کو اچھی طرح معلوم کر سکتا ہے۔ اس میں علم نجوم بھی ہے اور اس میں بہت سے دوسرے علوم بھی ہیں۔ ان علوم کا حصول انسان کو ایسی قوتیں عطا کر دیتا ہے۔ جن سے وہ بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے تو اگر گووند نے تمہارے بارے میں یہ پیشن گوئی کی ہے تو انہی علوم کی روشنی میں کی ہے اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے مشیت ایزدی میں مداخلت ہوتی ہو۔ تمہاری تقدیر میں یہ سب کچھ حاصل کرنا لکھا ہے تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے تم یہاں رہ کر حالات کا جائزہ لو۔ میں اپنے تمام کارندوں کو ہدایت کر دوں گا کہ اب تم میرے تمام حسابات کی دیکھ بھال کرو گے اور وہ سب میرے بجائے تمہیں جوابدہ ہوں گے۔" میں خاموشی سے زمان خاں کی شکل دیکھتا رہا اس شخص نے سب کچھ جاننے کے باوجود مجھ پر اتنا اعتماد کیا تھا میں اسے اپنی خوش بختی کے علاوہ اور کیا نہیں کہہ سکتا تھا۔ حالانکہ مجھے ان تمام چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میرا تو مقصد ہی کچھ اور تھا لیکن میں جانتا تھا کہ ابھی حالات میرے لئے سازگار نہیں ہیں اور تقدیر میرے بارے میں جو فیصلہ کرے وہی مجھے یہی سمجھ کر قبول کر لینا چاہئے جب کبھی حالات بہتر ہوں گے اور میں اس قابل ہو جاؤں گا کہ اپنے مشن کی تکمیل کر سکوں تو پھر آگے قدم بڑھاؤں گا۔ خوشی اس بات کی تھی کہ اس بارے میں کسی کو دھوکہ نہیں دے رہا تھا۔ میں اپنی اصل حیثیت سے زمان خان کے سامنے آگیا تھا حالانکہ میں نے گووند کی ہدایت کی خلاف ورزی کی تھی۔ گووند نے مجھ سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ میں زمان خاں پر اپنی اصلیت ظاہر کر دوں لیکن میرے دل نے یہ بات گوارہ نہیں کی تھی کہ میں ایک اتنے اچھے انسان کو اپنے بارے میں دھوکے میں رکھوں اور پھر اب تک میں نے جو کچھ کیا تھا اس سے مجھے کون سا فائدہ پہنچا تھا۔ شیکھر جی کی میں نے خلوص دل سے خدمت کی۔ یہ حقیقت ہے کہ میں نے خود کو ان کے سامنے ہندو ظاہر کیا تھا لیکن یہ اتنا بڑا جرم نہیں تھا جس کے لئے مجھے سزا ملتی۔ زمان خاں چند لمحات خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے بیٹے؟"

"نہیں بابا زمان خان اپنے بارے میں سب کچھ آپ کو بتانے کے بعد میں اتنا اطمینان محسوس کر رہا ہوں کہ اس سے پہلے کبھی میں نے خود کو اتنا مطمئن محسوس نہیں کیا تھا؟"

☆======☆======☆

"ہاں' سچائی کی قوت دنیا کی تمام قوتوں پر بھاری ہوتی ہے۔ میں نے تمہارے بارے میں سب کچھ جان لیا اور جو کچھ فیصلہ میں نے کیا ہے وہ بھی سوچ سمجھ کر کیا ہے بس اب تم آرام کرو بہت جلد میں تمہیں تمہارے مقام سے آگاہ کر دوں گا اور اس کے بعد دیکھوں گا کہ تم کس طرح اپنی ذمہ داریاں سنبھالتے ہو۔ باقی ایک بات میں تمہیں اور بتا دوں تمہیں یقیناً اندازہ ہو چکا ہو گا کہ پوری کالی بیری میں صرف یہی مکان ایسا ہے جو کسی مسلمان کا ہے ہم چاروں طرف سے متعصب ہندوؤں میں گھرے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود ہماری پوزیشن مضبوط ہے میں ایسے ذرائع رکھتا ہوں کہ اگر کبھی کوئی ہماری مخالفت پر اتر آئے تو اسے اس طرح منہ کی کھانی پڑے گی کہ وہ زندگی بھر اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہے گا۔"

"میں جانتا ہوں زمان خان بابا' یہ معلومات میں آپ کے بارے میں حاصل کر چکا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تم آرام کرو۔" انہوں نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

بابا زمان خان کی قربت نے مجھے بہت کچھ دیا تھا' ایک پاکیزگی دل میں پیدا ہوتی جا رہی تھی اور میں بہت خوش تھا۔ اس کے علاوہ کالی بیری کے معاملات پر بھی نگاہ رکھی ہوئی تھی' عجیب ماحول تھا حالانکہ یہ علاقہ چاروں طرف سے ہندوؤں میں گھرا ہوا تھا لیکن یہاں بابا صاحب کا کچھ ایسا رعب طاری تھا کہ کوئی الٹی سیدھی بات نہیں ہوتی تھی۔ پھر ایک دن بابا صاحب نے مجھے طلب کیا۔ "میں نے تمہارے لئے ایک ذمہ داری سوچی ہے۔"

"جی بابا صاحب!"

"جگہ کا نام نور پور ہے وہاں ہندو مسلمان چپقلش چل رہی ہے۔ رُوئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کو خدا کی خدائی میں جینے کا حق ہے لیکن کچھ فتنہ وفساد برپا کرنے والے اپنا شیطانی عمل کرتے رہتے ہیں' یہ آج کی بات نہیں کیونکہ شیطان ازل سے ہے اور ابد کی زندگی پائی ہے۔ شیطان اپنا عمل جاری رکھے گا اور رحمان اپنا۔ وہ صاحب نصیب ہوتے ہیں جنہیں کوئی نیک ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔ نور پور میں ہندو مسلمانوں کا پھڈا کچھ شیطانی قوتوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے انسانی خون پانی کی طرح بہہ رہا ہے' تم جانتے ہو ذمہ دار عناصر بڑے سے بڑے مسئلے کو اہمیت نہیں دیتے۔ پیشہ صرف ضرورت

رہ گیا ہے اس میں سے جذبہ خدمت نکل گیا ہے چنانچہ اس مسئلے کو وہ اہمیت نہیں دی جا رہی ہے جس کا وہ مستحق ہے۔ تاہم ذمہ داری اسی کی ہے جو اسے پوری کرنے کا جذبہ رکھتا ہے میں تمہیں نور پور روانہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"بسرو چشم۔" میں نے کہا۔

"تو پھر تیاری کرو۔"

"تھوڑی سی وضاحت چاہتا ہوں۔"

"کیسی وضاحت؟"

"مجھے وہاں جا کر کیا کرنا ہو گا؟"

"اپنی ذہانت کا استعمال۔"

"مگر میں کچھ جانتا ہی نہیں۔"

"ضرورت بھی نہیں۔"

"حمید اللہ تمہارے ساتھ جائے گا تاکہ تم تنہائی محسوس نہ کرو ویسے تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔" بابا زمان پُراسرار انداز میں بولے۔ "وہاں تم بلاوے پر جا رہے ہو روحانی قوتوں کے بلاوے پر کسی بھی لمحے اپنے آپ کو تنہا مت سمجھنا میری طرف سے خداحافظ۔"

ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا زمان بابا سے رخصت ہو گیا لیکن نور پور ذہن پر سوار ہو گیا تھا پھر حمید اللہ کے پاس گیا۔ حمید اللہ سے بہت سی باتیں ہوئیں بابا صاحب ہمیں خداحافظ کہہ چکے تھے لہٰذا اب یہاں رہنا بے کار تھا۔ تمام تیاریاں مکمل کر کے ہم ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے' ٹرین کے لئے ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا پھر ٹرین آ گئی جگہ کیوں نہ ملتی بلاوے پر جا رہے تھے۔ آرام سے ایک کمپارٹمنٹ میں بیٹھ گئے اور کچھ دیر کے بعد سفر جاری ہو گیا۔ حمید اللہ اب مطمئن نظر آ رہا تھا سفر میں کوئی اہم واقعہ پیش نہیں آیا۔ اسٹیشن پر اترے پھر معلومات حاصل کر کے نور پور کے ٹکٹ خرید لئے کوئی پانچ گھنٹے کا راستہ تھا نور پور پہنچے تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ٹرین دو منٹ سے زیادہ نہیں رکی لیکن یہ پہلا ریلوے اسٹیشن دیکھا تھا جہاں پورے پلیٹ فارم پر ایک بھی انسان کا وجود نہیں تھا سوائے ان دو افراد کے جو ٹرین سے پلیٹ فارم پر اترے تھے۔ ایک بزرگ تھے اور ایک برقعہ پوش خاتون وہ صاحب خود ہکا بکا کھڑے تھے۔ اس سے پہلے کہ میں انہیں مخاطب کرتا وہ خود ہی میری طرف متوجہ ہو گئے۔

"عزیزی زحمت دوں گا۔" وہ چند قدم آگے بڑھے تو میں خود ان کے قریب پہنچ

گیا۔

"یہ سب کچھ کیا ہے کوئی سانحہ ہوگیا ہے کیا؟"

"میں خود حیران ہوں محترم پورا پلیٹ فارم خالی پڑا ہے یہاں تک کہ اسٹیشن ماسٹر کا کمرہ بھی۔" میں نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا خیر کرے آثار کچھ بہتر نہیں ہیں آپ بھی نور پور میں اجنبی ہیں؟" بزرگ بولا۔

"جی ہاں پہلی بار آیا ہوں۔"

"تب تو صورت حال آپ کے لئے بھی اتنی ہی پریشان کن ہے یہاں کون ہے آپ کا؟"

"کوئی نہیں۔"

"پھر آمد کیسے ہوئی؟"

"بس اتفاقیہ، عجب ہُو کا عالم ہے ٹرین بھی روانہ ہوچکی ہے نہ جانے کیا قصہ ہے رات بھر کوئی اور ٹرین بھی نہیں آئے گی کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ بھی بہتر ہے کہ آپ کا.........." بزرگ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا پھر کچھ رک کر بولے۔

"حضور کا اسم شریف؟"

"رحمان خان۔"

"الحمد اللہ مسلمان ہیں آپ کے ساتھی بھی مسلمان ہیں۔"

"جی اس کا نام حمید اللہ ہے۔"

"مجھے غلام مرتضیٰ کے نام سے پکارا جاتا ہے شہر سے آیا ہوں میرے ساتھ اہلیہ ہیں۔ یہاں میری بیٹی رہتی ہے نور چشم نوید احمد میرے داماد ہیں دکان کرتے ہیں بساط خانے کی۔ بچوں سے ملنے آیا تھا ویسے آثار کچھ بہتر نہیں ہیں۔ نوید نے لکھا تھا کہ پچھلے کچھ دنوں سے بڑی ریشہ دوانیاں ہو رہی ہیں، کچھ متعصب ہندو فساد کے درپے ہیں مگر کوئی تازہ خبر نہیں تھی ورنہ نہ آتا اب کیا کیا جائے؟"

"آیئے دیکھیں کیا قصہ ہے۔" میں نے کہا اور آگے بڑھ کر صندوق بزرگ کے ہاتھ سے لے لیا۔

"رب العزت صحت اور زندگی عطا کرے ہم نے سوچا تھا کہ قلی وغیرہ مل جائیں گے بڑی ناگہانی پڑی ہے۔" بزرگ نے پریشان لہجے میں کہا۔ حمید اللہ نے خاتون کے ہاتھ سے ٹوکری لے لی اور پھر میرے ہاتھ سے صندوق لینا چاہا مگر میں نے منع کردیا۔ ہم سب

آگے بڑھے اور اسٹیشن ماسٹر کے کمرے کے سامنے پہنچ گئے، کمرے کے دروازے کے باہر کی سفید دیوار پر خون کے بڑے بڑے دھبے نظر آرہے تھے۔ زمین پر بہت سا خون پڑا ہوا تھا جسے دیکھ کر ہم سب ہی دہشت زدہ ہوگئے، بزرگ کے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی تھی وہ متوحش نظر آرہے تھے۔

"کوئی ہے اندر کوئی ہے؟" میں نے آواز دی اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ بلب روشن تھا اور اندر دو انسانی لاشیں پڑی ہوئی تھیں نہ جانے کون تھے؟ میں باہر نکل آیا خود کو پُرسکون کرنے کی انتہائی کوشش کی تھی۔ اندر کون ہے؟ بزرگ آگے بڑھے تو میں نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر انہیں روک دیا، آیئے باہر چلیں۔ یہاں ہمیں تو چکر آرہے ہیں خدا کے لئے ہمیں سنبھالو کیا کریں ہمیں سمجھ میں نہیں آرہا غلام مرتضیٰ بہت نروس ہوگئے تھے۔ میں انہیں سہارا دے کر باہر لایا باہر بھی وہی کیفیت تھی۔ مگر ہم دو قدم آگے بڑھے تھے کہ کسی گاڑی کی روشنیاں نظر آئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہمارے پاس آگئی۔ پولیس کی بڑی سی جیپ تھی جو ہمارے قریب آکر رک گئی، اس میں سے پولیس کے کئی جوان نیچے اتر آئے۔ ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں پوچھا کون ہیں آپ لوگ؟

"مسافر ہیں ریل سے اترے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"موت آئی ہے آپ لوگوں کی یہاں فساد ہو رہا ہے اور آپ کو سفر کی سوجھی ہے کہاں سے آئے ہیں آپ؟"

"شہر سے آئے ہیں۔" غلام مرتضیٰ نے جواب دیا۔

"ٹکٹ ہیں آپ کے پاس؟"

"جی ہاں۔"

"کون سے محلے جانا ہے؟"

"علاقہ خیرآباد بلاک دو عزیزی نوید احمد۔"

"یار عبداللہ میں اندر جاتا ہوں تم ان چاروں کو علاقہ خیرآباد چھوڑ آؤ ورنہ مارے جائیں گے بے چارے۔"

"ٹھیک ہے سر میں جاتا ہوں۔" ہم خاموشی سے بیٹھ گئے۔ دو پولیس والے ساتھ تھے مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ مسلمان ہیں اگر ہندو ہوتے تو صورت حال مختلف ہوتی۔ گاڑی چل پڑی سٹیشن سے کچھ آگے ہی نکلے ہوں گے کہ شور شرابے کی آوازیں سنائی دیں، پھر کچھ مشعلیں نظر آئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک مکان سے شعلے اٹھنے لگے۔ عبداللہ

اور دوسرے کانسٹیبل نے رائفلیں سنبھال لیں اور ہوائی فائر کرنے لگے۔ ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار تیز کردی اور مشعلوں میں بھگدڑ مچ گئی' عبداللہ اور اس کا ساتھی مسلسل ہوائی فائر کررہے تھے۔ اس نے شاید ڈرائیور سے کہا استاد جی گاڑی تیزی سے بھگا لینا کسی نے برقعہ دیکھ لیا تو آفت مچ جائے گی۔ اماں جی سر نیچے کرلو اور غلام مرتضیٰ کی بیوی کی گردن سیٹوں میں دبا دی۔ مگر فسادی پولیس کی فائرنگ کی آواز سن کر بھاگ گئے تھے' گاڑی جلتے مکان کے پاس سے گزر گئی اندر سے چیخ وپکار کی آوازیں آرہی تھیں۔ بزرگ کپکپاتی آواز میں آیت الکرسی پڑھ رہے تھے اور میں سوچ میں گم تھا۔ نور پور آخری اسٹیشن مسجد یقیناً کوئی ذمہ داری سونپی گئی ہے مجھے اور سہارے بھی عطا کئے گئے ہیں ورنہ یہ حالات بڑے پریشان کن ہوتے۔ اس فساد زدہ آبادی میں کہاں جاتے دونوں پھر شاید مطلوبہ جگہ آگئی۔ عبداللہ نے پوچھا مکان پہچانتے ہو بابا جی؟ ہاں وہ سامنے سرخ اینٹوں والا' غلام مرتضیٰ نے اشارہ کیا اور گاڑی اس مکان کے سامنے رکی۔ بہت وسیع مکان تھا دوسرے کانسٹیبل نے اُتر زور زور سے دروازہ بجایا مگر اندر سے آواز نہیں آئی۔

"او خدا کے بندو مہمان آئے ہیں تمہارے انہیں اندر بلالو ڈرو مت۔" میں نے محسوس کیا تھا کہ آس پاس کے مکانوں میں بھی آہٹیں ہونے لگی ہیں مگر سرخ اینٹوں والے مکان کا دروازہ نہیں کھلا۔ کسی دوسرے مکان کی چھت سے آواز آئی نعرہ تکبیر' اللہ اکبر چاروں طرف سے آوازیں ابل پڑیں۔ عبداللہ اور دوسرا کانسٹیبل چیخا او خبردار پولیس ہے کوئی حرکت نہ ہو۔ او بابا جی نیچے اترو خود آواز دو عبداللہ کی حالت خراب ہو رہی تھی۔

بڑا عجیب ماحول تھا بڑی مشکل سے غلام مرتضیٰ صاحب کو نیچے اتارا اور وہ دروازے پر پہنچ گئے۔ پھر انہوں نے لرزتی آواز میں کہا۔ "میاں نوید احمد ہم غلام مرتضیٰ ہیں تمہارے سسر تم سے ملنے آئے ہیں میاں تمہیں اللہ کا واسطہ دروازہ کھول دو۔" اچانک اندر سے آوازیں ابھریں اور مضبوط دروازہ کھل گیا پھر ایک آواز سنائی دی۔

"ارے ابا میاں آپ؟" ایک توانا شخص باہر نکل آیا۔

"امی بھی ہیں تمہاری انہیں اتارو' چلو جلدی کرو۔" ہم بھی نیچے اتر آئے بزرگ نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم سب اندر داخل ہوگئے۔

"ارے بھئی سنتی ہو توقیر بیگم ابا میاں اور امی آئے ہیں۔" نوید احمد نے دروازہ بند کرکے آواز لگائی مگر اندر سے کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ نوید احمد کو اب خیال آیا اور وہ گھورتا ہوا بولا۔

"یہ کون ہیں ابا میاں؟"

"یہ تعارف کا وقت نہیں ہے کسی بری گھڑی گھر سے نکلے تھے پانی پلاؤ ہمیں نیم جان ہیں۔"

"جی جی آیئے اندر آجایئے شکر ہے جلد بازی میں حملہ نہیں ہوگیا یہاں تو سب تیار بیٹھے ہیں' آیئے۔" ہم اندر داخل ہوگئے۔ وسیع وعریض دالان' لاتعداد کمرے حویلی نما گھر تھا' ہمیں ایک وسیع کمرے میں لایا گیا بیٹھنے کے لئے کہا گیا اور ہم بیٹھ گئے۔ نوید احمد نے کہا۔ "امی آپ آیئے اندر آیئے توقیر بیگم ڈری ہوئی ہیں اس لئے ان کی آواز نہیں سنائی دی برقعہ پوش خاتون اندر چلی گئیں۔ غلام مرتضیٰ نے کہا۔

"میاں قیامت ٹوٹی ہے اسے کہتے ہیں ناگہانی یہاں تو محاذ جنگ کھلا ہوا ہے' سنو میاں ذرا بھی غیریت نہ برتنا ہمارا تم سے تفصیل سے تعارف نہیں ہے مگر انسان اور مسلمان ہونا کافی ہے ویسے تمہارا کوئی شناسا ہے نور پور میں؟"

"نہیں ہے لیکن بس ہمیں ایک رات کے لئے اس چھت کے نیچے پناہ دلوا دیجئے صبح کو چلے جائیں گے۔"

"یعنی یہ ہماری محبت سے انحراف نہیں' کیا ہم تمہیں جانے دیں گے ایسے اور کیا تمہارا جانا مناسب ہوگا۔ ہرگز نہیں تمہاری زندگی بھی تو ہمیں عزیز ہے فاقے کرنے پڑے تو مل کر کریں گے ہمیں تو بالکل علم نہیں تھا کہ نور پور میں اس طرح فساد کی لپیٹ میں تم بھی یقیناً لاعلمی میں یہاں آگئے ہو۔ اگر یہاں تمہاری شناسائی نہیں ہے تو بھلا کہاں جاؤ گے یہاں تو لوگوں پر خون سوار ہے یہ جنوں فرو ہوجائے تو ہمیں بھی جانا ہے اور تمہیں بھی اس لئے جانے کے موضوع کو دماغ سے نکال دو۔" کچھ دیر بعد بیگم نوید احمد اور دو خواتین اندر آگئیں' ایک بیگم نوید احمد یعنی توقیر تھیں جن کا چہرہ دہشت سے سفید پڑا ہوا تھا۔ دوسری غلام مرتضیٰ کی اہلیہ یعنی توقیر بیگم کی والدہ تھیں' توقیر بیگم آگے بڑھ کر باپ سے لپٹ گئیں اور غلام مرتضیٰ ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ پھر بولے۔

"یہ کیا حال بنا لیا ہے تم نے توقیر بیگم اگر یہاں یہ حالات تھے تو گھر میں تالا لگا کر گھر آجاتے' یہاں کیوں پڑے رہے ہمیں کسی طرح خبر کر دیتے بس اللہ نے بچا لیا ورنہ ہم تو گئے تھے یہ دونوں بچے نہ ملتے تو اللہ جانے کیا ہوتا۔"

"اس کا موقع ہی کہاں ملا ابا میاں اس قدر امید ہی کہاں تھی۔ کھانا تیار کروں؟" توقیر نے کہا۔

"کس نامعقول کو بھوک پیاس لگ رہی ہے یہاں تو ان گنہگار آنکھوں نے جو کچھ دیکھ لیا ہے اس سے پیٹ بھر گیا ہے۔ ارے ہاں مگر یہ دونوں بچے بھی تو ہیں تمہیں

تکلیف تو کرنا پڑے گی اس وقت۔"

نہیں محترم براہ کرم کوئی تکلیف نہیں کیجئے گا ہم انتہائی عاجزی سے یہ درخواست کرتے ہیں۔

"میاں کچھ کھاؤ گے پیو گے نہیں کیا توقیر بیگم کیا پکایا تھا دن میں؟"

"ابا میاں جان سولی پر اٹکی ہوئی ہے کیا کھانا پکاتا بے چارہ شمسو بھی بخار میں پڑا ہوا ہے آپ تو جانتے ہیں شمسو کو۔ اس کے بھی بال بچے خدا کا شکر ہے نور پور سے باہر گئے ہوئے ہیں ہمارے پاس ہی رہ رہا ہے آج کل' ایک ریلوے بابو سے ملاقات تھی اس کی اس سے کہلوا دیا ہے بچوں کو کہ ابھی واپس نہ آئیں۔"

"یہ کام تم لوگ بھی تو کر سکتے تھے۔"

"ہمیں تو موقع ہی نہ ملا ابا میاں آپ یقین کیجئے حالات ایک دم سے خراب ہوئے۔"

"توقیر بیگم ہمت کرو بھئی جاؤ اور کچھ نہیں تو چائے بنا لاؤ اور ساتھ میں جو کچھ بھی مل سکے۔" نوید احمد نے کہا۔

"چائے کی حد تک تو ٹھیک ہے مگر آپ تو ویسے ہی بہت پریشان ہیں توقیر بہن۔" میں نے کہا اور توقیر بیگم نے پہلی بار مجھے دیکھا پھر خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔ غلام مرتضٰی کی اہلیہ نے کہا یہ بچے تو بالکل ہی اپنے لگتے ہیں بیٹا تم کہاں سے آئے ہو؟ شہر سے سوار ہوئے تھے ریل میں نور پور آنے کے لئے یہاں اترے تو یہ سب کچھ دیکھا۔ مگر نوید میاں نور پور میں تو اس سے پہلے کبھی ایسا فساد نہیں ہوا تھا چھوٹی موٹی واردات تو ہر جگہ ہوتی رہتی ہے' جہاں چار برتن ہوتے ہیں کھڑکتے ہی رہتے ہیں یہ ہوا کیا فساد کس سلسلے میں ہوگیا؟

"بات بہت عرصے سے چل رہی تھی حالانکہ یہاں ہندو مسلمان سب ہی مل جل کر رہتے ہیں لیکن جب سے پریم ناتھ آیا ہے اور اس نے چکر چلایا ہے تعصب ہی تعصب پھیل گیا۔"

"یہ پریم ناتھ کون ہے؟ پہلے کبھی نہیں سنا اس کا نام!" غلام مرتضٰی نے کہا۔

"ایک ہندو سادھو ہے کم بخت نہ جانے کہاں سے آن مرا ہمارے نور پور میں آکر آگ پھیلا دی' مایہ کنڈ کا پجاری کہلاتا ہے اور اس نے شکتی سنگھ پر قابو پا لیا ہے۔"

"شکتی سنگھ وہی زمیندار؟"

"جی ہاں نواب شہریار نے اس کی بڑائی پہلے بھی کبھی قبول نہیں کی' برابر کا درجہ

ہے دونوں کا۔ جتنی زمینیں شکتی کی اتنی ہی نواب شہریار کی ہیں' دونوں میں اچھی خاصی دوستی تھی لیکن پریم ناتھ کی وجہ سے یہ دوستی اب دشمنی میں تبدیل ہوگئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جتنا نقصان ہندوؤں نے مسلمانوں کا کیا ہے اتنا ہی مسلمانوں نے ہندوؤں کا بھی کیا ہے۔ یہاں برابر کی ٹکر ہے لیکن بہرحال نقصان نقصان ہے جو لڑنے مرنے والے ہوتے ہیں وہ تو لڑ مر کر نکل بھاگتے ہیں جو اِکا دُکا بیچارے اِدھر اُدھر پھنس جاتے ہیں ان پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔ بے گناہوں کا ہی نقصان ہو رہا ہے' ایک اندازے کے مطابق ستر اسّی آدمی مر چکے ہیں اور ہر گھر میں خوف کا بسیرا ہے۔"

"یہ کمینہ پریم ناتھ آخر چاہتا کیا ہے کون ہے کہاں سے آیا ہے؟"

"کچھ نہیں معلوم بس ایک ٹوٹا پھوٹا مندر تھا وہیں آکر آباد ہوگیا۔ مندر میں پوجا پاٹ نہیں ہوتی تھی ساری دیواریں گری ہوئی تھیں لیکن پھر راتوں رات لوگوں نے دیکھا کہ وہ مندر پھر سے تعمیر ہوگیا ہے۔ یہ واقعی سچ ہے کیونکہ مندر نواب شہریار کی زمینوں میں آتا تھا اور اس لئے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا کہ وہاں نواب شہریار نے اسے دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس کی بجائے شکتی سنگھ نے ایک اور جگہ دے دی اور وہاں بڑا مندر تعمیر ہوگیا' لیکن پریم ناتھ نے راتوں رات مندر تعمیر کرلیا۔ مجھے تو اچھا خاصا جادوگر لگتا ہے وہ' نواب شہریار کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے مندر کو گرانے کا حکم دے دیا اور ان کے آدمی وہاں پہنچ گئے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ مندر کی دیواروں پر کدالیں برسائی جاتی رہیں اور کدالیں اس پر پڑ پڑ کر اچٹتی رہیں لیکن مندر کی دیواروں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ تب پریم ناتھ سامنے آیا اور اس نے کہا کہ یہ جگہ مایہ کنڈل ہے اور یہاں مایہ کنڈل تعمیر ہوگا اس جگہ کو چھوڑ دیا جائے ورنہ نقصانات ہی نقصانات اٹھانا پڑیں گے۔ کچھ ہندو بھی اس کے ہمراہ ہوگئے اور اس کی کرامات پر غور کرنے لگے' لیکن نواب شہریار نے اپنے نمائندے شکتی سنگھ کے پاس بھیجے اور کہا کہ اس مسئلے کو روکیں۔ شکتی سنگھ پہلے تو ٹھنڈے دماغ سے اس کام کے لئے تیار ہوگیا اور اس نے پریم ناتھ کو اپنے گھر بلا کر دعوت دی اور مندر کے بارے میں بات چیت کی لیکن اس کے بعد اس کا دماغ بھی پلٹ گیا اور اس نے نواب شہریار کو پیشکش کی کہ اگر وہ چاہیں تو یہ زمین ان کے ہاتھ فروخت کردیں تاکہ مندر قائم رہے۔ نواب شہریار نے بھی اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا اور کہنے لگے کہ اس مندر میں کبھی پوجا پاٹ نہیں ہوگی اور لوگ آجا نہیں سکیں گے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے وہاں پہرہ لگوا دیا۔ بیشتر ہندو وہاں پوجا کرنے کے لئے گئے لیکن انہیں مار پیٹ کر بھگا دیا گیا اس طرح شکتی سنگھ کا دماغ بھی پھر گیا اور اس نے

دھمکیاں دینا شروع کردیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو مسجدوں کی بے حرمتی کی گئی مسلمانوں نے اس پر شدید احتجاج کیا۔ مندروں پر حملے بھی ہوئے اور بس یوں سمجھ لیجئے کہ یہ چھوٹے چھوٹے واقعات بڑھتے چلے گئے جس کا نتیجہ آج ہمار سامنے ہے۔ گلی گلی محلّہ محلّہ جہاں ہندو زیادہ تعداد میں ہیں وہاں مسلمانوں کو نقصان پہنچایا گیا ہے اور جہاں مسلمان زیادہ تعداد میں ہیں وہاں ہندوؤں کے گھر لوٹے گئے ہیں۔ یہ فساد بڑھتا ہی جارہا ہے' سنا ہے بابو مول چند نے اب باہر کی بستیوں سے آدمی بلوائے ہیں تاکہ یہاں فساد بڑھایا جاسکے۔ وہ جادوگر کہتا ہے کہ پورے نور پور کو مایہ کنڈل بنا دے گا بڑی عجیب وغریب باتیں ہوئی ہیں۔ مسجدوں سے لاؤڈ سپیکر چوری کرلئے گئے تاکہ اذان کی آواز باہر نہ آسکے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے واقعات ہوئے ہیں۔"

"اور وہ پریم ناتھ کہاں ہے؟"

"وہ مندر کا دروازہ بند کرکے بیٹھ گیا ہے اصل بات یہی ہے کہ وہ جادوگر ہے اور ہندوؤں کا عقیدہ اس کے جادو کی جانب منتقل ہوجاتا ہے۔ یعنی یہ کہ نواب شہریار نے مندر تڑوانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن مندر ٹوٹتا نہیں ہے۔ دروازہ بند ہے اور اس پر ایک بڑی سل لگوادی گئی ہے جسے کدالوں سے بھی نہیں تڑوایا جاسکا۔ پریم ناتھ اندر موجود ہے سنا ہے اسے کئی بار باہر بھی دیکھا گیا ہے لیکن کہاں سے باہر آتا ہے اس کا کوئی پتہ نہیں بہرحال اب وہ اس مندر کو مایہ کنڈل کہتا ہے۔"

"ہوں اس طرح تو اس کا کوئی فیصلہ نہیں ہوگا حکومت نے کوئی قدم اٹھایا۔"

"بس پولیس فسادات کو روکنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ ویسے زمینیں چونکہ نواب شہریار کی ہیں اس لئے لوگوں کا یہی کہنا ہے کہ جب قانون حرکت میں آئے گا تو بات نواب شہریار خان کی مرضی کی ہوگی وہ اپنی زمینیں نہیں بیچنا چاہتے ہیں یا نہیں بیچیں گے شاید کچھ گفت وشنید ہوئی تھی۔ سرکاری حکام تھے انہوں نے سروے کے لئے ایک وفد بھی بھیجا تھا جس نے غالباً یہی رپورٹ دی کہ ہندوؤں کا عقیدہ بھی بڑا مضبوط ہے اس مندر کے بارے میں نتیجہ فساد کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔ چنانچہ امن وامان کے نام پر شہریار خان سے درخواست کی گئی کہ وہ یہ زمین فروخت کردیں لیکن وہ بھی اس کے لئے تیار نہیں ہیں چنانچہ کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا اور یہ فساد بڑھتا ہی جارہا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ہمارا محلّہ بھی جنگ کے لئے تیار ہے' یہاں سارے کے سارے پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ رہتے ہیں جو فوراً آگے بڑھ کر کچھ نہیں کرتے لیکن اپنے محلّے کے بچاؤ کے لئے انہوں نے معقول انتظامات کر رکھے ہیں۔ اب آپ دیکھئے نا پولیس آئی تھی آپ کو

لے کر مگر محلے والے سمجھے کہ شاید ہندوؤں کی طرف سے کوئی کارروائی ہے۔ نتیجے میں نعروں کی آوازیں آنے لگیں اور اگر کوئی ذرا سی بھی غلط فہمی ہوجاتی تو پتھراؤ شروع ہوجاتا۔"

"بس میاں خدا نے بچالیا آج ہمیں ورنہ ہم میاں بیوی تو آن گئے تھے ارے ان بچوں کا شکریہ ادا نہیں کیا تم نے۔"

"آپ نے تعارف ہی نہیں کرایا ابا میاں۔"

"یہ رحمان خان ہے اور ان کا نام حمید اللہ ہے۔ یہاں نور پور میں کسی کام سے آئے تھے بے چارے خود بھی پھنس گئے یہاں ان کا کوئی نہیں ہے اب ظاہر ہے ان حالات میں جبکہ انہوں نے مجھے سہارا دیا تھا میں اپنے ساتھ نہ لے آتا تو کیا کرتا۔"

"یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا ہے ابا میاں بڑی خوشی سے ہم انہیں اپنے مہمان کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ اب ان حالات میں ظاہر ہے ان کا جو کام ہے وہ بھی نہیں ہوگا چنانچہ خاموشی سے وقت گزارا جائے بلکہ اچھا ہے ذرا رونق ہوگئی آپ لوگوں کے آجانے سے۔ ورنہ ان توقیر بیگم نے تو ناک میں دم کردیا ہے نہ کھاتی ہیں نہ پیتی ہیں خوفزدہ ہونے کا اسے تو بخار آگیا ہے ڈر کے مارے۔" سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی واقعی ان حالات میں تو ان لوگوں کے لئے ہمارا آنا بہتر ہی ہوا مگر میری مسکراہٹ میں کوئی اور بات بھی چھپی ہوئی تھی۔ میں نے پریم ناتھ کا نام سنا ہوا تھا جو یہاں مایہ کنڈل نام کی چیز قائم کرنا چاہتا تھا اور اس نے ایک ایسا مندر بنالیا ہے جس پر کدالیں اثر نہیں کرتیں۔ اس کا مقصد ہے میرے شانوں پر کچھ ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں ورنہ نور پور کا رخ کیوں اختیار کیا جاتا۔ صاف صاف اشارہ کیا گیا تھا کہ میں نور پور پہنچوں لیکن اس مسجد کے بارے میں ابھی تک کوئی علم نہیں ہوا تھا جو کسی ویرانے میں واقع تھی اور جس کی نشاندہی کی گئی تھی۔ میرے سفر کا اختتام عالم تصور میں وہیں ہوا تھا' نورجہاں بیگم نے چائے کے ساتھ لوازمات کا انتظام کرلیا تھا۔ ملازم شمو بھی ساتھ تھا اس نے سلام کیا اور غلام مرتضیٰ اس کی مزاج پرسی کرنے لگے۔ پھر خاطرمدارت کا سلسلہ شروع ہوگیا چائے وغیرہ سے فراغت کے بعد نوید احمد نے کہا۔

"رحمان خان اور حمید اللہ وہ جو کہا ہے کسی نے کہ چمگادڑ کے مہمان آئے اور الٹے لٹک گئے اس وقت یہی کیفیت یہاں کی ہے۔ معبود کریم کے فضل وکرم سے اس غریب خانے میں کھانے پینے کی بالکل کمی نہیں ہے۔ گھر کے عقبی خانے کو میں نے ترکاریوں کا کھیت بنادیا ہے' چنانچہ مٹر کی بیلیں کدو اور لوکی کی بیلیں پھل پھول رہی ہیں

کوئی ستر مرغیاں موجود ہیں جو انڈے اور گوشت کی ضروریات پوری کرتی ہیں۔ اس لئے کھانے پینے کی تو کوئی مشکل نہیں ہوگی البتہ اگر بدبخت ہندوؤں نے ادھر حملہ کیا تو آپ دو جوان ہماری سپاہ میں ضرور شامل ہوں گے آیئے اور اپنی رہائش گاہ دیکھ لیجئے دو بلم' چھریاں اور لاٹھیاں آپ کو پیش کی جائیں گی۔"

"ہاں میاں آرام کرو اللہ محفوظ رکھے۔" غلام مرتضٰی نے کہا۔ ہمیں حویلی نما مکان کے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں آرام کا مکمل بندوبست تھا۔ بلم اور لاٹھیاں وغیرہ بھی دے دی گئی تھیں آرام کے لمحات ملے تو میں نے مسکراتے ہوئے حمید اللہ کو دیکھا۔ "کہو حمید اللہ لطف آرہا ہے میرے ساتھ رہ کر؟"

"بہت رحمان بھیا!" وہ مسکرا کر بولا۔

"تم بھی سرپھرے ہی لگتے ہو۔"

"نہیں رحمان بھیا اپنوں اور محبتوں سے محروم انسان ہوں کون ہے میرا اس کائنات میں بہن مشکلات میں گم ہوگئی ہے' تنہا رہ گیا تو جینا ناممکن ہوگا مگر مرنا نہیں چاہتا۔"

"ان حالات کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"جہاں آپ وہاں کے حالات کیسے بھی ہوں۔" اس نے جواب دیا اور پھر بولا۔

"ویسے رحمان بھیا میں تو آپ کا مرید بھی ہوں۔"

"مرید؟" میں نے اسے حیرت سے دیکھا۔

"ہاں دل کو جان سے رحمان بھیا آپ نے مجھے بھائی کہنے کی اجازت دی ہے ورنہ میں تو آپ کو مرشد کہتا۔ انسان ہوں یہ ساری باتیں نظرانداز تو نہیں کرسکتا بھیا انشاء اللہ کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا لیکن اپنی اوقات سے بڑھنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ میرا وعدہ ہے کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو اس کے بارے میں' میں کبھی آپ سے سوال نہیں کروں گا۔ میں جانتا ہوں بھیا کہ آپ نور پور بلاوجہ نہیں آئے ہوں گے مگر یہ اللہ والوں کی باتیں ہیں ہم جیسوں کو ان کی فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ حالانکہ آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کا دل بھی دکھا ہوا ہے آپ کے دل میں زخم ہیں داغ ہیں۔ دل بے چین ہوگیا تھا یہ سن کر اور میں نے کچھ نہیں پوچھا اور بھیا خدا کی قسم کبھی نہیں پوچھوں گا آپ مجھے اپنے قدموں کی خاک تصور کریں' جہاں آپ وہاں میں مجھے کیا غم ہوسکتا ہے۔"

میں خاموش ہوگیا' حمید اللہ کے جذبات قابل قدر تھے لیکن مجھے خاموشی ہی اختیار کرنی تھی اس بے چارے کو کیا بتا سکتا تھا۔ پھر حمید اللہ تو سوگیا میں وضو کرکے تہجد پڑھنے بیٹھ گیا اس کے بعد مراقبہ کرنے لگا۔ یہاں آگیا تھا اور اب مجھے رہنمائی درکار تھی' آنکھوں میں اس

مسجد کا نقشہ ابھرا جو اس وقت دیکھی تھی اور پھر سب کچھ معلوم ہوگیا۔ شاید ابھی اتنا ہی کافی تھا۔ البتہ حالات کے بارے میں ضرور سوچتا رہا' شکتی سنگھ اور نواب شہریار اور پریم ناتھ۔

دوسری صبح پُرسکون تھی جاگے ہوئے تھے حمید اللہ اور میں نماز سے فارغ ہوئے تھے کہ عقب سے غلام مرتضٰی کی آواز سنائی دی۔ "سبحان اللہ معبود کریم قبول کرے جوانی کی عبادت اللہ کو پسند ہے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تم نماز کے پابند ہو ورنہ آج کل کے نوجوان کا تو وطیرہ ہی کچھ اور ہے۔"

"کالی چائے تیار ہے دوستو کہو تو پیش کی جائے!" نوید نے کہا۔

"ضرور نوید صاحب!" میں نے مسکرا کر کہا سب یکجا ہوگئے پھر کچھ دن چڑھا تو ناشتہ کیا۔ ناشتہ سے فراغت ہوئی تو اہل محلّہ رات کے مہمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آگئے۔ ہمیں ان سے ملایا گیا علاقے کی صورت حال پر تبصرہ ہوا کہ ابھی کوئی بہتری نظر نہیں آرہی ہے۔

"نواب شہریار ہی کچھ لچک پیدا کریں تو کیا حرج ہے؟" ایک صاحب بولے۔

"کیسی باتیں کرتے ہو چچا مسلمانوں کی بھی تو کوئی آن ہے۔" دوسرے صاحب نے کہا۔

"میں تو خلق اللہ کی بھلائی کے لئے کہہ رہا ہوں۔"

"اللہ مالک ہے ہم شہریار صاحب کے ساتھ ہیں اور پھر تمہیں قربان علی کی مسجد یاد نہیں' نواب شہریار بھی اس بات پر چڑھے ہوئے ہیں جب وہ کافر مسجد کی تعمیر کی اجازت نہیں دیتا تو ہم کیوں مندر بنانے دیں۔"

"مگر مندر تو بن چکا ہے۔" کسی اور نے کہا۔

"وہ تو جادو کا مندر ہے۔"

"ہے تو سہی۔"

میرے کان کھڑے ہوگئے کسی مسجد کا تذکرہ تھا میں نے فوراً مداخلت کی۔

"قربان علی مسجد کا کیا قصہ ہے؟"

"میاں پرانی مسجد ہے شکتی سنگھ کی زمینوں پر تھی' سارا کیا دھرا ان سسرے انگریزوں کا تھا جگہ جگہ فساد کھڑے کرگئے ورنہ وہ زمینیں تو اصل میں قربان علی کی تھیں لاولد مرگئے زمینیں سرکار کے قبضے میں چلی گئیں۔ بعد میں شکتی سنگھ کے پُرکھوں نے انگریزوں کی چاپلوسی کرکے زمینیں اپنے نام کرلیں۔ مسجد بھی انہی میں آگئی' وہ تو خیر پہلے ہی

مسلمانوں سے دبے ہوئے تھے مگر بعد میں ان سسروں کے پر پُرزے نکل آئے۔ نواب شہر یار نے کہا کہ وہ اس مسجد کی مرمت کرانا چاہتے ہیں شکتی سنگھ نے صاف منع کردیا۔ مسجد پر اللہ کا سایہ ہے سنا ہے کہ شکتی سنگھ نے کئی بار اسے شہید کرنا چاہا مگر پھر چپ ہوگیا' ماں مر گئی سسرے کی وہاں جن رہتے ہیں ایسا نہ ہوتا تو وہ کبھی کی صفائی کرا چکا ہوتا۔"

"یہ مسجد کس طرف ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ کوئی آدھ کوس کا فاصلہ ہوگا کربلا کے پیچھے ہی تو ہے۔"

"یہاں سے راستہ جاتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں پیچھے سے نکل کر سیدھے چلے جاؤ' بنسی کاکا کے کھیت آتے ہیں اس کے بعد شکتی سنگھ کی حد شروع ہوجاتی ہے۔ مسجد وہیں سے نظر آجاتی ہے۔" لوگوں نے یونہی سرسری انداز میں مجھے بتا دیا تھا مگر میں نے پتہ ذہن نشین کرلیا۔ مسلمان اپنے طور پر ہوشیار تھے اور ہندو اپنے طور پر' سٹیشن ماسٹر کے کمرے میں' میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس سے صورت حال کا اندازہ ہوجاتا تھا مگر کرفیو نہیں تھا' پولیس انتظامی طور پر مستعد تھی۔

دوپہر کو میں نے حمید اللہ سے کہا حمید اللہ باہر جانے کی ہمت ہے؟

"کہاں؟"

"بس ایسے ہی نکل کر بتاؤں گا کہاں جانا ہے؟"

"آپ چل رہے ہیں تو ٹھیک ہے۔"

"خاموشی سے نکلنا ہوگا ورنہ یہ لوگ نہیں جانے دیں گے۔"

"اس میں تو ہم ماہر ہوگئے ہیں رحمان بھیا۔" حمید اللہ مسکرا کر بولا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ہم آنکھ بچا کر نکل آئے' مکانوں کی آڑ لیتے ہوئے ہم عقبی حصے میں نکل آئے۔ تھوڑا سا میدان تھا پھر کھیت پھیلے ہوئے تھے' میدان کو دوڑ لگا کر عبور کیا اور کھیتوں میں داخل ہوگئے۔ پورے پکے ہوئے جوار کے کھیت تھے' بالیں پیلی ہو رہی تھیں اور جوار کے بھٹے لٹکے پڑ رہے تھے۔ ہم چونکہ تیز رفتاری سے ان کے درمیان سے نکل رہے تھے اس لئے جوار ہل رہی تھی۔ آدھا کھیت طے کرلیا تھا کہ اچانک دور سے آواز سنائی دی۔ "ارے ہریا' گامو ارے دوڑو رے مُسلے گھس آئے کھیت جلانے آئے ہیں دوڑو رے۔

"کہاں کہاں؟" بہت سی آوازیں ابھریں اور سچ مچ اس وقت رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ "بھاگو حمید اللہ۔" میں نے حمید اللہ کی کلائی پکڑی اور ہم بے تحاشہ دوڑنے لگے لیکن ہمارے پیچھے بھی جوار بری طرح ہل رہی تھی اور کئی بلموں کی تیز انیاں چمک رہی

تھیں جن کا فاصلہ کم سے کم ہوتا جارہا تھا۔

بلموں کی چمکتی ہوئی انیوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کی تعداد دس بارہ سے کم نہیں ہے وہ برق رفتاری سے دوڑ رہے تھے۔ ہم کوئی چال بھی نہیں چل سکتے تھے کیونکہ فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا اور وہ ہلتی ہوئی بالیوں سے ہماری سمت کا اندازہ لگا چکے تھے۔ اگر رک کر رخ پلٹنے کی کوشش کرتے تب بھی جوار ہلتی اور وہ اس طرف مڑجاتے۔ وہیں کھڑے رہتے تو وہ ہمارے سر پر پہنچ جاتے اور سوچے سمجھے بغیر ہمیں گود کر رکھ دیتے اس لئے بھاگتے رہے کہ اس کے سوا چارہ نہیں اور ہم سر توڑ کر بھاگ رہے تھے۔ اچانک ہی کھیتوں کا سلسلہ ختم ہوگیا' سامنے ہی ایک چوڑا نالہ تھا جو دوسری سمت کے علاقے کی حدبندی کرتا تھا۔ میں نے اور حمید اللہ نے دوڑتے ہوئے نالہ عبور کیا۔ وہ لوگ بھی آگے آگئے تھے۔ پھر ان میں سے کسی کی آواز سنائی دی' وہ وہ رہے دو ہیں۔ ساتھ ہی انہوں نے بلم نیزوں کی طرح پھینک کر مارے۔ مگر نشانے درست نہیں لگا سکتے تھے کئی بلم ہم سے آگے سنسناتے ہوئے نکل آئے۔ اسی وقت مجھے مسجد کے بوسیدہ گنبد نظر آئے مسجد زیادہ فاصلے پر نہیں تھی اور ہمارا رخ اس کی جانب تھا۔ حمید اللہ کو بھی کوئی پرواہ نہیں تھی وہ بس میرا ساتھ دے رہا تھا۔ چونکہ کھلا علاقہ تھا اور وہ ہمیں صاف دیکھ رہے تھے چنانچہ انہوں نے بلم پھینک کر مارنے شروع کردیئے تھے لیکن وہ ہمارے دائیں بائیں سے نکلتے رہے اور ہم مسجد کے بڑے دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ دروازے کے عین سامنے اینٹوں کا ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا اسے پھلانگ کر ہم اندر گھس گئے اور پھر میں رک گیا۔ مجھے یہاں آنے کی ہدایت کی گئی تھی اور میں یہاں آگیا تھا اس کے بعد مجھے کوئی ہدایت نہیں تھی۔ چنانچہ اب میری جدوجہد ختم ہوجاتی تھی اور مزید ہدایت کے بغیر میں کچھ کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اگر وہ میری زندگی کے دشمن ہیں اور مجھے اور حمید اللہ کو ہلاک کر دینا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے اللہ کو یہی منظور ہے تو یہی سہی۔ آوازیں معدوم ہوگئیں وہ رک گئے تھے شاید وہ مسجد کے قریب آنے کی ہمت نہیں کر رہے تھے۔ ویسے بھی قربان علی کی اس مسجد کے بارے میں روایت تھی کہ یہاں جنوں کا بسیرا ہے ممکن ہے اس روایت نے ان کے قدم روک دیئے ہوں۔ حمید اللہ سانسیں درست کررہا تھا کئی منٹ گزر گئے تو اس نے باہر جھانک کر دیکھا پھر بولا وہ بھاگ گئے۔

"ہاں شاید' اپنے بلم چھوڑ گئے ہوں گے اٹھالاؤں۔"

"کیا کرو گے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"مقابلہ کریں گے ان سے ہوسکتا ہے مشورہ کررہے ہوں اور دوبارہ لڑنے کی

کوشش کریں۔"

"نہیں آئیں گے۔" میں نے اعتماد سے کہا۔

"تب ٹھیک ہے۔" حمید اللہ نے مجھ سے زیادہ پراعتماد لہجے میں کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ حمید اللہ مجھ سے کتنی عقیدت رکھتا ہے میرے ایک جملے نے اسے مطمئن کر دیا تھا۔ "اب ان کا خیال چھوڑو آؤ ہم اپنا کام کریں۔" میں نے حمید اللہ کو اشارہ کیا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

☆======☆=======☆

معصوم چڑیل
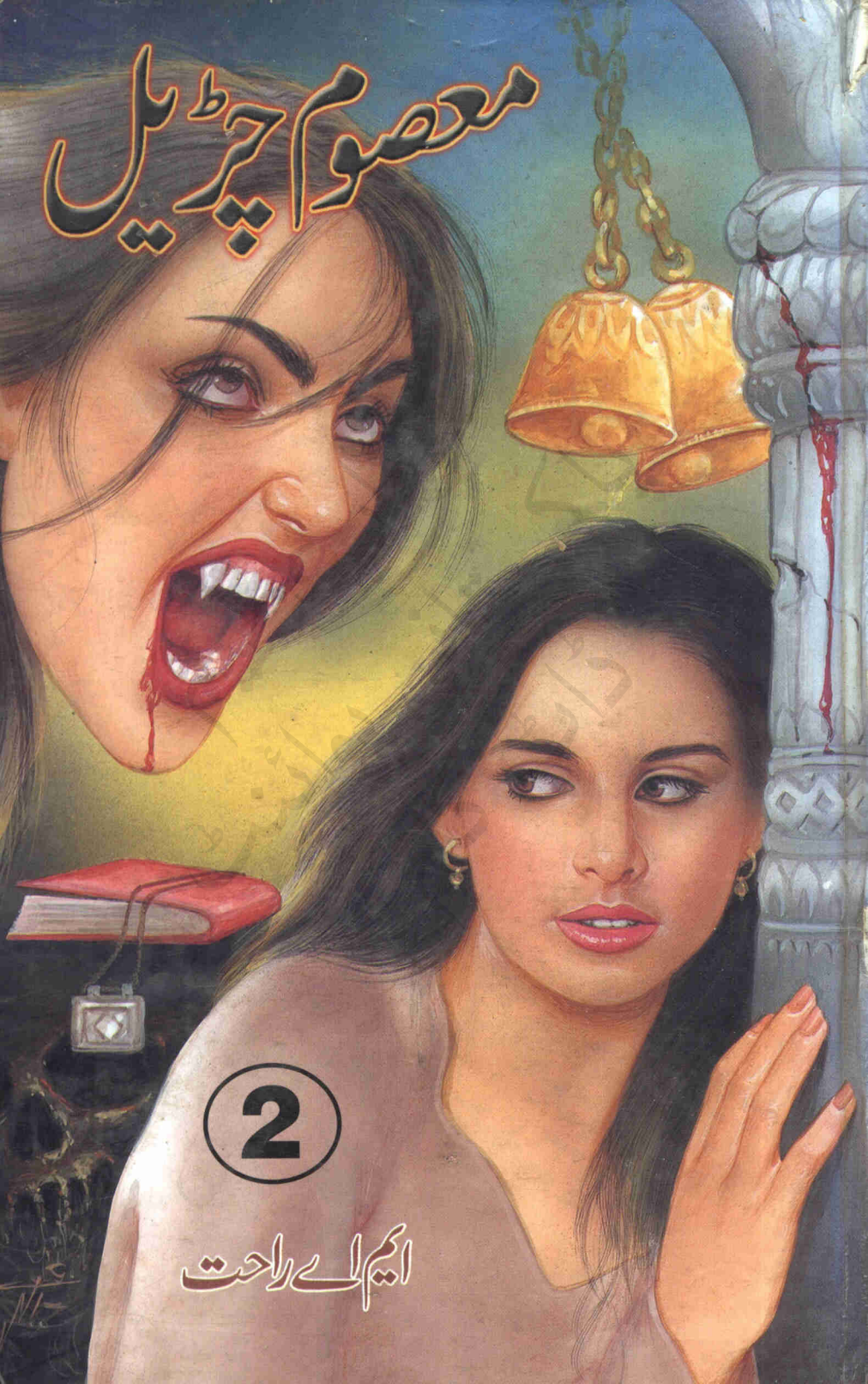
2

ایم اے راحت

مسجد کے بے شمار گوشے گرد آلود تھے جگہ جگہ اینٹوں کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ ایک سمت بڑا سا پیپل کا درخت تھا جس کے پتے بکھرے ہوئے تھے اندر منبر گرد آلود تھا۔ میں نے شاخیں جمع کر کے جھاڑو بنائی اور سب سے پہلے ہم نے اندرونی حصے کی صفائی شروع کر دی۔ حمید اللہ نے قمیض اتاری اور منبر صاف کرنے لگا چٹائیوں کی صفیں بے ترتیب پڑی ہوئی تھیں انہیں جھاڑ کر صاف کیا اور دونوں نے مل کر انہیں ترتیب سے بچھایا۔ غالباً عصر کا وقت ہو گیا تھا میں نے حمید اللہ سے کہا حمید اللہ پانی کا مسئلہ ہے۔

''نہیں رحمان بھیا بائیں سمت کنواں ہے ڈول بھی رکھا ہوا ہے۔''

''اوہو میں نے نہیں دیکھا تھا تب پھر پانی بھرو وضو کریں۔'' وضو سے فراغت پا کر میں نے صحن مسجد میں ایک بلند جگہ منتخب کی اور اذان دینے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اذان سے فارغ ہو کر ہم دونوں نے نماز پڑھی اور پھر مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ حمید اللہ نے ایک لفظ نہیں کہا تھا رات ہو گئی کوئی آٹھ بجے ہوں گے ہم مسجد کے دلان میں بیٹھے بیکراں اندھیرے کو دیکھ رہے تھے کہ اچانک مسجد کے عقبی حصے میں روشنی متحرک ہوئی۔ ساتھ ہی اینٹوں پر کسی کے چلنے کی آواز بھی آئی' حمید اللہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ مگر میں نے پُرسکون لہجے میں کہا بیٹھ جاؤ حمید اللہ اطمینان سے بیٹھے رہو۔

روشنی گھوم کر سامنے آ گئی بارہ تیرہ سال کا ایک خوبصورت لڑکا ایک ہاتھ میں لالٹین پکڑے دوسرے ہاتھ میں لوٹا ہمارے سامنے آ گیا۔ اس نے بڑے ادب سے ہمیں سلام کیا پھر بولا ہاتھ دھو لیجئے کھانا آ رہا ہے۔ شکریہ بیٹے بسم اللہ میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا میں نے آگے بڑھ کر لوٹا اور لالٹین اس کے ہاتھ سے لے لی۔ بچہ فوراً واپس مڑ گیا تھا لالٹین لے کر میں مڑا تو حمید اللہ پر نگاہ پڑی پتھرایا ہوا کھڑا تھا۔

''یہ لالٹین کسی مناسب جگہ رکھ دو حمید اللہ اور آؤ ہاتھ دھو لو۔'' حمید اللہ آگے بڑھ آیا اس کے ہاتھوں میں لرزش محسوس ہوئی تھی لیکن اس نے منہ سے ایک لفظ نہیں کہا۔ بچہ کچھ دیر کے بعد پھر واپس آیا اس کے عقب میں ایک شخص تھا جس نے کھیس اوڑھا ہوا تھا چہرہ تک کھیس میں ڈھکا ہوا تھا۔ بس ہاتھ کھلے تھے اور ان کھلے ہاتھوں میں وہ

بڑی سی ٹرے سنبھالے ہوئے تھا جس میں قابیں ڈھکی رکھی تھیں۔ ایک بڑی پلیٹ میں چار خوشبودار آم رکھے ہوئے تھے ساتھ ہی چھری بھی تھی بادیئے میں گرم روٹیاں تھیں۔ لڑکا اپنے ہاتھوں میں جگ اور گلاس تھامے ہوئے تھا اس نے دونوں چیزیں ایک طرف رکھیں ساتھ لایا ہوا دسترخوان بچھایا اور کھیس والے شخص نے ٹرے اس پر رکھ دی پھر وہ دونوں واپس چلے گئے۔ آجاؤ حمید اللہ میں نے اسے آواز دی اور حمید اللہ سامنے بیٹھ گیا' قاب اٹھاتے ہی زعفران کی خوشبو پھیل گئی۔ زعفرانی قورمہ اور خمیری نان سے ضیافت کی گئی تھی' قورمہ بھی شاید ہرن کے گوشت کا تھا بسم اللہ کہہ کر کھانے میں مصروف ہوگیا۔ حمید اللہ نوالے ٹھیل رہا تھا مجھے کہنا پڑا کہ لذیذ خوراک سے اجتناب میزبانوں کی دل آزاری کا باعث بنتا ہے اطمینان سے کھاؤ۔ حمید اللہ نے میری بات سمجھی اور جلدی جلدی شروع ہوگیا وہ بری طرح ڈرا ہوا تھا۔ کھانے کے بعد آموں کی باری آئی تو وہ بولے بغیر نہ رہ سکا' آموں کا موسم تو نہیں ہے رحمان بھیا۔ جو سامنے ہو اسی کا موسم ہے کھاؤ ان الفاظ کے ساتھ مجھے ہنسی آگئی اور میں نے کہا مجھے استاد کمال الدین یاد آگئے تھے اگر واقعی آموں کا موسم ہوتا تو کیا ہوتا' حمید اللہ میرے الفاظ سے لطف اندوز نہیں ہوسکا تھا۔ وہ سہما ہوا تھا اسے سمجھانا ضروری تھا حمید اللہ میں نے اسے آواز دی۔ خوفزدہ ہو' ہاں اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ یہاں کے ماحول سے ان واقعات سے یا باہر کے خطرات سے۔ یہاں پیش آنے والے واقعات سے میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا حمید اللہ نے سچ بولا۔

"بڑی عام سی بات ہے حمید اللہ کائنات کا ہر گوشہ اللہ کی ملکیت ہے' انسان بھٹکا ہوا ہے کہ اس کی زمین اپنی ملکیت سمجھ لیتا ہے۔ وہ اس کے لئے فساد کرتا ہے خون خرابہ کرتا ہے۔ چالبازیاں کرتا ہے اسے اپنا قرار دیتا ہے حالانکہ اس کا کچھ نہیں ہے۔ وہ سب کچھ بناتا ہے اور اسے بنانے کے لئے انسانیت کے معیار سے اتنا گر جاتا ہے کہ اسے انسان کہتے ہوئے شرم آئے۔ جنت شداد کی داستان لے لو شداد نے کتنے ظلم و ستم کرکے اپنی جنت بنائی مگر اسے دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ اس نے اللہ کی زمین پر حق جتایا تھا یہی کیفیت ہر ذی روح کی ہے نہ جانے کیا کیا کرتا ہے پھر ساکت ہوجاتا ہے روح نکل جاتی ہے۔ لوگ اسے اٹھا کر مٹی کے نیچے دفن کر آتے ہیں' کیا رہا اس کے بعد جو کچھ اس نے کیا اس کا سب کچھ دوسرے کا سب کچھ بن گیا۔ اللہ کی زمین پر اس کی کون سی مخلوق رہتی ہے' وہی جانتا ہے' کیڑے مکوڑے' پنکھ پکھیرو نہ جانے کون کون کہاں رہتا ہے اسے ہی سمجھنے دو خود نہ سمجھو کیا سمجھے؟" وہ کچھ سمجھا کچھ نہ سمجھا۔ "سکون سے سوجاؤ اللہ بہتر کرے گا۔" حمید اللہ نے پھر کچھ نہ کہا کروٹ بدل کر لیٹ گیا میں اس کی سانسوں کا تجزیہ کرتا رہا وہ پرسکون

تھا۔ کچھ دیر کے بعد میں اٹھ گیا ماحول میں کوئی آواز نہیں تھی گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جن لوگوں نے ہمارا تعاقب کیا تھا وہ مسجد کے پاس آنے کی ہمت نہیں کرسکے تھے اور یہاں سے بھاگ گئے تھے۔ اب کوئی آواز نہیں تھی میں باہر نکل آیا لیکن آگے قدم بڑھا رہا تھا کہ دفعتاً دو سائے نظر آئے جو تیزی سے میرے قریب آگئے۔

"السلام علیکم۔" انہوں نے بیک وقت کہا جواب دینے کے بعد میں نے انہیں غور سے دیکھا باریش مگر نوجوان تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "کوئی حاجت ہے؟"

"نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔"

"آج اندر ہی پڑھ لیں تو بہتر ہے کل سے آسانی ہوگی باہر کام ہو رہا ہے۔"

"کام؟"

"ہاں مسجد تعمیر ہو رہی ہے دراصل پہلے اسے آباد کرنے والا کوئی نہیں تھا' اب آبادی ہوئی ہے تو اس کی درستگی بھی ضروری ہے صرف آج کی بات ہے صبح تک کام مکمل ہوجائے گا اور ہاں فجر کی اذان آپ اس بلندی پر کھڑے ہو کر دیں جو اس طرف ہے۔" ایک شخص نے ایک سمت اشارہ کرکے کہا۔ ابھی تک آپ نے جتنی اذانیں کہی ہیں پوری آبادی میں سنی گئی ہیں اور بے دینوں میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ اذان دور دور تک سنی گئی ہے۔ ہر گھر میں اور جب آپ اس جگہ کھڑے ہو کر اذان کہیں گے تو بستی کے آخری گوشے تک آواز جائے گی اس کا انتظام کرلیا گیا ہے بس اب اندر جایئے ہماری باری آگئی ہے۔" وہ دونوں پھر سلام کرکے وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

میں اندر آگیا ایک جگہ منتخب کرکے میں نماز پڑھنے میں مصروف ہوگیا کوئی اضطراب نہیں تھا' کوئی تردد نہیں تھا۔ دل میں کوئی سوال نہیں تھا مسجد میں ہی نیند آگئی پھر کسی نے شانہ ہلایا اور ایک آواز سنائی دی۔ "اٹھئے فجر کا وقت ہوگیا۔" ہڑبڑا کر اٹھ گیا کوئی موجود نہیں مگر اجالے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ باہر نکل آیا سب کچھ بدلا بدلا محسوس ہو رہا تھا ہر چیز صاف ستھری قرینے سے صفیں بچھی ہوئی تھیں۔ نلوں میں پانی آرہا تھا۔ ایک ایک شے چمک رہی تھی جگہ جگہ روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ ایک لمحے میں بہت کچھ یاد آگیا خاموشی سے بلند جگہ پر پہنچا اور پھر اذان کہنے کے لئے کھڑا ہوگیا۔ حمید اللہ اذان کی آواز سے جاگ گیا اور وضو کے لئے شاید کنویں کی طرف دوڑا لیکن پھر اس کی چیخ ابھری۔ دوسری پھر تیسری اس کے بعد وہ میرے قریب آکھڑا ہوا میں اذان مکمل کرکے نیچے اتر آیا تو وہ ہیجانی لہجے میں بولا۔ "رحمان بھیا یہ ذرا دیکھئے' وہ دیکھئے' سب کچھ سب کچھ بدل گیا وہ دیواریں' وہ مینار' وہ رحمان بھیا دروازہ' وہ دروازہ اور یہ ذرا دیکھئے' نلوں سے پانی آرہا

ہے‘ رحمان بھیا وہ صفیں اور اور یہ سب کچھ راتوں رات۔“

”وضو کرلو حمید اللہ نماز کو دیر ہوجائے گی۔“

”اییں ہاں اوہ!“

حمید اللہ کا لہجہ نڈھال ہوگیا۔ اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ قدموں سے وضو کرنے چل پڑا میں نے اب مسجد کا جائزہ لیا بالکل مکمل تھی۔ مجھے رات ہی کو بتا دیا گیا تھا اور جن لوگوں نے اس کام کی ذمہ داری سنبھالی تھی ان کے لئے یہ کچھ مشکل بھی نہیں تھا۔ حمید اللہ کی کیفیت فطری تھی اسے سنبھالنا تھا نماز سے فراغت ہوئی تو دوسری حیرت تیار تھی لیکن میرے لئے نہیں۔ کچھ فاصلے پر برتن رکھے ہوئے تھے چائے دانی سے بھاپ کی خوشبودار لکیر اٹھ رہی تھی‘ ایک پلیٹ میں گرم پراٹھے دوسری میں اصلی گھی سے بنی ترکاری چائے کے لئے دو پیالے حمید اللہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ ناشتہ کرو حمید اللہ میں نے پلیٹیں اس کی طرف سرکا کر کہا اور حمید اللہ نے جلدی سے پلیٹ میں ہاتھ ڈالا اور پھر خود ہی خجل ہوگیا۔ آپ آپ لیجئے بھیا‘ ہاں ہاں بسم اللہ پھر میں خاموشی سے ناشتہ کرتا رہا چائے کے پیالے بھی بھر لئے تھے۔ پھر بعد میں ہم نے برتن صاف کرکے ایک جگہ رکھ دیئے اور میں حمید اللہ کو ساتھ لے کر صحن میں آبیٹھا وہ بالکل خاموش تھا اور اس کے چہرے پر کشمکش تھی۔ حمید اللہ میں نے اسے پکارا تو وہ اچھل پڑا‘ رات کو میں نے تمہیں سمجھایا تھا حمید اللہ میں نے سنجیدگی سے کہا تو اس کے چہرے پر خوف کے آثار پھیل گئے۔

وہ اوپری سانس لینے لگا پھر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کردیئے‘ معافی چاہتا ہوں رحمان بھائی معافی چاہتا ہوں غلطی ہوجاتی ہے معاف کر دیجئے وہ رندھی ہوئی آواز میں بولا۔ ارے پاگل بیوقوف ہے بالکل‘ بھیا ناراض نہ ہوجانا مجھ سے واقعی غلطیاں ہورہی ہیں اس نے ہاتھ جوڑے جوڑے کہا۔ بالکل ناراض نہیں ہوں میں مگر کچھ سمجھانا چاہتا ہوں غور سے سنو کیا سمجھے۔ جی بھیا‘ اللہ کی بے شمار مخلوق کے بارے میں تمہیں رات کو بتایا تھا میں نے‘ جی اس نے گردن ہلائی۔ ان میں سے کچھ ظاہر ہیں کچھ پوشیدہ‘ کچھ ہم ہیں اور کچھ جو ہم پر ظاہر نہیں ہوتے وہ بھی احکامات خداوندی کی تعمیل کرتے ہیں۔ جیسے ہم جو وہ کرتے ہیں انہیں وہ کرنے دو جو ہمیں کرنا ہے وہ ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ مسجد اگر راتوں رات تعمیر ہوگئی تو اس میں حیرانی کی بات نہیں ہے۔ تمہیں اللہ نے یہ طاقت بخشی ہے اگر کوئی ہمارا میزبان ہے تو اس کا شکریہ بے شک ادا کرو اس پر حیرت نہ کرو۔ اسی طرح آئندہ بھی بہت سے ایسے مواقع آئیں گے جن پر تمہیں حیرت ہوگی جو بتانے کی باتیں ہوں گی میں تمہیں ضرور بتا دوں گا۔ جہاں خاموش رہوں مجھے مجبور سمجھنا ہاں جس کام کا

تعلق تم سے ہوگا تمہیں اس کی اطلاع ضرور دوں گا۔ میرے ساتھ رہو گے بہت سے واقعات اور سانحات سے دوچار ہونا پڑے گا انشاء اللہ محفوظ رہو گے خوفزدہ یا فکر مند نہ ہونا اعتماد قائم رکھنا۔ جی رحمان بھیا میری باتیں سمجھ میں آگئی ہیں جی بالکل جی آئندہ آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ کوئی بات تم سے متعلق ہوگی تو تمہیں ضرور آگاہ کروں گا‘ حمید نارمل ہوگیا۔

☆======☆======☆

دن کے کوئی گیارہ بارہ بجے ہوں گے کہ اچانک شور سنائی دیا‘ صاف پتہ چل رہا تھا کہ پتھراؤ ہو رہا ہے۔ پتھر دیواروں اور دروازوں پر لگ رہے تھے حمید اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ شور بڑھتا رہا تھا میں بھی کھڑا ہوگیا‘ اب مجھے فیصلہ کرنا پڑا تھا کہ میں کچھ کروں۔ اندازہ ہوگیا تھا کہ بے شمار مجمع ہے جو مسجد پر پتھراؤ کر رہا ہے آن کی آن میں فیصلہ کرلیا۔ خاموشی سے بڑے دروازے کی طرف بڑھ گیا حمید نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا اور پھر فوراً بند کرلیا اسے میری ہدایت کا خیال آگیا تھا۔ پتھراؤ مسلسل ہو رہا تھا لوگ چیخ رہے تھے میں نے دروازے کے پٹ کھولے اور باہر قدم رکھ دیا۔ لگ بھگ سو ڈیڑھ سو افراد تھے جیسے ہی دروازہ کھلا ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ ان کے ہاتھوں میں پتھر تھے لیکن دروازہ کھلتے ہی وہ پلٹ کر بھاگ اٹھے اور کافی پیچھے جاکر رکے یہ شاید یہاں کی روایت کا خوف تھا ان کے درمیان کچھ پولیس والے بھی تھے۔

”کیا بات ہے؟“ میں نے چیخ کر پوچھا میری آواز کے ساتھ وہ دو قدم اور پیچھے ہٹ گئے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ”تم لوگ یہ پتھر کیوں پھینک رہے ہو۔“ لوگ پولیس والوں سے کچھ کہنے لگے شاید وہ انہیں آگے بڑھنے کے لئے کہہ رہے تھے مگر پولیس والے بھی انسان تھے کوئی بھی آگے نہیں آیا۔ ”جاؤ یہاں سے چلے جاؤ عبادت گاہوں پر پتھر نہیں پھول پھینکتے ہیں۔“

”یہ زمین شکتی سنگھ مہاراج کی ہے مسجد کس نے بنائی ہے؟“

”کہاں ہے شکتی سنگھ اسے بلاؤ۔“

”ہم اسے توڑ دیں گے ہم اسے توڑ دیں گے توڑ دو اسے۔“ کسی نے پیچھے سے چیخ کر کہا اور مجمع پھر بپھر گیا۔ پتھروں کی بارش پھر ہوئی لیکن نتیجہ انہوں نے خود دیکھ لیا پتھر پوری رفتار سے ان کے ہاتھوں سے نکلے ایک لمحے تیرتے نظر آئے اور پھر غائب ہوگئے۔ میں خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا سب ایک دوسرے کے شانے پر اچک اچک کر پتھر

تلاش کر رہے تھے۔ میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"اس کے بعد اگر تم میں سے کسی نے ایک بھی پتھر پھینکا تو وہ پلٹ کر اسی کے لگے گا مجھے الزام مت دینا۔"

"زمین شکتی سنگھ کی ہے ہم یہاں مسجد نہیں رہنے دیں گے۔" لوگ پھر چیخے۔

"مسجد یہاں نہ رہی تو شکتی سنگھ بھی نہ رہے گا یاد رکھنا۔" میں نے کہا۔ ایک بہادر نے اس کے باوجود بہادری دکھائی اس نے ایک پتھر پوری قوت سے پھینکا اور پتھر راستے پر آکر پلٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس شخص کی بھیانک چیخ سنائی دی اور وہ لہولہان ہو گیا' میں نے اسے چکرا کر گرتے ہوئے دیکھا۔ لوگ خوف سے چیخنے اور پھر دوڑ پڑے اس کے بعد وہ نہیں رکے تھے۔ میرا کلیجہ ہاتھ بھر کا ہو گیا دل سے شکریہ نکلا تھا کہ میرے لفظوں کی لاج رکھی گئی۔ مجمع میں سب سے آگے بھاگنے والے پولیس مین تھے اب وہاں صرف زخمی شخص کا پورا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ تیس' پینتیس سال کا شخص تھا سر چکرا رہا تھا اس کا مگر ہوش میں تھا مجھے دیکھتے ہی دہشت سے دونوں ہاتھ جوڑ کر چیخا۔ "نامیاں جی ارے مرجاؤں گا نامیاں جی تو کا بھگوان کا واسطہ ارے ہمیں نہ مارو ہمیں بھگوان کے لئے۔" وہ دہشت کے عالم میں پیچھے ہٹ رہا تھا اس کے کندھے پر باریک کپڑے کا انگوچھا پڑا ہوا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کا انگوچھا اتار لیا اس کے درمیان سے دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑا حمید اللہ کو دے کر کہا حمید اللہ وہ سامنے کھیت کی مینڈھ کے ساتھ پانی بہہ رہا ہے اس کپڑے کو اس میں بھگو لاؤ۔ حمید اللہ کپڑا لے کر دوڑ گیا زخمی ہراساں نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ "میں نے تمہیں سمجھا دیا تھا کہ پتھر مت پھینکنا مگر تم نہ مانے۔"

"ارے رام ارے رام بھول ہو گئی مہاراج بھول ہو گئی بس ایک بار معافی دے دو۔"

"اطمینان رکھو میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔" میں نے کہا حمید نے واپس آنے میں دیر نہیں لگائی تھی بھیگے ہوئے کپڑے سے اس کا چہرہ اور زخم صاف کیا پھر اس کے زخم پر کپڑے کی گدی بنا کر رکھ دی اور کپڑا کس کر باندھ دیا۔ وہ حیران نظر آ رہا تھا' چکر آ رہا ہے؟ میں نے پوچھا۔ نہیں مہاراج' گھر جا سکتا ہوں۔

"ہاں۔ جاؤ اور سنو عبادت گاہیں اللہ اور تمہارے الفاظ میں بھگوان کا گھر ہوا کرتی ہیں انہیں نقصان پہنچانا گناہ یا پاپ ہے۔ انسان ہو انسانوں سے پیار کرو نفرتوں میں کچھ نہیں رکھا' مسلمان اللہ کا نام لے کر مریں گے تم بھگوان کو پکار کر مرو گے مرنا دونوں کو ہے' پھر آخر یہ جنون کیوں ہے کیا نام ہے تمہارا؟"

"ہریا۔"

"جاؤ ہریا احتیاط سے جانا کہیں راستے میں تمہیں کوئی اور جنونی نہ مل جائے۔" میں نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا وہ لڑکھڑایا پھر سنبھل گیا اور پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ کچھ دور نکلنے کے بعد اس نے پلٹ کر دیکھا دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے اور پھر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تو میں نے حمید اللہ کو واپس چلنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں مسجد میں داخل ہو گئے میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اس کے بعد کوئی ایسا واقعہ نہیں ہو جو قابل ذکر ہو۔

حمید کی زبان پر بھی تالا لگا ہوا تھا' ہماری ضروریات پوری ہو رہی تھیں مگر میں بے اطمینانی کی سی کیفیت میں مبتلا ہو گیا تھا نہ جانے کیوں ایک اضطراب سا دل میں جاگ اٹھا تھا۔ شام کو میں نے جھنجلا کر حمید سے کہا تمہیں کیوں چپ لگ گئی ہے؟ نہیں رحمان بھائی ڈرتے ہو؟ خدا کی قسم بالکل نہیں اب تو ڈر کا شائبہ بھی نہیں ہے اللہ نے مجھے آپ کی قربت دے کر بہت سا سہارا دیا ہے۔ پھر بھی زیادہ چپ اختیار کر لی ہے تم نے' آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا بھیا ایک خیال ہے میرے دل میں۔

"کیا؟"

"بھیا آپ درویش ہیں اتنا دیکھا ہے میں نے کہ اب دیکھنے کے لئے کچھ باقی نہیں ہے' آپ اللہ کے حکم سے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ میں اپنی بہن کے لئے تڑپ رہا ہوں میرا دل زخموں سے چُور ہے مجھے اس کا کوئی پتہ نہیں ہے آپ اپنی روحانی قوتوں سے اسے تلاش کر سکتے ہیں' آپ میرے دل کے گھاؤ بھر سکتے ہیں پھر آپ ایسا کیوں نہیں کرتے بھیا!" وہ سسک کر بولا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں نے گردن جھکا لی کچھ دیر سوچتا رہا پھر میں نے کہا۔

"حمید تم نے کہا کہ آپ سب کچھ کر سکتے ہیں اللہ کے حکم سے یہی کہا ہے نا تم نے۔ اللہ کا حکم ہونے دو سب ٹھیک ہو جائے گا میں کچھ نہیں ہوں حمید صرف ایک گنہگار بندہ ہوں اللہ کا۔ جو خود بھی زندگی کے عذاب میں گرفتار ہے جو خود زندگی سے دور ہے' جو خود بھی اپنا سب کچھ لٹا کر بیٹھا ہے۔ حمید میری امی ہیں میرے ابو ہیں میری ایک چھوٹی بہن ہے جسے کچھ لوگوں نے اغوا کر لیا ہے۔ میرا بھائی ہے میرے ایک ماموں ہیں محبت کرنے والے مگر سب چھن گئے ہیں مجھ سے میں انہیں نہیں پا سکتا میں انہیں نہیں تلاش کر سکتا' میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہا ہوں میں سزا بھگت رہا ہوں بس یہ دعا مانگتا ہوں کہ میری سزا پوری ہو جائے مجھے معافی مل جائے اور میں اپنوں میں پہنچ جاؤں۔ میں طویں

سفر پر ہوں اور اپنی منزل چاہتا ہوں اللہ کے حکم کا منتظر ہوں بس میری اوقات کچھ نہیں میرے دوست!" غیر ارادی طور پر میری آواز رندھ گئی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حمید سکتے کے عالم میں مجھے دیکھ رہا تھا میرے خاموش ہونے پر وہ بے اختیار آگے بڑھا اور مجھ سے لپٹ گیا۔

"معاف کردو رحمان بھیا معاف کردو میں نے تمہارا دل دکھا دیا بھیا مجھے معاف کردو۔"

"نہیں حمید معافی کس بات کی میں نے تو تمہیں اپنی اوقات بتائی ہے تاکہ تم مجھے بے حسی کا مجرم نہ سمجھو' تمہاری بہن تمہیں ضرور ملے گی میرا خاندان بھی مجھے ملے گا مگر اس وقت جب اللہ کا حکم ہوگا۔"

"آئندہ کبھی کچھ نہ کہوں گا بھیا وعدہ کرتا ہوں۔" اس کے بعد کیفیت کچھ خوشگوار ہوگئی غالباً دل کا غبار نکل گیا تھا۔ حمید نے کہا اس کے بعد انہوں نے ادھر کا رخ نہیں کیا' مشکل ہی ہے' اللہ بہتر جانے' بے گناہ مر رہے ہیں۔ اللہ بہتر سبیل پیدا کرے گا میں نے کہا رات ہوگئی تھی کوئی گیارہ بجے ہوں گے ہُو کا عالم طاری تھا۔ کسی پرندے کے پھڑپھڑانے کی آواز بھی نہ تھی ہم دونوں آرام کر رہے تھے بہت سی باتیں کی تھیں ہم نے اور اب خاموش تھے۔ دفعتاً مسجد کے بڑے دروازے پر دستک ہوئی اور ہم اچھل پڑے' حمید اٹھ کر بیٹھ گیا اور سہمی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ دستک پھر ہوئی اور میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ میں دیکھتا ہوں میں نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا حمید بھی میرے پیچھے آگیا۔ میں نے بڑے اعتماد سے دروازہ کھولا باہر تاریکی میں دو سائے نظر آرہے تھے۔

"کون ہو تم؟" میں نے نرمی سے سوال کیا ان کی صورتیں نظر نہیں آرہی تھیں ان میں سے ایک نے کچھ کہنا چاہا مگر عجیب سی آواز اس کے منہ سے نکلی۔ میں نے اندازہ لگایا تو احساس ہوا کہ بے انتہا خوف کی وجہ سے اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل پارہے تھے وہ حد سے زیادہ ڈرا ہوا تھا۔ میں نے انتہائی نرم لہجے میں کہا۔ "کیا بات ہے بھائی کون ہو تم دونوں کیسے یہاں آنا ہوا؟" آگے والے آدمی نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور تقریباً دو زانو بیٹھتا ہوا بولا۔ "مم مہاراج مہاراج آپ کی سیوا میں حاضر ہوئے ہیں مم مہاراج ہم۔"

"ہاں ہاں کہو کیا بات ہے کیا تم ہندو ہو؟" میں نے سوال کیا پیچھے والا آدمی تھوڑا سا آگے آیا تو میں نے اس کا چہرہ جانا پہچانا محسوس کیا' پیشانی پر بندھی ہوئی سفید پٹی نے مجھے یاد دلا دیا کہ وہ ہریا تھا۔ وہ زخمی جسے میں نے زخم صاف کرنے کے بعد واپس بھیج دیا تھا

میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "ارے ہریا تم؟"

"مم مہاراج میں ہی ہوں میں ہی ہوں۔" وہ بولا۔

"کیا بات ہے بات بتاؤ؟"

"یہ یہ شکتی سنگھ ہیں شکتی سنگھ اس زمین کے مالک۔"

"اوہو اچھا اچھا تو یہ شکتی سنگھ ہیں کہئے شکتی سنگھ مہاراج کیسے آنا ہوا آپ کا؟"

"آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں مہاراج بھگوان کے لئے میرے اس طرح یہاں آنے کو برا نہ سمجھیں۔ بڑی ہمت کی ہے میں نے اور ہریا نے مجھے یہ ہمت دلائی ہے' مہاراج من کی کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔ آپ جو بھی ہیں ہمارے دھرم کے نہیں ہیں مگر سارے دھرم ایک ہی ہوتے ہیں زبان کا فرق ہے ساری اچھی باتیں دھرم ہی سکھاتے ہیں۔ ہریا نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا مہاراج تو میری ہمت پڑی صبح کو جو کچھ ہوا ہے بھگوان کی سوگند اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے کسی سے نہیں کہا تھا کہ جاؤ اور مسجد پر پتھراؤ کرو۔ وہ سب وہ سب انہی پاپیوں کا کیا دھرا ہے مہاراج آپ مجھے شما کردیں۔ میرے من کی کچھ باتیں سن لیں مجھے پورا واقعہ معلوم ہے پر یہ سب تو جگہ جگہ ہو رہا ہے' سب ہی جگہ میں نے کچھ نہیں کرایا بس مہاراج سن لیجئے میری' بڑا دکھی ہوں میں بڑا دکھی ہوں بس ایک بار میری ساری بپتا سن لیجئے۔"

"بیٹھ جاؤ شکتی سنگھ تم بھی بیٹھ جاؤ ہریا!" میں نے کہا اور خود بھی سیڑھی پر بیٹھ گیا' وہ دونوں میرے سامنے بڑے ادب سے بیٹھ گئے۔

شکتی کہنے لگا۔ "سارے شہر میں یہی کچھ ہو رہا ہے مہاراج ہریا میرے پاس آیا میرا ہی آدمی ہے اس نے سارا واقعہ مجھے بتایا۔ میری ہمت تو نہیں پڑ رہی تھی مگر یہ کہنے لگا کہ کوئی ہرج نہیں ہے مہاراج سے مل لینے میں' بڑے اچھے انسان ہیں انسانوں کی طرح جینے کا درس دیتے ہیں۔ بس مہاراج اپنا دکھ لے کر آپ کے پاس آگیا' یہاں نور پور میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا ایک کارن ہے۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ بستی کے لوگ اس وقت بھی تو انسانی شکار کی تلاش میں نہیں نکلے ہوئے ہیں؟"

"یہاں سے جو لوگ واپس گئے ہیں مہاراج ان کی تو میا مرگئی ہے دوبارہ کوئی ادھر نہیں آئے گا' ویسے اس وقت بستی میں کہیں فساد نہیں ہے سب اپنے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے ہیں۔"

"ہوں اب کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے کہا۔

"کچھ ایسی باتیں بتانا چاہتا ہوں مہاراج جن کے بارے میں مجھے نہیں معلوم کہ آگے چل کر میرے لئے کیسی ہوں' پر یہ جانتا ہوں کہ کچھ نہ کچھ ہو گا ضرور کیونکہ پریم ناتھ کے ہزاروں کان ہیں' ہزاروں آنکھیں ہیں وہ سب کی تاک میں رہتا ہے اس کے قبضے میں بڑے بیر ہیں' مہاراج اور وہ اپنے بیروں سے ساری بستی کی خبر رکھتا ہے اسے ضرور پتہ ہو گا کہ ہم اس سے آپ کے پاس آئے ہیں۔"

"فکر مت کرو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"آپ مہان ہیں مہاراج یہاں جو کچھ ہوا میں سن چکا ہوں میں نے ہی نہیں پوری بستی نے آپ کی اذان کی آواز سنی ہے لاؤڈ سپیکر کے بغیر۔ کھلبلی مچ گئی ہے کہ یہ آواز کہاں سے آئی اور اس کے بعد بڑی بڑی باتیں لوگ کر رہے ہیں میرے پاس بھی آئے تھے۔"

"کیا کہہ رہے تھے لوگ؟"

"صبح صبح آئے تھے کہہ رہے تھے کہ ہندو دھرم پر آفت آنے والی ہے کوئی آگیا ہے اب کیا کریں؟"

"تم نے کیا کہا شکتی سنگھ؟"

"میں کیا کہتا یہی کہا کہ جاؤ پریم ناتھ کے پاس۔"

"پھر وہ گئے؟"

"ہاں گئے تھے۔"

"کیا کہا اس نے تمہیں پتہ چلا؟"

"ہاں مہاراج اس سے تک کسی کو پتہ نہیں تھا کہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔ وہ بولا کہ جاؤ پتہ لگاؤ کہ آواز کہاں سے آئی' پھر لوگوں نے یہ مسجد دیکھ لی جو راتوں رات بن گئی ہے' بات پوری بستی میں پھیل گئی اور غصے کے مارے دوڑ پڑے اس پر پتھراؤ کرنے لگے مگر اس سے ڈرتے بھی تھے۔"

"ڈرتے کیوں تھے؟"

"بس مہاراج کیا بتائیں بعد میں ہریا نے مجھے پوری بات بتائی بستی بھر میں شور مچا ہوا ہے کہ مسجد راتوں رات بن گئی ہے۔"

"یہاں ایک مندر بھی تو راتوں رات بن گیا تھا۔"

"ہاں مگر اس کے بارے میں تو سب کو معلوم ہے۔"

"کیا معلوم ہے؟"

"یہی کہ وہ بھوانی کال کا مندر ہے اور کالے جادو سے بنا ہے سارے جانتے ہیں پریم ناتھ اگھوری ہے انار نہیں۔"

"لوگ یہ بات جانتے ہیں؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کون نہیں جانتا؟"

"پھر بھی اس کے احکامات پر عمل کر رہے ہیں؟"

"بھوت سے کون نہ ڈرے مہاراج!" شکتی سنگھ نے بتایا۔

"مجھے اس کے بارے میں پوری تفصیل بتاؤ شکتی۔"

"ہم یہی تو بتانے کے لئے آئے ہیں مہاراج نور پور کے آس پاس کی زمینیں ہماری ہیں یا پھر نواب شہریار کی۔ وہ ہیں نوابوں کے دماغ والے ہمیں انہوں نے کبھی برابر کا نہ مانا' اب مہاراج سب ہی بھگوان کا دیا کھاتے ہیں کون کسی کو مانے۔ ہم نے بھی آنکھیں بگاڑ لیں اس سے پہلے کبھی نور پور میں ہندو مسلمان نہ لڑے مگر نواب شہریار ہندوؤں کو نیچ سمجھتے تھے۔ پہلا جھگڑا انہوں نے کردیا تب ہندو بھی کھڑے ہوگئے اور اس کے بعد وہ دوستی ختم ہوگئی جو یہاں مثالی حیثیت رکھتی تھی۔ بات بات پر جھگڑے ہونے لگے سب کے دلوں میں بیج پڑ گیا تھا۔ نواب کی زمینوں پر مندر تھا پرانا ایک بار ہندوؤں نے اسے بنانا چاہا مگر نواب شہریار نے منع کردیا۔ یہ قربان علی کی مسجد ہے ہم سے کہا گیا کہ مسجد بنانے دیں ہم نے بھی منع کردیا۔ چھوٹی چھوٹی باتیں چل رہی تھیں بڑی باتیں کبھی نہ ہوئیں پھر پریم ناتھ بستی میں آیا۔

"کتنی پرانی بات ہے؟" میں نے درمیان میں ٹوکا۔

"کوئی سوا سال ہوگیا مہاراج' وہ بستی میں آیا۔ وہاں چبوترے پر اس نے آسن لگایا چھ دن چھ راتیں چبوترے پر الٹی کیلوں پر بیٹھا رہا نہ کھانا نہ پینا۔ لوگوں کے تو ٹھٹ لگ گئے کیا ہندو کیا مسلمان سب اسے دیکھنے جاتے تھے۔ پھر اچانک ساتویں صبح وہ نیچے اترا اس نے پہلی بات یہی پوچھی کہ سامنے کھڑے لوگوں میں کتنے ہندو کتنے مسلمان ہیں؟"

"خوب پھر کیا ہوا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کوئی بیس آدمی تھے سب نے اپنے بارے میں بتا دیا' وہ بولا کہ مسلمان وہاں سے بھاگ جائیں اور ہندو کھڑے رہیں' مسلمانوں نے برا مانا کچھ چلے گئے اور جو رک گئے ان پر شہد کی مکھیاں دوڑا دیں اس نے۔"

"کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"میں تو وہاں نہیں تھا مہاراج مگر لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے کہا کہ میاں وہ

کھڑے ہیں وہ زمین ہندوؤں کے باپ کی نہیں ہے وہ نہیں جائیں گے۔ ہندو تو کچھ نہ بولے تھے مگر اس نے ہاتھ اوپر کرکے مٹھی بند کی اور پھر اسے مسلمانوں کی طرف کرکے کھول دیا' شہد کی مکھیاں اس کی مٹھی سے نکلیں اور مسلمانوں کے چہروں سے چمٹ گئیں' خوب کاٹا وہ چیختے ہوئے بھاگ گئے۔ تب اس نے ہنس کر کہا اب یہ اس بستی سے بھی بھاگ جائیں گے' نورپور بھوانی کال بنے گا۔ اس کا نام پریم ناتھ ہے اور وہ ہندو دھرم کا سیوک ہے' ہندوؤں کو نور پور میں رہنے کے لئے جگہ ملے گی اور ایک ایک مسلمان کو وہاں سے نکال دیا جائے گا۔ بھوانی کنڈ میں صرف پریم ناتھ کی حکومت ہوگی اور یہ علاقہ پورے ہندوستان سے الگ ہوجائے گا۔ یہاں کے رہنے والے ہندوستان کے بادشاہ کہلائیں گے وہ اتنے دولت مند ہوں گے کہ سارے دیش میں ان کا مقابلہ نہیں کیا جاسکے گا۔ بس وہ پریم ناتھ سیوک کا ساتھ دیں گے اور مایہ کنڈ کی تعمیر میں حصہ لیں' پھر اس نے زمین پر سے پتھر اٹھا اٹھا کر ان لوگوں میں بانٹے جو وہاں موجود تھے اور انہوں نے ان پتھروں کو سونے کے ڈلوں میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھا۔ سارے کے سارے نہال ہوگئے تھے پھر بھلا اس کی پوجا کیوں نہ شروع ہوجاتی وہ مہان اوتار مان لیا گیا۔ بستی میں عجیب سی سنسنی پھیل گئی لوگوں نے بھی آکر کہانیاں سنائیں۔ جن لوگوں کو وہ سونے کے ٹکڑے ملے تھے میں نے انہیں بلاکر سونے کے ان ٹکڑوں کو دیکھا سچ مچ کا سونا تھا۔ مہاراج مگر اس کی باتیں سن کر مجھے عجیب سا احساس ہوا اور خطرہ لگ رہا تھا کہ اب کوئی بری بات ہونے والی ہے۔ خیر میری اتنی ہمت تو نہیں تھی کہ میں اس کے خلاف کچھ کہتا لیکن میں نے اس کے سامنے جانے سے گریز کیا۔ پھر مہاراج وہ اس مندر پر جاپہنچا جو ٹوٹے مندر کے نام سے مشہور تھا۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے رہا کرتے تھے اور اس کے بڑے عقیدت مند تھے ہر شخص اس کی سیوا کرنے میں لگا رہتا تھا تاکہ اسے کچھ مل جائے۔ آپ جانتے ہیں دولت کا لالچ کتنا برا ہوتا ہے اس نے اپنے پیچھے لگے ہوئے لوگوں سے کہا کہ پہلے مایہ کنڈ تعمیر ہوجائے پھر لوگ اس سے ملیں گے اس سے پہلے وہ ان کے لئے کچھ نہیں کرے گا۔ ٹوٹا مندر نواب شہریار کی زمینوں پر تھا نواب شہریار نے اپنے ہرکاروں کے ذریعے اسے وہاں سے نکلوا دیا اور کہہ دیا کہ وہ مندر بنانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ وہ نواب شہریار سے تو کچھ نہ بولا کسی نے اسے میری بابت میں بتایا اور پاپی سیدھا میرے پاس آگیا۔

مہاراج اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ نہ تو اوتار ہے نہ دیوتا ہے نہ سادھو سنت بس کالا جادو جانتا ہے اور اس کے بل پر کام کرتا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں مندر والی زمین خرید لوں اور وہاں مایہ کنڈ بنانے کی اجازت دے دوں۔ مہاراج بدنصیبی یہ ہوئی

کہ جس سمے میں اس سے باتیں کر رہا تھا میری دھرم پتنی بھی وہاں پہنچ گئی۔ سونالی بہت سیدھی سادی عورت ہے اس سے ایک دم متاثر ہوگئی اور اس کی باتیں سننے لگی۔ پھر اس نے سفارش کی کہ میں نواب شہریار سے بات کرکے زمینیں خرید لوں' میں نے کہا ٹھیک ہے میں بات کروں گا۔ مہاراج انسان ہوں پھر میں نے نواب شہریار سے بات کی تو انہوں نے اپنی عادت کے مطابق بڑی حقارت سے میری پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ میں نے تو اس سے کہا تھا کہ مندر کے نام پر زمین دے دیں اور اگر مفت نہ دیں تو اس کا مول لے لیں۔ کہنے لگے شکتی سنگھ اپنے آپ کو بیچ دو گے تو اس زمین کا مول نہیں دے پاؤ گے۔ وہی باتیں کیں انہوں نے مہاراج جو بری لگنے والی تھیں' مجھے بھی بری لگیں میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ چاہتا تو اس وقت بھی اس کی بات کا جواب دے سکتا تھا' لیکن نتیجہ فساد کے علاوہ کچھ نہ ہوتا ان کے بھی بہت آدمی ہیں۔ یہاں صرف مسلمانوں کا ہی نقصان نہیں ہو رہا ہندو بھی اتنے ہی مرے جارہے ہیں جتنے مسلمان' سو یہ جھگڑا چل رہا تھا کہ اچانک ہی لوگوں نے مجھے بتایا کہ مندر کسی پُراسرار قوت نے تعمیر کردیا ہے اور وہ پورے کا پورا بن گیا ہے۔ اس میں کوئی دروازہ نہیں رکھا گیا چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں ہیں پھر میں نے اور بھی بہت سی باتیں سنیں۔ مہاراج نواب شہریار نے اپنے آدمیوں کو کدالیں دے کر بھیجا اور کوئی سو آدمی مندر پر کدالیں چلاتے رہے لیکن مندر کی مٹی تک نہ اکھاڑ سکے یہاں تک کہ تھک گئے۔ نواب شہریار نے وہاں بارود کے دھماکے بھی کرائے مگر مندر ٹس سے مس نہ ہوا اور انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ پریم ناتھ کوئی بہت بڑا رشی منی ہے۔ یہ جھگڑا چل رہا تھا کوئی سوا سال ہوگیا حکومت اس سلسلے میں کچھ کرنا چاہتی ہے مگر نہ جانے کیا ہوجاتا ہے اور اب سے تھوڑے دن پہلے شاید پریم ناتھ ہی نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ وہ فساد کریں۔ میرے پاس بھی یہی حکم آیا اور مہاراج میں بھی مجبور ہوگیا' میرے آدمی بھی اس کے حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور ہوگئے۔"

میں نے چونک کر شکتی سنگھ کو دیکھا تو وہ گردن جھکا کر بولا۔ "اس کا بھی کارن ہے مہاراج!" مجھے ہنسی آگئی۔ میں نے کہا۔

"تو چلو وہ بھی بتا دو شکتی سنگھ!" شکتی سنگھ گردن جھکا کر سوچنے لگا پھر بولا۔ "میری دھرم پتنی سونالی مہاراج اس پاپی نے میرے گھر پر اپنا منحوس سایہ ڈال کر مجھے قابو کرلیا۔"

"کیسے؟" کہانی اور دلچسپ ہوگئی۔

"سونالی بھگوان کی سوگند ایک سیدھی سادی عورت تھی بالکل گھریلو اس نے میری آنکھوں کے اشاروں کے بغیر کچھ نہیں کیا تھا لیکن وہ آہستہ آہستہ بدلتی جارہی تھی۔ میں

آپ کو کیسے بتاؤں بس یوں سمجھ لیں کہ اس نے مجھ میں دلچسپی لینا چھوڑ دی تھی۔ میں کبھی اچانک اس کے کمرے میں چلا جاتا تو وہ چور سی بن جاتی' ایسے جیسے مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔ میں نے ایک دن اس سے یہ بات کہی تو وہ بری طرح بگڑ گئی' پہلی بار اس نے میرے سامنے گھر کی بہت سی چیزیں توڑ دیں۔ مجھے غصے سے زیادہ اچنبھا ہوا تھا مہاراج وہ ایسی نہ تھی' میں خاموشی سے اس کی نگرانی کرنے لگا۔ کبھی کبھی اس کے بند کمرے سے کسی مرد کے بولنے کی آواز بھی سنائی دیتی تھی۔ میرے دستک دینے پر وہ دروازہ نہیں کھولتی تھی' ایک موقع پر میں نے دروازہ تڑوا دیا تو وہ کمرے سے اکیلی نکلی۔ ایک ایک کونا چھان مارا مگر چڑیا کا بچہ بھی نہ نکلا۔ وہ تمسخرانہ انداز سے مجھے دیکھتی رہی' اسی طرح سے گزرتا رہا نور پور کے حالات اچھے نہیں تھے شہریار صاحب یہ سمجھتے تھے کہ یہ سب کچھ میں نے تعصب میں کیا ہے کئی بار ان کے آدمیوں نے میری تیار فصلیں اجاڑیں باغوں کو نقصان پہنچایا۔ انسان تو میں ہوں میں نے بھی جواب دیا مگر معاملہ دوسرا تھا۔ سونالی کے رنگ ڈھنگ ہی بدل گئے تھے وہ اپنی عمر سے کم کی باتیں کرنے لگی تھی ایسے ایسے بناؤ سنگھار کرتی کہ اس نے بھری جوانی میں کبھی نہ کیے تھے۔ تنگ آتا جارہا تھا میں ان حالات سے مگر کچھ کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ پھر ایک دن مہاراج ایک دن........" شکتی سنگھ خاموش ہوگیا اس کے چہرے پر خوف کے سائے چھا گئے۔ سانس تیز تیز چلنے لگا جیسے کوئی انتہائی خوفناک تصور اس کے ذہن میں جاگا ہو' کوئی بہت بھیانک خیال اس کے ذہن سے گزر رہا تھا یہ صرف میں نہیں بلکہ حمید اللہ بھی دم سادھے اس انوکھی داستان کو سن رہے تھے اور اس کے آگے بولنے کے منتظر تھے۔

شکتی سنگ کچھ دیر اسی کیفیت میں مبتلا رہا پھر خود کو سنبھال کر بولا۔ "سونالی اس شام سرِشام ہی اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھی' اس نے سب سے منع کر دیا تھا کہ کوئی اس کے پاس نہ آئے۔ مجھے پتہ چلا تو میں اندر گیا مجھ سے بھی اس نے کہا کہ اس نے کل بھوگنا برت رکھا ہے اور چاند چمکتے ہی وہ باہر نکلے گی اور سب سے پہلے چندرما درشن کرے گی۔ میرے لاکھ کہنے پر اس نے دروازہ نہیں کھولا تو میں بگڑ کر چلا آیا۔ مجھے بہت غصہ تھا ساتھ ہی میں سوچ رہا تھا کہ بات بہت بگڑ گئی ہے اب کچھ کرنا چاہئے میں اوپر کے گھر میں چلا گیا اور غصے میں جاگتا رہا' گھر کے سارے لوگ سو چکے تھے اور چاروں طرف سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ چاند آہستہ آہستہ نکل رہا تھا' اچانک میرے کانوں میں بیلوں کی گھنٹیاں بجنے کی آواز پڑی اور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر منڈیر پر آگیا۔ رات کے اس سمے کس کے بیل کھل گئے میں نے یہ سوچ کر منڈیر سے باہر جھانکا تھا مگر یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ مہاراج کہ وہ

تو ایک رتھ تھا جس میں جوڑی جتی ہوئی تھی۔ بیلوں پر ساز سجے ہوئے تھے مگر کوئی رتھ بان اس پر موجود نہیں تھا اسی سمے دروازہ کھلا اور سونالی سجی بنی باہر نکل کر رتھ میں بیٹھ گئی۔ بیل مڑ کر واپس چل پڑے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی نظر نہ آنے والا جوڑی ہانک رہا ہو۔ میری حیرت غصے میں بدل گئی' کچھ بھی تھا وہ میری استری تھی' میں آندھی اور طوفان کی طرح نیچے اترا۔ بغلی حصے سے گھوڑا کھولا اور اس پر زین کے بغیر بیٹھ کر چل پڑا۔ سونالی کے اطوار حد سے بگڑ گئے تھے اب میں اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ رتھ کافی آگے نکل گیا تھا اور اب بھی چلا جا رہا تھا' مگر میں فاصلے سے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ جاتی کہاں ہے؟ اور مہاراج میں نے رتھ کو شہریار صاحب کی بغیا میں جاتے ہوئے دیکھا مگر جب وہ پریم ناتھ کے مایہ کنڈل کے سامنے رکا تو میرے ہوش بگڑنے لگے میں نے ایک دم گھوڑا روکا کچھ سوچا اور پھر گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ گھوڑے کو میں نے وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور دبے پاؤں آگے بڑھ گیا سونالی نیچے اتر آئی ہے پھر وہ چھن چھن کرتی آگے بڑھی میں بھی اس کا پیچھا کرنے لگا میں نے سوچا سسری اندر کیسے جائے گی مندر کا تو کوئی دروازہ ہی نہیں ہے مگر مہاراج! چاند کی پوری روشنی میں' میں نے دیکھا کہ وہ دیوار کے پاس پہنچی اور پوری کی پوری دیوار میں سما گئی جیسے کوئی کھلے دروازے سے اندر داخل ہوا ہو پہلے تو ڈر لگا کسی اور کا معاملہ ہوتا تو وہاں سے بھاگ نکلتا مگر بات دھرم پتنی کی تھی ہو سکتا تھا کہ اس جگہ چور دروازہ ہو۔ آخر پریم ناتھ بھی تو کہیں نہ کہیں سے باہر آتا ہوگا سو اس جگہ پر آنکھیں جمائے دیوار کے پاس پہنچ گیا رتھ مڑ کر ایک طرف چلا گیا تھا میں نے دیوار کو خوب ٹٹولا مگر مہاراج کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی جہاں سے کوئی اندر گھس سکے۔ غصے سے کانپتا ہو میں پلٹا تو ایک دم میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی بھگوان کی سوگند کھا کر کہہ رہا ہوں مہاراج جس راستے سے چل کر آیا تھا اس جگہ کھڑا تھا اور پھر بہت سی بار یہاں آتا تھا مگر وہ کھائی کبھی وہاں نہیں تھی جو اب دیکھی تھی مجھے سنبھلنے کی مہلت بھی نہ ملی اور میں کھائی میں گرنے لگا۔ چیخا بھی تھا خوب زور سے ایسا لگا تھا جیسے پاتال میں گر رہا ہوں' یہی خیال آتا تھا کہ اب پران گئے مگر بچ گیا۔ چھپاک کی آواز ہوئی اور بدبو کے مارے میری ناک سڑ گئی' کسی گندی کیچڑ کے جوہڑ میں گرا تھا اسی وجہ سے ہاتھ پاؤں ٹوٹنے سے بچ گئے تھے کچھ دیر تو ہوش ہی نہ آیا مگر جیون سب کو پیارا ہوتا ہے جوہڑ بھی زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ ہاتھ پاؤں مار کر باہر نکل آیا چاند اب بھی چمک رہا تھا اور وہ جگہ سمجھ میں نہیں آرہی تھی عقل ہی ساتھ نہ دے پا رہی تھی۔ نواب شہریار کا باغ بھوانی مندر اور یہ کھائی' ساری باتیں عجیب تھیں گندا جوہڑ پیچھے تھا۔ پھر سامنے کچھ نظر آیا کچھ

لوگ تھے انہوں نے ایک تخت بچھایا اس پر قالین بچھایا گیا دوسرے نیچے قالین بچھا رہے تھے۔ بہت سے لوگ آ آ کر اس قالین پر بیٹھ رہے تھے' بیچ میں جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ پھر کنارے کنارے سازندے، آ کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد چار خوبصورت عورتیں زیوروں میں لدی ہوئی آئیں اور نیچے بیٹھ کر پیروں میں گھنگھرو باندھنے لگیں۔ پھر اچانک سارے کے سارے اٹھ کھڑے ہوئے اور مہاراج میں نے دیکھا کہ وہ پاپی کالا جادوگر اوپری بدن سے ننگا نچلے جسم پر کاریا کندی کی دھوتی مندوھے' سر پر سونے کا تاج پہنے' گلے میں ہیروں کی مالائیں ڈالے اس سسری کا ہاتھ پکڑے سینہ تانے چلا آ رہا ہے اور وہ نرکھن ایسی شرمائی' لجائی اس کے ساتھ چل رہی ہے جیسے ابھی ابھی اگن منڈپ کے پھیرے پورے کر کے سیدھی آ رہی ہے دونوں آ کر تخت پر بیٹھ گئے اور نچن ہاریاں کھڑی ہو گئیں۔ سازندوں نے ساز سنبھال لئے جو کچھ تھا اپنی جگہ تھا لیکن اپنی استری کو اس حال میں دیکھ کر ڈر خوف من سے نکل گیا۔ غصے سے بدن کانپنے لگا اور میں دھاڑتا ہوا اسے گالیاں بکتا ہوا آگے بڑھا سازندوں کے ہاتھ رک گئے۔ نچن ہاریوں کے پاؤں۔ سب کے سب مجھے دیکھنے لگے.......... پریم ناتھ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"سونالی.......... کیوں آئی ہے یہاں کیا کر رہی ہے تو؟" میں غصے سے دھاڑتا ہوا بولا۔ "یہ میری دھرم پتنی ہے پریم ناتھ یہ میری استری ہے۔"

"آگے ایسا کہو گے تو مارے جاؤ گے یہ تمہاری دھرم پتنی نہیں ہے بھوانی ہے امر بھوانی جے بھوانی۔" اس نے کہا اور پھر وہاں پر موجود لوگوں سے بولا۔ "کنٹھ سبھا میں یہ کالا چور کہاں سے گھس آیا تم سارے کے سارے سسر اندھے ہو گئے سبھا خراب کر دی اس نے مار بھگاؤ اسے۔" اور مہاراج وہ سب پل پڑے اور خوب مارا مجھے گھسیٹتے ہوئے بہت دور تک لائے اور پھر ایک جگہ ڈال دیا اس کے بعد سب چلے گئے یہ وہی جگہ تھی مہاراج جہاں میرا گھوڑا کھڑا ہوا تھا سامنے ہی مایہ کنڈ نظر آ رہا تھا ویسے کا ویسا دروازے کے بغیر میں کراہتا ہوا اٹھا گھوڑے کے پاس پہنچا تو وہ مجھے دیکھ کر ڈر گیا ہنہناتا ہوا سرپٹ ہو لیا یہ نئی چنتا پڑی تھی غصہ تھا تکلیف تھی گرتا پڑتا گھر کو چل پڑا نہ جانے کتنے گھنٹوں میں گھر پہنچا تھا بھگوان کا شکر تھا کہ کوئی جاگتا ہوا نہ ملا۔ گھر آ کر اشنان کیا گندے بدبو بھرے کپڑوں کی گٹھری بنا کر دیوار سے دوسری طرف اچھال دی اور پھر اپنی چوٹوں کو سہلاتا ہوا کمرے کی طرف چل پڑا۔ سونالی کے بارے میں اب فیصلہ کرنا تھا کوئی ٹھوس فیصلہ کرنا تھا مگر مہاراج.......... دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا.......... تو.......... اسے سوتے پایا۔ بھیجہ ہل کر رہ گیا وہ گھر کے عام کپڑے پہنے کروٹ لئے گہری نیند سو رہی تھی لگتا ہی نہ تھا کہ گھر

سے نکلی ہو چہرہ بھی بناؤ سنگھار سے صاف تھا کہیں سے بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ گھر سے باہر نکلی ہے مجھ پر بے ہوشی طاری ہونے لگی پاگلوں کی طرح کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ یہ کیا تھا۔ کس جال میں پھنس گیا تھا میں اسے یہاں سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا میں نے اور پھر وہ کالی سبھا میں بھی نظر آئی تھی مجھے اتنا بڑا دھوکہ تو نہیں ہو سکتا تھا پھر خیال آیا کہ یہ سب پریم ناتھ کی چال ہے اس کا کالا جادو ہے اور میری دھرم پتنی نردوش ہے وہ بے چاری کالے جال میں پھنس گئی ہے مگر اب کیا کروں.......... اسے کیسے بچاؤں۔ صبح کو وہ بالکل ٹھیک تھی.......... مگر میرا بدن درد کر رہا تھا میرا چہرہ دیکھ کر بولی جی خراب ہے کچھ..........؟ ہاں کیا بات ہے..........؟ کل تم نے بھوگنا برت رکھا تھا۔ ہاں۔ چندر ماہ دیکھ کر برت توڑا تھا۔ اس..........؟ وہ سوچ میں ڈوب گئی اس کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے پھر وہ مجھے الجھے ہوئے انداز میں بولی کہاں برت توڑا تھا میں نے.......... چاند نکلنے کے انتظار میں تھی پھر سو گئی ہائے رام میرا برت تو بیکار گیا اس کا لہجہ افسوس بھرا تھا۔ رات کو نہیں جاگیں.......... کہاں جاگی اور.......... اور.......... ارے تم نے دروازہ کیسے کھولا؟ اندر سے تم نے نہیں کھولا تھا..........؟ بالکل نہیں میں تو سو گئی تھی میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر میں نے اچانک کہا یہ برت کیوں رکھا تم نے۔ اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا تو میں نے پھر اس سے یہی سوال کیا وہ کچھ دیر کے بعد بولی تمہیں نہیں بتا سکتی۔ بتاؤ۔ نہیں.......... یہ مشکل ہے۔ کیا پریم ناتھ کے کہنے سے.......... میں نے غصے سے پوچھا اور وہ چونک کر کھڑی ہو گئی۔ گرو دیو کا نام کیسے لے رہے ہو تم..........؟ گرو دیو.......... وہ تمہارے گرو دیو کیسے ہو گئے..........؟

اس گھر میں ان کا نام عزت سے لینا شکتی سنگھ یہ میں تم سے کہے دیتی ہوں۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔ کیا تم اس سے ملتی رہی ہو۔ میں جو کچھ کرتی رہی ہوں میں جانتی ہوں مگر جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا الٹا نہ ہو۔ کیا بکواس کرتی ہو.......... وہ تمہارے لئے مجھ سے بڑا ہو گیا وہ گندے دھرم والا اور پھر تم نے اسے گرو بنانے کی آگیا کس سے لی..........؟ دیکھ شکتی! میں تمہاری پتنی ہوں باندی نہیں تم صرف پتی بنو پرمیشور نہ بنو آخری بار کہہ رہی ہوں گرو جی کا نام عزت سے لو۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ لگتا ہے دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا وہ چاہتی ہو جو میں نے کبھی نہیں کہا میں نے کہا اور وہ مجھے گھورنے لگی اس کی سرخ آنکھیں بے حد بھیانک لگ رہی تھیں پھر وہ مسکرائی اور پھر بولی۔ گزری رات بھول گئے شکتی سنگھ برے سمے کو اتنی جلد نہیں بھولنا چاہئے اور مہاراج میرے بدن میں چنگاریاں بھر گئیں وہ روشنی میں آ گئی رات کو وہ گھر سے گئی تھی اور پھر

واپس آ گئی تھی وہ معصوم نہیں ہے وہ بہت گہری ہے وہ سب کچھ جانتی ہے لیکن گزری رات بے حد بھیانک تھی میں ابھی تک بدن کی دکھن محسوس کر رہا تھا اسے اور کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی میں اس کے کمرے سے نکل آیا مگر مہاراج میں بہت پریشان تھا میرا تو گھر ہی لٹ گیا تھا بھگوان نے جو کچھ بھی دیا تھا مزے سے گزر رہی تھی پتنی سے پریم بھی تھا یہ کیا ہو رہا تھا.........؟ پھر ہر رات یہی ہونے لگا۔ رتھ آتا......... وہ جاتی......... پھر نہ جانے کب واپس آتی دوبارہ اس کا پیچھا کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی حالات خراب سے خراب تر ہوتے گئے مہاراج سونالی سے میرے سارے رشتے ختم ہو گئے تھے اس کے کہنے سے میں نے اپنا کمرہ بھی الگ کر لیا تھا۔ میں بھسم ہوا جا رہا تھا مگر بے بس تھا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا اس کا سونالی ہاتھ سے نکل گئی تھی ادھر پریم ناتھ کے ہاتھ اور پھیلنے لگے اب وہ نور پور میں مندر سے باہر بھی نظر آنے لگا تھا وہ کیسے باہر آتا تھا کسی کو نہیں معلوم تھا۔ اشوک بزاز ہے نور پور میں اس کا کپڑے کا سب سے بڑا کاروبار ہے سو کھڈیاں چلتی ہیں اس کی اور اس کی بنائی ہوئی کھدر سارے ہندوستان میں مانی جاتی ہے اس کا بیٹا سنیل بیمار ہو گیا اور پھر ایک دن وہ چل بسا اشوک تو پاگل ہو گیا سنیل اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ جوان تھا اشوک آتم ہتیا کرنے پر تل گیا تب کہیں سے پریم نمودار ہو گیا سنیل کی ارتھی تیار کی جا رہی تھی وہ ارتھی کے پاس آ کھڑا ہوا اور اس نے کہا تجھے بیٹے کا جیون چاہئے اشوک بول اس کا جیون چاہئے تجھے۔ اشوک نے پریم ناتھ کے پاؤں پکڑ لئے۔ مل جائے گا تجھے تیرا بیٹا جیتا مل جائے گا مگر ہمارا چیلا بنانا پڑے گا اسے پھر وہ تیرا نہیں ہمارا ہو گا بول منظور ہے تجھے۔ منظور ہے مہاراج مجھ منظور ہے مجھے میرے بیٹے کا جیون دے دو اور کچھ نہیں چاہئے مجھے بس میں اس کا جیون چاہتا ہوں۔ بھاگ جاؤ پھر سارے کے سارے بھاگ جاؤ یہاں سے جاؤ سب یہاں سے باہر بھاگ جاؤ۔ سب باہر نکل گئے اور تھوڑی دیر کے بعد پریم ناتھ بھی باہر نکل آیا۔ سنیل اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا بہت سے لوگ ڈر کر یہاں سے بھاگنے لگے باقی پریم ناتھ کے چرنوں میں گر پڑے۔ بہت بڑا چمتکار تھا اس سے بڑا چمتکار اور کیا ہوتا سنیل زندہ کھڑا ہو گیا۔ پریم ناتھ کے بارے میں ملے جلے تاثرات تھے دوسرا واقعہ ٹھاکر وکرم سنگھ کا تھا ان کے بیٹے کی پتنی شلپا بڑی سندر تھی مگر اسے سوتے میں چلنے کی بیماری تھی ایک رات وہ سوتے ہوئے چل پڑی اور نور پور کے سب سے گہرے کنویں میں گر پڑی صبح کو پنساریوں نے اس کی لاش کا پتہ دیا کہرام مچ گیا۔ شلپا مر چکی تھی پوری بستی کے بازار بند ہو گئے کیا ہندو کیا مسلمان سب دکھ میں ڈوبے ہوئے تھے پریم ناتھ آیا ہنستا ہوا اس کمرے میں گھس گیا جہاں اس کی ارتھی رکھی ہوئی تھی پھر شلپا کے ساتھ باہر نکل آیا مگر

دونوں جینے والے پریم ناتھ کے چیلے بن گئے تھے ان کے ماتا پتا اور سرپرست خوش تو تھے کہ انہیں جیون مل گیا مگر ایک طرح سے وہ اپنے گھروں سے دور ہو گئے تھے۔ سنیل اشوک کے کسی کام کا نہیں رہا تھا گھر سے باہر نکل جاتا نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا وہ تو خیر مرد تھا لیکن شلپا جو کچھ کر رہی تھی وہ سب کے لئے پریشان کن تھا ٹھاکر وکرم سنگھ کی عزت دو کوڑی کی ہو گئی تھی ان کا بیٹا نور پور چھوڑ کر چلا گیا تھا وہ یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ اس کی سندر پتنی راتوں کو گھر سے غائب رہے اور سارے نور پور میں تلاش کرنے کے بعد ملے۔ خوب ہار سنگھار کر کے نکلے اور گھر واپس آئے تو ایسی جھومتی ہوئی جیسے نشہ کر لیا ہو۔ یہ دونوں ہمیشہ پریم ناتھ کے ہاں ہی ٹھہرتے تھے پھر یوں ہوا کہ سوامی رتن کمار جو سال کے سال نور پور آتے تھے اس سال بھی نور پور پہنچے وکرم سنگھ کے ہاں ہی ٹھہرتے تھے گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوئے تو الٹے پاؤں واپس پلٹ گئے حیرت سے وکرم سنگھ نے دیکھا اور بولے۔ وکرم سنگھ یہ گھر میں تُو نے کیا بسا لیا۔ کیوں مہاراج خیریت تو ہے۔ یہ گندگی تیرے گھر میں کہاں سے آ گئی وکرم سنگھ......... کون سی گندگی مہاراج؟ رتن کمار نے کوئی جواب نہیں دیا دوبارہ گھر میں واپس آئے سارے کونے کھدروں کو چھانتے پھرے اور اس کے بعد ایک ایک سے ملے یہاں تک کہ شلپا سامنے آئی تو رتن کمار کو دیکھ کر اس کی حالت خراب ہو گئی الٹے پاؤں گھر سے بھاگ گئی رتن کمار وکرم سنگھ سے بولے یہ تو تیرے بیٹے کی پتنی شلپا ہی ہے ناں......... ہاں مہاراج......... وکرم سنگھ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ اس بیچاری کے ساتھ بری ہو گئی تھی مہاراج آپ کو تو یہ پتہ ہے کہ رات کو سوتے میں یہ چلنے کی عادی تھی وکرم سنگھ نے پورا واقعہ رتن کمار کو سنایا تو رتن کمار بھی سوچ میں ڈوب گئے پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔ وکرم سنگھ یہ شلپا نہیں ہے۔ نہیں مہاراج یہ بہو ہی ہے۔ نہیں نہیں مہاراج یہ میری بہو ہے۔ نہیں وکرم سنگھ تیری بہو تو کنویں میں گر کر مر چکی تھی اب تو اس کے شریر میں ایک گندی آتما رہتی ہے۔

تم اسے بیر کہہ سکتے ہو پریم ناتھ کا بیر ہے جو شلپا کے شریر میں داخل ہو گیا ہے اور اس کے بل پر شریر قائم ہے۔ وکرم سنگھ تو دنگ رہ گیا تھا شلپا کی بہت سی حرکتیں اس کے علم میں تھیں جن سے رتن کمار کے بھاون کی تصدیق ہوتی تھی۔ پھر جب اس نے سنیل کے بارے میں بتایا تو رتن کمار اشوک کے گھر بھی گئے اور گھر کے دروازے کے قریب پہنچتے ہی بولے' وہی بات ہے وہی بات ہے تم لوگ اپنے آپ کو بھی دھوکا دے رہے ہو اور بستی نور پور کو بھی۔ ایک گندی آتما آ گئی ہے یہاں جو کالے جادو کی ماہر ہے اس نے اپنے بیر انسانوں کے شریر میں اتار دیئے ہیں پتہ نہیں سسرا کیا چاہتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے

مہاراج تو پھر تو کوئی بڑی بات بھی ہو سکتی ہے۔ آپ کچھ اُپائے کریں۔ سوامی رتن کمار سوچتے رہے پھر انھوں نے بستی کے ایک ویران سے علاقے میں دھونی رمائی اور تین دن تک وہیں بیٹھے رہے سب لوگ ان کی خبر گیری کر رہے تھے نور پور میں ان کی بڑی عزت تھی ہر سال آتے تھے اور لوگوں کو اچھی اچھی باتیں بتاتے تھے سب ہی ان کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ تیسرے دن جب ان کی دھونی ختم ہوئی تو وہ چپ چاپ اٹھے اور بستی نور پور سے نکل گئے پھر کسی نے انہیں نور پور میں نہیں دیکھا تھا مگر جو بات وہ چھوڑ گئے تھے وہ لوگوں میں گردش کر رہی تھی کچھ نے ان کی بات کو سچ مانا کچھ نے جھوٹ۔ بات آئی گئی ہو گئی پھر ایک روز سنیل نے نور پور کے چوک پر کھڑے ہو کر ایک ایسی اشتعال انگیز تقریر کی جو پہلے کسی کے دماغ میں نہیں آئی تھی اس نے کہا۔

"نور پور کے ہندوؤ! تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ تمہارے درمیان کتنا مہان پرش آگیا ہے تمہاری تقدیریں بدلنے والی ہیں وہ تمہارے لئے دولت کے انبار لگا دے گا۔ نور پور درحقیقت اکھنڈ ہندوستان بنے گا اور سارا ہندوستان اس کے پیچھے ہو گا تم لوگوں نے پریم ناتھ کو سمجھا نہیں ہے بھوانی کھنڈ کو پھیلاؤ نواب شہریار سے اس کا باغ چھین لو اس پورے باغ کے گرد چار دیواری بنوا دو اور اس کا ایک راستہ بنوا دو۔ تاکہ تم مایہ کنڈ کی سیوا کر سکو اس کے درشن کر سکو وہ بہت بڑا استھان ہے اور پریم ناتھ جی تمہارے نور پور کو تمہارے لئے سورگ بنا دینا چاہتے ہیں۔" یہی تقریر شلپا نے بھی کی لوگوں نے سنا مسلمانوں کے خلاف ان دونوں نے باقاعدہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور بات نواب شہریار تک پہنچ گئی نواب شہریار نے فوری طور پر ردعمل کا اظہار کیا مسلمانوں کا ایک بہت بڑا جلسہ ہوا جس میں نواب شہریار نے تقریر کرتے ہوئے کہا نور پور کے ہندو سرکشی کر رہے ہیں مسلمان اپنے ہتھیار سنبھال لیں وہ سرکار سے رجوع کر رہے ہیں لیکن اگر سرکار سے رجوع کرنے کے باوجود نور پور میں کوئی ڈھنگ کی بات نہ ہوئی تو مسلمان ہتھیار اٹھا لیں گے۔ میں نے کہا نور پور کے ہندو ایسی سوچ نہیں رکھتے تو نواب نے کہا کہ اگر میں نور پور سے ہمدردی رکھتا ہوں تو جا کر حکومت سے بات کروں اور کہوں کہ ان سرکشوں کی سرکشی دبانے کے لئے فوری اقدامات کئے جائیں ابھی تک مسلمانوں نے ایسی کوئی تقریر نہیں کی ہے لیکن جوابی کارروائی کی جا سکتی ہے۔ میں نے سب کے سامنے وعدہ کیا کہ میں پہلے ان لوگوں کو سمجھاؤں گا جو ایسی باتیں کرتے پھر رہے ہیں اور اگر یہ سمجھنے سے باز نہ آئے تو پھر سرکار کو درخواست دوں گا میں نے جو وعدہ کیا تھا وہ سچے من سے کیا تھا لیکن اس رات جب میں اپنے الگ کمرے میں سو رہا تھا میرے کمرے کے دروازے پر آہٹیں ہوئیں اور

پھر میں نے اپنی دھرم پتنی اور پریم ناتھ کو اندر آتے ہوئے دیکھا پریم ناتھ لال لال آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا پھر اس نے کہا تو تم ہندو استھان بنانے سے روک رہے ہو نور پور کو' تم ہمارا ساتھ نہیں دو گے؟ میں نے ہمت کی اور پریم ناتھ سے کہا۔

"مہاراج ہاتھ جوڑتا ہوں آپ کے سامنے' کچھ بھی نہیں ہوں میں آپ کی شکتی کے سامنے' لیکن مجھے ایک بات بتا دیجئے ہندو مسلمان کا ٹکراؤ ہو گا تو نتیجہ کیا نکلے گا لاتعداد ہندو مارے جائیں گے اور نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلے گا؟"

"بک بک مت کر تجھ سے زیادہ تو تیری پتنی سمجھدار ہے وہ نور پور کو بھوانی اکھنڈ بنانے پر آمادہ ہے ارے باؤلے تُو ہمیں کیا سمجھتا ہے ابھی تُو نے دیکھا ہی کیا ہے پریم ناتھ ہے میرا نام کون سا بھید نہیں جانتے ہم یہ محل تیرے پُرکھوں کا ہے نا یہ حویلی تیرے باپ دادا نے بنائی ہے ناں بول کیا وہ تجھے بتا گئے ہیں کہ اس حویلی کے نیچے ایک تہہ خانہ چھپا ہوا ہے اس تہہ خانے میں ایک عظیم الشان خزانہ ہے اتنا بڑا خزانہ کہ تُو سارے جنم بھی دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹتا رہے تو بھی اتنا نہ کما پائے۔ ارے یہ ہم جانتے ہیں اور یہی نہیں نور پور میں ہی نہیں آس پاس کی زمینوں میں جتنے خزانے دفن ہیں ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں ہم سے کوئی کیا ٹکرائے گا.......... آ ہم تجھے دکھائیں وہ خزانہ جو تجھے معلوم نہیں ہے اس کے بعد تجھ سے دوسری باتیں کریں گے۔" اور مہاراج اس کے بعد وہ میرا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آیا میں نے اب بھی اس سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا دیکھو پریم ناتھ اس دن سے میں تمہارے آڑے نہیں آیا۔ تم نے میری دھرم پتنی پر قبضہ جمالیا تم نے میرا سنسار مجھ سے چھین لیا میں کچھ نہیں بولا۔ مگر مہاراج یہ سب کچھ اچھا نہیں ہے بہت سے بچے یتیم ہو جائیں گے بہت سی عورتیں ودھوا ہو جائیں گی ایسا نہ کرو۔

مجھے یقین نہ تھا کہ وہ واقعی مجھے کسی ایسے خزانے تک لے جائے گا بلکہ میں یہی سوچ رہا تھا کہ اب میں کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہوں لیکن حویلی ہی کے ایک ایسے حصے میں جو پرانا بنا ہوا تھا اور اب کھنڈر کی شکل میں پڑا ہوا تھا وہ ایک چھوٹے سے دروازے سے اندر لے گیا اندر گھس کر میری دھرم پتنی سونالی نے ایک مشعل روشن کر لی اور اس کے بعد پریم ناتھ نے ایک دیوار میں کچھ ٹٹول کر ایک دروازہ دریافت کیا جسے میں نے واقعی پہلے نہیں دیکھا تھا ہم اس دروازے سے اندر داخل ہو گئے لمبی سی سرنگ تھی ناگوں کی سی پھنکار سنائی دے رہی تھی اور میرا شریر خوف سے کانپ رہا تھا میں اپنے جیون کے انت کا یقین کر چکا تھا لیکن لمبی سرنگ کا خاتمہ ایک بڑے سے چوکور کمرے میں ہوا جو لال اینٹوں سے ہی بنا ہوا تھا اور سینکڑوں سال پرانا معلوم ہوتا تھا اس کمرے میں

لکڑی کے بڑے بڑے صندوق رکھے ہوئے تھے جن کی لکڑی کے رنگ سے ان کے پرانے ہونے کا اندازہ ہوتا تھا۔ مشعل کی روشنی میں کمرے کا ماحول بڑا بھیانک نظر آرہا تھا پریم ناتھ نے ایک صندوق کھول دیا اور پورا کمرہ بھک سے روشن ہوگیا سفید' نیلی' ہری' پیلی' لال روشنیوں کی کرنیں پورے کمرے کو منور کرنے لگیں یہ ہیرے جڑے زیورات تھے جن کی بناوٹ اتنی پرانی تھی کہ اب اس بناوٹ کا کوئی نام و نشان نہیں تھا سونے کے یہ زیورات گول گول گنیاں اور نہ جانے کیا کیا یہ سب کچھ دیکھ کر مجھ پر بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ مہاراج دولت اس سنسار کی سب سے بڑی چیز ہے اور میرے پاس سچ مچ اتنی دولت موجود تھی کہ میں خواب میں بھی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا میں نے سپنوں میں بھی نہیں سوچا تھا اس کے بارے میں پریم ناتھ نے کہا۔

"یہ تیری ہے اور یہی کیا بلکہ یوں سمجھ لو کہ دھرتی کے اندر اتنا کچھ چھپا ہوا ہے کہ تُو دیکھے تو حیران رہ جائے ہم تجھے بھی یہ سب کچھ دکھادیں گے تیری دھرم پتنی تو ہمارے ساتھ دھرتی کی گہرائیوں میں سفر کرتی ہے ہم نے اسے مہان بنا دیا ہے وہ اکیلی ہی چاہے تو بہت کچھ کرسکتی ہے مگر اب وہ سے آگیا ہے جب تجھے ہمارا یہ کام کرنا ہے۔ ہم تجھے مجبور نہ کرتے لیکن جو وعدہ تُو کرکے آیا ہے وہ تیرے پریوار کے لئے بہت خراب ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ سونالی کے من کو دکھ پہنچے۔ سو سن تو کچھ نہیں بولے گا اس سلسلے میں نہ کسی کو سمجھائے گا نہ کہیں باہر جائے گا بلکہ اب تُو ہمارے لئے کام کرے گا۔ نورپور کا بہت بڑا آدمی بننے کے لئے اب تجھے ہمارے کام کرنے ہوں گے اور جو کام ہم تجھ سے لینا چاہتے ہیں وہ تجھے بتائے دیتے ہیں کیا سمجھے' اب ہندو مسلمان میں بات آگے بڑھ جانی چاہئے سمجھے اور تُو چنتا مت کر ہم ان سارے سسروں سے نمٹ لیں گے ٹھیک کردیں گے ایک ایک کو جو مارے جائیں گے وہ تو مارے جائیں گے باقی نورپور چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اور پھر نورپور بنے گا اکھنڈ ہندوجاتی اکھنڈ بھوانی استھان کیا سمجھا۔" وہ قہقہے لگانے لگا لیکن مجھ پر خزانے کا سحر طاری تھا اس بھنڈار میں اتنا کچھ تھا کہ میری عقل ٹھکانے نہیں رہی تھی وہ ہاتھ پکڑے مجھے وہاں سے باہر نکال لایا اور اس کے بعد میری دھرم پتنی سے بولا ہم جارہے ہیں سونالی ہمارے بعد تُو اس باؤلے کو سمجھانا یہ کام اب تیرے سپرد ہے۔

بہت مہان بننے کی کوشش نہیں کر رہا مہاراج انسان تھا انسان ہوں اور انسان رہوں گا وہ خزانہ دیکھ کر مجھ پر ایسی بدحواسی طاری ہوگئی کہ میرے سوچنے سمجھنے کی قوت ہی ختم ہوگئی تھی سونالی مجھے اپنے کمرے میں لے آئی بڑے پریم سے مجھ بٹھایا بہت عرصے کے بعد اس نے میرے اتنے قریب آکر مجھ سے بات چیت کی کہ میرا دل ڈانواں ڈول

ہونے لگا بولی' سچ یہ ہے کہ مہاراج پریم ناتھ اتنے بڑے آدمی ہیں کہ ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے ان کے پاس مہان شکتی ہے اور وہ جو چاہے کرسکتے ہیں۔ یہ تو میری اور تمہاری خوش قسمتی ہے کہ انہوں نے پہلے مجھے اور اب تمہیں اپنا سیوک چن لیا یقین کرو ہم سنسار کے امیر ترین لوگ بن جائیں گے نورپور میں رہنے والا ہر ہندو اتنی دولت حاصل کرے گا کہ شہر کے شہر خرید سکے انہوں نے کھنڈروں میں اور زمینوں میں چھپے ہوئے ایسے ایسے خزانے دکھائے ہیں مجھے کہ تم دیکھو تو تمہاری آنکھوں کی روشنی چلی جائے۔ وہ یہ سارے خزانے اکٹھے کرکے اکھنڈ بھوانی کنڈ میں لانا چاہتے ہیں نورپور کے بھاگ جاگ رہے ہیں تو پھر تم ہندو جاتی ہو کر ہندوؤں کے لئے کام کیوں نہیں کرتے؟ میں نے بے بسی سے کہا۔

مگر انسانوں کا جیون بھی تو کوئی حیثیت رکھتا ہے جب لڑائی ہوگی تو کیا ہندو نہ مارے جائیں گے مسلمانوں کے ہاتھوں۔ دیکھو جو کچھ ہونا ہوگا وہ تو ہو کر رہے گا مگر تم کیوں اپنے جیون کو روگ لگائے ہوئے ہو تم وہی کرو جو پریم ناتھ بھگوان کہتے ہیں۔ مجھے کرنا کیا ہوگا۔ سب سے پہلے تمہیں ایک کام کرنا ہوگا وہ جو مسلمان نواب ہیں نا ارے میں اس نواب شہریار کی بات کر رہی ہوں تم اس سے گٹھ جوڑ کرو میل ملاپ بڑھاؤ اس کے بازو پر ایک تعویذ اسے سنسار کی ہر آفت سے محفوظ رکھتا ہے اگر وہ اس کے ہاتھ پر نہ ہوتا تو اب تک تو اس کا کریا کرم ہوچکا ہوتا تم اس سے اس بارے میں بات چیت کرو کہ تم سنیل اور شلپا کے بیانوں کے خلاف کام کر رہے ہو اور ہندوؤں کو اپنا ہم آواز بنا رہے ہو اس سلسلے میں تمہیں نواب شہریار کی مدد درکار ہوگی اس سے کہو کہ پرانی رنجش بھلا کر پھر سے نئی دوستی کی جائے جیسے بھی بن پڑے اسے جھیل پر نہانے لے جاؤ اور جب وہ جھیل میں اترے تو اس کے بازو سے تعویذ کھول لو یا پھر اسے اس کے گھر میں یا پھر کہیں اور بلا کر نشے کی کوئی ایسی چیز دے دو کہ وہ بے ہوش ہوجائے اور پھر اس کا تعویذ اتار لو یہ کام تمہیں جیسے تمہارا من کہے کرنا ہے بس اتنا ہی کام ہے باقی کام ہم کرلیں گے۔ میں حیرت سے سونالی کو دیکھنے لگا مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ وہ پریم ناتھ کے کاموں سے کتنی واقف ہو چکی ہے ایک طرح سے مجھ سے تو وہ ہٹ ہی چکی تھی سارا کام تھا مہاراج مجھے خزانوں کا لالچ دیا گیا تھا مگر انسانوں کا جیون کھونے کو میرا من نہیں مانتا تھا اور پھر یہ بات بھی بڑی عجیب لگی تھی مجھے کہ وہ شہریار کے کسی تعویذ سے خوف زدہ تھا اور اس کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا تھا اس طرح کچھ امید بندھی تھی مہاراج کہ کوئی ایسی چیز ہے جو اسے اس کے کالے کرتوتوں سے روک سکتی ہے۔ دل میں میں نے سوچ لیا کہ یہ کام میں کبھی نہیں کروں گا مگر چالاکی سے کام لینا چاہتا تھا چنانچہ میں نے سونالی سے کہا۔

یہ ساری باتیں تو اپنی جگہ سونالی.......... مگر تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ کیوں مجھے کیا ہوگیا.......... تم تو مجھ سے بالکل ہٹ گئی ہو۔ جو پریم ناتھ کے سیوک ہوتے ہیں وہ کسی اور کے کچھ نہیں ہوتے اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔ مگر تم میری دھرم پتنی ہو۔ میرا دھرم اب صرف سیوک دھرم ہے۔ میرا اب تم سے کوئی ناتا نہیں رہا۔ سنسار کی نگاہوں میں جو ہے تم چاہو بنا رہنے دو یا تمہاری مرضی ہے ویسے میری مدد کے لئے آج ناتھ کے سیوک بن جاؤ سب کچھ مل جائے گا تمہیں' مجھے اندازہ ہوگیا کہ سونالی اب وہ سونالی نہیں رہی جو تھی وہ بہت آگے نکل چکی تھی اب تو اس سے بھی ڈرنا پڑے گا۔ کیا سوچنے لگے شکتی سنگھ' اس نے مجھے خاموش پاکر کہا۔ سوچ رہا ہوں کہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو میں تو سرکار سے اس بارے میں بات کرنے جا رہا تھا۔ کیوں اپنے جیون پر کشٹ مول لیتے ہو کچھ حاصل نہیں ہوگا اس سے تمہیں جو کہا جا رہا ہے وہی کرو اس سے جیون سوارت ہو سکتا ہے نہیں تو نقصان اٹھاؤ گے۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے دھمکیاں کیوں دے رہی ہو مگر آخر ایسی کیا بات ہے اس تعویذ کے اندر جس کی وجہ سے پریم ناتھ جیسا مہان نواب شہریار سے ڈرا ہوا ہے۔ دیکھو جو کام کہا جائے بس اس کے بارے میں سوچو کیا ہے کیوں ہے کیسے ہے یہ ساری بے کار باتیں ہیں اور ان سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میں نے دل ہی دل میں اسے بہت سی گالیاں دی تھیں دھرم پتنی میری تھی اور بات ایسے کر رہی تھی پریم ناتھ کے بارے میں جیسے اس سے جنم جنم کا رشتہ ہو۔ بہرطور میں نے وعدہ کرلیا مگر دل میں' میں نے سوچا کہ بھول کر بھی کبھی ایسا کوئی کام نہیں کروں گا صاف صاف کہہ دوں گا کہ اس کوشش میں' میں کامیاب نہیں ہوسکا اور اس کے بعد میں خود ہی نواب شہریار کی حویلی پہنچ گیا سلام دعا کی ان سے مگر نواب شہریار اپنے ہی رنگ میں مست کہنے لگے کہو لالہ جی کیا خبر لے کر آئے ہو آج کل تو تمہارے آدمی خوب بھاگ دوڑ کر رہے ہیں مسلمانوں کے خلاف سنا ہے وہ فساد کرانا چاہتے ہیں۔

نہیں نواب صاحب اگر آپ کے دل میں یہ خیال ہے تو اسے دل سے نکال دیجئے لیکن کچھ ایسی باتیں ہوچکی ہیں جن سے صورت حال بگڑنے لگی ہے۔ چلی نا بنئے والی چال اپنی جان بھی بچا رہے ہو اور حرکتیں وہی کی جارہی ہیں ٹھیک ہے شکتی سنگھ جو کچھ ہو رہا ہے ہم بھی اس کا جواب اس انداز میں دیں گے یہ مت سوچنا کہ یہاں مسلمان ہندوؤں سے ہلکے پڑجائیں گے تمہارے ہرکارے جو کچھ کر رہے ہیں ہم اس سے بھی نمٹ لیں گے۔ ارے تم کیا نمٹو گے نواب صاحب آج تک ہم نے تمہاری عزت کی ہے مگر تمہارا منہ سیدھا ہی نہیں ہوتا کتے کی دم کی طرح ٹیڑھے کے ٹیڑھے ہی ہو میں نے کہا

اچانک ہی ایک منصوبہ میرے ذہن میں آگیا تھا نواب کے لئے تو گو یہ الفاظ بم کے دھماکے سے کم نہیں تھے ہتھے سے اکھڑ گئے مجھے چار آدمیوں کے ذریعے اٹھوا کر حویلی سے باہر پھنکوا دیا اور خوب بے عزتی کی میری۔ میں خوش تھا اس بات پر مہاراج کہ وہ کام منٹوں میں ہوگیا جس کے لئے میں پریشان تھا میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا میری اس درگت سے ہندوؤں میں اشتعال پیدا ہوگیا تھا لیکن میں نے انہیں دھیرج رکھنے کے لئے کہا گھر واپس آگیا اور میرا اندازہ درست نکلا۔ یہ خبر پریم ناتھ کو پہنچ چکی تھی۔ وہ سونالی کے ساتھ ہی میرے کمرے میں آیا اور مجھ سے ساری صورت حال کے بارے میں پوچھنے لگا تو میں نے کہا وہ نواب کا بچہ تو سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا میں نے اس سے کہا کہ یہ کام دوسروں کا ہے ہماری دوستی میں فرق نہیں آنا چاہئے تو مجھ پر بگڑ گیا کہنے لگا۔

"او دال کھانے والے بنئے میری اور تیری دوستی کیا معنی رکھتی ہے اپنی اوقات بھول گیا بس مجھے بھی غصہ آگیا اور اس کے بعد اس نے مجھے اپنی حویلی سے نکلوا دیا۔ چنتا مت کر شکتی سنگھ چنتا مت کر اب تجھے ایک اور کام کرنا ہے۔ وہ کیا؟ میں نے پوچھا۔ بتاتا ہوں بتا دوں گا۔ وہ بولا سن سونالی' وہ سونالی سے بولا آج رات کو تُو اسے ساتھ لے کر مایہ کنڈ آجانا سورج چھپنے کے فوراً بعد تم دونوں کو مایہ کنڈ پہنچ جانا ہے یہ کہہ کر پریم ناتھ چلا گیا سونالی نے اپنے کمرے میں داخل ہوکر کمرہ بند کرلیا اور میں یہ سوچنے لگا کہ نہ جانے اب وہ پاپی جادوگر کیا کرنا چاہتا ہے۔ نواب شہریار سے لڑائی لے کر میں نے کم از کم وہ خطرہ تو ٹال دیا تھا کہ دوست بنا کر مجھے ان کے بازو کا تعویذ حاصل کرنا پڑے لیکن نواب شہریار بات نہیں سمجھتے تھے اب اس کا نتیجہ ادھر سے نہ جانے کیا ہو شام سورج چھپتے ہی سونالی میرے پاس آگئی اور میں اس کے ساتھ چل پڑا میرا حلق خشک ہو رہا تھا مہاراج بڑا ڈر لگ رہا تھا مجھے نہ جانے اب کیا ہو۔ کہیں اس جادوگر کو یہ پتہ نہ لگ جائے کہ میں من سے اس کے ساتھ نہیں ہوں یا شہریار کے بارے میں اس سے چال چلی گئی ہے اور پھر یہ طلسمی مندر۔ ایک دیوار کے سامنے پہنچ کر سونالی نے میرا ہاتھ پکڑا اور پھر ہم دونوں دیوار سے گزر کر اس طرح اندر آگئے جیسے وہ صاف دھوئیں کی دیوار ہو کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی تھی مگر مہاراج اندر داخل ہوکر میری کھوپڑی چکرا گئی نواب شہریار کا باغ اتنا بڑا تو نہ تھا اور پھر مندر تو بہت ہی چھوٹا تھا لیکن اندر آکر مجھے ایسا لگا جیسے میں سینکڑوں بیگھے پر پھیلے ہوئے کسی عظیم الشان قلعے میں کھڑا ہوں جہاں تک نظر کام کرتی تھی پھول نکلے ہوئے تھے ان کے بیچ سنہرے چمکتے ہوئے مجسّمے کھڑے ہوئے تھے جنہیں قریب سے دیکھنے پر پتہ چلا کہ سونے کے ٹھوس مجسّمے ہیں ان پر بھی سونے کی چترکاری کی ہوئی تھی عجیب مندر تھا

بھگوان کی سوگند مہاراج وہاں سینکڑوں من سونا سجا ہوا تھا کروڑوں کی مالیت کے ہیرے بکھرے ہوئے تھے وہ سچ مچ مایہ کنڈ تھا میری تو آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں پھر وہیں مجھے پریم ناتھ ملا راجہ بنا ہوا تھا داسیوں کے جھرمٹ میں مجھے دیکھ کر سب کو ہٹا دیا اور پھر ایک در میں جا بیٹھا۔ ستو شکتی سنگھ وہ سسرا مسلمان بہت چالاک ہے مگر سیوک سے بچ کر کہاں جائے گا بس اسی کا کانٹا ہے ورنہ سب ٹھیک ہو جاتا اب تمہیں دوسرا کام کرنا ہے۔ حکم دیں مہاراج۔ جاؤ سونالی لے آؤ پریم ناتھ نے کہا سونالی چلی گئی پھر وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھوں میں ایک تھالی تھی جو چاندی کی بنی ہوئی تھی اس میں آٹے کے بنے ہوئے دو پتلے رکھے ہوئے تھے پریم ناتھ انہیں دیکھ کر مسکرانے لگا یہ ہندو اس نے ایک پتلا اٹھا کر کہا اور یہ مسلمان اس نے دوسرے پتلے کو دیکھ کر کہا پھر اس تھالی میں سے اس نے دو سوئیاں اٹھائیں اور کہا اور یہ ہیں نفرت کی سوئیاں ایک اس کے دل میں دوسری دوسرے کے دل میں۔ اس نے دونوں سوئیاں گندھے ہوئے آٹے کے پتلوں میں چبھو دیں پھر مجھ سے بولا تم یہ دونوں پتلے لے جاؤ شکتی سنگھ اور انہیں نور پور کے چوک میں بیچوں بیچ گاڑ دو پھر دیکھو تماشا.......!

میرا دل کانپ اٹھا تھا مہاراج مگر مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ اب اس سے منہ موڑوں سنیل کو میرے ساتھ بھیجا گیا اور میں نے آدھی رات کو وہ دونوں پتلے زمین میں گاڑ دیئے پھر مہاراج تین دن تک لوگ ان نفرت کے پتلوں سے گزرے اور چوتھے دن اس چوک میں پہلا فساد ہوا وہ جگہ خون میں نہا گئی اور اس کے بعد سے اب تک فساد جاری ہے دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ سنیل روز رات کو جا کر وہاں انسانی خون ڈالتا ہے وہ جگہ ہمیشہ خون میں ڈوبی رہتی ہے جہاں پتلے دبے ہوئے ہیں دونوں طرف کے لوگ مر رہے ہیں یہ پہلا موقع ہے مہاراج کہ اس مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی ہے۔ ہریا میرا آدمی ہے یہ بھی دوسروں کے ساتھ جھگڑے میں شامل تھا مگر اس نے واپس جا کر مجھے یہاں کی کہانی سنائی اور مہاراج میں ہمت کر کے یہاں آ گیا۔" پوری کہانی سننے کے بعد میں نے کہا اب تم کیا چاہتے ہو شکتی۔

"بھگوان کی سوگند مہاراج آپ یہ مسجد پورے باغ پر بنالیں میں خوشی سے کہتا ہوں سسری دھرتی کون سی کسی کے ساتھ جائے گی مگر کوئی اپائے کرو انسان بچ جائیں یہ دیوانگی ختم ہو جائے ہندو ہوں یا مسلمان ہیں تو انسان۔ برسوں کے ساتھ رہنے والے دشمن ہو گئے ایک دوسرے کے اسے روکئے مہاراج تم اچھے انسان ہو۔"

"شکتی انشاء اللہ یہاں فساد بند ہو جائے گا۔"

"میرے لئے کوئی حکم ہو تو بتائیے۔"

"نہیں خاموشی سے اپنا کام جاری رکھو۔"

"ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں مہاراج!"

"کہو۔"

"ہو سکتا ہے کہ دھرم کے دیوانے دوبارہ یہاں کوئی حرکت کرنے آئیں آپ اسے میرا کام نہ سمجھیں میں کھل کر یہ بات نہیں کہہ سکتا میرے من میں کیا ہے مگر آپ سے کہہ چکا ہوں کہ آپ چاہیں تو میرے اس پورے باغ کو مسجد بنائیں مجھے اعتراض نہ ہو گا۔"

"میں سمجھتا ہوں شکتی سنگھ۔"

"پھر میں چلتا ہوں مہاراج!"

"جاؤ اور اطمینان رکھو تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے ہریا نے بھی ایسا ہی کیا اور پھر وہ چلے گئے حمید اللہ کسی پتھر کے بت کی مانند ساکت تھا میں نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر کہا کیا بات ہے حمید اللہ کچھ بولو گے نہیں۔

"یہ سب کچھ کتنا عجیب ہے۔"

"ہاں! دنیا کی کہانیاں ہیں ایسی ہی ہوتی ہیں اور ایسا ہی ہوتا ہے چلو ٹھیک ہے کام جاری ہے آگے بڑھ رہا ہے تم گھبرائے تو نہیں ہو؟"

"بالکل نہیں بھیا۔"

"اندر تعمیر کا سامان پڑا ہے وہاں سے دو کدالیں اٹھالاؤ جاؤ لے آؤ!" میں نے کہا اور حمید اللہ چلا گیا پھر کدالیں لے کر آیا۔ یہ میں نے پہلے تو نہیں دیکھی تھیں وہ حیرت سے بولا۔ آؤ چلیں میں نے ایک کدال سنبھال کر آگے بڑھتے ہوئے کہا حمید اللہ بھی میرے ساتھ چل پڑا۔ وہی ویرانی اور ہیبت ناک سناٹا' حمید اللہ خوفزدہ تھا مگر ہمت کئے ہوئے تھا اسے خوف تھا کہ کسی طرف سے چھپا ہوا ہندوؤں کا کوئی غول نہ نکل آئے بمشکل اس نے کہا۔ ہم کہاں چل رہے ہیں رحمان بھیا۔ چوک نور' یہاں سے ہم زمین کھود کر پہلے وہ نفرت کے پتلے نکالیں گے میں نے جواب دیا۔ میں نے حمید اللہ کے چہرے پر اس جواب کے نتائج نہیں دیکھے تھے وہ مجھ پر اندھا اعتماد کرنے لگا تھا لیکن انسان تھا اور ایسے حالات سے خوفزدہ ہو جانا انسانی فطرت کے عین مطابق ہے یعنی اس وقت صورت حال یہ تھی کہ نور پور کے رہنے والے ہندو مسلمان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو

رہے تھے کوئی نہیں جانتا تھا کہ کب کہاں سے گھات لگائے ہوئے درندے نکل کر حملہ آور ہو جائیں۔

دن کی روشنی تک میں لوگ گھروں سے باہر نہیں نکل رہے تھے۔ یہ تو رات کے ہولناک سناٹے تھے ہم چلتے رہے ایک آدھ بار پولیس گاڑی کی روشنی نظر آتی تو آڑ میں ہوگئے پتہ نہیں حمید اللہ پر کیا بیت رہی تھی ہم نور چوک پہنچ گئے چاروں طرف ویران سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ کسی ذی روح کا پتہ نہیں تھا۔ میں مدہم قدرتی روشنی میں زمین دیکھتا آگے بڑھتا رہا اور وہ پھر جگہ بالکل صاف نظر آگئی جہاں خون جما ہوا تھا جادو کے پتلوں کو غسل خون دیا جاتا تھا اور نہ جانے کہاں کہاں سے یہ خون حاصل کیا جاتا تھا۔ یہ یہ وہ جگہ ہے نا..........؟ دفعتاً حمید اللہ کے منہ سے نکلا۔ پتلون کو نکالنا ہے میں نے کہا اور کدال سیدھی کر لی پھر میں پہلی کدال زمین پر ماری تھی کہ چھن کی آواز آئی اور حمید اللہ کی گھگھی بند گئی نہ جانے کہاں سے ایک عورت اور ایک مرد نمودار ہوگئے تھے ان کے چہرے بھیانک سیاہ تھے سرخ زبان باہر لٹکی ہوئی تھی انہوں نے دونوں ہاتھ سامنے کئے ہوئے تھے حمید اللہ تو کانپنے لگا مگر میں نے پُرسکون نظروں سے انہیں دیکھا۔

"تو تمہاری ڈیوٹی یہاں ہے؟" میں نے کہا اور وہ بھیانک آواز میں اپنا جسم توڑنے مروڑنے لگے ان کے جسم کے اعضاء خوفناک شکلیں پیش کرنے لگے ان کی آنکھیں حلقوں سے ایک ایک فٹ آگے نکل آئیں کبھی ناک لمبی ہو جاتی کبھی ہونٹ ٹھوڑی سے نیچے جاتا اور لمبے دانت نظر آنے لگتے وہ یہ حرکتیں کرتے ہوئے ڈرانے والے انداز میں آگے بڑھ رہے تھے تب میں نے دوبارہ کہا۔ "سنیل شلپا اور پریم ناتھ کے پالتو کتو بھاگ جاؤ یہاں سے ورنہ خاک ہو جاؤ گے۔" میں نے دونوں ہاتھ سیدھے کئے تو وہ رک گئے اچانک ہی دونوں زمین پر لیٹ گئے پھر لڑھکتے ہوئے دور چلے گئے اور نگاہوں سے اوجھل ہوگئے میں نے دوبارہ کدال زمین پر چلائی تو پھر وہ چھن چھن کرتے ہوئے آگئے اور ہمارے جسموں پر جھپٹے مارتے ہوئے دور نکل گئے میں نے حمید اللہ کو دیکھ کر کہا۔ چلو حمید اللہ شروع ہو جاؤ یہ مکھیاں تو ایسے ہی بھنبھناتی رہیں گی۔ آؤ جلدی کرو۔ حمیت اللہ ہی کیا' اس قسم کی حرکتیں دیکھ کر اچھے اچھوں کے ہوش خراب ہو جاتے۔ اس بار پھر وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تھے حمید اللہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا مگر کدال اس کے ہاتھوں میں لرز رہی تھی۔ بسم اللہ کر کے شروع ہو جاؤ میں نے اسے جگہ بتا کر کہا حمید اللہ نے کدال بلند کی اور پھر ایک گھٹی گھٹی سی آواز نکال کر رک گیا۔ میں نے بھی دیکھ لیا شلپا اچانک زمین پر اس جگہ نمودار ہوگئی جہاں کدال کی ضرب لگنے والی تھی اس نے دونوں

ہاتھ اٹھا کر حمید اللہ سے رکنے کی درخواست کی تھی میری کدال اوپر اٹھی سنیل نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا میں نے ایک زور دار جھٹکا دیا تو وہ اچھل کر سامنے آگیا اور لٹو کی طرح گھومنے لگا۔ ٹھیک ہے اب پہلے تمہارا کام کرنا پڑے گا اور آؤ ذرا دیکھوں تمہیں میں نے کہا اور بسم اللہ پڑھ کر درود شریف پڑھنا شروع کر دیا جو میں نے درود پاک کا ورد کیا دفعتاً وہ اٹھ بھاگے بھاگتے ہوئے وہ چیخ رہے تھے۔ دوڑو اے دوڑو مُسلے آگئے آگئے رے آگئے مُسلے آگئے اس کے بعد وہ واپس نہیں پلٹے مگر کچھ گھروں میں روشنیاں ہوگئیں تھیں۔ چلو حمید اللہ.......... اب نہیں آئیں گے وہ میں نے کہا اور زمین پر کدال چلانے لگا حمید اللہ یہاں بھی بدروحوں کی ناکامی دیکھ چکا تھا اور اسے اطمینان ہو گیا تھا چنانچہ وہ بھی مصروف ہو گیا وہ دونوں نہ جانے کہاں تک چیختے ہوئے گئے تھے لوگ جاگ بھی گئے تھے مگر کوئی دیوانگی میں باہر نہیں نکلا اور ہم دونوں اپنا کام کرتے رہے ویسے بھی ہمیں زیادہ محنت نہ کرنی پڑی پتلے زیادہ گہرے نہیں گاڑنے گئے تھے تھوڑی سی کوشش سے ہی وہ ہمیں نظر آگئے آگ کی طرح دہک رہے تھے میں نے کدال کی نوک ہی سے ان دونوں کو باہر کھینچ لیا اور پھر ان پر تھوک دیا۔ تھوک کی چھینٹیں ان پر پڑی تو ایسی ہی آواز ابھری جیسے جلتے لوہے پر پانی سے پیدا ہوتی ہے میں نے دوبارہ اس پر تھوکا تو دونوں پتلے اچھل کر بھاگے مگر میں نے لپک کر ان میں سے ایک پر پاؤں رکھ دیا اور دوسرے پر کدال پھینک ماری دونوں پچک گئے میں نے پاؤں کے نیچے موجود پتلے کو بری طرح مسل دیا اور وہ ریزہ ریزہ ہو گیا پھر آگے بڑھ کر دوسرے کا بھی یہی حشر کیا اور پھر حمید اللہ سے کہا کہ ان کے ٹکڑے جمع کرے حمید اللہ کی ہمت بحال ہوگئی تھی اس نے ان پتلوں کا ملغوبہ سمیٹا اب وہ بالکل ٹھنڈے ہوگئے تھے پھر ہم وہاں سے چل پڑے رخ باغ کی طرف تھا راستے میں کوئی مزاحمت نہیں ہوئی اور ہم باغ میں داخل ہوگئے باغ کے ایک گوشے میں پتلوں کو مطلوبہ زمین میں ڈال کر اس میں آگ روشن کر دی چند لمحوں میں وہ جل کر خاکستر ہوگئے تب ہم مسجد واپس آگئے۔ حمید اللہ خاموشی سے اپنی مخصوص جگہ جا لیٹا۔ دوسرا دن معمول کے مطابق تھا صبح' دوپہر' پھر شام ہوگئی مغرب ہونے میں دیر باقی تھی کہ مسجد کے بڑے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے خود دروازہ کھولا تھا شکتی تھا مجھے دیکھ کر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور بولا۔ "سلام مہاراج!"

"کیسے ہو شکتی؟"

"دیا ہے بھگوان کی ہمارے آنے کا برا تو نہیں مانتے مہاراج۔"

"نہیں بھئی برا کیوں مانتا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"بھگوان کی سوگند بتا نہیں سکتا آپ کو مجھے کیا ہوگیا ہے بڑا من لگ گیا ہے آپ سے..........."

"یہ تمہاری محبت ہے کہو نور پور کے کیا حالات جا رہے ہیں؟؟"

"ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"پوچھو۔"

"نور چوک کی زمین کھدی ہوئی ہے دوسرے اس بارے میں نہیں جانتے مگر میں جانتا ہوں کہ وہاں کیا تھا آپ نے مہاراج کیا آپ نے..........؟" وہ سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا میں نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا پھر کہا۔

"ہاں شکتی تم نے اس نفرت کی وجہ مجھے بتا دی تھی اور سب سے پہلا کام یہی ضروری تھا کہ نفرت کی وجہ ختم کی جائے میں نے وہ دونوں جادو کے پتلے نکال کر خاکستر کر دیئے ہیں اور اب ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔" شکتی کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پھیل گئے اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"جے ہو مہاراج کی ان پتلوں کے بارے میں پتا تھا یہ کام مہاراج ہی کا ہو سکتا ہے ہوا یوں مہاراج کہ اٹھارہ آدمیوں پر بنی ہوئی ایک کمیٹی میرے پاس آئی اچھے اچھے لوگ شامل ہیں۔ سمجھدار ہیں نور پور کے رئیسوں میں سے ہیں کاروباری ہیں۔ سارے کے سارے ہندو تھے میرے سامنے آئے اور کہنے لگے کہ شکتی سنگھ مہاراج یہ قتل و غارت گری کب تک ہوتی رہے گی مسلمان بھی مر رہے ہیں ہندو بھی مر رہے ہیں فائدہ کسی کو نہیں کیوں نہ ایک بھائی چارہ کمیٹی بنائی جائے اور اس سلسلے میں بات کی جائے اب یہ لڑائی ختم ہو جانی چاہئے جہاں تک بات پریم ناتھ کی ہے تو مہاراج پریم ناتھ خود جو من چاہے کرے بھوانی کنڈ بنائے نور پور کو مایہ کنڈ بنادے ہمیں کیا ہم کیوں لڑیں آپس میں اور جہاں تک مسلمانوں کے نور پور سے نکال باہر کرنے کا سوال ہے تو مہاراج نے دیکھ لیا ہے کہ اگر مسلمان نور پور میں نہ رہے تو ہندو ہی کتنے بچیں گے برابر کی چوٹ جاری ہے چار ہم ان کے مارتے ہیں تو پانچ وہ ہمارے مار دیتے ہیں کیا اس طرح مسلمانوں کو نور پور سے ختم کیا جاسکے گا۔ بات تو یہ ہوتی کہ ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوتا میں نے فوراً ہی بات اچک لی اور کہا۔ یہ تو تم لوگوں کے سوچنے کی بات ہے کیا کہہ سکتا ہوں میں اگر باہر نکل کر تم سے یہ بات کہتا تو تم لوگ یہی کہتے کہ میں بزدل ہوں اور مسلمانوں کے ڈر سے ان سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔ بات ڈر' خوف یا بزدلی کی نہیں ہے مہاراج شکتی آپ ہمیں یہ بتایئے کہ اب تک کتنے ہندو مرے ہیں اور کتنے مسلمان یہ جھگڑا تو لمبا ہی چلے گا سرکار تک

کچھ نہیں کر پا رہی پولیس والے اُدھر جاتے ہیں تو اِدھر سے حملہ ہوتا ہے نقصان ان کا بھی ہوتا ہے اور ہمارا بھی ہوتا ہے بہت سے گھر برباد ہوگئے ہیں مہاراج اب یہ دھندا ختم ہو جانا چاہئے۔ تو پھر تم جیسا کہو بھائیو! میں تیار ہوں۔ میں نے کب اس بات سے انکار کیا ہے۔ ہونا کیا چاہئے مہاراج ہم اسی لئے آپ کے پاس جمع ہو کر آئے ہیں۔

پہلے یہ بتاؤ کہ جو بھائی چارہ کمیٹی بنائی ہے کیا تمہاری بات دوسرے بھی مانیں گے۔ ارے سسرے کیسے نہیں مانیں گے بھلا لڑنے بھڑنے میں کوئی فائدہ ہو رہا ہے کسی کا سارے کام دھندے چوپٹ پڑے ہیں گھروں میں فاقوں کی نوبت آگئی ہے اور پھر جو نہیں مانے گا اسے ہم منوالیں گے ڈنڈوں کے زور پر پولیس بھی ہمارا ساتھ دے گی کون چاہتا ہے کہ فسادات ہوتے رہیں۔ تو پھر تمہاری کیا رائے ہے رام کمار؟ میں نے ان میں سے ایک بڑے آدمی سے پوچھا نواب شہریار سے بات کیے بنا بات بن بھی نہیں سکتی جس طرح سے ہندو آپ کی بات مان رہے ہیں شکتی سنگھ مہاراج اسی طرح مسلمان نواب شہریار کی بات مان رہے ہیں بلکہ اڑتی اڑتی خبر تو ہم نے یہ سنی ہے کہ نواب شہریار نے چوری چھپے بڑا اسلحہ منگوایا ہے اور اب وہ ہندوؤں کے خلاف استعمال ہوگا رام رام مہاراج! اتنے مریں گے کہ سوچا بھی نہیں جاسکتا آپ نواب شہریار کی ٹکر کے آدمی ہیں آپ ان سے بات کریں اور یہ فیصلہ کرلیں کہ آپس کے جھگڑے ختم کردیئے جائیں مل بیٹھ کر سمجھوتہ کرلیا جائے ایک کمیٹی اِدھر سے بنی ہے ایک کمیٹی شہریار صاحب بنائیں تب ہی بات نمٹ سکتی ہے۔ اگر آپ لوگ یہ چاہتے ہیں تو میں نواب شہریار کے پاس جانے کو تیار ہوں۔ ہم تو یہی چاہتے ہیں مہاراج! مگر آپ کا کیا خیال ہے کیا نواب شہریار بات مان جائیں گے۔ بھئی کوشش تو کرنی چاہئے۔

"ہاں.......... ٹھیک ہے تو پھر کل صبح نواب شہریار کے پاس چلا جائے اور مہاراج بات طے ہوگئی ہے وہ لوگ تو یہ کہہ سن کر چلے گئے ہیں لیکن میں نے سوچا کہ آپ کا آشیرواد لے لوں آپ سے پوچھ لوں کہ یہ ٹھیک رہے گا یا نہیں۔

"بالکل ٹھیک رہے گا تم یہ نیک قدم ضرور اٹھاؤ شکتی اور نواب شہریار کے پاس چلے جاؤ اس سے بات کرو۔"

"ٹھیک ہے مہاراج پر جب یہ کمیٹی بنی اور لوگ ہمارے پاس آئے اور چلے گئے تو میں سب سے پہلے نور پور چوک پہنچا وہاں جاکر میں نے وہ زمین دیکھی جہاں پتلے میرے ہی ہاتھوں گڑے تھے زمین کھودی ہوئی ملی۔"

"شکتی انسانی خون ویسے بھی نہیں بہنا چاہئے وہ ہندو کا ہو یا مسلمان کا ہے تو وہ

انسان ہی تم جاؤ اور اب یہ ضروری ہوگیا ہے۔ مجھے آکر خبر دینا کہ نواب شہریار سے کیا بات ہوئی۔"

"ٹھیک ہے مہاراج اجازت دیں۔" شکتی چلا گیا اور میں واپس آگیا واقعی یہ ایک دلچسپ بات ہوئی تھی اور اب اس میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا کہ مجھے نور پور کی بشارت بے مقصد نہیں ہوئی تھی میرا اعتماد آسمان سے اونچا ہوگیا تھا کوئی مسئلہ ہی باقی نہیں رہا تھا رہنمائی ہوتی تھی جہاں کچھ بتانا ضروری ہوتا تھا وہاں بتا دیا جاتا تھا ہر طرح کی اعانت ہوتی تھی یہاں تک کہ میرے کھانے پینے تک کا بندوبست کر دیا جاتا تھا۔

صحیح معنوں میں مجھے بڑا مرتبہ دیا گیا تھا شکر گزاری میرے رگ وپے میں رچی ہوئی تھی مگر اپنا تجزیہ کرنے کا جب بھی وقت ملتا بڑی شرمندگی ہوتی تھی میں خود کو کسی قابل نہیں بنا سکتا تھا میں جانتا تھا کہ دل کے زخموں پر کھرنڈ آگئی ہے نیچے زخم ہرے ہیں جب بھی یادوں کی ہوا چلتی ہے یہ زخم کسکنے لگتے اور اب تو اس کسک میں ایک اور کسک شامل ہوگئی تھی یعنی ثناء۔ نہیں بھول سکا تھا اسے نہیں بھول پا رہا تھا اس کے تصور کو خود سے بھی چھپاتا تھا دل میں خیال آجاتا تھا تو خود سے شرمندہ ہو جاتا تھا وہاں سے مجھے اس قدر بلندیاں بخشی گئی ہیں اور یہاں میں اتنا ہی پست انسان ہوں۔ اپنی محبتوں اپنی چاہتوں کے جال میں جکڑا ہوا ہوں دنیا مجھے اسی طرح سمیٹے ہوئے ہے سب یاد آتے تھے سب پکارنے لگتے تھے اس وقت جب یادوں کی ہوا چلتی اور یہ لمحات میرے لئے بڑے جاں گسل ہوتے تھے جب میں خود سے چھپتا تھا حمید اللہ کی صورت میں ثناء کے نقوش جھلکتے تھے اور کبھی کبھی تو میں اسے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا تھا پھر یاد آگیا تھا وہ سب کچھ پھر یاد آگیا تھا نہ جانے حمید اللہ کو بھی وہی موضوع کیوں سوجھ گیا۔

"بڑے دلچسپ واقعات ہیں رحمان بھیا آپ کے خیال میں کیا نواب صاحب مان جائیں گے؟"

"اللہ جانے دیکھنا پڑے گا۔"

میرے خیال میں مان جائیں گے کیونکہ نفرت ختم ہو چکی ہے۔" حمید اللہ نے کہا اور پھر بولا۔ "نور پور! میں کب تک رہیں گے بھیا؟"

"کچھ نہیں کہا جاسکتا کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"نہیں کوئی وجہ نہیں بس ایسے ہی ویسے یہ مسجد بڑی پُر سکون ہے پہلے مجھے یہاں خوف محسوس ہوا تھا اب یوں لگا ہے جیسے یہاں جتنے لوگ بھی ہیں دوست اور محبت کرنے والے ہیں اور بھیا ایک بات کہوں دل سے کہہ رہا ہوں۔"

"ضرور کہو۔"

"میں نے ثناء کو بھی صبر کر لیا ہے بس ایک بے بس بھائی کی طرح ہر نماز کے بعد اس کے لئے دعا کرتا ہوں اپنے اللہ سے کہتا ہوں کہ میں اور میری اوقات کیا بلکہ میں نے تو اپنی اوقات دیکھ لی۔ ایک لمحے بہن کا محافظ نہیں بن سکا مجھ مجبور بے کس کی کیا مجال ہے کہ میں اس کے کسی بندے کی حفاظت کر سکوں اپنے بندوں کی محافظ اللہ کی ذات ہے بس دعا کرتا ہوں کہ اللہ میری ثناء کو اپنی پناہ میں لے لے اور اس شیطان مردود کے ستم سے اس معصوم کو بچائے۔ بھیا تمہاری محبت میں مجھے یہ درس ملا ہے حالانکہ اللہ نے تمہیں بزرگی بخشی ہے تم بہت سوں کے مسائل حل کر سکتے ہو لیکن میں جانتا ہوں کہ تم نے اپنے کنبے کو اللہ کی رضا پر چھوڑ دیا ہے۔"

روح بے قرار ہوگئی تھی ہاں ایسا ہی ہے ایک ہی سہارا تو ہوتا ہے انسان کے پاس میرے پاس بھی بس وہی سہارا تھی مگر میں تو ان کے لئے دعا بھی نہیں کرتا تھا وہ یاد آجاتے تھے اور یہ یاد ممنوع تھی میرے لئے.......... شکتی کو واقعی مجھ سے عقیدت ہوگئی تھی دوسرے دن دوپہر ڈھائی بجے میرے پاس آگیا اور اس کی دستک سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہی ہو سکتا ہے چہرہ کسی قدر اترا ہوا تھا مجھے دیکھ کر افسردگی سے ہاتھ ماتھے پر رکھ دیئے۔

"کہو شکتی خیریت ہے؟"

"خیریت نہیں ہے مہاراج؟"

"کیوں کیا ہوا؟"

"نواب کے پاس گئے تھے ہم لوگ۔"

"پھر..........؟"

"وہ نہیں مان رہے ہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہیں..........؟"

"میری بڑی بے عزتی کی انہوں نے کہا دال بھاجی کھانے والے ہندو شیر دل مسلمانوں کا کیا مقابلہ کریں گے ابھی لڑائی چلنے دو نتیجہ سامنے آنے والا ہے میرے ساتھ کے دوسرے تو بگڑ گئے لیکن میں نے خود کو سنبھالے رکھا میں نے کہا مجھے اور گالیاں دے دیں مہاراج مگر انسانوں کا خون بہنے سے روکیں۔"

"کیا کہا انہوں نے..........؟"

"کہا انسانوں کے خون کی بات نہ کرو ہندوؤں کے خون کی بات کرو۔ شاید تمہیں پتہ چل گیا ہے۔"

"کیا.........؟" میں نے پوچھا۔

"ہمیں تو بس یہی پتہ چلا مہاراج کہ نواب نے اسلحہ منگوایا ہے اب پتہ چلا ہے کہ کہیں سے کچھ آدمی بھی آ رہے ہیں نور پور کے ہندوؤں سے مقابلہ کرنے نواب صاحب پورا بدلہ لینے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔"

"کہو.......... آخری بات کیا ہوئی۔"

"کہنے لگے مسلمانوں کا نقصان پورا کردو۔ ہر زندگی کی قیمت ادا کردو ورنہ تمہیں بتائیں گے کہ نور پور ہندوؤں سے خالی ہوتا ہے یا مسلمانوں سے بس یہ آخری بات تھی۔"

"گویا وہ نہیں مانے۔"

"یہی بات ہے مہاراج!"

"کیا کرنا چاہتے ہیں وہ..........؟"

"بس ابھی سوچ رہے ہیں بات کچھ بگڑتی نظر آ رہی ہے۔"

نہیں بگڑے گی فکر مت کرو۔ بندگان خدا کا خون بہانے کا حق کسی کو نہیں ہے نواب شہریار کو بھی نہیں ہے انہیں بھائی چارہ کمیٹی سے اتفاق کرنا پڑے گا۔

"مگر کیسے مہاراج!"

"ذرا ان کی رہائش گاہ کا پتہ بتاؤ۔" میں نے کہا اور شکتی نے مجھے پتہ سمجھا دیا پھر بولا۔

"آپ جائیں گے مہاراج۔"

"ہاں۔" میں نے بڑے یقین سے کہا۔

"آپ حکم دیں تو ہم بھی چلیں۔"

"نہیں شکتی تم اپنے گھر جاؤ میں تمہاری توہین نہیں چاہتا۔ شہریار اگر ایسے آدمی ہیں تو دوبارہ تمہیں دیکھ کر سوچیں گے کہ تم ان سے ڈر گئے ہو۔"

"ٹھیک ہے مہاراج!" شکتی نے کہا اور پھر وہ چلا گیا حمید اللہ نے کہا شہریار صاحب بہت مغرور معلوم ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہو جائیں گے میں نے کہا۔ پھر کیا ارادہ ہے؟ عصر کے بعد چلیں گے! میں نے جواب دیا نماز عصر سے فارغ ہو کر میں نے حمید اللہ کو ساتھ لیا اور مسجد سے باہر نکل گیا راستہ طے کرتے ہوئے ایک ذرا سی تبدیلی یہ نظر آئی کہ سڑکوں پر اکا دکا لوگ چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے جبکہ اب سے پہلے نور پور شہر خموشاں لگتا تھا نواب کی حویلی پہنچ گئے قلعہ بنا رکھا تھا انہوں نے حویلی کی طرز تعمیر بھی قلعہ جیسی تھی دروازے پر

دو مسلح آدمی کھڑے تھے مگر وہ دروازہ کھلا تھا۔

جی فرمائیے۔" انہوں نے مجھے گھور کر پوچھا۔

"نواب شہریار سے ملنا ہے۔"

"ہندو ہو یا مسلمان۔"

"الحمدللہ ہم دونوں مسلمان ہیں۔"

"جاؤ شہریار صاحب کے پاس لے جاؤ۔" ایک پہرے دار نے دوسرے سے کہا دوسرا میرے قریب آ کر بولا تلاشی دو۔

"کیسی تلاشی؟" حمید اللہ بولا۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ دیکھنا ہے کہ تمہارے پاس ہتھیار تو نہیں ہے۔"

"دیکھ لو بھائی جلدی کرو۔" میں نے بیزاری سے کہا پھر وہ شخص ہمیں اندر لے گیا سامنے کے حصے سے گزر کر اندرونی حصے میں داخل ہوئے پھر ایک خوبصورت کھلے حصے میں نکل آئے جہاں سرخ اینٹوں کا فرش تھا گملے سجے ہوئے تھے ان میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے تھے درمیان میں شہریار باریک ململ کا کرتہ اور لٹھے کا پائجامہ زیب تن کئے ایک خاص قسم کی آرام کرسی پر نیم دراز تھے سامنے پیچوان رکھا تھا جس سے خمیرہ کی خوشبو اڑ رہی تھی سرخ سفید چہرے اچھی صحت کے مالک روایتی قسم کے نواب نظر آ رہے تھے۔ سرکنڈے سے بنی میز پر خاصدان رکھا ہوا تھا اور نواب شہریار کے ہونٹوں پر پان کی دھڑی نظر آ رہی تھی آس پاس بہت سے موڑھے پڑے ہوئے تھے جن میں سے چار پر چار افراد بیٹھے ہوئے تھے باقی خالی تھے۔ ویسے حویلی میں خوب چہل پہل تھی اور یہاں تک آتے ہوئے کوئی بیس پچیس افراد نظر آ رہے تھے۔ نواب شہریار نے ہمیں دیکھ کر کسی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا البتہ سوالیہ نظروں سے ادھر دیکھتے رہے یہاں تک کہ پہرے دار ہمیں لے کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ میں نے باآواز بلند سلام کیا جس کا جواب ملا اس کے فوراً بعد پہریدار نے کہا۔ "قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے ہیں یہ دو حضرات حکم کے مطابق حاضر خدمت کیا۔"

"جاؤ.........." شہریار صاحب نے الٹے ہاتھ سے اشارہ کیا اور پہریدار سر جھکا کر چلا گیا شہریار صاحب سوالیہ نظروں سے ہمیں دیکھنے لگے۔

"سبحان اللہ لگتا ہے دربار اکبری میں آ گئے ہیں بلکہ حاضری کی اجازت عطا کر کے وہاں بھی شاید مہمانوں کی کچھ پذیرائی کی جاتی ہو۔ بس اتنا فرق محسوس ہوتا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میرے الفاظ کو محسوس کرلیا گیا ناگواری کے اثرات نمودار ہوئے پھر

نخوت بھرے لہجے میں کہا گیا۔ "مونڈھے گھسیٹو اور بیٹھ جاؤ۔"

"چلو حمید.......... بیٹھ جاؤ۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور ہم دونوں بیٹھ گئے۔ "کون ہو.......... اور کیوں آئے ہو..........؟"

میں نے جواب دیا۔ "نورپور میں داخل ہوئے تو عجیب حال دیکھا ملال ہوا جو بھی مر رہا ہے انسان ہے چاہے کوئی مذہب ہو اس کا آپ صاحب اقتدار ہیں بہتری تلاش کیجئے۔"

"نورپور میں کہاں سے داخل ہوئے یہاں کے رہنے والے نہیں ہو کیا؟"

نواب شہریار نے پوچھا۔ "ہاں کہیں اور سے آئے تھے اسٹیشن پر اترے تو پتہ چلا کہ یہاں تو کشت وخون کا بازار گرم ہے۔"

"بازار تو اب گرم ہو گا ذرا آگے دیکھنا ہوا کھسک رہی ہے لالے کی اب ناک رگڑنے آرہے ہیں وفد لے کر بھائی چارہ کمیٹیاں بنا بنا کر ایک دو روز کی بات اور ہے پھر شروع ہو گا کھیل۔" شہریار صاحب نے بے رحمی سے کہا۔

"نتیجہ کیا ہو گا..........؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں نہ گھوڑ دوڑ نہ میدان جو ہو گا سامنے آجائے گا۔ مگر تم بہت پریشان لگ رہے ہو یہاں پھنس گئے ہو تو تمہارے باہر نکلنے کا بندوبست کیا جاسکتا ہے۔ آئے کہاں سے ہو اور نورپور کس کام سے آئے تھے..........؟"

"جو کھیل آپ شروع کریں گے نواب شہریار صاحب اس میں ایک بھی مسلمان کی جان نہیں جائے گی..........؟" میں نے ان کا سوال نظرانداز کر کے کہا۔

"کوشش تو پوری کریں گے کہ ایسا نہ ہو.......... مگر جب دو مرغے لڑیں گے تو زخم تو آئیں گے۔"

"انسانوں کی بات کر رہا ہوں شہریار صاحب۔" میں نے قدر غصیلے لہجے میں کہا۔

"اماں تو تم کیوں دبلے ہو شہر کے اندیشے میں۔ تمہارے بال بچے بھی ساتھ ہیں کیا؟"

"اس لئے نواب شہریار صاحب آپ نے اپنی حویلی کو قلعہ بنالیا ہے آپ ان کے بارے میں نہیں سوچ رہے جو مر رہے ہیں راتوں کو جاگ رہے ہیں فاقہ کشی کر رہے ہیں۔"

"لڑائی ہم نے شروع نہیں کی۔"

"آپ نورپور کے رئیس ہیں آپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کی مدد کریں۔"

"کیا کریں بولو یا کریں وہ کتے کا بلا نورپور کو مسلمانوں سے خالی کرا کے اسے بھوانی اکھنڈ بنانا چاہتا ہے بنانے دیں اسے؟"

"مگر وہ لوگ اپنی غلطی کا احساس کر کے آپ کے پاس آئے تھے۔"

"ہم نے کہہ دیا نقصان پورا کریں مسلمانوں کا مان جائیں گے۔"

"آپ جانتے ہیں یہ نہیں ہو سکے گا۔"

"ہم جانتے ہیں یہ ہو سکے گا۔ سمجھے.......... گھر لٹیں گے سروں کو ننگا کر دیں گے انہیں اور نقصان پورا کریں گے۔" شہریار صاحب پرجوش لہجے میں بولے۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں شہریار صاحب کہ یہ نفرت کا کھیل پریم ناتھ کا شروع کیا ہوا ہے۔"

"مدتوں نورپور سے ہندو کس کے بل پر اچھل رہے ہیں۔ اسی کے نا..........؟" نواب صاحب نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔ وہ جارحانہ انداز میں بولے جارہے تھے لیکن میں نہایت حلیمی سے انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا میں نے کہا۔

"اور آپ یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں نواب صاحب کہ پریم ناتھ کالے علوم کا ماہر ہے وہ گندے علوم والا ان لوگوں کو اپنی گھناؤنی قوتوں سے متاثر کر کے یہ سارا عمل کرا رہا ہے آپ کو اصل میں تفصیل نہیں معلوم اس وقت پریم ناتھ نے نورپور کو اپنی گندگی کا مسکن بنانے کے لئے یہ ضروری سمجھا کہ مسلمان یہاں سے دور ہٹ جائیں۔ دیکھئے شہریار صاحب یہ تو ایک طے شدہ بات ہے کہ جس شہر کے کسی بھی گوشے میں اللہ کا نام خشوع و خضوع سے لیا جائے وہاں گندے علم کی پرورش ناممکن ہے ہندوؤں نے پریم ناتھ کے اشارے پر جو کچھ شروع کر رکھا ہے وہ اچھا نہیں ہے لیکن اسے ختم کرنے کے لئے اگر کچھ سمجھداروں نے کوشش کی ہے تو آپ کو ان کی کوششوں کی پذیرائی کرنی چاہئے میں آپ کو دعوے سے یہ تفصیل بتاتا ہوں کہ اس نے اپنے کالے علم کے دو پتلے نورپور کے نور چوک کے درمیان زمین میں دفن کئے اور پھر جب لوگ ان پر سے گزرتے تو ان کے دلوں میں نفرتیں پیدا ہوئیں اور یوں فساد کا آغاز ہوا.......... لیکن وہ پتلے اب وہاں سے نکال پھینک دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک دم ہی ان کے اثرات ختم ہونے لگے ہیں میرا خیال ہے کہ اب کافی دن تک اس بات کا امکان نہیں ہے کہ مزید فساد ہو جب تک وہ کوئی دوسری کوشش نہ کرے۔ میری رائے یہ ہے کہ شہریار صاحب کہ آپ شکتی سنگھ کی پیش کش کو قبول کرلیں اور اس سے امن وامان کے سلسلے میں ضرور بات کریں۔"

"کہانی اچھی ہے میاں صاحب لگتا ہے ہندوؤں نے کچھ لے دے کر تمہیں اس

کام کے لئے آمادہ کیا ہے بہرحال جو کچھ بھی ہے لیکن ہم نے جو بات کہہ دی سو کہہ دی مسلمانوں کا نقصان پورا کردیا جائے جھگڑا ختم ہوجائے گا نہیں تو بات بہت آگے بڑھ جائے گی ارے ایک بات ہو تو کہیں۔ پریم ناتھ کو ہم نے تو اپنے سر پر نہیں بٹھالیا کالے علم کا ماہر ہے جادو کا توڑ دو بھائیو زمین تو ہماری ہے سارے ہندوؤں کو پتا ہے اور ہماری زمین پر سے مندر ہٹالو چلو سارا جھگڑا ختم کردیں گے کیا سمجھے..........!"

"مندر توڑنے کی کوشش تو آپ لوگوں نے بھی کی تھی شہریار صاحب کیوں نہ توڑ دیا۔"

"دیکھو میاں گھر کے دروازے پر پہنچے ہو عزت سے اندر بلالیا ہے اب جوتوں سمیت آنکھوں میں اترنے کی کوشش مت کرو۔ سمجھ جاؤ چلو دوسری شرط رکھ دی ہے ہم نے.......... وہ مندر توڑ دو ہم شکتی کی بات مان لیں گے۔"

"شکتی سنگھ کی زمین پر بھی تو مسجد آباد ہوگئی ہے شہریار صاحب!" میں نے زیرلب مسکرا کر کہا۔

"کہانی سنی تو ہے ہم نے بھی دیکھیں گے ذرا وہاں بھی جاکر اور لوگ کہتے ہیں کہ اس مسجد سے اٹھنے والی اذان کی آوازیں جگہ جگہ سنی جارہی ہیں۔ ہم نے خود یہاں سنی ہے۔" پہلی بار شہریار کے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک نے بے اختیار کہہ دیا شہریار صاحب کہنے لگے۔

"ٹھیک ہے یہ بات بھی ذرا انہی سے ملیں گے جن کی آواز اس مسجد سے ابھرتی ہے اور جن کے چرچے نورپور میں ہونے لگے ہیں ان سے ملنے کے بعد یہ فیصلہ کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔" میں نے کس قدر مطمئن ہوگئے ہوئے کہا۔

"بہرحال شہریار صاحب میں بڑی امیدیں لے کر آیا تھا آپ کے پاس میرے خیال میں انسانی خون بہنے سے رکنا چاہئے آپ جو کچھ بھی کریں جلد فیصلہ کرلیں یہ بہتر ہوگا کہ امن کمیٹی بن جائے اور انسانی زندگی خطرات سے نکل جائے۔"

"دیکھیں گے سوچیں گے۔" شہریار نے کہا پھر اپنے ایک ساتھی سے بولا۔ "اماں رانا صاحب ذرا چلیں تو کسی وقت قربان علی کی مسجد دیکھیں کیا قصہ ہے۔"

"ضرور قبلہ، مگر سوچ لیجئے۔"

"کیا؟"

"شکتی سنگھ کے باغ میں ہے وہ۔"

تو پھر.......... اماں ڈرتے ہو دس بیس لونڈے لے کر چلیں گے کیا کرے گا وہ بنیا

ہمارا۔"

"پھر بھی کافر ہے ہوشیار رہنا ضروری ہے۔"

"اماں چھوڑیئے رانا صاحب اس طرح ڈرے تو جی لئے اس دنیا میں ہاں بھائی میاں اور کوئی خدمت ہمارے لئے؟"

"نہایت شکریہ یہی عرض لے کر حاضر ہوا تھا اجازت مرحمت فرمایئے۔" اٹھو حمید اللہ میں نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو بیٹو کچھ کھا پی کر جاؤ۔ آتے ہی ایسی باتیں شروع کردیں جنھوں نے جان جلادی اپنی باتیں ہو ہی نہیں سکیں یہاں کس کے پاس آئے تھے کوئی رشتہ داری ہے۔"

"ہاں.......... نورپور کے تمام مسلمانوں سے رشتہ ہے سب کی بہتری اور سلامتی کی دعائیں کرتا ہوں اللہ حافظ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور واپسی کے لئے پلٹ پڑا شہریار صاحب دیکھتے رہ گئے تھے باہر نکل آیا حویلی سے باہر نکلا اور پھر حمید اللہ کے ساتھ شکتی سنگھ کے باغ کی طرف چل پڑا۔ حمید اللہ خاموش تھا کچھ فاصلے پر آکر اس نے کہا۔

"بڑا ناگوار اثر چھوڑا ہے اس شخص نے ذہن پر۔"

"وہ خود پرستی کا شکار ہے۔ بداخلاق بھی ہے۔ ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔"

"مانے گا نہیں۔"

"مان جائے گا۔"

"لگتا تو نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہوجائے گا حمید اللہ فکر مت کرو۔"

"آپ نے اس کے تعویذ کے بارے میں کچھ اندازہ لگایا؟" حمید اللہ نے کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا مجھے ہنسی آگئی۔

"واہ حمید اللہ میاں اب تو تم بھی ان باتوں پر بڑی گہرائی سے سوچنے لگے ہو اور ان پر غور کرنے لگے ہو۔"

"صحبت صالح جو مل گئی ہے۔" حمید اللہ نے بھی مسکرا کر کہا۔

"ایسی باتیں نہ کیا کرو حمید اللہ!" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیوں غلط کہا ہے میں نے ویسے تعویذ والی بات رہ گئی کسی بزرگ نے نظر کرم کردی ہوگی کالے سحر کا عمل بے شک سخت ہوتا ہے کیونکہ اس میں شیطان شریک ہوتا ہے لیکن اللہ کے کلام سے ٹکرانے کی قوت کائنات میں کسی کو نہیں حاصل۔ شاید نواب صاحب اس پر اکڑتے ہیں۔"

"یہ اس کی خوبی ہے تعویذ کی۔"

"نہیں شہریار کی۔"

"کیوں.........؟"

"عقیدے کی پختگی بڑی چیز ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کے نتائج بے حد اہم نکل آتے ہیں اور پھر کیوں نہ ہوں عقیدہ ہی تو ایمان ہے اگر وہ کسی مرد خدا کے دیئے ہوئے تعویذ پر اتنا عقیدہ رکھتا ہے تو یقین کرو اسے کبھی مایوسی نہ ہوگی تمہیں پوری کہانی پر پھر غور کرنا چاہئے۔ مثلاً بھئی شکتی سنگھ نے تمہارے سامنے سنائی تھی۔"

"کہانی تو مجھے یاد ہے لیکن تم کون سے پہلو کی طرف اشارہ کر رہے ہو اس کا اندازہ نہیں ہو سکا۔"

"تمہارے سوال ہی کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔"

"یعنی تعویذ؟"

"ہاں پریم ناتھ نے جادو کا مندر تعمیر کر ڈالا جسے شہریار کے لاتعداد آدمی گھن پلا کر نہیں توڑ سکے اس کے علاوہ شکتی سنگھ نے اور بھی کہانیاں سنائیں جیسے سونالی کا معاملہ اس سے کیا تاثر ظاہر ہوتا ہے؟"

"یہی کہ وہ کالے جادو کا ماہر شخص بے حد خطرناک ہے۔"

"بے شک اور وہ کالے جادو کا ماہر نواب شہریار کے اس تعویذ سے خوف زدہ ہے وہ اسے خود نہیں حاصل کر سکتا اور اس کے لئے شکتی سنگھ کی مدد حاصل کرنا چاہتا تھا وہ اس سے خوفزدہ ہے۔ اس کا بس اس کے بغیر نواب شہریار پر نہیں چل سکا۔"

"سمجھ گیا۔" حمید اللہ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا پھر بولا۔ "مگر وہ مغرور شخص مجھے پسند نہیں آیا۔ اس کے اندر جو خود سری ہے وہ اسے ضرور نقصان پہنچائے گی چاہے اسے کتنے ہی تعویذوں کا سہارا حاصل ہو۔"

"نہیں حمید اللہ وہ بے ضرر آدمی ہے میرا مطلب ہے ان حالات سے متاثر ہو کر انتقام لینے پر تل گیا ہے لیکن سمجھ جائے گا ایسے لوگ ذہن کے کچے ہوتے ہیں جو دماغ کے بجائے دل سے سوچتے ہیں ایک بات اس کے دل کو لگ گئی سو سمجھ لو لگ گئی۔"

"شکتی سنگھ کو کیا جواب دیں گے؟" حمید اللہ نے سوال کیا اور مجھے پھر ہنسی آ گئی۔

"اس سے کہیں گے کہ نواب شہریار مان گئے ہیں دوبارہ کمیٹی لے کر ان کے پاس جاؤ۔ وہ تم سے تعاون کریں گے۔" میں نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا اور حمید اللہ چونک کر میری صورت دیکھنے لگا پھر بولا۔

"کیسے؟ لیکن کیسے؟ میرا مطلب ہے کہ شکتی سنگھ......" حمید اللہ بات پوری نہیں کر پا رہا تھا۔

"بھئی شہریار صاحب سے بات ہوگئی ہماری وہ آئے گا مسجد میں ہم سے ملاقات کرنے اسے سمجھا بجھا دیں گے اپنا گھر تھا اس کی چمک دمک تھی کمزور انسان کے اندر غرور پیدا ہو ہی جاتا ہے وہاں نہیں مانا ہماری بات اللہ کے گھر میں آ کر تو مان لے گا۔" حمید اللہ کا کوئی جواب نہیں بہت بڑا دعویٰ کر دیا تھا میں نے........... لیکن حمید اللہ کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ اس سے انحراف کرے شکتی سنگھ کے باغ میں پہنچ گئے یا مسجد میں آ گئے اور مسجد کے معمولات میں مصروف ہوگئے مغرب کی نماز پڑھی' دیئے جلا دیئے اور میرا انتظار کرنے لگے نماز ختم ہوگئی آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوا تھا مسجد کے دروازے پر دستک ہوئی اور میں نے حمید اللہ کو اشارہ کیا حمید اللہ نے دروازہ کھولا اور سلام و دعا کی آوازیں ابھریں میں بھی سامنے آ گیا باہر کافی افراد تھے اور سب سے آگے نواب شہریار اپنے ان چاروں گرگوں کے ساتھ میں نے انہیں اندر آنے کی دعوت دی تمام ہی لوگ جوتے اتار کر اندر آ گئے تھے نواب شہریار اور ان کے چاروں ساتھیوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں وہ عجیب سی کیفیت کا شکار نظر آ رہے تھے پھر انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ......... آپ......... آپ؟"

"تشریف لائیے نواب شہریار میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔" نواب نے بڑی عقیدت سے جھک کر مجھ سے مصافحہ کیا اور کہنے لگے۔

"حضور آپ نے تو آپ نے تو ہمیں سمندر میں ڈبو دیا۔ بخدا کتنی ندامت ہو رہی ہے بخدا کیا ہم یہ داغ اپنی پیشانی سے دھو سکیں گے وہ آپ تھے جو خود چل کر ہمارے سامنے آئے تھے میاں صاحب اور مولوی صاحب آپ دونوں نے بالکل ٹھیک کہا تھا ہم ہی کور چشم تھے جو اس نیک روح کو نہ پہچان سکے حضور بڑی داستانیں سن رہے ہیں آپ کے بارے میں۔ حملہ ہوا تھا اس مسجد پر راتوں رات یہ تعمیر ہوئی تھی اور آپ نے اس میں اذان دی تھی۔ اس غلطی کو معاف بھی کیا جاسکتا ہے کیا میاں ہمیں احساس شرمندگی ہے گردن خم ہے ہماری آپ کے سامنے۔" نواب شہریار ایک دم موم ہوگئے تھے میں نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بخدا مسجد میں تو ہر شخص کی گنجائش ہے لیکن بس ایک عرض ہے جو آپ سے کرنا چاہوں گا۔" تمام لوگ صحن مسجد میں بیٹھ گئے اور میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ نواب کی

گردن عقیدت سے جھکی ہوئی تھی۔

"آپ نے دیکھا شہریار صاحب یہ شکتی سنگھ کا باغ ہے اس میں مسجد تعمیر ہوئی ہے مگر خانہ خدا کا دروازہ بند تھا آپ کے تعاون سے میں یہ دروازہ کھولنا چاہتا ہوں۔ ہر نمازی کے لئے۔"

"شکتی سنگھ کے سینے پر سانپ لوٹ رہے ہوں گے یہ سن کر۔" نواب شہریار نے کہا۔

"نہیں نواب شہریار! وہ کہتا ہے کہ اس پورے باغ کے گرد مسجد کا احاطہ تعمیر کرلیا جائے وہ اسے مسجد کی نذر کرتا ہے۔"

"شکتی سنگھ؟"

"ہاں خانہ خدا میں جھوٹ کا گزر نہیں۔" میں نے کہا اور شہریار صاحب کا چہرہ بدل گیا ان پر ان الفاظ کا بے حد اثر ہوا تھا بمشکل انہوں نے کہا۔

"شکتی سنگھ نے یہ کیا ہے تو اس سے جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم اس نے پہلی بار اپنے لئے عزت کا مقام پیدا کیا ہے۔ آپ کے سامنے اقرار کررہا ہوں میری طرف سے اس سے دشمنی کا دروازہ بند ہوگیا اور حضور قبلہ یہ افراد جو میرے ساتھ آئے ہیں ہم خود یہاں سے شکتی سنگھ کے گھر جائیں گے میں اس سے کہوں گا کہ یہ میری بھائی چارہ کمیٹی ہے میں نور پور کے ہندوؤں کے ساتھ امن چاہتا ہوں اس نے اتنی بڑی بات کہی ہے تو میں اسے ضرور گلے لگاؤں گا۔"

"جزاک اللہ!" میں نے مسرور لہجے میں کہا۔

"مگر حضور آپ نے مجھے معاف کردیا' میں نے شیطان کے بہکاوے میں آکر اپنے دروازے پر آپ کی توہین کی۔ اس کی معافی چاہتا ہوں۔"

"بخدا مجھے اور حمید اللہ کو اس کا کوئی احساس نہیں۔"

"بے حد شکریہ۔ میں عشاء کی نماز یہاں پڑھتا لیکن اس سے پہلے میں شکتی کے پاس جانا چاہتا ہوں تاکہ اس نیک عمل کا آغاز ہوجائے۔"

"ضرور نواب شہریار نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔" وہ سب احترام سے رخصت ہوگئے حمید اللہ عقیدت بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔ "اور تم نے جو کہا تھا وہ ہوگیا رحمان بھائی۔"

"ہاں بفضل تعالٰی اب امن قائم ہوجائے گا اور اس کے بعد اس کے بعد ہم اطمینان سے پریم ناتھ کی مشکیں کس سکیں گے۔" میں نے پرُخیال انداز میں کہا اور حمید

اللہ نے بڑے سکون سے گردن ہلادی۔

☆======☆======☆

نہ جانے کیوں سر چکرا گیا تھا ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوا تھا غالباً یہ ڈائری پڑھتے پڑھتے دل اکتا گیا تھا دماغ میں سائیں سائیں ہونے لگی تھی۔ خاصی پریشانی محسوس کررہا تھا۔ میں نے ڈائری بند کرکے رکھ دی اور نہ جانے کیسی کیسی سوچوں میں گم ہوگیا۔ بہت دیر تک میں غور کرتا رہا رجب علی کے بارے میں سجاد نے جو کچھ بتایا تھا وہ ایک الگ بات تھی لیکن اس ڈائری نے اپنے اندر ایک عجیب سا سحر چھپا رکھا تھا جیسے جیسے میں یہ داستان پڑھتا چلا جاتا تھا مجھے بہت سے پُراسرار احساسات سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ آخر اس مکمل داستان کے پڑھنے سے مجھے کیا حاصل ہوگا۔ سجاد نے کہا تھا کہ اس داستان کے اختتام کے بعد میں کچھ ایسی باتوں سے واقف ہوجاؤں گا جن سے میرا واقف ہونا بے حد ضروری ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں؟ سجاد اگر رجب علی کے سلسلے میں کوئی کام کرنا چاہتا ہے یا اس سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو سیدھا سیدھا رجب علی سے رجوع کرے' یہ اس نے میرے ذہن پر اس داستان کا بوجھ کیوں ڈال دیا ہے۔ بہرحال میں خاموشی سے اس بارے میں سوچتا رہا اور پھر مجھے ایک شدید اکتاہٹ کا احساس ہوا ایک عجیب سی اکتاہٹ کا۔ غرض یہ کہ یہ ساری باتیں بڑی الجھن کا باعث تھیں میرے لئے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ کچھ دیر کے لئے ڈائری سے چھٹکارا حاصل کرلیا جائے اور یہ دیکھ لیا جائے کہ اس کے بغیر سجاد پر کیا ردعمل ہوتا ہے۔ بہرحال وہ میرا دوست تھا میرا مالک نہیں تھا بے شک اس کے ساتھ رہ کر مجھے بے شمار آسانیاں حاصل ہوگئی تھیں لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں بس اس کے ساتھ ہی چپکا رہوں یہ مناسب نہیں ہے۔ زندگی میں کچھ اور رنگ بھی تلاش کرنے چاہئیں۔ چاہے وہ کیسے ہی ہوں۔ میں بہت دیر تک سوچتا رہا۔ پھر دوسری شام میں اس جگہ سے باہر نکل آیا۔ میرے ذہن میں یہ تصور تھا کہ کچھ اور دیکھوں کچھ اور سوچوں سجاد سے چھٹکارا نہیں پانا چاہتا تھا۔ اس کا مؤقف بھی درست تھا وہ جس طرز کا انسان تھا اسے دیکھتے ہوئے مجھے یوں لگتا تھا جیسے اس کے اندر کوئی بہت ہی گہری بات پوشیدہ ہو۔ بہرحال میں باہر نکلنے کے بعد ایک سمت چل پڑا۔ بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ قدرت میری رہنمائی کررہی تھی۔ میرے اپنے ذہن میں کوئی خاص تاثر نہیں تھا۔ بس ایک احساس ایک خیال مجھے لئے چلا جارہا تھا اور میں ایک نامعلوم سمت سفر کررہا تھا۔ بہت سا فاصلہ طے کرنے کے بعد آخر کار جب میں نے اپنے آپ کو ہوش

کی دنیا میں پایا تو یہ ایک ویران سا علاقہ تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہاں میں پہلے کبھی نہیں آیا۔ وہی ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات تھوڑے ہی فاصلے پر تین قبریں نظر آ رہی تھیں۔ شاید کوئی قبرستان ہے لیکن ان تین قبروں کے علاوہ وہاں کوئی قبر نہیں تھی۔ یہ بھی ایک تعجب کی بات تھی میں یہ سوچتا رہا کہ میں یہاں آخر کیسے نکل آیا۔ پھر میں نے ایک پتھر کا انتخاب کیا اور اس پر بیٹھ گیا میرا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ میں دل میں سوچ رہا تھا کہ آخر یہ سب کچھ کیا ہے مجھے دنیا سے اس قدر دوری کیوں حاصل ہوگئی ہے۔ کچھ ہے۔ کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہئے۔ کوئی ایسا عمل جو مجھے بھی زندگی سے قریب کردے۔ آخر میں ہی دنیا سے کٹا ہوا انسان کیوں ہوں۔ بے شک حالات کچھ ایسی سمت اختیار کر گئے تھے کہ مجھے تھوڑی سی الجھن ہوگئی تھی اور میں عام لوگوں سے ذرا مختلف ہوگیا تھا لیکن اس طرح میں مختلف کب تک رہوں گا کچھ تو ہونا چاہئے گل شیر۔ کچھ تو ہونا چاہئے تم تو اپنے ہر احساس کو بھول گئے ہو۔

کوٹ ہرمورا کا رہنے والا گل شیر کیا اسی قدر ناکارہ انسان تھا کہ اسے زندگی میں بس سہارے درکار ہوں۔ پتھر پر بیٹھے بیٹھے سوچتا رہا دفعتاً ہی ہوا کی ایک لہر کے ساتھ مدہم سی باریک آواز کانوں سے ٹکرائی اور میں چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ میری آنکھوں نے اس پُراسرار سائے کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھ لیا جو گویا ہوا میں تیرتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اس کا سفید وجود کپڑوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ۔ آہ اس کا چہرہ، بہت دور تھی وہ لیکن اس نے مجھے پہچان لیا۔ یہ میری ربابہ ہی تھی۔ ہاں یہ میری ربابہ ہی تھی۔ وہ میری ہی جانب آ رہی تھی۔ بہت عرصے کے بعد مجھے اس کے وجود کا احساس ہوا تھا۔ میں اسے دیکھنے لگا اس کی آواز سننے لگا۔ وہ مدہم سروں میں گنگنا رہی تھی یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے جسم سے مس ہو کر چلنے والی ہوائیں گیت کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھیں۔ میرا سارا وجود کھنچ کر آنکھوں میں آ گیا تھا اور میں سحر زدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر وہ تھوڑے فاصلے پر آ کھڑی ہوئی۔ شاید زندگی میں پہلی بار میں نے اس کے مکمل سراپے کو دیکھا۔ وہ سر سے پاؤں تک مجسمہ حسن تھی اس قدر حسین اس قدر دلکش کہ اس کے بعد انسان کا کسی اور شے کو دیکھنے کا دل نہ چاہے اسے یہ احساس ہو کہ کائنات اس کے سامنے مجسمہ ہوگئی ہے۔ اسے یہ احساس ہو کہ اس کائنات کا سفر زندگی کا سب سے حسین سفر ہوگا۔ ربابہ کی حسین آنکھیں میرا جائزہ لے رہی تھیں۔ میرے منہ سے ایک بھرائی ہوئی سی آواز نکلی جو صرف میری اعصابی کوشش تھی۔ جان بوجھ کر میں نے اپنے منہ سے کچھ

نہیں کہا تھا۔ میں نے کہا۔

"ربابہ!"

"ہاں۔ میں مجبور ہو کر تم تک آ گئی ہوں کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں تم سے۔"

"آہ ربابہ اس لمحے کے لئے تو میں زندہ ہوں۔ اسی لمحے کے لئے تو میں نے اپنے آپ کو زندگی کے قریب رکھا ہے ورنہ تم سے دوری کے بعد اور حالات کی مجبوری کے بعد زندگی میرے لئے ایک بے معنی سی شے بن گئی ہے۔"

"زندگی کبھی بے معنی شے نہیں ہوتی، زندگی کبھی بے معنی شے نہیں ہوتی گل شیر۔ زندگی تو ایک ایسی ٹھوس حقیقت ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔"

"لیکن ربابہ زندگی میں کچھ ایسے خواب بھی تو ہوتے ہیں جن کی تکمیل ہی زندگی ہوتی ہے۔"

"بڑی خوبصورت باتیں کر لیتے ہو۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اتنی خوبصورت باتیں بھی کر لیتے ہو۔ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن خوابوں کی تعبیر تلاش کرنے کے لئے ہی تو زندگی کو قائم رکھا جاتا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں ربابہ!"

"اپنے خوابوں کی تعبیر چاہتے ہو نا۔"

"ہاں۔ کیونکہ اس میں میری زندگی چھپی ہوئی ہے۔"

"تو جدوجہد کرو، عمل کرو۔"

"کیا کروں، ربابہ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔"

"میں مجبور ہو کر تمہارے پاس آئی ہوں حالانکہ دیکھو، دیکھو آنے والے آ رہے ہیں مجھے ان کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی ہے۔ مجھے یہ اجازت نہیں ہے کہ میں تمہارے قریب آؤں۔ وہ جانتے ہیں کہ جب میرے اور تمہارے درمیان کے راستے ہموار ہوگئے تو ان کے پاس کچھ باقی نہیں بچے گا۔ دیکھو وہ آ رہے ہیں۔ وہ یقیناً مجھے لے جائیں گے مگر سنو میں تم سے ایک بات کہوں۔ یہ جو تم ایک جال میں پھنسے ہوئے ہو۔ یہ جو تم کہانیاں پڑھ رہے ہو۔ سب ایک طلسم ہے ایک میٹھا زہر ہے جو تمہاری رگوں میں گھل رہا ہے۔ تم کہانیاں پڑھتے رہو گے یہ کہانیاں دلچسپ اور دلکش ہیں۔ ان میں زندگی کی وہ ساری حقیقتیں موجود ہیں جو انسان کی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ کہانیاں تمہیں مفلوج کر دیں گی تم عمل کے قابل نہیں رہو گے۔ ہاں کوئی یہی چاہتا ہے۔ سمجھ رہے ہو نا تمہارے لئے باقاعدہ کام ہو رہا ہے۔ ایک عمل ہو رہا ہے کہ تم میری دنیا تک نہ پہنچ سکو،

لیکن میں تمہیں بتا دوں کہ جدوجہد ہر راستے کو ہموار کر دیتی ہے۔ دیکھو وہ قریب آ گئے۔ وہ دیکھو ان کے سائے نظر آ رہے ہیں۔ مگر میں تمہیں چند الفاظ بتا دوں اب یہاں سے تم واپس اس جگہ نہیں جاؤ گے جہاں تم وقت ضائع کرتے رہے ہو۔ تمہارا دوست بن کر جو شخص تمہارے سامنے آیا ہے وہ دوست نہیں تمہارا دشمن ہے اور اس کے سپرد یہ ذمہ داری کی گئی ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہوسکے وہ تمہیں دنیا بھر کی تمام آسائشیں فراہم کردے۔ تمہیں زندگی سے دور کردے۔ تمہیں ان کہانیوں میں گم کرکے بالکل ختم کردے۔" میرے پورے بدن میں سناٹے بھر آئے تھے۔ ربابہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ بالکل درست تھا واقعی پچھلے دنوں تو میں اس بارے میں سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا کہ آخر سجاد مجھ سے چاہتا کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ سجاد آہ۔ میرے خدا۔ میرے خدا! کائنات میں کوئی ہے جس پر بھروسہ کیا جاسکے۔ ربابہ نے کہا۔

"میں جا رہی ہوں اس سے پہلے کہ وہ لوگ مجھے پکڑ کر لے جائیں میں خود ہی تم سے دور ہو جانا چاہتی ہوں، مگر سنو، جدوجہد کے راستے ترک مت کرو۔ دنیا میں ہر انسان اپنا مرکز نگاہ پالیتا ہے۔ میں بھی تمہاری پہنچ سے دور نہیں ہوں یہی تو بات ان لوگوں کی پریشانی کا باعث ہے۔ اگر تمہاری جدوجہد ممکن اور صحیح رستے پر ہو تو میں تمہاری دسترس میں آجاؤں گی۔ سمجھ رہے ہو نا؟ چلتی ہوں اور اپنی جدوجہد کو جاری رکھنا اور سنو وقت خود راستوں کا تعین کرتا ہے راستے تمہیں کسی خاص منزل تک لے جاتے ہیں تو اس سے گریز نہ کرنا کیونکہ یہی زندگی ہے۔ چلتی ہوں۔" اس نے کہا اور اس کے بعد ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور مجھے یوں لگا جیسے میری آنکھوں میں مٹی بھر گئی ہو۔ میں نے اپنے قریب سے کچھ سائیوں کو گزرتے ہوئے ضرور محسوس کیا تھا۔ ان کے لباس میرے بدن کو چھوتے ہوئے گزرے تھے۔ وہ تعداد میں کئی تھے اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ان کے قدموں کی دھمک فضاؤں میں گونج رہی ہو۔ وہ تیز رفتاری سے جا رہے تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کون ہوسکتے ہیں۔ یقیناً ربابہ کے دشمن لیکن ربابہ اب میری زندگی میں ایک نیا باب کھول گئی تھی۔ ہواؤں کی تیزی رک گئی ماحول پھر سے شفاف ہوگیا۔ میں نے دور دور تک نگاہیں دوڑائیں۔ کافی فاصلے پر مجھے کچھ سائے ہوا کے دوش پر تیرتے ہوئے نظر آئے اور لمحوں میں وہ میری نگاہوں سے گم ہوگئے۔ میں سکتے کے عالم میں بیٹھا انہیں دیکھ رہا تھا کیسی انوکھی کیسی سنسنی خیز بات تھی۔ کون تھے، یہ کیا تھے، کوئی ایک بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ پھر میں اس جگہ بیٹھے بیٹھے ربابہ کی باتوں پر غور کرنے لگا میرے دل و دماغ میں ایک عجیب سی ہلچل پیدا ہوگئی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ربابہ نے اس طرح

میرے پاس اس شکل میں آکر مجھے کچھ ہدایات دی تھیں۔ اس سے پہلے وہ میرے لئے دیوانی ہوکر نیلم ساجد علی کو ہلاک کرنے آگئی تھی اور اس نے میری دشمن کو کیفر کردار تک پہنچا دیا تھا اور اب وہ میرے پاس اس شکل میں آئی تھی اور اس نے مجھے سجاد سے آگاہ کیا تھا۔ یہ ساری باتیں بڑی تعجب خیز تھیں اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ آخر یہ سب کچھ ہے کیا۔ سجاد مجھے کیوں اپنے جال میں جکڑ لینا چاہتا تھا۔ میرے لئے ہدایت تھی کہ میں اس جال سے نکل آؤں، لیکن اب، اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اب میں کیا کروں آخر بہت دیر تک سوچوں میں گم رہا پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا کیوں نہ میں سجاد ہی کو پکڑوں بظاہر تو وہ ایک عام سطح کا آدمی نظر آتا ہے لیکن اگر وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہے بھی تو کیا میں اس سے بھڑ جاؤں کیا میں اس سے مقابلہ کرکے کامیاب ہوسکتا ہوں"

بہت دیر تک اپنی سوچوں میں ڈوبا رہا ذہن میں شدید جوار بھاٹے اٹھ رہے تھے بہت سی سوچیں دل و دماغ میں بسی ہوئی تھیں۔ آخر ربابہ کون ہے اس کے بارے میں کیسے معلوم ہو کس طرح اس تک رسائی حاصل کی جاسکے۔ اگر وہ کوئی غیر معمولی ہستی ہے بھی تو میں یہ سمجھتا تھا کہ فطرتاً وہ بالکل بری نہیں ہے وہ اگر چڑیل بھی ہے تو ایک معصوم چڑیل جسے زندگی کی نہ جانے کون کون سی الجھنوں کا سامنا ہے۔ نہ جانے وہ کون لوگ ہیں جو اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ بہرحال یہ ساری باتیں ایک انوکھا روپ رکھتی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ آہ.......... کیا کروں کوئی تدبیر تو ذہن میں آئے۔ کوئی ترکیب تو ذہن میں آئے پھر طوفانی انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور وہاں سے چل پڑا۔ میرا رخ سجاد کے فلیٹ کی جانب ہی تھا۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ سجاد سے اس بارے میں معلومات حاصل کروں گا چاہے اس سلسلے میں مجھے اس پر تشدد ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور پھر میں فلیٹ پر پہنچ گیا سجاد اس وقت فلیٹ پر موجود نہیں تھا۔ حالانکہ اچھی خاصی رات ہوچکی تھی۔ لیکن وہ واپس نہیں آیا تھا اکثر ایسا ہوجاتا تھا کہ کبھی کبھی وہ واپس نہیں آتا تھا۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ میں اس کا انتظار کرتا رہا تھا پھر میں اپنے بیڈ روم میں جاکر لیٹ گیا اور نہ جانے کب مجھے نیند آگئی۔ رات کے کوئی ساڑھے بارہ بجے کا وقت ہوگا۔ جب میں اچانک ہی سوتے سوتے جاگ پڑا۔ برابر کے کمرے میں کچھ آہٹیں سنائی دی تھیں اور سو فیصدی یہ آہٹیں سجاد کی آمد کی تھیں۔ وہ آگیا تھا میرے اندر ایک دم شیطان جاگ اٹھا میں اپنی جگہ سے اٹھا اور سجاد کے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہ لباس تبدیل کرکے سونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ میں اس کے سر پر پہنچ گیا اس نے میری صورت دیکھی اور مسکرا دیا۔

"سو گئے تھے تم' میں نے تمہارے کمرے میں جھانکا تھا۔"

"ہاں۔" میں نے پلٹ کر دروازہ اندر سے بند کردیا۔ سجاد نے میری اس غیر معمولی حرکت کو تعجب کی نظر سے دیکھا تھا۔ پھر اچانک ہی اس نے کہا۔

"خیریت کیا بات ہے؟"

"سجاد مجھے تم سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"ہاں بولو۔"

"تم نے مجھے جو کہانی سنائی ہے میرا مطلب ہے کہ جس کا تعلق سلاکیہ سے ہے۔ کیا وہ کہانی سچ تھی؟" سجاد نے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر مدہم لہجے میں بولا۔

"کیوں تمہیں اس کے جھوٹے ہونے کا احساس کیسے ہوا؟"

"سجاد وہ کہانی جھوٹی تھی۔ تم نے مجھے جو ڈائری پڑھنے کے لئے دی ہے اس کی کیا حیثیت ہے۔" سجاد کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا اور اس کے چہرے کے بدلتے رنگ نے یہ احساس دلا دیا کہ دال میں کالا ضرور ہے۔ میں اسے گہری نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو اور آج تم کہاں گئے تھے۔" میرے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

"حیرت کی بات ہے سجاد حیرت کی بات ہے۔ ویسے میں اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ تم پوری طرح مجھے بیوقوف بنانے میں کامیاب ہوگئے تھے لیکن میرے ساتھ بھی کچھ پُراسرار قوتیں ہیں۔" سجاد نے ایک مدہم سا قہقہہ لگایا اور کہا۔

"گویا وہ پُراسرار قوتیں تم تک پہنچ گئیں۔ مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"تم سے تو مجھے بہت سے کام ہیں سجاد! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم جو میرے ساتھ یہ کر رہے ہو کیا کسی کے کہنے پر کسی کے ایماء پر' یا پھر اس میں تمہاری کوئی خاص غرض پوشیدہ تھی۔"

"جو کچھ بھی تھا اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں اس کے بارے میں کچھ بتاؤں گا تو کیا یہ تمہاری حماقت نہیں ہے؟"

"نہیں یہ میری حماقت نہیں سجاد کیونکہ ابھی چند لمحات کے بعد تم مجھے سب کچھ بتاؤ گے۔" جواب میں سجاد نے قہقہہ لگایا اور ہنس کر بولا۔

"نہیں میری جان میں تو ایک معمولی سی چیز ہوں۔ چلو ٹھیک ہے میری کہانی ایک فریب اور ایک دھوکا تھا لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس بارے میں مجھ سے کچھ معلوم کرلو

گے' تو دیکھو تم کس طرح ناکام ہوتے ہو۔" اس نے کہا اور ایک دم پیچھے ہٹنے لگا میں بالکل نہیں سمجھ سکا تھا کہ وہ پیچھے کیوں ہٹ رہا ہے لیکن پھر اس وقت میں نے اس کے کمرے کی عقبی کھڑکی کو دیکھا جس کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے اور اس پر ایک پردہ لٹک رہا تھا۔ سجاد نے بالکل ایک پرندے کی طرح کھڑکی کی طرف چھلانگ لگائی اور اتنی آسانی سے کھڑکی سے کودا کہ میں دیکھتے کا دیکھا رہ گیا اور جب میں کھڑکی تک پہنچا تو کھڑکی کے دوسری جانب مکمل خاموشی تھی۔ میں نے نیچے جھانک کر دیکھا صاف شفاف گلی تھی جس میں لائٹیں جل رہی تھیں۔ پیچھے کوئی ایسی جگہ بھی نہیں تھی جہاں سجاد پاؤں ٹکا دیتا۔ وہ فضاؤں میں گم ہوگیا تھا اور میں اسے آنکھیں اور منہ پھاڑے خوفزدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ میرا سر چکرا رہا تھا اور میں کھڑکی کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھے خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ سجاد سے ملاقات' اس کی کہانی اس کا انداز' اس کی سچائی' اس کی ہربات مجھے یاد آرہی تھی۔ کتنا حقیقی تھا وہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی ذات میں کچھ گہرائیاں پوشیدہ ہوں گی۔ ایک بالکل ہی غمزدہ انسان جو اپنی محبوبہ کی یاد میں تڑپ رہا تھا۔ آہ۔ کیا دنیا اتنی پُرفریب ہے ایک تجربہ ہوا تھا مجھے ایک اور بھیانک تجربہ' سجاد یقینی طور پر ایک ایسی پُراسرار اور مافوق الفطرت ہستی تھا جس کے بارے میں مجھے کوئی اندازہ نہیں ہوسکا تھا کمال کی ہے یہ دنیا بھائی کمال کی ہے۔ اس کے بارے میں کچھ جان لینا ناممکن سی بات ہے۔ بڑی ناممکن ہی بات ہے۔ میں وہاں سے واپس پلٹا اور پھر اپنے کمرے میں آیا۔ دفعتاً ہی مجھے سامنے وہ ڈائری رکھی ہوئی نظر آگئی۔ سرخ ڈائری نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس سرخ ڈائری نے میرے اور میری ربابہ کے درمیان کتنا فاصلہ پیدا کردیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر ڈائری اٹھائی۔ باورچی خانے میں پہنچا۔ گیس کا چولہا جلایا اور ڈائری اس پر رکھ دی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ڈائری سلگنے لگی تھی پھر اس وقت تک میں وہاں کھڑا رہا جب تک کہ اس کا ایک ایک حصہ خاکستر نہ ہوگیا۔ ایک ایسی جھوٹی اور پُرفریب داستان جس کا کوئی وجود نہیں ملتا تھا لیکن جب ڈائری بالکل جل گئی تو میں کچن سے باہر نکلا۔ مجھے یوں لگا جیسے فلیٹ میں میرے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہو۔ میں نے جلدی سے فلیٹ کے دروازے کو دیکھا اندر سے مقفل تھا پھر کون ہوسکتا ہے میں نے دل میں سوچا تو مجھے ایک مدہم سی آواز سنائی دی۔

"میں رجب علی ہوں۔" میں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا لیکن آواز کہاں سے آرہی تھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ میں نے چیخ کر کہا۔

"کون ہو تم جہاں کہیں بھی ہو سامنے آؤ۔"

"نہیں آسکتا۔ افسوس نہیں آسکتا۔"

"میں کہتا ہوں کون ہو تم مجھے بتاؤ تو سہی۔"

"تم میرے بارے میں پڑھ چکے ہو کم از کم میری کہانی جھوٹی نہیں ہے۔ یہ پُر سحر داستان جس میں تمہیں الجھایا گیا۔ بے شک میری ہے مگر میں جھوٹ نہیں ہوں۔ میں فریب نہیں ہو۔"

"تم ہو کہاں؟"

"تم سے بہت قریب ہوں یہ ڈائری جلا کر تم نے مجھے سجاد کی قید سے آزادی دی ہے تم یہ سمجھ لو کہ میں ایک قیدی پرچھائیں ہوں۔ قید میں تھا۔ ڈائری کے جل جانے کے بعد مجھے اس قید سے آزادی مل گئی ہے لیکن نہ تو مجھے ابھی زندگی کی قید سے آزادی ملے گی اور نہ ہی ابھی میں اس طلسم سے نکل پاؤں گا۔ جو مجھ پر مسلط ہے۔"

"میں نے کہا تم ہو کہاں؟"

"ہواؤں میں ہوں میں۔ فضاؤں میں ہوں۔ تمہارے ساتھ ہوں۔ میرے پاس کچھ ایسی پُراسرار قوتیں موجود ہیں جن سے میں تمہاری ہر طرح کی مدد کرسکتا ہوں لیکن میں تمہیں بتاؤں میں بڑا مجبور ہوں ایک ایسے طلسم میں قید ہوں میں کہ اس قید سے رہائی پتہ نہیں زندگی ہی میں مل جائے گی یا موت کے بعد۔"

"تم وہی رجب علی ہو جس کا تذکرہ اس ڈائری میں ہے؟"

"ہاں یوں سمجھ لو کہ میں اس ڈائری کا قیدی بنادیا گیا تھا۔"

"کس نے بنایا تمہیں قیدی۔"

"کچھ ایسی قوتوں نے جو نامعلوم ہیں لیکن ان کے اثرات بہت زیادہ ہیں وہ مجھے قیدی بنائے رکھ سکتی ہیں۔ آہ میری مجبوریوں کو تم نہیں سمجھ سکتے۔"

"رجب علی میں جن پُراسرار اور طلسمی واقعات میں پھنسا ہوا ہوں ان میں اگر تم بھی اپنے وجود کو مجھ سے تسلیم کراتے ہو تو بھلا میں کیسے انکار کرسکتا ہوں لیکن میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"بس یہ سمجھ لو تھوڑی بہت معلومات تمہیں میری اس ڈائری سے ہوگئی ہوگی لیکن بعد کی کہانی میں تمہیں اپنی زبانی نہیں سنا سکتا۔ ہاں اگر تم پوری ڈائری پڑھنے کے بعد اسے جلاتے تو یقینی طور پر میری شخصیت سے مکمل طور پر واقف ہوسکتے تھے۔"

"آہ.......... یہ تو برا ہوا رجب علی میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم مجھے صرف ایک پرچھائیں کی شکل میں دیکھ سکتے ہو۔" رجب علی نے کہا اور

اچانک ہی میں نے ایک مدہم سی پرچھائیں اپنے سامنے سے گزرتے دیکھی وہ ایک دیوار سے نکل کر دوسری دیوار میں غروب ہوگئی تھی۔ میں نے اسے آواز دی۔

"رجب علی۔"

"ہاں میں موجود ہوں۔"

"رجب علی! میں بالکل تنہا ہوں اور بہت پریشان ہوں۔ کیا تم واقعی میرے ساتھ رہ سکتے ہو۔"

"اگر تم قبول کرو تو۔"

"اور اگر تم بھی کوئی پُراسرار فریب نکلے تو؟"

"نہیں میں فریب نہیں ہوں۔ یقین کرلو میں فریب نہیں ہوں۔ مجھ پر بھروسہ کرو میں تو خود ایک ستم رسیدہ انسان ہوں بڑی مشکلات میں گھرا ہوا ہوں۔ ہاں میں تمہیں کیا بتاؤں کیسے کیسے حالات سے گزرا ہوں میں، کیسی کیسی پریشانیوں میں مبتلا رہا ہوں۔ میرے دوست بس یوں سمجھ لو کہ ایک انوکھی زندگی گزاری ہے میں نے، لیکن مجھے اپنے بارے میں تمہیں کچھ بتانے کی اجازت نہیں ہے۔ آنے والے وقت میں شاید میں تمہیں اپنی کہانی سنادوں لیکن ابھی یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔"

.اور اگر میں کہوں تم سے کہ تم مجھے میری ربابہ کے بارے میں بتاؤ تو۔"

"نہیں۔ میں اس بارے میں بھی تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا سوائے اس کے کہ وہ معصوم چڑیل بذات خود چڑیل نہیں ہے اسے بھی کچھ مشکلات کا سامنا ہے وہ بھی قیدی پرچھائیں ہے اور اسے بھی آزادی ملے گی۔ شاید تمہارے ہی ذریعے۔ شاید تمہارے ہی ذریعے اس لئے وہ تمہارے قرب و جوار میں بھٹک رہی ہے۔"

"مجھے اس کے لئے کیا کرنا چاہئے۔"

"نہیں۔ نہ میں یہ جانتا ہوں نہ قیاس آرائی کرسکتا ہوں۔ بس تم یہ سمجھ لو کہ میں یہ کوشش کروں گا کہ ایسی مشکلات میں جن سے میں تمہیں بچا سکوں، میں تمہاری مدد کروں گا۔ یہ جگہ تمہارے رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ اسے چھوڑ دو۔"

آواز بند ہوگئی میں کچھ دیر سوچتا رہا پھر میں نے اسے پکارا۔

"رجب علی! کیا میں.......... تم میری آواز سن رہے ہونا۔" لیکن مجھے اپنے ان الفاظ کا کوئی جواب نہیں ملا تھا میں نے دو تین آوازیں اسے دیں لیکن اس کے بعد اس کی آواز مجھے نہ سنائی دی۔ نہ جانے کیوں مجھے اب یہ احساس ہوا تھا کہ فلیٹ میں اب میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ الجھنیں شدید الجھنیں۔ ایسی الجھنیں جن کا کوئی حل کسی طور سمجھ

میں نہیں آرہا تھا۔ بہرحال یہ نیا کردار مجھے ملا تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے یہ تو ایک دم سے تنہائی ہوگئی تھی۔ رجب علی جیسے کرداروں پر بھلا کیسے یقین کیا جاسکتا ہے۔ میرا اس پر کیا زور تھا لیکن بہرحال۔ بہت سے مسئلے پیدا ہوگئے تھے اور ان مسئلوں کو انتہائی سنگین کہا جاسکتا ہے۔ سب سے بڑی مشکل سجاد کی تھی۔ کیا عجیب وغریب شخصیت تھی لیکن بہرحال جو پُراسرار جال میرے گرد پھیلا ہوا تھا سجاد کو بھی اس کا ایک حصہ کہا جاسکتا تھا اور سجاد یقینی طور پر بڑا دکھ بھرا تصور تھا۔ کیوں کہ میں نے تو اسے ایک دوست کی حیثیت سے محسوس کیا تھا بہرحال اور کچھ نہیں تو کم از کم اس کی ہدایت پر تو عمل کیا جاسکتا ہے۔ میں نے سجاد کے فلیٹ کی تلاشی لی اور کافی کوشش کے بعد مجھے بائیس ہزار روپے کی ایک ایسی رقم دستیاب ہوگئی جو سجاد ہی کی ملکیت تھی لیکن بہرحال اب میں اسے استعمال کرسکتا تھا۔ سجاد کے اس فلیٹ سے نکل جانا بے حد ضروری تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہاں سے نکل کر میں ذرا باہر کی صورت حال کا جائزہ لوں دنیا بڑی وسیع ہے اور اب ایک معمولی سے شخص کو اس دنیا میں رہنا آگیا تھا۔ چنانچہ میں نے تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ فلیٹ چھوڑ دیا۔

رات کا تیسرا پہر چل رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر کہیں کا رخ کروں گا تو لوگ مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھیں گے۔ چنانچہ ایک کام اور کیا میں نے ایک سوٹ کیس میں کپڑے وغیرہ رکھے تاکہ اگر کہیں بھی پہنچوں تو مجھے شک کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے اور پھر رات کے تیسرے پہر کے آخری حصے میں ہوٹل پہنچا تھا۔ ہوٹل بالکل سنسان پڑا تھا۔ گیٹ پر چوکیدار البتہ مستعد تھے یا پھر کاؤنٹر پر کاؤنٹر اسٹاف جن میں اگر وہ دو خوبصورت لڑکیاں نہ ہوتیں تو باقی تین کاؤنٹر آفیسر اونگھ رہے ہوتے لیکن حسین لڑکیاں اچھے اچھوں کو جگا دیتی ہیں۔ چنانچہ وہ بھی جاگ رہے تھے میں نے انہیں یہ کہہ کر مطمئن کیا کہ ایک دوسرے شہر سے آیا ہوں بہرحال تھوڑی دیر کے بعد مجھے ایک کمرہ دستیاب ہوگیا تھا کمرے میں داخل ہونے کے بعد میں نے اپنے بستر پر آرام کرتے ہوئے اپنے بارے میں سوچا۔ کبھی کبھی ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں کہ انسان کو اپنے آپ پر رحم آنے لگتا ہے میں بھی درحقیقت ایسی ہی کیفیت کا شکار تھا۔ مصائب کے علاوہ میری زندگی میں کچھ باقی ہی نہیں رہا تھا ایک کے بعد ایک مصیبت کبھی کچھ کبھی کچھ لے ذئے کر بس ایک ہی بات رہ جاتی تھی یعنی ربابہ کا خیال کبھی تو واقعی دل چاہتا تھا کہ یہ دنیا چھوڑ دی جائے لیکن پھر وہی تصور کہ ربابہ کے بارے میں کچھ معلوم تو ہو۔ کون ہے کیا ہے میری ذات سے اس کا کیا تعلق ہے۔ میرے اوپر یہ عنایت کیوں کر دی گئی ہے وہ مجھ سے کیا چاہتی ہے میرے اس

کے درمیان کیا رابطہ ہے کچھ پتہ تو چلے لیکن کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا اب کیا کرنا چاہئے۔ باربار اپنے آپ کو سہارے دیا کرتا تھا۔ دنیا اب میرے لئے اس قدر اجنبی نہیں رہی تھی۔ دنیا میں بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ گوٹھ ہرمورا کا نوجوان اب نئی نئی باتوں سے آشنا ہوچکا تھا۔ ہوٹل کی رہائش بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ ورنہ اتنی آسانی سے میں اس ماحول کو نہیں سنبھال سکتا تھا کیسے کیسے لوگ ہوتے ہیں اس دنیا میں سجاد کے بارے میں سوچ کر دکھ بھی ہورہا تھا اور حیرت بھی' وہ غلط انسان تھا اور میرے گرد یہ جو جال بُنا جارہا تھا آخر کیوں۔ اس کو مجھ سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اب تک جتنے واقعات پیش آئے تھے سجاد کا غلط انسان نکلنا ان میں سب سے اذیت ناک واقعہ تھا۔ انسان بہت مشکل سے کسی کو اپنا دوست سمجھتا ہے اور جب اسے یہ پتا چلے کہ اس نے جو درخت لگایا تھا اور جو اب ایک تناور درخت بن کر جھول رہا تھا وہ سراسر دھوکا تھا تو اس کی ذہنی کیفیت کیا ہوسکتی ہے۔ مجھے اس کا بھرپور اندازہ تھا ماضی کی بہت سی یادیں دل و دماغ میں گردش کرتی تھیں۔ آہ۔ واقعات نے کیسے کیسے الٹ پھیر کئے تھے میرے ساتھ ورنہ میں بھی اپنے گوٹھ میں آرام کی زندگی بسر کرتا اور میرے ساتھ کوئی پریشانی نہ ہوتی۔ ماں باپ' بہن' بھائی کون نہیں تھا۔ خالہ' چچا سارے کے سارے بہرحال ان تمام سوچوں میں وقت گزرتا رہا۔ میں نے سوچا کہ کچھ دن ہوٹل میں آرام سے زندگی بسر کی جائے سب کچھ ہی تو ختم ہوگیا ہے اب نئے سرے سے زندگی کی کاوشوں میں حصہ لینا پڑے گا۔ بہرحال ان تمام باتوں کو سوچتے ہوئے وقت گزرتا رہا اور پھر زندگی نے خودبخود ایک انوکھی کروٹ بدلی۔ ماضی کے بہت سے باب کھل گئے۔ معمول کے مطابق صبح کا اخبار پڑھ رہا تھا کہ اچانک ہی ایک چھوٹی سی تحریر نظر آئی۔

"گل شیر میرے بچے تم یقیناً اپنے چچا گلاب شیر کو نہیں بھول سکے ہوگے۔ اگر تم یہ تحریر پڑھو تو مطلوبہ پتے پر فوراً پہنچ جاؤ۔ میری زندگی اور موت کا معاملہ درپیش ہے۔ اس وقت مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تمہیں قصبہ عظیم پور پہنچنا ہے۔ عظیم پور پہنچنے کے بعد گلاب شیر کا نام جس سے بھی معلوم کروگے وہ تمہیں میرے پاس پہنچا دے گا۔ میرے بچے ایک بار پھر میں تاکید کرتا ہوں کہ اپنے بوڑھے چچا کے پاس فوراً پہنچو اس میں تمہاری زندگی کے لئے بھی بہت سی آسانیاں پوشیدہ ہیں۔ تمہارا چچا گلاب شیر۔" سب کچھ ہی جل کر خاکستر ہوگیا' ایک دم سے دل و دماغ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی چچا نے مجھے بلایا تھا اس چچا نے جس کے بارے میں مجھے عجیب وغریب تجربات کا سامنا کرنا پڑا تھا بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ علی شیر کا خاندان اسی چچا کی وجہ سے تباہ ہوگیا تھا

اور آج میں نہ صرف اپنے تمام رشتوں کو بھول چکا تھا۔ ایک لمحے کے اندر بچپن سے لے کراب تک کے تمام واقعات میری نگاہوں کے سامنے گزر گئے۔ مجھے یاد آگیا کہ گلاب چچا کی تصویر کو جب میں نے دیکھا تھا تو مجھ پر کیا کیفیت گزری تھی۔ بہت دیر تک میں اپنے حافظے پر زور دیتا رہا اور بار بار وہ تحریر پڑھتا رہا' بہرطور وہ تحریر بڑی عجیب وغریب تھی اور میں کوئی پچیس بار اسے پڑھ چکا تھا۔ میرے اندر ایک شدید کشمکش پیدا ہو رہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ قصبہ عظیم پور جاؤں یا نہ جاؤں؟ بچپن ہی سے چچا کے منحوس کردار کا تصور میرے دل و دماغ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے والدین اس شخص کو بالکل ناپسند کرتے تھے اور اس سلسلے میں جب میں نے تہہ خانے میں چچا کی تصویر دیکھی تھی تو اپنے والد صاحب کے ردعمل کا مجھے آج بھی اندازہ تھا لیکن مصیبت یہ ہے کہ تجسس ایک ایسا بھیانک دروازہ ہے جس کے دوسری جانب دلدل نظر آنے کے باوجود انسان ادھر کا سفر ضرور کرتا ہے اور اپنے تجسس کو رفع کرنے کے لئے بڑے سے بڑا خطرہ مول لے لیا جاتا ہے۔ یہ دن اور باقی ساری رات اس سوچ بچار میں گزری اور میں یہ غور کرتا رہا کہ آخر اتنے عرصے کے بعد جبکہ میں اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا ہوں چچا گلاب شیر کو کیا سوجھی کہ انہوں نے اخبار میں میرے لئے اشتہار دے دیا اور یہ بھی کہا کہ میری ان سے ملاقات میرے مستقبل کے دروازے کھول سکتی ہے۔ کیا خیال ہے گل شیر کیوں نہ یہ جوا کھیل کر دیکھ لو زندگی جس قدر بھٹکی بھٹکی سی ہے اگر کوئی بہترین راستہ نکل آتا ہے اس کے لئے تو ربابہ کی تلاش تو زندگی کا مقصد ہے ہی تم یوں کرو کہ چچا سے مل ہی لو اور اس کے بعد میں نے عظیم پور کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ ایک پہاڑی قصبہ تھا اور یہاں سے کوئلہ نکلتا تھا اور کوئلے کی لاتعداد کانوں کی وجہ سے عظیم پور کو ایک الگ سے شہرت حاصل تھی۔ جب میں عظیم پور کے نواح میں پہنچا تو شام کے دھندلکے آہستہ آہستہ بستی کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ عظیم پور کے مشرقی گوشے میں ایک دریا بہتا تھا اس کا نام تو معلوم نہیں تھا لیکن دریا اچھا خاصا وسیع و عریض تھا اور اس کی طرف سے آنے والے سرد ہوا کے جھونکوں میں بڑی شدت ہوا کرتی تھی۔ قصبہ بہت زیادہ بڑا نہیں تھا میرے اپنے اندازے کے مطابق بہت ہی کم مکانات تھے۔ جن کی چھتیں لکڑی کی بنی ہوئی تھیں اور نہ جانے کس مقصد کے تحت ان چھتوں پر نیلا رنگ کیا جاتا تھا۔ یہ نیلا رنگ اس وقت دھند میں چھپا ہوا تھا' زیادہ تر مکانات ایک منزلہ تھے کہیں کوئی اکا دکا دو منزلہ مکان نظر آتا تھا۔ عظیم پور میں کتے بہت زیادہ تھے جب میں اس کے بازار سے گزرا تو کچھ کتوں نے بھونکنا شروع کردیا۔ میں ان سے بچنے کے لئے ہش ہش کرتا ہوا ایک چوڑی گلی میں داخل

ہوگیا عجیب منحوس کتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عظیم پور کے تمام لوگوں کو بخوبی جانتے ہوں اور کسی اجنبی کو اپنے درمیان برداشت نہ کرپا رہے ہوں۔ بہرحال میں زمین سے پتھر اٹھاتا تو وہ بھونکتے ہوئے پیچھے کھسک جاتے پھر اچانک ہی ایک دروازہ کھلا' عمر رسیدہ آدمی اس سے باہر نکلا اس نے لکڑی سے کتوں کو ڈانٹا تو کتے اس طرح دم دبا کر پیچھے ہٹ گئے جیسے انہیں اندازہ ہوگیا ہو کہ آنے والا اجنبی کوئی شریف آدمی ہے اور دوسرا شریف آدمی اسے تحفظ دے رہا ہے۔ میں نے بزرگ کا شکریہ ادا کیا تو معزز بزرگ نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مسافر ہو بھائی؟"

"جی بابا جی۔ یہاں کتے کچھ زیادہ نہیں ہیں۔"

"نہیں زیادہ تو نہیں ہیں۔ اتنے کتے تو خیر ہر جگہ ہی ہوتے ہیں۔ کہاں سے آئے ہو؟"

"شہر سے۔"

"کس سے ملنا چاہتے ہو؟"

"کیا آپ گلاب شیر کا مکان جانتے ہیں۔" میرے ان الفاظ پر بوڑھا اس طرح چونکا جیسے اسے اس نام پر حیرت ہوئی ہو۔ اس نے سر سے پاؤں تک میرا جائزہ لیا پھر بولا۔

"گلاب شیر.......... مگر.......... تم' تم۔ خیر وہ دیکھو یہاں سے گلی کے اس طرف جاؤ گے تو یہ سلسلہ ختم ہوجائے گا اور پھر جو بھی گلی تمہیں نظر آئے اس سے گزر جانا۔ بستی کا آخری مکان جس کی چھت نیلی کی بجائے سفید ہے۔ وہی گلاب شیر کا مکان ہے بس سیدھے چلے جاؤ۔" بڈھے نے اس طرح پلٹ کر دروازہ بند کیا جیسے اسے مجھ سے نفرت محسوس ہو رہی ہو۔ اگر وہ قصبہ عظیم پور میں رہتا بھی ہے تو یقینی طور پر اس نے اپنے لئے ایسے برے حالات پیدا کرلئے ہوں گے کہ لوگ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھیں اور بلکہ اس کے ملنے جلنے والوں سے بھی اس طرح نفرت کا اظہار کرتے ہوں۔ بڈھے نے دروازہ بند کرلیا تھا میں ایک لمحے تک سوچتا رہا اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا شکر ہے کہ کتوں پر ابھی تک اچھی ساکھ کا اثر تھا۔ خاصہ لمبا فاصلہ طے کرنا تھا مجھے اور میں نے وہ فاصلہ طے کرلیا۔ یہ بھی ایک دلچسپ اور عجیب بات تھی کہ بستی کے مکانوں کی نیلی چھتیں ہونے کے باوجود گلاب شیر چچا کا مکان چھت پر سے سفید تھا اور باقی سرخ بنا ہوا تھا لیکن یہ جگہ بڑی عجیب وغریب تھی۔ مکان وسیع وعریض تھا لیکن اس قدر ویران علاقے میں تھا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ آبادی تو واقعی کافی پیچھے رہ گئی تھی حالانکہ بوڑھے نے کہا تھا کہ بستی

کے آخری سرے پر وہ مکان ہے مگر یہ آخری سرا تو نہیں تھا بلکہ آخری سرے سے بھی کہیں ایک کلومیٹر آگے یہ مکان تھا۔ غالباً یہ کوئی پرانی آبادی ہوگی۔ یہاں پرانی اور بوسیدہ عمارتوں کے کھنڈر پھیلے ہوئے تھے۔ یقینی طور پر یہاں کبھی آبادی تھی لیکن زمانے کی تبدیلیوں کے باعث یہ مکانات کھنڈر ہوگئے تھے اور ان کے مکیں کہیں اور جا بسے تھے آبادی کے مغربی جانب یہ کھنڈر واقع تھا اور شمالی سمت میں وہی دریا تھا جو یہاں سے کافی قریب تھا اور اس کے پانی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

میں نے بغور چاروں طرف کا جائزہ لیا چچا گلاب شیر کا ماضی کچھ اتنا زیادہ اچھا نہیں تھا بلکہ مجھے جس طرح میرے والد نے ان کے بارے میں جو تفصیلات بتائی تھیں اور یہ کہا تھا کہ وہ بچپن ہی سے پُراسرار علوم کا رسیا تھا اور پُراسرار علوم کے حصول کے لئے گھر سے باہر نکل گیا تھا۔ بہرحال گھر کا صدر دروازہ بند تھا کھڑکیوں پر سیاہ رنگ کے پردے پڑے تھے۔ جس کی وجہ سے روشنی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی تھی۔ بائیں سمت پھیلے ہوئے جنگل میں پرندوں کے بولنے کی آوازیں اس ہولناک سناٹے کو چیرتی ہوئی میرے کانوں تک آرہی تھیں اور ایک لمحے کے اندر اندر یہ احساس ہورہا تھا کہ یقیناً کوئی بہت ہی خوفناک بات ہے اور پھر ماضی کے اثرات تو ذہن پر تھے ہی لیکن اگر انہیں محبت کے رشتوں میں باندھ کر نظرانداز کر بھی دیا جاتا لیکن اس وقت یہ ماحول یقینی طور پر خوف کو جنم دیتا تھا خوف میں نے اپنے جسم میں لہر کی طرح دوڑتا ہوا محسوس کرلیا تھا۔ آن واحد میں لاتعداد پریشان کن خیالات میرے ذہن میں آتے رہے اور گزرتے رہے۔ ایک لمحے کے لئے دل چاہا کہ یہاں سے واپس لوٹ جاؤں۔ بلاوجہ کہیں کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں۔ اپنے ہی مسائل کون سے کم ہیں کہ کوئی نئی مصیبت خریدلی جائے۔ نہ جانے کسی اندرونی جذبے نے کیوں میرے قدم روک دیئے تھے اور میں نے دل میں سوچا تھا کہ جب اتنا فاصلہ طے کرکے یہاں تک پہنچا ہوں تو ذرا دیکھ تو لوں کہ گلاب شیر کی کیا کیفیت ہے۔ اب تو اس کی شکل و شباہت میں بھی عظیم تغیر رونما ہوچکا ہوگا۔ بہرحال بہت دیر تک اس دروازے پر کھڑا کشمکش کا شکار رہا اور آخرکار آگے بڑھا اور دروازے پر زور زور سے دستک دی ایک بار' دو بار' تین بار دستک دی۔ اور انتظار کرتا رہا پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد مکان کے اندر کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی یہ چاپ آہستہ آہستہ دروازے کے قریب آرہی تھی اور میرے دل کی دھڑکنوں میں تیزی پیدا ہوتی جارہی تھی۔ پھر میں نے دروازے کی آہنی کنڈی کھلنے کی آواز سنی اور تھوڑی دیر کے بعد مضبوط لکڑی کا بنا ہوا سیاہ رنگ کا دروازہ ایک گڑگڑاہٹ اور چرچراہٹ کے ساتھ تھوڑا سا سرکا دوسری جانب سے

روشنی چمکی اور روشنی کی اس دراڑ سے ایک بدصورت بوڑھے کی شکل نظر آئی جو دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ اس کا جسم گردن سے لے کر پیروں تک بغیر آستین کے سیاہ لبادے سے ڈھکا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ میں مٹی کے تیل سے جلنے والا چھوٹا سا لیمپ تھا۔ جس کی لو تیز ہوا کے جھونکوں سے بھڑک رہی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے بوڑھے کا سارا وجود گردش کر رہا ہو۔ روشنی کا رنگ گاڑھا زرد تھا اور میری نگاہیں دور تک دیکھ کر بوڑھے کو پہچان رہی تھیں۔ سو فیصدی وہی گلاب شیر تھا لیکن یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میرے سامنے ایک لاش کھڑی ہوئی ہے میں دہشت سے ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور اس کی شکل کو بغور دیکھنے لگا دوسری بار بھی بغور دیکھنے پر مجھے یقین ہوگیا کہ یہی میرا مکروہ شکل چچا ہے جسے میرے گھر کے لوگ شدید نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اس کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ اس نے لیمپ اونچا کیا اور میں نے ایک بار اس کی شکل کو بغور دیکھا۔ اس کا ہاتھ برف کی مانند سفید تھا اور انگلیاں ایسی ٹیڑھی میڑھی تھیں جیسے درختوں کی بے ترتیب شاخیں ہوا کرتی ہیں یہ لمبی لمبی پتلی انگلیاں نہایت سختی سے لیمپ پکڑے ہوئے تھیں اور یوں لگ رہا تھا جیسے لجلجے کیڑے لیمپ کے گرد جمع ہوں اس نے ایک بار پھر مجھ پر غور کیا اور دوسرے لمحے اس کی آنکھوں میں جو چمک پیدا ہوئی۔ وہ بالکل ہی نمایاں نظر آتی تھی۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور پھر اس کی عجیب سی منمناتی ہوئی لیکن تیز آواز ابھری۔

"آہ.......... اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اپنے خون کو نہیں پہچان سکتا تو یہ تمہاری غلطی ہے' اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میری یادداشت نے مجھے اتنا دھوکا دے دیا ہے کہ میں اپنوں کے نام بھول جاؤں۔ تو ایسی بات نہیں ہے گل شیر آخر تم آہی گئے ویسے مجھے یقین تھا سو فیصدی یقین تھا کہ یہ روایتیں غلط نہیں ہیں کہ خون جب بھی خون کو پکارتا ہے تو خون جواب دیتا ہے یہ مسئلہ آفاقی ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ بولو تم گل شیر ہی ہو ناں۔"

"ہاں میں گل شیر ہوں اور اخبار میں تمہاری تحریر پڑھ کر یہاں تک پہنچا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تو پھر باہر کیوں کھڑے ہو میرے بچے آؤ اندر آجاؤ۔" اس نے کہا اور میں چند قدم آگے بڑھ کر اندر داخل ہوگیا۔ گلاب شیر نے لیمپ فرش پر رکھا اور دروازے کی زنجیر بند کرنے لگا۔ پھر اس نے جھک کر دوبارہ لیمپ ہاتھوں میں اٹھایا اور بولا۔

"آجاؤ میرے ساتھ ساتھ آجاؤ۔ ویسے تم نے بہت ہی دانش مندی کا ثبوت دیا ہے

بہت ہی اچھا کیا ہے تم نے کہ تم میرے پاس آ گئے۔ مجھے بڑا اطمینان بڑی ڈھارس نصیب ہوئی ہے۔ آجاؤ۔ وقت بہت بیت گیا ہے تم یقیناً تھک گئے ہو گے اس لئے میں تمہیں تمہاری آرام گاہ دکھائے دیتا ہوں۔ جب تمہاری سفر کی تھکن مکمل طور سے دور ہو جائے گی تو ہم باتیں کریں گے اور اس کے لئے کل صبح کا وقت ہی نہایت موزوں ہو گا۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا بوڑھا آگے بڑھتا رہا ایک طویل راہداری اور کئی برآمدوں اور زینوں کو عبور کرکے آخر کار وہ مجھے ایک کشادہ اور سجے سجائے کمرے میں لے گیا۔ یہ کمرہ خاص طور سے اس پہاڑی مقام کے مطابق بنا ہوا تھا جہاں تیز برف باری اور شدید سردی ہوا کرتی تھی۔ کمرے میں آتش دان کے اندر آگ کے نارنجی شعلے بھڑک رہے تھے۔ ایک طرف بڑی سی مسہری پر آرام دہ بستر بچھا ہوا تھا۔ اس بستر کے اوپر بہت ہی پرانی طرز کی چھتری آویزاں تھی قریب ہی رکھی ہوئی میز پر رات کا کھانا چنا ہوا تھا۔ میں حیرت سے اس پُراسرار ماحول کو دیکھ رہا تھا اور میری نگاہوں میں ہر چیز پر بڑی حیرانی کے آثار تھے اس سے پہلے کہ میں اس بارے میں اس سے کوئی سوال کروں۔ گلاب شیر میری حیرت کو سمجھ گیا تھا اور مسکرا کر بولا۔

"کچھ باتوں کا مکمل طور سے یقین ہوتا ہے اگر تم اس یقین میں شامل ہو جاؤ۔ میں پورے اعتماد سے تمہارا انتظار کر رہا تھا اور مجھے یہ یقین تھا کہ آج رات تم میرے پاس ضرور پہنچ جاؤ گے۔ میرا حساب کبھی غلط نہیں ہوتا۔ میں نے ساری زندگی ان علوم کو سیکھنے میں صرف کی ہے چنانچہ تمہارے آنے کا مجھے پورا پورا یقین تھا اور اگر تم مجھ پر یقین نہ کرپاؤ تو موجھا سے پوچھ لو میں نے موجھا سے کہہ دیا تھا کہ کھانا تیار رکھے اور آتش دان میں آگ جلا دے۔ اصل میں یہاں سے دریا بہت قریب ہے اور جب سرد ہوائیں دریا کے پانی کو چھوتی ہوئی یہاں آتی ہیں تو چاہے تم تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کر دو لیکن وہ اندر آنے کے راستے تلاش کر لیتی ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق موسم کو سرد کر دیتی ہیں۔ اچھا اب میں تمہارا زیادہ وقت برباد نہیں کروں گا۔ چنانچہ شب بخیر۔" وہ ایک طرف بڑھا اور اس نے جلتا ہوا لیمپ ایک لیمپ اسٹینڈ پر رکھ دیا۔ پھر وہ آہستہ قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے نہ جانے کیوں دروازے سے کان لگا دیئے اور کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا چند منٹ تک وہ اسی طرح کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا۔ مجھے تعجب ہوا تھا یہ تو اس کا گھر ہے یہاں اس کو کسی کے ہونے کی کیا امید ہو سکتی ہے لیکن یہاں کا تو پورا ماحول ہی سنسنی خیز تھا۔ بوڑھا دروازے سے کان لگائے کچھ سنتا رہا اور اس کی حرکت پر میری حیرت دم بدم بڑھتی رہی۔ پھر اچانک ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر

دروازہ کھول دیا۔ باہر تاریک برآمدے میں کوئی نہیں تھا۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا البتہ فوراً اندر گھس آیا اور اسٹینڈ پر رکھا ہوا لیمپ بجھ گیا۔ تاریکی شدید پھیل گئی تھی۔ بوڑھے کی آواز میرے کانوں میں آئی۔

"لیمپ کے قریب ہی ماچس موجود ہے تم لیمپ جلا سکتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ دروازے سے باہر نکل گیا اور مجھے دروازہ بند ہونے کی آواز صاف سنائی دی۔ مزید گہری تاریکی ہو گئی تھی۔ باہر سے اگر روشنی کی کوئی رمق آ رہی تھی تو وہ اس تاریکی میں روپوش ہو گئی تھی میں اندھوں کی طرح اندازے سے لیمپ کی جانب بڑھا نظر تو خیر کچھ آ ہی نہیں رہا تھا۔ البتہ جب لیمپ کے اسٹینڈ پر ہاتھ مارا تو لیمپ گرتے گرتے بچا۔ میں نے لیمپ کو جلدی سے سہارا دیا اور ٹٹول کر ماچس تلاش کی پھر میں نے لیمپ روشن کر دیا اور کمرے میں زرد اور خوفناک روشنی پھیل گئی۔ اس کے بعد میں یہ اندازہ لگانے کے لئے دروازے تک پہنچا کہ کیا واقعی دروازہ باہر سے بند ہے اور دروازہ باہر سے بند ملا۔ میرے دل میں خوف کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے۔ میں نے سوچا کہ کہیں چچا نے کسی انتقامی جذبے کے تحت مجھے قید تو نہیں کر دیا ہے اپنے آپ پر ہنسی آنے لگی۔ اگر میں جان بوجھ کر اس چوہے دان میں آن پھنسا ہوں تو مجھ سے زیادہ احمق اور کوئی نہیں ہو گا۔ پھر نہ جانے کیوں دل کو ایک ڈھارس سی ہوئی۔ کچھ عجیب و غریب خیالات دل میں آنے لگے۔ ایک عجیب سا اعتماد میرے اندر جذبے لینے لگا۔ مجھے ربابہ یاد آئی تھی۔ جس نے نیلم ساجد علی کو اس وقت موت کے گھاٹ اتارا تھا جب وہ اپنا کام کر چکی تھی اور واقعی اگر کوئی اور لمحہ ہوتا تو شاید میرے لئے نیلم ساجد علی کو سنبھالنا مشکل کام ہوتا لیکن اس موقع پر ربابہ نے میرا بڑا ساتھ دیا تھا اور اس کے علاوہ وہ ایک اور شخصیت جو میرے لئے بڑی عجیب و غریب تھی یعنی رجب علی جس نے طرح طرح سے مجھے ڈھارس دی تھی خیر اس کا تو کوئی تجربہ نہیں ہو سکا تھا لیکن ربابہ کے لئے میرے دل میں بہت بڑا مقام تھا اور ایسا انوکھا یقین کہ وہ کسی صورت میں مجھ سے غافل نہیں ہے اور میرے لئے ہر طرح سے سینہ سپر ہے حالانکہ میں اس کی مجبوری بھی دیکھ چکا تھا کہ وہ بھی کسی سے خوفزدہ تھی۔

میرے خدا! میرے خدا! کیا ہے آخر یہ سارا کھیل؟ کیا ہو رہا ہے یہ؟ کچھ سمجھ میں تو آئے۔ نہ جانے کب تک یہی سوچتا رہا پھر اٹھ کر اس کمرے کا بھرپور جائزہ لیا جس طرح سے اس کمرے کی آسائش کی گئی تھی اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ اس چھوٹے سے قصبے میں یہ تمام قیمتی چیزیں لانا معمولی بات نہیں تھی۔ بہت محنت سے یہ جگہ سجائی گئی ہو گی۔ خاص طور سے زمانہ قدیم کا یہ فرنیچر جو ایک مخصوص مزاج کی نمائندگی کرتا تھا۔

بہت دیر تک میں ان سوچوں میں ڈوبا رہا اور پھر تھک ہار کر مسہری پر آ لیٹا۔ اب جو ہو گا دیکھا جائے گا فی الحال تو آرام کیا جائے۔ نیند بھی آرام ہی سے آ گئی تھی پھر دوسری صبح جب میری آنکھ کھلی تو باہر چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی مجھے دروازہ کھلا ہوا نظر آیا۔ کھلے دروازے سے روشنی آ رہی تھی اس کے ساتھ ساتھ ہی میرے نتھنوں میں چائے کی خوشبو آئی۔ میں نے زور زور سے سانسیں لیں۔ چائے کی خوشبو بہت عمدہ تھی۔ میں اٹھ کر بیٹھا تو مجھے ایک دم احساس ہوا کہ کوئی میرے قریب موجود ہے۔ میں نے اپنے سرہانے نگاہ ڈالی اور میرے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکل گئی وہ بھی ایک انتہائی منحوس صورت بوڑھا آدمی تھا جو اپنے ہاتھوں میں ناشتے کی ٹرے لئے ہوئے کھڑا تھا اور چائے کی خوشبو چائے دانی کی ٹونٹی سے خارج ہو رہی تھی ایک لطیف اور ہلکا دھواں اس خوشبو کو فضا میں نشر کر رہا تھا۔ اس نے گردن خم کر کے کہا۔

"میرا نام موجھا ہے اور میں باورچی بھی ہوں' مالی بھی ہوں اور چوکیدار بھی۔ براہ کرم اس غسل خانے کی طرف دیکھئے میں نے ہلکا گرم پانی کر کے وہاں رکھ دیا ہے جو اس وقت آپ کو غسل میں بھرپور مدد دے گا اور ہاں میں یہ گھنٹی لے کر آیا ہوں جب بھی آپ میری ضرورت محسوس کریں یہ گھنٹی بجا دیجئے گا۔" اس نے قدیم طرز کی بڑی سی ایک لوہے کی گھنٹی میز پر رکھ دی اور پھر ایک منحوس سی مسکراہٹ کے ساتھ گردن خم کی اور دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے چلنے کا انداز بڑا مضحکہ خیز تھا لیکن وہ اپنی دانست میں ایک احترام کا طریقہ اختیار کئے ہوئے تھا اور دبے پاؤں اس طرح نکلا تھا کہ پیروں کی چاپ نہ ہو۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا اس بار دروازہ صرف بھیڑ دیا گیا تھا غالباً بند نہیں کیا گیا تھا پھر میں نے غسل خانے کے دروازے کی طرف دیکھا اور اندر چلا گیا۔ یہاں پہنچ کر بھی میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی زمانہ قدیم کی جتنی چیزیں اکٹھی کی گئی تھیں شاید اب دوسری جگہ دستیاب نہ ہو سکیں۔ بہرحال ضروریات سے فراغت حاصل کی باہر نکلا اور کرسی گھسیٹ کر اس میز کے پاس بیٹھ گیا جس پر وہ ناشتہ لگایا گیا تھا۔ توس تلے ہوئے انڈے' جام' جیلی' مکھن صاف ستھرے برتن مگر وہی' زمانہ قدیم کے بنے ہوئے۔ چائے دانی بے حد خوبصورت تھی اور اگر کسی نوادرات کی دکان پر رکھ دی جاتی تو اس کے بہترین دام مل سکتے تھے۔ میرے چچا نے جس کی سارا خاندان شدید مخالفت کرتا تھا اور جس سے میرے والد شدید نفرت کرتے تھے میرے لئے پہلے دن کا ناشتہ بہت عمدہ تیار کرایا تھا۔ البتہ کچھ ہی لمحوں کے بعد جب میں ناشتے سے فارغ بھی نہیں ہو سکا تھا اچانک ایک بار پھر مجھے کمرے میں روشنی کے داخل ہونے کا احساس ہوا میں نے گردن گھما کر

دیکھا تو چچا گلاب شیر کو اندر آتے ہوئے پایا۔ ایک نگاہ گہرے طریقے سے اس کا جائزہ لیا تو مجھے یوں لگا جیسے اس کے چہرے پر موت کی سی زردی چھائی ہوئی ہے۔ اس کے سفید اور ٹیڑھے میڑھے ہاتھوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کا جسم سوکھ کر ٹیڑھا ہو گیا ہے۔ میں نے اس کے چہرے اور جسم کے دوسرے حصوں پر برص کے سفید داغ بھی دیکھے تھے۔ کل کی طرح آج بھی اس نے گردن سے لے کر ٹخنوں تک لمبا سیاہ لبادہ پہن رکھا تھا اور سر پر پرانی وضع کی ٹوپی بھی تھی۔ وہ پہلے کی نسبت بہت دبلا ہو چکا تھا اور دبلا ہونے کی وجہ سے وہ پہلی نگاہ میں لمبا آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن غور سے دیکھنے سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ اس کا قد پانچ فٹ چھ انچ سے زیادہ نہیں ہے۔ میرے اندازے کے مطابق اس کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ تھی لیکن حلیے سے یوں لگتا تھا جیسے وہ ستر سال سے زائد اس دنیا میں گزار چکا ہے۔ سب سے جاندار چیز اس کے چہرے پر اس کی آنکھیں تھیں جنہیں دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس کے بدن میں زندگی کچھ ضرورت سے زیادہ ہی موجود ہے۔ وہ مجھے دیکھتا رہا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"تمہیں دیکھ کر بہت سے احساسات جاگتے ہیں تمہارے چہرے کے نقوش میں بھائی صاحب کی جھلک ملتی ہے۔ آہ بھائی صاحب! کیا بتاؤں کیسی زندگی گزری ہے۔ میں تو اس خاندان سے اس طرح علیحدہ ہوں کہ بس سب سے ہی کنارہ کشی ہو گئی۔ ایک ایک کر کے سب اس دنیا سے چلے گئے۔ بس تم باقی ہو۔" اس نے مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور مجھے یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں سے نفرت کے فوارے پھوٹ رہے ہوں یا وہ یہ کہنا چاہتا ہو کہ آخر تم کیوں باقی ہو؟ پھر اس نے پھرتی سے کہا۔

"تم سے بہت محبت ہوتی ہے میرے بچے اور دیکھو کیا ہی عجیب بات ہے کہ اتنے طویل عرصے تک تم سے جدا رہنے کے بعد میں نے تمہیں پکارا تو تم آ گئے۔ واہ اسے کہتے ہیں کہ خون کے رشتے۔ خون سمجھتے ہو ناں۔ خون........." پھر اس نے دوبارہ کہا۔ "ناشتہ تمہیں پسند نہیں آیا ہو گا اصل میں موجھا ایک جاہل اور دیہاتی قسم کا آدمی ہے۔ بھلا وہ کیا جانے کہ نئے دور کے نئے لوگ کیسے زندگی گزارتے ہیں۔ میرے بچے گل شیر تمہیں ناشتہ یقیناً پسند نہیں آیا ہو گا۔"

"نہیں چچا گلاب شیر! ناشتہ بہت اچھا تھا۔"

"کیا واقعی؟" وہ بولا اور پھر اس کی نگاہیں میرے چہرے کا جائزہ لینے لگیں۔ وہ دیر تک بغیر پلکیں جھپکائے مجھے تکتا رہا مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میرا ذہن پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کی نظریں اتنی مقناطیسی تھیں کہ میں گھبرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا

بہت دیر تک کمرے میں گہری خاموشی طاری رہی تھی اور میں اور وہ اس طرح ایک دوسرے کے سامنے ایسے تھے جیسے ایک دوسرے کا امتحان لے رہے ہوں۔ پھر چچا کی نگاہ اس گھنٹی پر پڑی جو موجھا رکھ گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس نے گھنٹی بجائی ایک لمحہ بھی نہیں گزرا تھا کہ موجھا کمرے میں داخل ہوگیا۔

"جاہل دیہاتی! معزز مہمانوں کے ساتھ معزز مہمانوں جیسا سلوک کرنا سیکھو.......... بے شک میرے پاس اس سے پہلے کبھی کوئی مہمان نہیں آیا لیکن اب آیا ہے تو تم اپنی جہالت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ ارے بے وقوف! برتن اٹھاؤ اور خاموشی سے یہاں سے دفع ہوجاؤ۔" موجھا نے یہ تقریر سنی آگے بڑھا برتن اٹھائے اور چپکے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد گلاب شیر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے پہلے کمرے کا دروازہ بند کیا۔ پھر ایک ایک کرکے تمام کھڑکیاں بند کردیں ان پر سیاہ رنگ کے پردے کھینچے اور پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد کہ اب آواز کمرے سے باہر نہیں جاسکتی وہ آہستہ آہستہ میری جانب بڑھا۔ درحقیقت ایک لمحے کے لئے مجھے یوں محسوس ہوا کہ موت میری جانب بڑھ رہی ہو۔ خوف کی ایک لہر میرے پورے بدن میں دوڑنے لگی تھی خدا جانے یہ خبیث چچا اب میرے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے۔ میری پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہوگئے تھے جنہیں میں نے آستین سے صاف کیا۔ گلاب شیر نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولا۔

"گل شیر میں نے بہت سوچ بچار کے بعد تمہارا انتخاب کیا ہے اور اس یقین کے ساتھ کہ تم سے قریب میرا اور کوئی رشتے دار نہیں ہے۔ خون کا رشتہ تو کسی سے ہے ہی نہیں ہاں دوسرے بہت سے رشتے موجود ہیں۔ بہرحال اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ تم مجھے مایوس نہیں کروگے۔ شاید تمہیں یاد ہو بہت عرصہ گزرا ہے اس بات کو جب میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ جب تمہاری عمر زیادہ سے زیادہ سات سال کی ہوگی اور میں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا کہ تم میرے وارث بننے کے قابل ہو۔ ہاں میں تمہیں اپنی کل جائیداد کا وارث بناؤں گا۔" اس کے ان الفاظ پر میرا دل دھڑکنے لگا وہ اپنی بات کا اثر دیکھنے کے لئے تھوڑی دیر خاموش رہا پھر اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں گفتگو کا دوبارہ آغاز کیا۔

"لیکن ایک بڑی دولت کے حصول کے لئے تمہیں میری چند شرائط قبول کرنا پڑیں گی اور مجھے یقین ہے کہ تم انکار نہیں کروگے۔" میں نے چونک کر اسے دیکھا ماضی کی بہت سی باتیں میرے دل و دماغ میں گونج گئیں۔ سب ہی ختم ہوگئے تھے ایک ایک مرچکا تھا یہ بوڑھا ابلیس آخر مجھ سے کیا چاہتا ہے لیکن بہرحال میں اس سلسلے میں کسی قسم کی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا میں نے کہا۔

"جی چچا! کیا آپ کی شرائط اس قابل ہیں کہ میں انہیں پورا کرسکوں۔"

"فرض کرو وہ اس قابل ہوئیں تو کیا تم انہیں پورا کروگے۔"

"ہاں۔ اگر میں وہ شرائط پوری کرسکا تو مجھے خوشی ہوگی۔" ایک لمحے کے لئے میں نے گلاب شیر کے چہرے پر مسکراہٹ کے آثار دیکھے۔ اس نے خوشی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جس پر صرف ہڈیوں پر کھال منڈھی ہوئی تھی اور وہ صرف انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ ہاتھ آگے بڑھا کر اس نے میرے کندھے پر رکھا اور کہا۔

"بہت آسان شرطیں ہیں۔ بہت ہی آسان انہیں پورا کرنے میں تمہیں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ انہیں غور سے سن لو۔ بے شک تم انہیں پورا کرنے سے انکار کرسکتے ہو لیکن اگر انہیں پورا کرنے کا وعدہ کرلو تو پھر یہ سمجھ لینا کہ وہ شرطیں ہی تمہاری زندگی ہوگی۔ بولو تیار ہو؟"

"آپ بتایئے مجھے۔"

"سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ تم مستقل طور پر میرے اس مکان میں رہوگے۔ اس مکان کے پیچھے کے حصے میں ایک تہہ خانہ ہے جس میں مرنے کے بعد میری لاش رکھی جائے گی اور تہہ خانے کا دروازہ بند کرکے اس پر مہر لگا دی جائے گی۔ لاکھ کا موٹا ڈھیر۔ اس تہہ خانے کی نگرانی ہمیشہ تم کروگے۔ تم اور صرف تم اور تم کسی کو بھی اس تہہ خانے میں داخل نہیں ہونے دوگے۔ اگر تم محسوس کرو کہ کوئی پُراسرار وجود میرے مقبرے کے دروازے کی مہر کو توڑ کر اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے تو تم بغیر کسی تاخیر کے میری لائبریری میں پہنچ جانا اور وہاں جو ایک آبنوس کی میز رکھی ہوئی ہے اس کے خانے میں سے کچھ کاغذات نکال کر دیکھنا۔ ان کاغذات پر کچھ ہدایات درج کی جائیں گی جو ہدایت ان کاغذات پر درج ہوں گی ان پر عمل کرنا اور سنو میں تمہیں ساری جگہوں سے روشناس کرا دوں گا لیکن ہر کام تمہیں اپنے وقت پر کرنا ہوگا۔ وقت سے پہلے ان کاغذات کو دیکھنے کی کوشش مت کرنا۔ آہ۔ دیکھو کیسی معمولی سی شرط ہے۔ ایسی کہ آسانی سے پوری کی جاسکے۔ بولو' سوچو غور کرو اور وعدہ کرو کہ کیا تم میری یہ شرط پوری کروگے؟ اور اس کے عوض' اس کے عوض جو کچھ بھی تمہیں ملے گا وہ تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔" میرے دماغ کی کیفیت عجیب ہوگئی تھی وہ جو کچھ کہہ رہا تھا بات تو واقعی بڑی سنسنی خیز تھی لیکن کیا وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ صحیح ہے۔ درحقیقت میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آسکا تھا۔ میں نے اتنا اندازہ ضرور لگالیا تھا کہ وہ صحیح الدماغ ہے لیکن اس کے بولنے کا انداز بڑا عجیب ہے۔ بلکہ یوں لگ رہا ہے جیسے وہ ہوش کے عالم میں نہ ہو بس یہ ایک احساس تھا کہ جس کی وجہ

کوئی نہیں تھی۔ میں نے مدہم لہجے میں کہا۔

"اصل میں یہ شرط ایسی ہے چچا گلاب شیر کہ اس پر عمل کرنے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"آہ۔ واقعی کیا واقعی؟" اس کی آنکھیں ایک بار پھر روشن ہوگئیں۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مکروہ سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے آگے بڑھ کر کھڑکیوں پر سے پردے ہٹائے۔ پھر ایک کھڑکی کھولی جو باغ کی جانب کھلتی تھی۔ میری نگاہیں کھڑکی کی دوسری جانب اٹھ گئیں۔ اس طرف لمبی لمبی جھاڑیوں اور سوکھے ہوئے درختوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ البتہ کھڑکی کھلتے ہی گلاب شیر اپنی جگہ سے بے حس و حرکت ہوگیا۔ اس کی نظریں عجیب سے انداز میں جھاڑیوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں پھر اس کی ایک عجیب سی بڑبڑاہٹ ابھری۔ یوں لگا جیسے وہ مدہم آواز میں کسی سے باتیں کر رہا ہو۔ اس کی ہر ادا پُراسرار تھی۔ ہر کیفیت انوکھی اور سمجھ میں نہ آنے والی۔ وہ مزید کچھ بولا تو میں نے اپنے کان اس آواز پر لگا دیئے وہ کہہ رہا تھا۔

"کبھی نہیں، کبھی نہیں آخر تم گلاب شیر کو سمجھتے کیا ہو کوشش کرو، کوشش کرو کہ تم اسے قابو میں کر لو لیکن تم اس میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکو گے۔ سمجھ رہے ہو ناں شیطان تم میری بات سمجھ رہے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم میری بات ضرور سمجھ رہے ہوگے۔ کمینے ذلیل تم کبھی مجھ پر قابو نہیں پاسکو گے۔ میں تم سے زیادہ طاقتور ہوں۔ میں تم سے بڑھ کر ہوں سمجھے۔ میں تم سے بڑھ کر ہوں۔" میں حیرانی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کھڑکی کے باہر جھاڑ جھنکار کے علاوہ مجھے کوئی اور نظر نہیں آرہا تھا۔ پھر اچانک ہی وہ میری طرف مڑا اور اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

"جاؤ میرے بچے اب تم جاسکتے ہو۔ شاید اب میں دوبارہ تمہیں کبھی نہیں مل سکوں گا۔ کبھی نہیں۔" اس نے یہ کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں شدت حیرت سے گنگ کھڑا ہوا تھا کہ یہ کیا طلسم ہے یہ ایک اور مصیبت میرے سر آپڑی۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے اپنے عقب میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور میں نے پلٹ کر دیکھا تو موجھا کمرے میں داخل ہو رہا تھا اس کے چہرے پر انتہائی خوف اور بدحواسی کے آثار تھے بے اختیار میری جانب جھپٹا اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور تقریباً گھسیٹتا ہوا مجھے اس کمرے کے دروازے سے باہر لے گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی چیز سے شدید خوفزدہ ہو۔ آخر کار وہ کمرے سے باہر نکل آیا اور لکھنوی اینٹوں کے بنے ہوئے برآمدے میں کھڑے ہوکر اس نے تقریباً سرگوشی کے انداز میں مجھ سے کہا۔

"کیا کہہ رہے تھے۔ مالک! آپ سے کیا کہہ رہے تھے۔"

"بیوقوف بڈھے۔ کیا تو چھپ کر ہماری باتیں سن رہا تھا؟"

"نہیں، نہیں، نہیں یقین کرو نہیں۔" اس نے خوفزدہ انداز میں کانپتے ہوئے کہا۔

اس کی آنکھوں میں خوف کے اتنے گہرے آثار تھے کہ میں حیران رہ گیا۔ پھر وہ اچانک ہی میرا ہاتھ چھوڑ کر پھرتی سے وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ میں کھڑا ہوا اسے دیکھتا رہا۔ برآمدے کے آخری سرے پر پہنچ کر وہ ایک جانب مڑ گیا تھا میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ آتو گیا تھا یہاں آنا تھا کیونکہ گلاب شیر بہرحال کچھ بھی تھا میرے باپ کا بھائی تھا اور طویل عرصے کے بعد کسی اپنے نے مجھے آواز دی تھی۔ میں تو ان آوازوں کو ترسا ہوا تھا۔ دل میں لاکھوں بار یہ خواہش ابھری تھی کہ کاش کوئی ایسا وجود ہو جو مجھے مکمل طور پر اپنے آپ سے قریب کرے۔ کتنے آئے تھے ایک کے بعد ایک لیکن ان میں سے صرف ربابہ ایسی تھی جسے یاد کرکے دل کو ایسی بے کسی کا احساس ہوتا تھا۔ صرف ربابہ، صرف ربابہ میری زندگی میں آجائے تو شاید زندگی کا کچھ حسن میری بانہوں میں بھی سمٹ آئے۔ بہرحال میں واپس اس کمرے کی جانب چل پڑا جو یہاں میرے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ پُراسرار بنتا جارہا تھا۔ گلاب شیر کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے سر پر منوں بوجھ رکھ دیا گیا ہو میرے تھکے ہوئے وجود نے بستر کو دیکھا اور میرے قدم خودبخود بستر کی جانب بڑھ گئے۔ بستر پر لیٹ کر میں اس معمہ کو حل کرنے کی کوشش کرنے لگا لیکن معاملات اتنے الجھے ہوئے اور بے ترتیب تھے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا تاہم ایک بات یقینی تھی کہ اگر چچا گلاب شیر پاگل نہیں ہوگیا ہے تو اسے کسی ایسی شخص سے خطرہ ہے جو ابھی تک بے نام ہے لیکن پھر مقبرے والی بات سے میرا دماغ بری طرح چکرانے لگا۔ آخر اس نے اس بات پر زور دینے کی کوشش کیوں کی ہے کہ اس مقبرے کے اندر کوئی داخل ہونے کی کوشش کرے گا اور پھر اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اب تم جاسکتے ہو۔ اب شاید میں تمہیں دوبارہ نہیں ملوں گا۔ وہ کہاں جارہا ہے ایک زندہ انسان یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ کب مرجائے گا۔ اسے اپنی موت کا یقین کیوں ہے۔ پھر ایک دم مجھے موجھا کا خیال آیا۔ موجھا اتنا متجسس کیوں تھا وہ یہ کیوں پوچھ رہا تھا مجھ سے کہ گلاب شیر نے مجھ سے کیا باتیں کی ہیں۔ آخر موجھا کا اس سلسلے میں کیا کردار ہے۔ ماضی کی بہت سی باتیں میرے ذہن میں گردش کرنے لگیں۔ میرے والد اپنے چھوٹے بھائی سے بے پناہ نفرت کرتے تھے حالانکہ یہ بات میں اچھی طرح جانتا تھا اس وقت بھی اور اب بھی کہ وہ ایک انتہائی محبت کرنے والے انسان تھے انسان دوست کسی

کو تکلیف میں دیکھ کر خود بھی اسی تکلیف میں مبتلا ہوجانے والے۔ پھر اپنے سگے بھائی سے انہیں اس قدر پرخاش کیوں تھی۔ کچھ باتیں میرے علم میں آئیں تھیں لیکن وہ ایسی تھیں کہ کبھی دونوں بھائی مل کر بیٹھتے تو تلافی ہوسکتی تھی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا میں دماغ پر زور دیتا رہا لیکن جتنا دماغ پر زور دیتا معاملہ اتنا ہی پُراسرار اور تکلیف دہ بنتا چلا جاتا۔ پھر میرے اندر دلچسپی کی وہی چمک پیدا ہوگئی جو ہمیشہ ایسے موقعوں پر پیدا ہوجاتی تھی۔ میں نے سوچا کہ آخر معلوم تو کرنا چاہئے کہ آخر یہ سارا قصہ کیا ہے۔ اس دوران چونکہ میں ایسے بہت سے الجھے ہوئے معاملات میں پھنس چکا تھا جس میں کبھی کبھی تو زندگی کا خطرہ تک لاحق ہوگیا تھا۔ میری زندگی میں اگر کوئی مشکل تھی تو صرف ربابہ تھی ورنہ سچی بات یہ ہے کہ میری جیسی پُرسکون زندگی بہت کم لوگوں کی ہوگی۔ اگر ربابہ میرے دل کی خلش نہ بنتی اور میں اس کا راز حل کرسکتا اور نت نئے واقعات پیش نہ آتے یا پھر ربابہ کبھی میری زندگی میں آتی ہی نہ تو میں زیادہ خوش ہوتا۔ حالانکہ جو نقصانات ہوچکے تھے نقصانات سے میری مراد یہ ہے کہ نہ ماں باپ رہے تھے نہ گھربار ورنہ جس طرح سے زندگی کا آغاز ہوا تھا اس میں تو واقعی کوئی مشکل نہیں تھی۔ ہر طرح کی آسانیاں مجھے نصیب تھیں تو اس کے بعد میں بڑی پُرسکون زندگی گزارتا لیکن تقدیر نے اس کا موقع نہیں دیا تھا گتھیوں پر گتھیاں سامنے آتی جارہی تھیں۔ اب یہ نیا سلسلہ آگیا تھا۔ چچا گلاب شیر نے مجھے اپنی دولت و جائیداد کا وارث بنانے کی بات کی تھی۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کی دولت و جائیداد کتنی ہے اور ویسے بھی سچی بات ہے کہ دولت اور جائیداد میری منزل نہیں تھی۔ انسان کو اس کی زندگی کا حاصل مل جائے تو وہ تکلیف دہ حالات میں بھی زندگی گزار سکتا ہے۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن میرے تجسس اور میری دلچسپی نے آخری وقت میں یہ فیصلہ کیا کہ کم از کم کچھ روز یہاں قیام کرکے میں ان معاملات سے ملوث ہو جاؤں اور اپنے چچا کی زندگی کے معاملات کو پھر کرید کرکے معلوم کروں اس کا ذریعہ جہاں سے بھی مجھے معلوم ہوجائے یہ پتا چلاؤں کہ میرے والد میرے چچا سے اس قدر نفرت کیوں کرتے تھے۔ یہ بات تو میرے علم میں تھی کہ چچا بچپن ہی سے پُراسرار علوم کے حصول کے لئے الٹی سیدھی حرکتیں کرنے نکل پڑا تھا۔

پھر دوپہر کو وہی موجھا میرے لئے کھانا لے کر آیا۔ کھانا رکھا اور کچھ کہے سنے بغیر واپس چلا گیا۔ میں نے بھی اس کو اس وقت مخاطب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اس سے پہلے اس نے جس انداز میں میرے چچا کے بارے میں سوال کیا تھا اس سے سرکشی جھلک رہی تھی۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ میں اسے اپنے چچا پر ترجیح دیتا۔ بہرحال میں نے کھانا کھایا

اور اس کے بعد یہ سوچتا رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بہرحال میں تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد کمرے سے باہر نکل آیا اور پھر کمرے کے مختلف گوشوں میں گھومنے لگا کچھ ہی دیر بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ گلاب شیر مکان میں موجود نہیں ہے ورنہ وہ کہیں نہ کہیں مجھے نظر آجاتا لیکن پھر اچانک ہی مجھے اس کے الفاظ یاد آئے۔ اس نے کہا تھا کہ اب ہم نہیں مل سکیں گے۔ آہ ان الفاظ کا مقصد ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ میں الجھا ہوا اس گھر سے ہی باہر نکل آیا۔ اس کے بعد پھر اس کے بعد میں نے پہلی بار عظیم پور کے گردونواح دیکھے۔ تقریباً دو یا تین گھنٹے تک میں خوب گھومتا رہا موسم بہت اچھا تھا آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ہواؤں میں تازگی اور شگفتگی تھی۔ جو طبیعت کو فرحت دے رہی تھی اور لگ رہا تھا کہ تازہ ہوا پاکر پھیپھڑے بھی تازہ دم ہوگئے ہوں گے۔ آخرکار میں تین گھنٹے گھومنے پھرنے کے بعد گلاب شیر کے پاس واپس پہنچا تو نچلی منزل کے بڑے کمرے میں ایک تیسری شخصیت کو بیٹھے ہوئے پایا۔ مزے کی بات تھی چچا گلاب شیر بالکل جھڑوس ہوچکا تھا مکروہ اور لٹکا ہوا چہرہ اور پھر عمر بھی کافی زیادہ تھی دوسرا موجھا جسے دیکھ کر کسی بوڑھے گدھ کا خیال آتا تھا اور اب یہ تیسرا بوڑھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ مکان بوڑھوں کی آرام گاہ ہے خدا معلوم ابھی یہاں کتنے ہی زندہ درگور لوگ چھپے ہوئے ہوں گے۔ جنہیں دیکھ کر ہی طبیعت پر ایک بوجھ سا سوار ہوجاتا ہے۔ اصل میں بڑھاپا بری چیز نہیں ہوتی لیکن بعض بوڑھے لوگ اس قدر مکروہ صورتوں کے مالک ہوتے ہیں کہ ان پر حیرت ہوتی ہے۔ بہرحال بوڑھے نے مجھے دیکھا اور پھر جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ پھر اس نے گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہارا نام ہی گل شیر ہے۔"

"جی ہاں۔ فرمائیے۔"

"میں.......... مسٹر گل شیر' میں نہایت رنج کے ساتھ یہ خبر آپ کو سنا رہا ہوں کہ تھوڑی دیر پہلے آپ کے چچا گلاب شیر اس دنیا سے چل بسے۔" مجھے ایک دم یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے پوری قوت سے لوہے کا ایک وزنی ہتھوڑا میرے سر پر دے مارا ہو۔ میں گم صم ہوکر بیوقوفوں کی طرح اس اجنبی بوڑھے کی شکل دیکھنے لگا۔ میں بالکل پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ پہلے کی بات تو چھوڑی جائے اب جب میں یہاں عظیم پور میں آیا تھا اور میں نے اپنے چچا سے ملاقات کی تھی تو ایک لمحے کے لئے بھی میرے دل میں اس کے لئے کوئی محبت کا جذبہ نہیں ابھرا تھا حالانکہ اس کا رویہ میرے ساتھ بہت ہی اچھا تھا۔ وہ میرے باپ کا بھائی تھا اور یقینی طور پر اس کا خون میری رگوں میں بھی دوڑ رہا تھا

لیکن شاید یہ ماضی کی داستانیں تھیں یا پھر چچا گلاب شیر کی منحوس صورت کہ ان سے محبت کا تصور دل میں ابھرتا ہی نہیں تھا لیکن اس وقت اچانک ان کی موت کی خبر سن کر مجھ پر حیرت اور رنج کی ایسی کیفیت گزری کہ میں ایک لمحے کے لئے گم ہوگیا۔ میں نہ جانے کیوں ایک دم سے غمزدہ سا ہوگیا تھا اور پھر بمشکل تمام میرے منہ سے نکلا۔

”کک............ کیا کہہ رہے ہو تم‘ کیا کہہ رہے ہو‘ یہ کیسے ممکن ہے کیا فضول بکواس کر رہے ہو تم۔ گلاب شیر کے بارے میں کہہ رہے ہو ناں۔ میرے چچا کے بارے میں۔ آخر کیسے اور کب؟ جو منحوس خبر تم مجھے دے رہے ہو کیا وہ واقعی سچ ہے۔“

”ہاں۔ ابھی آدھا گھنٹا پہلے ان کا انتقال ہوچکا ہے۔“ بوڑھے نے پُرسکون لہجے میں کہا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ ”لیکن جن حالات میں وہ موت سے دوچار ہوئے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عجیب موت سے دوچار ہوئے ہیں۔ میں تم سے اپنا تعارف کرادوں۔ میرا نام اختیار خلجی ہے اور میں بہت عرصے سے مرحوم گلاب شیر کا مشیر قانون رہا ہوں۔ سمجھ رہے ہو ناتم اختیار خلجی۔“ اس نے بے تکے انداز میں مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن میں کچھ ایسا رنج و غم میں ڈوبا ہوا تھا کہ اخلاقیات بھی نہ نبھا سکا۔ مجھ پر تو حیرت کے پہاڑ ٹوٹے ہوئے تھے۔ اختیار خلجی نے اپنا ہاتھ پیچھے کرلیا۔ وہ تھوڑا سا شرمندہ سا نظر آیا تھا لیکن جب انسان کو اپنی بے عزتی کا احساس ہوتا ہے تو اس کے چہرے کے نقوش بگڑ جاتے ہیں زیادہ مضبوط اعصاب کے لوگ اپنی ان کیفیات پر قابو پالیتے ہیں اور جن کے اعصاب مضبوط نہیں ہوتے ان کا اظہار ان کے چہروں سے ہوجاتا ہے۔ میں نے خود کو سنبھالا کچھ دیر توقف کیا اور اس کے بعد کہا۔

”مسٹر اختیار خلجی براہ کرم مجھے ساری تفصیلات بتایئے اور یہ بتایئے کہ آپ اچانک کیسے وارد ہوئے۔ آپ نے کیسے اس لاش کو دیکھا جسے دیکھ کر آپ کے خیال کے مطابق میرے چچا نے خودکشی کی ہے۔ آپ مجھ اپنے بارے میں مطمئن کیجئے۔“ اختیار خلجی نے مجھے ایک لمحے کے لئے گہری نگاہوں سے دیکھا اس کی نگاہوں میں بے چینی کے نقوش ابھرے لیکن صرف ایک لمحے کے لئے دوسرے لمحے اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ پھر گلا صاف کرکے اس طرح تقریر کے لئے آمادہ ہوا جیسے کسی عدالت میں کھڑا ہے۔

”مسٹر گل شیر اصل قصہ یہ ہوا کہ اب سے کوئی آدھے گھنٹہ پہلے حسب معمول آپ کا غلام موجھا اپنے آقا کو تلاش کرتا ہوا اوپر کے آخری کمرے میں پہنچا تو اس نے انہیں ایک میز پر اس عالم میں بیٹھے پایا جیسے وہ لکھتے لکھتے نیند آجانے پر سر میز پر رکھ کر سوگئے ہوں ان کے آگے چند کاغذات کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں قلم تھا

سامنے جو کاغذ تھا اس پر کچھ حروف یعنی آپ کا نام گل شیر اور ایک جگہ کا پتہ ہی لکھ پایا تھا کہ زندگی نے ان سے رشتہ توڑ لیا غالباً انہوں نے کوئی بہت ہی طاقتور زہر استعمال کیا اور اس زہر کے اثر کرنے کی وجہ سے وہ آگے نہ لکھ سکے۔ حالانکہ انہیں ایک نگاہ دیکھنے کے بعد یہ خیال دل میں پیدا ہوتا ہے کہ ان کی موت حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے ہوئی لیکن ڈاکٹر نے جب ان کا معائنہ کیا تو پتا چلا کہ دانستہ یا غلطی سے ایک خاص قسم کا زہر کھا جانے سے یہ حادثہ پیش آیا ہے۔ یہ زہر اصل میں نشے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور ہم اسے صرف زہر نہیں کہہ سکتے بلکہ ایک نشہ آور چیز بھی کہہ سکتے ہیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ آپ سوال کریں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ نہ خودکشی ہو نہ قتل یا اتفاق بس یہ سمجھ لیجئے کہ یہ معمولی سا زہر جو نشہ آور ہے زیادہ کھا جانے کے باعث یہ مہلک حادثہ پیش آگیا ہے۔ بہرحال یہ فیصلہ عدالت ہی کرے گی اور اسی عدالت میں جناب گلاب شیر کا وصیت نامہ بھی کھولا جائے گا۔ یہ وصیت نامہ میرے پاس موجود ہے۔“

”عدالت‘ وصیت نامہ‘ کیا یہ سب کچھ عظیم پور میں موجود ہے۔“

”غالباً آپ یہاں پہلی بار آئے ہیں اور آپ کو اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ عظیم پور صرف ایک چھوٹا سا قصبہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک جڑواں شہر بھی ہے اس سے بالکل قریب ہی ایک متعلقہ شہر اور بھی ہے اور اس شہر میں عدالت بھی ہے کوتوالی بھی ہے۔ بہت کچھ ہے یہاں پر۔“

”کمال کرتے ہیں آپ نے تھوڑی دیر میں یہ سارے معاملات‘ بلکہ صرف آدھے گھنٹے کے اندر ایسا لگتا ہے مسٹر اختیار خلجی جیسے آپ اس سارے ڈرامے کے لئے تیار بیٹھے ہوں۔“ جواب میں اختیار خلجی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا۔

”آپ بہت چالاک آدمی معلوم ہوتے ہیں مسٹر گل شیر غالباً آپ مجھ پر ہی کوئی الزام لگانا چاہتے ہیں۔ آپ اگر اس کے شوقین ہیں تو میں آپ کے اس شوق کو پورا کرنے کے لئے تیار ہوں بہرحال یہ بتایئے کہ اپنے چچا کی لاش کو آپ نے کیا کرنا ہے؟“

”اس سلسلے میں پہلی بات تو چچا کا وصیت نامہ ہوگا۔ دوسری بات انہوں نے جو کچھ مجھے کہا ہے میں اس پر عمل کرنا چاہوں گا لیکن جناب آپ یہ بات بتایئے کہ آپ فوری طور پر اس مسئلے کو عدالت تک کیوں لے جانا چاہتے ہیں۔“

”نہیں ایسی بات نہیں ہے آپ نے کیونکہ خود مجھ سے ایسے شکوک و شبہات کا اظہار شروع کردیا جس میں خود میری شخصیت بھی ملوث ہوجاتی ہے تو میں بھلا کوئی خطرہ کیوں مول لوں گا۔ یہ تو آپ خود کر رہے ہیں اگر آپ تعاون کی بات کرتے تو میں بھی

آپ سے بھرپور تعاون کرتا لیکن اب صورت حال ذرا سی مختلف ہوگئی ہے۔"

"صورت حال بالکل مختلف نہیں ہوئی آپ براہ کرم مجھے اجازت دیجئے میں ذرا اپنے چچا کی لاش دیکھ لوں۔"

"ٹھیک ہے آیئے جس کمرے کا حوالہ وکیل اختیار خلجی نے دیا تھا وہ اوپر کی منزل کے بالکل آخری گوشے میں واقع تھا اس کمرے پر ایک ایسی ہیبت برس رہی تھی جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے اس کمرے کو دیکھا اور بہت ہی وحشت زدہ ہوگیا لیکن پھر چچا گلاب شیر کے کہے ہوئے واقعات مجھے یاد آئے اور میں نے وکیل اختیار خلجی سے ان کی اس خواہش کے بارے میں تفصیل بتائی تو وہ بولا۔

"مرنے والوں کی آخری خواہش ہی تو سب کچھ ہوتی ہے اور ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کی تکمیل کریں۔"

"تو کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیں گے۔"

"آپ کو مکمل حق حاصل ہے وہ تو میں آپ سے پہلے بھی کہہ رہا ہوں کہ آپ اپنے طور پر سب کچھ کر سکتے ہیں بشرطیکہ آپ کو کسی پر شبہ نہ ہو۔ اور آپ اس بات پر یقین رکھتے ہوں کہ آپ کے چچا ایسی ہی موت مرے ہیں۔"

"تو براہ کرم مسٹر اختیار خلجی اس بات کا تو آپ کو علم ہے کہ عظیم پور میں' میں اجنبی ہوں' میری مدد کیجئے۔"

"ہاں۔ بالکل تابوت بنانے والا تابوت بنا دے گا۔ یہ سارے کام کرکے میں آپ کی مدد کرسکتا ہوں۔ بہرحال باقی ساری باتیں اپنی جگہ اگر آپ کوئی نئی ہدایت کرنا چاہتے ہیں تو آپ کر دیجئے ورنہ باقی سارے کام میں کردوں گا میں یہ سمجھ لیجئے کہ قانون کی ناک ہوں۔ جدھر آپ موڑنا چاہیں گے مڑ جائے گی۔"

"بہت بہت شکریہ مسٹر خلجی! آپ براہ کرم میرے چچا کی وصیت کی تکمیل کرنے کا انتظام کیجئے۔" اور اختیار خلجی باہر نکل گیا۔ میں گہری گہری سانسیں لینے لگا میں نے دل میں کہا۔

"میرے خدا یہ معاملہ تو واقعی بڑا سنسنی خیز ہے۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ گزرنے والا ہر وقت پُراسرار واقعات میں اضافہ ہی کرتا جارہا تھا۔ نہ جانے یہ پُراسراریت میرے وجود سے کیوں چمٹ کر رہ گئی تھی لیکن بہرطور جو کچھ بھی ہے اب دیکھنا تو ہوگا۔ اصل میں یہ سب کچھ اتنی برق رفتاری سے پیش آیا تھا کہ غور کرنے اور سوچنے کی تمام قوتیں سلب ہوگئی تھیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ گلاب شیر کی

جائیداد کتنی ہے' ہے بھی یا نہیں۔ اس کی تفصیل تو وصیت نامے سے ہی معلوم ہوسکے گی لیکن وصیت نامہ کھولنے سے پہلے اصل میں دوسرے سارے کام دیکھنے تھے اور اصل مسئلہ ان کا تھا ویسے یہ سب کچھ واقعی یقین نہ کرنے والی باتیں تھیں۔ سوچتا تو ذہن مفلوج ہوجاتا۔ تعجب کی بات تھی کہ چچا گلاب شیر نے مجھے بلانے کے بعد خودکشی کی ہے یقینی طور پر وہ خودکشی کرنے کا ارادہ دل میں رکھتا تھا۔ تبھی اس نے کہا تھا کہ ہم دوبارہ نہیں ملیں گے۔ بہرحال میں اختیار خلجی کا انتظار کرتا رہا پھر جب وہ واپس آیا تو اپنے ساتھ تمام انتظام کرکے لایا تھا۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہم نے چچا گلاب شیر کی لاش کو تابوت میں بند کرکے اس تہہ خانے میں پہنچا دیا جہاں کی اس نے ہدایت کی تھی۔ کچھ لوگوں کو اختیار خلجی بلا کرلے آیا تھا جنہوں نے رسمی طور پر جنازے کی رسومات ادا کی تھیں کچھ لمحوں کے بعد وہ تعزیت کرکے رخصت ہوگئے۔ ابھی میں اپنے کمرے میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور موجھا اندر آگیا۔ اس کی آنکھیں معمول کے مطابق ویران اور سرد تھیں۔ چہرے پر ایک عجیب سی وحشت برس رہی تھی۔ اندر آنے کے بعد اس نے کہا۔

"جناب عالی! اب آپ چونکہ اس جگہ کے مالک ہیں چنانچہ میں آپ کو صرف یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ اب میں ایک لمحے کے لئے بھی اس منحوس مکان میں ٹھہرنا نہیں چاہتا۔ میں آپ سے کسی تنخواہ یا معاوضے کا مطالبہ نہیں کرتا بس رخصت کی اجازت لینے آیا ہوں۔"

"ارے موجھا کیوں۔ تمہیں یہاں کیا تکلیف ہے۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"جناب تکلیف تو کوئی نہیں ہے۔" وہ کچھ لمحوں کے لئے خاموش ہوا پھر بولا۔

"بس.......... میں' میں۔" یہ کہہ کر وہ پریشان سا چاروں طرف دیکھنے لگا پھر جب اس نے کچھ نہ کہا تو میں نے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا موجھا کہ تم یہاں سے کیوں جانا چاہتے ہو میں نے تو تم سے کوئی بھی ایسا غلط لفظ نہیں کہا"

"صاحب! میں کیا بتاؤں اپ کو بس یوں سمجھ لیجئے کہ جب تک مالک زندہ تھے اس مکان میں' میں نے بڑے بڑے پُراسرار اور ناقابل یقین تماشے دیکھے ہیں اور اب ان کے مرنے کے بعد بھی میں جانتا ہوں ایسی ہی باتیں ظہور میں آئیں گی۔ میں اب اس آسیب زدہ مکان میں نہیں رہ سکتا۔"

"موجھا تمہیں جو آسانیاں یہاں حاصل تھیں جو معاوضہ تمہیں یہاں ملتا تھا یا جو کچھ

بھی سہولتیں تمہیں مہیا تھیں میں انہیں دگنا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ تم یہیں میرے ساتھ رہو تمہارے بغیر تو میں کچھ بھی نہیں کرسکوں گا۔ ویسے میں تمہیں اس بات کے لئے مجبور نہیں کروں گا لیکن میری خواہش ہے کہ تم مجھے ان پُراسرار اور ناقابل یقین تماشوں کی تفصیل تو بتاؤ۔"

"نہیں صاحب! میں......... میں صرف جانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔"

"موجھا ایک کام تو کرو تم۔"

"جی صاحب۔"

"میرے ساتھ کچھ وقت تو گزارو مجھے یہاں کی صورت حال سے تو آگاہ ہوجانے دو۔ میں نے تو ابھی چند ہی روز یہاں گزارے ہیں اور مجھے یہاں کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔"

"اگر آپ حکم دیتے ہیں تو میں چند روز یہاں رک جاتا ہوں۔ بہرحال اس کے بعد میں چلا جاؤں گا۔" موجھا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے انتہائی ہمدردی سے اس سے کہا۔

"نہیں موجھا! میں جانتا ہوں کہ ہر انسان کے دل میں محبت کے جذبے پروان چڑھتے ہیں۔ میرے چچا گلاب شیر جیسی بھی شخصیت یا جیسی بھی کیفیت کے مالک تھے لیکن بہرحال تم ایک اچھے اور وفادار انسان معلوم ہوتے ہو۔ تمہیں یقیناً ان کا دکھ ہوگا لیکن بہرحال مجھے افسوس ہے کہ تم یہاں سے جانا چاہتے ہو۔"

"صاحب! آپ ابھی تک حسینہ سے نہیں ملے۔"

"حسینہ کون ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"ابھی تھوڑے ہی دن پہلے وہ یہاں ہمارے ساتھ اس گھر کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ اس نے بھی بہت لمبی عمر گزاری ہے۔ چند روز کی چھٹی لے کر گئی ہوئی تھی میرا خیال ہے ابھی تک اسے صاحب کی موت کی خبر نہیں ملی ورنہ وہ واپس آجاتی۔"

"اوہو۔ میں نے تو واقعی اس کا نام تک نہیں سنا۔ تم ایسا کرو۔ اسے جاکر گلاب شیر چچا کی موت کی خبر دو۔ ہوسکتا ہے وہ یہاں واپس آجائے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس آسیب زدہ مکان میں رونق کا اضافہ ہو۔"

"ٹھیک ہے صاحب میں اسے جاکر بتاؤں گا۔ وہ یقیناً آجائے گی گھر کی ساری دیکھ بھال اسی کے ذمے ہوا کرتی تھی۔" موجھا آنسو پونچھتا ہوا واپس چلا گیا میں اس وحشت

زدہ ماحول کے بارے میں غور کرنے لگا۔ اب تک تو خیر جو حالات پیش آئے تھے وہ اپنی جگہ ایک الگ نوعیت کے مالک تھے لیکن کیونکہ میرے لئے باہر کی دنیا میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں تو صرف ایک ہی الجھن رکھتا تھا اور وہ تھی ربابہ۔ باقی نہ مجھے کسی بڑے مال و دولت سے دلچسپی تھی نہ ہی میں امیر کبیر بننا چاہتا تھا۔ چچا بھی بہرحال میرا خون تھا اس کی طلبی پر میں نے یہاں آکر غلطی نہیں کی تھی لیکن جو پُراسرار واقعات یہاں پیش آئے تھے۔ وہ اب بھی میرے لئے ناقابل فہم تھے۔ ادھر اختیار خلجی اپنے کاموں میں مصروف تھا چنانچہ دوسرے ہی دن اس نے تمام صورت حال میرے سامنے لاکر پیش کردی۔ وصیت نامہ بھی اس نے خاص طور سے مجھے دکھا دیا تھا اور کہا کہ عدالت سے وہ میرے بارے میں تمام آسانیاں حاصل کرچکا ہے۔ یہ مسئلہ بھی اس نے حل کردیا تھا کہ چچا گلاب چونکہ منشیات کا عادی تھا اور منشیات کی مقدار زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کی موت واقعہ ہوگئی۔ یہ اقدام خودکشی بھی نہیں ہے بہرحال یہ سارے مسئلے حل کرلئے تھے اختیار خلجی پولیس رپورٹ بھی لے آیا تھا اور وصیت نامہ بھی کھولا گیا تو اس میں موجھا اور حسینہ کے بارے میں ایک معقول رقم ادا کرنے کی ہدایت کی گئی تھی اور اس کے علاوہ ساری جائیداد میرے نام کردی گئی تھی لیکن ایک خاص شرط اس میں بھی تھی وہ یہ کہ میں جب تک زندہ رہوں گا اسی عمارت میں مقیم رہوں گا۔ جائیداد کی تفصیل دیکھی تو میں حیران رہ گیا۔ یہ تو بہت بڑی جائیداد اور بنک بیلنس تھا۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ اگر میں چاہتا تو اسے اپنی پوری زندگی کے لئے بہتر طور پر استعمال کرسکتا تھا پھر موجھا حسینہ کو لے آیا اور حسینہ روتی پیٹتی میرے قدموں میں آگری۔ اچھی خاصی عمر رسیدہ عورت تھی میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ چچا گلاب شیر سے بھی ایسی محبت کرنے والے لوگ تھے جبکہ وہ تو بالکل الگ ہی فطرت کے مالک تھے۔ شیطانی عمل اور شیطانی ذہن کے مالک جن کی زندگی بھر اپنے اہل خاندان سے نہیں بنی تھی۔ بہرحال حسینہ دیر تک روتی رہی اور پھر جب میں نے اسے بتایا کہ موجھا یہاں سے جانا چاہتا ہے تو بڑھیا کے چہرے کی ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس کے مرجھائے ہوئے ہونٹ اور خشک ہوگئے۔ وہ اپنی دھنسی ہوئی زرد آنکھوں سے مجھے تکنے لگی۔ میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ خوف سے کانپ رہے ہیں۔ موجھا اس وقت یہاں موجود نہیں تھا دیر تک وہ اس کیفیت کا شکار رہی میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا بات ہے حسینہ تم کچھ پریشان نہیں ہوگئیں۔"

"سرکار آپ کو ایک بات کہوں۔ اگر آپ میری بات مانیں تو۔"

"ہاں' ہاں کہو کیا بات ہے۔"

"موجھا کو آپ ہرگز یہاں سے نہیں جانے دیجئے گا۔ وہ پاگل ہو گیا ہے غالباً اپنے آقا کی بے وقت موت کے صدمے سے اس کا دماغ ٹھکانے نہیں رہا۔ میں اسے سمجھا دوں گی لیکن آپ اسے جانے نہ دیں۔"

"ٹھیک ہے تم جس طرح سے مناسب سمجھو۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ وہ یہاں سے نہ جائے' لیکن اب ایک بات تو تم مجھے بھی بتاؤ حسینہ۔ تم بھی یہاں کافی عرصے سے کام کرتی ہو۔ اصل میں تمہیں اس بات کا تو علم ہو گا کہ چچا گلاب شیر سے ہماری بہت دوری رہی ہے اور ہم لوگ آپس میں ملے نہیں ہیں تم مجھے اس مکان اور چچا گلاب شیر کی گزشتہ زندگی کے بارے میں کچھ بتاؤ تاکہ میں یہ اندازہ لگا سکوں کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔"

"نہیں سرکار نہیں' آپ کو خدا کا واسطہ مجھے اس سلسلے میں ملوث نہ کریں۔ میں کچھ نہیں جانتی مجھے تو اس سلسلے میں کچھ معلوم ہی نہیں ہے اصل میں' میں تو کبھی ان کے کسی معاملے میں دخل بھی نہیں دیتی تھی۔ میرا کام اس گھر کی دیکھ بھال اس کی صفائی ستھرائی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ بس اتنی سی بات تھی مالک بس اتنی سی بات تھی۔"

بہرحال مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ حسینہ بھی اس بارے میں کچھ نہیں بتائے گی۔ میں نے سوچا کہ ان سارے معاملات کو جہنم رسید کروں۔ پھر دو تین دن گزر گئے یہاں کے حالات معمول پر لانے کے لئے مصروف تھا اور دل میں یہ سوچتا تھا کہ کچھ دن کے لئے یہ ٹھکانہ بھی سہی۔ ایسے ویرانے بھی کبھی کبھی بڑے سکون کا باعث ہوتے ہیں۔ میری تو ویسے ہی ساری زندگی ہی ایک ویرانہ تھی۔ زندگی میں کوئی دلچسپی کوئی کشش تو باقی نہیں رہی تھی۔ ربابہ کے بارے میں کچھ سوچتا تو اپنے آپ کو بالکل بے بس اور معذور پاتا کوئی ایسی بات ہی ذہن میں نہیں آتی تھی جس سے ربابہ کے بارے میں تفصیلات معلوم کی جا سکیں زندگی کا ایک بڑا حصہ ان واقعات اور ان الجھنوں میں گزر گیا تھا لیکن سچی بات یہ ہے کہ ابھی تک زندگی پر اعتماد نہیں آیا تھا۔ کوئی پختگی نہیں پیدا ہوئی تھی طبیعت میں۔ بنیادی وجہ کچھ بھی ہو لیکن میں یہ محسوس کرتا تھا کہ بہت سے معاملات میں میری اپنی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ کیا دنیا میں لوگ اس طرح زندگی گزارتے ہیں اگر ایسا ہے تو پھر بڑے بڑے مسائل کیسے حل کر لئے جاتے ہیں۔ بہرحال اپنی سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا یہ تک اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کون تھے جو ربابہ کو زبردستی وہاں سے پکڑ کر لے گئے تھے۔

پھر تین دن کے بعد ایک رات کا ذکر ہے کہ میں رات کا کھانا کھا کر کاغذ اور قلم لے کر اپنی زندگی کے واقعات پر غور کرتا رہا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ اپنی زندگی کے ان

واقعات کو میں بھی تحریر کروں۔ جس طرح میں نے وہ سرخ ڈائری پڑھی تھی جو رجب علی کی تھی اور جس میں کئی عجیب و غریب کہانیاں لکھی ہوئی تھیں اور جس کے بارے میں بعد میں معلوم ہوا تھا کہ وہ صرف ایک طلسم تھا فریب تھا' حقیقت کا جس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ہاں۔ اپنی توہمات کو یا اپنی زندگی کے ان پُراسرار واقعات کو ایک اور نیا رنگ دینے کی کوشش کرتا تو پھر رجب علی کا وجود سامنے آ جاتا جس نے میرے قریب آ کر مجھے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ پتہ نہیں یہ سارے کا سارا کیا چکر تھا۔ دیر تک کاغذ قلم لے کر بیٹھا اپنی داستان پر غور کرتا رہا لیکن ایک لفظ بھی نہ لکھ سکا یہاں تک کہ تھک گیا۔ دماغ چکرا گیا جب سونے کے لئے بستر پر لیٹا تو ایک بج رہا تھا۔ مکان کے چاروں طرف بھیانک سناٹا اور تاریکی مسلط تھی اور دور جنگل میں اُلو کی آواز آ رہی تھی جو اپنی مخصوص آواز میں چیخ رہا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی میں تھکن کی وجہ سے نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ اور پھر رات کے ساتھی میرے آنکھوں میں داخل ہو گئے یعنی خواب۔ یہ خواب بڑے عجیب و غریب تھے۔ خوابوں کی کوئی ایک حیثیت نہیں ہوتی۔ مختلف خواب دیکھتا ہوا آخر میں گلاب چچا کے پاس پہنچ گیا میں نے دیکھا۔ میرا چچا میرے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ اس نے وہی بغیر آستینوں کا سیاہ لبادہ پہن رکھا ہے اور اس کی آنکھوں کی چمک بے پناہ ہے۔ وہ اپنی چمکیلی آنکھوں سے مجھے گھور رہا ہے۔ پھر اس کے لب آہستہ سے کھلے اور اس نے تحکمانہ انداز میں مجھ سے کہا۔

"گل شیر! تم اٹھ جاؤ اور دیر کئے بغیر میری لائبریری میں آ جاؤ۔ یہاں پہنچنے کے بعد تم ساتویں الماری کے دوسرے خانے میں رکھی ہوئی کتابوں کو نکالو۔ انہیں بغور دیکھو ان کتابوں کے اندر جو ہدایات ملیں ان پر عمل کرو اٹھ جاؤ۔" دیکھا تو میں نے خواب تھا لیکن میرا پاؤں اس طرح ہلایا گیا کہ میں ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے دہشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا میں نے سوچا کہ شاید میرا پاؤں ہلانے والا موجھا یا پھر حسینہ ہو لیکن کسی کا یہاں کوئی وجود نہیں تھا۔ میرا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا اور بوڑھے گلاب شیر کی صورت میری آنکھوں میں گھوم رہی تھی۔ خواب میں کہے گئے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے اور یوں لگ رہا تھا جیسے میرے کانوں میں ایک ٹیپ ریکارڈر چل رہا ہو۔ بھلا سونے کا کیا سوال تھا۔ میں اس ہدایت پر عمل بھی نہیں کر سکتا تھا جو خواب کے عالم میں چچا گلاب شیر نے مجھے دی تھی۔ پھر اس کے بعد مجھے نیند نہیں آ سکی اور وقت گزرتا رہا صحیح طور پر وقت کا اندازہ بھی نہیں ہو پایا تھا لیکن پھر جب کھڑکی سے سورج کی پہلی کرن نمودار ہوئی تو مجھے اندازہ ہوا جیسے میرے دل سے سارا خوف نکل گیا ہو۔ میں

نے تکیہ اپنے چہرے پر رکھا اور اس کے بعد سونے کی کوشش کرنے لگا رات کو بھی بے خوابی کا شکار رہا تھا اور اس وقت بھی یہی کیفیت تھی چنانچہ تکیہ منہ پر رکھنے سے آنکھوں میں نیند گھس آئی۔ ڈر' وحشت چونکہ دل سے نکل چکے تھے اس لئے خوب سویا اور دوپہر تقریباً دو بجے تک سوتا رہا۔ دو بجے کسی کی آہٹ سے آنکھ کھلی تو موجھا کو دیکھا جو کمرے میں جھانک رہا تھا۔

"ہاں کیا بات ہے موجھا۔"

"سرکار نہ آپ نے صبح کا ناشتہ کیا ہے اور اب کھانے کا وقت بھی نکلا جا رہا ہے۔ اگر زیادہ نیند آرہی ہے تو کھانا کھا لیجئے اس کے بعد پھر آرام سے سوجایئے گا۔" موجھا نے ہمدردی سے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے موجھا کھانا لے آؤ۔" حسینہ نے کھانا تیار کر دیا تھا دونوں اس آسیب زدہ مکان میں آسیب ہی کی حیثیت سے رہا کرتے تھے۔ ان کی آہٹیں تک نہیں سنائی دیتی تھیں۔ جب بلاؤ تب ہی پاس آیا کرتے تھے۔ ویسے حسینہ کھانا اچھا پکاتی تھی اس وقت بھی کھانا اتنا عمدہ تھا کہ میں نے ضرورت سے زیادہ ہی کھا لیا یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بھوک کی وجہ سے یہ کھانا اچھا لگا تھا۔ کھانے سے فراغت حاصل کی نیند چونکہ پوری ہو چکی تھی اس لئے طبیعت پر بشاشت بھی تھی اور کوئی بوجھ نہیں تھا۔ اب ظاہر ہے چرسیوں کی طرح مزید تو لیٹ نہیں سکتا تھا چنانچہ میں نے سوچا کہ ذرا تھوڑی سی باہر کی سیر بھی کر آئیں۔ ویسے بھی عظیم پور اچھی خاصی صاف ستھری جگہ تھی اور وہاں سیر و سیاحت میں لطف آتا تھا ہر چند کہ لوگوں سے میری شناسائی نہیں تھی لیکن ایسی شناسائی ضروری بھی نہیں ہے اور پھر سچ بتاؤں دل میں ہمیشہ ایک خیال رہتا تھا۔ آنکھوں میں ایک تڑپ اور آرزو رہا کرتی تھی صورت حال چاہے کچھ بھی ہو لیکن ربابہ کا خیال دل میں چٹکیاں لیتا ہی رہتا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ ممکن ہے کہیں نظر آجائے۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ ربابہ اب میرے لئے ایک حسرت سی بن کر رہ گئی تھی بات وہی تھی زندگی میں کوئی ایسی شخصیت نہیں ملی تھی اب تک جو مجھے ربابہ سے روشناس کرا سکتی نہ جانے کیوں تقدیر کی ایک خرابی یہ تھی کہ میں اچھے دوستوں سے محروم رہا ہوں۔ سجاد پر بھروسہ کیا تھا لیکن سجاد کیا نکلا یہ سوچ کر بھی حیرت ہوتی تھی کیسی دلکش اور دلدوز کہانی سنائی تھی اس نے مجھے کیا وہ کہانی واقعی فریب تھی۔ آج بھی اس بات کو تسلیم کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن جو کچھ ہوا تھا اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا جو ہوا تھا وہ تو اپنی جگہ ایک مسلّم حیثیت رکھتا تھا۔ پھر اپنے آپ کو دھوکا دینے سے کیا فائدہ۔ ہوا تو تھا وہ سب کچھ جس کی تفصیل سامنے آئی

تھی۔ غرض یہ کہ ان ساری باتوں کو سوچتا ہوا باہر نکل آیا کبھی کبھی زندگی کی حسرتیں بھی اس طرح زندگی کا حصہ بن جاتی ہیں کہ اگر ان میں کوئی تبدیلی رونما ہو تو حیرت ہو چنانچہ اپنے آپ کو ایک حسرت رسیدہ انسان سمجھ لیا تھا میں نے اور یقین رکھتا تھا کہ زندگی میں ایسے واقعات نہ ہونے کے برابر ہوں جن میں میرے لئے سکون کی گھڑیاں سامنے آئیں بے سکونی تو میری تقدیر کا ایک حصہ بن چکی تھی اور اسی میں مجھے زندگی گزارنا تھا۔ عظیم پور کے نواحات بڑے دلکش تھے۔ میری آنکھیں بھٹکتی رہیں اور میں سوچتا رہا کہ کاش کوئی قصے کہانی والی کیفیت ہی نمودار ہو جائے۔ کاش ایسا ہو جائے کہ ربابہ میری آنکھوں کے سامنے آجائے۔ محبت کی کشش کے بارے میں لوگ طرح طرح کی کہانیاں سناتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں جب بھی اپنے دل کی گہرائیوں کو ٹٹولتا تو میرے اپنے سینے میں محبت کا طوفان امنڈتا محسوس ہوتا۔ درحقیقت ربابہ کا نہ ملنا تو ایک مجبوری تھی۔ میں اس کی طلب کی آرزو دل میں شدید رکھتا تھا۔ کاش کوئی ایسی ترکیب ہو جاتی کہ مجھے ربابہ کے بارے میں حقیقت معلوم ہو جاتی۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں میں مسلسل سوچوں میں ڈوبا رہا تھا گھوم پھر کر واپس آیا تو چچا گلاب شیر یاد آیا۔ میں یونہی احتیاطی تدبیر کے سبب میں اس کے مقبرے کی طرف گیا اور دروازے کی مہر کا معائنہ کیا۔ اسے کسی نے نہیں چھیڑا تھا۔ میں مطمئن ہو گیا پھر اس رات میں جونہی بستر پر لیٹا ایک بار پھر خوابوں نے میری آنکھوں کو گھیر لیا۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی سوئے ہوئے کہ گلاب شیر مجھے خواب میں نظر آیا۔ اس مرتبہ اس کی حالت پہلے سے بھی خراب تھی اور چہرہ بڑا بھیانک نظر آرہا تھا۔ اس کی آواز ابھری۔

"میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ تم میرے لئے یہ کام کرو میری لائبریری جاؤ اور ساتویں الماری کے خانے میں جو کتابیں رکھی ہیں انہیں بغور دیکھو۔ ان کتابوں کے اندر جو ہدایات ہیں ان پر عمل کرو۔" اس نے وہی الفاظ دہرائے اور میں ساری رات مضطرب رہا۔ پھر جب تیسری رات میں نے خواب میں اسے دیکھا تو اس کا چہرہ قہر آلود تھا اس کی نگاہوں سے شعلے برس رہے تھے۔ لہجے میں حد درجے تلخی اور تحکم تھا اس نے مجھ سے کہا۔

"کیا تم پاگل ہو یا دیوانے؟ میں نے تمہیں ساری زندگی گزارنے کے لئے بہترین وقت مہیا کیا ہے اور تم میری اتنی سی بات نہیں سمجھ پا رہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کی تکمیل کرو ورنہ نتیجے کے ذمے دار تم خود ہو گے۔" میری آنکھ کھل گئی میرا پورا جسم پسینے میں ڈوبا ہوا تھا اور میں شدید ذہنی انتشار کا شکار تھا۔ اب یہ بات صرف ایک وہم'

خیال' یا تصور نہیں رہی تھی۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس ہدایت کا کوئی وجود ہے۔ چنانچہ میں اسی وقت اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ مٹی کے تیل کا ایک لیمپ میں نے جلایا اور اسے ہاتھ میں لے کر آہستہ قدموں سے لائبریری کی جانب چل پڑا۔ میں نہ جانے کیسے کیسے احساسات کا شکار تھا۔ پورے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے اور بار بار سرد لہریں میرے بدن سے گزر رہی تھیں۔ آخر کار میں لائبریری میں داخل ہوگیا اور پھر اس ساتویں الماری کے قریب پہنچ گیا جس کے اوپر کالے رنگ کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ کوئی بات بذات خود کوئی حیثیت رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو کسی تھیلی میں اگر سانپ بند پڑا ہو۔ آپ آسانی سے اس تھیلی کو اٹھا کر بے خیالی کے انداز میں اسے کھولیں گے کیونکہ آپ کو سانپ کے بارے میں کچھ علم نہیں ہوگا لیکن اگر آپ کو بتا دیا جائے کہ فلاں چیز میں یہ خوف ہے۔ یا اس کی جانب آپ کی توجہ خصوصی طور پر مبذول کرائی جائے تو پھر ایک ایک لمحہ خوف کے عالم میں گزرتا ہے۔ جب میں نے کالے رنگ کے اس پردے کو چھوا تو میرے جسم میں اس طرح سے سنسنی سی پھیل گئی جیسے میں نے بہت ہی پُراسرار یا پھر گندی شے کو ہاتھ لگا دیا ہو۔

لکڑی کی بنی ہوئی اس الماری کے چار خانے تھے۔ جن میں صدیوں پرانی بوسیدہ کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ اس کے دوسرے خانے کی پہلی کتاب کو اٹھا کر جونہی میں نے پہلا صفحہ الٹا تو میرے ہاتھ بری طرح لرز گئے اور کتاب میرے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑی۔ آہ میں بتا نہیں سکتا کہ اس وقت مجھ پر کس قدر ہیبت طاری ہوئی تھی اور خاص طور سے اس کتاب کو دیکھ کر جو میری حالت ہوئی تھی وہ ناقابل بیان ہے۔ میں نے ایک بار پھر ایک اور کتاب کو اٹھا کر دیکھا اور کچھ ہی لمحوں میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ اس خانے میں جتنی کتابیں رکھی ہیں سب کا موضوع ایسا ہے جو دل میں خوف و دہشت کے ساتھ نفرت کے جذبات پیدا کردے یعنی کالا جادو یا سفلی علوم ان کتابوں کا موضوع تھے اور یہ سب کی سب قدیم زمانوں کی کتابیں تھیں جن کے ترجمے شاید چچا ہی نے لائن بہ لائن کئے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ میرا چچا علمی طور پر میرے باپ سے کہیں زیادہ تھا۔ یا کچھ اور نہیں تو اس نے ان پُراسرار علوم کا ہر زبان میں مطالعہ کیا تھا اس میں کہیں کہیں خاص قسم کے نشانات لگائے گئے تھے اور ان میں میرے چچا کے دستخط اور تاریخ درج تھی۔ بہرحال میں ان میں سے چند نشان زدہ کتابوں کو اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا۔ چچا نے جن الفاظ میں ان لائنوں کا ترجمہ کیا تھا انہیں میں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ میں ان عبارتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا اور بڑی مشکل سے میں نے ان شکستہ کتابوں سے اپنے مقصد کی چیزیں برآمد کیں۔ میں ان کتابوں کی تحریروں میں اس طرح گم ہوا کہ صبح ہوگئی اور آخر کار میں

نے ان تحریروں سے جو نتائج اخذ کئے ان کا ایک پیراگراف تیار کرلیا۔ یہ پیراگراف کچھ یوں لکھا تھا۔

"کائنات کی بے پناہ وسعتوں میں لاکھوں بدروحیں' آسیب اور شیطانی قوتیں رہتی ہیں۔ یہ پُراسرار قوتیں انسانوں کے درمیان اپنی زندگی بنانے کے لئے خود بھی مصروف عمل رہتی ہیں اور وہ جانتی ہیں کہ انسانوں کو کس طرح اپنے راستے سے ہٹا کر اپنی پسند کی چیزوں پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ وہ ہر لمحے اپنے عمل میں مصروف رہتی ہیں اور جس روح کو کمزور دیکھتی ہیں اس پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہیں۔ خصوصاً سورج غروب ہونے کے بعد سے لے کر صبح کی روشنی پھوٹنے تک ان روحوں کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے۔ یہ جہاں چاہیں جاسکتی ہیں۔ ہاں اگر انسان ان کو روکنا چاہیں تو ان کے لئے مختلف تدبیروں پر عمل کیا جاتا ہے۔ مرنے کے بعد جب کوئی روح جسم سے نکل جاتی ہے تو بدروحیں اسے اپنے ساتھ ملانے کے لئے بے تاب ہوتی ہیں اور اگر اس وقت مرنے والے کی قبر اور جسم کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ ہمیشہ کے لئے عذاب میں گرفتار ہوجاتا ہے۔" پھر ایک کتاب پر سرخ روشنائی سے ایک حاشیہ لکھا تھا جو میرے چچا گلاب شیر کی تحریر تھی۔

"بیٹے گل شیر! جب میں مرجاؤں اور تم میری ہدایت کے مطابق مقبرے میں دفن کرکے دروازہ بند کردو۔ تو اس کے بعد میرے مقبرے کو بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لئے کسی بھی قبرستان میں چلے جانا اور کہیں سے ایک پرانی کھوپڑی حاصل کرلینا۔ پھر یہ پرانی کھوپڑی جو سوکھ کر خشک ہوگئی ہوگی۔ تم اپنے استعمال میں اس طرح لانا کہ اسے پیس کر اس کا سفوف بنا لینا اور اس کے بعد ایک کم سن بچے کے خون میں یہ سفوف ملا کر چودھویں رات کو تہہ خانے کے دروازے پر کھوپڑی کی تصویر بنا دینا۔ یہ عمل تین مرتبہ کرنا ہے اور ہر چاند کی ہر چودھویں رات کو کرنا ضروری ہے۔" میں نے جب یہ عبارت پڑھی تو دہشت سے میرا رواں رواں کانپنے لگا اور میں نے دیوانگی کے عالم میں کتابیں اٹھا کر فرش پر پھینک دیں۔ خدا کی پناہ' خدا کی پناہ اس کا مطلب ہے کہ منحوس گلاب شیر جسے اس تحریر کے بعد چچا کہنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ واقعی ایک کمینہ اور مردود انسان تھا۔ میرے والد اور میرے اہل خاندان اس سے بلاوجہ نفرت نہیں کرتے تھے۔ وہ تھا ہی قابل نفرت' مجھے اس سے منسوب تمام داستانیں یاد آگئیں۔ بچپن ہی سے برائیوں کی سمت نکل گیا تھا۔ پتہ نہیں کیا چاہتا تھا پُراسرار علوم سیکھ کر وہ کون سا ایسا کام کرنا چاہتا تھا۔ مرگیا تھا بے موت بلکہ خودکشی کرکے مرا تھا۔ اتنا کچھ چھوڑ گیا تھا لیکن اس سے اسے کیا حاصل' البتہ یہ نہیں معلوم تھا مجھے کہ اس نے اس غلیظ مقصد کے لئے مجھے اپنے پاس بلایا ہے وہ

مردود بڈھا مرنے کے بعد بھی مجھ سے ایسے غلیظ اور ناپاک کام لینا چاہتا ہے۔ اگر وہ ذرہ برابر مجھے اس کی بھنک دیتا تو میں کبھی اس سے وعدہ نہ کرتا۔ کیسی خوفناک بات تھی یہ کیسا بھیانک تجربہ کرنے کے لئے کہا تھا اس نے مجھ سے میں تو ایک نرم خُو اور پُرمحبت انسان تھا۔ جس کے دل میں ایک ایسا دکھ پل رہا تھا جسے صحیح معنوں میں الفاظ میں نہیں ڈھالا جاسکتا تھا۔ نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آگئی۔ ربابہ اگر تیری قربت مجھے حاصل ہوجائے تو یقین کرو میں اس دنیا کے لئے بہت اچھا انسان ثابت ہوسکتا ہوں۔ محنت مزدوری کرکے میں تجھے اور اپنے آپ کو زندگی کی ہر خوشی سے روشناس کرا سکتا ہوں۔ کاش! میں اس اخباری اشتہار پر لعنت بھیجتا۔ یہ سوچ لیتا کہ میرے اہل خاندان میرے باپ دادا اس بے غیرت بڈھے سے بلاوجہ نفرت نہیں کرتے ہوں گے۔ یقیناً اس کے وجود میں ایسی ہی نفرت بھری باتیں پوشیدہ ہوں گی جس سے وہ دنیا کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہوگیا تھا۔ پتہ نہیں کب اور کہاں یہاں عظیم پور میں آکر رہنے لگا تھا۔ ان کتابوں سے مجھے پتہ چل گیا تھا کہ میرا چچا کالے جادو کا پیروکار تھا اور اس پر عمل پیرا بھی تھا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنی اس طویل زندگی میں اس جادو کے زور سے کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے ہوں گے اور اب مرنے کے بعد بھی وہ اب اسی مشغلے میں الجھا ہوا ہے۔ موت کے بعد بھی اس کے اندر غلاظتیں اسی طرح منظر عام پر ہیں۔ میری بھوک پیاس سب اڑ گئی تھی۔ کئی بار میری نگاہیں اس مقبرے کی طرف اٹھی تھیں جہاں اس جادوگر کی لاش اس تابوت میں رکھی ہوئی تھی۔ ایکبار میرے دل میں آیا کہ دروازے کی مہر توڑ دوں اور لاش کو تابوت سے نکال کر مٹی کا تیل چھڑک کر اس میں آگ لگا دوں لیکن ایسا کرنا بھی میرے بس میں نہیں تھا۔ پتہ نہیں عظیم پور کے لوگوں کو اس جادوگر شیطان کے بارے میں تفصیلات معلوم تھیں یا نہیں اور پھر یہاں دو افراد اور بھی تھے جن کے لہجے میں بہرحال میں نے گلاب شیر کے لئے نفرت کے آثار نہیں پائے تھے۔ اگر بات باہر نکل گئی تو عظیم پور کے لوگ میرے اس فعل پر نہایت نفرت کا اظہار کرتے اور کہتے کہ چچا نے اپنی ساری جائیداد بھتیجے کو بخش دی اور بھتیجے نے اس کی لاش کو بھی پھونک کر رکھ دیا۔ یہ اس احسان کا صلہ دیا ہے۔

☆======☆======☆

اس دوران میں نے خاص طور سے کچھ باتیں محسوس کی تھیں۔ وہ یہ کہ موجھا اور حسینہ عام حالات میں میرے پاس نہیں آتے تھے ان کا رویہ میرے ساتھ بہت عجیب تھا۔

وہ صرف ضرورت کے وقت میرے پاس آتے لیکن میں ان کے چہروں کو دیکھتا تو اندازہ ہوتا کہ وہ مجھ سے ذرا بھی مانوس نہیں ہوئے ہیں اور سہمے سہمے رہتے ہیں۔ بہرحال کتابوں کی تحریر نے میرے دل و دماغ کی دنیا تہہ و بالا کرکے رکھ دی تھی اور میں شدید بے چینی محسوس کرتے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بے چینی اور بے قراری کچھ اس انداز میں آگے بڑھی کہ رات کو میں ٹہلنے کے لئے نکل گیا۔ کافی فاصلے پر ایک جوڑی نہر بہتی تھی۔ اس وقت شام بے شک ہوگئی تھی لیکن رات نہیں ہوئی تھی۔ شام کا یہ وقت بڑا سہانا تھا۔ پرندوں کی آوازوں سے جنگل گونج رہا تھا اور تاریکی آہستہ آہستہ ماحول کو اپنی آغوش میں لیتی جارہی تھی۔ نہر کی طرف سے چلنے والی ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے ماحول کو بے حد حسین کردیا تھا۔ نہ جانے کیوں بہتے ہوئے پانی کے کنارے بیٹھ کر مجھے ایک گہرے سکون کا سا احساس ہوا اور پھر دل میں وہی احساسات اور جذبات ابھرنے لگے۔ ربابہ یاد آئی اور میری نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں کہ اندھیرے میں کوئی سایہ میری طرف بڑھے۔ ربابہ کے ہونٹوں سے خارج ہونے والا نغمہ میری زندگی میں چاندنی بکھیر دے۔ میں دبے قدموں سے اس کی جانب کھنچتا چلا جاؤں۔ وہ مسکراتے ہوئے اپنے دونوں بازو آگے بڑھا کر میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لے لے' لیکن کوئی نغمہ نہیں ابھرا کوئی سایہ نہیں نظر آیا۔ میں تو روزِ ازل سے ہی ان سایوں کا فریب کھاتا رہا ہوں۔ بے کار ہے سب کچھ بے کار ہے تب میں نے ایک اور بات سوچی۔ یہ ایک ایسا سحر ہے جو ناقابل یقین حیثیت رکھتا ہے۔ میں شروع ہی سے اس سحر میں گرفتار ہوں۔ کیوں نہ ایسا کروں اپنے آپ کو اس سارے سحر سے آزاد کرالوں۔ چچا گلاب شیر نے مجھے اچھی خاصی دولت اور جائیداد بخش دی ہے۔ اس نے یہ شرط بھی عائد کی تھی کہ جب تک میں زندہ رہوں اسی آسیب زدہ مکان میں رہوں۔ دولت لے کر نکل جاتا ہوں یہاں سے چچا کی کسی بات پر عمل نہیں کرتا۔ ویسے بھی مشکلات میں گھرا ہوا ہوں۔ خوف و دہشت' آسیبی سائے میرے گرد رقصاں ہیں۔ اگر انہی سے جنگ کرکے زندہ رہنا ہے تو کیا پرواہ ہے کہ ہر شرط کی پابندی کروں۔ خاموشی سے نکل جاؤں یہاں سے اور دیکھوں کہ وقت مجھ سے کیا چاہتا ہے اور میں کیا کرسکتا ہوں۔ یقیناً ایسا کرنے سے ہوسکتا ہے کچھ سکون حاصل ہو۔

ربابہ بھی اگر مجھے نہ ملے تو نہ سہی آخر دنیا بے حد وسیع ہے۔ جیب میں دولت ہو سب کچھ پاس ہو تو دنیا کی ہر شے آسانی سے حاصل ہوجاتی ہے۔ ربابہ ایک ناقابل یقین وجود ہے۔ صرف ایک ہوا اور ہواؤں کو بس میں کرکے کیا ملے گا۔ اس میں کوئی شک

نہیں ہے کہ اس کے انداز میں میرے لئے دیوانگی کا ایک تصور تھا' ایک ایسی انوکھی محبت تھی جس کے بارے میں سوچ کر دل کو ایک عجیب سا احساس ہوتا تھا لیکن آخر یہاں تک میں ایک جیتی جاگتی دنیا کا انسان ہوں۔ میں ہواؤں کو کہاں پکڑتا پھروں گا۔ نہ جانے کتنی دیر تک میں ان تمام چیزوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ پرندوں کی آوازیں اب بھی گونج رہی تھیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آسمان کے مشرقی کنارے سے چاند نے جھانکا اور اپنی سنہری کرنیں دریا اور سمندر پر بکھیرتا ہوا آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔ نہر کا پانی چاندنی کو سمیٹے ہوئے آگے بہہ رہا تھا۔ میں دور تک چاندنی کے ساتھ سفر کرتا ہوا نکل گیا میرے ذہن میں وہ معمہ اب بھی شدت سے موجود تھا اور میں اسے حل کرنے میں ایسا کھویا ہوا تھا کہ لمحوں کا احساس بھی نہ ہو رہا تھا۔ پھر جب میں واپس پلٹا تو چاند پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان کے عین درمیان روشن تھا اور ہر شے چاندنی میں نہا رہی تھی۔ غالباً چاند کی تیرہ تاریخ تھی۔ اس لئے چاند بھی بھرپور ہی تھا۔ تمام راستے مجھے کوئی نظر نہیں آیا اور میں سوچنے لگا کہ عظیم پور کے لوگ بدذوق ہیں۔ ورنہ نہر کے کنارے کا یہ ماحول آسمان سے بہتی ہوئی چاندنی اور فطرت کا یہ حسن انسانوں کی آنکھوں سے دور تھا۔ آخر کار میں اس منحوس عمارت کے سامنے پہنچا جسے دیکھتے ہی دل میں نفرت کی لہریں اٹھنے لگی تھیں اور اب میرے دل میں اور بھی نفرت پروان چڑھنے لگی تھی۔ چچا گلاب شیر کے بارے میں جیسی داستانیں گھر والوں اور خاندان والوں سے سنی تھیں وہ سب کی سب ایک دم سچائی کا روپ اختیار کر گئی تھیں۔ اتنا گھناؤنا انسان ہے وہ اس نے کیا کیا کچھ نہ کیا ہوگا اپنی ابتدائی زندگی میں' یہی وجہ تھی کہ میرے گھر کے لوگ اس سے نفرت کا سلوک کرتے رہے تھے۔ میں عمارت میں داخل ہوگیا اور ابھی میں تھوڑا سا ہی آگے بڑھا تھا اور اس اجڑے ہوئے باغ میں پہنچا تھا کہ اچانک میری نگاہوں کے سامنے کچھ فاصلے پر کسی انسان کا سایہ زمین پر پڑتا دکھائی دیا۔ میں نے غور سے دیکھا تو یہ سایہ اس طرف بڑھ رہا تھا۔ جدھر مغربی گوشے میں لائبریری کا کمرہ تھا۔ میرا دل دھڑک اٹھا رات کا یہ وقت یہاں اس عمارت میں بالکل ہی بے جان ہوتا تھا۔ حسینہ اور موجھا اپنی آرام گاہوں میں جا چکے ہوتے تھے پھر یہ کون شخص ہے جو اس وقت باغ کے اس گوشے میں چوروں کی طرح آگے بڑھ رہا تھا۔

میں نے فوراً ہی ایک درخت کا سایہ تلاش کیا اور اس کی آڑ میں کھڑا ہوگیا۔ بلاشبہ یہ موجھا یا حسینہ میں سے کوئی نہیں تھا۔ پھر یہ کون ہے جو مکان کے اندر جانا چاہتا ہے۔ چند لمحوں کے بعد وہ جھاڑیوں کے اندر سے نکلا اور کھلی جگہ میں آگیا۔ روشن چاند نے

اس کا چہرہ دیکھنے میں میری مدد کی اور میں نے اسے بغور دیکھا۔ مجھے ایک عجیب سے خوف کا احساس ہوا اس کا چہرہ دودھ کی مانند سفید تھا اور اس کے سر کے بال بھی چاندی کی تاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ اس کا قد یقینی طور پر چھ فٹ اور دو تین انچ کے قریب ہوگا۔ وہ سر سے پاؤں تک سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا تھا۔ بس اس کا چہرہ نمایاں تھا میں اسے بغور دیکھنے لگا۔ اس کا مجھ سے کوئی تیس گز سے زیادہ کا فاصلہ تھا وہ جھاڑیوں میں سے نکلنے کے بعد رک گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو یا اسے کسی خاص چیز کی تلاش ہو۔ میرا دل تیزی سے دھڑکتا رہا۔ تھوڑی دیر تک وہ مکان کی جانب دیکھتا رہا اور پھر کوئی فیصلہ کرنے کے بعد آہستہ آہستہ قدموں کے ساتھ مغرب کی جانب بڑھنے لگا۔ اب میں نے غور سے اس کی چال کا بھی جائزہ لیا تھا۔ یہ بالکل اجنبی صورت تھی میں نے اس سے پہلے کبھی ایسے شخص کا اندازہ نہیں لگایا تھا مجھے احساس ہوا کہ وہ تھوڑا سا لنگڑا کر چل رہا ہے اس کی کمر میں بھی ایک خم تھا۔ میں نے کچھ لمحے سوچا پھر نہ جانے کہاں سے میرے اندر ایک عجیب سی قوت ابھر آئی اور میں آہستہ آہستہ اس کے تعاقب میں چل پڑا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ شخص کون ہے اور مقبرے کے پاس جاکر کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ مقبرے کے بارے میں جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ اصل مکان کے عقبی حصے میں تھا۔ انتہائی ویران اور پُراسرار جگہ تھی اور اس کے گرد گھاس اور جھاڑیاں کثرت سے تھیں کہ ان میں سے داخل ہونا ناممکن تھا کوئی انسان آسانی سے اس میں داخل نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ وہاں کانٹے وغیرہ بھی تھے' لیکن یہ دیکھ کر میرے دل میں خوف طاری ہونے لگا کہ یہ شخص جو ننگے پاؤں تھا اتنے اطمینان اور بے پرواہی سے اس جنگل کے اندر چل رہا تھا۔ جیسے اس کے پیروں کے نیچے مخمل کا فرش بچھا ہوا ہو۔ یکایک بادل کے ایک آوارہ ٹکڑے نے چاندنی کا راستہ روک لیا اور ایک دم ہی گھپ اندھیرا چھا گیا۔ میں نے اس موقع سے جلدی سے فائدہ اٹھایا اور پھرتی سے آگے بڑھ کر اس مقبرے کے قریب پہنچ گیا اصل میں میرے اندر ہمت کی جو لہر پیدا ہوئی تھی وہ ابھی کچھ تصورات کا نتیجہ تھی۔ بس ایک لمحے کے اندر اندر مجھے ربابہ اور رجب علی یاد آئے تھے۔ ہرچند کہ یہ موہوم سہارے تھے۔ ان پر کسی طور بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن انسان کے ذہن میں جو بھی خیال آجائے وہ اس پر عمل پیرا ہوجاتا ہے۔ خاص طور سے ایسے لمحات میں' میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر یہ پُراسرار وجود میرے لئے کسی خوف کا باعث ہوا تو میرے بھی تو مدد گار موجود ہیں میں نے دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ اب اس شخص کو چھوڑوں گا نہیں اور اسے پکڑنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ اندھیرے سے میں نے فائدہ اٹھایا اور اس شخص کے

زیادہ سے زیادہ قریب پہنچ گیا۔ اتنے میں چاند نے پھر بادل سے جھانکا اور میں نے دیکھا کہ یہ پُراسرار شخص گھٹنوں کے بل جھکا ہوا مقبرے کے دروازے کا معائنہ کر رہا ہے غالباً وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ اسے کس طرح کھولا جاسکتا ہے۔ اتنے میں مغرب کی جانب سے ایک بہت بڑی چمگادڑ پرواز کرتی ہوئی آئی اور اس کے پروں کا سایہ اس شخص پر پڑا۔ اس نے فوراً گردن اٹھا کر اوپر دیکھا اور مسکرایا۔ اس کے چمکتے ہوئے نوکیلے سفید دانت دیکھ کر مجھ پر ایک بار پھر دہشت کا حملہ ہوا۔

دوسرے ہی لمحے وہ دروازے کے قریب لیٹ گیا اور اس وقت میری آنکھوں نے جو دہشت انگیز منظر دیکھا وہ میں کبھی نہیں بھول سکوں گا۔ میں نے دیکھا کہ وہ شخص آہستہ آہستہ سکڑنے لگا ہے اس کا بدن چھوٹا ہوتا جارہا تھا۔ پہلے مجھے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آیا۔ میں کچھ قدم آگے بڑھا اور میں نے سوچا کہ دیکھوں کہ یہ میرا وہم ہے یا پھر یہ حقیقت ہے کہ اس کا بدن سکڑ رہا ہے لیکن اسی وقت میرے پیروں کے تلے کچھ سوکھے پتے آئے اور ان کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز رات کے اس ہولناک سناٹے میں کافی تیزی سے ابھری۔ میری آہٹ پاکر ہی سکڑے ہوئے اس جسم والے شخص نے جو یقیناً کوئی بری روح تھی میری طرف دیکھا اور پھر دوسرے لمحے اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس وقت وہ کون سی طاقت تھی جس نے مجھے اس بدروح سے لپٹ جانے پر مجبور کردیا تھا۔ میں نے ایک ہی لمبی چھلانگ لگائی اور اس پر جاپڑا۔ اس کا داہنا ہاتھ میرے ہاتھ میں آگیا لیکن عین اسی وقت کسی نے وزنی شے میرے سر پر دے ماری اور میں چکرا کر رہ گیا۔ اس کا سوکھا ہوا پنجہ میرے ہاتھ میں تھا اور میں اسے اپنے ہاتھ کی گرفت میں محسوس کر رہا تھا لیکن سر کی چوٹ نے مجھے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ اور اس کے بعد آہستہ آہستہ میرا سر گھومنے لگا۔ میری آنکھوں کے آگے تاریکی پھیلنے لگی اور اس کے بعد مجھے یہ احساس نہیں ہوا کہ میں کہاں ہوں۔ پتہ نہیں کتنی دیر لگی تھی مجھے ہوش میں آنے میں' لیکن زندگی ہوتی ہے تو ہوش بھی ہوتا ہے کوئی ایک گھنٹے کے بعد مجھے ہوش آیا تھا۔ یہ صرف میرا اندازہ ہے میں نے اپنے آپ کو مقبرے کے دروازے کے قریب ہی پڑے ہوئے پایا۔ سر کی چوٹ اب بھی شدت سے دکھ رہی تھی۔ وہ حصہ جہاں نادیدہ دشمن نے ضرب لگائی تھی سخت ٹیسوں سے بھرا ہوا تھا اور یہ ٹیسیں مجھے احساس دلا رہی تھیں کہ جو کچھ واقعہ گزرا ہے وہ خواب نہیں تھا لیکن اس حقیقت کی تصدیق ایک اور بھیانک انکشاف سے ہوئی تھی پُراسرار وجود کا ہاتھ میں نے بڑی طاقت سے پکڑا تھا اور اس وقت بھی میری مٹھی میں وہ انسانی پنجہ دبا ہوا تھا جو میں نے پکڑا تھا۔ اس لمحے میں جو کیفیت مجھ پر گزری تھی۔

وہ میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔ وہ خوفناک وجود جو چچا گلاب شیر کے مقبرے کا دروازہ کھولنا چاہتا تھا اس کا پنجہ میرے پاس موجود تھا۔ میرے ہاتھ میں ایک اور اجنبی ہاتھ جس کی لمبی سفید پانچ انگلیاں اور تھوڑی سی کلائی کا حصہ ان انگلیوں پر صرف کھال منڈھی ہوئی تھی اور گوشت کا نام ونشان نہیں تھا۔ دہشت بھری نگاہوں سے اس سوکھے ہوئے پنجے کو دیکھنے لگا۔ جو ٹوٹ کر میرے ہاتھ میں آگیا تھا۔ بلاشبہ وہ ٹوٹا ہی تھا۔ میری گرفت بھی یقینی طور پر بہت مضبوط تھی لیکن اس طرح پنجے کا ٹوٹ کر ہاتھ میں آجانا میرے لئے شدید خوف کا باعث تھا۔ اس وقت چاند ایک بار پھر بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا اور ہر طرف گہری تاریکی مسلط ہوگئی میں نے ایک بار پھر اس سفید پنجے کو اپنے ہاتھ میں قریب کرکے دیکھا پھر دوسرے ہاتھ سے میں نے اسے ٹٹولا۔ پانچوں انگلیاں اور ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ دہشت کی لہریں میرے بدن میں دوڑتی رہیں اور پچھلے پہر کی سردی کے باوجود میرا پورا بدن پسینے سے ڈوب گیا۔ آخر کار میں نے خود کو سنبھالا پنجہ میں نے اپنے پاس ہی رہنے دیا تھا۔ بڑی مشکل سے میں اٹھا پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔۔ بدن پسینے میں ڈوبا ہوا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میرے پیچھے پیچھے کوئی نادیدہ قوت چل رہی ہے۔ یہاں تک کہ میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا اپنے آپ کو سنبھالا اور ہمت کرکے میں نے ٹیبل لیمپ روشن کیا اور ایک بار پھر اس کی تیز روشنی میں پنجے کا معائنہ کیا۔ صاف ظاہر ہوتا تھا جیسے کسی لاش سے یہ پنجہ علیحدہ ہوگیا ہو لیکن ایسی لاش سے جس کے جسم پر گوشت کا نام و نشان نہ ہو۔ یا جسے مرے ہوئے ایک سال سے زیادہ گزر چکا ہو۔ پنجے سے کوئی بدبو نہیں اٹھ رہی تھی ہڈیاں صاف ستھری تھیں۔ میں شدید کراہت محسوس کرنے لگا اور میں نے پنجے کو ایک کونے میں پھینک دیا۔ مجھے بھلا اس کا کیا کرنا تھا میں نے باتھ روم میں جاکر ہاتھ دھوئے اور لڑکھڑاتا ہوا باہر آگیا۔ میرے وجود میں شدید تھکن کا احساس پوشیدہ تھا۔ اپنے بستر پر لیٹ کر میں اس واقعہ پر از سر نو غور کرنے لگا۔ یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ شخص جسے میں نے مقبرے کے نزدیک کھڑے ہوئے دیکھا تھا اور جس پر میں نے حملہ کیا کوئی زندہ مخلوق نہیں تھی یقینی طور پر وہ اس روپ میں کوئی خبیث روح تھی جو میرے چچا گلاب شیر کی لاش کو نقصان پہنچانے کے ارادے سے آئی تھی۔

آہ عام انسانوں کے ساتھ یہ سب کچھ نہیں ہوتا لیکن گلاب شیر تو عام انسان نہیں تھا۔ یقینی طور پر کیونکہ وہ خود کالے جادو کا ماہر تھا اور کالے جادو سے کام لیتا تھا اس لئے اسے معلوم تھا کہ موت کے بعد روحیں اسے نقصان پہنچائیں گی یا زندگی میں وہ بدروحیں اس کے اردگرد منڈلاتی رہی ہیں تاکہ اسے نقصان پہنچایا جاسکے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے

کہ کیا اس نے واقعی خودکشی کی تھی۔ اب تو اس بات میں شبہ محسوس ہونے لگتا تھا اگر چچا گلاب شیر نے خودکشی نہیں کی تو کیا انہیں کسی بدروح نے ہلاک کیا۔ یہ وہ سوالات تھے جن کا کوئی جواب میرے ذہن میں نہیں آتا تھا۔ دفعتاً مجھے یاد آیا کہ گلاب شیر نے ان کاغذات کا ذکر کیا تھا جو اس کی میز کے دراز میں رکھے ہوئے ہیں۔ شاید ان کاغذات کے مطالعہ سے اس مسئلے کا سراغ مل سکے اور میں گلاب شیر کی اس گمشدہ زندگی کے بارے میں کچھ معلوم کرسکوں۔ جس کے بارے میں مجھے ہی کیا کسی کو بھی نہیں معلوم تھا۔ آہ یہ کام ہوسکتا ہے میرے لئے باعث سکون ہو کم ازکم اور کچھ نہیں تو گلاب شیر کی زندگی کے واقعات ہی معلوم ہوسکیں گے لیکن اس وقت تو کچھ ممکن نہیں ہے صبح کو جاگنے کے بعد پہلا کام یہی کروں گا اب اس سے زیادہ میں اپنے کسی عہد کی پابندی نہیں کرسکتا تھا چنانچہ میں نے آنکھیں بند کرلیں پھر نیند کی دیوی مجھ پر مہربان ہوگئی تھی۔ بہرحال دوسرے دن صبح کو جب موجھا میرے لئے ناشتہ لے کر آیا تو میں نے اسے روک لیا کئی دن سے مجھے ناشتہ حسینہ دے رہی تھی۔ موجھا عام طور سے میرے سامنے آنے سے کتراتا تھا۔ اس وقت بھی نہ جانے کس طرح وہ آگیا تھا۔ میں نے اسے روکا تو وہ انتہائی بدحواس اور گھبرایا ہوا تھا۔ میں نے اسے غور سے دیکھا اور کہا۔

"بیٹھو۔"

"جی سرکار! ہم ٹھیک ہیں۔"

"میں کہہ رہا ہوں بیٹھو۔" میں نے سختی سے کہا تو وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا میں نے میز پر رکھے ہوئے جگ سے ایک گلاس پانی بھرا اور اسے دیتے ہوئے کہا۔

"لو پانی پیو۔" اس نے حیرت سے میری صورت دیکھی اور لرزتے ہاتھوں سے پانی کا گلاس لے لیا۔ غالباً وہ اس وقت پانی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ بہرحال پانی پینے کے بعد وہ سوالیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھنے لگا میں نے کچھ لمحے کی خاموشی اختیار کی پھر اس سے کہا۔

"موجھا! ایک سوال کرنا چاہتا ہوں میں تم سے اور مجھے یقین ہے کہ تم اس سوال کا صحیح جواب دوگے۔"

"جی سرکار۔"

"کل رات میں نے ایک پُراسرار اجنبی کو گلاب شیر کے مقبرے کے گرد گھومتے دیکھا ہے اس کا قد بہت لمبا تھا اور اس نے گلاب شیر ہی کی طرح گردن سے لے کر ٹخنوں تک سیاہ لبادہ پہن رکھا تھا اس کے سر کے بال بالکل سفید تھے اور ایک عجیب بات یہ تھی

کہ وہ لنگڑا کر چل رہا تھا جب وہ۔" ابھی میں اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ موجھا کے حلق سے گھگھیائی گھگھیائی آوازیں نکلنے لگیں۔ اس کا بدن ایسے کانپنے لگا جیسے کسی مشین میں دے دیا ہو۔ اس کے چہرے کا رنگ پہلے سرخ ہوا پھر زرد اور آخر میں دھلے کپڑے کی مانند سفید پڑ گیا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور آنکھوں کے حلقے ساکن ہوگئے۔ گردن آگے کو ڈھلک گئی پانی کا گلاس اس کے ہاتھ سے نیچے گرا اور اس کے بعد وہ دھڑام سے نیچے فرش پر جاگرا۔ میں اچھل کر کھڑا ہوگیا تھا ارے باپ رے۔ میرے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی اور میں جلدی سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔ میں نے اسے ٹٹول کر دیکھا کہ وہ زندہ ہے یا وہ بھی چل بسا لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد یہ احساس ہوا اس میں زندگی موجود ہے۔ شدید خوف نے اس کی یہ حالت کر دی ہے میں نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"خود کو سنبھالو موجھا! کیا مصیبت نازل ہوئی ہے تم پر' خود کو سنبھالو میں تمہیں ایک گلاس پانی اور پلاتا ہوں۔" میں نے کہا اور اسے چھوڑ کر ایک گلاس پانی اور بھرا۔ اس نے یہ گلاس بھی پہلے گلاس کی مانند ہی خالی کردیا تھا ساتھ ہی وہ دہشت زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھتا ہوا بولا۔

"آپ نے سرکار آپ نے رات کو ایک لمبے کو مقبرے کے پاس دیکھا تھا آہ۔ کیا واقعی آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اس نے کالے رنگ کا لبادہ پہن رکھا تھا اور اس کا قد بہت لمبا تھا۔ خدا رحم کرے ہم سب پر اس کا مطلب ہے کہ وہ واپس آگیا۔"

"کون؟"

"للتا سرکار للتا آگھوری۔"

"للتا آگھوری۔ یہ کون ہے؟" میں نے [illegible] پوچھا لیکن موجھا نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا۔

"وہ ضرور واپس آگیا ہے سرکار' آپ [illegible] کریں وہ واپس آگیا وہ......... وہ للتا آگھوری۔" وہ جلدی سے اٹھ گیا یوں لگتا تھا جیسے اس کے اندر کی کوئی مشین چل پڑی ہو۔ پھر وہ پھرتی سے دروازے کی جانب بڑھا اس نے دروازہ کھولا اور اس کے بعد بے تحاشا دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

"سنو' میری بات سنو موجھا! موجھا! میری بات تو سنو۔" لیکن موجھا برق رفتاری سے دوڑتا رہا تھا دیکھتے ہی دیکھتے وہ مکان کے احاطے سے باہر نکل گیا اور میں خاموشی سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ کچھ بھی نہیں پتہ چل سکا تا کہ کیا ہوا میں اس کی واپسی کا انتظار کرتا

رہا۔ ایک گھنٹہ ' دو گھنٹے یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ پھر دوسرا دن اور اس کے بعد تیسرا دن موجھا ایسا غائب ہوا تھا کہ اس کا نام و نشان نہیں مل رہا تھا۔ ادھر حسینہ اس کے لئے پریشان تھی۔ وہ گھر کے سارے کام کر رہی تھی موجھا کی نسبت وہ ذرا ہمت والی معلوم ہوتی تھی اور ہر بات سے خوفزدہ نہیں ہوجاتی تھی۔ اس نے کئی بار مجھ سے موجھا کے بارے میں پوچھا لیکن میں نے اس خوف سے اسے موجھا کی تفصیل نہیں بتائی کہ کہیں وہ بھی یہاں سے فرار نہ ہوجائے۔ بہرحال مجھے اس کی ضرورت تھی چوتھے دن وہ میرے پاس آئی اور مجھ سے بولی۔

"سرکار اب ہمیں موجھا کے بارے میں تشویش ہونے لگی ہے۔ پتہ نہیں بے چارہ کہاں گیا کیا ہوا اسے 'کیا واقعہ پیش آیا اس کے ساتھ۔"

"دیکھو بڑی بی اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کو میں تمہیں بتا سکتا ہوں لیکن ایک بات تم سمجھ لو اپنے ہوش وحواس قائم رکھو گی تم اور یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گی۔ اگر تم نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو پھر میں تمہیں تمہاری سلامتی کا یقین نہیں دلا سکتا۔ ہوسکتا ہے میں خود ہی تمہارا ہاتھ پاؤں توڑ کر یہاں ایک گوشے میں ڈال دوں۔" حسینہ میری صورت دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"بات کیا ہے سرکار۔"

"موجھا میرا خیال ہے یہاں سے بھاگ گیا ہے۔" میں نے دو تین دن پہلے واقع ہونے والے حادثے کی تفصیل حسینہ کو بتائی تو حسینہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ پھر وہ بولی۔

"ہاں وہ للتا آگھوری سے خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا ہے سرکار۔"

"تم مجھے للتا آگھوری کے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گی۔"

"ہاں کیوں نہیں ایک عجیب کہانی ہے سرکار ایک انوکھی کہانی سنیں گے تو حیران ہوجائیں گے آپ۔" اس نے کہا۔

"اگر تم برا محسوس نہ کرو تو مجھے وہ کہانی سناؤ لیکن ایک بات بتاؤ کیا اس کہانی کی کوئی تصدیق ہے تمہارے پاس۔"

"سرکار تصدیق تو کوئی نہیں کرسکتا لیکن اگر آپ بستی میں رہنے والے پرانے لوگوں سے معلوم کریں گے تو ہر شخص تصدیق کرنے پر تیار ہوجائے گا آپ کو یہ بات تو معلوم ہے کہ ہندوستان اور پاکستان تقسیم ہوئے تھے اور پاکستان وجود میں آیا تھا لیکن پاکستان بننے سے پہلے سارے علاقے ہندوستان ہی میں شمار ہوتے تھے۔ بستی عظیم پور کا

نام بھی بعد میں عظیم پور رکھا گیا۔ اس وقت اس کا نام کچھ اور تھا اور یہ بستی اتنی پھیلی ہوئی بھی نہیں تھی۔ چھوٹی سی بستی تھی بلکہ یہاں ہندوؤں کی تعداد کوئی پچانوے فیصد تھی۔ مسلمان صرف پانچ فیصد تھے وہ تو بہت بعد میں مسلمانوں کی آبادی بڑھی اور پاکستان بننے کے بعد خاص طور سے اس جگہ کا نام عظیم پور رکھا گیا۔ یہ پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے۔ جب اس کہانی کا آغاز ہوا لیکن اس کے بعد یہ کہانی اس وقت تک چلتی رہی جب پاکستان بن گیا عظیم پور کا نام تو بہت بعد میں عظیم پور رکھا گیا تھا اور بعد میں یہ آبادی اتنی پھیلی تھی کہ اسے قصبے کا نام دیا گیا۔ پہلے تو یہ ہندو زمینداروں کی چھوٹی سی ایک بستی تھی۔ اور اسے باگڑی کہا جاتا تھا۔ پھر نہ جانے کہاں سے باگڑی بستی میں ایک آدمی آیا۔ اس کا قد چار فٹ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ رنگ الٹے توے جیسا ناک ضرورت سے زیادہ موٹی اور پیشانی بندر کی طرح ابھری ہوئی تھی۔ اس پر چھوٹی چھوٹی سرخ آنکھیں جو بے حد تیز تھیں۔ ٹانگیں بدن کی مناسبت سے چھوٹی چھوٹی تھیں لیکن ہاتھ ضرورت سے زیادہ لمبے تھے اور درختوں کی ٹہنیوں کی مانند پنڈلیوں سے بھی نیچے لٹکے ہوئے تھے اوپری بدن سے ننگا تھا۔ بھیم ناتھ حلوائی کی دکان کے سامنے آکھڑا ہوا تھا اور عجیب سے انداز میں کھڑا تکتا رہا تھا۔ بھیم ناتھ نے اس سے نگاہیں ملائیں تو اسے جھرجھری سی آگئی۔ بزرگوں کے سنائے ہوئے بے شمار قصے اسے یاد آگئے۔ درحقیقت وہ کوئی بری روح ہی معلوم ہو رہا تھا۔ بھیم ناتھ کانپ کر رہ گیا۔

"کیوں کھڑے ہو لالہ......... کچھ چاہئے تو بتاؤ......... نہیں تو آگے بڑھو۔" بڑی ہمت کر کے بھیم ناتھ نے کہا۔

"بھوکے ہیں اے بھیا........." اس نے بھاری آواز میں کہا۔ بڑی منحوس آواز تھی۔ بھیم ناتھ کو اس سے بڑی کراہت محسوس ہوئی لیکن وہ اس کو یہاں سے بھگانا چاہتا تھا اس نے جلدی سے دونے میں کچھ چیزیں رکھیں اور اس کی طرف بڑھا دیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنایا اور بھیم ناتھ نے دونا اس پیالے میں چھوڑ دیا۔

وہ واپس مڑ گیا لیکن سامنے ہی پیپل کے درخت کے نیچے جا کر وہ بیٹھ گیا پھر بڑے گندے انداز میں وہ چیزیں کھانے لگا اگر وہ چلا جاتا تو بھیم ناتھ تھوڑی دیر بعد اسے بھول جاتا لیکن کھانے کے بعد وہ درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور بھیم ناتھ کے سر پر ہتھوڑے پڑتے رہے۔ کوئی گاہک آتا تو وہ اس میں کھو جاتا اور گاہک کے چلے جانے کے بعد سہمی ہوئی نگاہ سے پیپل کے درخت کی جانب دیکھتا۔ وہ شاید یہاں سے جانے کا ارادہ ہی نہیں رکھتا تھا اور بڑے آرام سے کروٹ کئے لیٹا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دکان کی طرف

کروٹ بدل لی۔ بھیم ناتھ کو اس کی سرخ سرخ آنکھیں صاف نظر آرہی تھیں جبکہ باقی چہرہ شاید سیاہ ہونے کی وجہ سے دھندلا لگ رہا تھا۔

بھیم ناتھ حلوائی کی جان پر بن آئی تھی کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ابھی تک کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی لیکن کل کی مٹھائی بھی بچ گئی تھی جو آج کی مٹھائی میں ملا کر بیچی تھی۔ ورنہ کافی نقصان ہو جاتا لیکن اب.........؟

بھیم ناتھ نے سوچا اگر میں نے اس کی وجہ سے آج بھی دکان بند کر دی تو کباڑا ہو جائے گا ابھی تو بستی والوں نے اس پر توجہ نہیں دی ہے ورنہ لوگوں کو شبہ ہو گیا تو آنا چھوڑ دیں گے۔ بھیم ناتھ کی دکانداری ہو رہی تھی اس نے لائٹ بھی جلائی تھی۔ اب وہ پیپل کی جانب نگاہیں ہی نہیں اٹھا رہا تھا' جس سے خوف محسوس ہو' ویسے یہ تو فطری بات ہے کہ جس چیز کو جان بوجھ کر نظر انداز کیا جائے اس پر زیادہ ہی توجہ دی جاتی ہے چنانچہ کوشش کے باوجود وہ اپنے آپ کو باز نہیں رکھ پا رہا تھا۔ جب کوئی گاہک آتا اور آگے بڑھتا تو اس کی نظر پیپل کے درخت کی جانب اٹھ جاتی۔ جہاں وہ اطمینان سے لیٹا ہوا آتشی آنکھوں سے اسی طرف دیکھ رہا ہوتا تھا۔

رات ہو گئی اب گاہک بھی اکا دکا ہی آرہے تھے اور کافی کافی دیر کے بعد آرہے تھے۔ لیکن بھیم ناتھ کے ذہن میں خوف کے بے شمار سائے رینگ رہے تھے......... اس کا دل نہ جانے کیا کیا سوچ رہا تھا۔

اس کا ذہن شدید الجھن میں تھا اور اس کا ذہن بہت ساری عجیب و غریب تصویریں اسے پیش کر رہا تھا۔

اس بار اس نے نگاہ دوڑائی تو وہ پیپل کے درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا لیکن اس کی ٹانگیں' آہ' اس کی ٹانگیں بے پناہ لمبی ہو گئی تھیں۔ وہ دور تک پھیلی ہوئی ٹانگیں......... اور بلا شبہ یہ پرچھائیں نہیں تھیں......... اور بھیم ناتھ کے پورے بدن نے پسینہ اگل دیا۔

آخر وہی ہوا جس کا خطرہ تھا اس نے سوچا......... ایک لمحے کے لئے اس کا دل چاہا کہ دکان کھلی چھوڑ کر بھاگتا ہوا دور چلا جائے لیکن بہرحال یہ زندگی کا سہارا تھا......... چنانچہ اس نے جلدی سے نگاہیں ہٹا لیں۔

لیکن اس کا حلق خشک ہو رہا تھا' اس کا سارا بدن کانپ رہا تھا اور پھر کانپتے ہاتھوں سے اس نے مٹھائی کے بڑے بڑے تھال اٹھا کر اندر رکھنے شروع کر دیئے۔ نہ جانے کس طرح لرزتے کانپتے دکان کے تختے لگائے اور پھر جو بھاگا تو پلٹ کر نہ دیکھا یہاں تک کہ گھر

پہنچتے پہنچتے اس کی حالت خراب ہو گئی۔ اس کی بیوی یہ حالت دیکھ کر بہت پریشان ہوئی اس نے بہت کچھ پوچھا لیکن بھیم ناتھ نے کچھ نہیں بتایا۔ کیونکہ جو کچھ بھی تھا اس کا اپنا وہم تھا اس کے علاوہ بزدلی کی بات بھی تھی۔

لیکن ساری رات وہ پریشانی میں مبتلا رہا اور آخر اس نے فیصلہ کیا کہ جا کر زمیندار کو یہ بات بتا دے۔ بیوی سے کچھ کہنا مناسب نہیں تھا اور ظاہر ہے کہتا بھی کیا؟

زمیندار دلیپ جی سے مدد مانگنا ضروری تھا۔ چنانچہ وہ صبح ہی صبح زمیندار جی کے مکان کی طرف چلا گیا لیکن کچھ سوچ کر وہ پلٹا اور پیپل کے درخت کے قریب پہنچ کر رکا......... لیکن بھلا وہ کہاں جاتا۔ اس نے وہیں ڈیرہ ڈال لیا تھا۔ چنانچہ وہ مطمئن ہونے کے بعد کہ وہ موجود ہے۔ دکان سے کافی دور پڑا ہوا تھا اور اسے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا رہا تھا' لیکن جوں جوں اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا بھیم ناتھ کے اوسان خطا ہوتے جا رہے تھے۔ اب تو وہ اتنا بوکھلا گیا تھا کہ گاہکوں کو بھی الٹی سیدھی چیزیں دے رہا تھا اور کسی سے پیسے لے رہا تھا اور کسی سے نہیں لے رہا تھا اندھیرا پھیلنے پر وہ لالٹین جلا لیتا تھا لیکن آج اس نے لالٹین بھی نہیں جلائی اور جونہی سورج نے منہ چھپایا اس نے دکان بڑھانی شروع کر دی حالانکہ عام دنوں میں وہ رات گیارہ بجے تک دکان پر بیٹھتا تھا اور ساری مٹھائی ختم کر کے ہی واپس جاتا تھا لیکن اس کی ہمت اس قدر جواب دے گئی تھی کہ اسے نقصان کا احساس بھی نہیں روک سکا اور اس نے مٹھائی اندر رکھ کر دکان بند کر دی۔

وہ اطمینان سے پیپل کے نیچے لیٹا تھا یوں لگتا تھا کہ اس کا کہیں جانے کا ارادہ ہی نہ ہو اور وہ رات بھی وہیں گزارنا چاہتا ہو۔ بھیم ناتھ کافی پریشان ہو گیا تھا گھر پہنچ کر بھی اس نے کسی کو کوئی بات نہیں بتائی۔ گھر والوں نے جلدی آنے کی وجہ بھی پوچھی لیکن اس نے ٹال دیا اور خود کو ان میں بہلانے کی کوشش کرنے لگا وہ سوچ رہا تھا کہ نہ جانے وہ کون ہے اور......... اور اگر اس نے مستقل اس دکان کے سامنے ڈیرہ ڈال دیا تو کیا ہو گا؟

اور ہوا بھی یہی......... صبح دکان پر گیا تو پہلے پیپل کی طرف ہی نگاہ اٹھی وہ بے خبر سو رہا تھا۔ پورا بدن دھول میں اٹا ہوا تھا بھیم ناتھ تھوڑی دیر سوچتا رہا پھر اس نے خود کو ڈھارس دی۔ دکان میں جا کر دیکھا تو سب ٹھیک ٹھاک تھا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔

لیکن پورا دن اسی طرح گزرا۔ وہ اسی جگہ پڑا رہا بھیم ناتھ بار بار اس کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا اور اس پر جب بھی نگاہ پڑتی تو خوف اور کراہت کا احساس اس کے ذہن میں ابھر آتا۔ بھیم ناتھ نے دیکھا تھا کہ اس نے صبح سے اب تک کچھ نہیں کھایا پیا ہے اور اسی طرح خاموشی سے پیپل سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ پھر جب شام ہوئی تو وہ اپنی

جگہ سے اٹھا اور بھیم ناتھ کی دکان کے سامنے پہنچ گیا۔ وہی انداز......... منہ سے اس نے کچھ نہیں کہا تھا بھیم ناتھ کے بدن میں سرد لہریں دوڑ رہی تھیں اور پھر اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"کیا بات ہے لالہ......... اب کیوں آئے ہو۔"

"بھوکے ہیں بھیا........." پھر وہی آواز ابھری۔

"تو میں کیا کروں۔ کیا میں نے تمہارا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ تم ہو کون کہاں سے آئے ہو اور یہاں کیوں پڑے ہو۔ جاؤ' جاؤ۔ اب میں تمہیں کچھ نہیں دوں گا۔ ارے واہ........." بھیم ناتھ بری طرح جھلا گیا تھا لیکن اس کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی وہ اسی طرح کھڑا رہا اور بھیم ناتھ کا بدن خوف سے کانپتا رہا کئی گاہک آئے اور چلے گئے لیکن وہ نہ پلٹا۔

تب مجبوراً بھیم ناتھ نے ایک اور دونا اس کے حوالے کردیا لیکن اس کا دماغ پھٹا جارہا تھا اگر یہ مصیبت کل بھی نہ ٹلی تو کیا ہوگا۔ اس کی تو ساری دکانداری چوپٹ ہوجائے گی۔ دونا لے کر وہ پھر پیپل کے درخت کے نیچے جابیٹھا تھا اور مزے سے مٹھائی کھا رہا تھا اس کی لمبی سرخ زبان دور ہی سے نظر آرہی تھی اور بھیم ناتھ کے بدن میں پھر وہی لہر دوڑ رہی تھی لیکن اس کی وجہ سے وہ روزانہ تو اپنا دھندا چوپٹ نہیں کرسکتا تھا۔ آج دلیپ صاحب کی حویلی کی طرف چلا گیا۔

زمیندار دلیپ جی اچھے انسان تھے۔ اندر سے کیسے بھی ہوں لیکن اپنی بستی والوں لئے ہمیشہ پیش پیش رہے تھے۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک بھی رہتے تھے......... اب ان کا ذاتی کردار کیا تھا وہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ تھا جسے لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اگر انہیں بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا بھی کہہ دیا جائے تو غلط نہیں ہوگا لیکن بہرحال بستی والوں کو براہ راست ان سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔

صبح کا وقت تھا اس لئے زمیندار جی اپنے کاموں سے فارغ نہیں تھے۔ بھیم ناتھ کو تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا۔ اس کے بعد زمیندار نے اسے بلوالیا۔

"کیا بات ہے بھیم ناتھ......... کوئی نئی مٹھائی بنائی ہے کیا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں مہاراج ایک گھٹنا آپڑی ہے۔"

"ارے کیا بات ہے؟" دلیپ جی نے ہمدردی سے پوچھا۔

"عجیب سی بات ہے مہاراج۔ کہتے اور بتاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کہ آپ کیا

سوچیں گے۔"

"کہو کہو۔ ہم کچھ نہیں سوچیں گے جو تمہارے من میں ہے وہ صاف صاف کہو۔" دلیپ جی خوش دلی سے بولے۔

"کوئی خاص بات نہیں مہاراج۔ پرسوں ترسوں کی بات ہے کہ شام کے وقت ایک آدمی میرے پاس آیا۔ چھوٹا سا قد تھا بھیڑیوں سی شکل' کالا رنگ توے جیسا۔ آنکھیں اندر کو گھسی ہوئی۔ بڑے بڑے کالے اور موٹے ہونٹ۔ ماتھا باہر نکلا ہوا' لمبی زبان' چھوٹی ٹانگیں......... لیکن ہاتھ اتنے لمبے مہاراج کہ پنڈلیوں سے بھی نیچے پہنچ رہے تھے۔ بڑا ہی خوفناک لگا تھا وہ مجھے' جیسے بڑی نسل کا بندر ہو۔ سو وہ میرے پاس آیا اور میری دکان کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ مہاراج اس نے مجھ سے کہا کہ وہ بھوکا ہے۔ میں نے ایک دونے میں مٹھائی دے دی اور وہ پیپل کے درخت کی جانب چلا گیا اور پھر اسی وقت سے وہیں ہے۔ کل دن بھر اس نے کچھ نہیں کھایا......... کل شام کو وہ پھر میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ میں بھوکا ہوں......... میں نے منع کیا تو ڈھیٹ بنا کھڑا رہا۔ اس کے بعد میں کیا بتاؤں مہاراج کہ میں نے کیا دیکھا۔" بھیم ناتھ نے زمیندار کی طرف دیکھا لیکن وہ کانپ گیا۔ دلیپ جی کی آنکھیں باہر نکلی ہوئی تھیں اور ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

"مہاراج......... دلیپ جی مہاراج۔" بھیم چند نے انہیں پکارا لیکن دوسرے لمحے اس نے دیکھا کہ مہاراج دلیپ چند جی آنکھیں بند کئے ہوئے لمبے ہوگئے۔

بھیم ناتھ گھبرا گیا۔ یہ تو ایک مصیبت اس کے گلے پڑی تھی۔ نہ جانے دلیپ جی کو کیا ہوگیا تھا اگر اس کے سر کوئی بلا لگ گئی تو کیا ہوگا اور اگر کسی نے یہ سوچا کہ بھیم ناتھ نے انہیں نقصان پہنچایا ہے پھر تو بھیم ناتھ کی شامت ہی آگئی تھی۔ ذرا سی دیر میں سارے ملازمین دلیپ جی کے گرد جمع ہوگئے۔ ان کا بیٹا موہن کمار بھی گھبرایا ہوا اندر آیا۔

موہن کمار ایک خوبصورت نوجوان تھا شہر میں تعلیم حاصل کی تھی۔ آتا جاتا رہتا تھا۔ اب کافی عرصے سے دلیپ جی کے پاس ہی تھا۔

اس نے جلدی سے زمیندار جی کو اٹھایا اور ملازموں کے ساتھ اندر لے گیا۔ بھیم ناتھ بھی ازراہ ہمدردی ساتھ ساتھ ہی تھا۔ ویسے اس کی حالت خراب ہوگئی تھی۔ نہ جانے دلیپ جی کو کیا ہوگیا تھا۔

تھوڑی دیر تک تو دلیپ جی کو ہوش میں لانے کی کوشش کی جاتی رہی لیکن وہ ہوش میں نہیں آئے۔ تب موہن کمار نے ایک ملازم کو وید جی کو بلانے کے بھیج دیا موہن کمار بھی بہت پریشان تھا اور بار بار اپنے پتا جی کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اس کی ماں اور

دوسرے رشتے دار بھی آ گئے تھے۔ تب موہن کمار نے بھیم جی کی طرف دیکھا اور بولا۔

"بھیم جی! کیا تم پتا جی کے پاس تھے؟"

"ہاں مہاراج! نہ جانے کیا ہو گیا دلیپ جی مہاراج کو۔" بھیم ناتھ نے خوف سے لرزتے ہوئے کہا۔

"کیا بات کر رہے تھے ان سے.........؟ کوئی ایسی خاص بات تو نہیں تھی جس سے انہیں صدمہ پہنچا ہو۔"

"نہیں مہاراج! میں تو ایک منش کے بارے میں بتا رہا تھا جو ہمارے یہاں' ہماری بستی میں گھس آیا ہے اور پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھا ہے۔ اس نے وہیں پر ڈیرہ ڈال دیا ہے۔ نہ جانے پاپی کہاں سے آیا ہے۔ بڑی منحوس شکل کا مالک ہے......... میں زمیندار جی کو یہی بتا رہا تھا کہ ان کی حالت بگڑ گئی۔"

"کون شخص ہے وہ؟" موہن کمار نے پوچھا۔

"میں تو بالکل نہیں جانتا مہاراج.........! لیکن ہے بڑا منحوس......... آپ خود چل کر دیکھ لیں۔"

"اوہو' اس وقت میں کسی کو دیکھنے جاؤں گا......... نہ جانے پتا جی کو کیا ہو گیا ہے۔" موہن کمار پریشانی سے بولا۔

موہن کمار بھی خاموش ہو گیا اور بھیم ناتھ بھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وید جی آ گئے اور انہوں نے دواؤں کا پٹارہ کھول دیا۔

زمیندار جی کو طرح طرح سے ہوش میں لانے کی کوششیں کی جاتی رہیں۔ بھیم ناتھ وہیں موجود تھا......... وہ اس خیال سے نہیں بھاگا تھا کہ کہیں اسے مجرم نہ سمجھ لیا جائے اور یہ نہ سوچا جائے کہ اس نے کوئی ایسا کام کیا ہے جس سے دلیپ جی کو صدمہ پہنچا ہے۔ بہرحال وہ بیچارہ مزید پریشانی کا شکار ہو گیا تھا۔ تب بمشکل تمام دلیپ جی کو ہوش آیا اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے سب کو دیکھتے رہے۔ پھر لرزتی ہوئی آواز میں بولے۔

"کیا......... کیا وہ چلا گیا۔"

"کون......... بھیم ناتھ۔" موہن کمار نے پوچھا۔

"نہیں وہ......... وہ کہاں ہے بھیم ناتھ۔" دلیپ جی نے خوفزدہ انداز میں کہا اور بھیم ناتھ ہاتھ جوڑ کر ان کے سامنے آ گیا۔

"ہم سے کوئی بھول ہو گئی مہاراج......... شما کر دیں......... شما کر دیں۔" بھیم ناتھ بے چارہ اور پریشان ہو گیا تھا۔ اگر اس کی کسی بات سے زمیندار جی کی یہ حالت ہو گئی ہے

تو......... پھر اسے معاف نہیں کیا جائے گا اور وہ ضرور کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔

"کیا تم نے مجھ سے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے بھیم ناتھ......... یا کسی کے اکسانے پر ایسی بات کہی ہے۔"

"پر ہم نے تو کچھ نہیں کہا مہاراج........."

"تم نے جو حلیہ بتایا اس پر تمہیں پورا پورا وشواش ہے۔" دلیپ جی نے کہا۔

"آپ خود چل کر دیکھ لیں مہاراج۔" بھیم ناتھ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"بکواس مت کرو۔ ہم کبھی نہیں جائیں گے۔ وہ......... وہ ہمارا دشمن ہے۔ وہ......... مگر وہ......... ہے بھگوان یہ کیا ہوا......... اب تو بڑی مشکل پیش آ جائے گی۔"

"بات کیا ہے پتا جی......... کون ہے وہ' آپ مجھے بتائیں میرے جیون میں آپ کو کون سی مشکل پیش آ سکتی ہے۔" موہن کمار نے کہا۔ دلیپ مہاراج نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا وہ تھوڑی دیر تک پریشانی سے کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔

"موہن۔"

"جی پتا جی۔"

"تمہارے پاس کیمرہ تو ہے۔ بھیم ناتھ کے ساتھ جاؤ اور اس کی ایک تصویر بنا لاؤ۔ جس کے بارے میں بھیم ناتھ نے کہا ہے۔"

"بہت بہتر پتا جی......... مگر وہ ہے کون......... آپ کا کوئی بیری......... مجھے اس کے بارے میں بتائیے میں اس کا تیاپانچہ کروں گا۔" موہن مہاراج نے کہا۔

"تو پہلے جا موہن......... اس کی تصویر بنا کر لا......... جاؤ بھیم ناتھ! تم موہن کے ساتھ چلے جاؤ۔ اسے بتا دینا میں تمہاری مشکل حل کر دوں گا۔"

"جو آگیا سرکار۔" بھیم ناتھ بیچارے نے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ موہن کے ساتھ اپنی دکان کی طرف چل پڑا۔ دو اور آدمی اس کے ساتھ تھے۔

"ہوا کیا بھیم ناتھ جی......... پتا جی کون سی بات سن کر بے ہوش ہو گئے تھے۔ مجھے بھی تو بتاؤ......... اور وہ کون ہے جس کی تصویر بنانے کے لئے انہوں نے کہا ہے۔"

"ہم تو کچھ نہیں جانتے سرکار......... پر ایک راکھشش نہ جانے کہاں سے آ گیا تھا۔ ہماری دکان کے سامنے پیپل کے نیچے ڈیرہ ڈالے ہوئے ہے۔ ہمیں تو اس سے ڈر لگے ہے مہاراج......... رات کو اس کی دونوں ٹانگیں دس دس گز لمبی ہو گئی تھیں۔ صورت سے ہی بھوت لگے ہے مہاراج.........! آپ خود دیکھ لیں۔"

"بھوت؟" موہن کمار نے کہا۔

"ہاں مہاراج.......... ایسی ہی صورت ہے اس کی۔"

"اور اس کی ٹانگیں رات کو دس دس گز لمبی ہو جاتی ہیں؟"

"بھگوان کی سوگند میں نے یہی دیکھا تھا۔" بھیم ناتھ نے جواب دیا اور موہن خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھیم کی دکان کے نزدیک پہنچ گئے۔ پیپل کے درخت کے نیچے وہ گہری نیند سو رہا تھا اس نے کروٹ بدلی ہوئی تھی۔

موہن اپنے دونوں ساتھیوں اور بھیم کے ہمراہ اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس نے قریب سے اسے کافی غور سے دیکھا بے شک عجیب الخلقت تھا لیکن بھوت ایسے نہیں ہوتے.......... موہن نے اس کے ایک ٹھوکر رسید کر دی۔

"اٹھ کر بیٹھو۔" وہ کڑک دار آواز میں بولا۔ اور منحوس شکل والا سرخ سرخ آنکھوں سے انہیں دیکھتا ہوا اٹھ گیا۔

"کون ہو تم.......... کہاں سے آئے ہو..........؟"

"للتا ہے ہمارا نام.......... پر تم کون ہو؟" اس نے کھنکھناتی آواز میں کہا۔

"کہاں سے آئے ہو؟"

"دھرتی بہت بڑی ہے ہم کچھ ناہیں بتائیں گے؟" اس نے کہا اور روٹھے ہوئے انداز میں درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ موہن نے اس کی کئی تصویریں بنائیں۔ وہ اس کا دماغ ٹھیک کرا دیتا لیکن دلیپ جی سے پوچھے بغیر نہیں۔

بہرحال اس نے اپنا کام کر لیا اور پھر وہ واپس پلٹا لیکن بھیم ناتھ کے اوسان خطا ہو گئے۔ اب تو وہ یقیناً اس کا دشمن بن جائے گا۔ کیونکہ بھیم ناتھ ہی زمیندار کے پاس گیا تھا۔

"مہاراج.......... موہن مہاراج.........." وہ موہن کمار کے پیچھے لپکا۔

"کیا ہے بھیم؟"

"اسے یہاں سے بھگا تو دیں مہاراج.......... اب تو یہ میرا اور بیری ہو جائے گا۔"

"اوہ بھیم میں اس کی ٹانگیں تڑوا دوں گا۔ تم بے فکر رہو پتا جی سے پوچھ لوں اس کے بعد اس کے لئے کوئی کارروائی کروں گا۔" موہن نے کہا اور بھیم ناتھ بے چارہ گردن ہلانے کے علاوہ کچھ نہ کر سکا۔

بہرحال وہ دکان پر جا بیٹھا.......... للتا پھر کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ اس کا رخ پیپل کے درخت کے تنے کی جانب تھا اور یہی بھیم کے حق میں بہتر تھا۔ دوپہر تک تو وہ اس کا منتظر رہا تھا کہ کب وہ اٹھ کر بھیم پر حملہ آور ہوتا ہے۔

دن بھر بھیم نے مٹھائیاں بنائیں اور سورج ڈھلے تھال سنبھال کر بیٹھ گیا۔ اس کے لگے بندھے گاہک آ رہے تھے لیکن جونہی شام ہوئی للتا اگھوری اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے سامنے پہنچ گیا وہی انداز تھا کوئی تبدیلی نہیں تھی لیکن آج بھیم نے ایک لفظ بھی نہیں کہا اور جلدی سے دونا بھر کر اسے دے دیا.......... وہ اپنا حق وصول کر کے درخت کی جانب پلٹ گیا تھا اور اس کے جانے کے بعد بھیم ناتھ نے سکون کی گہری سانس لی۔ کم از کم وہ انتقامی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا گویا اس نے بھیم کو کوئی اہمیت یا حیثیت نہیں دی تھی۔

لیکن پھر وہی سوال کیا بھیم روزانہ کی طرح ادائیگی کرتا رہے گا، بہت سی باتیں تھیں جو بھیم کے ذہن میں الجھ رہی تھیں۔ وہ کسی بھی گاہک کو کوئی چیز دیتے ہوئے اس کی طرف دیکھتا اور پھر اس کے بارے میں سوچنے لگتا۔

دوسری طرف موہن کمار اس سے ملنے کے بعد اپنے گھر پہنچا وہ سیدھا اپنے پتا جی کے پاس گیا تھا.......... اور دلیپ جی جس بے چینی سے اس کے منتظر تھے اس سے موہن نے اندازہ لگایا کہ کوئی بہت ہی خاص بات ہے۔ دلیپ جی نے اسے دیکھا اور فوراً بولے۔

"ہے اب بھی ہے؟"

"ہاں پتا جی! بھیم نے درست کہا تھا۔ عجیب و غریب شکل کا آدمی ہے۔ چھوٹا سا قد۔ بندر کی طرح ماتھا آگے کو نکلا ہوا ہے۔ آنکھیں سرخ سرخ سی چھوٹی چھوٹی سی ہیں۔ شکل بڑی ہی کریہہ ہے اور ہاتھ تو اتنے لمبے ہوتے ہیں پتا جی کہ بس، اس کی پنڈلیوں کو چھوتے ہیں۔"

"اوہ.......... اوہ۔" دلیپ جی کا بدن تھرتھراتا ہوا صاف محسوس ہو رہا تھا۔ پھر انہوں نے کہا۔

"تم اس کی تصویریں کھینچ کر لائے ہو۔"

"ہاں پتا جی۔"

"ذرا انہیں بنا کر میرے پاس لے آؤ۔ جلدی کرو۔" دلیپ جی عجیب سے انداز میں بولے۔

"مگر پتا جی.......... میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟" موہن نے کہا۔

"اس وقت کچھ نہیں دلیپ.......... کچھ نہیں.......... بھگوان کے لئے جاؤ اور پہلے اس کی تصویریں بنا کر دکھاؤ۔" دلیپ نے کہا۔

ان کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد پڑا ہوا تھا وہ اپنے اندرونی کمرے میں تھے اور انہوں

نے اپنے ملازموں کو کہہ دیا تھا کہ اس وقت کوئی بھی آجائے وہ اس سے ملاقات نہیں کریں گے۔

موہن حیران اور پریشان اپنے ڈارک روم میں پہنچا فوٹو گرافی کا اسے بہت شوق تھا۔ اس نے وہ تصویریں ڈویلپ کیں اور پھر انہیں سکھا کر دلیپ جی کے پاس پہنچا جو اس کا انتظار کر رہے تھے۔

دلیپ جی نے ان میں سے ایک تصویر کو دیکھا اور پھر سینے پر ہاتھ رکھ کر پلٹ گئے۔

"پتا جی...... پتا جی' میں کہتا ہوں آپ کا بیٹا ہوں کیا آپ کو مجھ پر وشواش نہیں ہے...... کیا آپ مجھے اس بارے میں نہیں بتائیں گے...... کیا آپ مجھے بتانا نہیں چاہتے! اگر آپ کہیں گے تو میں اس پاپی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ اسے پتھر سے کچل کر رکھ دوں گا۔ مگر آپ بتائیں تو سہی کہ وہ کون ہے اور اس کے نام سے آپ اس طرح ڈر کیوں رہے ہیں...... اسے دیکھ کر آپ کے حواس گم کیوں ہو رہے ہیں۔"

"موہن۔" دلیپ نے کراہتی ہوئی آواز میں کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔ یہ...... یہ مورکھ کہاں سے آگیا...... کہاں سے آگیا موہن یہ...... کیا سچ مچ وہ کوئی بھوت بن گیا ہے...... کیا واقعی وہ سچ مچ بھوت بن گیا ہے؟" دلیپ لرزتی ہوئی آواز میں بولے اور موہن انہیں دیکھنے لگا۔

"پتا جی! نہ جانے آپ کو کیا ہو گیا ہے...... اور آپ مجھے بھی کچھ نہیں بتا رہے۔" موہن نے کہا۔

"بتا رہا ہوں موہن...... بیٹھ جاؤ...... اور ہاں تم سب لوگ باہر جاؤ۔" دلیپ نے سب ملازموں کو باہر نکال دیا۔ کمرہ خالی ہو گیا تھا۔ تب موہن اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ دلیپ جی آہستہ سے بولے۔ "اس کا نام للتا آگھوری ہے۔"

"ہاں یہی نام بتایا تھا اس نے پتا جی...... آپ نے ٹھیک کہا مگر آپ اسے کیسے جانتے ہیں۔"

"اوہ موہن بیٹے شام نگر میں رہتا تھا وہ' وہاں جہاں ہماری زمینیں ہیں' تمہیں معلوم ہے ہم نے شام نگر کی زمین خریدی تھی۔ یہ زمینیں ہمیں ہمارے پرکھوں نے نہیں دیں تھیں بلکہ ان کے اطراف کی ساری زمینیں ہماری تھیں۔ شام نگر میں ہم نے جو زمینیں خریدیں وہ بڑی زرخیز تھیں لیکن ان زمینوں کے بیچ میں چھ بیگھے زمین ایسی تھی جو ہماری نہیں تھی۔ بس بیچ میں ٹکڑا پھنسا ہوا تھا۔ میں نے للتا آگھوری سے اس سلسلے میں بات کی اور اسے ہر طرح سے مجبور کیا کہ وہ یہ زمینیں مجھے دے دے...... لیکن وہ تیار

نہ ہوا۔ بڑا ہی ضدی تھا وہ خود ہی ان زمینوں میں ہل چلاتا تھا اور فصلیں اگاتا تھا لیکن دیکھنے کے قابل ہوتی تھیں اس کی فصلیں جو بھی اگاتا تھا آسمان سے باتیں کرنے لگتا تھا۔ اور اتنا اس میں سے اٹھاتا تھا جتنا بہت سارے کاشتکار اپنی لمبی لمبی فصلوں سے نہیں اٹھا سکتے تھے۔ بہرصورت میں نے ہر ممکن کوشش کی لیکن للتا آگھوری تیار نہ ہو سکا تھا۔ تب میں نے اسے دھمکیاں بھی دیں اور اس نے ان دھمکیوں کا بڑا سخت جواب دیا۔"

دلیپ نے ایک گہری سانس لے کر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"تب موہن میرا دماغ بھی قابو میں نہ رہا اور میں نے اس کے گھر میں آگ لگوا دی۔ اس وقت اس کے گھر میں وہ خود' اس کی بیوی اور اس کی بیٹی تھی۔ وہ تینوں جل گئے تھے اور تینوں کی لاشیں مل گئی تھیں۔ گو کسی کو پتہ نہیں چلا کہ یہ سب کچھ ہم نے کیا ہے لیکن ہم ان کی خبر رکھ رہے تھے تینوں لاشیں مل گئی تھیں لیکن اب اس کا حلیہ اور اس کے بارے میں سن کر احساس ہوا۔"

"تو...... تو آپ کا مطلب ہے پتا جی کہ آپ نے ان کی ہتیا کر دی تھی۔"

"ہاں موہن...... اس لمحے ایسا ہی غصہ آگیا تھا مجھے حالانکہ اس کے بعد مجھے دکھ بھی ہوا تھا لیکن وہ زمینیں مجھے ضرور چاہئے تھیں اور ان کے بغیر ہمارا بڑا نقصان ہو رہا تھا۔"

"پھر کیا ہوا پتا جی؟"

"بس اس کے بعد میں نے سرکار سے وہ زمینیں خرید لیں کیونکہ للتا آگھوری کا اس کی بیٹی کے سوا سنسار میں کوئی نہ تھا۔"

"اور اس کی بیٹی بھی جل کر مر گئی؟" موہن نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔"

"لیکن پتا جی...... وہ پھر کہاں سے آگیا؟"

"یہی تو میں سوچ رہا ہوں۔ موہن کمار...... اگر وہ بھوت بن کر آیا ہے یا پھر اس نے کوئی نیا جنم لیا ہے اور اسے یاد ہے کہ ہم اس کے دشمن ہیں' تب تو بڑی خرابی ہو گئی ہے۔ بھگوان میں کیا کروں؟" دلیپ پھر کانپنے لگے۔

"کچھ بھی ہو پتا جی! آپ اتنی چنتا نہ کریں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زندہ بچ گیا ہو۔ اس کی بیوی اور بچی مر گئی ہو...... یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو۔ بہرحال کچھ نہ کچھ ہوا ہی ہو گا۔ اس لئے آپ اتنی چنتا نہ کریں۔ ہاں یہ سوچ رکھیں کہ میں اس کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرلوں گا۔"

"کیا کرو گے؟ کیا کرو گے؟ مجھے بتاؤ کیا کرو گے؟" دلیپ نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ بالکل چنتا نہ کریں پتا جی! موہن کمار آپ کا بیٹا ہے وہ آپ کو پریشان نہیں ہونے دے گا۔" موہن کمار نے کہا اور پھر وہ باہر نکل گیا۔ دلیپ اس کے جانے کے بعد سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

لتا آگھوری بدستور پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کچھ بڑبڑا رہا تھا لیکن اس کی آواز بھیم ناتھ کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ سہما ہوا بھیم ناتھ سوچ رہا تھا کہ آج کسی قیمت پر زیادہ دیر نہیں بیٹھے گا۔ ممکن ہے کہ رات ہوتے ہی وہ کوئی انتقامی کارروائی کرے اس لئے.........

بڑی دیر سے کوئی گاہک بھی نہیں آیا تھا۔ بہرحال بھیم ناتھ نے لالٹین جلائی اور اسے ڈبوں پر رکھ دیا۔ پھر اس نے دن بھر کی کمائی کے پیسے اکٹھے کئے اور انٹی میں لگا لئے۔ اس کے بعد وہ اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس نے دور سے کچھ لوگ آتے ہوئے دیکھے وہ سب ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں ڈنڈے تھے۔ ایک لمحے کے لئے تو بھیم ناتھ خوفزدہ ہوگیا۔ لیکن پھر اس نے انہیں پیپل کی طرف جاتے دیکھا تو خوش ہوگیا۔ اب اتنا بے وقوف بھی نہیں تھا کہ اتنی سی بات نہ سمجھتا۔ یقیناً زمیندار صاحب نے کچھ کیا ہے۔

☆======☆======☆

اور اس کے بعد کھیل شروع ہوگیا۔ پانچ چھ آدمی لتا آگھوری پر ڈنڈ۔ رہے تھے پوری قوت سے وہ ڈنڈے سر سے بلند کرتے اور اس کے بدن پر مارتے۔ لتا آگھوری زمین پر اچھل رہا تھا لیکن ایک بار بھی اس نے چیخنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بھیم ناتھ نے ان لوگوں میں موہن کو بھی پہچان لیا لیکن وہ خود دکان سے اتر کر نہیں گیا تھا البتہ وہ خود عجیب کیفیات کا شکار تھا کبھی تو وہ سوچتا کہ ابھی لتا آگھوری کے ہاتھ ان سب کو دبوچ لیں گے۔ اس کا بدن دس گنا بڑھ جائے گا اور وہ ایک خوفناک راکشش کی صورت اختیار کرلے گا کبھی سوچتا کہ وہ بیچارہ مر بھی چکا ہوگا۔ زمیندار نے حکم دے دیا ہوگا کہ اسے ختم کردیا جائے۔

اس خیال کے ساتھ ہی اس کے دل میں رحم ابھر آیا۔ اس نے کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا تھا ابھی تک۔ میری وجہ سے اس پر اپائے ہوا۔ رام' رام......... وہ بیٹھا لرزتا رہا اور زمیندار کے آدمی ڈنڈے برساتے رہے پھر وہ اپنے کام سے فارغ ہوگئے.......... موہن' بھیم ناتھ حلوائی کی طرف ہی آرہا تھا۔

"ٹھیک ہے بھیم ناتھ.......... تمہاری پریشانی دور ہوگئی۔"

"ہاں.......... ہاں مہاراج!" بھیم نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ بھلا اس کی مجال تھی کہ اس کے سوا کچھ اور کہتا۔

"دیکھ لو زمیندار جی کو تم لوگوں کا کتنا خیال ہے صرف تمہاری پریشانی دور کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا ہے۔" موہن بولا۔

"دھن ہو مہاراج! ہم سیوک اس کا کیا بدلہ دے سکتے ہیں.......... دلیپ جی مہاراج ہمارے رکھوالے ہیں۔" بھیم ناتھ نے کہا۔

"لیکن بھیم ناتھ! ایک بات یاد رہے۔" موہن کی آواز کرخت ہوگئی اور بھیم ناتھ اچھل پڑا۔

"کیا.......... کیا مہاراج۔"

"تم نہیں جانتے یہ کون تھا۔ کہاں سے آیا تھا۔ کس نے اسے مارا......... کیا سمجھے۔"

"بالکل......... بالکل نہیں جانتا مہاراج......... بھلا مجھے کیا معلوم؟" بھیم ناتھ نے لرزتے ہوئے کہا اور موہن اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ بھیم ناتھ کے پیروں کی جان ہی نکل گئی تھی۔ اس سے تو بولا بھی نہیں جا رہا تھا اور نہ ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہو سکتا تھا۔ سامنے ہی للتا کی لاش پڑی ہوئی تھی اور بھیم ناتھ کی پھٹی پھٹی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔

دفعتاً اسے ایک احساس ہوا لاش میں جنبش ہو رہی تھی۔ ہاں یہ وہم نہیں تھا۔ اس کے خوف نے یہ منظر نہیں پیش کیا تھا بلکہ وہ ایک مسلم حقیقت تھی۔ چند ساعت کے بعد للتا آگھوری اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ کپڑے جھاڑ رہا تھا۔

بھیم ناتھ کی روح فنا ہو گئی۔ یہ کیا ہوا۔ اب للتا آگھوری اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے لمبے لمبے ہاتھ ایک گوریلے کی طرح فضا میں جھلائے اور آگے بڑھنے لگا۔ اس کا رخ بھیم ناتھ ہی کی طرف تھا اور بھیم ناتھ کے پورے بدن نے پسینہ اگل دیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ چیختا ہوا بھاگ نکلے لیکن نہ پاؤں ساتھ دے رہے تھے اور نہ آواز۔ وہ بھیم ناتھ کے سامنے پہنچ گیا اور اب وہ اپنی خونی نگاہوں سے بھیم ناتھ کو گھور رہا تھا۔

"ٹھنڈک پڑ گئی تمرے من ما......... خوب پٹوا لیا ہم کا کیوں؟ کیا بگاڑت رہن تمرا ہم......... بولو......... کیا نقصان پہنچات ہم تم کو؟"

"ہی ہی......... ہی ہی........." بھیم ناتھ نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن اس کے علاوہ کوئی آواز نہیں نکلی۔

"مرو مت......... ہم تم کا چیر پھاڑ ناہیں ڈالیں گے۔ تم کا مار کر ہمیں کیا ملے گا اور پھر ہم ایسے بھی ناہیں۔ پرنت ہم ان کا ناہیں چھوڑت......... بہوت برا کیا ہے انہوں نے ہمرے سنگ۔ تمہیں کیا معلوم گھر میں آگ لگا دی ہمارے۔ بٹیا مار ڈالی ہمار......... اور گھر والی بھی سب بھسم کر ڈالے سسروں نے۔ ارے ہم ان کا کیا بگاڑت ہیں۔ محنت کرتے تھے دھرتی پر.........اگر وہ اناج اگلتی تو ہماری محنت سے۔ ان سسروں کا کیا جاتا۔ پر وہ تو ہماری زمینوں پر قبضہ کرنا چاہتے تھے' سو کر لیا انہوں نے......... پرنت ہم انہیں ناہیں چھوڑیں گے' سمے سمے کی بات ہے۔ ہم بھی ان کا در در کا محتاج نہ کر دیں تو للتا آگھوری نام نہیں۔ ہم اگر چاہتے تو......... ان سب سسروں کی ہتھیا کر ڈالتے۔ جنگلی سئور کی جان سمجھ لی تھی ہمار......... پر اب تماشا دیکھنا ان سسروں کا ایک ایک سے بدلہ ناہیں لیا تو للتا

آگھوری نام نہیں ہمار......... سب کو ٹھیک کر دیں گے۔ ہم جات رہن حلوائی......... پر تمری مٹھائی میں جیون بھر چھپکلیاں نکلتی رہیں گی۔ اری او کلونتی۔"

"کا ہے بابا؟" ایک نسوانی آواز سنائی دی اور بھیم ناتھ پھر چونک پڑا......... اس سے پہلے اس نے اس لڑکی کو نہیں دیکھا تھا۔ للتا کی طرح کالی تھی۔ بھدے نقوش لیکن جوان بدن۔ جو نقوش کے بھدے ہونے پر توجہ ہی نہ دینے دے۔ سارے میں بدبو پھیل گئی تھی۔ بھیم ناتھ کو بے ساختہ ناک پر انگوچھا رکھنا پڑا۔

"چل ری کام پورا ہو گیا۔ ان سسروں کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہم آ گئے ہیں۔ اب جینا حرام ہو جائے گا۔"

"چل بابا۔" لڑکی نے کہا اور بھیم کے تھال سے کئی لڈو اچک لئے اور پھر اسے زبان چڑاتی ہوئی للتا آگھوری کے ساتھ آگے بڑھ گئی......... بھیم ناتھ آنکھیں پھاڑے انہیں گھورتا رہ گیا تھا۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو اس نے ایک گہری سانس لے کر تھوک نگلا اور پھر اپنے بدن پر پھونکیں مارنے لگا۔ بہت بڑی بلا ٹل گئی تھی۔

لیکن اس نے جو کچھ کہا تھا وہ کیا تھا؟ اونہہ ہو گا زمیندار کی باتیں تھیں' زمیندار جانے پر سسرا موہن ہم پر احسان دھر رہا تھا کہ ہمارے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔ اپنی بات نہیں کہی تھی۔ اصل بات کون کہے۔ ہمیں بھی کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم اسے یہ ساری باتیں بتائیں۔ جس طرح ہم نے موہن کی بات من میں رکھ لی تھی لیکن اب یہاں بیٹھنا اس کے لئے دوبھر ہو گیا تھا۔ اس نے جلدی جلدی دکان بڑھانے کا فیصلہ کیا اور پھر جونہی اس نے ایک تھال کو ہاتھ لگایا' تھال سے ایک چھپکلی نے چھلانگ لگائی اور بھیم کے بازو پر چڑھ گئی۔ بھیم ناتھ کے حلق سے ایک کریہہ چیخ نکل گئی اور اس نے جلدی سے تھال چھوڑ دیا۔ تھال دوسرے تھال پر گرا اور پھر تمام تھالوں سے کئی چھپکلیاں نکل بھاگیں۔ بھیم ناتھ نے دکان سے باہر چھلانگ لگا دی تھی اور پھر وہ دکان کھلی ہی چھوڑ کر گھر کی طرف دوڑ پڑا۔ اس کے سینے میں سانس نہیں سما رہی تھی۔ "ستیاناس......... ستیاناس......... ہے بھگوان ستیاناس۔" وہ آہستہ آہستہ کرا رہا تھا۔

"کیا ہوا ناتھ کیا ہوا۔" بھیم ناتھ کی دھرم پتنی نے پوچھا۔

"چھپکلی۔" بھیم ناتھ کراہا اور اس کی بیوی نے ایک زوردار چیخ ماری۔

"ہائے رام کہاں؟" وہ اِدھر اُدھر اچھلتی ہوئی بولی۔

"اری دیوانی......... چپ بھی رہ' ہائے رام......... ستیاناس ہو گیا۔" بھیم ناتھ بدستور کراہ رہا تھا۔

دلیپ جی کی حالت کئی دن خراب رہی۔ گو موہن نے انہیں وشواش دلایا تھا کہ اس نے سب ٹھیک کر دیا ہے مگر ان کے دل کو قرار نہیں تھا۔ ان کے ذہن میں صرف ایک سوال تھا۔ لتا آگھوری کو تو انہوں نے جلوا دیا تھا' وہ زندہ کس طرح رہا؟ اور اس بات کی تصدیق کے لئے انہوں نے ایک شام ہری لال کو بلوایا۔ دلیپ جی کا ملازم تھا۔ ان کے لئے دنیا کا ہر کام کرنے کو تیار رہتا تھا۔ لتا آگھوری کے گھر کو بھی اس نے آگ لگائی تھی۔

"ہری لال!" دلیپ جی تھوڑی دیر کے لئے اصل حالت میں آئے تھے۔ انہوں نے خونخوار نگاہوں سے ہری لال کو دیکھا اور ہری لال نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"داس حاضر ہے مہاراج۔ کوئی بھول ہوگئی کیا؟ حکم دیں مہاراج!"

"حکم کے بچے......... ہری لال تُو نکما ہے بالکل' کام چور ہے' تُو نے اپنا بھرم کھو دیا ہے۔ بول! لتا آگھوری کے گھر میں آگ کس نے لگائی تھی؟"

"لتا آگھوری؟"

"ہاں' جس کی زمین ہمیں چاہئے تھی۔"

"اوہ' وہ لتا آگھوری......... میں نے خود آگ لگائی تھی سرکار۔" ہری لال نے کہا۔

"اور تم نے ہی مجھے آکر یہ اطلاع دی تھی ہری لال کہ وہ پورا کنبہ بھسم ہوگیا ہے۔" دلیپ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کنبے میں تھا ہی کون مہاراج......... لتا آگھوری کی بیٹی کلونتی اور اس کی بیوی......... تینوں بھسم ہوگئے تھے سرکار۔"

"تُو نے ان کی چتائیں خود دیکھی ہیں۔"

"ہاں سرکار......... بستی والوں نے ان کا کریا کرم کیا تھا۔ میں خود اس میں شریک تھا۔" ہری لال نے کہا۔

"مگر لتا زندہ ہے۔"

"کیا.........؟" ہری لال اچھل پڑا۔

"ہاں' وہ زندہ ہے۔"

"کبھی نہیں ہوسکتا مہاراج! کبھی نہیں' ہوسکتا۔ جلے ہوئے گھر سے جب اس کی لاش اٹھائی گئی تو میں بھی موجود تھا۔ میں کچے کام نہیں کرتا مہاراج۔"

"تم موجود تھے؟"

"ہاں مہاراج۔ غلط ہوں تو گردن اتار دو۔"

"ہوں اگر تمہیں یقین ہے تو ٹھیک ہے۔" زمیندار نے کہا البتہ ان کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔

موہن ان کے پاس موجود تھا......... ہری لال کے جانے کے بعد انہوں نے تھوک نگلتے ہوئے موہن کی طرف دیکھا۔ "اب بولو موہن کمار۔"

"کیا پتا جی۔ آپ کس چنتا میں پڑ گئے۔ ایک بات سمجھ لیں' اگر وہ بھوت بھی تھا تو اب جیتا نہ ہوگا......... اگر وہ بھوت ہوتا پتا جی تو ہم سے اس طرح نہ پٹ جاتا' کچھ نہ کچھ ضرور کرتا۔ مگر ہم نے اسے پیس کر رکھ دیا تھا۔"

"ایک بات بتاؤ۔" دلیپ جی بولے۔

"جی پتا جی۔"

"اس کی لاش پیپل کے نیچے سے اٹھ گئی؟ اب تو کئی دن ہوگئے تم نے اس کی خبر بھی لی۔ بستی والوں میں بھی اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا۔"

"معلوم ہوجائے گا پتا جی......... میرا خیال ہے میں ابھی بھیم ناتھ حلوائی کے پاس چلا جاتا ہوں۔ اس سے سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔"

"ٹھیک ہے موہن معلوم کرکے آؤ۔ جاؤ' جلدی جاؤ۔" دلیپ جی نے کہا اور موہن کمار چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھیم ناتھ حلوائی کی دکان پر تھا۔ بھیم ناتھ کی حالت کافی خراب تھی۔ سارے تھال خالی پڑے تھے اور وہ سر پکڑے بیٹھا تھا۔ موہن کمار نے پیپل کی جڑ پہلے ہی خالی دیکھی تھی۔

"کیا حال ہے بھیم ناتھ جی۔" موہن نے پوچھا اور بھیم ناتھ اچھل پڑا۔

"چھپکلی......... بھگوان کی سوگند ہر چیز میں چھپکلی......... ہے بھگوان ستیاناس ہوگیا۔"

"کیسی چھپکلی؟"

"سب برباد ہوگیا موہن کمار......... ہائے سب برباد ہوگیا۔ بھیم ناتھ تو اب آتما ہتھیا کرے گا۔"

"کیا ہوا بھیم ناتھ؟"

"اٹھ کر چلا گیا تھا' آرام سے......... ایک بھی لاٹھی اس کے نہیں پڑی۔ اور کہہ گیا تھا کہ چاروں طرف چھپکلیاں ہی چھپکلیاں ہوں گی۔ وہ دیکھو تمہاری کمر پر چڑھ رہی ہے۔ ارے بچو!" بھیم ناتھ حلوائی نے کہا اور موہن بھی اچھل پڑا......... درحقیقت اس

کی پشت پر بھی چھپکلی چڑھ رہی تھی۔

موہن نے بمشکل چھپکلی جھاڑی اور پھر چیخ کر بولا۔ "ارے بھیم ناتھ تمہاری دھوتی پر........" اور بھیم ناتھ بھی دہاڑ مار کر موہن پر آپڑا۔ بمشکل تمام دونوں سنبھل سکے تھے۔

"یہ کیا چکر ہے بھیم ناتھ۔" موہن نے پوچھا اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"سب ستیاناس ہوگیا مہاراج........ ہم تو برباد ہوگئے۔" بھیم ناتھ نے کہا اور پوری تفصیل بتادی۔ جسے سن کر موہن کے ہوش بھی اڑ گئے تھے وہ بدحواس شکل لے کر واپس آیا اور موہن سے تفصیل سن کر ایک بار پھر دلیپ جی کی حالت خراب ہوگئی۔

"اب کیا ہوگا موہن کمار۔"

"میں کیا بتاؤں مہاراج........ میں تو یہ سن کر خود پریشان ہوگیا ہوں۔"

"اب دیکھو وہ پاپی کیا کرتا ہے۔" دلیپ جی پریشانی سے بولے اور دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

ایک مہینہ گزر گیا للتا آگھوری کے بارے میں اور کوئی خبر نہیں ملی۔ ابتدائی دنوں میں تو دونوں باپ بیٹوں کی نیند حرام رہی تھی۔ شام کے جھٹپٹوں میں رات کے اندھیروں میں انہیں للتا آگھوری چلتا پھرتا نظر آتا تھا اور وہ دہشت سے چیخ پڑتے تھے لیکن اب ان کی حالت سدھرتی جارہی تھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے انہیں احساس ہوتا کہ للتا ان کے خلاف کچھ کر رہا ہے۔ بے چارے بھیم ناتھ کو بہت زیادہ نقصان ہوا تھا۔ چھپکلیوں نے اسے آج تک نہیں چھوڑا تھا۔ حالانکہ اسے حلوائی کی دکان چھوڑ دینی پڑی تھی۔ اب اس نے اناج کی دکان کھول لی تھی لیکن چھپکلیاں ہر طرف چھپکلیاں۔ اور وہ بستی چھوڑنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

دلیپ جی کو اب کسی قدر آرام ہوگیا تھا۔ انہوں نے دو تین ایسے آدمیوں سے بھی بات چیت کی تھی جو ان باتوں سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی یہی کہا تھا کہ اگر للتا کو کچھ کرنا ہوتا تو وہ کرچکا ہوتا۔ گندی روحوں پر بھی بہت سی پابندیاں ہوتی ہیں اور ضروری نہیں ہوتا کہ وہ سب کچھ کرہی لیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے پیشکش کی تھی کہ اب للتا سامنے آئے تو اسے بھسم کیا جاسکتا ہے۔

لیکن اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ للتا آگھوری کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ دلیپ اور موہن کمار اب ان واقعات کو بھولتے جارہے تھے۔ اب اگر انہیں کچھ یاد کرتا تو وہ

خواب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا موہن کمار کی سگائی ہوگئی تھی۔

دوسرے گاؤں کے زمیندار کی بیٹی رتنا' موہن کمار کی ہونے والی پتنی تھی۔ اس سگائی کو دو سال ہوچکے تھے۔ دونوں سمدھیوں کے درمیان طے بھی یہی پایا تھا کہ دو سال کے بعد ان دونوں کے پھیرے ہوجائیں گے اور اب یہ دن قریب آرہے تھے۔ زمیندار جی نے سندیسہ بھیجا تھا کہ اگلے ہفتے دونوں باپ بیٹے آئیں اور پھیروں کی بات پکی کرلیں۔ زمیندار جی کہا تھا کہ ان کے آنے پر پنڈت جی سے مہورت بھی لے لی جائے گی۔

چنانچہ دونوں باپ بیٹے تیار ہوگئے۔ حالانکہ زمیندار صاحب کسی طرح اپنے سمدھی سے کم دولت مند نہیں تھے لیکن دونوں ایک دوسرے کی بہت عزت کرتے تھے۔ وقت مقرر پر دونوں باپ بیٹے روانہ ہوگئے۔ دلیپ جی نے سفر کے لئے گھوڑوں کا انتخاب کیا تھا۔ انہوں نے کسی کو ساتھ نہیں لیا تھا یوں بھی گاؤں زیادہ دور نہیں تھا اور پھر سمدھیانے کی بات تھی اس لئے انہوں نے کسی کو ساتھ نہیں لیا تھا دلیپ جی نے بہت سے تحائف بھی ساتھ لئے تھے اور پھر ان کے گھوڑے اس گاؤں کی طرف دوڑنے لگے۔

دلیپ جی کی بستی اور گاؤں میں ایک برساتی ندی بھی پڑتی تھی۔ اس ندی میں زیادہ پانی نہیں ہوتا تھا کئی گھاٹ تو ایسے تھے کہ آدمی آرام سے پار اتر جائے۔ تین گھنٹے کے سفر کے بعد وہ ندی کے کنارے پہنچ گئے۔ دونوں میں یہ بات طے ہوگئی تھی کہ ندی پر ہی تھوڑی دیر آرام کریں گے اس کے بعد آگے بڑھیں گے۔

چنانچہ ندی کے کنارے رک کر وہ گھوڑوں سے نیچے اتر گئے۔ شام ڈھلنے لگی تھی اور اب سفر زیادہ نہیں رہ گیا تھا تقریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد وہ دوسرے گاؤں پہنچ جاتے۔ سفر کا بڑا حصہ طے ہوگیا تھا' اس لئے کوئی جلدی نہیں تھی دونوں نے اپنے گھوڑے ندی کے کنارے سائے دار درخت کے نیچے باندھ دیئے اور پھر خود بھی ندی کے کنارے بیٹھ کر سستانے لگے۔ موہن کمار کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ سسرال جارہا تھا رتنا کے بارے میں اس نے سن رکھا تھا کہ کافی خوبصورت ہے۔ آج تک اسے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ دل میں یہ خیال بھی تھا کہ ممکن ہے اس کی بھی کوئی جھلک نظر آجائے........ اور یہ خیال اس کے چہرے پر شفق بن گیا تھا۔

دونوں باپ بیٹے خیالات میں ڈوبے رہے۔ کافی دیر گزر گئی دلیپ نے موہن کو پکارا اور موہن چونک کر دیکھنے لگے۔

"کیا بات ہے پتا جی؟"

"کن سپنوں میں کھویا ہوا ہے رے۔ چلے گا نہیں کیا........ شام ہونے سے پہلے

پہنچنا ضروری ہے۔" دلیپ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چلئے پتا جی!" موہن کمار کھڑا ہوگیا اور دونوں اپنے اپنے گھوڑے کسنے لگے۔ اسی وقت تھوڑے فاصلے سے چھن چھن کی آواز سنائی دی اور دونوں کی نظر اس طرف اٹھ گئی۔ کوئی دیہاتی دوشیزہ تھی جس کے پاؤں میں جھانجھن کھنک رہی تھی اس نے سرخ رنگ کا لہنگا چولی اور اوڑھنی پہنی ہوئی تھی۔ لمبا سا گھونگھٹ نکالا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی تھا جس نے کافی بڑا پگڑ باندھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا حقہ دبا ہوا تھا۔

دونوں اسی طرف چلے آرہے تھے بوڑھے نے ہاتھ دکھایا اور وہ دونوں رک کر انہیں دیکھنے لگے۔ دونوں قریب پہنچ گئے تھے۔

"پالاگوں مہاراج!" بوڑھے نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"کون ہو بھائی۔ کہاں جارہے ہو۔"

"یہ میری بہو ہے مہاراج پچھلے بیساکھ میں اس کے پھیرے ہوئے ہیں دوسری بستی سے آرہے ہیں ہم دونوں.......... میری تو کوئی بات نہیں ہے مہاراج.......... پر یہ سسری پانی سے بہت ڈرتی ہے کہہ رہی تھی کہ کیسے پار جائیں گے ہم دونوں.......... سو آپ نظر آگئے۔ آپ کی کرپا ہوگی مہاراج.......... بس اسے اس پار اتار دیں۔ پھر ہم چلے جائیں گے۔" بوڑھے نے کہا اور دلیپ جی کی نظر موہن کی طرف اٹھ گئی لیکن موہن کمار لڑکی کے شباب میں کھویا ہوا تھا۔ جسمانی طور پر بہت خوبصورت نظر آرہی تھی گو اس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔

"کیا حرج ہے پتا جی بٹھالیں بے چاروں کو۔" موہن جلدی سے بولا اور دلیپ نے گردن ہلادی۔ لڑکی موہن کے گھوڑے کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔

"آؤ.......... تم بھی سوار ہوجاؤ لیکن ہم تمہیں زیادہ دور نہیں لے جاسکتے۔ ہمیں شام ہونے سے پہلے مطلوبہ گاؤں پہنچنا ہے۔" دلیپ نے کہا اور بوڑھے کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ موہن کمار خوش ہوگیا تھا۔ اس نے لڑکی کو آگے بٹھالیا اور اس کی کمر کے گرد دونوں طرف ہاتھ ڈال کر گھوڑے کی لگام پکڑلی۔ اس نے جان بوجھ کر اپنا گھوڑا پیچھے رکھا تھا اور ندی کے چھوٹے سے پاٹ کو نہایت آہستہ آہستہ طے کر رہا تھا تاکہ یہ لمحات طویل ہوجائیں۔

دونوں نے گھوڑے پانی میں ڈال دیئے تھے بوڑھے نے اپنے دونوں ہاتھ دلیپ کی کمر میں ڈال دیئے تھے۔

"تمہاری شادی ہوئے کتنے دن ہوئے سندری؟" ندی میں آہستہ سے موہن نے لڑکی کے کان میں کہا۔

"ابھی کیا ہووت مہاراج.......... ہم تو کنوارے ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"بابا کہت ہیں اگلے بیساکھ میں ہمارے ہاتھ پیلے کردے گا۔"

"مگر وہ تو کہہ رہا تھا کہ تم اس کی بہو ہو۔"

"ٹھٹھول کرت رہن.......... وہ ہمارا بابا ہے۔" لڑکی ہنس کر بولی۔

"مگر کیوں؟" موہن کمار نے تعجب سے کہا۔

"اب ہم کا جانت.......... اس سے پوچھ۔" لڑکی ناز سے بولی۔ موہن کے ہاتھوں کی گرفت لڑکی کی کمر پر تنگ ہوگئی تھی اور اس کے بدن کے گداز نے اس کے ذہن میں کیف و سرور بھر دیا تھا۔

"اور اگر میں یہیں سے تجھے لے کر گھوڑا دوڑا دوں تو؟" موہن کمار شرارت سے بولا۔

"دوڑائے دو' ہم کا کہت۔" لڑکی شرمائے ہوئے انداز میں بولی اور موہن کی رگوں میں خون کا بہاؤ تیز ہوگیا۔ اس نے جلتی نگاہوں سے آگے جاتے دلیپ کو دیکھا۔ کاش وہ اس وقت ساتھ نہ ہوتے لیکن.......... مجبوری تھی دلیپ جی بھی تھے اور لڑکی کا باپ بھی۔ اس لئے وہ من مار کر رہ گیا۔

"تو کہاں رہتی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اب تو اسی ندی کے کنارے رہتے ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"جا کہاں رہی ہے۔"

"ہم ناہیں جانت۔ بابا ہی جانت رہن۔" لڑکی نے کہا گھوڑے ندی کے دوسرے کنارے پہنچ رہے تھے موہن کمار کو یہ مختصر رفاقت ناگوار گزری۔ کاش وہ کچھ اور وقت اس لڑکی کے ساتھ گزار سکتا لیکن مجبوری تھی دلیپ کا گھوڑا ندی سے نکل کر خشکی پر پہنچ گیا تھا موہن نے بھی اپنا گھوڑا اس کے برابر لے جاکر کھڑا کردیا۔

"بس بھئی اب یہاں سے تم خود چلے جاؤ۔ ہمیں سورج چھپنے سے پہلے پہنچنا ہے ورنہ ہم تمہیں تمہاری منزل پر پہنچا دیتے۔"

"تم کا کہاں پہنچنا ہے سرکار..........؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"یہ ساتھ والی بستی۔"

"ہمیں بھی وہیں لے چلو...... بڑی مہربانی ہوگی۔"

"مگر تم تو کہیں اور جا رہے تھے۔"

"ارے ہم کہاں جانت رہے۔ ہم کا کون سا ٹھور رے۔ در در تو بھٹکا دیا تم نے سب کچھ تو چھین لیت سرکار۔" بوڑھے نے کہا اور اچانک دلیپ جی کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس نے پہلی بار بوڑھے کو دیکھا اور اس کی گھگھی بندھ گئی۔

"مو...... مو...... موہن کمار...... بھاگو' بھاگو پھنس گئے۔" اور اس کے ساتھ ہی دلیپ نے بوڑھے کو گھوڑے سے دھکا دینے کی کوشش کی لیکن گھوڑے پر جیسے چٹان رکھی تھی وہ کوشش کے باوجود للتا کو دھکا نہ دے سکا۔

"مرے ہون کو اور مارت ہو سرکار...... اری او کلونتی۔" للتا نے آواز دی۔

"کاہے رے بابا......" موہن کے سینے سے لگی ہوئی کلونتی نے جواب دیا۔

موہن کمار جو تھوڑی دیر پہلے لڑکی کے پُرشباب بدن میں ڈوبا ہوا تھا۔ پہلے تو پتا جی کی آواز سن کر چونکا پھر اس نے للتا کو پہچان لیا اور اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور اب اس نے کلونتی کی شکل غور سے دیکھی۔ چنانچہ اس کے حلق سے بھی ایک خوفناک دھاڑ نکلی۔ اس نے بھی کلونتی کو دھکا دینے کی کوشش کی لیکن دوسرے لمحے گھوڑے پر بیٹھی کلونتی کے دونوں پاؤں نیچے لٹک گئے اور اس نے اپنے تین گز لمبے پاؤں زمین پر ٹکا دیئے۔

"ایسے تو ناہیں اترت بابو...... ہم کا بھی وہیں لے چلو جدھر تم جاوت ہے۔ ہم تو ساتھ ہی چلیں گے۔"

"ہا...... ہا......" موہن کمار بری طرح چیخنے لگا۔ اس کے حواس جواب دے گئے تھے چنانچہ اس نے وحشت زدہ انداز میں گھوڑے سے چھلانگ لگادی۔ دوسری طرف دلیپ بھی گھوڑے سے کود پڑا تھا اور دونوں بدحواس ہوکر بھاگے۔ دونوں کی دھوتیاں اتری پڑ رہی تھیں اور کئی بار دونوں ٹھوکریں کھا کھا کر نیچے گرے تھے لیکن پھر اٹھ کر بھاگنے لگتے تھے لیکن شکر کی بات تھی کہ ان دونوں نے تعاقب نہیں کیا تھا۔ بھلا باپ بیٹے کی مجال تھی کہ پلٹ کر دیکھتے۔ وہاں تو جان بچانا ہی مشکل تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد بوڑھے کے تو اعصاب جواب دے گئے۔ وہ بری طرح ہانپنے لگا تھا اور اب گرا تب گرا معلوم دے رہا تھا۔ موہن کمار البتہ اس سے کافی آگے نکل گیا تھا۔ پھر اسے ہی خیال آیا اور اس نے پلٹ کر دیکھا۔

دلیپ نظر نہیں آرہا تھا۔ موہن کمار کے رونگٹے کھڑے ہوگئے کیا دلیپ جی للتا کا شکار ہوگئے۔ اس نے سوچا۔ پھر اس کی اپنی حالت بھی درست نہ رہی لیکن بہرحال باپ کو

بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا چنانچہ رک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا پھر دور ایک جگہ اس کی نگاہ پہنچی تو اس نے دیکھا کہ دلیپ وہاں بیٹھا ہوا ہے۔

وہ تیزی سے واپس پلٹا حالانکہ ہمت ساتھ نہیں دے رہی تھی لیکن اس نے پلٹ کر دیکھ لیا تھا کہ دور دور تک للتا کا نام و نشان نہیں ہے۔ چنانچہ وہ تیزی سے چلتا ہوا دلیپ کے پاس پہنچ گیا۔

دلیپ سینے پر ہاتھ رکھے بری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کے سانس دھونکنی کی طرح چل رہے تھے۔

"ب...... بھگوان کی سوگند' اب...... نہیں چلا جاتا...... ہائے ہائے یہ کیا ہوگیا' اب نہیں چلا جاتا...... اب نہیں چلا جاتا۔" اس نے کہا۔

اور موہن کمار اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"پتا جی۔ پتا جی۔" اس نے دلیپ کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"ب...... ب...... بھوت۔" دلیپ بری طرح چلانے لگا۔

"پتا جی۔ پتا جی۔" موہن زور زور سے چلایا۔ "خود کو سنبھالیں پتا جی۔" اس نے بری طرح دلیپ کو جھنجھوڑ ڈالا۔

"موہن...... موہن...... موہن......" دلیپ نے گہرے گہرے سانس لئے۔

"ہاں پتا جی۔ اٹھئے خود کو سنبھالیے۔"

"موہن...... موہن...... وہ پھر بچ گیا تم نے دیکھا۔ وہ پھر بچ گیا اور اب وہ ہمیں نہیں چھوڑے گا۔"

"پتا جی! ہم بہت دور نکل آئے ہیں اور اب اس کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں ہے۔ آئیے چلیں۔" موہن کمار نے کہا۔

"مگر یہی کیا کم ہے کہ وہ جیتا ہے۔ اب وہ ہمارا پیچھا کرے گا ہے بھگوان! یہ کیا ہوگیا...... یہ کیا ہوگیا۔"

"یہ تو پہلے سوچنا چاہئے تھا پتا جی! خواہ مخواہ مجھے بھی مصیبت میں پھنسا دیا۔ اس نے مجھے بھی دیکھ لیا ہے۔" موہن کمار نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور دلیپ اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے گھورتا رہا۔ پھر اس کا سہارا لینے کے لئے ہاتھ آگے بڑھا دیا اور موہن نے سہارا دے کر اسے کھڑا کردیا۔ دلیپ کے پاؤں لرز رہے تھے۔ دونوں باپ بیٹے چند ساعت خاموش رہے۔ تب دلیپ نے کراہ کر کہا۔

"اور اب کروں کیا.......... نہ جانے بستی کتنی دور ہے اب تو پیدل چلنا ہی پڑے گا کوئی بستی مل جائے تو وہاں ٹھکانہ کریں گے کیونکہ اب تو حالت بہت بگڑ گئی ہے۔"

دونوں جس انداز میں بھاگے تھے اس کے تحت انہوں نے اندازہ نہیں کیا تھا کہ کتنی دور نکل آئے ہیں۔ کیونکہ جان توڑ کر بھاگے تھے' زندگی بچانے کا مسئلہ تھا۔ ورنہ شاید اتنی تیز وہ قیامت تک نہ دوڑ سکتے۔ دونوں آہستہ آہستہ چل پڑے۔ دلیپ کی بڑی بری حالت تھی۔ موہن کمار تو ابھی جوان تھا اس لئے اس پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا تھا۔ البتہ اس کا سانس کافی تیز چل رہا تھا اور خوف سے اس کی شکل بگڑی ہوئی تھی۔ پھر نہ جانے کتنی دور تک وہ چلتے رہے اور اس کے بعد انہیں کسی بستی کے آثار نظر آئے لیکن بستی کے قریب پہنچ کر وہ چونک پڑے۔

"پتا جی دیکھ رہے ہیں آپ۔"

"ہاں۔"

"یہ تو زمیندار جی کی بستی ہے ہم ان کی بستی آ گئے ہیں۔"

"ہاں' تو پھر کیا ہوا؟"

"بھئی پتا جی.......... یہ تو اچھا نہیں ہوا۔"

"برا کیا ہے اس میں۔" دلیپ جی نے جھنجلا کر پوچھا۔

"ہماری حالت.......... ارے اپنی شکل تو دیکھیں ذرا۔"

"اور تو اپنی شکل دیکھ۔" دلیپ جھلا گیا۔

"ہم.......... مگر پتا جی؟ کیا اسی حالت میں ہم زمیندار صاحب کے گھر چلیں گے۔"

"تو پھر کہاں جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے ٹھیک نہیں ہو گا پتا جی! بڑی گڑبڑ ہو جائے گی وہ لوگ ہمیں اس حلیے میں دیکھ کر کیا سوچیں گے۔"

"سوچیں گے کیا' اور اگر کچھ سوچیں تب بھی ہمیں کیا ہمیں بہرحال وہیں جانا ہے اور جائیں گے کہاں؟"

"مگر پتا جی! اس سے تو ہماری۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ جانتا ہوں اچھی طرح۔ اب کوئی بہانہ بنا دیں گے۔" دلیپ نے کہا۔

"کیا بہانہ بنائیں گے؟"

"اب بتا دیں گے کہ راستے میں ہمیں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ سب کچھ چھین لیا

ہمارا جس میں گھوڑے بھی شامل تھے۔" دلیپ نے کہا اور موہن اس کو دیکھنے لگا پھر اس نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے پتا جی!" اور دونوں باپ بیٹے زمیندار کی حویلی کی طرف چل پڑے۔

زمیندار وہی تھے جن کی بیٹی کے ساتھ موہن کمار کی منگنی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں زمیندار کی پتھروں سے بنی ہوئی خاصی خوبصورت حویلی کے سامنے کھڑے تھے۔ اتفاق کی بات تھی کہ زمیندار بھی ابھی ابھی کہیں سے آئے تھے۔ انہوں نے جب دونوں کو دیکھا تو حیرت سے اچھل پڑے۔

"ارے دلیپ جی! آپ.......... ارے موہن بیٹا.......... تم.......... مگر یہ ہوا کیا؟ کیا ہوا تم دونوں کو.......... تمہارا حلیہ کیسا ہو رہا ہے۔"

"اندر تو چلئے بھائی صاحب! سب بتا دیں گے۔" دلیپ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"تعجب ہے مجھے تو تمہاری حالت دیکھ کر عجیب سا لگ رہا ہے حیرت ہے بہرحال آؤ۔" زمیندار جی نے کہا اور پھر ان دونوں کو لے کر کمرے میں پہنچ گیا۔ باہر بیٹھک تھی انہوں نے ان دونوں کو بٹھایا پنکھے لاکر سامنے رکھے اور یہ دونوں خود کو پنکھا جھلنے لگے زمیندار صاحب بھی سامنے ہی بیٹھ گئے تھے۔

"تھوڑے سے حواس بحال ہو جائیں تو بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ میں تو تم دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر یہ.......... تمہاری حالت.........."

"اوہو زمیندار جی! ہم قتل تو نہیں ہو گئے۔ ہم زندہ ہی ہیں۔ بھوت بن کر نہیں آئے ہیں.......... ہمیں چاہئے تھا کہ کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لے لیتے اور ایسا نہ ہوتا.......... ہاں ہو جاتا ہے کبھی کبھی.........."

"مگر ہوا کیا؟"

"ڈاکو آپڑے تھے پاپی.......... لوٹ مار شروع کر دی۔ ہم نہتے تھے اس لئے سب کچھ چھین لیا۔ کافی مقابلہ کیا موہن کمار نے تو کئی کو گھائل بھی کر دیا' مگر کہاں تک مقابلہ کرتا۔ آخر ان کے ہاتھوں شکست کھائی۔" دلیپ جی نے بتایا اور زمیندار ہمدردانہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"مجھے بڑا افسوس ہے۔ بہرحال آپ چنتا نہ کریں۔ بھگوان نے جان بچا دی یہی کافی ہے۔" انہوں نے کہا اور دلیپ جی جلدی جلدی گردن ہلانے لگے۔

"تھوڑی دیر کے بعد ان لوگوں کے اشنان وغیرہ کا بندوبست کیا گیا۔ نہا دھو کر انہوں

نے اپنا حلیہ درست کیا اور زمیندار کے سامنے آبیٹھے۔ زمیندار جی ان سے ڈاکوؤں کے بارے میں پوچھ رہے تھے پھر ڈاکوؤں کے بارے میں ہی باتیں ہوتی رہیں۔ چند ساعت کے بعد زمیندار جی چونک پڑے۔

"ارے معاف کرو دلیپ جی۔ میں گھر میں بتانا تو بھول ہی گیا لیکن اس وقت تمہاری حالت ہی ایسی تھی کہ میں خود حیران رہ گیا تھا۔ ذرا میں بتا تو دوں کہ تم دونوں آئے ہو۔"

"بتا دو......... بتا دو مگر بھابی کو یہ نہ بتانا کہ ہماری حالت کیا ہو رہی تھی۔ خواہ مخواہ شرمندگی ہوگی۔" دلیپ نے کہا اور زمیندار ہنستے ہوئے باہر نکل گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد دونوں کو اندر بلایا گیا۔ اب ان کی حالت قدرے بہتر ہوگئی تھی۔ حالانکہ دل میں خوف بیٹھا ہوا تھا۔ خاص طور سے دلیپ جی تو بڑے ہی پریشان تھے۔ للتا کے نام سے ان کی جان نکلتی تھی لیکن للتا ان کے اتنے قریب آگیا تھا یہ سوچ کر وہ بار بار کانپ اٹھتے تھے اور پھر سوچتے کہ اب تو واپس بھی جانا ہے اور وہ کم بخت اگر راستے میں مل گیا تو کیا ہوگا۔ اس کے لئے تو کوئی ترکیب نکالنی ہی ہوگی......... زمیندار صاحب ان کے سامنے بچھے جا رہے تھے اور ان کی آمد سے بہت خوش تھے، لیکن دلیپ مہاراج بڑی شرمندگی محسوس کر رہے تھے۔ بیٹے کے سسرال آئے تھے لیکن جس حالت میں پہنچے تھے کہ وہ ایسا تھا کہ بستی سے آتے وقت وہ بہت کچھ ساتھ لائے تھے جو گھوڑوں پر زین کے ساتھ بندھا ہوا تھا لیکن وہ جس حال میں یہاں پہنچے تھے اس سے ان کی بڑی سبکی ہوئی تھی۔

لیکن زمیندار جی بڑے اچھے انسان تھے اور پھر ڈاکوؤں والی بات ایسی تھی کہ انہیں یقین آگیا تھا ورنہ وہ بھی جانتے تھے کہ دلیپ کے پاس بہت کچھ ہے۔ چنانچہ رات کو وہ دلیپ کے پاس آئے۔

"سمدھی جی آپ کچھ پریشان ہیں بھگوان کا دیا آپ کے پاس بہت کچھ ہے۔ کیا اتنی معمولی چیزیں لٹ جانے سے آپ دل چھوٹا کر رہے ہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے بھائی صاحب!" دلیپ چند نے کہا۔

"پھر کیا بات ہے؟"

"بس یہی سوچ رہا تھا کہ بیٹے کے سسرال خالی خاتھ آیا ہوں۔"

"یہ کیا بات ہوئی دلیپ جی......... ہمارے آپ کے تعلقات آج کے تو نہیں ہیں۔ میں آپ کا دوست ہوں۔ یہ لیں......... یہ رقم یا تو اپنے دوست کی طرف سے سمجھ لیں یا

پھر بستی جا کر مجھے واپس بھجوا دیں۔ جس طرح آپ چاہیں۔"

"مہربانی بھائی صاحب! میں آپ کی یہ رقم فوراً بھجوا دوں گا۔"

"ارے ہاں، ہاں آجائے گی۔ ایسی کیا بات ہے۔ آپ اس بارے میں چنتا کیوں کر رہے ہیں۔" زمیندار جی نے کہا۔

"بیٹے کی بات پکی کرنے آیا ہوں بھائی صاحب! بھلا خالی ہاتھ بھی آیا جا سکتا ہے۔ بس یہی چنتا تھی۔"

"چلیں پھر اب تو ٹھیک ہے۔" زمیندار جی ہنسنے لگے۔

"ہاں تمہاری کرپا ہے اب ٹھیک ہے۔" دلیپ نے کہا۔

لیکن ٹھیک کہاں تھا۔ رات کو سب سو گئے۔ موہن بھی سو گیا تھا لیکن دلیپ چند کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ چھوٹا سا قد اور بد نما چہرہ بار بار ان کے سامنے آجاتا تھا۔ حادثہ موہن کمار کے ساتھ بھی پیش آیا تھا لیکن مجرم دلیپ چند تھے انہیں احساس تھا کہ کس طرح انہوں نے للتا کی زمینوں پر قبضہ کرنے کے لئے اسے اور اس کے چھوٹے سے خاندان کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا چنانچہ اب للتا ان سے انتقام لینے کے لئے بھوت بن کر آیا تھا اور بھوت کا بھلا وہ کیا بگاڑ سکتے تھے۔ ابھی تو یہاں سے واپس بھی جانا تھا اور راستہ بھی وہی اگر وہ دوبارہ ملا تو کیا کریں گے۔ وہ تو یہاں بھی آجائے گا۔

ساری رات انہیں آہٹیں سنائی دیتی رہیں۔ کبھی لگتا کہ دروازے کی زنجیر بج رہی تھی۔ کبھی کھڑکی کھلتی محسوس ہوئی۔ صبح کو تو وہ چیخ ہی پڑے۔ دروازے کا پٹ انہیں کھلتا محسوس ہوا تھا۔ ساری رات نہیں سوئے تھے۔ آنکھیں جل رہی تھیں اپنی جلتی آنکھوں سے انہوں نے دروازہ کھلتا دیکھا اور پھر جونہی کھلے دروازے سے ہوا کا ایک جھونکا آیا......... وہ دہشت سے چیخ پڑے ان کی چیخ سن کر موہن بھی جاگ گیا۔ کوئی اندر گھس آیا تھا۔

"کو......... کو......... کو........." دلیپ چند کے حلق سے وحشت زدہ آواز نکلی لیکن اس کے ساتھ ہی ایک نسوانی آواز بھی ابھری۔

"میں ہوں سمدھی جی میں روما ہوں۔"

"او......... او......... روما دیوی!" دلیپ جی، زمیندار کی دھرم پتنی کو پہچانتے ہوئے بولے اور روما دیوی ہنسنے لگیں۔

"آپ کوئی سپنا دیکھ رہے تھے شاید........." وہ بولیں۔

"ہاں ہاں، بڑا ہی ڈراؤنا سپنا تھا، رام رام......... مگر آپ اس سمے۔"

"بھول ہوگئی ہے مہاراج! میں سویرے اٹھنے کی عادی ہوں۔ بس یونہی دیکھ رہی تھی کہ آپ سب آرام سے سو رہے ہیں یا نہیں۔"

"مہربانی......... کوئی بات نہیں ہے۔"

"شما کردیں......... آپ کی نیند خراب ہوئی۔" رومادیوی نے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہے دیوی جی۔ کوئی بات نہیں ہے۔" دلیپ چند نے کہا اور رومادیوی چلی گئیں۔ موہن تعجب سے باپ کو دیکھ رہا تھا۔

"سپنا کیا دیکھا تھا پتاجی آپ نے۔" اس نے پوچھا۔

"سپنے کے بچے مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔"

"ارے......... کیوں؟"

"بڑا معصوم ہے' پوچھ رہا ہے کیوں......... اگر واپسی میں وہ مل گیا تو۔"

"للتا آگھوری۔"

"کیا بک رہا ہے صبح ہی صبح......... ارے نام مت لے اس پاپی کا......... ہے بھگوان۔"

"پتا جی! پاپ تو آپ نے کیا ہے۔ کیا حرج تھا اگر ان غریبوں کو بھی جینے دیتے۔ چھ بیگھے زمین نہ ہوتی تو........."

"یہ لمبی لمبی فصل اگتی تھی اس میں۔ ہائے رام مجھ سے نہ دیکھا گیا۔"

"بھگوان سب کو ان کی تقدیر کا دیتا ہے پتا جی......... بہرحال آپ نے جو کچھ کیا اب تو اسے بھگتنا ہی ہوگا۔ افسوس تو یہ ہے کہ میں نے بھی........."

"جان بچا رہا ہے سسرے اپنی۔ مجھے کون سا اپنی چتا میں جلانا ہے سب کچھ تیرے لئے ہی تو ہے۔"

"خیر چھوڑیئے۔ اب جو کچھ ہونا تھا ہوا اور جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔ یہاں تو تماشہ نہ بنوایئے۔" موہن کمار نے کہا۔

"ہے بھگوان! مجھے تو واپس جانے کے خیال سے بخار چڑھ رہا ہے۔"

"آج تو یہاں رکیں گے۔ کل صبح ہی صبح چلیں گے۔ کسی بہانے سے دو چار آدمی ساتھ لے لیں گے۔"

"ایں......... ہاں' یہ ٹھیک ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔" دلیپ چند نے کہا۔

بہرحال اس دن وہ ادھر ہی رکے۔ دن میں لگن کی تاریخ طے ہوگئی۔ پنڈت جی کو بلوا کر مہورت نکلوائی گئی اور ساری باتیں طے ہوگئیں تب دلیپ جی بولے۔

"دھرم پتنی نے ایک بات کہی تھی مہاراج۔"

"کیا سمدھی جی۔" زمیندار نے پوچھا۔

"کیونکہ مہورت طے ہوئی ہے اس لئے یہاں سے چار پانچ آدمی لڑکے کے ساتھ جائیں گے۔ دو چار دن ہمارے ہاں رہیں گے' ہم ان کی سیوا کریں گے اور پھر وہ کنیا کے لئے کچھ چیزیں لے کر آئیں گے۔"

"ارے یہ کون سی ریت ہے۔ اس سے پہلے تو........." زمیندار تعجب سے بولے۔

"بس دھرم پتنی جی نے یہی کہا تھا۔"

"میں پوچھ لوں۔ ویسے ہماری اور آپ کی لگن میں تو ایسی کوئی رسم نہیں ہوئی۔"

"ہاں جب کی بات اور تھی۔"

"خیر میں پوچھ لوں۔" زمیندار سادگی سے بولے مگر موہن کو ہنسی آرہی تھی۔ دلیپ نے بڑی چالاکی سے کام لیا تھا۔

رومادیوی کو بھی تعجب ہوا لیکن بہرحال انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ پھر ایک عورت اور تین مرد تیار ہوگئے۔ دوسرے دن زمیندار نے سب کے لئے بندوبست کیا اور دلیپ چند' موہن کے ساتھ واپس چل پڑے لیکن ان کے دل کی حالت بری تھی۔ راستے بھر رام رام کرتے آئے تھے۔ گو اب ان کے ساتھ کئی افراد تھے لیکن اب بھی انہیں سکون نہیں تھا۔ بھوت تو بھوت ہی ہوتے ہیں۔ یہ سارے مل کر بھی ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔ جوں جوں ندی قریب آتی جارہی تھی دلیپ چند جی کے ہاتھ پاؤں پھولے جارہے تھے۔ وہ دوسروں کے درمیان میں آگئے تھے۔ خود موہن بھی خوفزدہ تھا۔ وہ خطرناک تجربہ اسے یاد آرہا تھا۔ پُرشباب لڑکی کے پاؤں تین تین گز لمبے ہوگئے تھے۔ بالآخر ندی قریب آگئی۔ دونوں باپ بیٹے اپنے دل کی حالت خود ہی جانتے تھے۔ کسی کو اپنی کیفیت بتا بھی نہیں سکتے تھے۔ اس ندی کو پار کرنے کے لئے تو دلیپ نے ایک نئی رسم ایجاد کی تھی جس میں اسے اچھا خاصا گھاٹا ہونے والا تھا۔

ندی پار کرلی گئی تھی اور کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا تو دونوں باپ بیٹوں نے سکون کی سانس لی اور بالآخر وہ اپنی بستی پہنچ گئے۔ جن لوگوں کو دلیپ چند اپنے ساتھ لایا تھا ان پر اچھا خاصا خرچ ہوا۔ پھر دلیپ چند نے انہیں بہت سی چیزیں دے کر رخصت کیا۔

لیکن اس صورت حال سے وہ بہت نڈھال تھا۔ للتا آگھوری ہر وقت اس کی نگاہوں میں گھومتا رہتا تھا اور وہ ہر وقت سوچتا رہتا تھا کہ نہ جانے کب وہ کیا کر بیٹھے۔ لگن

کے دن قریب آتے جا رہے تھے اس دوران دلیپ چند نے کچھ سیانوں کو بلوا لیا تھا۔ حقیقت حال تو اس نے کسی کو نہیں بتائی تھی بس ان سے کہا کہ کچھ گندی روحیں ان کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ سیانے اس سلسلے میں کیا کر سکتے تھے۔ سوائے اس کے کہ دلیپ چند کو بیوقوف بنائیں۔ دلیپ کو اب یہ خوف تھا کہ بارات اس بستی جائے گی لیکن پھر کوئی گڑبڑ نہ ہو لیکن بہرحال یہ صرف ایک خیال تھا۔ للتا آگھوری کی طرف سے ابھی تک کوئی اور حرکت نہیں ہوئی تھی۔

وقت گزرتا رہا اور بالآخر وہ دن آگیا جب بارات روانہ ہونے والی تھی۔ دلیپ اتنا خوفزدہ تھا کہ اس نے سیانوں کو بھی ساتھ لے لیا اور اس طرح بارات روانہ ہوئی۔ موہن تو ان واقعات کو بھول بھی گیا تھا۔ اب تو اس کے ذہن میں کچھ اور تصور چھایا ہوا تھا۔ یہ تصور رتنا کا تھا۔ اپنی ہونے والی پتنی رتنا کا جس کے بارے میں اس نے سنا تھا کہ کافی خوبصورت ہے اور اس کا یہ خیال غلط نہیں تھا۔

بارات خیریت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ گئی۔ ساری رسومات پوری ہوئیں اور پھیروں کے وقت موہن نے رتنا کو دیکھا۔ اس کے ذہن پر سحر طاری ہو گیا۔ اسے علم تھا کہ رتنا بھی تعلیم یافتہ اور کسی حد تک ماڈرن ہے اس وقت رتنا کو دیکھ کر اس پر بے خودی طاری ہو گئی تھی اور اس کے بعد وہ صرف رتنا کے تصور میں کھویا رہا۔ بارات ایک رات ٹھہری تھی دوسرے دن دوپہر کے بھوجن کے بعد اسے روانہ ہونا تھا۔

ساری رات نوٹنکی ہوئی۔ نوٹنکئے طرح طرح کے کرتب دکھا رہے تھے خود دلیپ جی بھی نوٹنکی دیکھنے میں مصروف تھے پھر اس وقت رات کے تقریباً چار بجے تھے جب دسترت نے رانی چرن متی کی اوڑھنی چھین لی اور ہنومان بروقت پہنچ گیا ورنہ چرن متی کی عزت لٹ جاتی۔ جونہی ہنومان نے پردہ کے پیچھے سے چھلانگ لگائی' دلیپ چند کی دہشت ناک چیخ ابھری اور سب لوگ اچھل پڑے۔ دلیپ چند بے اختیار چیخ رہے تھے۔

"للتا...... للتا...... للتا......" اور ان کی یہ بات صرف موہن چند ہی سمجھ سکتا تھا وہ دولہا بنا بیٹھا تھا اور اس کا دھیان رتنا میں تھا۔ صرف آج کی رات اور کل رتنا اس کی بانہوں میں ہوگی۔ ہاں کل...... لیکن للتا' للتا کی آواز سن کر وہ اچھل پڑا۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔

دلیپ وحشت سے پاگلوں کی مانند چیخ رہا تھا وہ بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن دو آمیوں نے انہیں پکڑ رکھا تھا۔ دفعتاً موہن کی نگاہ ہنومان پر پڑی اور اس کے بھی رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ ہاں۔ وہ للتا ہی تھا۔ جو ہنومان جی کا روپ دھارے ہوئے تھا۔ موہن کمار

دم بخود رہ گیا۔ اس کی ہمت نہ پڑی کہ وہ آگے بڑھے۔

زمیندار اور دوسرے چند لوگ دلیپ کے پاس پہنچ گئے۔ زمیندار انہیں جھنجھوڑ رہا تھا۔ نوٹنکی رک گئی اور نوٹنکی کرنے والے تعجب سے دلیپ کو دیکھ رہے تھے۔

"کون للتا لالہ جی...... کیا ہو گیا آپ کو؟" زمیندار نے پوچھا۔

"پہنچ گیا...... آہ' پہنچ گیا...... میں سوچ ہی رہا تھا۔" دلیپ خوف گھگھیائے ہوئے بولا۔

"کون پہنچ گیا اور کہاں پہنچ گیا۔" زمیندار جی بولے۔

"للتا...... وہ...... للتا۔" دلیپ نے للتا کی طرف انگلی اٹھائی۔

"ارے وہ تو بھانڈ ہے۔ ہنومان بنا ہوا ہے۔"

"للتا ہے۔ بھگوان کی سوگند! للتا ہے۔"

"ٹھہرو۔ میں اسے بلاتا ہوں۔" زمیندار بولے اور پھر انہوں نے بھانڈ کو اشارہ کیا۔ ہنومان لوگوں کے درمیان سے گزر کر ادھر آنے لگا۔ دلیپ نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن لوگوں میں الجھ کر بری طرح گرے۔ بھانڈ نزدیک پہنچ گیا تھا۔

"دلیپ مہاراج دیکھئے' وہ آگیا ہے۔ آپ خود اسے قریب سے دیکھ لیں۔"

"ہرے رام...... بچاؤ...... ہرے رام......" دلیپ بری طرح چلا رہے تھے۔ بمشکل انہیں کھڑا کیا گیا لیکن انہوں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے تھے۔

"کیا نام ہے تمہارا بھائی۔" زمیندار نے پوچھا۔

"للتا آگھوری مہاراج۔" ہنومان نے جواب دیا اور پھر زمیندار جی چونک پڑے۔

"کون ہو تم۔ دلیپ مہاراج تمہیں کیسے جانتے ہیں۔"

"پرانے واقف کار ہیں مہاراج...... ہم ان کے سیوک ہیں ان کے بالک کی لگن ہوئی تو ہم بھی ان کا دل بہلانے آوت رہن۔"

"ارے بچاؤ...... یہ بھوت ہے۔"

"دلیپ چند آپ ڈر گئے شاید۔ یہ تو بھانڈ ہے۔"

"سرکار ہماری شکل اچھی طرح پہچانت رہن مہاراج! انہی سے پوچھو کا ہم برے آدمی رہت ہیں ہم تو سیوک ہیں مہاراج۔" للتا آگھوری بولا۔

لیکن دلیپ چند بے ہوش ہو کر گر پڑے اور اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا تھا۔

"ہم واپس چلے جاویں ہیں مہاراج۔ پر ملتے رہن گے اپنے دلیپ جی سے۔" للتا نے کہا اور ایک طرف چلا گیا۔

خاصی گڑبڑ ہوگئی تھی۔ دلیپ چند کو اندر لے جایا گیا اور پھر وہ کافی دیر تک بے ہوش رہے۔ نوٹنکی جاری رہی لیکن ہنومان جی غائب ہوگئے تھے کسی کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی تھی۔ دوسرے دن زمیندار نے موہن سے بھی اس بارے میں پوچھا تھا لیکن اس نے کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا اور جواب دیا کہ اسے نہیں معلوم کہ کل پتا جی کو کیا ہوگیا تھا۔

بہرحال بارات دلہن کو لے کر واپس آگئی۔ موہن کے ذہن میں بھی تھوڑی سی الجھن پیدا ہوگئی تھی۔ خوشی کے اس موقع پر وہ کم بخت کیوں آگیا۔ نہ جانے کیوں وہ بار بار پتا جی کو خوفزدہ کردیتا ہے۔

لیکن جوں جوں رات نزدیک آتی جارہی تھی وہ سب کچھ بھولتا جارہا تھا اب اس کے نزدیک رتنا کے سوا کوئی نہ تھا۔ رتنا جو گڑیا بنی بیٹھی اس کا انتظار کررہی ہوگی انتظار کے طویل لمحات گزرتے رہے اور پھر وہ سمے آگیا جب لڑکیوں نے ٹھٹھول کرتے ہوئے اسے دلہن کے کمرے میں ٹھونس دیا۔ ات کافی بیت گئی تھی۔

پہلے تو وہ شرمایا سا رہا۔ لڑکیاں دروازے پر موجود تھیں اور ان کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ پھر اس نے دروازہ بند کردیا اور پھر اس نے محبت بھری نگاہ سامنے اٹھائی......... لیکن یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ رتنا دلہن بنی نہیں بیٹھی تھی......... اس کے بدن پر ایک بھی زیور نہیں تھا۔ ترشے ہوئے بال بکھرے ہوئے تھے۔ چنریا نیچے ڈھلک گئی تھی اور وہ بڑی بے باکی سے ایک ہاتھ ٹکائے دروازے کی جانب دیکھ رہی تھی۔

موہن کمار ٹھٹک گیا۔ وہ تصورات میں ایک بیر بہوٹی سجائے اندر آیا تھا لیکن رتنا کا یہ انداز بھی برا نہیں تھا ممکن ہے اسے گرمی لگی ہو اور چونکہ وہ پڑھی لکھی ہے اس لئے اس نے لباس وغیرہ تبدیل کرلیا ہو۔ وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا اور رتنا بھی مسکرانے لگی۔

"شاید تمہیں گرمی لگ رہی تھی رتنا۔" وہ پیار سے بولا۔ رتنا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بدستور خاموش نگاہوں سے موہن کو دیکھتی رہی اور موہن اس کے پاس پہنچ گیا۔

"رتنا بات کرو۔" وہ اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہمارا نام رتنا نہیں بابو......... کلونتی ہے۔" اس نے جواب دیا اور ایک لمحے کے موہن کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

"بہت بدمذاق ہو رتنا......... میں نے تمہارے بارے میں........." بات ادھوری رہ گئی وہ رتنا کی پشت پر بیٹھا ہوا تھا رتنا نے گردن گھمائی اور اس کی گردن پورا بل کھاگئی۔

اتنی زیادہ گردن گھمانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اب رتنا کا چہرہ اس کی طرف تھا اور جسم کا رخ دوسری طرف۔

اور اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں بجلی کوند گئی۔ کلونتی......... یہ نام اسے یاد آگیا تھا اور یہ آواز......... ہاں ندی پر گزرتے ہوئے گھوڑے پر اس نے یہ آواز سنی تھی......... دوسرے لمحے وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

اس کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں' منہ حیرت سے کھل گیا' پھر اس کی حیرت میں ڈوبی آواز نکلی۔ "ر......... ر......... رتنا۔"

"کلونتی کاہے ناہیں کلو بابو۔ ہم سمجھے ہماری صورت سے دھوکا کھاوت ہو تو لو یہ ہماری صورت ہے۔" اور اس کے ساتھ ہی کلونتی کا رنگ سیاہ پڑگیا' نقوش بدل گئے اور موہن کمار کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ "بیٹھو کھڑے کاہے ہوگئے ہمری لگن ہوئی ہے' ہم تمہاری دھرم پتنی ہیں۔ ہمار بابا کو کتنی خوشی تھی ہمارے ہاتھ پیلے ہون کی سو ہوگئے تم بھی ہمکا پسند ہو بابو بیٹھو۔" وہ بستر سے اتر آئی اور اب وہ سو فیصد کلونتی تھی۔ موہن کمار نے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی بمشکل تمام وہ کواڑ کھول سکا تھا اور پھر وہ رکے بغیر باہر بھاگا۔ باہر سناٹا ہوگیا تھا سب سونے جاچکے تھے موہن کمار حویلی میں سے باہر نکل آیا اسے چاروں طرف سے کلونتی کی چیخیں اور قہقہے سنائی دے رہے تھے وہ خوف و دہشت سے لرز رہا تھا۔ "اوہ' یہ کیا ہوا......... یہ کیا ہوا۔"

رتنا کلونتی کیسے ہوگئی اوہ پتا جی نے کتنی بڑی بھول کردی۔ دلیپ چند مہاراج نے چھ بیگھے زمین کی خاطر سارا خاندان نشٹ کردیا لیکن' لیکن اب میں کہاں جاؤں؟ کیا کروں میں۔ کمرے میں جانے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا وہ بمشکل تمام خود کو سنبھال سکا تھا اس نے سوچا کہ کسی دوست کے گھر چلا جاؤں لیکن اس سے باہر نکل کر دوسروں سے مذاق اڑواتا تھا آخر وہ گھر سے باہر نکل آیا۔ بہت دیر تک وہ بستی کی گلیوں میں آوارہ پھرتا رہا پھر گھر واپس لوٹ پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد کھلے دروازے سے اندر داخل ہوگیا پھر ایک خالی کمرے میں جاکر وہ لیٹ گیا لیکن اس کے دل کو کسی طور قرار نہیں تھا ساری رات آنکھوں ہی آنکھوں میں گزر گئی اور پھر صبح ہوگئی۔ صبح کو گھر کی ایک نوکرانی نے اسے جگایا تھا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا نوکرانی کے چہرے سے سخت حیرت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"ارے بابو آپ یہاں سو رہے ہیں؟" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"جاؤ' کسی کو بتانا مت۔" اس نے بھاری لہجے میں کہا اور نوکرانی حیرت سے گردن ہلانے لگی اس نے بڑی معنی خیز نگاہوں سے موہن کمار کو دیکھا تھا اور پھر تھوڑی دیر کے

بعد وہ اپنے گھر والے کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ "کچھ گھٹالا ہے کاشی ناتھ!" وہ اپنی بڑی بڑی آنکھیں منکاتی ہوئی اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"کیا بکواس کر رہی ہے؟" کاشی ناتھ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"بھگوان کی سوگند ہم کہے دے رہے ہیں کہ کچھ گھٹالا ہے موہن کمار بابو رات کو اپنی استری کے ساتھ سونے کے بجائے ایک خالی کمرے میں سو رہے تھے۔"

"ارے!" کاشی ناتھ تعجب سے بولا اور پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"برے کاموں کے برے نتیجے دلیپ چند مہاراج کے اسے کھلے ہوئے بیل کی طرح چھوڑ رکھا تھا اب پتنی آئی تو ایسی باتیں چھپنے کی نہیں ہوتیں۔" رتنا پنڈت رام دیال کی بیٹی تھی' شریف النفس حسین سیرت کی۔ اس نے کسی سے کچھ نہ کہا لیکن بھانپنے والوں نے بھانپ لیا کہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے سے دور رہے ہیں بہت سے لوگوں نے سوالات کئے رتنا سے پوچھا گیا تو اس نے بتا دیا کہ موہن کمار اس کے پاس آئے ہی نہیں وہ بستر پر دلہن بنی بیٹھی رہی اور نہ جانے اسے کب نیند آ گئی لیکن موہن کمار نہیں آیا تھا۔ بات دلیپ چند تک پہنچ گئی اور دلیپ چند حیران رہ گیا اور اس نے موہن کمار کو طلب کر لیا موہن کمار کیا بات ہے؟ میں نے جو کچھ سنا ہے کیا ٹھیک ہے اور تمہارا حلیہ بھی خراب ہو رہا ہے کیا بات ہے؟ موہن کمار جلتی نگاہوں سے دلیپ چند کو دیکھتا رہا اور پھر بھاری لہجے میں بولا۔

"کوئی بات نہیں ہے پتا جی آپ نے جو کچھ سنا ہے اسے بس خاموشی سے ختم کر دیجئے۔"

"موہن کمار کیا کہہ رہے ہو؟ مجھے یہ بتاؤ کہ میں نے جو کچھ سنا ہے کیا وہ صحیح ہے؟" دلیپ چند نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"جی بالکل صحیح سنا ہے۔" موہن کمار نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور دلیپ چند تعجب سے اسے دیکھنے لگے۔

"مم......... مگر آخر کیوں' کیوں؟"

"سب آپ کا کیا دھرا ہے پتا جی!" موہن کمار غرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میرا؟" دلیپ چند نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔ آپ کا۔"

"لل......... لیکن کس طرح؟"

"رات کو رتنا نہیں تھی بلکہ کلونتی تھی؟"

"کیا؟" دلیپ چند کے ہاتھ سے حقے کی نے چھوٹ پڑی۔

"ہاں کلونتی تھی اس نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا اس نے کہا کہ اس کے باپ کی یہ خواہش تھی کہ اس کے ہاتھ پیلے ہوں اور آج اس کی یہ خواہش پوری ہو گئی پتا جی وہ رتنا نہیں تھی کیا آپ نے میری شادی کلونتی سے کی ہے؟"

"ارے کیا بکواس کر رہا ہے رتنا کہاں گئی تھی اس وقت؟"

"میں نہیں جانتا وہ کلونتی تھی اس نے اپنا اصلی چہرہ بھی مجھے دکھایا تھا اور پھر اس کی گردن چاروں طرف گھومتی رہی تھی اگر آپ میری جگہ ہوتے تو پتا جی خوف سے آپ کا دیہانت ہی ہو جاتا میں نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا تھا۔"

"ارے یہ کیا ہوا؟ اب کیا ہو گا؟ اس کا مطلب ہے کہ اس نے رتنا پر بھی اپنا سایہ ڈال دیا ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا پتا جی میں کچھ نہیں جانتا پتا جی جو کچھ ہے آپ ہی سنبھالیں گے اور مجھے بتائیں گے کیا کروں؟"

"میں کیا بتاؤں پر تو چنتا نہ کر میں کچھ کروں گا میں سیانوں سے مشورہ کروں گا اور اب کچھ کرنا ہی پڑے گا۔" دلیپ چند نے کہا۔ دلیپ چند سر پکڑ کر بیٹھ گیا اس کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی تھی۔ اس طرح تو بیٹے کی پوری زندگی برباد ہو گئی تھی ان کی وجہ سے للتا سے پیچھا چھوٹنا آسان نہیں تھا اب اس نے کاری وار کیا تھا اور اس وار کو سہنا بے حد مشکل تھا۔ دوسری طرف موہن کمار کی ذہنی کیفیت خراب ہو رہی تھی رتنا سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا لیکن کلونتی......... دوپہر کے بھوجن پر اسے رتنا کے سامنے جانا پڑا رتنا کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں لیکن اس کے چہرے پر شکایت تھی موہن کمار نے جرأت سے کام لیتے ہوئے گھر والوں سے کہہ دیا کہ وہ رتنا سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہے۔ اس کی یہ خواہش پوری کر دی گئی۔

رتنا آہستہ سے بولی۔ "میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ مجھ سے کیا بھول ہوئی ہے۔"

"نہیں رتنا تم سے کوئی بھول نہیں ہوئی ہے' بھول نہ جانے کس سے ہوئی ہے۔ شکار ہم ہوئے ہیں۔ رات کو جب میں تمہارے پاس آیا تو تم ایک عام لڑکی کے انداز میں بیٹھی تھیں تم نے اپنا نام کلونتی بتایا تھا اور تمہاری گردن چاروں طرف گھوم رہی تھی۔"

"ہائے رام یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں بھی انسان ہوں رتنا مجھے بتاؤ یہ سب کیا تھا؟"

"بھگوان کی سوگند میں نہیں جانتی مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے۔"

"تم اپنی رات کی کیفیات کے بارے میں بتاؤ رتنا۔"

"میں بیٹھی آپ کی راہ تک رہی تھی بہت دیر تک آپ نہ آئے ہاں مجھے آہٹ محسوس ہوئی پھر' ہاں میں سوگئی تھی مجھے اپنے کندھوں پر بوجھ محسوس ہوا ہائے رام ٹھیک تو ہے اس کے بعد مجھے کچھ پتا نہ رہا ہائے رام یہ سب کیا ہے؟" رتنا رونے لگی۔

"ٹھیک ہے رتنا سب ٹھیک ہوجائے گا۔" موہن اسے تسلی دینے لگا کافی دیر تک دونوں گفتگو کرتے رہے پھر طے ہوا کہ رات کو رتنا ہوشیار رہے گی اور خود پر کوئی کیفیت طاری نہ ہونے دے گی۔ رات کو دونوں پوری طرح ہوشیار تھے موہن کمار نے ہر طرح سے مضبوطی کی کوشش کی تھی وہ اس کلونتی کو دھوکا دینا چاہتا تھا سرشام ہی وہ گھر سے باہر نکل گیا اور پھر رات گئے بھی وہ گھر کے دروازے سے اندر داخل ہونے کی بجائے ایک رسی کی مدد سے دیوار پر چڑھا اور اندر کود گیا اور پھر چوری چوری وہ اپنے کمرے میں پہنچا تھا اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے رتنا کی جانب دیکھا۔ رتنا کسی خیال میں ڈوبی ہوئی تھی شاید اسے ابھی تک اس کے آنے کی اطلاع نہیں ہوئی تھی تب موہن کمار نے چاروں طرف دیکھا۔ دروازہ بند کیا اور پھر رتنا کے بستر کی طرف بڑھا۔ "رتنا!" اس نے آہستہ سے پکارا اور رتنا اچھل پڑی اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے خوف کے آثار نظر آئے تھے لیکن پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھگوان کی سوگند میں تو ڈر گئی تھی۔" موہن کمار کے ہونٹوں پر تعجب خیز مسکراہٹ پھیل گئی اور رتنا نے شرما کر نگاہیں جھکالیں۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ آج وہ نہیں آئی۔" اس نے مسرت بھرے لہجے میں کہا اور رتنا کے نزدیک بیٹھ گیا تب رتنا نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"مجھے تو ڈر ہی لگ رہا تھا۔" رتنا نے اس کے چوڑے سینے میں سماتے ہوئے کہا جذبات کی یورش سے اس کا پورا بدن لرز رہا تھا۔

"ہاں رتنا واقعی ہمارے اوپر یہ ایک عجیب سا کشٹ آپڑا ہے بھگوان ہمیں اس مصیبت سے نجات دلائے۔" اس نے رتنا کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے بتی کو اپنے پاس روکے رکھا تھا۔" رتنا کھسیاتے ہوئے بولی۔

"اچھا یہ اچھا کیا بلکہ میرا خیال ہے کہ تم تنہا بیٹھا ہی نہ کرو ہر وقت کسی نہ کسی کو ساتھ رکھا کرو۔" موہن بولا۔

"مگر ناتھ یہ کلونتی ہے کون؟ میں تو کچھ نہیں جانتی۔" رتنا اپنے لہجے کی کپکپاہٹ کو چھپانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"بھگوان کے لئے اس سے اس کا نام نہ لو بھگوان کے لئے رتنا!" موہن کمار نے

رتنا کی آنکھیں چومتے ہوئے کہا اور رتنا اس کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے پیار سے اپنے چہرے کے قریب لے آئی۔

"ٹھیک ہے ناتھ اگر تمہاری یہی اچھا ہے تو میں کبھی اس کا نام نہیں لوں گی۔" رتنا نے جواب دیا موہن کمار کی حالت اب بھی درست نہیں تھی بہرحال وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس وقت کوئی خاص خطرہ نہیں ہے اور تقریباً سب ٹھیک ٹھاک ہی ہے تب اس نے رتنا کو بستر پر لٹا دیا اور اپنا ایک بازو اس کی گردن کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا۔ دوسرے ہاتھ سے وہ اس کے بالوں میں کنگھی کر رہا تھا اور رتنا کے جسم کی کپکپاہٹ تیز ہوتی جارہی تھی وہ دلہن پن بھول چکی تھی۔ موہن کمار کے حواس درست ہوتے جارہے تھے چنانچہ چند ساعت بعد وہ بالکل بے خود ہوگیا اس نے رتنا کا سر اپنے سینے پر رکھ دیا۔ "رتنا بھگوان کی سوگند بڑے سپنے دیکھے ہیں تمہارے لئے میں تمہیں سچ سچ بتادوں کہ جیون میں میرا ساتھ کبھی کسی لڑکی سے نہیں ہوا تھا تمہارے بارے میں سنا اور جب مجھے یہ پتہ چلا کہ تم میرے جیون میں شامل ہوجاؤ گی تو میرے من میں تمہارے لئے پریم ساگر پھوٹ پڑے میں نے اس سمے سے تمہیں دل میں بسایا ہوا ہے رتنا اور ہر وقت تمہارے سپنے دیکھتا رہتا ہوں۔"

رتنا اس کے سینے پر سر رکھ کر لیٹی ہوئی تھی موہن کمار نے بھی محسوس کیا تھا کہ اس کا بدن جذبات سے ہولے ہولے کانپ رہا تھا اس کے سینے پر رتنا کے سر کا دباؤ بڑھتا ہی جارہا تھا اور چند ساعت کے بعد موہن کمار کو محسوس ہوا جیسے سینے کا یہ دباؤ بتدریج بڑھتا ہی جارہا ہو اور پھر وزن' بے پناہ وزن یہاں تک کہ موہن کمار کے سینے کی پسلیاں دکھنے لگیں وہ گھبرا گیا تب اس نے رتنا کے سر کو اٹھانا چاہا اور ناکام رہا تب اس نے بڑی کوشش کرکے رتنا کا سر تھوڑا سا اٹھایا۔ "رتنا کیا بات ہے؟"

"رتنا نہیں' کلونتی مہاراج ہمکا بار بار بھولت ہو؟" رتنا کی آواز سنائی دی اور موہن کمار کی دھاڑ سے پورا کمرہ لرز اٹھا تھا اس نے اپنی پوری قوت سے کلونتی کو دھکا دیا اور مسہری سے چھلانگ لگادی۔ اس کے سارے جذبات ہوا ہوگئے تھے اس نے رتنا کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن وہاں تو کلونتی تھی خبیث صورت والی کلونتی موہن کمار نے ایک چیخ ماری اور دروازہ کھول کر باہر نکل بھاگا بمشکل دروازہ کھول کر وہ باہر آگرا۔ اس کی دونوں چیخیں سن لی گئی تھیں سب لوگ اس کے گرد جمع تھے اور وہ بری طرح کپکپا رہا تھا دلیپ چند اور دوسرے لوگ پریشان تھے لیکن دلیپ چند جانتا تھا کہ کیا ہوا ہے باقی لوگوں کو تو صرف حیرت ہی تھی جاننے کی کہ اسے نہ جانے کیا ہوگیا ہے۔ موہن کمار بے ہوش ہوچکا

تھا اسے اٹھا کر مسہری پر ڈالا گیا اور پھر رتنا کی خبر لی گئی رتنا مسہری پر دراز سو رہی تھی اسے جگانے کی کوشش کی گئی لیکن کافی کوشش کے باوجود نہیں جاگی گویا کلونتی فرار ہوگئی تھی۔ بات چھپانے کے باوجود نہیں چھپ سکتی تھی حالانکہ اسے چھپانے کا خواہش مند صرف دلیپ چند تھا لیکن اب اس کے ہاتھ بھی بات نہیں رہی تھی کیونکہ کلونتی اب کھل کر سامنے آگئی تھی اس نے اب مستقل رتنا پر قبضہ جمالیا تھا اور گھر میں طوفان آگیا تھا اس نے کپڑوں کی الماری میں آگ لگادی تھی گھر کے بہت سے لوگوں کی پٹائی کردی گئی دلیپ چند جی کا حقہ ان کے سر الٹ دیا اور دلیپ چند بری طرح جل گئے تھے۔ گھر کا ہر فرد سہما ہوا تھا نوکر بھاگ گئے تھے گھر والے ایک کمرے میں قید ہو کر رہ گئے تھے کلونتی نے پورے گھر پر قبضہ جما رکھا تھا ان حالات کی پوری اطلاع رام دیال جی کو بھجوا دی گئی بس دلیپ چند نے تھوڑا سا خیال رکھا تھا کہ نہ جانے رتنا کو کیا ہوگیا ہے۔ محبت کے مارے رتنا کے ماتا پتا دلیپ چند کی بستی پہنچ گئے ان کے ساتھ پنڈت رادھے شنکر بھی آئے تھے اور یہ شنکر بہت بڑے گیانی تھے نیک دل اور نیک چلن۔ رام دیال نے رتنا کو دیکھا تو سر پیٹ کر رہ گئے رتنا کی ماں بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔

"دھیرج رکھو رام دیال میں جانتا ہوں تم برے انسان نہیں ہو اور بھگوان برے آدمی کو کشٹ نہیں دیتا۔" شنکر مہاراج نے کہا اور پھر وہ کلونتی کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"کون ہے تو؟"

"کلونتی ہے ہمارا نام۔"

"اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"کچھ نہیں مہاراج پر ہمار بابا یہی بولت رہن کہ ہمارے ہاتھ پیلے ہوگئے۔"

"کہاں ہے تیرا بابا؟"

"ہمکا کا معلوم۔"

"تو یہاں سے چلی جا۔"

"ناہیں مہاراج اے ہمار سسرال ہے۔" کلونتی نے شرما کر کہا۔

"لیکن یہاں تیرے ساتھ بہت برا سلوک ہوگا۔"

"ہون دو مہاراج کچھ بھی ہو یہ ہمارے پتی کا گھر ہے۔" کلونتی نے محبت سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" رادھے شنکر نے کہا' اور پھر انہوں نے سب گھر والوں کو ہٹا دیا اور چلہ کرنے بیٹھ گئے لیکن چار روز کے چلے کے باوجود کلونتی ٹس سے مس نہ ہوئی اور رادھے شنکر بھی بوکھلا گئے وہ پریشان نظر آنے لگے تھے انہوں نے چلہ ختم کردیا تھا۔ اس

وقت گھر کے سارے لوگ ان کے گرد جمع تھے۔ "نہ جانے کیوں میں ناکام ہو رہا ہوں رام دیال' حالانکہ میں نے اس بچی کے لئے بھگوان سے بڑی پرارتھنا کی ہے۔ نہ جانے کیوں' نہ جانے کیوں؟"

"مگر اس کا دوش کیا ہے مہاراج؟" رام دیال بھی روتے ہوئے بولے اسی وقت اس کمرے کا دروازہ کھلا اور رتنا یا کلونتی ایک عجیب الخلقت شخص کے ساتھ اندر داخل ہوئی موہن کمار اور دلیپ چند کا تو خوف سے برا حال ہوگیا تھا دونوں تھر تھر کانپنے لگے یہ عجیب الخلقت شخص للتا آگھوری تھا اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ای تو وقت کا فیصلہ رہے مہاراج جیسا کیا ہے ویسا بھگتو ای ہمار بٹیا ہے اب تم سے جو ہو سکت او کرو۔" کوئی کچھ نہیں کر سکا مگر اس وقت نہ جانے کہاں سے تمہارا چچا گلاب شیر وہاں آنکلا اور اس نے اپنے کالے علم کو بروئے کار لاکر کلونتی کو خاکستر کردیا۔ للتا آگھوری بھاگ گیا لیکن پھر اسے گلاب شیر کی اس رہائش گاہ میں دیکھا گیا اور بس اتنی کہانی ہمیں معلوم ہے بعد میں بستی کے دوسرے لوگوں سے ہمیں کچھ اور ہی کہانیاں معلوم ہوئیں تھیں سرکار ہمیں یہ پتا چلا تھا کہ آپ کے چچا گلاب شیر نے آگھوری کی بیٹی کو بھسم کرنے کے بعد آگھوری کو بھی مار دیا تھا اور اس کی لاش کو ہندو رسم و رواج کے مطابق جلا کر خاکستر نہیں کیا تھا بلکہ مالک گلاب شیر نے اس کی لاش کہیں چھپا دی تھی اور ایک اور بات بتائیں آپ کو سرکار ہو سکتا ہے آپ کے کام کی بات ہو آپ مولوی فاروق کو جانتے ہیں؟"

"مولوی فاروق؟" میں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں سرکار مولوی فاروق صاحب پیپل والی مسجد کے پیچھے رہا کرتے ہیں۔ دعا تعویذ کردیا کرتے ہیں پر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بہت بڑے عامل ہیں نہ کسی سے کچھ کھانے پینے کے لئے تیار ہیں' نہ کسی کی کوئی دی ہوئی چیز قبول کرتے ہیں مگر زندہ ہیں تندرست ہیں۔ اگر چاہیں تو مولوی صاحب سے مل لیں وہ آپ کی بڑی مدد کریں گے۔"

چنانچہ میں مولوی فاروق کا پتہ معلوم کرنے کے بعد انہیں تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ مولوی صاحب واقعی باکمال شخصیت تھے انہوں نے مجھے بغور دیکھا اور بولے۔

"بیٹھ جاؤ میں تمہارا انتظار کر رہا تھا تم میرے پاس اب تک کیوں نہیں پہنچے؟"

"جی آپ مجھے جانتے ہیں؟"

"گل شیر ہو نا۔" انہوں نے کہا اور میں حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا۔

"جی میرا نام گل شیر ہی ہے۔"

"اور گلاب شیر کے بارے میں پریشان ہو؟ چلو خیر جو کچھ بھی ہے وہ اپنی جگہ گلاب شیر نے بھی گندے علوم میں واقفیت حاصل کی تھی بڑا ضدی بڑا ذہین اور بہت ہی جاہل قسم کا آدمی تھا میں نے بے شمار معاملات میں اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں مانتا تھا۔ آخر کار گندے علوم کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کرلی اس نے ایک شخص کو اپنے علم سے ہلاک کیا ہلاک کیا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ایک گندی روح کو اس عالم میں قیدی بنادیا جب وہ جسمانی حالت میں تھی اور تم نہیں جانتے کہ روحیں اگر جسمانی شکل اختیار کرلیں تو بالکل عارضی کام ہوتا ہے اور اگر یہ عارضی کام مستقل ہوجائے تو سمجھ لو کہ اس سے زیادہ اذیت ناک بات اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ آگھوری ایک جسم میں قید ہے وہ جسم اس کا اپنا نہیں ہے بلکہ شاید کوئی اور جسم حاصل کیا ہوا ہے اس نے وہ سخت پریشان ہے اگر وہ جسم تبدیل نہ کرے تو اس کی روح ہی اس قدر شدید اذیت کا شکار ہوجائے کہ بس خدا ہی جانتا ہے ہم انسان حقیقتوں کو اتنا نہیں جان سکتے۔ تو میں نے تم سے یہ کہہ دیا تھا کہ آگھوری تمہارے چچا کے جسم پر قبضہ کرنے کی فکر میں ہے اس کی موت کا منتظر تھا چونکہ گلاب شیر کا جسم حاصل کئے بغیر وہ اس روحانی اذیت سے نجات نہیں حاصل کرسکتا جو اسے پہنچ رہی ہے۔ تم ان تمام حقیقتوں کو تفصیل سے نہ سمجھ سکو گے بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں تم میرے پاس آگئے ہو مجھ سے بات کرو اس موضوع پر کہ تم مجھے اپنے ساتھ مدد میں شامل کرنا چاہتے ہو؟"

"محترم بزرگ حسینہ نامی عورت کو آپ جانتے ہوں گے اس نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ سب کچھ ہوجائے جو میرا چچا گلاب شیر چاہتا تھا۔"

"تو پھر سنو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارا چچا تم سے کیا چاہتا ہے اس کی خواہش ہے کہ تم وہ عمل کرو جس سے بدروحیں اس کی قبر میں داخل نہ ہوسکیں اور اس کے لئے تمہیں سب سے پہلے آگھوری کی لاش تلاش کرکے اسے خاکستر کردینا ہے آگھوری کی لاش کے بارے میں' میں تمہیں نشانات بتائے دیتا ہوں تم ان نشانات کو تلاش کرکے اس لاش کو جلادو۔" بہرحال آگھوری کی لاش کی تلاش کے لئے مولوی فاروق یا بابا فاروق نے میری بڑی مدد کی اور انتہائی شدید ترین مشکلات اور ہنگامہ آرائی کے بعد میں آگھوری کی لاش کو خاکستر کرنے میں کامیاب ہوسکا مجھے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں مولوی فاروق کا انتہائی عقیدت مند ہوگیا تھا وہ بھی مجھ سے بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ بلاشبہ وہ ایک عالم تھے آخر کار میں نے انہیں اپنی دکھ بھری کہانی سنادی تو وہ بولے۔

"ہر شخص کچھ نہ کچھ پانا چاہتا ہے نیکی بدی کے فلسفے سے واقف ہو سیاہ سفید' روشنی اندھیرا شیطان کالے شاہ سفید شاہ جانتے ہو شیطان کیا ہے؟ عقل چھین لیتا ہے کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے اور اس کے بعد تمہیں سمجھاتا ہوں سنو غور سے سنو۔

☆======☆======☆

"ان دنوں وہ ایک کمزور اور سہما ہوا نوجوان تھا اس کے اندر ہمت نام کی کوئی شے نہیں تھی وہ گلی میں جھاڑو دینے والے بھنگی سے لے کر گلیوں میں آوارہ پھرنے والے لڑکوں تک سے ڈرتا تھا اس کی مسکینی کا یہ عالم تھا اگر اسے کوئی دو تھپڑ مار دیتا تو احتجاج نہ کرتا بلکہ صلح کی فضا قائم رکھنے کے لئے دو تھپڑ اور کھالیتا۔ خرابی اس وقت شروع ہوئی جب اس نے اپنے باپ کے انتقال کے بعد بڑے بھائی کے کاروبار میں سے حصہ مانگ لیا کاروبار بھی کیا تھا پرچون کی ایک چھوٹی سی دکان تھی جس میں چند سو روپوں کا مال ہوگا باپ کے مرتے ہی جانی کے بڑے بھائی احمد بخش نے گھر اور دکان کا سارا انتظام اپنے قابو میں کرلیا جانی نے چھوٹے بھائی کریم بخش کے کہنے میں آکر بڑے بھائی سے جائیداد میں حصہ مانگ لیا احمد بخش کو پتہ تھا کہ جانی ایک ڈرپوک آدمی ہے اس لئے اس نے اسے حصہ دینے کے بجائے گھر سے ہی نکال دیا اور اسے دھمکی دی کہ اگر آئندہ اس نے گھر میں قدم رکھا تو اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ جانی نے بھائی کے ڈر سے مسجد میں سونا شروع کردیا۔ مسجد کے پیش امام کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو اس نے احمد بخش کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ دیکھو بھائی احمد بخش' جانی جیسا بھی ہے تمہارا بھائی ہے اور تمہارے باپ کی جائیداد میں تمہارا شریک ہے تم اس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو اور کم از کم اسے گھر سے نہ نکالو۔ احمد بخش نے چالاکی سے کہا مولوی صاحب گھر کی بات اگر باہر جائے تو انسان کی اپنی بدنامی ہوتی ہے لیکن چونکہ آپ نے بات چھیڑ ہی دی ہے اس لئے میں آپ کو بزرگ سمجھ کر اصل حقیقت بتا دیتا ہوں جائیداد کا کوئی مسئلہ نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ جانی میری بیوی پر بری نظر رکھتا ہے وہ دو ایک مرتبہ اس پر دست درازی بھی کرچکا ہے اس لئے میں نے اسے اپنے گھر سے نکالا ہے۔ مولوی صاحب یہ سن کر پریشان ہوگئے انہوں نے سوچا کہ اگر جانی ایسا آدمی ہے تو پھر اس کا مسجد میں رہنا بھی مناسب نہیں کیونکہ ان کے پاس بچیاں پڑھنے آتی تھیں۔ وہ جانی سے بات کرنے کے لئے مناسب موقع کی تلاش میں تھے کہ تین چار روز کے بعد ان کا بٹوا غائب ہوگیا۔ بٹوے میں ستر روپے تھے۔ اس زمانے میں ستر روپے بہت بڑی رقم تھی۔ مولوی صاحب نے مغرب کی اذان کے بعد

اس گمشدگی کی بابت کا اعلان کردیا اور بتایا کہ بٹوے میں تین چاندی کے سکے اور چار نوٹ دس روپے والے تھے ان کا خیال تھا کہ بٹوا ان کی بے پرواہی کی وجہ سے کہیں گر گیا تھا۔

سنتوں کے بعد احمد بخش مولوی صاحب کو ایک طرف لے گیا اور دبے لفظوں میں بولا۔ مولوی صاحب ویسے جانی ہے تو میرا بھائی مگر اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہے آپ احتیاطاً اس کا بستر اور دوسرا سامان ضرور دیکھ لیں لیکن چار آدمیوں کی موجودگی میں دیکھیں ایسا نہ ہو کہ وہ الٹا آپ پر کوئی الزام دھر دے۔ مولوی صاحب نے سوچا جانی کام دھندا کچھ نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے اس نے اپنی کسی ضرورت سے مجبور ہو کر بٹوا چوری کرلیا ہو۔ عصر کی نماز کے بعد انہوں نے چار معتبر لوگوں کو روک لیا اور جانی کو پاس بلا کر کہا جان بخش کہتے ہیں کہ اگر دل میں کوئی شک پیدا ہوجائے تو اسے رفع کرلینا چاہئے کسی شخص نے میرے دل میں یہ وسوسہ ڈال دیا ہے کہ میرا بٹوا تمہارے پاس ہے اگر تم اجازت دو تو تمہارا سامان دیکھ لوں۔ جانی یہ سن کر پریشان ہوگیا وہ بولا۔

"میں ایسی حرکت نہیں کرسکتا آپ بخوشی میرا سامان دیکھ لیں۔" وہ خود ہی مولوی صاحب کو اپنے بستر کے پاس لے گیا اور اسے کھول کر ایک ایک چیز جھاڑنے لگا اچانک اس کے تکئے کے اندر سے بٹوا نکل آیا مولوی صاحب نے فوراً اپنا بٹوا پہچان لیا۔ اللہ تیرے حال پر رحم کرے جانی یہ تُونے کیا' کیا اگر تجھے پیسوں کی ضرورت تھی تو ویسے مانگ لیتا۔ ایک نمازی نے کہا۔ مولوی صاحب پہلے بٹوے کا معائنہ تو کرلیں مولوی صاحب نے بٹوا چیک کیا تو اس میں ایک سکہ کم تھا۔ جانی تو بٹوا دیکھ کر گنگ ہوگیا تھا مولوی صاحب کی منتیں کرنے لگا اور قسم کھانے لگا کہ اس نے بٹوے کو ہاتھ نہیں لگایا پتہ نہیں وہ اس کے بستر کے اندر کیسے پہنچ گیا تھا۔ ایک دوسرے نمازی نے زور سے جانی کے منہ پر تھپڑ مارا اور غصے سے کہا۔

"کمینے' پاجی ایک تو چوری کی اور پھر خانہ خدا میں جھوٹی قسمیں کھاتے ہو۔" تیسرے نمازی نے کہا مولوی صاحب اس نے خانہ خدا میں چوری کی ہے اسے شرع کے مطابق سزا ملنی چاہئے۔ بالکل بالکل آپ نے بجا ارشاد فرمایا ہے چوتھے نمازی نے کہا۔ ایسا ہی ہونا چاہئے چوری ثابت ہوچکی ہے مال مسروقہ اللہ کے پانچ نیک بندوں کے سامنے برآمد ہوچکا ہے۔ پنچایت بلانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اس چھوٹی سی بستی میں کوئی تھانہ کچہری نہیں تھا ضرورت بھی نہیں تھی ہاں کبھی بڑا جرم نہیں ہوا تھا چھوٹے موٹے تنازعے پنچایت میں حل کر لئے جاتے تھے چوری کا وہ پہلا جرم تھا۔ مولوی صاحب نے مغرب کے بعد پنچایت بلائی۔ جانی اپنی صفائی میں کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہ کرسکا پنچایت

نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ شریعت کے مطابق جانی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے فیصلے پر عملدرآمد اگلے دن تک کے لئے ملتوی کردیا گیا۔ جانی کو ایک کوٹھری میں بند کرکے باہر سے تالا لگا دیا گیا دہشت زدہ جانی نے کوٹھڑی کی کچی دیوار میں نقب لگائی اور رات کی تاریکی میں بستی سے فرار ہوگیا۔

اس دور افتادہ بستی میں ٹرانسپورٹ کا کوئی انتظام نہیں تھا سڑکیں بھی نہیں تھیں صرف ایک کچا راستہ تھا جس پر خچر گھوڑے اور بیل گاڑیاں چل سکتی تھیں چونکہ جانی سزا کے خوف سے بھاگا تھا اس لئے وہ بدحواسی میں جنگل کی طرف نکل گیا اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس طرف جارہا ہے لیکن چونکہ وہ بستی سے دور نکل جانا چاہتا تھا اس لئے چلتا رہا ساری رات چلتا رہا کوٹھڑی میں اسے جو کھانا دیا گیا تھا وہ اس نے رومال میں باندھ کر اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ علی الصبح وہ ایک ندی کے کنارے پہنچ گیا اس کا جسم تھک کر چُور ہوچکا تھا اس نے رومال کھول کر کھانا کھایا ندی سے پانی پیا اور ایک درخت کے نیچے جگہ صاف کرکے لیٹ گیا چونکہ وہ تھکا ہوا بھی تھا اور خود کو محفوظ بھی سمجھ رہا تھا اس لئے اسے لیٹتے ہی نیند آگئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو سائے لمبے ہورہے تھے اور پرندوں کا شور ظاہر کرتا تھا کہ شام ہونے کو ہے آنکھ کھلتے ہی وہ ان دو آدمیوں کی طرف دیکھنے لگا جو اس کے دائیں بائیں کھڑے تھے اس نے دیکھا کہ وہ دونوں انگریز ہیں اور انہوں نے اپنے ہاتھوں میں بندوقیں پکڑ رکھی ہیں۔ جانی گھبرا کر اٹھ بیٹھا اس زمانے میں ہندوستان پر انگریزی حکومت کا راج تھا اور انگریزوں سے لوگ بہت ڈرتے تھے جانی چھ سات جماعتیں پڑھا ہوا تھا اور دو چار لفظ انگریزی کے بول لیتا تھا اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"آئی۔ پورا دیہاتی نو خطرہ آئی' سرونٹ۔" دونوں انگریزوں نے اس کی بات سن کر قہقہہ لگایا پھر ایک نے اردو میں پوچھا۔ "تم کون ہائے؟"

"میں غریب مسافر ہوں جی گھر بار کوئی نہیں ہے۔" جانی نے جواب دیا اس نے انگریز کے خوشگوار موڈ سے یہ اندازہ لگایا کہ وہ اچھے لوگ تھے اور اسے نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ گھر بار کیا ہوتا ہائے' انگریز نے پوچھا وہ شکار والی شرٹ میں ملبوس تھا اور عمر اس کی تیس پینتیس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی اس کے بال سنہرے تھے اور وہ اچھے مضبوط جسم کا مالک تھا۔

گھر بار یعنی گھر جانی نے سمجھانے کی کوشش کی اور ہاتھوں سے نقشہ بھی بنایا گھر جس میں لوگ رہتے تھے یعنی روم۔ اوہ آئی سی تمہارا مطلب ہے ہوم تمہارے پاس ہوم نہیں ہے بہت کھراب بہت کھراب تم ہمارے ساتھ چلو یہ جگہ بہت ڈینجرس ادھر شیر چیتا

اور دو لف تم کو کھائے گا تم ہمارا سرونٹ ہم تم کو کھانا اور پیسہ دے گا ٹھیک ہے۔ جانی فوراً ان کے ساتھ چلنے پر تیار ہوگیا انہوں نے ندی کے کنارے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا وہاں خیمے لگے ہوئے تھے اور جنگل میں منگل کا سماں نظر آتا تھا۔ دو ہندوستانی ملازم کوئلوں پر ہرن بھون رہے تھے قریب ہی کینوس کی فولڈنگ کرسیوں پر ایک میم ایک اور انگریز کوئی مشروب پی رہے تھے تیسری کرسی پر ایک ہندوستانی بیٹھا تھا اس نے بہترین تراش کا سوٹ پہن رکھا تھا۔

جانی نے انگریزوں کی گفتگو سے اندازہ لگایا کہ ان میں سے ایک کا نام جیکسن اور دوسرے کا نام مارکو تھا سوٹ میں ملبوس ہندوستانی اٹھ کر آگے آیا اور جانی کو گھورنے لگا مارکو نے اسے انگریزی میں جانی کے بارے میں بتایا اس نے ہندوستانی کو میجر ارجن سنگھ کے نام سے مخاطب کیا تھا انگریزوں سے بات ختم کرنے کے بعد میجر ارجن سنگھ جانی سے مخاطب ہو کر بولا۔ "ارے بانگڑو تم اس خطرناک جنگل میں کیا کرتے پھر رہے ہو کیا نام ہے تمہارا؟"

"جناب میرا نام جان بخش ہے۔ میں راستہ بھٹک کر اِدھر آنکلا ہوں۔"

"ٹھیک ہے آج سے تم ہمارے ملازم ہو۔" میجر ارجن سنگھ نے کہا۔ "کوئی فکر نہ کرنا تمہیں کھانا بھی ملے گا اور تنخواہ بھی ملے گی اور دیکھو انگریز کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرنا اسے غصہ آجائے تو یہ آدمی کو کھڑے کھڑے شوٹ کر دیتے ہیں۔" اس لمحے خیمے کے اندر سے ایک نہایت خوبصورت اور دراز قامت ہندوستانی عورت باہر نکلی اس نے مختصر سی چولی والی سفید ساڑھی باندھ رکھی تھی اور اس کا گندمی رنگ سونے کی مانند دمک رہا تھا۔ جب وہ چلتی تھی تو اس کے ریشم جیسے ملائم بال لہروں کی مانند حرکت کرتے تھے اس کے حسن و جمال کے سامنے کرسی پر بیٹھی ہوئی میم کی گوری رنگت بالکل ماند پڑ گئی تھی۔ جو بات جانی کو عجیب لگی وہ یہ تھی کہ اس فتنہ سامان حسینہ نے بائیں کان میں ایک طلائی کڑا پہن رکھا تھا جانی نے یہ بھی دیکھا کہ جیکسن نامی انگریز فوراً ہی اس حسینہ کی طرف متوجہ ہوگیا تھا اور خاص نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا بعد میں جانی کو معلوم ہوا کہ حسینہ کا نام سیلا کماری تھا اور وہ میجر راجن سنگھ کی بیوی تھی ایک رات خیر سے گزر گئی۔ جان بخش کو سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ اسے اس خطرناک جنگل میں نہ صرف پناہ مل گئی تھی بلکہ اس کی روزی کا سامان بھی ہوگیا تھا۔ اگلے روز شام کے وقت پارٹی کے افراد شیر کے شکار کے لئے روانہ ہوئے معلوم یہ ہوا تھا کہ رات کے وقت شیر ندی کے ایک خاص حصے پر پانی پینے آیا تھا پارٹی میں کل چھ افراد تھے تین انگریز، ہندوستانی

میجر ارجن سنگھ، جان بخش اور ایک ملازم۔ ملازم کا نام حکیم خاں تھا اس نے زیادہ تر خورد و نوش کا سامان اٹھا رکھا تھا۔ جان بخش کے پاس ایک فاضل رائفل اور گولیوں کا تھیلا تھا شکار کی جگہ پر دو مچانیں بنی ہوئی تھیں۔ رات کے نو بجے پھر چاند نکل آیا اور خاموش جنگل کی فضا چاندنی میں نہا گئی پہاڑی ندی چاندنی میں بہت خوبصورت منظر پیش کرتی تھی اس کا سُست رو پانی شیشے کی مانند چمکتا تھا۔ کبھی کبھی کوئی مچھلی سطح آب پر ارتعاش پیدا کرتی ہوئی دوبارہ پانی میں غائب ہوجاتی۔ سب سے پہلے ایک چیتا چٹانوں کی اوٹ سے نکل کر ندی کی طرف بڑھتا دکھائی دیا اس کی چال میں غضب کا بانکپن اور دبدبہ تھا اس کی آمد کے ساتھ ہی چاند رات اور جنگل کے پُراسرار سکوت میں گویا جان پڑ گئی تھی۔

جیسے ہی یہ چیتا ندی کے قریب پہنچا جنگل کا سکوت فائرنگ کی آواز سے درہم برہم ہوگیا چیتا دہاڑا اچھلا اور جھاڑیوں سے الجھتا ہوا دور تک لڑھکتا چلا گیا بالآخر جنگل کی آن نے دم توڑ دیا مچان پر بیٹھے ہوئے شکاری فتح کے نعرے لگاتے ہوئے اپنے شکار کی طرف دوڑے۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد کامیابی کا جوش سرد پڑ گیا اور چیتے کی لاش مچان کے نیچے پہنچا دی گئی مسٹر جیکسن نے جان بخش کو ایک خالی چھاگل دی اور کہا کہ اسے ندی کے پانی سے بھرلائے اس وقت میجر ارجن سنگھ ندی کے ایک خاص حصے کی طرف ٹہلتا ہوا جا رہا تھا جب جان بخش پانی لینے کے لئے ندی کی طرف چلا تو اس نے دیکھا کہ جیکسن بھی اس کے پیچھے آرہا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد اس نے جان بخش کو آواز دی اور ندی کے بالائی حصے کی طرف سے پانی بھرنے کا حکم دیا یہ بات جان بخش کو عجیب معلوم ہوئی اس کے خیال میں ساری ندی ایک جیسی تھی پانی بھی ایک جیسا تھا لیکن پھر اس نے سوچا کہ انگریز کی بات میں ضرور کوئی حکمت ہوگی اگر انگریزوں کی باتوں میں حکمت نہ ہوتی تو وہ کبھی ہندوستان پر قابض نہ ہوپاتے۔ جس مقام سے جان بخش کو پانی لانے کا حکم ملا تھا وہ جھاڑیوں اور چٹانوں کی اوٹ میں تھا جب وہ ان چٹانوں کی اوٹ میں پہنچا تو اس میں ایک چمکتی ہوئی چیز دکھائی دی اس نے آگے بڑھ کر دیکھا تو وہ ایک رائفل تھی جان بخش نے رائفل اٹھالی اور پیچھے مڑ کر دیکھا تب ہی اس کی نظر مسٹر جیکسن پر پڑی وہ جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑا تھا اور رائفل تانے کسی چیز کا نشانہ باندھنے کی کوشش کر رہا تھا جان بخش سمجھا کہ اِدھر کوئی جنگلی درندہ ہے اس نے چھاگل زمین پر رکھ دی اور انگریز صاحب کی مدد کے خیال سے قدم آگے بڑھائے لیکن فوراً ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ مسٹر جیکسن جس چیز کا نشانہ باندھے کھڑا تھا وہ درندہ نہیں میجر ارجن سنگھ تھا۔ قبل اس کے کہ جان بخش کوئی کارروائی میجر ارجن سنگھ کے بچاؤ کی تدبیر کرتا، مسٹر جیکسن کی رائفل

سے شعلہ نکلا اور میجر ارجن سنگھ اچھل کر زمین پر آگرا اور اس کے ساتھ ہی مسٹر جیکسن جھاڑیوں میں غائب ہوگیا جان بخش غیر شعوری طور پر بھاگتا ہوا میجر ارجن سنگھ کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ گولی میجر ارجن سنگھ کے سینے پر لگی تھی اور وہ اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا۔ جان بخش کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا معاملہ ہے حالانکہ بات بڑی سیدھی تھی اگر وہ سوچتا کہ مسٹر جیکسن نے اسے ایک خاص مقام سے پانی بھرنے کو کیوں کہا تھا اور اس خاص مقام پر رائفل کیوں پڑی لگی تو ساری بات اس کی سمجھ میں آجاتی لیکن اس زمانے میں وہ ایک احمق اور ڈرپوک نوجوان تھا اس لئے اتنی باریک بات سمجھنا اس کے بس کی بات نہ تھی وہ لحہ بھر کے لئے دم توڑتے ہوئے میجر ارجن سنگھ کے پاس رکا پھر جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا مدد کے لئے مچان کی طرف دوڑا یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ مسٹر جیکسن اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ ندی کی طرف جائے واردات کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میجر کے پاس صرف حکیم خاں تھا وہ جان بخش کو دیکھ کر خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"مسٹر جیکسن بولتا ہے کہ تم نے میجر ارجن سنگھ کا پائیا گول کردیا ہے۔" یہ سن کر جان بخش کے گھٹنے کانپنے لگے اس نے مختصر الفاظ میں حکیم خاں کو پوری بات بتادی۔ "ایسی بات ہے تو اِدھر سے بھاگ جاؤ۔" حکیم خان نے کہا۔ "مسٹر جیکسن کا میجر ارجن سنگھ کی بیوی پر نظر تھی وہ تم کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کردے گا سالا تم پھانسی پر چڑھ جائے گا۔" کیا میں بھاگ جاؤں' جان بخش نے گھبرا کر پوچھا تیز بھاگو ورنہ یہ لوگ تم کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیں گے یہ لو کچھ کھانے کا سامان بھی لے جاؤ اس نے کچھ بھنا ہوا گوشت اور ڈبل روٹی کے ٹکڑے جان کو دیئے۔ جان بخش نے یہ چیزیں رومال میں لپیٹ لیں اور رائفل حکیم خاں کی طرف بڑھائی یہ رکھ لو۔ سالا تم ایک دم ایڈیٹ ہے حکیم خان نے کہا اور گولیوں کا تھیلا اٹھا کر اسے دیا یہ بھی رکھو اس جنگل میں تم رائفل کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا اب جلدی سے پھوٹ لو۔ جان بخش نے کھانے کی پوٹلی تھیلے میں ڈالی اور تھر تھر کانپتا ہوا ایک طرف نکل گیا۔ وہ رات کا بیشتر حصہ چلتا رہا جب صبح صادق کا اجالا نمودار ہوا تو اس نے دیکھا کہ واپس اپنے گاؤں کے آس پاس پہنچ گیا تھا۔ اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ ایک پیڑ کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا ایک طرف ہاتھ کٹنے کا خوف تھا اور دوسری طرف پھانسی کے پھندے کا ڈر۔ اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور وہیں پڑ کر سو گیا۔ ایک دن اور دو راتیں جنگل میں گزارنے کے بعد اس کی مایوسی انتہا کو پہنچ گئی اس کا کھانا ختم ہوچکا تھا اور کوئی صورت زندہ رہنے کی نظر نہیں آئی

تھی اسے یقین تھا کہ انگریزوں نے پولیس کو اس کی تلاش میں لگا دیا ہوگا اور اگر اس نے کسی آبادی میں قدم رکھا تو فوراً گرفتار کرلیا جائے گا اور اگر وہ اپنے گاؤں میں گیا تو اسے اپنے ہاتھ سے محروم ہونا پڑے گا۔ ہاتھ کٹنے کے تصور سے ہی اسے جھرجھری آجاتی تھی یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ اگر اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو خون کیسے رکے گا اور چونکہ خون نہیں رکے گا اس لئے وہ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہوجائے گا۔ تب اس نے خودکشی کا فیصلہ کیا اس نے رائفل لوڈ کی سیفٹی لیور ہٹایا نال اپنی گردن سے لگائی اور پیر کے انگوٹھے سے لبلبی دبانے کا ارادہ کیا تب ہی اس نے اپنی داہنی طرف کسی کی موجودگی کو محسوس کیا اس نے سر گھما کر دیکھا تو ایک باریش نوجوان کو وہاں کھڑے پایا میرا نام سفید شاہ ہے نوجوان نے کہا۔

"میں سفید شاہ نیکیوں کی حفاظت کرتا ہوں اسی لئے میرا نام سفید شاہ ہے میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خودکشی نہ کرو۔"

"خودکشی نہ کروں تو پھر کیا کروں؟" جان بخش نے کہا۔ "گاؤں والے میرا ہاتھ کاٹنا چاہتے ہیں حالانکہ میں نے چوری نہیں کی مجھ پر چوری کا جھوٹا الزام لگایا گیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" سفید شاہ نے کہا۔ "یہ تمہارے بڑے بھائی احمد کی شرارت تھی اس نے مولوی صاحب کا بٹوا چوری کرکے تمہارے بستر میں رکھ دیا تھا۔"

"دوسری طرف مجھ پر قتل کا الزام ہے حالانکہ قتل مسٹر جیکسن نے کیا تھا میری آنکھوں کے سامنے۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے اس نے تمہیں قربانی کا بکرا بنانا چاہا تھا مگر تمہیں اللہ نے بچا لیا۔"

"مگر وہ میری تلاش میں ہوں گے میں کسی وقت بھی ان کے ہتھے چڑھ سکتا ہوں۔"

"اگر تم اللہ پر بھروسہ کرو گے تو انشاء اللہ محفوظ رہو گے۔"

"تمہاری ان باتوں سے میری تسلی نہیں ہوسکتی مجھے یہ بتاؤ کہ اب تک جو تکلیف میں نے اٹھائی ہے وہ کس گناہ کی سزا ہے اور اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرنے سے میں آئندہ تکلیفوں سے محفوظ رہوں گا۔"

"دیکھو میاں اللہ سے ضمانت طلب کرنا گناہ ہے۔" سفید شاہ نے کہا۔ "تمہارا یہ جسم اور جان اللہ کی عطا ہے وہ جب چاہے اس جسم اور جان کو واپس لے سکتا ہے خدا کی نظر میں وہی مقبول ٹھہرتا ہے جو تکلیفوں اور آزمائشوں میں ثابت قدم رہتا ہے اللہ کی

رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔"

"میں نہیں مانتا۔" جان بخش نے چیخ کر کہا۔ "میں نے کب اللہ سے کہا تھا کہ مجھے جسم و جان عطا کرو اگر اس نے جسم و جان دے کر انسان بنا ہی دیا ہے تو پھر تکلیف کیوں دیتا ہے اس سے تو اچھا تھا کہ پیدا ہی نہ کرتا یہ ظلم ہے قدرت ظالم ہے اللہ انسان کو بے وجہ پیدا کرتا ہے اور بے قصور ظلم کی چکی میں پیستا ہے۔"

"جان بخش تم کفر منہ سے مت نکالو۔" سفید شاہ نے سرزنش کرتے ہوئے کہا۔ "انسان جس چیز کے بارے میں علم نہ رکھتا ہو اس کے بارے میں اسے منہ نہیں کھولنا چاہئے۔ انسان دو طرح کی تکلیفیں اس دنیا میں برداشت کرتا ہے ایک تکلیف اس کی اپنی غلطی کے نتیجے میں وارد ہوتی ہے اور ایک تکلیف اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ تکلیفیں انسان کی زندگی میں نکھار پیدا کرتی ہیں بشرطیکہ وہ توکل کا دامن نہ چھوڑے اس کے علاوہ صبر کے ساتھ تکلیفیں برداشت کرنے والے کو آئندہ زندگی میں لازوال نعمتیں عطا کی جاتی ہیں۔"

"ہونہہ لازوال نعمتیں، آئندہ زندگی کس نے دیکھی ہے۔" جان بخش بات ماننے پر تیار نہیں تھا بولا۔ "اگر تم واقعی میرے ہمدرد ہو تو مجھے اس مصیبت سے نکلنے کا کوئی عمدہ سا طریقہ بتاؤ۔"

"تم جنوب کی طرف چلے جاؤ۔" سفید شاہ نے سوچتے ہوئے کہا۔ "یہاں سے چودہ پندرہ میل کے فاصلے پر ایک بڑا شہر آباد ہے وہاں تمہیں کوئی نہ کوئی مزدوری مل جائے گی۔"

"میں بھوکا ہوں میرے پاس تن کے کپڑے کے سوا کچھ نہیں ہے کیا تم مجھے یہ مشورہ دے رہے ہو کہ میں بھوک کی حالت میں اتنا طویل سفر کروں میرا خیال ہے کہ میں راستے میں ہی دم توڑ دوں گا۔"

"مایوسی کی بات مت کرو جانی، رزق کی ذمہ داری اللہ پر ہے انشاء اللہ تم بھوکے نہیں رہو گے یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک بستی ہے تم رات اس بستی کی مسجد میں گزارنا اور اللہ کی عبادت سے غافل نہ ہونا کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ تمہیں ضرور کھانا کھلا دے گا کل فجر کی نماز کے بعد آگے روانہ ہو جانا اور........."

"اور اس جائیداد کے بارے میں کیا کہتے ہو جس پر میرے بھائی نے زبردستی قبضہ کر رکھا ہے؟"

"اسے امن اور سلامتی کی خاطر چھوڑ دو صبر کرو اللہ تمہیں اس سے بہتر جائیداد

دے گا اور سنو جانے سے پہلے یہ رائفل یہیں چھوڑ جانا اس پر تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔" جان بخش نے مایوسی سے سر ہلایا اور بولا۔

"تمہاری سب باتیں مجھے کھوکھلی معلوم ہوتی ہیں تم کہتے ہو میں اپنا گاؤں چھوڑ دوں، جائیداد چھوڑ دوں یہ ایک قیمتی چیز میرے ہاتھ لگی تھی۔" اس نے رائفل کی طرف اشارہ کیا۔ "اسے بھی چھوڑ دوں مسجد میں روٹی کی خیرات مانگوں ایک اجنبی شہر میں جاکر مزدوری کروں اور ذلت کی زندگی گزاروں تمہاری ساری نصیحتیں صبر صبر صبر پر ختم ہوتی ہیں جاؤ میاں جاؤ میرا دماغ مت چاٹو، تمہاری باتوں پر عمل کرنے سے تو یہی بہتر ہے کہ میں اپنی زندگی ختم کرلوں۔"

"اچھا میاں جیسے تمہاری مرضی۔" سفید شاہ نے کہا اور چپکے سے واپس چلا گیا جان بخش کچھ لمحوں تک سفید شاہ کو برا بھلا کہتا رہا پھر دوبارہ خودکشی کے ارادے سے رائفل سیدھی کرنے لگا تب اسے اپنی بائیں جانب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اس نے سر گھما کر دیکھا تو اسے سرخ و سفید رنگت والا ایک خوبرو نوجوان دکھائی دیا اس کے سنہرے اور لمبے بال کندھوں پر پھیلے ہوئے تھے اس کی آنکھیں بھوری اور پرکشش تھیں اس نے بڑی دل نواز مسکراہٹ کے ساتھ جان بخش کو دیکھا جان بخش کو وہ بہت اچھا لگا اس نے محسوس کیا کہ اس کے جلو میں آسودگی اور دولت مہک رہی تھی۔

"کیا بات ہے میرے چاند!" نوجوان نے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔ "کس بات کی پریشانی ہے؟" کوئی خاص پریشانی نہیں جان بخش نے کہا مرنے کا ارادہ ہے ویسے تم کون ہو میرا نام کالے شاہ ہے نوجوان نے جواب دیا اس بات کو چھوڑو اور مرنے کی بات بھی چھوڑو یہ بتاؤ مسئلہ کیا ہے مرنے کا ارادہ کیوں ہے تمہارا؟

جان بخش نے اسے تفصیل بتا دی کالے شاہ نے چٹکی بجائی اور بولا۔

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے کوئی شخص تمہارا بال بھی ٹیڑھا نہیں کرسکتا۔" جان بخش نے کالے شاہ کے پریقین لہجے سے بڑی تقویت محسوس کی بولا اور میری جائیداد، جائیداد پوری کی پوری تمہیں مل جائے گی تمہارے بھائی کو ایک پیسہ بھی نہیں ملے گا اور کچھ۔

جان بخش تامل کرتے ہوئے بولا دیکھو دوست مروا نہیں دینا۔ ہائے مرنے کا فیصلہ بھی کرتے ہو اور مرنے سے ڈرتے بھی ہو دو باتیں مت کرو میں جس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دوں تو وہ جیوے ہی جیوے اور بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ چاہئے تو بہت کچھ جان بخش تذبذب کے ساتھ بولا لیکن نہ جانے تم دے بھی سکتے ہو یا نہیں۔ سب کچھ دے سکتا ہوں سب کچھ دے سکتا ہوں اس دنیا میں دولت بھی دیتا ہوں نام اور شہرت بھی دیتا ہوں طاقت اور

اختیار بھی دیتا ہوں لیکن ایک چھوٹا سا کام تمہیں بھی کرنا پڑے گا۔

"کون سا کام؟" جان بخش نے جلدی سے پوچھا۔ "کوئی مشکل کام نہ بتا دینا۔"

"دنیا کا آسان ترین کام ہے ایک بات تو بتاؤ اگر بلندی سے کوئی چیز پھینکی جائے تو وہ کدھر جائے گی۔"

"نیچے کی طرف۔" جان بخش نے جواب دیا۔

"یعنی زمین کی طرف۔ یعنی خود بخود زمین کی طرف جاتی ہے۔ تمہیں بھی یہی کام کرنا ہے زمین کی طرف جھکنے والا' میرا مطلب سمجھ رہے ہونا؟ اوپر کی طرف جانا ناممکن ہے جو لوگ اوپر کی باتیں کرتے ہیں وہ فریب کرتے ہیں آسمان پر کوئی نہیں جاتا۔" اس نے زمین پر پیر مارا۔ "انسان کا اوڑھنا اور بچھونا یہ زمین ہی ہے۔"

"لیکن وہ چھوٹا سا کام کون سا ہے؟" جان بخش نے بے صبری سے پوچھا۔

"میں بتا چکا ہوں پر تم نہیں سمجھے کوئی بات نہیں دوبارہ بتا دیتا ہوں اگر تمہیں میری دوستی اور میری مدد چاہئے تو تم آج کے بعد اوپر والے کی بات نہیں کرو گے صرف میری یعنی نیچے والے کی بات کرو گے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ میں اللہ کی بات نہیں کروں گا۔"

کالے شاہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھر تھر ڈرتا ہوا بولا۔ "میرا یہ مطلب ہے آئندہ تم اپنے منہ سے یہ نام نہیں لو گے اس نام سے میری اور میرے دوستوں کی طاقت زائل ہوتی ہے اگر تیار ہو تو آؤ میرے پیچھے۔" جان بخش تامل کرتا ہوا کالے شاہ کے پیچھے چل پڑا کالے شاہ اسے جنگل کی ایک ایسی زمین پر لے گیا جو بہت گندی اور بدبودار تھی نشیب میں ہونے کی وجہ سے وہاں اچھی خاصی پھسلن تھی اور وسطی حصے میں گدلا پانی بھی کھڑا تھا کالے شاہ نے جانی کو ایک مخصوص جگہ پر کھڑا کیا اور خود اپنا لبادہ اونچا کرکے گدلے پانی میں جا ٹھہرا۔ جانی اب تم میرے سامنے سجدے میں گر جاؤ اور جو کچھ میں کہوں اسے دل میں دہراتے جاؤ۔ جان بخش سجدے میں جاتا ہوا رک گیا وہ بولا۔ "دیکھو کالے شاہ بات پکی ہونی چاہئے ایسا نہ ہو کہ تم مجھے بیچ میں چھوڑ کر چلے جاؤ۔"

"میرے چاند میرے چودھویں کے چاند گھبراتے کیوں ہو میں نے اپنے دوستوں کو کبھی بیچ میں نہیں چھوڑا میں قبر تک ساتھ دیتا ہوں تم صحت مند آدمی ہو نوجوان ہو اسی پچاسی تک ضرور جاؤ گے ٹھیک ہے ہمارا ساٹھ سال کا معاہدہ ہوگیا چلو جلدی سے سجدے میں گر جاؤ۔ جانی سجدے میں گر گیا کالے شاہ نے کہا۔ آج کے بعد تم اوپر والے کا نام نہیں لو گے ہر مصیبت میں مجھے پکارو گے اور تادم آخر بس میرا نام لیتے رہو گے سفید شاہ

کی کوئی بات نہیں سنو گے وہ جب بھی تمہارے پاس آئے گا اسے دھکے دے کر اپنے سے دور کردو گے شرافت اور نیکی بے معنی الفاظ ہیں میرے نام سے دوسروں کو ٹھوکریں مارو وہ تمہیں بڑا خیال کریں گے اپنے ہمنواؤں کا گروہ بڑھاتے رہو اسی میں تمہاری عزت ہے آج کے بعد تم اپنے اندر سے میری آواز سنو گے اب اٹھو اور رات کی تاریکی میں اپنے گاؤں پہنچو کسی کو خبر ہوئے بغیر اپنے گھر پہنچو اور رائفل کی نال اپنے بھائی کے پیٹ سے لگا دو تمہارے ہاتھوں میں لرزش اور آواز میں نرمی نہ ہونے پائے جاؤ میرا دست طاغوت تمہاری رہنمائی کرے گا۔" جان بخش نے سجدے سے سر اٹھایا تو کالے شاہ جا چکا تھا لیکن وہ اپنے اندر بے پناہ طاغوتی قوت محسوس کررہا تھا شام کے وقت وہ ایک پگڈنڈی کے کنارے پر جا بیٹھا کچھ ہی دیر کے بعد اس نے ایک عورت اور ایک مرد کو اپنی طرف آتے دیکھا عورت ادھیڑ عمر کی تھی اور مرد نوجوان تھا دونوں نے گٹھڑیاں اٹھا رکھی تھیں مرد کی گٹھڑی خاصی وزنی تھی جب وہ قریب پہنچے تو جان بخش کو اپنا ارادہ کچھ کمزور پڑتا محسوس ہوا لیکن فوراً ہی اندر سے کالے شاہ کی آواز سنائی دی وہ اسے عورت اور مرد کو لوٹنے کا حکم دے رہا تھا۔ "اوئے ادھر آؤ دونوں۔" جان بخش نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "کیا ہے تمہارے پاس؟"

"کیا بات ہے؟" نوجوان ٹھٹکتا ہوا بولا وہ کن انکھیوں سے رائفل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "کیا ارادہ ہے؟"

جان بخش نے کڑک دار آواز میں اسے قریب بلایا اور رائفل کا کندا زمین پر ٹکا کر لبلبی دبا دی اس نے زندگی میں پہلی بار رائفل چلائی تھی اس لئے گولی کی آواز سن کر خود بھی گھبرا اٹھا لیکن نوجوان کو اس کی گھبراہٹ کا اندازہ نہ ہوسکا اس نے جلدی سے گٹھڑی زمین پر پھینک دی اور ہاتھ جوڑ دیئے عورت نے بھی گٹھڑی نیچے رکھ دی۔ کھولو ان کو کیا ہے ان کے اندر؟ جان بخش نے سخت لہجے میں کہا اسے اپنے لہجے پر تعجب ہو رہا تھا اس سے پہلے اس نے ہمیشہ منمنا کر بات کی تھی اور کبھی کسی کی بات کا اثر نہیں لیا تھا لیکن وہ گبھرو جوان اس کے سامنے کھڑا کانپ رہا تھا اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے دونوں گٹھڑیاں کھول دیں ایک گٹھڑی میں دالیں اور گھریلو سامان کی چھوٹی موٹی چیزیں تھیں دوسری گٹھڑی میں پراٹھے۔ وہ پراٹھوں پر ٹوٹ پڑا لیکن وہ دونوں کی طرف سے غافل نہیں ہوا تھا اور کیا ہے تمہارے پاس اس نے نوالہ حلق سے نیچے اتارتے ہوئے کہا جتنی نقدی ہے وہ نکال کر اِدھر رکھ دو او مائی تو بھی سارا مال نکال دے۔ مرد کی جیب سے تیس روپے اور عورت کی گرہ سے ڈیڑھ سو روپے نکلے جان بخش نے یہ رقم جیب میں رکھی اور گٹھڑی کو

ٹھوکر مارتے ہوئے کہا جاؤ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا یہ گٹھڑی بھی لے جاؤ۔ مرد اور عورت گٹھڑی اٹھا کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوگئے جان بخش نے پراٹھے اور اچار ختم کرکے لمبی سی ڈکار لی اور پانی کی تلاش میں بستی کی طرف چل پڑا عورت اور مرد کو دہشت زدہ کرکے اور رائفل چلا کر اس نے ایک نیا ولولہ محسوس کیا تھا اسے یقین تھا اب وہ کندھے پر رکھ کر بھی رائفل چلالے گا چلتے چلتے اس نے رائفل دوبارہ لوڈ کرلی تھی شام کا جھٹ پٹا اب گہرا ہوتا جارہا تھا آبادی کے نواح میں پہنچ کر جان بخش نے ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا اندر سے کسی نے کھانستے ہوئے کہا یعقوب اندر آجاؤ۔ جان بخش اندر داخل ہوگیا وہ گرمیوں کے دن تھے اور ایک بوڑھا آدمی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا چند قدم پر باورچی خانے کے دروازے پر لالٹین لٹکی ہوئی تھی اور ایک نوجوان عورت زمین پر بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی۔ او چاچا جان بخش نے سخت لہجے میں کہا پانی پلا اٹھ کر پانی نہ ہو تو دودھ ہی لے آنا اور چاچا ایک اجنبی آواز سن کر فوراً اٹھ بیٹھا اور بولا۔

کون ہو تم جوان اندر کیسے آئے ہو؟ تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ یعقوب اندر آجاؤ سو میں آگیا اور چاچا کچھ پلاؤ بھی منہ کیا تک رہے ہو میں آدمی ہوں کوئی لکڑ بگا تو نہیں ہوں۔

چاچا نے پہلے جان بخش کا جائزہ لیا اور پھر اس کی رائفل کو خوفزدہ نگاہوں سے گھورنے لگا آٹا گوندھنے والی عورت اپنی جگہ پر ساکت ہوگئی تھی اس کی دونوں مٹھیاں آٹے میں دبی ہوئی تھیں اور وہ پھٹی پھٹی نظروں سے جان بخش کو دیکھ رہی تھی۔ جان بخش کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور چہرے پر جنگل کا بھیانک پن نقش تھا اگر کوئی واقف کار بھی اسے دیکھتا تو پہلی نظر میں پہچان سکتا۔ روبی ارے او روبی ایک دودھ کا گلاس بھرلا۔ بوڑھے نے آٹا گوندھنے والی عورت سے کہا۔ عورت اٹھ کر اندر چلی گئی اور پیتل کا ایک بڑا گلاس دودھ سے بھرلائی اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا جس کی وجہ سے دودھ چھلکتا جارہا تھا وہ بوڑھے کے پاس آکر بولی۔ لے بابا تو خود ہی دے دے جان بخش آگے بڑھا اور عورت کے ہاتھ سے گلاس جھپٹ لیا ایسا کرنے سے مزید دودھ چھلک گیا جان بخش نے ایک ہی سانس میں سارا دودھ پی لیا اور گلاس زمین پر پھینک کر واپس چل دیا باہر نکل کر اس نے ہاتھ کی پشت سے منہ صاف کیا' واہ اے کالے شاہ دل خوش کردیا چند منٹ کے اندر وہ اپنے گھر کے سامنے پہنچ گیا اور زور زور سے اپنے دروازے پر رائفل کا کندا رسید کیا دروازہ پُرشور آواز کے ساتھ کھل گیا اس کی بھابی اسے دیکھ کر چیختی ہوئی بھاگی اس کا بڑا بھائی شور کی آواز سن کر جلدی سے صحن میں پہنچ گیا جان بخش نے اس کے پیٹ کے ساتھ رائفل کی

نال لگادی اور قہر آلود نظروں سے اسے گھورنے لگا۔ جج......... جانی یہ تم ہو؟ احمد بخش نے گھبرا کر کہا میں نے تمہیں پہچانا ہی نہیں جانی بھائی کے پیٹ پر رائفل کندا رسید کرتا ہوا بولا۔ تم نے تو مجھے کبھی بھی نہیں پہچانا تم تو مجھے اپنے در کا کتا سمجھتے تھے جب چاہا دھتکار دیا اور جب چاہا بچے کھچے ٹکڑے ڈال دیئے لیکن آج میں اپنی پہچان کرانے آیا ہوں بلا اپنی بیوی کو کہاں ہے وہ۔ احمد بخش کندے کی ضرب سے دوہرا ہوگیا تھا اور شدت تکلیف سے کراہ رہا تھا اس کی بیوی زینب اپنے دو بچوں کو ٹانگوں سے چمٹائے دروازے کی اوٹ سے باہر دیکھ رہی تھی۔ جانی نے اس کی جھلک دیکھ لی اور تیزی سے آگے بڑھ کر اسے گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا سہمے ہوئے بچے بھی اس کے ساتھ گھسٹتے چلے آئے تھے لڑکی کی عمر نو سال اور لڑکا سات سال کا تھا دونوں نے رونا شروع کردیا۔ جان بخش نے زینب کو احمد بخش کی طرف دھکا دیا اور بولا۔

"عورت تیرا یہ خصم کہتا ہے کہ میں تجھ پر بری نیت رکھتا ہوں اور تیرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتا تھا بتا یہ سچ ہے یا جھوٹ؟ بول' میں نے کب تیری عزت پر ہاتھ ڈالا تھا؟" زینب تھر تھر کانپنے لگی پھر بولی۔ مم......... میں نے تو ایسی بات کبھی نہیں کہی تم ۔ نے میری عزت پر کبھی ہاتھ نہیں ڈالا۔ جان بخش نے رائفل کی نال بھائی کے پیٹ میں چبھوتے ہوئے کہا۔ سنا تونے کتے اب بول چلاؤں گولی؟ پھاڑ دوں۔ تیرا پیٹ بولتا کیوں نہیں؟ احمد بخش پیچھے ہٹتا ہوا دیوار سے جالگا۔ جانی تجھے کسی نے جھوٹ بتایا ہے۔ میں نے تو یہ بات نہیں کہی۔ بکواس نہیں کر جان بخش نے چلا کر کہا اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں کالے شاہ کی قسم میرا دل چاہتا ہے کہ ابھی اور اسی وقت تیرا پیٹ پھاڑ دوں اور' اور وہ مولوی صاحب کا بٹوا کس نے چوری کیا تھا؟ جان بخش کے تیور اتنے خطرناک تھے کہ وہ جھوٹ نہ بول سکا پھر بولا۔ وہ' وہ مجھے غسل خانے کی دیوار پر رکھا ہوا ملا تھا میں نے بھول سے تیرے بستر پر رکھ دیا تھا۔ جان بخش نے رائفل گھمائی اور احمد بخش کے کندھے پر زور سے کندا رسید کیا پھر بولا۔ "زینب سن رہی ہو اس کمینے کی کرتوتیں اس نے بھول کر وہ بٹوا میرے بستر میں رکھ دیا تھا پھر اس کمینے کا دماغ چل گیا تھا اسے اس وقت بھی اپنی بھول یاد نہیں آئی جب بستی والے میرا ہاتھ کاٹنے کے مشورے کررہے تھے۔ کالے شاہ کی قسم میرا دل چاہتا ہے کہ تجھے اپنے پیروں کے نیچے پیس ڈالوں جلدی سے جا اور مولوی صاحب کو بلا کر لا ان چار معتبروں کو بھی بلا لانا جنہیں میرا ہاتھ کاٹنے کی بڑی جلدی تھی اور سن اگر دیر لگائی تو اچھا نہ ہوگا پھر تجھے یہاں بیوی بچے نہیں ملیں گے تین لاشیں ملیں گی۔ مم......... میں جلدی آؤں گا۔ احمد بخش دروازے کی

جانب بڑھتا ہوا بولا میں جلدی آؤں گا میرے بیوی بچوں کو کچھ نہ کہنا۔ زینب اپنے بچوں کو چمٹا کر کونے میں جا بیٹھی تھی بچوں کے منہ سے اب کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی دہشت کی وجہ سے ان پر سکتہ طاری ہوگیا تھا جانی صحن میں ٹہلنے لگا برآمدے میں لالٹین جل رہی تھی مگر صحن میں تاریکی تھی لمحہ بھر کے بعد جانی کو دائیں طرف دروازے کے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اس نے گھوم کر دیکھا تو وہاں سفید شاہ کھڑا نظر آیا۔ دیکھو جانی یہ طریقہ مناسب نہیں ہے اس نے کہا اس عورت اور ان بچوں کا کوئی قصور نہیں ہے جانی جلدی سے آگے بڑھا اور سفید شاہ کو ٹھڈے مارتا ہوا بولا دفع ہوجا میری نظروں کے سامنے سے تیری باتوں نے مجھے بزدل بنادیا تھا اب میں تیری کوئی بات نہیں سنوں گا۔

تیزی نہیں دکھاؤ جانی سفید شاہ نے کہا ان باتوں کا انجام اچھا نہیں ہوا کرتا ہے میرے سفید شاہ اگر میں تیری بات مان لیتا تو اس وقت کسی مسجد کی چٹائی پر بیٹھا خیرات کی روٹی کھا رہا ہوتا تُو تو چاہتا تھا کہ میں وہ رائفل بھی وہیں پھینک دوں دیکھ یہ کتنے کام کی چیز ثابت ہوئی ہے ایک منٹ میں جھوٹ اور سچ سامنے آگیا۔ یہ سب وقتی باتیں ہیں جانی انسان کو انجام پر نظر رکھنا چاہئے۔ کالے شاہ نے اندر سے جانی کو ایک بات سمجھائی اس نے سفید شاہ سے کہا۔ انجام' انجام' انجام ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے انجام کس چڑیا کا نام ہے ذرا ایک بات تو بتاؤ اگر میں تمہاری باتوں پر عمل کروں تو کیا مجھے باپ کی جائیداد میں سے حصہ مل سکتا ہے۔ مل تو جائے گا سفید شاہ نے سوچتے ہوئے کہا مگر کچھ وقت لگے گا تمہیں صبر کرنا پڑے گا جانی نے سفید شاہ کو ٹھڈے مارتے ہوئے اور دھکے دیتے ہوئے نکال دیا پھر بولا ہونہہ صبر کرنا پڑے گا تم تو یہی چاہتے ہو کہ میں صبر کرتے کرتے بوڑھا ہوجاؤں سفید شاہ آنسو بہاتا ہوا تاریکی میں غائب ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد احمد بخش' مولوی صاحب اور دیگر افراد ہمراہ لے کر گھر میں داخل ہوا جانی نے تیزی سے رائفل بغل میں دبالی اس زمانے میں کسی کے پاس رائفل ہونا بہت بڑی بات تھی رائفل کی ایک جھلک ہی دوسروں کو خوفزدہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ یہ دیکھیں احمد بخش نے اندر قدم رکھتے ہوئے کہا اس نے میری بیوی بچوں کا کیا حشر کر رکھا ہے۔ بکواس بند کر احمد بخش! جانی نے چیخ کر کہا حشر تو اب میں تیرا کروں گا۔ صبر سے جانی صبر سے مولوی صاحب نے کہا تحمل سے بات کر اللہ تعالیٰ کو یہ طریق۔ مولوی' جانی گرجا آج میں کوئی نصیحت نہیں سنوں گا تم لوگوں نے جب میرا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا تھا تو اس وقت تمہارا خوفِ خدا کہاں تھا پوچھو اس سے تمہارا بٹوا کس نے میرے بستر میں رکھا تھا اس نے رائفل کا منہ جانی کی طرف کردیا بولتا

کیوں نہیں بتا ان کو ساری حقیقت۔ وہ' وہ مجھ سے بھول ہوگئی تھی احمد بخش نے کہا۔ مولوی صاحب آپ کا بٹوا مجھے غسل خانے کی دیوار پر پڑا ہوا ملا تھا۔ مم.......... میں نے اسے اٹھا کر بھولے سے جانی کے بستر میں رکھ دیا مجھ سے بھول ہوگئی تھی۔ بھول ہوگئی تھی جانی نے کہا ان کا خوف دیکھ کر اس کا حوصلہ بڑھتا جارہا تھا۔ تجھ سے اپنی بیوی کے بارے میں بھی غلطی ہوگئی تھی مولوی یہ عورت سامنے بیٹھی ہے پوچھ اسے کہ میں نے کب اس پر بری نظر ڈالی تھی کھڑی ہوجا عورت اور بتا اس مولوی کو کہ میں نے تیرے ساتھ کیا برائی کی تھی۔ زینب کانپتی ہوئی بولی۔

"مولوی صاحب میں جھوٹ نہیں بولوں گی اس نے کبھی میلی آنکھ سے میری طرف نہیں دیکھا یہ ہمیشہ نیچی آنکھیں کرکے میرے ساتھ بات کرتا تھا۔" سنا تم نے مولوی۔ میں نے کمینے کی بیوی کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اب بتاؤ بہتان لگانے والے اور بلاوجہ گھر سے نکالنے والے کی تمہاری کتاب میں کیا سزا ہے اور اس شخص کی کیا سزا ہے جس نے سوچے بغیر جھوٹے کے الزام پر یقین کرلیا اور ہاتھ کاٹنے پر تیار ہوگیا؟ اب مولوی صاحب کو اپنا جرم بھی نظر آرہا تھا اگر جانی ان کے ہاتھوں سے بچ نہ نکلتا تو وہ یقیناً اس کا ہاتھ کاٹ دیتے اور بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہوتے۔ وہ اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے احمد بخش پر برسنے لگے۔ تم نے اس شریف آدمی پر بلاوجہ جھوٹے الزام لگائے اور ہمیں بھی گناہ گار کیا میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتا تھا اپنے بھائی سے معافی مانگو۔ معافی کی ایسی تیسی جانی نے کہا اور مولوی کان کھول کر سن لو میں شریف آدمی نہیں پکا بدمعاش ہوں میرے اندر جو شریف آدمی تھا وہ ادھر جنگل میں ہی مرگیا تھا۔ تُو نے بڑے بدمعاش دیکھے ہوں گے لیکن مجھ سے بڑا بدمعاش کوئی نہیں دیکھا ہوگا اس نے بھائی کو مخاطب کیا اوئے اِدھر آ سامنے میرے ساتھ جائیداد کا حساب کر۔ تت.......... تم فکر نہیں کرو بالکل کوئی فکر نہیں کرو احمد بخش نے کہا تمہارا حصہ تمہیں ضرور ملے گا مجھے ابھی اور اسی وقت حصہ چاہئے تم جیسے منافقوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ پیارے بھائی سب کچھ تمہارے سامنے ہے احمد بخش نے چالاکی سے کہا اس نے سوچا کہ اگر وہ منافق ہے تو پھر کھل کر منافقت کرنا چاہئے یہ ایک مکان ہے اور ایک دکان ہے تم جس طرح کہو گے ہم اسی طرح کرلیں گے ایک دو روز صبر کرلو جائیداد کا تصفیہ تمہاری مرضی کے مطابق کرلیا جائے گا۔ خبردار جانی غصے سے اچھلا میرے سامنے صبر کا نام بھی مت لو میرے مالک کا حکم ہے کہ صبر کبھی مت کرو ابھی اور اسی وقت۔ اس وقت تو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے پھر مکان اور دکان کی قیمت کا اندازہ لگانے کے لئے وقت بھی چاہئے۔ اندازہ گیا جہنم میں

دو میں سے ایک چیز تم دونوں بھائی رکھو اور ایک میرے حوالے کردو میں ابھی اور اسی وقت اپنے حصے کی چیز نیلام کردوں گا بولو دکان دو گے یا مکان؟ احمد بخش جانتا تھا کہ جانی اس وقت طیش میں ہے اور کوئی معقول بات سننے کے لئے تیار نہیں۔ اس نے سوچا کہ اگر دکان ہاتھ سے گئی تو پھر آمدنی بند ہوجائے گی اس لئے مکان دے دینا بہتر ہے۔ جانی تم ہمارے ساتھ انصاف تو نہیں کر رہے۔ میں یہ مکان تمہارے حوالے کرتا ہوں۔

بکواس مت کرو جب تم نے مجھے گھر سے نکالا تھا اور میرا ہاتھ کٹوانے کا منصوبہ بنایا تھا اس وقت تم نے بڑا بھاری انصاف کیا تھا پھر وہ مولوی اور اس کے چار ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا' میں اس مکان کو فروخت کرنا چاہتا ہوں تم میں سے کون اسے خریدنا چاہے گا۔ پانچوں نے مکان خریدنے سے معذوری ظاہر کی۔ جانی نے رائفل کا کندا زمین پر جمایا اور یکے بعد دیگرے پانچ فائر کئے مولوی اور اس کے ساتھی دوڑ کر کمرے میں گھس گئے انہوں نے زندگی میں پہلی بار رائفل چلنے کی آواز سنی تھی اس لئے ان کا گھبرا جانا ایک قدرتی امر تھا ادھر جب بستی والوں نے فائرنگ کی آواز سنی تو گھروں سے باہر نکل آئے اور جوق در جوق احمد بخش کے گھر کے سامنے پہنچ گئے جانی مکان کی چھت پر چڑھ گیا اور ہجوم کو مخاطب کرکے بولا بستی والو یہ جو گولیاں چلنے کی آواز تم نے سنی ہے یہ گولیاں میں نے چلائی تھیں اور تم لوگوں کو یہاں اکٹھا کرنے کے لئے چلائی تھیں۔ آسمان پر چاند نکل آیا تھا اور چاندنی میں بیشتر لوگوں نے جانی کو پہچان لیا وہ ایک دوسرے کو حیرت سے تکنے لگے انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ گاؤں کا سب سے بزدل نوجوان جو اونچی آواز میں بات کرتے ہوئے بھی گھبراتا تھا آج رائفل ہاتھ میں پکڑے کھڑا ہوا تھا جانی کے ایک پرانے دوست نے کہا۔ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ بندہ نہیں بد روح ہے بدروح۔ جانی نے اس آواز کو پہچان لیا اور رائفل کا رخ اس کی طرف کرتا ہوا بولا۔ اوئے جانو ادب سے بات کر میں بدروح نہیں جانی بدمعاش ہوں جانی بدمعاش اس وقت مجھ سے اونچا کوئی نہیں ہے اگر کسی نے میری شان میں گستاخی کی تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں گا۔ میرا پورا نام میاں جان بخش عرف جانی ہے۔ ایک بوڑھے نے پُر تاسف لہجے میں کہا۔ شاید پاگل ہوگیا ہے بے چارہ۔ جانی بدمعاش نے غصے میں آکر ایک فائر کیا اور اس بار اس نے کندھے پر رکھ کر فائر کیا تھا لوگ اِدھر اُدھر بکھر گئے لیکن پھر قریب آگئے جانی کو اچھا خاصا جھٹکا لگا تھا لیکن وہ پی گیا اس نے بات جاری رکھے ہوئے میں نے تم لوگوں کو اس لئے یہاں اکٹھا کیا ہے کہ میں یہ مکان فروخت کرنا چاہتا ہوں نیلام کرنا چاہتا ہوں ہم نے آپس میں جائیداد کا بٹوارہ کرلیا ہے یہ مکان میرے حصے میں آیا ہے اور میں اسے نیلام کرنا چاہتا ہوں بولو کون خریدے گا

یہ مکان؟ لنگڑے موچی کی بولی ایک سو روپیہ' لبھے کمہار کے دو سو روپے بولو برادر اتنا مکان دو سو روپے میں جاتا ہے دو سو روپے' دو سو روپے بولو بھئی تمہاری بولی پانچ سو روپے سستا جارہا ہے بولو برادر۔

وہ خود ہی قیمت لگا رہا تھا لیکن اشارے اس طرح کر رہا تھا جیسے آگے کھڑے ہوئے لوگ واقعی بولی دے رہے تھے چند لمحوں کے بعد نیلامی کا رنگ جم گیا اور لوگوں نے واقعی بولی دینا شروع کردی تھوڑی دیر کے بعد بولی پونے چار ہزار روپے تک پہنچ گئی اور پونے چار ہزار بہت بڑی رقم تھی جب بولی تین ہزار آٹھ سو تک پہنچی تو جانی نے ایک دو تین کردیا وہ چھت سے نیچے اتر آیا گواہوں کی موجودگی میں کاغذ پر دستخط کئے رقم جیب میں ڈالی اور دندناتا ہوا بستی سے باہر نکل گیا۔ واہ رے کالے شاہ اس نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔ دیر سے ملے لیکن خوب ملے چند لمحوں بعد اسے عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دی وہ تیزی سے پیچھے مڑا اور رائفل سیدھی کردی۔ جانی' پیچھے آنے والے نے کہا یہ میں ہوں تمہارا دوست۔ میرا کوئی دوست نہیں ہے جانی نے سخت لہجے میں کہا کیوں آئے ہو میرے پاس واپس لوٹ جاؤ۔ یار میری بات تو سن لو واپس جانے میں کون سی دیر لگتی ہے اور یہ ذرا توپ ایک طرف کرلو جانی نے نال کا رخ زمین کی طرف کردیا اور بولا کیا ہے کیا چاہئے تمہیں؟ جاوید عرف جانو چار قدم کے فاصلے پر رکتا ہوا بولا جانی ایمان سے آج تم نے دل خوش کردیا ہے بستی میں ہر شخص کی زبان پر تمہارا نام ہے میں نے بستی کی کنواریوں کو تمہاری تعریف کرتے سنا ہے تم نے کمال کردیا ہے میں چاہتا ہوں کہ میں بھی تمہارے ساتھ رہوں۔ دوست مت سمجھنا خدمت گزار سمجھ لینا۔ کیوں بھئی جانو تم میرے ساتھ کیوں رہنا چاہتے ہو مجھ میں کون سی خوبی دیکھ لی تم نے؟ سب سے بڑی خوبی تو تیری یہ توپ ہے بزرگوں نے کہا ہے' ایک اکیلا دو گیارہ مل کر کام کریں گے تو دونوں کا بھلا ہوگا یہ توپ بڑے کام کی چیز ہے اسے دیکھتے ہی لوگ اپنی تجوریاں خالی کردیں گے جانی کو بات بھلی لگی پھر بھی اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا جاوید کیا تم مجھے ڈکیت سمجھ رہا ہے تم نے خود ہی کہا ہے کہ آج سے تم جانی بدمعاش ہو۔ بدمعاش اور ہوتا ہے اور ڈکیت اور ہوتا ہے جانی نے کہا۔ میں بدمعاش کے لئے بدمعاش ہوں۔ اسے خیال آیا کہ کہیں جانو پیسوں کے چکر میں اس کے پیچھے نہ آیا ہو۔ دیکھ جانو اگر تیری نیت میں کوئی فتور ہے تو اِدھر ہی سے واپس پلٹ جا تیرے لئے ایک ہی گولی کافی ہوگی۔ نیت بالکل کھری ہے ہاں اگر تیرے دل میں کوئی شک ہے تو لے مار گولی ایمان سے تیرے لئے جان بھی حاضر ہے۔

جانی نے اس کی دوستی پر یقین کر لیا اسے یاد آگیا کالے شاہ نے اسے اپنے جیسے لوگوں کا گروہ بنانے کی تلقین بھی کی تھی لہٰذا اس نے جانو کو اپنے ساتھ لیا اور دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ استاد جانی ایک بات تو بتا جاوید نے پوچھا یہ بندوق تو نے کہاں سے لی ہے۔ جانی نے سچ بولنے کا ارادہ کیا لیکن اندر سے ایک آواز آئی سچ بولو گے تو بات ہلکی ہوگی جانو تمہیں بزدل سمجھے گا کوئی ایسی بات کرو جس سے اس کے دل میں تمہارا رعب بیٹھے۔ یہ آواز سن کر اس نے کہا۔ جاوید تمہیں پتا ہی ہے کہ مجھ پر چوری کا جھوٹا الزام لگایا گیا تھا اور میرا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا گیا تھا میں جان بچا کر جنگل میں بھاگ گیا وہاں بھوک سے تنگ آکر میں نے خود کو شیر کے آگے ڈالنے کا فیصلہ کیا یہ سوچ کر میں شیر کی تلاش میں نکلا چلتے چلتے شام ہوگئی میں ایک ندی کے کنارے پہنچ گیا اچانک میں نے شیر کے دھاڑنے اور گولی چلنے کی آواز سنی پھر کسی کے چیخنے کی آواز سنی میں جھاڑیوں اور چٹانوں کو پھلانگتا ہوا موقع پر پہنچ گیا وہاں میں نے ایک عجیب منظر دیکھا ایک زخمی شیر اور ایک شکاری ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے شکاری انگریز صاحب تھا شیر نے گولی لگنے کے باوجود شکاری پر حملہ کردیا تھا اور دہشت کی وجہ سے انگریز کے ہاتھ سے رائفل چھوٹ گئی تھی وہ پتھروں سے شیر کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا شیر اگر زخمی نہ ہوتا تو انگریز صاحب کبھی کا اس کے پیٹ میں پہنچ چکا ہوتا میں چونکہ زندگی سے عاجز آچکا تھا اس لئے بے دھڑک آگے بڑھا ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر شیر کے سر پر دے مارا پتھر لگتے ہی شیر کی کھوپڑی چٹخ گئی وہ دھاڑتا ہوا پیچھے ہٹا انگریز صاحب نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی رائفل اٹھاتے ہوئے دنادن فائر کھول دیا شیر تو میرے پتھر کی چوٹ سے ہی ڈھیر ہو چکا تھا لیکن انگریز صاحب کو اپنا غصہ بھی تو نکالنا تھا فائر کرنے کے بعد وہ مجھ سے لپٹ گیا پھر میرا حال احوال پوچھا میں نے اپنی دکھ بھری کہانی اسے سنائی۔ اس نے اپنی رائفل مجھے انعام کے طور پر دے دی اور کہا کہ تم بہت بہادر آدمی ہو جانی شیر سے بھی بہادر یہ رائفل اپنے پاس رکھو اور جو شخص تمہارے ساتھ فریب کرے اسے شوٹ کردو اس کے بعد میری ملاقات کالے شاہ سے ہوئی اس نے مجھے گُر کی باتیں بتائیں۔

"کالے شاہ!" جاوید نے حیرانی سے کہا۔ "کالے شاہ کون؟"

"ہے ایک۔" جانی نے کالے شاہ کا ذکر مناسب نہ سمجھا اپنا ایک دوست ہے۔

تھوڑی دیر تک دونوں خاموش چلتے رہے پھر جاوید نے کہا۔ استاد جانی کیوں نہ رات بستی میں گزاری جائے اس جنگل میں کہاں دھکے کھاتے پھریں گے ویسے تمہارا ارادہ کیا ہے۔ اگر میرے ساتھ چلنا چاہتے ہو تو چپ چاپ چلتے رہو۔ جان بخش نے کہا مجھے تمہارے

مشوروں کی ضرورت نہیں ہے ہم رات اس جنگل میں گزاریں گے جب تک یہ رائفل میرے پاس ہے مجھے کوئی خطرہ نہیں وہ بستی میں اس وجہ سے نہیں رکا تھا کیونکہ اسے انگریز شکاریوں کی طرف سے خطرہ تھا انہوں نے ضرور پولیس کو اس کے پیچھے لگا دیا ہوگا اور وہ بستی بستی اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں وہ اس علاقے سے جلد از جلد نکل جانا چاہتا تھا دوسری بات یہ اس کے دھیان میں آئی کہ رائفل کو اس طرح لے کر پھرنا خطرناک تھا اگر پولیس نے اسے رائفل سمیت گرفتار کرلیا تو پھر انہیں کسی دوسرے ثبوت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ وہ رات دونوں نے جنگل میں گزاری صبح ہوئی تو جانی نے جانو کو پیسے دے کر قریبی گاؤں میں بھیجا اور وہ وہاں سے کھانے پینے کا سامان لے آیا اس بات سے جانی کو احساس ہوا کہ ایک ساتھی کا ہونا بے حد ضروری تھا۔ کھانا کھانے کے بعد دونوں آگے روانہ ہوگئے شام ہونے سے تھوڑی دیر پہلے وہ ایک قصبے میں پہنچ گئے جانی کو خیال آیا کہ کھلی رائفل سمیت قصبے میں جانا مناسب نہ ہوگا اگر پولیس نے دیکھ لیا تو وہ دونوں کو دھرلیں گے جاوید اس رائفل کا کیا کیا جائے جانی ایک سایہ دار درخت کے نیچے رکتا ہوا بولا یہ رائفل بہت قیمتی ہے اور ہمارا حلیہ بہت غریبانہ ہے جو بھی ہمارے ہاتھ میں یہ رائفل دیکھے گا وہ یہی سمجھے گا کہ ہم یہ رائفل کہیں سے چرا کر لائے ہیں۔ اسے کسی کپڑے میں لپیٹ لیتے ہیں جاوید نے مشورہ دیا پھر اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا لیکن ہمارے پاس کوئی کپڑا بھی نہیں ہے تم یہاں آرام کرو میں شہر سے کوئی چادر خرید لاتا ہوں۔ چادر کے بجائے تم کوئی صندوق خرید لاؤ جانی نے کہا لیکن صندوق اتنا لمبا نہیں ملے گا اس نے رائفل کی لمبائی کا اندازہ لگایا میرا خیال ہے چادر ہی ٹھیک رہے گی یا پھر کوئی لمبا سا تھیلا لے آنا جانو رائفل کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا ذرا دکھانا تو جانی نے جلدی سے رائفل والا ہاتھ پرے کرلیا پھر بولا رائفل کو ہاتھ نہ لگانا۔

میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ کھل سکتی ہے یا نہیں اگر یہ کھل جائے تو ہم اس کے پرزے الگ الگ کرکے بکسے میں ڈال لیں گے تم ابھی تم مجھ پر شک کرتے ہو یہ جنگل ہے جاوید یہاں انسان کو پہلے اپنے ہتھیار پر اور پھر کسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ وہ درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور رائفل کے پرزے الگ کرنے کی کوشش کرنے لگا پندرہ بیس منٹ کی کوشش کے بعد وہ بیرل کو کندے سے الگ کرنے میں کامیاب ہوگیا لو بھئی یہ کام تو ٹھیک ہوگیا اب تو یہ صندوق میں ہی آجائے گا اس نے کہا۔ جانو پیسے لے کر شہر گیا اور وہاں سے کینوس کا ایک بیگ خرید لایا جانی نے کھلی ہوئی رائفل اور گولیوں کا تھیلا کینوس کے بیگ میں ڈال لیا اور دونوں شہر میں پہنچ گئے سب سے پہلے وہ ایک ہوٹل میں پہنچے اور

کھانے کا آرڈر دیا۔ ہوٹل کا مالک ایک ہندو تھا جس کا نام اجے سنگھ تھا وہ اپنی توند پھیلائے گلے کے پاس بیٹھا تھا اس نے تیکھی نگاہوں سے جان بخش اور جاوید کی طرف دیکھا اور بولا بچہ مسافر ہو؟

"ہاں مہاراج مسافر ہیں۔" جانی نے جواب دیا۔ "ہردوار کی یاترا کرنے جارہے ہیں۔" اجے سنگھ نے بھنویں سکیڑیں اور بولا اچھا اچھا ہرے دوار کی یاترا کو جارہے ہو خیر نام کیا ہے تمہارا جانی کو امید نہیں تھی کہ اتنی جلدی وہ نام پوچھ لے گا۔

"میرا نام شنکر ہے اور یہ میرا دوست رام لال ہے۔" اجے سنگھ نے ہولے ہولے سر ہلایا اور اس گاہک کی طرف متوجہ ہوگیا جو کھانے کے پیسے دینے اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا ہوٹل میں بمشکل نصف درجن آدمی بیٹھے تھے چند منٹوں کے بعد ایک پولیس والا ہوٹل میں داخل ہوا اور تنقیدی نظروں سے گاہکوں کو دیکھتا ہوا اجے سنگھ کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا کچھ دیر تک دونوں رسمی گفتگو کرتے رہے پھر اجے سنگھ نے پوچھا۔ "میجر ارجن سنگھ کے قاتل کا کچھ پتہ چلا؟"

کچھ پتہ نہیں چلا پولیس والے نے جواب دیا اس کے کندھوں پر حوالدار کے فیتے لگے ہوئے تھے اس کی تلاش میں جو پارٹی اِدھر آئی ہوئی تھی وہ واپس چلی گئی ہے یہ بات سن کر جانی تھوڑا سا گھبرا گیا تاہم اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو وہ جاوید پر سارا الزام لگا کر خود کو بچانے کی کوشش کرے گا حوالدار کہہ رہا تھا قاتل کہیں ادھر ہی جنگل میں چھپا ہوا ہوگا اسے شہر میں آکر پھنسنے کی کیا ضرورت تھی اجے سنگھ نے جانی اور جانو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ تو قاتل ہی جانے کہ وہ کون سی جگہ کو محفوظ سمجھتا ہے پر اس نے میجر کو قتل کیوں کیا ہے کیا کوئی خاندانی دشمنی تھی۔ یہ تو میں نے نہیں پوچھا تھانیدار بتا رہا تھا کہ میجر کی پتنی بڑی سندر ہے اس کا خیال ہے کہ میجر کو کسی انگریز نے قتل کروایا ہے۔ جانی کے کان ان کی آواز کی طرف تھے اور دھیان کھانے کی طرف حوالدار نے ایک گلاس پانی پیا اور کچھ دیر کے بعد اٹھ کر چلا گیا تب جانی نے اطمینان کا سانس لیا کھانے کے بعد اس نے قیمت ادا کی اور پوچھا مہاراج یہاں کوئی دھرم شالہ ہوگی اجے سنگھ نے نفی میں سر ہلایا اور بولا یہاں کوئی دھرم شالا نہیں ہے کوئی ہوٹل بھی نہیں ہے۔

دوبارہ نفی میں جواب ملا جانی نے جانو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا رام لال آج کی رات بھی دھرتی ماتا پر گزارنی ہوگی مجھے تو دھرتی پر بڑا سکون ملتا ہے۔ جاوید نے اجے سنگھ سے پوچھا لالہ جی آپ کے پاس کوئی جگہ نہیں ہوگی اجے سنگھ نے سر سے پاؤں تک جاوید

کو گھورا اور بولا پیسے خرچ ہوں گے جگہ تو بہت ہے۔ پیسے ضرور خرچ کریں گے جان بخش نے کہا آپ جگہ دکھا دیں۔ جگہ میرے گھر میں ہے اجے سنگھ نے کہا میں نے ایک کمرہ مسافروں کے لئے رکھا ہوا ہے تم دونوں ادھر ہی بیٹھو ہوٹل بند کرنے کے بعد تمہیں ساتھ ہی لے چلوں گا یا بازار میں گھوم پھر آؤ۔ یہ ٹھیک ہے جانی نے کہا ہم بازار سے ہو کر آتے ہیں کچھ خریداری بھی کرلیں گے اور حجامت بھی بنوا لیں گے کیوں بھئی رام لال ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی جاوید نے کہا حجامت تو مجھے بھی بنوانا ہے دونوں نے ' جے سنگھ سے بازار کا راستہ پوچھا اور اپنا تھیلا اٹھا کر رخصت ہوگئے بازار میں خاصی چہل پہل تھی دونوں پہلے ایک حجام کی دکان میں گھس گئے وہاں گرم حمام کا انتظام بھی تھا بال کٹوانے کے بعد جانو دکان کے واحد حمام میں گھس گیا اور جانی باہر انتظار کرنے لگا بیٹھے بیٹھے اسے اپنے میلے کپڑوں کا خیال آیا کئی دن کے ان گندے کپڑوں سے پسینے اور میل کی بو اٹھ رہی تھی اس نے حجام سے پوچھا استاد اِدھر کہیں سے سلے سلائے کپڑے مل جائیں گے۔ ملیں گے کاہے کو ناہیں ادھیڑ عمر حجام نے کہا پیسہ خرچ کرو گے تو ضرور مل جاویں گے ادھر سیدھے ہاتھ کو چلے جاؤ پچاس قدم چلنے کے بعد الٹے ہاتھ ایک چھوٹی سی گلی ہے اس گلی میں درزی کی دکان پوچھ لینا ادھر سے تمہیں ہر ناپ کا کپڑا مل جاوے گا۔ جانی سیدھا اس دکان پر پہنچا جہاں سے اسے پچاس روپے میں دو عمدہ بوسکی کے سوٹ مل گئے اس کے علاوہ اس نے ایک روپے کی عطر کی شیشی ایک روپے کا خوشبودار صابن آٹھ آنے کا کنگھا اور ایک روپے کا عمدہ شیشہ بھی خرید لیا چلتے چلتے اسے خیال آیا کہ ایک جوڑا جاوید کے لئے بھی خرید لینا چاہئے اس نے جاوید کے لئے دس روپے کا ایک سوتی سوٹ خرید لیا۔ چونسٹھ روپے آٹھ آنے کی اس پُرتعیش خریداری کے بعد وہ حجام کی دکان پر پہنچا تو خاصا خوش تھا جاوید غسل سے فارغ ہوچکا تھا اور وہی میلے کپڑے پہن کر سامنے کھڑا تھا۔ یہ لے رام لال جانی نے سوتی جوڑا بیگ سے نکال کر جاوید کی طرف اچھال دیا یہ دیکھ میں تیرے لئے کیا لایا ہوں اسے پہن لے میں نہا کر آتا ہوں واہ اے مالک جاوید جوڑا دیکھ کر خوش ہوگیا جی خوش کردیا لیکن جب اس نے جانی کو بیگ سے بوسکی کا سوٹ نکالتے دیکھا تو لمحہ بھر کے لئے اس کا جی میلا ہوگیا جانی نے اپنے لئے بڑھیا جوڑا خریدا تھا اس کے لئے گھٹیا خریدا تھا پھر اس نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ یہ بھی جانی کی مہربانی ہے پیسہ تو سب اس کا خرچ ہو رہا تھا اس نے ایک کونے میں جا کر کپڑے تبدیل کر لئے۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد جانی بوسکی کا سوٹ پہنے باہر آیا تو کوئی رئیس زادہ لگ رہا تھا اس نے بیگ سے عطر کی شیشی نکال کر اپنے لباس پر عطر ملا اور آئینے کے پاس ٹھہر کر

سر کے وسط میں مانگ نکال لی۔ جاوید حسد اور رشک کی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جانی ایمان سے تم شہزادے لگ رہے ہو حجام کی دکان سے نکلنے کے بعد اس نے کہا جانی نخوت سے بولا شہزادے سے کم بھی نہیں ہوں واہ اے کالے شاہ۔ تم نے پہلے بھی کالے شاہ کا نام لیا تھا جاوید نے کہا یہ کون ہے میری بھی اس سے ملاقات کرا دے ناں۔ ابھی وقت نہیں آیا جانی نے بے نیازی سے کہا اور سنو تم اپنے آپ کو میرا خدمت گار ظاہر کرنا میں اجے سنگھ کو ہاتھ کی صفائی دکھانا چاہتا ہوں تم اجے سنگھ سے دبے لفظوں میں اس بات کا اظہار کرنا کہ میں ایک ریاست کا راج کمار ہوں اور دنیا کا میلہ دیکھنے گھر سے نکلا ہوں سمجھے۔

سمجھ گیا جاوید نے کہا تم مالک میں خادم یہ بات تو میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دی تھی پر یہ تو بتا کہ تیرے ہاتھ کی صفائی میں میرا کتنا حصہ ہوگا؟ روپے میں چار آنے تیرے ہوں گے جانی نے کہا دوسروں کے سامنے میرے ساتھ جھک کر بات کرنا۔ جاوید ہاتھ جوڑتا ہوا بولا بہت بہتر مہاراج راستے میں حلوائی کی دکان دیکھ کر جانی رکا اور مٹھائی کا ایک بڑا ڈبہ بندھوا لیا اجے سنگھ نے پہلی نظر میں ان دونوں کو بالکل نہیں پہچانا۔ کہاں وہ میلے کپڑوں میں ملبوس دو ہونق چہرے بڑھی ہوئی داڑھی اور الجھے ہوئے بالوں والے اور کہاں یہ صاف ستھرے لباس میں ملبوس کلین شیو عطر معطر' معطر بانکے سجیلے نوجوان۔ لالہ جی نمسکار جانی نے کہا کتنی دیر اور یہاں لگے گی؟ اجے سنگھ نے آنکھیں جھپکائیں اور پھر بولا ارے شنکر یہ تم ہو تمہارا تو نقشہ ہی بدل گیا۔ لالہ جی سفر میں تو ایسے ہی ہوتا ہے انسان خود بھی اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتا۔ بیٹھو بیٹھو اجے سنگھ نے اپنی گدی کی طرف اشارہ کیا ابھی چلتے ہیں۔ جانی اجے کے قریب بیٹھ گیا اور بیگ سے مٹھائی کا ڈبہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ یہ آپ کے بچوں کے لئے ہے یہ' یہ کیا ہے اجے سنگھ ڈبہ لیتا ہوا بولا یہ تو مٹھائی ہے اس کی کیا ضرورت تھی لالہ جی آپ نے گھر کی بات کی تھی جانی نے عیاری سے کہا میں نے سوچا گھر میں خالی ہاتھ جانا اچھا نہیں لگتا اس لئے یہ تھوڑی سی مٹھائی خرید لی۔ اجے سنگھ جانی کے لباس اور خوشبو سے پہلے ہی متاثر ہو رہا تھا مٹھائی سے اور زیادہ متاثر ہوگیا وہ دیکھ رہا تھا کہ جانی نے بوسکی کا لباس پہن رکھا تھا اور جاوید سستے قسم کے سوتی لباس میں ملبوس تھا اس نے سوچا کہ جانی یقیناً کوئی امیر زادہ ہے اور جاوید اس کا ملازم ہے۔ کھانا تو تم کھا ہی چکے ہو اس نے جانی سے کہا دودھ منگواؤں تمہارے لئے۔

"دودھ کی گنجائش نہیں ہے۔" جانی نے کہا۔ "اب تو آپ ہمیں کمرے میں پہنچا دیں تو آپ کی بڑی کرپا ہوگی اس وقت بہت تھکن ہو رہی ہے۔"

اجے سنگھ نے ایک ملازم کو اپنی گدی پر بٹھایا گلے سے نقدی نکال کر جیب میں رکھی اور بولا آؤ میں تم دونوں کو گھر چھوڑ آتا ہوں ہوٹل بند ہونے میں تو ابھی کچھ سمے لگے گا۔ اس کا گھر چند قدم کے فاصلے پر تھا اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ساتھ ہی آواز دی۔ پوجا اری پوجا اِدھر مہمان خانے کا دروازہ کھول دے جلدی سے مہمان آئے ہیں۔ لمحہ بھر کے بعد ایک بھدے نقوش والی لڑکی نے دروازہ کھولا سر باہر نکال کر جانی اور جاوید کو گھورا اور یہ کہتی ہوئی واپس چلی گئی ابھی کھولتی ہوں پتا جی۔ اجے سنگھ ہٹ کر ایک دوسرے دروازے کے سامنے جا ٹھہرا تھوڑی دیر بعد پوجا نے وہ دروازہ کھولا اور شوخ نظروں سے جانی کو دیکھتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی کمرہ کشادہ اور ہوا دار تھا پوجا اندرونی دروازہ میں جا کر کھڑی ہوگئی تھی اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ نوجوان مہمانوں کی آمد سے اسے خوشی ہوئی تھی۔ اس نے لالٹین کھونٹے سے لٹکا دی تھی۔ بیٹا یہ مسافر ہیں اور رات ادھر گزاریں گے۔ اجے نے کہا یہ دونوں تھکے ہوئے تھے اس لئے میں انہیں چھوڑنے آگیا ہوں پانی کی صراحی اور کٹورہ ادھر رکھ دے تاکہ میں جاؤں۔ پوجا اندر سے ایک صراحی اور کٹورہ لے آئی اور اسے کونے میں رکھ دیا۔ اب تو اندر سے دروازہ بند کر لے اور جا کر آرام کر اجے سنگھ نے کہا پھر جانی سے مخاطب ہو کر بولا' غسل خانہ ادھر پچھلی طرف ہے دروازہ گلی میں کھلتا ہے ضرورت ہو تو چلے جانا اب میں چلتا ہوں اور ہاں سونے سے پہلے لالٹین دھیمی کر دینا وہ باہر جانے کے بجائے اندر چلا گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ جانی نے تھیلا چارپائی کے نیچے رکھ دیا اور ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گیا جانو نے صراحی سے پانی کا ایک کٹورا لیا اور دوسری چارپائی پر لیٹ گیا دن بھر پیدل چلنے کی وجہ سے ان کی حالت بے حد خراب تھی کچھ دیر تک دونوں چپ چاپ لیٹے رہے پھر جانی نے کہا آج ہمیں نیند بڑی زبردست آئے گی' ایسا نہ ہو کہ لالہ جی رات کو یہاں ہاتھ صاف کر جائیں تم دروازہ کھڑکیاں اچھی طرح بند کر لو۔ جو حکم استاد جانو نے کہا اور اٹھ کر دروازہ کھڑکیاں بند کرنے لگا اندرونی دروازے کے پاس پہنچ کر وہ ٹھٹک گیا استاد اس دروازے میں تو کوئی کنڈی نہیں ہے جان بخش نے اٹھ کر دروازے کا معائنہ کیا پھر بولا۔

یہ خطرے کی بات ہے اپنی چارپائی دروازے کے ساتھ کر لے جاوید نے اپنی چارپائی گھسیٹ کر دروازے کے سامنے کرلی اور اس کے اوپر لیٹتا ہوا بولا۔

اِدھر ہاتھ کی صفائی دکھانے کا کوئی موقع دکھائی نہیں دیتا۔ اس وقت میں بہت تھکا ہوا ہوں جانی نے خوابناک لہجے میں کہا کل دیکھا جائے گا۔ استاد میں ایک بات تمہیں بتانا بھول گیا جاوید نے کہا تمہیں وہ حوالدار تو یاد ہوگا جو ہمارے کھانے کے دوران ہوٹل میں

اجے سنگھ سے باتیں کر رہا تھا۔

ہاں اچھی طرح یاد ہے وہ حوالدار تمہیں اس وقت کیسے یاد آگیا؟ وہ کسی میجر کے قتل کی بات کر رہا تھا اور اس طرح ہمیں گھور رہا تھا جیسے میجر کو ہم نے ہی قتل کیا ہو۔ جانی اندر سے گھبرایا لیکن بظاہر بے پروائی سے بولا سو جاؤ پولیس والے ہر مسافر کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں ہم کیا جانیں میجر کون تھا اور کس نے اسے قتل کیا کچھ دیر بعد دونوں کی آنکھ لگ گئی اگلی صبح کسی نے انہیں جھنجھوڑ کر اٹھا دیا دونوں آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھے جگانے والا اجے سنگھ تھا۔ کیا ہوا لالہ جی اتنی جلدی کیوں جگا دیا جانی نے پوچھا اجے سنگھ نے دھیمی آواز میں کہا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں میں ہوٹل پر جا رہا ہوں میں نے گھر والی سے کہہ دیا ہے کہ تم کو ادھر ہی بھوجن کرا دے تم دونوں آج کے دن باہر نہ نکلنا۔ خیر تو ہے لالہ جی باہر کیوں نہ نکلیں جانی نے کہا ہم تو آج آگے جائیں گے۔ بات یہ ہے کہ پولیس تم دونوں کو ڈھونڈتی ہوگی اجے سنگھ نے کہا رات کو جب تم دونوں کو ادھر چھوڑ کر ہوٹل پر گیا تو تھوڑی دیر بعد حوالدار میرے پاس آیا اور تم لوگوں کے بارے میں پوچھا میں نے جواب دیا کہ وہ دونوں تو چلے گئے پر اسے میری بات پر یقین نہیں آیا اس کا خیال ہے کہ تم دونوں مسلمان ہو اور میجر کو تم ہی نے قتل کیا ہے۔ جانی گھبرا کر بولا۔ پھر آپ نے کیا کہا میں نے اس سے کہا کہ تم کس چکر میں ہو اپنے بھائی بند ہیں اور ہردوار کی یاترا کو گئے ہیں پر اس کو میری بات پر یقین نہیں آیا وہ لوگ تم دونوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں ہوسکتا ہے کہ وہ ادھر بھی آئیں میں نے اپنی پتنی کو ساری بات سمجھا دی ہے اگر پولیس والے ادھر دیکھنے آئے تو وہ تمہیں اندر کسی کمرے میں چھپا دے گی کوئی چنتا نہیں کرنا۔ لالہ جی آپ کی بڑی کرپا ہے جاوید نے کہا پولیس ہمیں پکڑ کرلے جاتی تو بے کار میں پریشان کرتی جانی نے کہا۔

بھلا ہم کیوں ملیچھ ہونے لگے ہم تو جدی پشتی ہندو ہیں آپ نے ہم کو پولیس کے ہاتھوں سے بچایا بھگوان آپ کا بھلا کرے گا پولیس والے تو ہمیشہ شریف لوگوں کو پریشان کرتے ہیں۔ اجے سنگھ انہیں تسلی دے کر ہوٹل چلا گیا تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اجے سنگھ کی بھدے نقوش والی بیٹی پوجا دروازے میں نمودار ہوئی اور لجاتی ہوئی بولی ماتا جی نے آپ کو ناشتے کے لئے اندر بلایا ہے چلئے سرکار جاوید نے جان بخش سے کہا آپ اندر جاکر ناشتہ کیجئے ہم ادھر ہی بیٹھتے ہیں آپ بھی چلئے ناں پوجا نے کہا ماتا جی نے آپ دونوں کو بلایا ہے کوئی بات نہیں رام لال جانی نے کہا تم بھی چلو سفر میں مالک اور ملازم میں کوئی فرق نہیں رہتا اس نے بالوں میں کنگھا کیا کپڑوں میں خوشبو لگائی اور پوجا کے پیچھے چل پڑا جاوید

نے اپنے بال تھوڑے سے اور بگاڑے اور جانی کے پیچھے چلتا ہوا اندر چلا گیا۔ کمرے میں صاف چاندنی بچھی ہوئی تھی جس کے اوپر دسترخوان لگا ہوا تھا اجے سنگھ کی بھاری بھرکم بیوی گاؤ تکئے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی دو لڑکیاں جن کی عمریں بارہ پندرہ برس کے درمیان تھیں اس کے قریب بیٹھی تھیں ان کی شکلیں پوجا سے ملتی جلتی تھیں واضح طور پر پوجا کی چھوٹی بہنیں تھیں۔ جانی نے دل میں سوچا کہ بھگوان لڑکیوں کے معاملے میں اجے سنگھ پر خاصا مہربان معلوم ہوتا ہے اس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا نمسکار چاچی۔ نمسکار اس کی بیوی نے کہا آؤ بیٹھو بھگوان سکھی رکھے ان کے پتا جی نے جب سے مجھے بتایا ہے کہ تم ہردوار کی یاترا کو جا رہے ہو تو مجھے بڑی خوشی ہوئی یہاں میرے پاس آکر بیٹھ۔ جانی اس کے قریب بیٹھ گیا اور جاوید ایک کونے میں بیٹھ گیا اس کی بیوی نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی' جانی سمجھ گیا کہ رات کو اجے سنگھ نے ان کے بارے میں مکمل رپورٹ دے دی ہوگی ناشتے میں پوری' کچوری' مکھن' دودھ اور نہ جانے کیا کچھ تھا وہ بڑے پیار سے جانی کو ایک ایک چیز کھلاتی رہی اور اس کے بارے میں سوالات کرتی رہی جان بخش جو وہاں شنکر بنا ہوا تھا جی بھر کے جھوٹ بولتا رہا اس نے خود کو بہت بڑے رئیس کا بیٹا ظاہر کیا اور اپنے خاندان کے بارے میں لمبی چوڑی باتیں کرتا رہا پوجا ناشتے کے دوران کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی اس کی نظروں میں بے شمار پیغام چھپے ہوئے تھے اگر اتفاق سے جانی اس کی طرف دیکھ لیتا تو اس کے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ پھیل جاتی اور وہ نظریں نیچی کر لیتی۔ ناشتے کے دوران جانی کو اجے سنگھ کے بارے میں کافی باتیں معلوم ہوگئیں' اجے سنگھ کی تین لڑکیاں اور دو لڑکے تھے بڑا لڑکا شادی شدہ تھا اور اپنی بیوی بچوں کے ساتھ ایک دوسرے شہر میں رہتا تھا دوسرا لڑکا اجے سنگھ کے ساتھ صبح ہی صبح ہوٹل چلا گیا تھا۔

☆======☆======☆

ناشتے کے بعد جانی کو تقریباً گھر کے فرد کی سی حیثیت حاصل ہوگئی تاہم اسے یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ اجازت اجے سنگھ کی طرف سے نہیں تھی اس کی بیوی نے اشارتاً اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ اس کے شوہر کے سامنے اس بات کا اظہار نہ کرے جہاں تک جاوید کا تعلق تھا جانی نے اسے ناشتے کے بعد مہمانوں والے کمرے میں بھیج دیا تھا۔ گیارہ بجے کے قریب کسی نے دروازے پر دستک دی چھوٹی لڑکی نے باہر جاکر پتہ کیا اور واپس آکر بتایا کہ دو پولیس والے آئے ہیں اجے سنگھ کی بیوی نے جانی اور جاوید کو اندرونی کمرے میں چھپا

دیا اور دروازے پر جاکر پولیس والوں سے ان کا مقصد پوچھا ان میں ایک حوالدار اور ایک سپاہی تھا حوالدار نے چالاکی سے کہا۔

"بائی جی کل جو دو مہمان آپ کے گھر اترے تھے ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں ذرا ان کو باہر بھیج دیں۔" مہمان تو صبح ہی صبح چلے گئے اجے سنگھ کی بیوی نے کہا ہم نے تو ان کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ اگر آپ کو برا نہ لگے تو مہمانوں والا کمرہ ذرا کھول کر دکھا دیں ہوسکتا ہے کہ وہ کہیں گھومنے پھرنے چلے گئے ہوں اور ان کا سامان ادھر ہی رکھا ہوا ہو۔ اجے سنگھ کی بیوی حوالدار کو ٹالنے کی کوشش کرنے لگی مگر وہ کمرہ دیکھنے پر مصر تھا ادھر وہ بات چیت ہو رہی تھی اور ادھر اندرونی کمرے میں جانی کے پاس کالے شاہ پہنچ گیا تھا اس نیم تاریک کمرے میں چند صندوق ایک پیٹی اور ایک بڑی سی الماری رکھی تھی الماری کے ساتھ ایک بڑے سائز کا پلنگ بچھا ہوا تھا جاوید پلنگ کے نیچے گھسا ہوا تھا اور جانی الماری اور پیٹی کے درمیان دبکا بیٹھا تھا تب ہی اسے اپنے بائیں جانب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اس نے سر جھکا کر دیکھا تو کالے شاہ تھا۔ کیا بات ہے میرے چاند اس نے کہا کس بات کی پریشانی ہے؟ جانی نے کالے شاہ کی موجودگی سے بڑی تقویت محسوس کی اور بولا کوئی خاص بات نہیں پولیس والوں کو ہم پر شک ہوگیا ہے وہ باہر دروازے پر کھڑے ہیں۔ ان کی فکر مت کرو اس نے کہا اجے سنگھ کی بیوی انہیں اس کمرے تک نہیں پہنچنے دے گی تم اتنے سہمے ہوئے کیوں بیٹھے ہو ایسا موقع تمہیں دوبارہ نہیں ملے گا ذرا اس کمرے کا تو جائزہ لو اس کمرے میں کیا ہے کالے شاہ ہنسا پھر بولا۔ احمق مجھے اس کمرے سے کرنسی نوٹوں کی خوشبو آ رہی ہے۔ لیکن ان صندوقوں کو تو تالے لگے ہیں۔ اٹھ کر دیکھو تو ان کی چابیاں بھی یہیں کہیں ہوں گی۔ جانی پناہ گاہ سے نکلا اور جلدی جلدی کمروں کی تلاشی لینے لگا چند لمحوں کے بعد طاق میں پڑا ہوا چابیوں کا گچھا اس کے ہاتھ میں تھا اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں کالے شاہ نے سچ کہا تھا اس سے بہتر موقع اسے کبھی نہیں مل سکتا تھا وہ جلدی سے صندوقوں کی طرف بڑھا اور پہلے صندوق کا تالا کھولنے کے لئے مطلوبہ چابی ڈھونڈنے لگا۔ تم نہایت بے غیرت انسان ہو اچانک اس کے کانوں میں ایک آواز آئی اس نے گھوم کر دیکھا تو سامنے سفید شاہ کھڑا تھا۔ اس شخص کے گھر میں ڈاکہ ڈال رہے ہو جس نے تمہیں پناہ دی ہے۔

جانی کو سفید شاہ کی مداخلت پر غصہ آیا۔ چلے جاؤ یہاں سے اس نے کہا تم میری خوشی کے دشمن کیوں ہوگئے ہو جاؤ نہیں تو اٹھا کر باہر پھینک دوں گا تم نہیں چاہتے کہ میں بھی عیش کی زندگی گزاروں؟ سفید شاہ اس کے تیور دیکھ کر جلدی سے پیچھے ہٹ گیا پھر

بولا۔ شرم کرو' ڈوب مرو ذرا سی تکلیف سے گھبرا کر اپنے دین سے پھر گئے اگر اجے سنگھ کو پتہ بھی چل جاتا کہ تم مسلمان ہو تو وہ تمہیں کچھ نہ کہتا بزدل' کوئی شخص کسی انسان کی حفاظت نہیں کرسکتا اصل بچانے والا اللہ ہے۔ اللہ کا نام سنتے ہی جانی نے سفید شاہ کی پسلیوں پر زوردار مکا رسید کیا پھر بولا کالے شاہ زندہ باد۔ سفید شاہ شدید تکلیف سے دوہرا ہوگیا پھر سنبھلتا ہوا بولا۔ بستی میں تمہیں یہ شکایت تھی کہ وہاں تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی اور تمہارا حق مارا گیا مگر ان سیدھے سادے لوگوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے ان کو کیوں لوٹنا چاہتے ہو۔ ایسی بے وفائی تو ایک کتا بھی نہیں کرتا ابھی بھی وقت ہے چابیاں واپس رکھ دو۔ جانی کا ارادہ لمحہ بھر کے لئے ڈانواں ڈول ہوگیا اس وقت اس کے کانوں میں کالے شاہ کی آواز آئی احمق مت بنو جانی یہ موقع دوبارہ نہیں آئے گا اجے سنگھ کے پاس بہت دولت ہے۔ اجے سنگھ کے پاس بہت دولت ہے جانی نے کالے شاہ کے لفظ دہرائے اگر میں نے اس کی دولت سے کچھ رقم نکال لی تو وہ مر نہیں جائے گا۔ باتوں کے دوران اس نے صندوق بھی چیک کرنا شروع کر دیئے تھے وہ اور دولت کما لے گا مجھے یقین ہے کہ اجے سنگھ اپنے گاہکوں کو خوب لوٹتا ہوگا ایک پیسے کی چیز چار آنے میں بیچتا ہوگا ایسے لوگوں کو لوٹنا جائز ہے۔ دیکھو جانی اگر اجے سنگھ لوگوں کو لوٹتا ہے تو اس کی سزا اسے ملے گی تم اس حرکت سے اپنے آپ کو گناہ گار بنا رہے ہو اپنا اعمال سیاہ کر رہے ہو اب بھی وقت ہے باز آجاؤ اس وقت جانی نے تیسرا صندوق کھولا تھا سفید شاہ کی باتیں اسے بہت پریشان کر رہی تھیں اس نے اس کے منہ پر تھوکا اور پیٹ میں ایک اور گھونسا رسید کیا اور بولا۔ کیسا اعمال نامہ اور کیسی سیاہی یہی جنت اور یہی جہنم ہے جانی بہ عیش کوش کے عالم دوبارہ نیست۔ آدمی کو فکر اس چیز کی کرنا چاہیئے جو سامنے نظر آتی ہو تم جس وقت کی باتیں کرتے ہو وہ کس نے دیکھی ہے یہ باتیں کرتے ہوئے اس نے صندوق کا ڈھکن اٹھایا اور کپڑوں کی تہہ کے نیچے دیکھنے لگا یکایک ایک پوٹلی اس کے ہاتھ لگی اس نے اسے ٹٹولا تو نوٹوں کی سرسراہٹ اسے سنائی دی اسی لمحے کسی نے دروازے پر دستک دی جانی نے پوٹلی کو نیفے میں اڑس لیا اور جلدی جلدی صندوق کو بند کرنے لگا۔

شنکر اس نے اجے سنگھ کی بیوی کی آواز سنی ارے او شنکر پولیس والے چلے گئے ہیں دروازہ کھول دے اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اجے سنگھ کی بیوی کی آواز سن کر جانو پلنگ کے نیچے سے نکل آیا اس نے صندوقوں کے ہلنے جلنے کی آوازیں تو سنی تھیں پر وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ جانی کیا کارروائی کر رہا تھا۔ جب وہ پلنگ کے نیچے سے نکلا تو جانی آخری صندوق اپنی جگہ پر رکھ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں پھیلا کر جانی کی طرف دیکھا

دروازہ کھول ۔ ے جانی نے اس نے کہا خطرہ ٹل گیا ہے پھر جیسے ہی جانو دروازے کی طرف بڑھا اس نے چابیاں جلدی سے طاق میں رکھ دیں اور پوٹلی کو نکال کر کھیسے میں ڈال دیا اتنے میں جانو نے دروازہ کھول دیا اور اس کی بیوی سے پوچھا کہ پولیس والے چلے گئے ہیں اس نے اپنا کینوس کا تھیلا ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا عورت نے الجھی ہوئی نظروں سے جانو اور جانی کی طرف دیکھا پھر شک آمیز نظروں سے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ یہ میری بیٹی کہہ رہی ہے کہ کمرے سے کھٹ پٹ کی آوازیں آرہی تھیں۔ جانی چالاکی سے بولا آپ کی بیٹی صحیح کہتی ہے۔ یہ جانو ادھر پیٹی کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور خوف کے باعث اس کے گھٹنے بج رہے تھے کیا وہ لوگ چلے گئے۔ ہاں وہ لوگ چلے گئے عورت نے کہا حوالدار کہہ رہا تھا کہ تم لوگ مسلمان ہو۔ ارے رام رام جانی نے کہا ہم تو اصلی برہمن جاتی ہندو ہیں وہ کوئی اور ہوں گے۔ عورت کی الجھن کم نہیں ہوئی وہ بولی۔ اب تم دونوں اپنے کمرے میں جاکر بیٹھو۔ جانی بغور عورت کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا سمجھ گیا کہ اسے شبہ ہوگیا ہے۔ مہمان خانے کی طرف جاتے ہوئے اس نے دیکھا کہ عورت صندوقوں والے کمرے میں گھس گئی تھی اور اندر سے دروازہ بند کر دیا وہ سمجھ گیا کہ عورت اپنے صندوق چیک کرے گی۔ جانو اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے اس نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے کہا فوراً یہاں سے نکل چلو۔ معاملہ کیا ہے؟ جانو نے پوچھا اور' اور اس وقت باہر نکلنا ٹھیک نہیں ہے پولیس کے ہتھے چڑھ گئے تو کرکری ہوجائے گی تُو نے دیکھا نہیں کہ وہ پوجا کیسی تیکھی نظروں سے تیری طرف دیکھتی ہے۔ مالک میں ہوں یا تُو ہے جانی نے غصے سے کہا اب باہر سے زیادہ اندر خطرہ ہے جاوید جان بخش کے تیور دیکھ کر سمجھ گیا کہ صورت حال سنگین ہے اس نے تھیلا اٹھایا اور جانی کے پیچھے کمرے سے نکل گیا دونوں مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے تانگوں کے اڈے تک پہنچ گئے جانی نے ایک سجے ہوئے تانگے کو پسند کیا اور کوچوان کے پاس جاکر بولا کیوں بھئی لانڈری چلو گے۔ تانگے میں سفید رنگ کا اصیل گھوڑا جتا ہوا تھا جس پر نیلے اور پیلے پھندنے سجے ہوئے تھے کوچوان گھوڑے کی پشت تھپتھپاتا ہوا بولا۔

بابو جی کرایہ دونوں طرف کا دینا پڑے گا۔ جانی نے پائیدان پر پیر رکھا اور اچھل کر اگلی سیٹ پر جا بیٹھا پھر بولا کرایہ جو کہو گے دیں گے بیٹھو رام لعل کوچوان پینتیس چالیس سال کا ایک مضبوط شخص تھا اس نے چارے کا تھیلا جو گھوڑے کے سامنے رکھا تھا اٹھا کر سیٹ کے نیچے رکھ دیا اور لگام سنبھالتا ہوا جانی کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھنے لگا۔ ارے ارے یہ کیا کر رہے ہو جانی پرے سرکتا ہوا بولا کیا کر رہے ہو کیا ہمارے برابر بیٹھو گے

جاوید نے جلدی سے کہا۔ کرایہ دو طرف کا مانگتے ہو اور چھوٹے سرکار کے برابر بیٹھتے ہو۔ کوئی بات نہیں بابو جی بھول ہوگئی کوچوان جلدی سے ڈنڈے پر بیٹھ گیا میں یہاں بیٹھ جاتا ہوں اس نے جانی کی طرف سے یہی اندازہ لگایا کہ وہ کوئی رئیس زادہ ہے لہٰذا اس کا گھبرا جانا لازمی تھا پھر جیسے ہی اس نے لگام کھینچی گھوڑے نے فوراً ہی چال پکڑ لی یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ہوا سے باتیں کرنا چاہتا ہو کوچوان لگام کو سخت کرتا ہوا بولا دھیرج دھیرج بڑا لمبا سفر جلدی مت کر لانڈری یہاں سے کتنی دور ہے جانو نے پوچھا۔ یہی کوئی پندرہ سولہ کوس دور ہوگا جی کوچوان نے جواب دیا۔ ڈیڑھ دو گھنٹے میں پہنچ جائیں گے ابھی وہ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ ایک سپاہی نے جو سڑک کے کنارے کھڑا تھا انہیں رکنے کا اشارہ کیا رکنا نہیں جانی نے کہا چلتے رہو ہم بہت جلدی میں ہیں لیکن کوچوان گھوڑے کی لگام کھینچتا ہوا بولا بابو جی ان لوگوں سے ہمارا صبح شام کا واسطہ رہتا ہے انہیں ہم ناراض نہیں کرسکتے تانگہ سپاہی کے قریب پہنچ کر رک گیا سپاہی نے گہری نظروں سے جانی کا جائزہ لیا پھر پوچھا مہاراج آپ کا نام کیا ہے۔ جانی نے شنکر کہنے کا ارادہ کیا لیکن پھر اسے خیال آیا کہ کہیں اجے سنگھ کی پتنی نے اس کے خلاف چوری کی رپورٹ نہ لکھوا دی ہو اس لئے وہ نام بتانا مناسب نہیں تھا اس نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا ہمارا نام کرم ناتھ اور یہ ہمارا ملازم ہریا ہے سپاہی نے بھنویں سکیڑیں پھر بولا مہاراج آپ کو دو گھڑی کے لئے تھانے چلنا ہوگا۔

"کیوں بھئی تھانے کیوں چلنا ہوگا؟" جانی نے غصے سے کہا۔ "کیا ہم تمہیں اچکے نظر آتے ہیں؟" مہاراج نظر تو سب ہی ٹھیک آویں ہیں پر اندر کا حال تو بھگوان ہی جانے ہمیں ایک قاتل کی تلاش ہے سنا ہے وہ اسی بستی میں کہیں چھپا ہوا ہے جانی تانگے سے اترا اور جیب سے دس روپے نکال کر سپاہی کی مٹھی میں دبا دیئے پھر بولا ارے داروغہ جی ہمارا قتل سے کیا واسطہ ہم تو شریف آدمی ہیں اس سمے جلدی میں ہیں تھانیدار کو میرا نمسکار بولنا اور کہنا کہ کبھی فرصت ملی تو آپ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں گے۔

اس زمانے میں سپاہی کو تیس چالیس روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی اور دس روپے کی قیمت آج کے دس ہزار روپے سے بھی زیادہ تھی سپاہی دس روپے پاکر نرم پڑ گیا اور بولا کوئی بات نہیں سرکار میں تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ آپ کوئی رئیس زادے ہیں معافی چاہتا ہوں۔ جانی دوبارہ تانگے پر آبیٹھا اور کوچوان سے بولا چل میاں کوچوان جلدی سے روانہ ہوجا۔ کوچوان نے لگام ذرا سی ڈھیلی کی اور گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا کچھ دور جانے کے بعد کوچوان نے کہا بابو جی برا نہیں ماننا ایک بات پوچھوں۔

"ہاں پوچھو۔ برا کیوں منائیں گے۔"

کوچوان جھجکتا ہوا بولا بابوجی۔ پہلے آپ نے اپنے ملازم کو رام لال کہا تھا سپاہی نے پوچھا تو ہریا بتایا جانی نے جلدی سے کہا اس کا اصل نام ہریا ہے پر میں اسے پیار سے رام لال کہتا ہوں۔ کوچوان نے مزید سوال نہیں کیا تاہم وہ جانی کے جواب سے مطمئن نہیں نظر آتا تھا اس وقت اس کا تانگہ ایک سنسان کوہستانی علاقے میں دوڑ رہا تھا سڑک اگرچہ پکی تھی تاہم اس میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے کھڈے پڑے ہوئے تھے جانی گھوڑے کو تعریفی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا نہایت تیز رفتار اور خوبصورت گھوڑا تھا اچانک جانی کو اندر سے ایک آواز سنائی دی اور وہ آواز کالے شاہ کی تھی وہ کہہ رہا تھا کہ اس کوچوان کو قتل کرکے اس کی لاش کو کھڈے میں پھینک دو اور اس کا تانگہ لانڈری میں لے جاکر بیچ دینا یہ آواز سننے کے بعد وہ چند لمحوں تک سوچتا رہا پھر اس نے تھیلا اٹھا کر سیٹ پر رکھا اور اندر سے رائفل کے ٹکڑے نکال کر انہیں جوڑنے لگا کوچوان کا دھیان چونکہ سڑک کی طرف تھا اس لئے اس نے رائفل نہیں دیکھی وہ جانی کو رئیس زادہ سمجھ رہا تھا اور خوش تھا کہ آج اسے لمبے سفر کی سواری مل گئی تھی جاوید نے جان بخش کو رائفل جوڑتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کیا ارادہ ہے۔ دیکھتے جاؤ جانی نے دھیرے سے کہا یہ گھوڑا مجھے پسند آگیا ہے رائفل جوڑ کر اسے لوڈ کرکے اس نے سیٹ پر رکھ دی اور جاوید کی نظر بچا کر وہ پوٹلی نکالی جو اس نے اجے سنگھ کے گھر سے اڑائی تھی پوٹلی کے اندر سے تین ہزار روپے والے اور پچیس سو روپے والے نوٹ برآمد ہوئے یعنی ساڑھے پانچ ہزار روپے اتنی ساری دولت دیکھ کر جانی کا سیروں خون بڑھ گیا اس نے احتیاط کے ساتھ دو ہزار روپے پوٹلی میں باندھے لئے اور ساڑھے تین ہزار روپے جیب میں رکھ لئے پھر اس نے پوٹلی جاوید کی طرف بڑھائی اور بولا دیکھی میرے ہاتھ کی صفائی جانو نے حیرت سے پوٹلی کی طرف دیکھا اور بولا یہ کیا ہے۔ ذرا کھول کر تو دیکھو کہ اس میں کیا ہے۔ جانی نے ہولے سے کہا تاکہ کوچوان اس کی بات نہ سن سکے یہ مال اجے سنگھ کے گھر سے ہاتھ لگا ہے اور دیکھو جاوید نے پوٹلی کھولی اور آنکھیں پھیلا کر نوٹوں کو گھورنے لگا۔ ہوں جبھی تم کہہ رہے تھے کہ جلدی نکل چلو۔

پیارے اپنے ساتھ رہو گے تو یونہی عیش کرتے رہو گے جانی نے کہا ذرا گنتی تو کرو جاوید نے گنتی کرنے کے بعد کہا۔ کل بیس نوٹ ہیں یعنی دو ہزار روپے ٹھیک ہے اپنا حصہ الگ کرلو اور باقی میرے حوالے کردو۔ جاوید نے ایمانداری سے پانچ سو روپے اپنی جیب میں ڈال لئے اور ڈیڑھ ہزار جانی کو تھما دیئے جانی نے یہ رقم بھی جیب میں ٹھونس لی اور ایک بار پھر کوچوان کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں سوچنے لگا۔ جان بخش تم تباہی کے

راستوں پر جارہے ہو اچانک اس کے کانوں میں سفید شاہ کی آواز آئی اس غریب کوچوان نے تمہارا کیا بگاڑا ہے یہ دن بھر محنت کرکے روزی کماتا ہے گھر میں اس کے بیوی بچے انتظار کررہے ہوں گے ذرا سوچو جب اس کی لاش گھر پہنچے گی تو ان کا کیا حال ہوگا؟ جانی نے الٹے ہاتھ کا مکا سفید شاہ کے منہ پر رسید کیا اور کہا۔ تمہارے جیسا ڈھیٹ آدمی میں نے کوئی نہیں دیکھا ابے آدمی تو مرتے ہی رہتے ہیں لاشیں بھی گھروں میں پہنچتی رہتی ہیں چند روز کے رونے پیٹنے کے بعد سب بھول جاتے ہیں اس کے بیوی بچوں کو اس کا کوئی بھائی بند سنبھال لے گا۔ تو کیوں اس کے غم میں دبلا ہوا جارہا ہے میرے سفید شاہ ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ انسان اور مچھلی میں بڑا فرق ہے جان بخش جب انسان کسی چھوٹے انسان کو کھاتا ہے تو اسے اس کا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے یا حساب دینا پڑتا ہے ابھی کچھ نہیں گیا یہیں سے واپس پلٹ جا اجے سنگھ کی رقم واپس کردے اور اپنے لوگوں میں چلا جا۔ جانی نے سفید شاہ کو دھکا دے کر کھڈ میں گرا دیا اور جانو کو سرگوشی میں اپنا منصوبہ سمجھانے لگا نصف راستہ طے کرنے کے بعد اس نے کوچوان سے کہا کوئی صاف ستھری جگہ دیکھ کر تانگہ روک دو بیٹھے بیٹھے ٹانگیں اکڑ گئی ہیں ہم تھوڑا آرام کریں گے۔

بابوجی آگے ڈاک بنگلے پر رک جائیں گے وہاں پانی وانی بھی مل جائے گا۔

نہیں تم ادھر ہی روکو تانگہ جان نے سخت لہجے میں کہا ہمیں جنگل زیادہ پسند ہے

ناراض کیوں ہوتے ہو بابو جی لو ادھر ہی روک دیتا ہوں کوچوان نے ایک ہموار جگہ دیکھ کر تانگہ روک دیا اور نیچے اتر کر گھوڑے کو کھولنے لگا۔ گھوڑا بھی تھک گیا ہے تھوڑا آرام کرے گا جانی اور جانو بھی نیچے اتر آئے وہ بڑی پُرفضا جگہ تھی ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا کوچوان نے گھوڑے کو کھول کر چرنے کے لئے چھوڑ دیا جب وہ اس کام سے فارغ ہوا تو پہلی بار اس کی نظر جانی کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی رائفل پر پڑی وہ ٹھٹک گیا بولا بابوجی یہ بندوق یہ پہلے تو نہیں تھی آپ کے پاس۔

ہم جادوگر ہیں جانی نے کہا جس چیز کی ضرورت ہو وہ جادو سے منگوا لیتے ہیں پھر وہ نالی کا رخ کوچوان کی طرف کرتا ہوا بولا ذرا دیکھو تو تمہارے کھیسے میں کتنے روپے ہیں۔

بب' بب' بابوجی یہ کیا کررہے ہو؟ کوچوان ہکلایا۔ بابو جی گولی چل جائے گی جانی اس قوی الجثہ کوچوان کی گھبراہٹ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بولا ارے مورکھ گولی تو ہوتی ہی چلنے کے لئے ہے، گھبرا مت لا' مال نکال کوچوان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر تھوڑی سی ریزگاری نکالی۔ یہ نو روپے ہیں جی صرف اگر آپ کو ضرورت ہو تو رکھ لیں پر مجھے کچھ نہ کہیں جی غریب آدمی ہوں بال بچے دار ہوں اس نے ہاتھ جوڑ دیئے جانی تھوڑا سا متامل

ہوا تو اندر سے ایک آواز سنائی دی دیر مت کرو جانی ایسی باتوں پر کان دھرو گے تو بزدل ہو جاؤ گے چلاؤ گولی اس کے ساتھ ہی پہاڑوں میں دیر تک گولی کی بازگشت سنائی دیتی رہی کوچوان ہاتھ جوڑے جوڑے زمین پر ڈھیر ہوگیا تھا گھوڑا بڑی زور سے ہنہنایا اور اِدھر اُدھر دوڑنا شروع ہوگیا جاوید نے جانی کے حکم پر کوچوان کی لاش گھسیٹ کر ایک گڑھے میں پھینک دی اور اس کے اوپر شاخیں اور پتھر ڈال دیئے۔ جانی یہ کچھ اچھا کام نہیں ہوا۔ جاوید نے کہا۔ اگر کوئی گولی کی آواز سن کر ادھر آنکلا تو ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے گھوڑا بھی گولی کی آواز سے ڈر گیا ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے جاوید بلکہ رام لال میرے سر پر کالے شاہ کا سایہ ہے تم گھوڑے کو تانگے میں جوتو جب تک میں رائفل کھولتا ہوں۔ دس منٹ کے بعد دونوں ایک سفر پر روانہ ہوگئے جانو کوچوانی کر رہا تھا اور جان بخش ٹانگ پر ٹانگ رکھے ہوئے بیٹھا تھا کوچوان کو قتل کرنے کے بعد وہ تھوڑی سی گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا لیکن کالے شاہ کی آواز اسے تسلی دے رہی تھی وہ کہہ رہا تھا کہ یہ دنیا بزدلوں کے رہنے کی جگہ نہیں ہے عیش اسی کے ہیں جو چھیننا اور مارنا جانتا ہے جو کشتوں کے پشتے لگاتا ہے وہ فاتح جرنیل کہلاتا ہے اور تمغے پاتا ہے۔ دوپہر کے بعد وہ خوبصورت اور صحت افزا مقام لانڈری پہنچ گئے وہاں انہوں نے ایک صاف ستھرے ہوٹل میں قیام کیا خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور پھر بیرے سے کہا غم غلط کرنے کا سامان لے آؤ۔ انہوں نے تانگہ ہوٹل کے قریب سائے میں کھڑا کر دیا تھا اور گھوڑے کو پیڑ سے باندھ کر اس کے آگے چارہ ڈال دیا تھا اس زمانے میں اکثر امیر اور رئیس اپنی ذاتی سواری کے لئے تانگہ اور ٹم ٹم رکھتے تھے اس لئے کسی نے ان کے تانگے کو تعجب کی نظر سے نہیں دیکھا تھا بیرا کھانے کے برتن اٹھا کر لے گیا اور چند لمحوں بعد شراب لے آیا جانی نے پہلی مرتبہ شراب کی بوتل دیکھی تھی اس نے اس بیرے سے پوچھا یہ کون سی شراب ہے۔

سرکار یہ ولایتی شراب ہے۔ بیرے نے کہا غم غلط کرنے کے لئے اس سے بہتر چیز آپ کو کوئی نہیں ملے گی۔ پر اگر آپ کو چلتی پھرتی بوتل چاہئے تو اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ جاوید جس پر پکڑے جانے کا خوف مسلط تھا بولا ادھر آگے کون سا شہر ہے؟

اس طرف گارڈنر ہے جناب! بیرے کے جانے کے بعد اس نے جانی سے کہا یہاں سے آٹھ دس میل دور ہوگا جانو نے سن رکھا تھا کہ گارڈنر سے آگرہ جانے کے لئے ٹرین مل جاتی ہے بیرے کے جانے کے بعد اس نے جانی سے کہا یہاں رکنا ٹھیک نہیں ہے اس چھوٹی سی آبادی میں پکڑے جانے کا زیادہ خطرہ ہے یہاں تو آدمی دور سے نظر آجاتا ہے پولیس کو اب تک پتہ چل چکا ہوگا کہ ہم کدھر گئے ہیں گارڈنر خاصا بڑا شہر ہے وہاں سے

ہمیں آگے جانے کے لئے ٹرین بھی مل جائے گی جانی نے بوتل کھولتے کھولتے ہاتھ روک دیا اور بولا اگر چلنا ہے تو پھر ابھی چلو آٹھ دس میل کا سفر ہے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں طے کر لیں گے۔ انہوں نے ہوٹل کا بل ادا کیا اور تانگے میں گارڈنر روانہ ہوگئے سڑک اچھی تھی اس لئے سفر آسانی کے ساتھ کٹ گیا وہاں انہوں نے ایک اعلیٰ شاپنگ سنٹر کے ایک ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لیا اور نہا دھو کر خریداری کے لئے نکل گئے اس اعلیٰ شاپنگ سنٹر کی سجی ہوئی دکانوں میں ہر چیز دستیاب تھی انہوں نے اپنے لئے مزید کپڑے' نئے جوتے' عمدہ رومال' قراقلی ٹوپیاں اور ایک ایک واسکٹ کے علاوہ دو اعلیٰ قسم کے چرمی بیگ بھی خرید لئے ایک رات ہوٹل میں قیام کرنے کے بعد جب وہ نئے لباس' واسکٹ اور ترچھی ٹوپیاں پہن کر باہر نکلے تو لکھ پتی تاجر معلوم ہوتے تھے ان کا گھوڑا رات بھر آرام کرنے کے بعد تازہ دم ہو چکا تھا وہ تانگے پر بیٹھ کر گھوڑوں کے استھان پر پہنچے وہاں چند حوض بنے ہوئے تھے جن میں گھوڑوں کے پانی پینے اور نہانے کا انتظام تھا وہاں چند تانگوں والے اپنے گھوڑوں کو پانی پلا رہے تھے۔ ایک لڑکا اپنے گھوڑے کو نہلا رہا تھا۔ جانی نے لڑکے سے کہا کہ وہ اپنے ٹانگے کو دھلوانا اور گھوڑے کو نہلانا چاہتے ہیں۔ کتنے پیسے لو گے لڑکا ان کے رکھ رکھاؤ اور لباس سے متاثر ہو چکا تھا وہ بولا بابو جی جو آپ مرضی میں آئے دے دینا ٹھیک ہے ہم تمہیں خوش کر دیں گے جلدی اپنا کام شروع کر دو نام کیا ہے تمہارا۔

"میرا نام بن جی' بن علی۔" اس نے اپنے گھوڑے کو ایک طرف کھڑا کر دیا اور جانی کے گھوڑے کو کھول کر حوض کے پاس لے گیا ایک گھنٹے کے اندر اس نے گھوڑے اور ٹانگے کو خوب اچھی طرح چمکا دیا تھا جانی نے اسے ایک چونی نکال کر دی اور کہا بن علی ادھر کوئی گھوڑوں کا شوقین بھی ہے گھوڑوں کی خرید و فروخت کرنے والا۔

"بہت ہیں بابو جی ایک تو ادھر اپنا جبار جان ہے آپ کو اس کے پاس اچھے سے اچھا گھوڑا مل جائے گا دوسرا شوقین کرپا رام ہے لیکن وہ شاید گھر میں نہ ملے پرسوں وہ مال خریدنے دوسرے شہر گیا تھا ابھی واپس نہیں آیا ہوگا۔" جانی نے اندر سے کالے شاہ کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا بیٹا اس نام سے دولت کی مہک آرہی ہے اس کے بارے میں اچھی طرح چھان بین کر یہ آواز سن کر جانی نے چالاکی سے کہا۔

میرا خیال ہے کرپا رام سے مل لیتا ہوں گھر میں اس کا بیٹا یا بھائی وغیرہ تو ضرور ہوگا بن نے کہا بھائی کوئی نہیں ہے جانی نے ایک اور چونی بن کے ہاتھ پر رکھی اور اس سے کرید کرید کر کرپا رام کے حالات پوچھنے لگا پندرہ بیس منٹ کے اندر اس نے ساری

ضروری معلومات حاصل کرلیں سب سے اہم بات یہ تھی کہ کرپا رام کے گھر میں اس وقت عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ صرف ایک بوڑھا ملازم تھا جو ان پڑھ اور سیدھا سادا تھا۔ کرپا رام کی بیوی کا نام کوشلیا تھا اور نوجوان بیٹی کا نام جوہی تھا۔ شام ہونے سے پہلے جانی نے جانو کے ہمراہ کرپا رام کے بنگلے کا دو مرتبہ جائزہ لیا وہ پہاڑی کے دامن میں بنا ہوا تھا ایک خوبصورت بنگلہ تھا پچھلے حصے میں گھوڑوں کا اصطبل بھی نظر آرہا تھا سورج غروب ہونے کے بعد دونوں نے پھلوں کا ایک ٹوکرہ تانگے میں رکھا اور کرپا رام کے بنگلے پر پہنچ گئے پھاٹک بوڑھے ملازم نے کھولا۔ جانی نے ٹوکرہ ملازم کے سر پر رکھا اور کہا۔ یہ پھل اندر لے جاؤ اور کہو کہ جگن ناتھ آئے ہیں اس وقت انہوں نے قراقلی ٹوپیوں کے بجائے گاندھی کیپ پہن رکھے تھے لباس بھی خوب تھا یعنی چوڑی دار پاجامہ بوسکی کا کرتا اور سیاہ واسکٹ تھوڑی دیر کے بعد بنارسی ساڑھی میں ملبوس ایک قدرے بھاری جسم کی عورت باہر آئی اس نے جوڑے میں چنبیلی کا گجرا باندھ رکھا تھا اور سرخ و سفید رنگت کی خوش شکل عورت تھی جانی نے ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا پھر پوچھا کوشلیا دیوی آپ ہی ہیں۔

"ہاں میں ہی ہوں۔ آپ کون ہیں؟"

سیوک کا نام جگن ناتھ ہے جانی نے کہا دو روز پہلے آپ کے پتی کرپا رام سے ملاقات ہوئی تھی ان کو ہمارا یہ گھوڑا بہت بھا گیا' اس نے تانگے میں جتے ہوئے سفید گھوڑے کی طرف اشارہ کیا ہم بیچنا تو نہیں چاہتے تھے لیکن انہوں نے ضد کرکے سودا کرلیا آدھی قیمت انہوں نے ادھر ہی دی اور آدھی دینے کا وعدہ کرلیا۔ کوشلیا نے بھنویں سکیڑیں پھر بولی ایسا کیوں کیا انہوں نے۔

اصل میں وہ تو ادھر ہی پوری رقم دے کر گھوڑا خرید لینا چاہتے تھے مگر ہمارا ادھر سیر سپاٹے کا پروگرام تھا ہم نے کہا کہ ہم سیر سپاٹے کے بعد گھوڑا ان کے حوالے کردیں گے اور تانگا بھی بیچ ڈالیں گے اس لمحے اندر سے ایک نہایت حسین لڑکی باہر آئی اور پُرشوق نظروں سے جانی کی طرف دیکھنے لگی۔ جانی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اور بولا جوہی آپ یقیناً جوہی جی ہیں آپ کے پتا جی آپ کا بہت ذکر کرتے ہیں میرا نام جگن ناتھ ہے۔ جوہی کو جانی کی بے باکی بری نہیں لگی اس کی وجہ یہ تھی کہ جانی اس وقت ایک رئیس کے بھیس میں تھا اور رئیس کو بے تکلفانہ گفتگو کی کھلی اجازت ہوتی ہے۔

آپ نے ٹھیک پہچانا ناتھ صاحب جوہی نے کہا میں جوہی کماری ہوں پتا جی کب آرہے ہیں؟ یہی تو میں معلوم کرنے آیا ہوں جانی نے کہا۔ شاید کل تک آجائیں کوشلیا نے کہا یہ پھل آپ لائے ہیں یا کرپا نے بھیجے ہیں۔

جانی نے انکساری سے کہا یہ گستاخی مجھ سے ہوئی ہے۔ اس تکلف کی کیا ضرورت تھی جوہی اپنی ماں سے مخاطب ہوکر بولی کیا جگن ناتھ کو یونہی کھڑے رکھو گی جان بخش موقع دیکھ کر بولا اب ہمیں آگیا دیں اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہم یونہی گھوڑا اور تانگا یہیں چھوڑ جائیں۔

آپ اندر آجائیں جوہی کماری نے کہا کچھ پانی وانی پی کر جائیں۔ آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

ہم پرل ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں جانی نے کہا۔ پرل ہوٹل گارڈنر کے بہترین ہوٹلوں میں سے ایک ہے۔ جانو جو ابھی تک خاموش کھڑا تھا بولا۔ کرپا جی نے تو یہی کہا تھا کہ اب یہیں آپ کے بنگلے میں ٹھہریں لیکن ہم نے سوچا کہ آپ کو خواہ مخواہ پریشانی ہوگی پریشانی کیسے جگن صاحب کوشلیا نے کہا اگر کرپا رام نے آپ کو ادھر ٹھہرنے کے لئے کہا تھا تو آپ ادھر ہی آجاتے۔ آئیں اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔ دونوں کوشلیا دیوی کی معیت میں ایک سجے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے جانی نے جوہی سے نظر بچا کر جاوید کو آنکھ ماری اور کہا کرمو تم جاکر گھوڑے کو کھول دو اور ملازم سے کہہ کر اسے پانی پلوا دو وہ بھی تھوڑا آرام کرے گا جاوید کے جانے کے بعد جانی اور جوہی کمرے میں تنہا رہ گئے جانی نے دیکھا کہ جوہی کچھ گھبراہٹ محسوس کرنے لگی تھی گھبراہٹ تو خود جانی بھی محسوس کرنے لگا تھا کیونکہ اسے زندگی میں پہلی بار لڑکی کا قرب حاصل ہوا تھا اس پر رعب حسن طاری ہوگیا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا بات کرے اسے حسینوں سے بات کرنے کے آداب بالکل نہیں آتے تھے وہ اسی شش و پنج میں مبتلا تھا کہ اس نے کالے شاہ کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا گھبرا کیوں رہے ہو میرے چاند اس کے حسن کو مت دیکھو اندر سے یہ بالکل عام سی لڑکی ہے یہ تم سے متاثر ہوچکی ہے اور تمہاری کسی حرکت اور کسی بات کا برا نہیں منائے گی' شروع ہوجاؤ۔ کالے شاہ کی آواز سے ہمت پاکر جانی نے جوہی کا ہاتھ پکڑ لیا بولا۔

"جوہی سچی بات یہ ہے کہ میں صرف تمہارا درشن کرنے یہاں آیا ہوں میں نے تمہاری سندرتا کا بہت چرچا سنا تھا اس لئے دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر ادھر چلا آیا گھوڑا بھی تمہاری خاطر بیچ دیا ورنہ اتنا اچھا گھوڑا بیچنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔"

جوہی کا چہرہ سرخ ہوگیا اس نے ہاتھ چھڑا لیا اور تیزی سے اندر بھاگ گئی تاہم جانی کی جھوٹی محبت کا فریب اپنا کام کرچکا تھا جوہی نے ماں سے اصرار کرکے جانی اور جانو کو اپنے گھر رکھنے پر آمادہ کرلیا دونوں کے لئے ایک کمرہ صاف کردیا گیا جانی نے جانو کو ہوٹل

بھیج کر اپنا سامان وہیں منگوا لیا رات کے کھانے کے دوران جانی نے کالے شاہ کے اشارے پر اس قسم کی گفتگو شروع کردی جس سے یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ وہ جوہی کو پسند کرنے لگا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ کوشلیا دیوی نے اس کی باتوں پر خوشی کا اظہار کیا کیونکہ وہ اسے اعلیٰ ذات کا ایک شریف آدمی سمجھ رہی تھی جانی نے باتوں باتوں میں گھر کے بارے میں کافی معلومات حاصل کرلی تھیں تاہم وہ نقدی کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں کرسکا تھا وہ ایک ایسی بات تھی جس کے بارے میں براہ راست سوال نہیں کیا جاسکتا تھا۔ جانو نے اسے بتایا تھا کہ رات کے ساڑھے دس بجے کی ٹرین سے شاید کرپارام آجائے کیونکہ اس کی پتنی نے بھی باتوں باتوں میں توقع ظاہر کی تھی کہ شاید اس کا پتی ساڑھے دس بجے کی ٹرین سے آجائے اس لئے جانی ساڑھے دس بجے سے پہلے اپنا کام مکمل کرکے وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد وہ باغیچے میں جاکر ٹہلنے لگا اس وقت رات کے نو بجے تھے اور اسے ڈیڑھ گھنٹے میں سارا کام مکمل کرکے نکل جانا تھا اس وقت اسے اپنی داہنی طرف کسی کی موجودگی کا احساس ہوا وہ اس طرف دیکھے بغیر ہی سمجھ گیا کہ وہاں سفید شاہ ہوگا۔ تم پھر آگئے اس نے برہمی سے کہا میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ مجھے تمہاری باتیں زہر لگتی ہیں۔ جان بخش تم نے بالکل صحیح کہا ہے سفید شاہ محتاط فاصلہ رکھتا ہوا بولا ہر برائی کو ہلاک کرنے کے لئے سچ کا زہر پینا ہی پڑتا ہے دکھ اٹھانے پڑتے ہیں آگ کے دریا سے گزرنا پڑتا ہے تب کہیں جاکر سچی خوشی میسر ہوتی ہے ابھی تمہارا نامہ اعمال اتنا سیاہ نہیں ہوا اب بھی وقت ہے واپس پلٹ جاؤ۔ جانی نے پلٹ کر ایک الٹا ہاتھ سفید شاہ کے منہ پر مارنا چاہا مگر وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ چلے جاؤ جانی نے کہا میں دکھ اٹھانے اور زہر کا پیالہ پینے کے لئے پیدا نہیں ہوا میرا کالے شاہ کے ساتھ ساٹھ سال کا معاہدہ ہوگیا ہے اور اس نے میرے اعمال میں عیش ہی عیش لکھ دیا ہے۔ اور ساٹھ سال کے بعد کیا ہوگا؟ سفید شاہ نے پوچھا آئندہ زندگی کے بارے میں کالے شاہ ملعون کیا کہتا ہے۔ خبردار جانی نے چیخ کر کہا باادب کالے شاہ محترم ہے کالے شاہ اعلیٰ ہے اور کالے شاہ میرا آقا و مولا ہے میں اس کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کرسکتا۔

سفید شاہ تیری ایک بات دل کو لگتی ہے تو دھکے کھانے کے باوجود میری ہمدردی کرنے سے باز نہیں آتا پر تو مشکل باتیں کرتا ہے دکھ اور تکلیف کی باتیں کرتا ہے پیارے یہ اپنے بس کی باتیں نہیں ہیں پھر تو دوسری دنیا کی باتیں بھی کرتا ہے اور میں دوسری دنیا کو سرے سے مانتا ہی نہیں اچانک جانی نے کالے شاہ کی غصے میں بھری ہوئی آواز سنی۔ جانی اس نے کہا اس شخص سے کنارہ کر کنارہ اگر تو نے اس کی بات مان لی تو سیدھا اس دنیا

کی جہنم میں جاپڑے گا روئے زمین پر تجھے کوئی پناہ دینے والا نہیں ملے گا اس کی باتوں پر کان مت لگا سوا نو بج رہے ہیں میرے پاس کام مکمل کرنے کے لئے صرف سوا گھنٹہ ہے ادھر دیکھ ملازمہ اپنا کام ختم کرکے اپنے کمرے میں جارہی ہے جاوید کو اپنے ساتھ لے کر باورچی خانے سے دو چھریاں اٹھا اور اپنا کام شروع کردے۔ جانی نے سفید شاہ کو ایک لات رسید کی جاوید کو آواز دی جو لان کی ٹھنڈی گھاس پر لیٹا ہوا تھا اور بظاہر اطمینان سے چلتا ہوا بنگلے میں داخل ہوگیا کوشلیا دیوی اور جوہی اس وقت سونے کی تیاریاں کر رہی تھیں جانی ڈرائنگ روم سے ہوتا ہوا باورچی خانے میں پہنچ گیا جاوید اس کے ساتھ تھا دونوں نے دو چھریاں اٹھالیں اور خواب گاہ کی طرف بڑھے کرپا رام کی عدم موجودگی میں دونوں ماں بیٹیاں ایک ہی خواب گاہ میں سوتی تھیں وہ امن و چین کا زمانہ تھا اور لوگ گھروں کے دروازے کھلے چھوڑ کر بھی سو جاتے تھے کوشلیا کھٹکے کی آواز سن کر دروازے کی طرف مڑی تو جاوید نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور آنکھوں کے سامنے چھری لہرائی اور بولا منہ سے آواز مت نکالنا دیوی جی ورنہ چھری چل جائے گی۔ یہی عمل جانی نے جوہی کے ساتھ کیا دونوں عورتیں دہشت سے گنگ ہوگئیں انہوں نے دونوں کو پہلو بہ پہلو دیوار کے ساتھ کھڑا کردیا اور چھریاں ان کی گردنوں کے ساتھ لگا دیں چابیاں' جانی بایاں ہاتھ پھیلاتا ہوا بولا چابیاں کہاں ہیں۔

کک.......... کس چیز کی چابیاں؟ کوشلیا دیوی نے بمشکل کہا ہمارے پاس چابیاں نہیں ہیں۔ جانی نے سفاک لہجے میں کہا۔ پہلے میں تمہاری سندر بیٹی کا گلا کاٹوں گا اور پھر بھی تم نے چابیاں نہ نکالیں تو تمہارا گلا بھی کاٹ دوں گا جانتی ہو میں کون ہوں۔ میں بشیرا ڈاکو ہوں۔ نہ جانے کوشلیا دیوی نے کبھی بشیرا ڈاکو کا نام سنا تھا یا نہیں تاہم وہ ڈاکو کے نام سے خوفزدہ ضرور ہوگئی تھی اس نے اپنی پیٹی کوٹ میں دو انگلیاں ڈالیں اور ڈوری سے بندھا ہوا چابیوں کا گچھا نکال لیا جانی نے بڑی تیزی کے ساتھ اس سے چابیاں جھپٹ لیں ڈوری ساڑھی کے ساتھ تو بندھی ہوئی تھی جھٹکا لگنے سے ساڑھی کا پلو کھنچتا چلا گیا اور بالآخر پھٹ گیا چلو جانی نے کہا ہمیں تجوری کے پاس لے چلو۔

کوشلیا دیوی کانپتی ہوئی چل پڑی چاروں ایک چھوٹی خواب گاہ میں پہنچ گئے وہاں ایک چھوٹی سی تجوری رکھی تھی جانی نے تجوری کو کھولا تجوری سے تین ہزار روپے اور کچھ زیورات برآمد ہوئے۔ جانی نے زیورات کو چھوڑ دیا اور تین ہزار روپے جیب میں رکھ لئے اسے اس بنگلے سے لمبی رقم ملنے کی امید تھی اس نے چھری کوشلیا کے پیٹ سے لگادی اور بولا اور مال کدھر ہے۔ سب کچھ تمہارے سامنے ہے کوشلیا دیوی نے کہا گھر میں

اور کچھ نہیں ہے۔ ہے بھگوان جانی نے حیرت سے کہا اتنے بڑے بنگلے میں صرف تین ہزار روپے میں نہ مانوں۔ استاد یہ یوں نہ مانے گی جاوید نے کہا لا میں اس کی پتری کا جھٹکا کرتا ہوں اس نے جوہی کے خوبصورت بالوں کو مٹھی میں جکڑا اور اسے جھٹکا دے کر زمین پر گرا دیا جوہی کی آنکھیں باہر نکل آئیں اور وہ ہاتھ جوڑتی ہوئی بولنے کی کوشش کرنے لگی جانو نے اسے گھٹنے کے نیچے دبایا اور چھری اس کی گردن پر رکھ دی۔ بول کدھر ہے باقی مال بولتی ہے کہ چلاؤں چھری۔ ٹھہر جا ٹھہر جا بتاتی ہوں بتاتی ہوں کوشلیا دیوی اپنی بیٹی کا یہ حال دیکھ کر بولی میری بیٹی کو چھوڑ دے ابھی بتاتی ہوں اس نے تجوری میں ہاتھ ڈال کر لیور دبایا اور تجوری کے اندر ایک خانہ نمودار ہوگیا خاص بڑا خانہ تھا کوشلیا دیوی اس خانے میں ہاتھ ڈالنے لگی تو جانی اس کے تیور دیکھ کر ٹھٹکا اس نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور خود اس خانے میں ہاتھ ڈالا۔ سب سے پہلے جس چیز پر اس کا ہاتھ پڑا وہ اعشاریہ پچیس بور کا ایک ولایتی ریوالور تھا۔ اس نے ریوالور اپنے قبضے میں کرلیا اور دوبارہ اندر ہاتھ ڈالا اس مرتبہ اس کے ہاتھ میں نوٹوں کی ایک گڈی اور گولیوں کا ایک ڈبہ آیا یہ ایک کام کی چیز ہاتھ آئی ہے اس نے ریوالور کا جائزہ لیا اور اس کی گولیاں بھی ہیں جاوید نے جوہی کو چھوڑ دیا اور للچائی ہوئی نگاہوں سے ہزار روپے والی نوٹوں کی گڈی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اصل کام کی چیز تو یہ ہے جانی نے اسے نوٹوں کے بجائے چھری پکڑاتے ہوئے کہا تم یہ چھری سنبھالو یہ کام کی چیز میرے پاس ہی رہنے دو اس نے چھری جانو کو تھمائی اور گڈی جیب میں ٹھونس لی۔ کوئی رسی تلاش کرو اس کو کھلا چھوڑ کر جانا ٹھیک نہ ہوگا جاوید جانی کو ایک طرف لے گیا اور کان میں بولا۔ چھوڑنا ہی ٹھیک نہ ہوگا دونوں کا گلا گھونٹ دیتے ہیں جانی نے حیرت سے جاوید کو گھورا اور بولا۔ جاوید یہ تم کہہ رہے ہو جاوید مسکرایا اور بولا تم نے تو چھپایا تھا لیکن تھوڑی دیر پہلے میری کالے شاہ سے ملاقات ہوچکی ہے۔ ہوں جب ہی آج تم نے عمدہ کام دکھایا ہے لیکن اتنی زیادتی ٹھیک نہ ہوگی ہمارا کام ہوچکا ہے کوشلیا دیوی نے جانی کے پیر پکڑ لئے اور بولی ہمیں قتل نہ کرنا ہم کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے تم آرام سے چلے جاؤ۔

جانی نے جوہی کی طرف دیکھا تو اس کے دل میں ایک طوفان سا اٹھا خوف کی حالت میں زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی اس نے اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے کہا تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ جوہی کانپتی ہوئی زمین پر بیٹھ گئی اور بولی ہائے رام مجھے نہ لے جانا میں مرجاؤں گی۔ جگن ناتھ ہم پر کرپا کرو کوشلیا دیوی نے کہا ہماری ایک ہی بیٹی ہے جانی نے اندر سے کالے شاہ کی آواز سنی میرے چاند اس مصیبت کو کہاں لئے پھرو گے کوئی ٹھکانہ تو ہے

نہیں تیرے پاس اس دھرتی پر سندریوں کی کوئی کمی نہیں ہے ہر کام اپنے وقت پر اچھا لگتا ہے یہاں سے نکلنے کی چنتا کرو۔ جانی نے جوہی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور تجوری پر رکھا ہوا گولیوں کا ڈبہ اٹھاتا ہوا بولا کوشلیا جی تیری اکلوتی بیٹی کو ہم چھوڑے جارہے ہیں لیکن اگر تو نے ہمارے بارے میں کسی کو بتایا تو پھر اس کی خیر نہیں ہم دوبارہ آئیں گے اور اس کو اٹھا کر لے جائیں گے۔ انہوں نے دونوں کو خواب گاہ میں بند کردیا باہر جاکر گھوڑے کو تانگے میں جوتا اپنا سامان اس میں رکھا اور پھاٹک کھول کر باہر نکلے عین اس وقت ایک تانگا پھاٹک کی طرف بڑھتا دیکھا اس میں کوچوان کے علاوہ دو آدمی اور تھے ایک ادھیڑ عمر اور دوسرا نوجوان تھا دونوں غایت درجہ حیرت سے جانی اور جانو کی طرف دیکھنے لگے پھر نوجوان لڑکے نے انہیں رکنے کے لئے کہا اور اپنے تانگے سے اتر کر ان کی طرف بڑھا جانی نے جاوید کو کہنی مارتے ہوئے کہا۔ چلتے رہو یہ کرپا رام اور اس کا بیٹا معلوم ہوتا ہے جاوید نے نوجوان کی بات سنی ان سنی کردی اور گھوڑے کو آواز سنائی گھوڑا آن کی آن میں ہوا سے باتیں کرنے لگا نوجوان شور مچاتا تانگے کے پیچھے بھاگا لیکن پھر بنگلے کی طرف بھاگتا چلا گیا جانی نے یہ صورت حال دیکھی تو گھبرا کر بولا یا کالے شاہ تیرا ہی آسرا۔ جاوید تانگے کی رفتار تیز کرتا ہوا بولا کیا ہوا خیر تو ہے۔ گڑبڑ ہوگئی جانی نے کہا فوراً اسٹیشن پر پہنچو یہ لوگ ضرور ہمارا پیچھا کریں گے کالے شاہ نے چاہا تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا جاوید نے کہا تم ریوالور تیار رکھو جانی نے ریوالور واسکٹ کی جیب میں ڈال لیا اور پیچھے دیکھنے لگا اس وقت رات کے گیارہ بجنے والے تھے اور گارڈنر کی سڑکیں ویران پڑی تھیں جانی کو یقین تھا کہ کرپا رام اور اس کا بیٹا چند منٹوں میں ان کے تعاقب میں روانہ ہوجائیں گے اور کوئی عجب نہیں کہ راستے میں پولیس کو ساتھ لے لیں۔ چند منٹ کے بعد ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے جاوید نے پوچھا تانگے کا کیا کیا جائے جانی اپنا بیگ اٹھاتا ہوا بولا۔

اسے کھلا چھوڑ دو اور جلدی سے آجاؤ ٹرین روانہ ہونے والی ہے پھر اسے اچانک ٹوپی کا خیال آیا اس نے گاندھی کیپ سر سے اتار کر تانگے کی سیٹ کے نیچے پھینک دی اور بیگ سے قراقلی ٹوپی نکال کر پہن لی جاوید تم بھی یہ ٹوپی اتار دو اور قراقلی ٹوپی پہن لو۔ جاوید نے فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی دونوں تیز چلتے ہوئے انتظار گاہ میں پہنچے ٹکٹ لئے اور ٹرین میں جا پہنچے ڈبے میں زیادہ مسافر نہیں تھے جانی کی نظر کونے میں بیٹھے ہوئے ایک سفید ریش شخص پر جا ٹکی اس کے ہمراہ ایک برقع پوش خاتون بھی تھیں جانی اس کے قریب گیا اور بڑے ادب سے بولا السلام علیکم یا حضرت اگر اجازت ہو تو یہ سامان سیٹ کے نیچے رکھ دوں۔ معمر شخص نے سر سے پاؤں تک جانی کا جائزہ لیا اور سلام کا جواب دینے

کے بعد بولے بڑی خوشی سے رکھ دو میاں کہاں جاؤ گے۔ جانی کھڑکی سے پلیٹ فارم کا جائزہ بھی لے رہا تھا اس نے سامان سیٹ کے نیچے ٹھونستے ہوئے کہا۔ پتہ نہیں قسمت کہاں لے جائے یہ بات اس نے اس دکھ بھرے لہجے میں کہی تھی کہ معمر شخص کے قریب بیٹھی ہوئی برقع پوش خاتون بھی اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہوگئی اگرچہ وہ برقع میں تھی لیکن جانی نے اس کے قدو قامت سے اندازہ لگایا کہ وہ نوجوان ہے۔ سامان سیٹ کے نیچے رکھنے کے بعد وہ سیدھا ہوا تو اس نے کرپا رام کو اپنے بیٹے اور ایک سپاہی کے ہمراہ پلیٹ فارم پر داخل ہوتے دیکھا۔ بڑے صاحب ذرا سامان کا خیال رکھئے میں ابھی آتا ہوں اس نے کہا اور جلدی سے اس طرف بڑھا جہاں باتھ روم بنا ہوا تھا وہ جاوید کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹ کر لے گیا تھا دونوں ایک ساتھ باتھ روم میں گھس گئے اس حصے میں روشنی خاصی مدھم تھی اس لئے کسی نے انہیں باتھ روم میں گھستے نہیں دیکھا۔ مارے گئے جانی نے دروازہ بند کرنے کے بعد کہا کرپا رام پولیس کو لے کر پہنچ گیا ہے فکر نہیں کرو جاوید نے کہا گاڑی چلنے والی ہے وہ ڈبوں کے اندر دیکھ کر واپس چلے جائیں گے ہو سکتا ہے کہ وہ مسافروں سے ہمارے بارے میں پوچھنا شروع کر دیں۔ کتنے مسافروں سے پوچھیں گے جاوید نے کہا اور مسافر ان باتوں پر کہاں دھیان دیتے ہیں اسی وقت انجن نے وسل بجائی اور گاڑی حرکت میں آگئی پلیٹ فارم سے کچھ لوگوں کے دوڑنے اور اونچی آوازوں سے بولنے کا شور سنائی انہی آوازوں میں ایک نمایاں آواز جاوید اور جانی نے سنی کوئی کہہ رہا تھا اس ڈبے میں نہیں۔ اس ڈبے میں۔ چلو چلو ادھر ہی چڑھ جاؤ اگلے اسٹیشن پر پہنچ کر ڈبا بدل لینا چڑھ جاؤ چڑھ جاؤ نہیں تو رہ جاؤ گے وہ دونوں اسی ڈبے میں.......... اس سے زیادہ کوئی بات نہیں سن سکے کیونکہ گاڑی نے رفتار پکڑ لی تھی۔

☆======☆======☆

شاید وہ شخص ہمارے بارے میں بات کر رہا تھا جاوید نے خیال ظاہر کیا لگتا تو یہی ہے جانی نے کہا بہرحال جو ہوگا سو دیکھا جائے گا اس نے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی ذرا دیکھیں تو سہی کتنا مال ہاتھ آیا ہے جاوید نے جانی کے ہاتھ سے نوٹوں کی گڈی لی اور اسے چوم لیا اور پھر بولا ایک لاکھ روپے معلوم ہوتے ہیں لاؤ میں گنتی کرتا ہوں جانی نے اس کے ہاتھ سے گڈی لے لی اور نوٹ گننے لگا۔ یا کالے شاہ جاوید نے کہا کیسی کیسی دولتیں ان امیروں کی تجوریوں میں پڑی سڑتی رہتی ہیں۔ جانی نے نوٹ گننے کے بعد نعرہ لگایا اور بولا تمہارا اندازہ بالکل درست ہے پورے ایک لاکھ روپے ہیں پھر وہ سوچتا ہوا بولا ایک لاکھ کا

آدھا پچاس ہزار اور پچاس کا آدھا پچیس ہزار یعنی تمہارے حصے میں پچیس ہزار آئے گا اس نے پچیس ہزار گن کر جاوید کے ہاتھ پر رکھ دیئے سنو جاوید میں سوچ رہا ہوں کہ ہمیں اس سفر کے دوران ایک دوسرے سے الگ الگ رہنا چاہیئے اگر کوئی شخص ہمارے پیچھے گاڑی میں سوار ہوگیا ہے تو اسے یقیناً دو آدمیوں کی تلاش ہوگی اگلے اسٹیشن پر تم کسی دوسرے ڈبے میں چلے جانا۔ یہ بات تو تمہاری ٹھیک ہے جاوید نے کہا لیکن یہ روپے میں چاز آنے حصہ کم ہے میرا حصہ کچھ زیادہ کرو اور دوسری بات یہ ہے کہ ریوالور اور گولیاں بھی تو تمہارے ہاتھ لگی ہیں ان کا حصہ کدھر ہے۔ اتنی کنجوسی نہیں کرو یار ریوالور کی قیمت ہی کیا ہوگی زیادہ سے زیادہ سو دو سو روپے اس نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر جاوید کی طرف بڑھایا یہ لو اب تو خوش ہو۔ تم خوش ہو تو میں بھی خوش ہوں جاوید نے کہا وہ واقعی خوش تھا اور اس نے واپس جانے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا پچیس ہزار روپے اس کے لئے بہت بڑی رقم تھی وہ سوچ رہا تھا کہ دس پندرہ ہزار میں اچھا خاصا مکان بن جائے گا اور اتنی ہی رقم میں وہ سائیکلوں کی دکان کھول سکتا ہے اس زمانے میں ریلے اور فلپس کی نئی سائیکل اسی نوے روپے میں مل جاتی تھی۔ جانی کیوں نہ واپس چلیں اس نے کہا اب ہم بستی میں بڑے ٹھاٹھ کی زندگی گزار سکتے ہیں جتنی رقم اس وقت تمہاری جیب میں ہے اتنی بستی کے کسی بھی شخص کے پاس نہیں ہوگی دس ہزار روپے میں تم بستی کے اندر شاندار حویلی تعمیر کر سکتے ہو۔ جانی کو فوراً میجر کا قتل یاد آگیا وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ اب ہم واپس نہیں جاسکتے اس علاقے کی پولیس کو ہمارے کارنامے کی خبر ہوچکی ہوگی اب ہم کسی بڑے شہر میں ہی رہ سکتے ہیں ٹرین پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی ڈبے کے اندر کسی قسم کی مشکوک آوازیں نہیں آرہی تھیں جانی نے جاوید سے کہا پہلے میں باہر جاتا ہوں تھوڑی دیر بعد تم بھی آجانا لیکن مجھ سے دور دور رہنا اس نے باتھ روم کی بتی بجھا دی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا ڈبے میں زیادہ تر لوگ اونگھ رہے تھے کچھ لیٹے ہوئے تھے اور کچھ بیٹھے ہوئے تھے کوئی سیٹ خالی نہیں تھی جانی نے اطمینان کا سانس لیا اور سیٹوں کے درمیان چلتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں سفید پوش معمر شخص بیٹھا ہوا تھا اس کے ساتھ جو برقع پوش خاتون تھی وہ نیم دراز تھی معمر شخص آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا جانی آہستگی سے اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

معمر شخص نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں اور بڑی پھرتی سے جانی کی گردن پکڑ لی کون ہو تم اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا پھر جانی کو پہچانتا ہوا بولا اوہ یہ تم ہو ارے میاں کہاں غائب ہوگئے تھے؟ میں بیت الخلا میں چلا گیا تھا۔ میں پریشان ہوگیا کہ نہ جانے تم کہاں چلے

گئے ہو گاڑی سے اتر گئے ہو یا دوسرے ڈبے میں سوار ہو گئے میری صاحبزادی مجھ سے بھی زیادہ پریشان تھی تم اپنا سامان جو ہمارے سپرد کر کے گئے تھے۔ جانی نے کن اکھیوں سے صاحبزادی کی طرف دیکھا جو غالباً بیدار ہو گئی تھی معمر شخص بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ اِدھر پولیس والا دو آدمیوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا پھر رہا تھا میں ڈرا کہ کہیں وہ تمہی کو پکڑ کر نہ لے گیا ہو ارے میاں تم نیچے کیوں بیٹھے ہو یہیں اوپر آجاؤ ناں بیٹا تم ذرا پرے کو سرک جاؤ۔ جانی نے چالاکی سے معمر شخص کے گھٹنے پکڑ لئے اور بولا نہیں نہیں' آپ بہن جی کو تکلیف نہ دیں میں یہاں بالکل ٹھیک ہوں بلکہ خوش ہوں بڑی مدت کے بعد کسی بزرگ کے قدموں میں جگہ ملی ہے۔ معمر شخص کے اصرار کے باوجود جانی نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی اور اپنی خوشامدانہ گفتگو سے بہت جلد معمر شخص اور اس کی بیٹی کے دل میں جگہ پیدا کرلی۔ معمر شخص کا نام ریاض حسین تھا اور وہ شالامار جا رہا تھا جانی نے تھوڑی سی گفتگو کے بعد یہ اندازہ لگالیا کہ وہ ریاض حسین کو آڑ کے طور پر استعمال کر سکتا ہے اگر کرپا رام ان کے پیچھے اس گاڑی میں سوار ہو چکا تھا تو اس کی نظروں سے بچنے کے لئے ایک معمر شخص اور ایک برقع پوش خاتون کی معیت بہترین آڑ تھی رسمی تعارف کے بعد ریاض حسین نے کہا۔ میاں جان بخش تم پریشان نظر آتے ہو بات کیا ہے جانی ایک ٹھنڈی سانس لیتا ہوا بولا۔ ساری بات قسمت کی ہے جناب کچھ لوگ پیدا ہی دکھ اٹھانے کے لئے ہوتے ہیں میں بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہوں کیا کریں گے آپ میری کہانی سن کر یہ بات سن کر ریاض حسین کا تجسس فزوں تر ہوگیا اس نے کہا انسان ہی انسان کے دکھ بانٹتا ہے ہو سکتا ہے میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں کچھ بتاؤ تو کہاں سے آرہے ہو؟ کہاں جا رہے ہو مسئلہ کیا ہے؟ چچا جان میری کہانی بڑی عجیب ہے اور میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ یہ سب قدرت کا کھیل ہے میرے دو بھائی ہیں اور دونوں میری جان کے دشمن بنے ہوئے ہیں وہ مجھے ختم کر دینا چاہتے ہیں والد کی وفات کے بعد دونوں نے میرے خلاف ایکا کرلیا اور مجھ پر بہتان لگا کر مجھے گھر سے نکلا دیا میں نے مسجد میں پناہ لی بڑے بھائی نے وہاں بھی میرا پیچھا نہ چھوڑا اس نے مولوی صاحب کا بٹوا چوری کر کے میرے بستر میں چھپا دیا اور مجھے چوری کے الزام میں پکڑا دیا۔ پنچایت نے مجھے ہاتھ کاٹنے کی سزا سنائی میں جان بچا کر جنگل میں بھاگ گیا وہاں ایک شکاری نے اپنے ساتھی کو قتل کر دیا اور مجھے قربانی کا بکرا بنانا چاہا میں وہاں سے بھاگا اور کئی روز تک جنگل میں دھکے کھاتا رہا آخر کار بھوک پیاس سے تنگ آکر میں نے خودکشی کا ارادہ کیا لیکن ایک نیک بندے کی وجہ سے بچ گیا اس نے مجھے کچھ رقم دی اور شہر میں جا کر کاروبار کرنے کا مشورہ دیا۔ اب دیکھیں دانہ پانی کہاں لکھا ہے

ریاض حسین اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

تم میرے ساتھ چلو آج سے تم میرے بیٹے ہو شالامار میں میرا اپنا کاروبار ہے اللہ کے فضل و کرم سے ہر طرح کی آسائش موجود ہے۔ شاید قدرت نے ہمارا ملاپ کرا دیا ہے وہ کیا کہتے ہیں سفر وسیلہ ظفر تمہارے لئے میرا گھر اور میرا کاروبار دونوں حاضر ہیں چاہے کاروبار میں شرکت کرلینا اور چاہے تنخواہ پر کام کرنا۔ جانی نے گھٹنوں میں سر دیا اور جھوٹ موٹ رونا شروع کر دیا اور بولا بہت عرصے کے بعد کسی نے میرے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا ہے آپ کی باتوں نے میرے اندر جینے کا حوصلہ پیدا کر دیا آپ کی خدمت میرے لئے عین سعادت کا موجب ہوگی۔ جب ٹرین شالامار پہنچی تو جانی چادر لپیٹ کر اونگھنے لگا تھوڑی دیر بعد کرپا رام دو سپاہیوں کے ساتھ ڈبے میں داخل ہوا اور مسافروں کا معائنہ کرنے لگا ایک سپاہی نے جانی کو چھڑی سے ٹھوکا دیتے ہوئے پوچھا اے بھائی کون ہو تم؟ یہ میرا بیٹا ہے ریاض حسین نے جلدی سے کہا تھکا ہوا ہے بے چارہ۔ سپاہی آگے بڑھ گئے اور دوسرے سوئے ہوئے مسافروں کو ہلا جلا کر دیکھنے لگے جب وہ ڈبے سے اتر گئے تو جانی نے اطمینان کا سانس لیا تاہم وہ چادر لپیٹے پڑا رہا وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں جاوید پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جائے لیکن جاوید بھی محفوظ تھا اس نے بھی اپنے بچاؤ کے لئے تدبیر کرلی تھی اگلی صبح جب ٹرین شالامار پہنچی تو جانی نے دیکھا کہ جاوید ایک سیٹ پر پڑا سو رہا ہے جانی نے اسے ہلا کر جگایا اور ایک آنکھ دباتا ہوا بولا ارے جاوید تم یہاں کہاں جاوید آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا اور جانی کا اشارہ سمجھنے کی کوشش کرتا ہوا بولا میں یہاں ٹرین میں ہوں تت' تم جان بخش ہو ناں میں جان بخش ہوں اور یہ میرے چچا ریاض حسین ہیں کیا تم بھی یہاں شالامار اترو گے۔ اوہ کیا شالامار آگیا اچھا ہوا تم نے مجھے جگا دیا ورنہ میں تو سوتے ہوئے کہیں اور پہنچ جاتا پھر جیسے ریاض حسین نے اس کے سلام کا جواب دیا اور چند رسمی کلمات کہے پلیٹ فارم پر اتر کر جانی جاوید کو باتیں کرتے ہوئے ایک طرف لے گیا اور بولا۔ یہ بڑے میاں مجھ پر بڑے مہربان ہو رہے ہیں یہ مجھے اپنے گھر لے جا رہے ہیں غالباً گھر داماد بنانا چاہتے ہیں یہ برقع پوش ان کی نور نظر ہے پردے کی بڑی سخت پابند ہے ابھی تک اس کے درشن نہیں ہوئے جانے پردے کے اندر کیا چیز چھپی ہوئی ہے سبز پری ہے یا کالی پری۔ پیارے گھر داماد صاحب میرے لئے کیا حکم ہے۔ فی الحال تم کسی ہوٹل میں ٹک جاؤ میں بڑے میاں سے ان کا پتا پوچھ کر تمہیں بتا دیتا ہوں ایک رات آرام کرو اور کل تازہ دم ہو کر ملنے آنا ہو سکتا ہے کہ وہاں دو گھر دامادوں کی گنجائش نکل آئے۔ کیا تو شالامار کے کسی قبرستان میں کتبہ لگوانا چاہتا ہے میرا مطلب ہے کہ کیا واقعی گھر دامادی کا ارادہ ہے۔

اس سے فرق کیا پڑتا ہے جانی نے کہا دو چار مہینے میں گھر کا آرام کر لینے میں حرج ہی کیا ہے ابھی بہت زندگی پڑی ہے دیکھنا یہ ہے کہ بڑے میاں کی نیک کمائی میں ہمارا کتنا حصہ ہے آؤ میں تمہیں گھر کا پتہ لے دوں۔

ریاض حسین اپنی بیٹی کے ہمراہ اپنے سامان کے پاس کھڑا جانی کا انتظار کر رہا تھا جانی نے واپس آکر معذرت کی گھر کا پتہ لے کر جاوید کے حوالے کیا اور سامان اٹھا کر ریاض حسین کے ساتھ چل پڑا۔ ریاض حسین جاوید کے بارے میں تذبذب کا شکار ہو گیا تھا اسے یاد آرہا تھا کہ اس نے جاوید کو گارڈ نر سے سوار ہوتے ہوئے دیکھا لیکن چونکہ جانی کے طور طریقے بہت شائستہ تھے اس لئے اس نے اس موضوع کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ جب وہ تانگے پر بیٹھ کر گھر پہنچے تو جانی کو اس بات پر تعجب ہوا کہ گھر میں تالہ پڑا ہوا تھا اس کے استفسار پر ریاض حسین نے بتایا کہ اس کی بیوی فوت ہو چکی ہے اور فاطمہ اس کی اکلوتی اولاد ہے۔ یہ سن کر جانی کے چودہ طبق روشن ہو گئے ریاض حسین کا رویہ حوصلہ افزاء تھا اور گھر دامادی کے امکانات خاصے روشن تھے یعنی وہ بڑے میاں کی دختر نیک اختر اور عمر بھر کی نیک کمائی پر دستخط کرنے سے قابض ہو سکتا تھا ریاض حسین کا کپڑے کا کاروبار تھا اور خاصا چلتا ہوا کاروبار تھا۔ اگلے روز جانی نے ریاض حسین پر اپنے اعتماد کا سکہ جمانے کے لئے دس ہزار روپے نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیئے۔ چچا جان راستے میں' میں نے مصلحتاً اس رقم کا ذکر نہیں کیا تھا میرے والد صاحب مرحوم نے نصیحت کی تھی کہ سفر میں کبھی پیسوں کو ظاہر نہ کرنا یہ میری اپنی رقم ہے یہ میں نے والد صاحب کی زندگی میں جمع کر رکھی تھی یہ آپ لے لیں اور جس طرح مناسب سمجھیں کاروبار میں لگائیں۔ میں نے آپ کو اپنا بزرگ مان لیا ہے اس لئے میں آپ سے کوئی پردہ نہیں رکھوں گا۔ ریاض حسین جانی کا خلوص دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور اسے گلے سے لگالیا اور اسے اسی روز دکان پر لے گئے اور ملازموں سے تعارف کرانے کے بعد کہا۔ جان بخش میرا بیٹا ہے آج سے دکان کی دیکھ بھال اور حساب کتاب یہی کرے گا مجھے امید ہے کہ آپ لوگ جس طرح میرے ساتھ تعاون کرتے رہے ہیں اسی طرح اس کے ساتھ بھی کریں گے۔ دکان میں تین ملازم تھے دو مسلمان اور ایک ہندو۔ حساب کتاب ہندو کے ہاتھ میں تھا ریاض حسین نے اس کی بہت تعریف کی اور جانی کو بتایا کہ وہ ایک پیسہ بھی اِدھر اُدھر نہیں کرتا تھا دوسرے ملازموں میں ایک شخص جو نوجوان اور تند مزاج نظر آتا تھا جانی کو پسند نہیں آیا اس نے چند روز کے بعد اسے نکال دیا اور اس کی جگہ جاوید کو ملازم رکھ لیا دونوں تنہائی میں ملتے تو اس بات پر غور کرتے کہ انہیں ریاض حسین کی دولت پر قابض ہونے کے

لئے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

ریاض حسین کی بیٹی فاطمہ پردے کی سخت پابند معلوم ہوتی تھی جانی بڑی کوشش کے باوجود اس کی جھلک تک نہیں دیکھ پایا تھا۔ اسے جو کمرہ دیا گیا تھا اس کا راستہ باہر سے تھا دوسری رکاوٹ ریاض حسین تھا کاروبار جانی کے سپرد کر کے وہ زیادہ وقت گھر میں گزارتا تھا بقول اس کے وہ باقی عمر اللہ کی یاد میں گزارنا چاہتا تھا کھانے کا طریقہ یہ تھا کہ فاطمہ اپنے باپ کے کمرے میں کھانا لگا کر چلی جاتی تھی اس کے بعد ریاض حسین جانی کو آواز دے کر بلا لیتا تھا جانی کا تجسس الجھن میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا ایک دن اسے غصہ آگیا اس نے سوچا کہ آخر یہ فاطمہ کیا چیز ہے جنون کی حد تک میرا خیال رکھتی ہے ایک سے ایک عمدہ چیز میرے لئے تیار کرتی ہے میری عدم موجودگی میں میرے کمرے کو ایسے سجاتی سنوارتی ہے کہ اپنی قسمت پر رشک آجاتا ہے لیکن نہ بات کرتی ہے اور نہ سامنے آتی ہے کہیں گونگی تو نہیں۔ اس نے فیصلہ کیا کہ آج موقع پاکر زبردستی اس کے کمرے میں جا گھسے گا۔ کیا باؤلے ہو گئے ہو جانی؟ کان میں کالے شاہ کی شیریں آواز آئی اس نے بائیں طرف دیکھا تو کالے شاہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا اس کے سنہرے اور لمبے بال ریشم کی طرح چمک رہے تھے اس نے ہلکے گلابی رنگ کا لباس پہن رکھا تھا اور بالکل ایک معصوم شہزادہ لگ رہا تھا جانی کو اس پر بے اختیار پیار آگیا وہ بولا۔ کالے شاہ آج تو تم بہت پیارے لگ رہے ہو۔ کالے شاہ نے دل نواز مسکراہٹ کے ساتھ کہا میں اپنے چاہنے والوں کو ہمیشہ پیارا لگتا ہوں۔ کالے شاہ ایک بات تو بتاؤ یہ لوگ تمہارے بارے میں اتنی غلط ملط باتیں کیوں پھیلاتے رہتے ہیں میں نے ایک فلم دیکھی تھی جس میں ایک انتہائی بھیانک قسم کے اداکار نے شیطان کا میرا مطلب ہے تمہارا پارٹ ادا کیا تھا ڈائریکٹر نے اس کا میک اپ کرا کے اور بھی بھیانک بنا دیا تھا سر پر دو سینگ ایک آنکھ بھینگی بال جٹاؤں کی صورت میں اور ایک سین میں تو اس کی جٹاؤں کو سانپوں کی صورت میں دکھایا گیا دانت پیلے کپڑے گندے اور قہقہہ ایسا بھیانک کہ سن کر دل دہل جائے۔ ایک واعظ کو بھی میں نے تمہارا ایسا ہی نقشہ کھینچتے سنا تھا مگر تم تو ایسے نہیں ہو تمہیں دیکھ کر تو دل خوش ہو جاتا ہے۔ کالے شاہ کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولا۔ میرے چاند اگر میں ایسا بدہیت ہوتا تو دنیا کے آدھے سے زیادہ انسان میرے پجاری اور مجھ سے پیار کرنے والے نہ ہوتے پیارے یہ جو فلموں کے ڈائریکٹر وغیرہ ہیں نا یہ سب اپنے ایجنٹ ہیں میرا ان کے ساتھ تو ازلی ابدی معاہدہ ہے یہ فلموں میں شیطان کا جو نقشہ دکھاتے ہیں اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو چکر میں ڈالا جائے لوگ ساری عمر ایک ایسے شیطان

سے ڈرتے رہیں جس کا اس کائنات میں کوئی وجود نہیں ہے۔

لیکن اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوتا ہے؟ جانی نے پوچھا۔ وہ فاطمہ کے بارے میں سب کچھ بھول چکا تھا۔ مجھے اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جب میں لوگوں کے سامنے جاتا ہوں تو وہ مجھ سے ڈرنے کی بجائے مجھ سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ میری گود میں آجاتے ہیں کیونکہ فلموں میں انہیں ایک بھیانک صورت سے نفرت کرنا سکھایا جاتا ہے۔ یہ تو واقعی بڑے کمال کی بات ہے جانی نے کہا ویسے تمہارے ایجنٹوں کو چاہئے کہ کبھی کبھی تمہیں بھی فلموں میں پیش کیا کریں۔ مم میرا مطلب ہے کہ تمہاری اصل صورت میں۔ کالے شاہ نے ایک دل آویز قہقہہ لگایا جانی کو اس کے موتیوں جیسے آ[illegible] دانت اور گالوں پر پڑنے والے گڑھے بہت خوبصورت لگے۔ میرے بھولے شہزادے [illegible] ہر فلم میں آتا ہوں۔ اس نے کہا یہ جو تم ہر فلم میں ایک ہیرو کو دیکھتے ہو یہ میرا ہی روپ ہوتا ہے اس ہیرو کے ذریعے لوگوں کے ذہنوں میں وہ تمام باتیں ڈال دی جاتی ہیں جو میں ڈالنا چاہتا ہوں پیارے اگر میں خوبصورت نہ ہوتا تو دنیا کی اکثریت مجھ سے محبت نہ کرتی بہرحال میں فاطمہ کے بارے میں تم سے بات کرنے آیا ہوں۔ جان بخش ایک بات تو بتاؤ' جانی کو کالے شاہ پر بہت پیار آرہا تھا' یہ تم ہمیشہ بائیں طرف سے کیوں آتے ہو؟ اس میں بھی ایک راز ہے اس کے بارے میں پھر کبھی بتاؤں گا بس یوں سمجھ لو کہ میں بائیں بازو والا ہوں ہاں تو میں تمہیں فاطمہ کے بارے میں بتانے آیا ہوں اس لڑکی کے بارے میں جلدی نہ کرو ابھی اسے پردے ہی میں رہنے دو ایسا نہ ہو کہ بڈھا تم سے بدظن ہوجائے اس گھر کو اب اپنا ہی سمجھو۔

ٹھیک ہے پیارے تم کہتے ہو تو جلدی نہیں کرتا ویسے میں نے سنا ہے کہ جلدی کا کام.......... شیطان کا ہوتا ہے کالے شاہ نے اس کی بات پوری کردی یہ بات نہیں ہے میری جان میں بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتا ہوں تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میرے منصوبوں میں پانچ سو سالہ اور ہزار سالہ منصوبے بھی شامل ہیں۔ اب جو فلمی منصوبہ ہے یہ میرا ہزار سالہ منصوبہ ہے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے میرے ایجنٹ دن رات اس منصوبے پر کام کررہے ہیں میں تمہیں بھی اس لائن پر لانا چاہتا ہوں۔ "لا حول ولا" دروازے کی طرف سے ریاض حسین کی آواز آئی میاں جان بخش تم نے ابھی تک بتی نہیں جلائی یہ سنتے ہی جانی نے کالے شاہ کی طرف دیکھا جو جست لگا کر آتش دان کی چمنی میں جا گھسا تھا ریاض حسین نے سوئچ آن کرتے ہوئے کہا۔ برخوردار شام ہوتے ہی بتی جلا [illegible] چاہئے۔ جانی جو اس وقت بستر پر لیٹا ہوا تھا' ریاض حسین اِدھر اُدھر نظر دوڑاتا ہوا بولا۔ مرے کی

فضا کچھ عجیب سی لگ رہی ہے کیا کوئی دوست ملنے آیا تھا۔ چچا جان میں دوستوں سے دور بھاگتا ہوں جانی نے مکاری سے کہا میں تو ہروقت آپ کی عنایات کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں اگر آپ مجھے سہارا نہ دیتے تو نہ جانے اس وقت میں کہاں کی خاک چھان رہا ہوتا۔

بیٹے اللہ سبب الاسباب ہے۔ کوئی کام قدرت کا حکمت سے خالی نہیں ہوتا اب یہی دیکھو ناں کہ تم کہاں تھے اور ہم کہاں لیکن قدرت کو ہمارا ساتھ منظور تھا اس لئے ہمیں گھیر گھار کر اس جگہ پہنچا دیا۔ قدرے تامل کے بعد اس نے کہا کہ بیٹے میں کئی روز سے ایک بات تم سے کہنا چاہ رہا تھا لیکن الفاظ زبان پر آکر اٹک جاتے تھے سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح حرفِ مدعا تمہارے سامنے پیش کروں۔ جانی سمجھ گیا کہ ریاض حسین کیا کہنا چاہتا ہے اس نے کہا۔

"چچا جان اس گھر میں مجھے جو سکون اور تحفظ ملا ہے وہ مجھے کہیں اور نہیں مل سکتا تھا میں اپنے آپ کو اس گھر کا فرد سمجھتا ہوں اب ہمارے درمیان کوئی غیریت نہیں رہی میں تو ہروقت آپ کے حکم کا منتظر رہتا ہوں۔" ریاض حسین نے جانی کی چاپلوسی سے حوصلہ پاکر کہا۔

"بیٹے میں اپنی بیٹی فاطمہ کے بارے میں بہت فکرمند رہتا ہوں اگر اس کی ماں ہوتی تو اس کے بارے میں کچھ کرتی لیکن اب جو کچھ کرنا ہے مجھے ہی کرنا ہے تم ایک شریف النفس اور محنتی انسان ہو میں چاہتا ہوں کہ تم واقعی میرے بیٹے بن جاؤ۔" جانی کہنا چاہتا تھا کہ وہ صاحبزادی کو دیکھے بغیر رشتے کی بات پکی نہیں کرسکتا لیکن اندر سے کالے شاہ کی آواز آئی۔ میری جان' میرے شریف النفس محنتی نوجوان چپکے سے ہاں کردے یہ شادی لڑکی سے نہیں لڑکی کے باپ کی جائیداد سے ہو رہی ہے۔ یہ سن کر جانی نے سر تسلیم خم کر دیا پانچ ہفتے کے بعد اس کی فاطمہ سے شادی ہوگئی کالے شاہ نے اسے سختی سے تاکید کردی تھی کہ فاطمہ کا چہرہ دیکھنے کے بعد کوئی بے ہودہ بات منہ سے نہ نکالے بلکہ کچھ جملے رونمائی کے موقع پر ادا کرنے کے لئے بتا دیئے۔ جانی نے جب حجلہ عروسی میں دلہن کا گھونگھٹ اٹھایا تو اسے خفیف سا جھٹکا لگا اس کے منہ سے یہ نکلتے نکلتے رہ گیا کہ خالہ جان آداب۔ فاطمہ کا چہرہ مہرہ ٹھیک ٹھاک تھا مگر عمر زیادہ تھی اس کے لمبوترے چہرے پر میک اپ کے باوجود لاغری کی لکیریں نظر آرہی تھیں گھونگھٹ اٹھنے کے بعد فاطمہ کی پلکوں میں ضعیف سی لرزش پیدا ہوئی پھر اس نے آنکھیں بند کرلیں اس کے سینے کا اتار چڑھاؤ بتا رہا تھا کہ اس کی سانسوں کی رفتار بے ترتیب ہوگئی تھی۔ جانی نے فاطمہ کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر کیا اور رٹے ہوئے جملے بولنے شروع کردیئے۔ خادم آداب بجالاتا ہے اس نے

کہا۔ فاطمہ کے ہونٹوں کو ہلکی سی جنبش ہوئی پر کوئی آواز منہ سے برآمد نہ ہوئی جانی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا مدت سے اس چہرے کو دیکھنے کی تمنا دل کو بے چین کئے ہوئے تھی کالے شاہ کی قسم تم اپنے نام کی طرح دلکش اور حسین ہو یقین نہیں آتا کہ تم میری بیوی بن چکی ہو آج میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھ رہا ہوں تمہارے ہاتھوں کی نفاست اور خوبصورتی تو روز نظر آتی تھی آج تمہارے چہرے کی خوبصورتی بھی دیکھ لی ہے۔ وہ زبان سے ایسی ہی تعریفیں کئے جارہا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا واہ رے کالے شاہ اور تو سب کام تُونے ٹھیک کئے ہیں پر یہ کام ٹھیک نہیں کیا یہ تو اجے سنگھ کی پوجا سے بھی گئی گزری چیز ہے۔

لیکن چند ہفتوں کے بعد جانی نے دیکھا کہ فاطمہ کے کھنچے ہوئے لمبوترے چہرے میں سرخی و رعنائی اور اس کے استخوانی جسم میں گداز پیدا ہونا شروع ہوگیا جاوید نے جب دیکھا کہ جانی کو گھر کا آرام کچھ زیادہ ہی راس آتا جارہا ہے تو اس نے شکوہ وشکایت شروع کردیا ایک دن اس نے کہا۔

”استاد جانی تم نے تو اپنا ٹھپا پکا کرلیا ہے مجھے اب کوئی دوسرا استاد تلاش کرنا پڑے گا مجھ سے تمہاری یہ چند روپے کی نوکری نہیں ہوتی ایک تو میرے پاس رہنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اوپر سے تیرا منشی ہروقت ناک میں دم کئے رکھتا ہے۔ ایک پیسہ اِدھر سے اُدھر نہیں ہونے دیتا۔ تیرا ارادہ کیا ہے؟ جہاں تک منشی کا تعلق تھا جانی اس کے کام سے بہت خوش تھا وہ نہ خود بے ایمانی کرتا تھا اور نہ کسی کو کرنے دیتا تھا جاوید کی رہائش دکان کے اوپر تھی جانی اسے گھر پر رکھنے کے لئے تیار نہیں تھا حالانکہ ریاض حسین کئی بار یہ کہہ چکا تھا کہ جاوید کو بیرونی کمرہ دیا جاسکتا ہے لیکن جانی اس پر بھروسہ کرنے پر تیار نہیں تھا وہ جانتا تھا کہ جیسا بدمعاش وہ ہے ویسا ہی جاوید بھی ہے۔ جاوید ’میرا منصوبہ خاصا لمبا ہے‘ اس نے کہا اس میں کچھ وقت لگے گا اس لئے چپکا بیٹھا رہ۔

”تیرا منصوبہ کوئی نہیں ہے پیارے‘ تجھے گھر کی روٹیاں راس آگئی ہیں بیوی کو تو تو ہوا ہی نہیں لگنے دیتا وہ ایسی کون سی بلبل ہزار داستان ہے جسے تُونے سات پردوں میں چھپا رکھا ہے؟ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ پردہ کرتی ہے وہ کسی کے سامنے بھی نہیں جاتی۔ جان بخش یہ مت بھول کہ میں تیرا ساتھی ہوں جاوید نے غصے سے کہا روپے میں چار آنے میرے ہیں۔ میں نے بھی کب اس بات سے انکار کیا ہے جانی نے کہا جب کوئی کام ہوگا تمہیں تمہارا حصہ مل جائے گا۔

ہائے......... قربان جاؤں تیری سادگی کے۔ جاوید نے کھری کھری بات کرنے کا

فیصلہ کر رکھا تھا۔ ابھی کوئی کام ہی نہیں ہوا یہ جو تو بڑے میاں کی چھوکری اور دکان پر قبضہ کئے بیٹھا ہے کیا یہ کام نہیں ہے۔

یہ اور بات ہے جاوید میں نے فاطمہ سے شادی کی ہے وہ میری بیوی ہے اور جہاں تک دکان کا تعلق ہے اس میں‘ میں نے حصہ ڈالا ہے۔ جانی یہ سب کچھ ہمارے منصوبے کا حصہ ہے ہم نے ایسا منصوبہ بنایا تھا مجھے میرا حصہ ملنا چاہئے۔

”حصہ کس چیز کا حصہ؟“ چار آنے کا کاروبار میں سے اور جاوید جانی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا ہوا چار آنے فاطمہ میں سے۔

کہیں باؤلے تو نہیں ہوگئے؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی بیوی کے چار ٹکڑے کردوں؟ حصے کرنے کے اور بھی بہت سے طریقے ہوسکتے ہیں میری جان! جاوید نے آنکھیں گھمائیں۔ یہ نہیں ہوسکتا جانی نے چیخ کر کہا میں اتنا بے غیرت نہیں ہوں۔

او ہو.......... کالے شاہ کو سجدہ کرنے کے باوجود غیرت کی باتیں کرتے ہو‘ جاوید نے کہا میں تمہیں ایک دن کی مہلت دیتا ہوں اگر تم مجھے حصہ دینے پر تیار نہ ہوئے تو میں تمہارے سارے کرتوت ریاض حسین کو بتا دوں گا۔ تمہیں اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا یہ مت بھولو کہ میں ریاض حسین کا داماد ہوں اس کی بیٹی کا سرتاج ہوں اسے میری پچھلی غلطیوں پر آنکھیں بند کرنا پڑیں گی۔ پولیس تمہاری پچھلی غلطیوں پر آنکھیں بند نہیں کرے گی۔ تم پولیس کے پاس نہیں جاؤ گے کیونکہ تم خود بھی میرے جرم میں شریک ہو۔ شاید مجھے دو چار سال کی سزائے قید ہوجائے لیکن تم پھانسی کے تختے پر چڑھ جاؤ گے کیونکہ تمہارے کھاتے میں ایک نہیں دو قتل ہیں ایک میجر کا اور دوسرا غریب کوچوان کا۔ جانی یہ سن کر گھبرا گیا اور بولا ٹھیک ہے میں تمہاری تجویز پر غور کروں گا دو چار دن رک جاؤ۔ نہیں پیارے اس طرح بات نہیں بنے گی پکی بات کرو دو چار دن ٹالنے والی بات ہے میں تمہیں آج سے ٹھیک چار دن بعد جواب دوں گا ویسے مجھے تمہاری باتیں سن کر افسوس ہوا ہے۔

”افسوس کی ایسی تیسی۔“ جاوید نے کہا۔ ”اور دوسری بات یہ ہے کہ میرے لئے ایک کمرہ صاف کروا دو آج سے میں اپنے ساتھی کے پاس رہوں گا روپے میں چار آنے والا حساب ہر جگہ چلے گا۔ چار کمروں میں ایک کمرہ اور چار دنوں میں سے ایک دن میرا ہوگا میری بات سمجھ رہے ہونا۔“ جانی نے سوچا اب جاوید کا زندہ رہنا ٹھیک نہ ہوگا وہ دوست کے بجائے دشمن بن گیا تھا اس نے ظاہر میں اس کی تمام شرطیں مان لیں لیکن اسے قتل کرنے کی تدبیر سوچنے لگا لیکن جاوید بھی محتاط تھا اس نے اپنی حفاظت کے لئے

ایک خنجر بھی خرید لیا تھا اور اسے ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا ایک روز نصف رات کے وقت جاوید کی اچانک آنکھ کھل گئی اس نے محسوس کیا کہ کوئی شخص اس کے کمرے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہے وہ فوراً سمجھ گیا کہ باہر جانی ہے وہ خاموشی سے اٹھا اور تاریکی میں گھٹنوں کے بل چلتا ہوا دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا ساتھ والے کمرے میں ریاض حسین کو ہولے سے جھنجھوڑ کر جگایا۔ چچا میاں چچا میاں میرے کمرے میں جن ہے اس نے ہولے سے کہا مجھے ڈر لگ رہا ہے ریاض حسین مذہبی آدمی تھا اور جنوں سے بالکل نہیں ڈرتا تھا وہ اٹھتا ہوا بولا۔ آؤ میرے ساتھ وہ ننگے پاؤں جاوید کے کمرے میں جا گھسا جاوید دروازے میں ہی رکا رہا اسی اثناء میں جانی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو چکا تھا اس نے ریاض حسین کو جاوید سمجھتے ہوئے اس پر خنجر سے پے در پے وار کرنے شروع کر دیئے ریاض حسین کے جسم سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا اور وہ چیختا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

ادھر جاوید نے بھی شور مچا دیا دوسرے کمرے میں سوئی ہوئی فاطمہ دوڑتی ہوئی کمرے میں پہنچی اور اپنے باپ کو خون میں لت پت دیکھ کر بے ہوش ہو گئی۔ شور کی آواز سن کر پڑوسی بھی بیدار ہو گئے اور دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ جاوید نے بتیاں جلا دی تھیں اور جانی سے دور ہٹ کر کھڑا تھا اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ اس پر بھی حملہ نہ کر دے۔ جاوید یہ کیا ہو گیا جانی نے گھبرا کر کہا ریاض حسین اس کمرے میں کیا کرنے آیا تھا جانی وہ تو کہہ کہ میری قسمت اچھی تھی جاوید نے کہا ورنہ اس وقت میری لاش یہاں پڑی ہوتی۔ جانی ہاتھ جوڑتا ہوا بولا مجھے بچانے کی کوئی تدبیر کرو جاوید جو تُو کہے گا میں تجھے دے دوں گا۔ بیرونی دروازہ مسلسل کھٹکھٹایا جا رہا تھا جاوید ریاض حسین کی طرف دیکھنے لگا اس کا جسم ساکت ہو چکا تھا۔

گھبراتا کیوں ہے جانی جاوید نے چالاکی سے کہا تُو تو کالے شاہ کا بندہ ہے تجھے کس بات کا غم ہے پولیس سے کہہ دینا کہ تُو اسے چور سمجھا تھا میں بھی تیری تائید کروں گا اور اب تُو ادھر ہی ٹھہر میں ذرا دروازہ کھٹکھٹانے والوں سے بات کر لوں۔ دروازہ مسلسل کھٹکھٹایا جا رہا تھا۔ آ رہا ہوں بھئی آ رہا ہوں جاوید نے کہا ذرا صبر کرو باہر نصف درجن افراد جمع تھے دروازہ کھلتے ہی ایک نوجوان نے پوچھا۔ ”کیوں بھائی خیریت ہے یہ شور کیسا ہے چچا ریاض حسین کہاں ہیں؟ خیریت نہیں جاوید لوگوں کو دروازے پر ہی روکتا ہوا بولا اندر واردات ہو گئی ہے گھر میں چور گھس آیا تھا آپ میں سے کوئی شخص پولیس کو بلا لائے۔ واردات ہو گئی ہے ایک معمر شخص نے کہا تم کون ہو میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا

ریاض حسین کو باہر بھیجو۔ میرا نام جاوید ہے جاوید نے تحمل سے جواب دیا میں چچا ریاض حسین کا ماموں زاد بھائی ہوں آپ زیادہ سوالات نہ کریں میں آپ کو تفصیل نہیں بتا سکتا آپ پولیس کو بلانے کا انتظام کریں۔ دونوں جوان پولیس کو بلانے چلے گئے باقی لوگ جاوید سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے لیکن اس نے یہ کہتے ہوئے دروازہ بند کر دیا کہ وہ پولیس کی آمد سے پہلے کچھ نہیں بتا سکتا جب وہ اندر پہنچا تو جانی نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گیا اور بولا۔ ذرا فاصلہ رکھ کر بات کرو میری جان دیکھتے نہیں تمہارا ہاتھ خون آلود ہیں۔ کک......... کیا بات ہوئی جانی اپنے خون آلود ہاتھوں کو گھورتا ہوا بولا۔ تت......... تم نے لوگوں کو کیا بتایا۔ میں نے کسی کو اس کے سوا کچھ نہیں بتایا کہ گھر میں چور گھس آیا تھا اور واردات ہو گئی ہے۔ بس اتنا ہی بتایا اور' اور وہ تمہاری بات سن کر واپس چلے گئے۔ یہ اتنی سی بات نہیں ہے پیارے میں نے پولیس کو بلوایا اور دو آدمی پولیس کو لینے گئے ہیں۔ پولیس؟ جانی نے خوف سے آنکھیں پھیلائیں تم نے پولیس کو بلوایا ہے۔ اور کیا خیال ہے تمہارا لوگوں کو فاتحہ خوانی کے لئے اندر بلا لیتا جاوید نے کہا جانی فرش پر بیٹھ گیا۔ جاوید کیا تم مجھے سُولی پر چڑھانے کی ترکیب کر رہے ہو۔ تم جلدی سے اندر جا کر کپڑے بدل لو اور منہ ہاتھ دھو لو جاوید نے کہا ہم پولیس سے یہی کہیں گے کہ سب کچھ غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ہے گھر میں چور گھس آیا تھا اور اندھیرے کی وجہ سے تم اپنے سسر کو اور تمہارے سسر نے تم کو چور سمجھا اس طرح دونوں میں تصادم ہو گیا اور تمہارا سسر تمہارے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اور سنو جو کمی رہ جائے گی اسے نقد نرائن سے پوری کر لیں گے۔

جاوید کی بات جانی کی سمجھ میں آ گئی اور جلدی سے اٹھا اور کپڑے بدلنے کے لئے اندر چلا گیا اس کے جانے کے بعد جاوید فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا اس نے پہلی بار فاطمہ کو دیکھا تھا اس نے دل میں سوچا واہ میرے مولا شکل نہ سہی۔ اس نے فاطمہ کو بازوؤں میں اٹھایا اور اسے اس کے بستر پر لٹا کر ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا اتنے میں جاوید کپڑے بدل کر اور ہاتھ منہ دھو کر آ گیا۔ یہ کیا کر رہے ہو جاوید اس نے پوچھا۔ فاطمہ کو جگانے کی کوشش کر رہا ہوں اور کیا کر رہا ہوں جاوید نے کہا اس کو بھی تو بیان سمجھانا ہے یا نہیں لمحہ بھر کے لئے فاطمہ کسمسائی اور آنکھیں کھول دیں اسی لمحے کسی نے زور سے دروازے پر دستک دی۔ شاید پولیس آ گئی ہے جاوید نے کہا اور جلدی سے دروازہ کی طرف بڑھا اس کا اندازہ صحیح نکلا باہر ایک پولیس آفیسر اور چند سپاہی کھڑے تھے جاوید نے دروازہ کھول دیا دو سپاہی دروازے پر رک گئے اور انسپکٹر جو سکھ تھا ایک سپاہی کے ہمراہ

اندر پہنچ گیا جاوید اسے اس کمرے میں لے گیا جہاں ریاض حسین کی لاش پڑی تھی قریب ہی آلہ قتل یعنی خنجر بھی پڑا تھا۔ انسپکٹر نے کہا یہ تو مرچکا تھا قاتل کون ہے تم کون ہو؟

"میرا نام جاوید حسین ہے۔" جاوید نے کہا پھر جانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "یہ میرا بھائی اور اس گھر کا داماد جان بخش ہے۔ یہ لاش اس کے سسر ریاض حسین کی ہے۔ اب سے کوئی آدھا پون گھنٹہ پہلے شور کی آواز سن کر ہماری آنکھ کھل گئی پتہ چلا کہ گھر میں کوئی چور گھسا ہوا ہے۔ ادھر سے چچا میاں بھاگے ہوئے آئے اور ادھر جان بخش آیا چور نے جب دیکھا کہ گھر والے جاگ رہے ہیں تو نو دو گیارہ ہوگیا ادھر اندھیرے میں ریاض حسین اور جان بخش کا تصادم ہوگیا دونوں نے ایک دوسرے کو چور سمجھ کر کارروائی شروع کردی اور نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔" انسپکٹر جانی کے سامنے جاکر رک گیا اور بولا۔ تو یہ قصہ ہے تم نے چور کے دھوکے میں اپنے سسر کو قتل کر دیا ہے گھر میں اور کتنے لوگ ہیں۔ صرف میری بیوی ہے جانی نے کہا وہ پردہ کرتی ہے اپنے باپ کی موت کے کارن سخت پریشان بھی ہے۔ انسپکٹر نے جانی اور جاوید سے تھوڑی دیر تک سوالات کئے۔ پھر اس نے بڑی توجہ سے لاش اور کمرے کا معائنہ کیا اس کے بعد دیگر کمروں کا جائزہ لیا اور بالآخر بولا' نہ جان بخش اس گھر میں کوئی چور نہیں آیا تھا اصل حقیقت کیا ہے؟ کیا تم نے اپنے سسر کو قتل نہیں کیا؟ میں شور کی آواز سن کر ادھر آیا تھا میں نے چور کو نہیں دیکھا کمرے میں چونکہ اندھیرا تھا اس لئے میں انہیں چور ہی سمجھا تھا۔ نہیں بچہ بات کچھ اور ہے انسپکٹر نے کہا اس واردات میں ضرور کوئی گھنڈی ہے۔

جان بخش نے کپڑے بدلتے وقت کچھ رقم بھی جیب میں رکھ لی تھی اس نے پانچ ہزار روپے جیب سے نکالے دل میں کہا یا کالے شاہ تیرا ہی آسرا پھر یہ رقم انسپکٹر کی مٹھی میں دینے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ سردار جی میں اپنے جرم سے انکاری نہیں ہوں اصل بات نیت کی ہے اور یہی گھنڈی ہے جو آپ کی سمجھ میں نہیں آئی میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرا اپنے سسر کو قتل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا ثبوت میرے پاس کوئی نہیں البتہ میں قسم اٹھانے کو تیار ہوں۔ انسپکٹر نوٹوں کو پرے کرتا ہوا بولا۔ ان کو ابھی اپنے پاس ہی رکھو قسم کس کی اٹھاؤ گے۔ جس کی آپ حکم کریں گے جانی نے کہا ویسے سچی بات یہ ہے کہ میں مذہب کو بالکل نہیں مانتا۔ اگر تم مذہب کو نہیں مانتے تو پھر کس کی قسم اٹھاؤ گے تمہیں اس دنیا میں سب سے زیادہ پیار کس سے ہے۔ جانی نے بلا تامل جواب دیا۔ "کالے شاہ" کالے شاہ انسپکٹر نے حیرانی سے کہا کالے شاہ کیا چیز ہے عورت ہے یا مرد۔ کالے شاہ میرا سب سے پیارا دوست ہے جانی نے کہا کالے شاہ کے ذکر سے اس نے خاصی تقویت

محسوس کی اسے یہ بھی یاد آیا کہ کالے شاہ نے اس کے ساتھ ساٹھ سال کا معاہدہ کیا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے سزائے موت نہیں ہوسکتی تھی اس نے پُراعتماد لہجے میں کہا سردار جی کالے شاہ کی پہنچ اوپر تک ہے یہ بات میں آپ کو ابھی بتا دیتا ہوں کہ مجھے پھانسی کی سزا نہیں ہوسکتی یہ پورے پانچ ہزار روپے ہیں آپ کی دو سال کی تنخواہ کے برابر یہ رقم یہ رکھیں اور بھی پیش کر دوں گا اب رپورٹ ایسی تیار کریں کہ آپ کا بھی کوئی نقصان نہ ہو اور میں بھی بچ جاؤں۔ انسپکٹر نرم پڑتا ہوا بولا۔

"پانچ ہزار روپے تو بہت کم ہیں سپاہیوں کو بھی تو کچھ دینا پڑے گا۔" دو ہزار روپے اور دے دو جاوید نے جانی سے کہا سردار جی کو ناراض نہیں کرسکتے ہم۔ جانی نے مزید دو ہزار روپے اور نکال کر پانچ ہزار میں ملائے اور انسپکٹر کی مٹھی میں دے دیئے۔ پورے سات ہزار ہی ہیں ناں انسپکٹر نوٹ لیتا ہوا بولا کوئی دھوکا نہیں ہے اس میں گنتی کرلو جاوید نے کہا بھلا آپ سے کوئی دھوکا کر سکتا ہے۔ انسپکٹر نوٹ جیب میں ٹھونستا ہوا بولا۔ "خیر دیکھی جائے گی جان بخش اب ذرا غور سے میری بات سنو میں تمہیں بالکل نہیں چھوڑ سکتا اگر سکھا شاہی کا زمانہ ہوتا تو میں تم سے کہتا کہ جاؤ.. چار بندے اور صاف کر ڈالو مگر یہ انگریزوں کا زمانہ ہے اوپر کے سارے افسر انگریز ہیں یہ لوگ بہت ذہین ہیں ایک ایک فائل چیک کرتے ہیں رپورٹ تو بہرحال لکھنا پڑے گی اور تمہیں گرفتار بھی کرنا پڑے گا لیکن میں ہلکی رپورٹ بناؤں گا چور والا قصہ ہی صحیح رہے گا۔"

سردار جی یہ تو زیادتی ہوگی جانی نے کہا آپ نے سات ہزار روپے بھی لے لئے ہیں اور مجھے گرفتار بھی کرنا چاہتے ہیں کوئی اور راستہ نہیں نکل سکتا؟ انسپکٹر نے سر ہلایا اور بولا۔ اس سے اچھا راستہ کوئی نہیں نکل سکتا صبح سے پہلے مجھے ایس پی کو اس قتل کی اطلاع دینا پڑے گی وہ فوراً معائنہ کے لئے پہنچ جائے گا فکر نہ کرو کوئی نہ کوئی تمہیں حوالات میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی تمہارے لئے گھر کے کھانے اور گھر کے بستر کا بندوبست ہوجائے گا اور چار دن کے بعد عدالت سے ضمانت کرا لینا اب تم اندر جاکر اپنی بیوی سے بات چیت کرلو اور اسے بیان بھی سمجھا دو اتنی دیر میں' میں بھی اپنی کارروائی مکمل کرلیتا ہوں۔ جانی کو اس بات کا اطمینان ہوا کہ تھانیدار تعاون کرنے پر تیار ہوگیا تھا مگر اس بات پر گھبراہٹ ہوئی کہ اسے گرفتار ہونا پڑے گا اندر اس کی بیوی فاطمہ ہوش میں آچکی تھی مگر خاصی پریشان تھی جانی نے اسے جھوٹ اور سچ کی آمیزش سے ایک کہانی سنا دی اور تسلی دینے کے بعد بولا۔ تھانیدار مجھے گرفتار کرکے لے جارہا ہے لیکن میں جلد واپس آجاؤں گا گھبرانا بالکل نہیں۔ سیدھی سادی فاطمہ نے جانی کی باتوں پر یقین کرلیا پھر بولی۔ میرے سرتاج

میں آپ کے لئے دل سے دعا کروں گی اللہ آپ کو جلدی واپس لائے' جانے آپ کے بغیر میرا وقت کیسے گزرے گا۔ جانی نے اپنے صندوق سے وہ رقم نکالی جو اس نے کرپا رام اور اجے سنگھ کے گھر سے لوٹی تھی اور اسے کپڑے میں لپیٹ کر فاطمہ کے حوالے کیا۔ اس میں ساٹھ ہزار روپے سے اوپر کچھ رقم ہے اسے بہت سنبھال کر رکھنا اور سنو منشی سے کہنا کہ وہ کسی اچھے ۔ے وکیل کو لے کر میرے پاس تھانے پہنچے اور ہاں یہ جاوید میرا دوست ضرور ہے مگر نہایت کمینہ شخص ہے اس سے بچ کر رہنا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ریاض حسین کی لاش وہاں سے اٹھوا دی گئی اور جانی کو پولیس ہتھکڑی لگا کر تھانے لے گئی اگلی صبح منشی ایک ہندو وکیل کے ہمراہ تھانے پہنچ گیا اس سے پہلے انگریز ایس پی تھانے کا معائنہ کرنے آیا تھا اور جانی کے کیس کے بارے میں تھانیدار کو ہدایت دے کر چلا گیا تھا۔ وکیل نے ایف آئی آر کا معائنہ کرنے کے بعد جانی کو بتایا کہ پولیس نے کیس بہت سخت بنایا ہے اور ضمانت کی گنجائش نہیں ہے یہ سن کر جانی کی سٹی گم ہوگئی اس نے منشی کو سمجھایا کہ وہ کاروبار کا اچھی طرح خیال رکھے اور جاوید پر بالکل بھروسہ نہ کرے۔ جیسا کہ وکیل نے کہا تھا جانی کی ضمانت نہ ہو سکی اور پندرہ روز کے بعد اسے ریمانڈ پر جیل بھیج دیا گیا۔

رات کے وقت وہ اپنی تاریک کوٹھری کے فرش پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کالے شاہ اس کے ساتھ دھوکا کر گیا ساٹھ سال کا معاہدہ محض ایک فریب تھا۔ ابے کہاں ہے تُو کالے شاہ اچانک اسے داہنی طرف کسی کی موجودگی کا احساس ہوا وہ تاریکی میں داہنی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ آج تُو داہنی طرف کیسے؟ لیکن اس نے دیکھا وہ کالے شاہ نہیں سفید شاہ ہے۔ سفید شاہ تم؟ جانی نے کہا تم یہاں بھی آگئے۔ جان بخش دیکھا تم نے کالے شاہ نے تمہیں کہاں تک پہنچا دیا سفید شاہ نے کہا اب بھی موقع ہے توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا اس ملعون کی غلامی کا طوق اپنے گلے سے اتار کر پھینکو اور اس بالا و برتر ہستی کے سامنے جھک جاؤ جو انسان کو اس دنیا میں بھی بھلائی عطا کرتی ہے توبہ کرو توبہ اللہ تمہارے پچھلے سارے گناہ معاف کردے گا۔ دیکھ سفید شاہ یہ جو تُو دوسرے جہاں کی بات کرتا ہے ناں یہ اپنے سر سے گزر جاتی ہے بات وہ کر جو سمجھ میں آئے سب ہی جانتے ہیں کہ انسان جب مرجاتا ہے تو کوئی اسے زمین میں دفن کر دیتا ہے اور کوئی اسے جلا کر خاک کر ڈالتا ہے پرانی سے پرانی قبر کھود کر دیکھ لے اس میں تجھے ٹوٹا پھوٹا ہڈیوں کا ڈھانچہ مل ہی جائے گا مجھے تو یہ سمجھا کہ دوسرے جہاں میں کیا چیز جاتی ہے سب کچھ تو یہیں گل سڑ جاتا ہے۔ جان بخش یہ ذرا باریک بات ہے اتنی آسانی سے سمجھ میں آنے والی نہیں ہے اس وقت تیری عمر پچیس چھبیس سال ہوگی ذرا یہ بتا کہ آج سے اٹھائیس سال پہلے تُو کہاں تھا۔ ہائے یہ کیا پوچھ ڈالا

تُو نے میں اپنے پیدا ہونے سے پہلے کی باتیں تجھے کیسے بتا سکتا ہوں۔ جب تُو پیدا ہونے سے پہلے کی باتیں نہیں بتا سکتا تو پھر مرنے کے بعد کی کیسے بتا سکتا ہے تُو' تو نیند کی حالت کی باتیں بھی نہیں بتا سکتا اچھا ایک بات تو بتا کبھی خواب دیکھا ہے تُونے۔

ہاں دیکھا۔ جانی نے جواب دیا خواب کا یہاں کیا ذکر آگیا۔ خواب میں تُونے نئی نئی جگہوں کی سیر بھی کی ہوگی سفید شاہ نے کہا۔ کی ہے یا نہیں۔

”ہاں کی تو ہے۔“

جسم تیرا کہاں ہوتا ہے سفید شاہ نے پوچھا میرا مطلب ہے سفر کے دوران جسم بستر پر ہوتا ہے جانی نے جواب دیا۔ بالکل ٹھیک ہے سفید شاہ نے کہا خواب کے دوران تیرا جسم بستر پر ہوتا ہے مگر اس کے باوجود تُو خود کو نئی نئی جگہوں پر دیکھتا ہے دوستوں سے ملتا ہے اجنبیوں سے ملتا ہے سواری کرتا ہے چلتا پھرتا ہے باتیں کرتا ہے ذرا یہ تو سمجھا کہ وہ کون سی چیز ہوتی ہے جو تجھے جگہ جگہ کی سیر کراتی ہے؟ یہ تو میں نے کبھی نہیں سوچا جانی نے کہا ہوگی کوئی روح وغیرہ۔

اب تو آئے ہو سیدھی راہ پر۔ سفید شاہ بولا یہ چیز جسے روح کہتے ہیں جسم تو بطور آلہ کے ہے دوسری دنیا میں اس روح کو ایک دوسرا آلہ دیا جائے گا تاکہ اسے اچھے یا برے اعمال کا مزہ چکھایا جائے اس جسم کے گلنے سڑنے سے روح کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ جانی کچھ دیر تک اس بات پر غور کرتا رہا پھر بولا چل میں تیری بات مان لیتا ہوں اور ابھی توبہ کر لیتا ہوں یہ بتا توبہ کرنے کے بعد اس جیل سے چھوٹ جاؤں گا۔ نہیں سفید شاہ نے سختی سے کہا جیل سے تو نہیں چھوٹو گے۔ اچھا تو کیا پھر یہ جیل جنت بن جائے گی؟ یہاں سے دودھ اور شہد کی نہریں بہنے لگیں گی؟

ہرگز نہیں۔ یہ بھی نہیں ہوگا۔ جب یہ بھی نہیں ہوگا وہ بھی نہیں ہوگا تو پھر توبہ کیا کیا فائدہ۔ جان بخش ہر اچھی چیز کے حصول کے لئے انسان کو تکلیف اٹھانا پڑتی ہے اور گناہوں کی سزا بھگتے بغیر کوئی شخص سچی خوشی کی شاہراہ پر قدم نہیں رکھ سکتا اور صرف قدم رکھنے سے منزل پر نہیں پہنچ سکتا منزل تک پہنچنے کے لئے آگے قدم بڑھانا پڑتا ہے درمیانی فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے تب منزل نصیب ہوتی ہے۔ ابے سفید شاہ تو نے پھر مشکل باتیں کرنا شروع کردیں چل بھاگ ادھر سے مجھے تو نقد والا نسخہ چاہئے مال سامنے ہونا چاہئے مرنے کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا نکل یہاں سے چلتا پھرتا نظر آ۔ جانی نے کالے شاہ سے رابطہ قائم کرنے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ قتل کا مقدمہ چلتا رہا ہر پیشی پر جانی کو یہ محسوس ہوتا کہ کیس اس کے خلاف جارہا ہے فاطمہ ہر پیشی پر عدالت کے

باہر موجود ہوتی تھی اور روتی ہوئی واپس جاتی تھی ایک روز جانی کو پتا چلا کہ جاوید اس کے خلاف ہوگیا ہے۔ فاطمہ نے جانی کو بتایا کہ جاوید کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتا ہے اس لئے آپ کاروبار کی فکر نہ کریں اور اسے آدھے کا حصہ دار بنالیں۔ جانی نے غصے میں انکار کردیا اس نے سوچا کہ اگر جاوید کا مطالبہ مان لیا تو وہ مزید مطالبے کرے گا اور ہر چیز میں سے آدھا حصہ مانگنا شروع کردے گا اس نے جاوید کو پیغام بھیجا کہ وہ کسی روز اس سے جیل میں آکر ملے۔ مگر جاوید وعدہ کرنے کے باوجود نہ آیا۔ اگلی پیشی پر جانی یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جاوید اس کے خلاف گواہی دینے آیا تھا جانی نے اسے اشاروں سے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن اس نے اس کے اشاروں پر دھیان نہیں دیا اور اپنی باری پر عدالت کے کٹہرے میں پہنچ گیا اپنے بیان میں اس نے کہا کہ جانی دراصل اسے قتل کرنا چاہتا تھا لیکن غلطی سے ریاض حسین کو قتل کردیا وکیل صفائی نے اسی نکتے کو پکڑ لیا پہلے تو اس نے جاوید پر ایسی جرح کی کہ وہ بوکھلا گیا پھر اس نے دلائل دیتے ہوئے کہا جاوید اور جان بخش بچپن کے دوست تھے لیکن جاوید کا کہنا ہے کہ یہ جان بخش اصل میں اسے قتل کرنا چاہتا تھا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ جاوید اصل میں جان بخش کو اپنا قاتل سمجھتا ہے قطع نظر اس کے کہ جان بخش جاوید کو قتل کرنا چاہتا تھا یا نہیں یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ جاوید اپنے پرانے دوست کے خلاف دل میں بغض رکھتا ہے اور اسی بغض کی وجہ سے اس نے اپنے دوست پر قتل کا الزام عائد کیا ہے جرح کے دوران اس بات کو ثابت نہیں کرسکا کہ جان بخش اس کو قتل کرنا چاہتا تھا نہ ہی وہ یہ کہہ سکا کہ جان بخش اسے کیوں قتل کرنا چاہتا تھا اس کا سارا بیان دشمنی اور بدنیتی پر مبنی تھا۔

وکیل صفائی کے ان دلائل سے صرف اتنا فائدہ ہوا کہ جانی سزائے موت سے بچ گیا دس مہینے کے بعد عدالت نے مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے جانی کو چودہ سال بامشقت کی سزا دی۔ جانی جب عدالت سے باہر نکلا تو اس نے اپنی بیوی کو زاروقطار روتے ہوئے پایا جانی کو اس کا رونا بہت برا لگا وہ بولا۔ چپ ہوجا اللہ کی بندی شکر کر مجھے پھانسی کی سزا نہیں ہوئی۔ سرتاج میں آپ کا عمر بھر انتظار کروں گی فاطمہ نے کہا اللہ کے حضور آپ کی جلد رہائی کی دعا بھی کروں گی۔ اور.......... اور جب آپ رہا ہوکر آئیں گے تو.......... تو میں اکیلی نہیں ہوں گی۔ جانی نے دل میں کہا جا۔ جان چھوڑ میں نے بھی کس مصیبت کو گلے لگالیا پھر وہ چونک کر بولا تو اکیلی نہیں ہوگی کون ہوگا تیرے ساتھ؟ سپاہی ہتھکڑی کی زنجیر کو جھٹکا دیتے ہوئے بولا ارے چل جانی بابو اتنی بات تیری سمجھ میں نہ آوت ہے اری تیری گھروالی یہ کہوت ہے کہ دو چار پورن ماشی کے بعد اس کی گود ہری ہوجائے گی فاطمہ

نے یہ سنا تو برقع میں سمٹ کر پرے ہوگئی جانی نے دل میں کہا۔ اچھا اب تو جا اس نے اونچی آواز میں کہا منشی کو کبھی کبھی جیل بھیج دیا کرنا فاطمہ آنسو پونچھتی ہوئی گھر کی طرف روانہ ہوگئی اور سپاہی جانی کو لے کر جیل کی طرف چل دیئے۔ جانی کئی روز تک جیل میں اداس رہا وہ اپنے ساتھی قیدیوں سے زیادہ بات نہیں کرتا تھا وہ زیادہ وقت الگ تھلگ رہتا تھا اگر کوئی بیگار اس کے سپرد کی جاتی تو اسے جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش کرتا ایک دن وہ تفریح کے وقت جیل کے باغیچے میں اداس بیٹھا تھا کہ دو قیدی اس کے پاس آبیٹھے اور اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے لگے اس کو جانتے ہو ایک قیدی نے اپنے ساتھی سے کہا سنا ہے کہ اس نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا لگتا تو نہیں دوسرے نے کہا دیکھو تو کیسی یتیموں جیسی شکل بنائے بیٹھا ہے۔ دوسرے قیدی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ جیسے کوئی اداس گدھ کسی ٹنڈ منڈ پیڑ کی شاخ پر تنہا بیٹھا ہو گردن پروں میں چھپائے پہلے قیدی نے کہا پھر جانی کی طرف دیکھتا ہوا بولا کیوں بھئی کہاں کے ہو۔ جاؤ میاں جاکر اپنا کام کرو جانی نے کہا میں شریف آدمی ہوں لفنگوں سے بات کرنا مجھے پسند نہیں ہے۔ دونوں قیدیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارہ کیا پھر جانی کے دائیں بائیں جابیٹھے پہلے قیدی نے کہا ہیرا لعل سنا تم نے یہ ہمیں لفنگا کہتا ہے دوسرے قیدی نے کہا ہاں بھئی گلاب دین جیل میں تو لفنگے ہی آتے ہیں شریفوں کا یہاں کیا کام۔ گلاب دین نے تیزی سے جانی کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور سگریٹ کا پیکٹ نکال لیا اور بولا۔

کیا بات ہے تیری شرافت کی لا ذرا ایک سگریٹ تو پلا ہیرا لعل ذرا ماچس تو دینا جانی نے اس کا ہاتھ روکنے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف ہیرا لعل نے اس کا کالر پکڑ کر جھٹکا دیا گرمی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے میرے معصوم قاتل کیا نام ہے تیرا؟ جانی نے ہیرا لعل کو دھکا دیا اور گالی نکالی اس پر دونوں قیدی مشتعل ہوگئے اور لاتوں اور گھونسوں سے جانی کی مرمت کر دوہ اتنے طاقتور نہیں تھے جانی اگر کوشش کرتا تو ان کا مقابلہ کرسکتا تھا لیکن اسے جیل کے طور طریقوں کا علم نہیں تھا اس لئے ہاتھ اٹھانے کی ہمت نہ کرسکا کچھ قیدی آس پاس کھڑے ہوکر تماشا دیکھتے رہے اور قہقہے لگاتے رہے کسی نے جانی کو چھڑانے کی کوشش نہیں کی چند منٹوں کے بعد ہنگامہ ختم ہوگیا اور جانی ایک طرف جاکر اپنی چوٹیں سہلانے لگا۔ کچھ دیر بعد ایک بھاری بھرکم شخص جس نے بڑی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں جانی کے قریب آیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "نئے آئے ہو۔" جانی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کتنی سزا ہوئی ہے؟".

"چودہ سال۔" جانی نے جواب دیا۔

"بھئی بلے بھئی بلے پھر تو تم گھر ہی کے آدمی ہو گھبراتا نہیں میاں اس قسم کی چھیڑ چھاڑ چلتی ہے میرا نام عبدالغفور ہے کبھی کوئی مسئلہ ہو تو میرے پاس آجانا اور کوئی مسئلہ نہیں دس بارہ سال سے زیادہ نہیں پڑے گا اور اچھے چال چلن کا مطلب ہے کہ اوپر والے خوش رہیں۔" اس نے جانی کا بازو ٹٹول کر دیکھا۔ "جان شان تو اچھی ہے تمہاری ایسے ہی مار کھالی دو چڑی ماروں سے یار اس نگری میں اس کی عزت ہے جو ہاتھ پیر چلانا جانتا ہو۔" جانی کچھ نہیں بولا عبدالغفور اس کا کندھا تھپتھپاتا ہوا آگے بڑھ گیا سورج غروب ہوچکا تھا اور قیدی واپس اپنی بیرکوں میں جانا شروع ہوگئے تھے کچھ دیر بعد جانی کو محسوس ہوا جیسے کوئی شخص اس کی بائیں جانب آکر بیٹھ گیا ہے اس نے سر گھما کر دیکھا تو وہ کالے شاہ تھا کالے شاہ پر نظر پڑتے ہی وہ غصے سے بھر گیا دانت ہلاتا ہوا بولا۔

"کالے شاہ ملعون منحوس یہ وعدہ کیا تھا تُو نے میرے ساتھ ذلیل کیڑے کیا ہوئی وہ دولت اور شہرت جس کا تُو نے وعدہ کیا تھا؟" کالے شاہ کے ہونٹوں پر دل نواز مسکراہٹ بکھر گئی وہ بولا واہ پیارے جی خوش کر دیا دو چار گالیاں اور نکال ذرا بھاری بھاری سی۔ ان ہلکی پھلکی گالیوں میں کیا رکھا ہے۔ جانی تو پہلے ہی جلا ہوا بیٹھا تھا اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان ابل پڑا وہ گالیاں نکالتا رہا اور کالے شاہ اطمینان سے سنتا رہا بلکہ اسے مزید گالیاں نکالنے پر اکساتا رہا یہاں تک کہ جانی گالیاں نکالتے نکالتے تھک گیا اور اس کا غصہ بھی تقریباً معدوم ہوگیا۔

دیکھا پیارے کالے شاہ نے کہا یہ گالیاں بڑے کام کی چیز ہیں یہ نہ صرف مدمقابل کو دہشت زدہ کرتی ہیں بلکہ بندہ کالے شاہ کا غصہ بھی ٹھنڈا کردیتی ہیں بندہ کالے شاہ کا غصہ؟ جانی نے حیرانی سے کہا میں سمجھا نہیں۔ بات یہ ہے جانی کہ اوپر والے کے بندوں کو اول تو غصہ آتا ہی نہیں اور اگر آتا بھی ہے تو وہ اسے پی جاتے ہیں بلکہ معاف ہی کرڈالتے ہیں لیکن میرے بندے گالیوں سے' لاتوں سے' جوتیوں سے' تھپڑوں سے' خنجروں سے اور بندوقوں سے اپنا غصہ ٹھنڈا کرتے ہیں میں ان کے سینوں میں جو آگ بھڑکاتا ہوں وہ جہنم کی آگ سے کم نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ میرے بندے آنکھ پر آنکھ سر کے بدلے سر مانگتے ہیں۔ بہت ہوچکی بک بک' جانی نے کہا پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے کس جہنم میں لا پھینکا ہے مجھے؟ یہ بہت ضروری تھا کالے شاہ نے پیار سے کہا اس گھر کی سیر تمہارے لئے بہت ضروری تھی تمہیں سیدھے راستے پر لانے کے لئے بڑی محنت کی ضرورت ہے یہ جیلیں میرے بندوں کی تربیت گاہیں ہیں جب تم اس جیل سے باہر نکلو

گے تو میرے پختہ کار بندوں میں شامل ہوچکے ہو گے اب دو باتیں غور سے سنو آئندہ کسی سے مار نہ کھانا اور گالی کے بغیر بات نہ کرنا عبدالغفور اچھا آدمی ہے اس سے بنا کر رکھنا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے پیارے دھیرے دھیرے تمہارا یہاں دل لگ جائے گا۔ لیکن یہ چودہ سال کیسے گزریں گے؟ جانی نے پوچھا۔ چودہ نہیں دس سال زیادہ سے زیادہ گیارہ سال۔ اس جیل کے اندر دولت کمانے کے بہت سے طریقے ہیں کچھ دن تک صورت حال کا جائزہ لیتے رہو آہستہ آہستہ سارے راستے تمہاری سمجھ میں آجائیں گے۔ کالے شاہ بات ختم کرتے ہی غائب ہوگیا لیکن جانی کو الجھن میں چھوڑ گیا یہ پہلا موقع تھا کہ جانی کالے شاہ کی باتوں سے مطمئن نہیں ہوا تھا وہ اٹھا اور اپنی بیرک کی طرف چل پڑا بیرک کے قریب اسے عبدالغفور نظر آیا جانی اس کے قریب جاکر بولا عبدالغفور معاف کرنا اس وقت میرا دماغ ٹھکانے پر نہیں تھا مجھے اپنا تعارف کرانے کا خیال نہیں رہا میرا نام جان بخش ہے شہر میں میری کپڑے کی دکان ہے عبدالغفور اس کے گلے میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ میں تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ تم کام کے آدمی ہو یہاں کیسے آنا ہوا جانی نے بدمعاشوں کی طرح گردن پھلا کر کہا۔ وہ اپنا سسر میری جان کو آگیا تھا میں نے اس کا جھٹکا کر دیا اس کی اکلوتی بیٹی فاطمہ بیگم میری بیوی ہے بڈھے کا مال و متاع سب میرا ہے کبھی کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتانا میرا منشی ایک آدھ بار چکر لگاتا ہے عبدالغفور خوش ہو کر بولا۔

زندہ باد زندہ باد آؤ چل کر روٹی ٹکر تو کھائیں ضرورتیں تو پوری ہوتی رہتی ہیں اچانک جانی نے ہیرا لال کو بیرک سے نکلتے دیکھا اس نے عبدالغفور سے کہا عبدالغفور ذرا میرے ساتھ آنا وہ عبدالغفور کا ہاتھ پکڑے پکڑے تیزی سے آگے بڑھا اور تحکمانہ لہجے میں ہیرا لعل کو آواز دی ہیرا لعل رک گیا اور بھنویں سکیڑ کر جانی کی طرف دیکھنے لگا جانی کے ساتھ عبدالغفور کی موجودگی نے اس کو الجھن میں ڈال دیا تھا عبدالغفور چپ چاپ قسم کا بدمعاش تھا وہ از خود کبھی کسی کے ساتھ نہیں الجھتا تھا لیکن اگر کوئی اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتا تو بچ کر نہ جاتا تھا وہ اس کی اچھی خاصی مرمت کرڈالتا تھا۔ ایک منٹ جانی عبدالغفور کا ہاتھ چھوڑتا ہوا بولا میں ذرا اس چڑی مار سے نمٹ لوں اس کے بعد وہ آگے بڑھا ہیرا لعل کو دو ٹھوس قسم کی گالیاں دیں اور بڑے زور سے اس کے پیٹ میں گھٹنا رسید کیا۔ ہیرا لعل تکلیف سے دوہرا ہوگیا لیکن فوراً ہی سنبھلا اور جوابی حملہ کیا لیکن جانی اس وار کو بچا گیا پھر اس نے گالیوں تھپڑوں اور لاتوں سے ہیرا لعل کی مرمت شروع کردی۔ ہیرا لعل نے چند لمحوں تک مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن جلد ہی ہمت ہار بیٹھا اور زمین پر گر گیا۔ اتنے میں اس کا ساتھی گلاب دین بھی وہاں پہنچ گیا وہ جانی کی تیزی دیکھ

کر لمحہ بھر کے لئے سناٹے میں آ گیا پھر اپنے ساتھی کی مدد کے لئے آگے بڑھا لیکن عبدالغفور نے اس کا کندھا تھپتھپا کر اپنی طرف متوجہ کیا اور کہا تم ذرا صبر کرو گلاب دین میاں جان بخش اپنا آدمی ہے۔ جان بخش نے گلاب دین کو بھی دیکھ لیا تھا وہ ہیرا لعل سے فارغ ہو کر گلاب دین کی طرف مڑا گلاب دین عبدالغفور کی طرف دیکھتا ہوا ایک قدم پیچھے ہٹ گیا عبدالغفور نے جانی کو اشارہ کیا کہ گلاب دین کو کچھ نہ کہے جانی کا غصہ کافی حد تک ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ اس نے گلاب دین پر ہاتھ تو نہیں اٹھایا لیکن دو چار گالیاں نکالنے کے بعد بولا گلاب دین نام تو میرا میاں جان بخش ہے لیکن میرے علاقے کے لوگ مجھے جانی بدمعاش بھی کہتے ہیں تیرے جیسے تو میں جیب میں لئے پھرتا ہوں آج تم استاد عبدالغفور کی وجہ سے بچ گئے ہو ورنہ میں نے تم دونوں کی ٹانگیں توڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ہماری ٹانگیں اتنی کچی نہیں ہیں جانی بدمعاش گلاب دین نے محتاط لہجے میں کہا عبدالغفور اگر تمہارا دوست ہے تو ہمارا بھی دشمن نہیں ہے خیر کوئی بات نہیں ملاقات ہوتی رہے گی اس نے ہیرا لعل کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور ایک طرف چل دیا اس کے جانے کے بعد عبدالغفور نے جانی سے کہا۔

یہ آدمی اچھا نہیں ہے اس سے محتاط رہنا۔ جیسا کہ کالے شاہ نے کہا تھا تھوڑے دن کے بعد جانی کا دل جیل میں لگنا شروع ہو گیا اس نے دیکھا کہ جیل میں پیسے والوں کی بڑی عزت تھی وہاں ہر قسم کا دھندہ چلتا تھا ماچس سے لے کر افیون تک جیل میں فروخت ہوتی تھی بعض قیدی تو پھیری لگا کر چیزیں فروخت کرتے تھے وہاں جوا بھی چلتا تھا شراب بھی چلتی تھی سگریٹ پان اور اچھا کھانا بھی مل جاتا تھا جانی کے اندازے کے مطابق جیل میں دھندا کرنے کے لئے تین چیزیں ضروری تھیں اول دولت' دوم جیل کے عملے کا تعاون اور سوم لفنگوں کا ایک ٹولہ۔ جانی کے پاس دولت موجود تھی اس نے آہستہ آہستہ جیل کے سپرنٹنڈنٹ کو اپنے اعتماد میں لینا شروع کر دیا اس نے اپنے منشی کے ذریعے اس کے لئے تحائف منگوانے شروع کر دیئے کبھی شراب کی بوتل' کبھی سگریٹ' کبھی کپڑا اور کبھی پرفیوم وغیرہ سپرنٹنڈنٹ جانی پر بہت مہربان نظر آنے لگا جانی جیل کے نچلے عملے کا بھی خیال رکھتا تھا اور انہیں بھی کچھ نہ کچھ دیتا رہتا تھا دوسری طرف اس نے عبدالغفور کی مدد سے لفنگوں کا ایک ٹولہ بھی جیل میں بنالیا۔ کچھ ہی عرصے بعد اس نے جیل کے اندر مختلف کاروبار شروع کر دیئے اور یہ کاروبار زیادہ تر نشے سے تعلق رکھتے تھے ان میں سگریٹ' افیون' شراب اور چرس کے کاروبار نمایاں تھے اس کام کے لئے اس کا منشی بہت مفید آدمی ثابت ہوا باہر کا سارا کاروبار اور پیسے کا لین دین منشی کے ذریعے ہوتا تھا دولت سنبھالنے

کے لئے جانی کی بیوی فاطمہ موجود تھی جانی کے جیل جانے کے بعد اس نے ایک صحت مند بیٹے کو جنم دیا جس کا نام اس نے دانیال رکھا جانی کو باپ بننے کی کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی تھی اس کا زیادہ دھیان کاروبار کی طرف تھا جو رفتہ رفتہ بڑھتا جا رہا تھا کاروبار کی ترقی کے ساتھ اس کے رابطے بھی وسیع ہو رہے تھے اس کے دوستوں میں یا تو رشوت خور سرکاری افسر شامل تھے اور یا پھر کالا دھندہ کرنے والے لوگ۔ چند سالوں کے بعد جانی جیل کا سب سے بااثر شخص سمجھا جانے لگا اسے جیل کے اندر ہر قسم کا آرام میسر تھا جیل کا نچلا عملہ اور بیشتر قیدی ہر وقت اس کی خدمت کے لئے مستعد نظر آتے تھے اس نے اپنے کام کے لئے جیل میں باقاعدہ تنخواہ دار ملازم رکھے تھے اس کا دعویٰ تھا کہ وہ جیل کے اندر دنیا کی ہر چیز مہیا کر سکتا ہے بشرطیکہ اسے مطلوبہ قیمت مل جائے جیل سے رہا ہو کر جانے والے قیدی اس کے لئے کام کرنے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ کاروبار میں وسعت کے مطابق جانی نے علم حاصل کرنا بھی شروع کر دیا تھا جیل کے اندر پڑھے لکھے لوگ بھی مل جاتے تھے جانی نے اپنے لئے کتابیں منگوائی تھیں جنہیں وہ تعلیم یافتہ قیدیوں کی مدد سے پڑھتا تھا چند سالوں بعد ایک کالج پروفیسر جیل میں آ گیا۔ اسے کسی سیاسی جرم کی بنا پر پانچ سال کی سزا قید ہوئی تھی وہ خاصا ذہین اور قابل شخص تھا جانی نے اس سے باقاعدہ ٹیوشن پڑھنا شروع کر دیا وہ چند ہفتوں تک جانی کے معمولات کا جائزہ لیتا رہا ایک دن اس نے کہا۔

"جان بخش میں تمہارا استاد ہوں اور استاد کی حیثیت سے تمہیں چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔" جانی سمجھ گیا کہ پروفیسر اسے نصیحت کرنا چاہتا ہے اس نے کہا پروفیسر صاحب پہلے میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں میں نے سنا ہے کہ آپ کو پانچ سال کی قید ہوئی ہے آپ یہ بتایئے کہ کیا سزا انصاف کے مطابق دی گئی ہے اور کیا واقعی آپ مجرم ہیں؟ پروفیسر صاحب نے جواب دینے میں تھوڑا سا تامل کیا اور پھر بولے۔ حکومت کے نقطۂ نظر سے یہ سزا انصاف کے مطابق دی گئی ہے لیکن میں اس بات سے متفق نہیں ہوں میرے خیال میں سزا غلط دی گئی ہے۔ پروفیسر صاحب میں نے آپ سے ایک سیدھا سا سوال کیا تھا مگر آپ نے جواب سیدھا نہیں دیا آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ انصاف کا مطلب اچھی طرح جانتے ہوں گے میں نے آپ سے حکومت کا نقطۂ نظر یا آپ کا خیال نہیں پوچھا انصاف کی بات پوچھی ہے۔ یہ پوچھا ہے کہ یہ سزا انصاف کے مطابق ہے یا نہیں؟ پروفیسر نے تعریفی انداز میں جان بخش کو دیکھا اور بولا۔ جان بخش تم ذہین آدمی ہو تمہارے سوال میں ذہانت چھپی ہوئی ہے بہرحال تمہارے سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ میری سزا انصاف کے مطابق نہیں ہے۔ دراصل میرا حکومت کے ساتھ اختلاف

ہے میں اس حکومت کو ہی تسلیم نہیں کرتا۔ اب آپ اپنی بات کریں جانی نے کہا میں سننے کے لئے تیار ہوں۔ جان بخش میں تمہارے کاروبار کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ پروفیسر نے کہا تم جس قسم کے کاروبار کر رہے ہو وہ اچھے کاروبار نہیں ہیں میں نے دیکھا ہے کہ تم افیون' شراب اور چرس قیدیوں کو فراہم کرتے ہو اس کے علاوہ تم جیل میں جوا بھی چلاتے ہو میں تمہیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ سب، مردم آزار چیزیں ہیں ان سے انسان کی صحت اور اخلاق برباد ہوتے ہیں تم کوئی اچھا کاروبار بھی کرسکتے ہو۔ جانی نے قہقہہ لگایا اور پھر بولا پروفیسر صاحب میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں جناب میں اچھا کاروبار ہی تو کر رہا ہوں میرے نزدیک سب سے اچھا کاروبار وہ ہے جس میں زیادہ نفع ہو اور رہی مردم آزاری کی بات تو میں کسی کو زبردستی کوئی چیز نہیں دیتا جو لوگ یہ چیزیں خریدتے ہیں وہ پہلے ہی سے ان چیزوں کے عادی ہیں۔ میں یہ کاروبار بند کردوں گا تب وہ کسی دوسرے ذریعے سے یہ چیزیں خریدنا شروع کر دیں گے۔ ان کی برائی ان کے سر پر پڑے گی، تم کیوں گناہ گار بنتے ہو۔ جانی نے مضحکہ خیز لہجے میں کہا۔ ہوں مجھے معلوم تھا کہ آپ اسی طرف سے آئیں گے گناہ اور ثواب کے مسئلے کی طرف' ذرا یہ تو بتائیے کہ یہ گناہ چیز کیا ہے اور اس کا نقصان کیا ہے؟

گناہ اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے اپنے لئے فائدہ مند اور کسی دوسرے انسان کے لئے نقصان دہ ہو اور گناہ کا پہلا نقصان یہ ہے کہ گناہ کرنے والے کو کبھی اس دنیا میں اور کبھی دوسری دنیا میں گناہ کی سزا ضرور ملتی ہے۔ دوسری دنیا کی بات تو چھوڑ دیں۔ جانی نے کہا دوسری دنیا نہ آپ نے دیکھی اور نہ میں نے دیکھی رہا اس دنیا کا نقصان تو فی الحال میں نفع میں جارہا ہوں جس دن نقصان ہوا اس دن میں یہ کاروبار چھوڑ دوں گا ابھی تو میرا کاروبار اچھا جارہا ہے۔ جان بخش تم خود کو فریب دے رہے ہو جس چیز کو تم نفع سمجھ رہے ہو وہ نفع نہیں ہے صرف دولت کما لینا ہی نفع نہیں ہے بعض چیزیں صرف وقتی طور پر اچھی لگتی ہیں لیکن انجام کار نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں ناسور بن کر انسان کے بدن میں پھیل جاتی ہیں اس کی زندگی کو عذاب بنا دیتی ہیں اس لئے وقتی لذت پر مطمئن نہیں ہونا چاہئے اور یہ تمہیں کس نے کہا ہے کہ دوسری دنیا موجود نہیں ہے اگر دوسری دنیا کا تصور ختم ہوجائے تو انسان حیوانوں سے بدتر ہوجائے۔ یہ دوسری دنیا اور جزا اور سزا کا خوف ہی تو ہے جو بہت سارے انسانوں کو ظلم اور ناانصافی سے روکے ہوئے ہے۔ بس پروفیسر صاحب جانی نے کہا میں یہ مضمون نہیں پڑھنا چاہتا اگر میں ان باتوں کو ماننے والا ہوتا تو اب کہیں ذلت کی زندگی گزار رہا ہوتا ان باتوں کو آپ اپنے پاس ہی رکھیں۔ تم تو واقعی

ایک بے خبر انسان ہو تمہیں یہی معلوم نہیں کہ ذلت کی زندگی کیا ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور ذلت کیا ہوسکتی ہے کہ انسان قتل کے الزام میں اندر بند ہو اور ہر ناجائز کام کر رہا ہو پروفیسر کو غصہ آگیا تھا۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ تمہارے غنڈے غریب اور کمزور قیدیوں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں چند روز پہلے تمہارا ایک ساتھی ایک غریب آدمی کو صرف اس لئے مار رہا تھا کہ اس نے سگریٹ کی قیمت پر اعتراض کیا تھا اور ایسی باتیں اکثر ہوتی رہتی ہیں۔

پروفیسر صاحب آپ میرے استاد ہیں اس لئے میں آپ کی سخت باتوں پر زیادہ احتجاج نہیں کروں گا آپ جس بات کو ذلت سمجھتے ہیں میں اس کو ذلت نہیں سمجھتا آدمی کو قتل کرنا ذلت نہیں عزت کی بات ہے آپ کو یہ بات ضرور معلوم ہوگی کہ انگریزوں نے اس ملک پر قابض ہونے کے لئے کتنے ہندوستانیوں کو قتل کیا تھا آج انہی مقتولین کی اولادیں ان کے گن گاتی ہیں اور انگریز افسروں کو دبک دبک کر سلام کرتی ہیں اور آپ اسی جیل میں ہیں کہ آپ انگریزوں کو غاصب سمجھتے ہیں اس جیل کا سارا عملہ ہندوستانی ہے ذرا ایک شخص کا نام تو لیں جو آپ کی اس قربانی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہو۔ وہ تو آپ کو صرف ایک قیدی سمجھتے ہیں انہیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ ایک ہندوستانی محبت وطن کو غاصب انگریزوں نے صرف اس لئے جیل میں بند کر دیا ہے کہ وہ وطن کی آزادی کی باتیں کرتا ہے۔

یہ الگ بات ہے پروفیسر نے کہا جب کوئی قوم کسی ملک پر قابض ہوتی ہے تو اسی کا قانون چلتا ہے۔ جانی چلایا بات انصاف کی نہیں قابض ہوجانے کی ہے اس وقت جیل کے اندر کے کاروبار پر زیادہ تر میرا قبضہ ہے جو میرے کام میں رکاوٹ بنے گا میں اس کے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو انگریز قابضین پروفیسر جیسے محب وطن لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں آپ ہی نے مجھے بتایا کہ اٹھارہ سو ستاون میں گوروں کے خلاف جو کارروائی کی گئی تھی اسے غدر اور بغاوت کہا جاتا ہے حالانکہ غاصبوں کے خلاف جنگ کرنا تو نیکی ہے جناب پروفیسر صاحب اس دنیا میں طاقت کا قانون چلتا ہے جس کے ساتھ طاقت ہو اسی کا قانون چلتا ہے اور یہ بات آپ بھی جانتے ہیں۔ جان بخش تم غلط مثالیں دے رہے ہو۔ پروفیسر صاحب آپ دیکھنا میں بڑا آدمی بن کر جیل سے نکلوں گا لوگ آج بھی جھک کر مجھے سلام کرتے ہیں کل بھی جھک کر سلام کریں گے لیکن پروفیسر آپ جیسے محب وطن افراد کی قبر پر کوئی کتبہ بھی نہیں لگاتا۔ پروفیسر غصے سے اٹھ کر چلا گیا اس کے جاتے ہی سفید شاہ جانی کی داہنی طرف آن کھڑا ہوا اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ ارے جانی ملعون اس نے

برہمی سے کہا تیرے پاس چار پیسے کیا آگئے ہیں تُونے خود کو طرم خان سمجھ لیا ہے فضول مثالوں سے اپنے استاد کو ناراض کر دیا ہے۔ جانی نے اس سے پہلے سفید شاہ کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا وہ بولا دیکھو سفید شاہ میرے ساتھ تمیز سے بات کر میں کسی طرم خان سے کم بھی نہیں ہوں میں نے کون سی فضول مثال دی ہے۔ چہ پدی چہ پدی کا شوربہ سفید شاہ نے کہا گنگو تیلی کی اولاد کہاں تیرا کام دھندا اور کہاں انگریز کی حکومت' ذرا چل پھر دیکھ کہ انگریز نے اس ملک کی بھلائی کے لئے کتنے کام کئے ہیں اور تو ان بگڑے ہوئے لوگوں کو چرس اور افیون پلا کر نہ صرف اور بگاڑ رہا ہے بلکہ تباہ بھی کر رہا ہے سفید شاہ میری نظروں سے دور ہوجا۔ جانی نے غصے سے کہا مجھے تیری باتیں بہت بری لگتی ہیں تُو میری دولت سے جلتا ہے ذرا آنکھیں کھول کر دیکھ کر کالے شاہ نے مجھے کیسے نوازا ہے۔ میں تیری دولت دیکھ کر اس لئے جلتا ہوں کہ کسی دن یہ دولت تجھے بہت جلائے گی اب بھی وقت ہے اپنا راستہ بدل لے اس دن کا تصور کر جب تیری ہڈیوں کے کھڑکھڑانے کی آواز آئے گی۔ جانی نے کھڑے ہو کر سفید شاہ کی پسلیوں پر ایک رائٹ ہک رسید کیا اور بولا بھاگ یہاں سے تیری یہ حسرت کبھی پوری نہیں ہوگی میں بہت مضبوط ہڈی کا آدمی ہوں۔ سفید شاہ کراہتا ہوا واپس چلا گیا۔

جی خوش کر دیا پیارے۔ جانی نے بائیں طرف سے ایک سریلی آواز سنی اس نے سر گھما کر دیکھا تو کالے شاہ اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ یہاں موجود تھا۔ سفید شاہ ایسے ہی سلوک کا مستحق تھا اس کی باتوں پر زیادہ غور نہ کیا کر مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو اس سے متاثر ہو کر اپنی دنیا خراب نہ کرلے۔ اے کالے شاہ تم کب آئے۔ میں ہر وقت تمہارے ساتھ رہتا ہوں کالے شاہ نے کہا آج تم نے پروفیسر کو خوب لاجواب کیا اس کو زیادہ ناراض نہ کرنا یہ قلاش قسم کا دانشور ہے اس کے گھر میں آج کل بڑی تنگی ہے تین جوان لڑکیاں گھر میں بیٹھی ہیں اور آمدنی کے سارے راستے بند ہیں دو چار روز کے بعد اس کی بیوی ملاقات کے لئے آئے گی اور اسے بتائے گی کہ کس کس کا کتنا کتنا قرض ہوگیا ہے تم اس موقع سے فائدہ اٹھا سکتے ہو جب پروفیسر کی بیوی ملاقات کے لئے آئے تو کچھ رقم اس کی مٹھی میں دے دینا اگر وہ تکلف کرے تو کہہ دینا کہ تم پروفیسر کے شاگرد ہو اور فقط حق شاگردی ادا کر رہے ہو۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو کالے شاہ؟ جانی نے کہا' کیا تم نے یہ نہیں کہا کہ میں غریبوں پر اپنا مال ضائع نہ کروں میں تمہیں غریب پروفیسر پر مال خرچ کرنے کی تلقین نہیں کر رہا کالے شاہ ایک آنکھ دباتا ہوا بولا بلکہ پروفیسر کے دربار حسن میں باریابی کا راستہ دکھا رہا ہوں میرا اشارہ سمجھ رہے ہو نا جانی آہستہ آہستہ سر ہلانے لگا وہ کالے شاہ کا

اشارہ بخوبی سمجھ گیا تھا۔ چند روز کے بعد جب پروفیسر کی بیوی اپنے شوہر سے ملاقات کرنے آئی تو جانی بھی پروفیسر کے ہمراہ کمرہ ملاقات میں پہنچ گیا اس نے دیکھا پروفیسر کی دبلی پتلی بیوی سوتی ساڑھی میں ملبوس تھی اور اس کے چہرے پر پریشانی کی ان گنت لکیریں نظر آرہی تھیں جانی کچھ دور ہٹ کر کھڑا رہا تاکہ دونوں میاں بیوی پرائیویٹ گفتگو کرلیں پھر وہ آگے بڑھا پروفیسر کی بیوی کو سلام کیا اور اپنا تعارف کرایا پروفیسر نے اس کا مزید تعارف کراتے ہوئے کہا بیگم جان بخش میرا شاگرد اور قید خانے کا سب سے مشہور قیدی ہے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے جیل کو کبھی جیل نہیں سمجھا اس کی بیوی نے پوچھا۔ "بیٹا تم کس جرم میں سزا کاٹ رہے ہو۔"

جانی نے پُر خیال نظروں سے پروفیسر کی طرف دیکھا پھر چہرے پر مظلومیت طاری کرتے ہوئے بولا۔

"جیل کے ریکارڈ کے مطابق اپنے سسر کے قتل کے جرم میں سزا کاٹ رہا ہوں۔"

لیکن اس نے چالاکی سے آنکھیں گھمائیں اصل حقیقت صرف تین آدمی جانتے ہیں میں' میرا دوست جاوید اور میری بیگم۔ جانی نے آنکھیں جھکائیں اور بولا۔ پروفیسر صاحب آپ جیسے نامور پروفیسر کے ساتھ ناانصافی ہوسکتی ہے تو مجھ غریب کے ساتھ کیوں نہیں ہوسکتی۔ حیرت ہے تم نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی۔ کیا فائدہ ہوتا کیا آپ میری سزا معاف کرا دیتے۔ سزا تو خیر معاف نہ کراسکتا لیکن کم از کم مجھے سزا تو معلوم ہوجاتی۔ جیل میں آنے سے پہلے میں ایک بدھو سا انسان تھا جانی نے جھوٹ بولا میں دنیا کی چال بازیوں سے واقف نہیں تھا یہاں آکر مجھے معلوم ہوا کہ جو جتنا بڑا مجرم ہے اس کی اتنی ہی عزت ہوتی ہے اور مسکین کو ٹھوکریں پڑتی ہیں چنانچہ میں نے سوچا کہ میں قاتل تو نہیں ہوں لیکن چونکہ یہاں قاتل کی زیادہ عزت ہوتی ہے اس لئے اپنی صفائی پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے اور آپ دیکھ سکتے ہیں کہ قیدی میری عزت کرتے ہیں۔ پروفیسر اس کی تھیوری سے متعلق نہیں تھا پھر اس نے اپنی بیوی کے سامنے اس موضوع پر گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھا اس نے کہا۔

"تم نے اصل قاتل کو پولیس کے حوالے کیوں نہ کیا۔"

لیکن اصل قاتل کون تھا؟ اس کی بیوی نے پوچھا۔ پروفیسر چونک کر بولا۔ میں بتاتا ہوں کہ اصل قاتل کون تھا بقول جان بخش صرف تین آدمی اصل حقیقت جانتے ہیں جن میں یہ خود بھی شامل ہے لیکن اس نے قتل نہیں کیا اس کی بیوی بھی قاتل نہیں ہوسکتی کوئی عورت اپنے باپ کو قتل نہیں کرسکتی اب صرف ایک ہی شخص باقی رہ جاتا ہے اور وہ ہے اس کا دوست جاوید کیوں جان بخش کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟ جان بخش نے عیاری

سے کہا۔

پروفیسر صاحب دوستی نبھانا آسان کام نہیں ہے۔ اس کی ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا جانی کی وجہ سے محافظوں نے کچھ نہیں کہا تھا جب اس کی بیوی جانے لگی تو جانی نے کچھ نوٹ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ ارے بیٹا اس کی کیا ضرورت تھی اس کی بیوی نے رسمی تکلف کیا تمہیں تو خود پیسوں کی ضرورت ہوگی۔ میں پروفیسر صاحب کا شاگرد اور آپ کا بیٹا ہوں۔ جانی نے کہا یہ حقیر سا نذرانہ چاہے شاگرد کی طرف سے سمجھ لیں اور چاہے بیٹے کی طرف سے اگر آپ انکار کریں گی تو مجھے دکھ ہوگا پروفیسر کی بیوی ضرورت مند تو تھی ہی اس نے پیسے لے لئے اور جانی کو دعائیں دیتی ہوئی رخصت ہوگئی اگلے ماہ جانی نے کچھ زیادہ پیسے دیئے اور ہر ماہ باقاعدگی سے پیسے دینے لگا پروفیسر اس صورت حال سے بہت پریشان تھا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے اس کے گھر کے اخراجات کا مسئلہ تو حل ہوگیا تھا لیکن اس کے خیال میں اس طرح پیسے لیتے رہنا مناسب نہیں تھا۔

جانی اس کی بیوی کو جو رقم دیتا تھا وہ ٹیوشن کے حساب سے بہت زیادہ تھی اور یہ مدد وہ کالے شاہ کے اشارے پر کر رہا تھا۔ چند ماہ کے بعد پروفیسر نے اس سے کہہ ہی دیا کہ وہ اس طرح کب تک ان کی مدد کرتا رہے گا جانی اسی بات کا منتظر تھا اس نے کہا۔

پروفیسر صاحب آپ جیل میں پڑے ہیں آپ کے گھر میں کوئی کمانے والا نہیں میں یہ تو پسند نہیں کرسکتا کہ میرے ہوتے ہوئے میرے استاد کی نوجوان بیٹیاں کمانے کے لئے باہر نکلیں مجھے معلوم ہے کہ آپ بہت غیرت رکھنے والے انسان ہیں اور ہاتھ پھیلانا پسند نہیں کرتے۔ اس نے سوچنے کی اداکاری کی تو ایسا کر لیتے ہیں کہ اس رقم کو قرض حسنہ میں شمار کر لیتے ہیں آپ رہا ہونے کے بعد قرضہ اتار دینا۔ پروفیسر کو یہ تجویز مناسب معلوم ہوئی۔ جانی چونکہ خرانٹ آدمی تھا جو رقم اس کی بیگم کو دیتا اس کی رسید لکھوا لیتا بلکہ اس نے ان رقوم کی رسیدیں بھی لکھوا لیں جو اس نے اس تجویز سے پہلے دی تھیں اس دوران اس نے پروفیسر کے گھریلو حالات کے بارے میں معلومات بھی حاصل کر لی تھیں پروفیسر کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا سب سے چھوٹی بیٹی کی عمر تیرہ سال تھی اس کا نام نوشین تھا اور بتانے والے نے جانی کو بتایا تھا کہ وہ ایک شعلہ رخ اور سیمیں بدن لڑکی ہے چند سالوں کے بعد وہ ایسا رنگ و روپ نکالے گی کہ لوگ اسے دیکھ کر راستہ بھول جایا کریں گے۔ وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ پروفیسر کی قید جانی سے پہلے ختم ہوگئی اور وہ جانی کو ملنے کی تاکید کرکے جیل سے رخصت ہوگیا۔ اس کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد جانی کو

بھی رہائی کا پروانہ مل گیا اس نے تقریباً سوا گیارہ سال جیل میں گزارے تھے اور اس دوران میں اس نے بہت بڑی دولت کمائی تھی رہا ہونے سے قبل اس نے اپنے تمام کاروبار سمیٹ لئے تھے قیدیوں نے اسے بڑی گرم جوشی سے رخصت کیا تھا جیل کا عملہ اس کی رہائی پر خاصا افسردہ تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ جانی کے جانے کے بعد وہ بہت بڑی آمدنی سے محروم ہوجائیں گے۔ جانی نے جب جیل سے باہر قدم رکھا تو اس کے کئی ساتھی اور ملازم اس کے استقبال کے لئے موجود تھے موسم بہار تھا اور اس زمانے میں ہندوستان کے معاشی حالات خاصے بہتر تھے جانی اس وقت چھتیس برس کا ایک خوش شکل اور وجیہہ شخص تھا۔ اسیری کے دوران اس نے دولت اور تجربے کے علاوہ بھی بہت کچھ حاصل کیا تھا اور کالے شاہ کے الفاظ میں وہ ایک پختہ کار بندہ کالے شاہ بن گیا تھا مکاری بے رحمی اور ہوا وہوس اس کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ جانی کی رہائی کی سب سے زیادہ خوشی فاطمہ کو تھی اس روز اس نے اپنی شادی کا جوڑا زیب تن کیا تھا اور گیارہ سال کے بعد پہلی مرتبہ میک اپ کیا تھا اس کا بیٹا دانیال جو اس وقت گیارہ سال کا ہوچکا تھا اپنے باپ سے ملنے کے لئے بہت بے چین تھا فاطمہ نے اسے یہی بتایا تھا کہ اس کا باپ ملک سے باہر گیا ہوا ہے اور واپسی پر اس کے لئے بہت ساری چیزیں لائے گا۔

جانی اپنے چند جیل کے دوستوں کے ہمراہ گھر پہنچا دوستوں کو اس نے بیٹھک میں بٹھایا اور اندر جاکر اپنی بیوی اور بیٹے سے ملا بلکہ تنقیدی نظروں سے دونوں کا جائزہ لیا فاطمہ بیگم جس کے چہرے پر شادی کے بعد کچھ رونق آئی تھی گیارہ سالوں کے دوران خاصی کمزور ہوگئی تھی اس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ ہوچکی تھی جانی نے دیکھا کہ وہ ادھیڑ عمر کی ایک بے کیف سی عورت لگ رہی تھی اس کا بیٹا بھی اپنی ماں پر گیا تھا وہ لمبوترے چہرے والا ایک دبلا پتلا اور سہما ہوا سا لڑکا تھا اس نے بڑے ادب سے کہا۔ ابا سلام آپ میرے لئے کیا لائے ہیں؟ جانی نے تیز نظروں سے اسے گھورا اور کہا ادھر آ یہ تجھے کیا ہوا ہے تو اتنا ڈرا ڈرا سا کیوں ہے تیری ماں تجھے کھانے کو دیتی ہے یا نہیں؟ دانیال نے اپنے باپ کا جو تصور دل میں قائم کر رکھا تھا جانی اس سے بالکل مختلف تھا۔ وہ جھجکتا ہوا آگے بڑھا اور بولا میں روزانہ روٹی کھاتا ہوں اور سکول جاتا ہوں۔ جانی نے زور دار قہقہہ لگایا پھر فاطمہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ میرا لال تو خوب باتیں کرتا ہے روٹی بھی کھاتا ہے اور سکول بھی جاتا ہے اور کیا کرتے ہو منے میاں؟ اور نماز اور سپارے بھی پڑھتا ہوں دانیال نے کہا سورہ فاتحہ سناؤں آئے ہائے جانی نے برا سا منہ بنایا منہ کا ذائقہ خراب کر دیا جبھی تو نوزائیدہ چوزہ لگ رہا ہے ہونہہ مجھے پہلے ہی ڈر تھا کہ تیری ماں نے تجھے غلط

راستوں پر لگادیا ہو گا فاطمہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی توبہ' توبہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں جانی نے جیب سے چند سکے نکال کر دانیال کو دیئے اور بولا۔ جا اپنے لئے بازار سے کوئی چیز خرید لا دانیال نے پیسے مٹھی میں دبائے اور باہر بھاگ گیا جانی فاطمہ کی طرف متوجہ ہوا تو فاطمہ بیگم بہت بناؤ سنگھار کر رکھا ہے تُو نے فاطمہ شرما کر بولی۔

"آپ کی رہائی کی خوشی میں تھوڑا سا سنگھار کر لیا۔" گیارہ سال کی طویل جدائی میں ایک ایک دن اس نے جس کرب میں گزارا تھا وہ اس کا حال وہی جانتی تھی جدائی کی سیاہ راتیں اب ختم ہو چکی تھیں اور ملاپ کا وہ دل شاد موقع اس کی نظروں کے سامنے تھا جس کے لئے اس نے جانے کیسے کیسے خواب دیکھے تھے اس نے سوچا تھا کہ وہ اپنے محبوب شوہر کے کندھے پر سر رکھ کر خوب روئے گی اور جب جانی یہ کہے گا کہ وہ جیل میں ہر لمحہ اسے یاد کرتا رہتا تھا تو وہ جدائی کے سارے غم بھول جائے گی لیکن جانی دور ہی کھڑا رہا پیسے ویسے تو سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں نا تم نے اس نے کہا۔ فاطمہ کے دل پر چوٹ لگی۔ کیا اس کے شوہر کے پاس اس کے لئے محبت کے دو بول بھی نہیں ہیں۔

جی ہاں اس نے ہولے سے جواب دیا پیسے سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں وہ شوہر کے قریب ہوتے ہوئے بولی' پوچھیں تو میں نے آپ کے لئے کیا پکایا ہے۔ اس وقت پوچھنے کی فرصت نہیں ہے جانی نے کہا بیٹھک میں میرے چند دوست بیٹھے ہیں ان کے لئے شربت بنا کر لے آ۔ میں لے آؤں فاطمہ نے حیرانی سے کہا آپ کو تو معلوم ہے کہ میں پردہ کرتی ہوں۔ اری چھوڑ جانی نے ہاتھ لہرایا اب اس بڑھاپے میں تُو کیا پردہ کرے گی اچھا خیر شربت بنا کر ادھر رکھ دینا اور مجھے آواز دے دینا میں خود ہی اٹھا کر لے جاؤں گا۔ وہ واپس مڑا اور بیٹھک میں چلا گیا فاطمہ بیگم کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سینے میں کوئی شے چیخ گئی ہو وہ بوجھل قدموں سے باورچی خانے میں گئی اور شربت بنانے لگی۔ پھر دن بھر یہی ہوتا رہا جانی کے دوست آتے رہے اور فاطمہ بیگم ان کے لئے شربت چائے اور کھانا پکاتی رہی باورچی خانے کے دھوئیں میں اس کا میک اپ دھواں دھواں ہو گیا جو آنسو وہ اپنے شوہر کے کندھے پر بہانا چاہتی تھی وہ چولہے کی راکھ میں جذب ہو گئے جانی نے رات کا کھانا بھی اپنے دوستوں کے ساتھ کھایا رات کو گیارہ بجے وہ اپنے دوستوں سے رخصت ہو کر اپنی خواب گاہ میں پہنچا اور بستر پر لیٹتے ہی خراٹے لینے لگا۔ فاطمہ بیگم نے اپنا عروسی جوڑا اتار پھینکا اور سادہ کپڑے پہن کر اپنے بستر پر جا لیٹی۔ جانی ساری رات خراٹے لیتا رہا اور فاطمہ اپنے بستر پر کروٹیں بدلتی رہی وہ یہ سوچ کر خود کو تسلی دیتی رہی کہ اس کے شوہر کو طویل عرصے کے بعد گھر کا آرام ملا تھا نیز وہ سارا دن مصروف بھی رہا تھا اس لئے لیٹتے

ہی اسے نیند آ گئی لیکن حقیقت یہ تھی کہ جانی کے تصور میں پروفیسر کی حسین صاحبزادی نوشین سمائی ہوئی تھی اب وہ انیس سال کی ہو چکی تھی اور سراپا حسن و جمال تھی۔ رہائی کے تیسرے دن جانی تیار ہو کر پروفیسر کے گھر پہنچ گیا وہ اپنے ساتھ کچھ تحائف بھی لے گیا تھا پروفیسر ہنوز مالی بحران میں مبتلا تھا اس کی پہلی نوکری ختم ہو چکی تھی اور ابھی تک کوئی معقول نوکری نہیں مل سکی تھی۔ پروفیسر اور اس کی بیوی نے بڑی گرم جوشی سے اس کی پذیرائی کی اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اس کے لئے چائے بنائی اور باہم دلچسپی کی باتیں کرنے لگے۔ جانی نے محسوس کیا کہ پروفیسر اسے دیکھ کر پریشان نظر آنے لگا تھا وجہ بڑی واضح تھی پانچ سال کا قرضہ ادا کرنا آسان بات نہیں تھی جانی نے یہ بھی محسوس کیا کہ پروفیسر کی بیوی کی گفتگو میں خوشامدانہ رنگ جھلکتا ہے۔ پروفیسر چونکہ جیل کے اندر جانی کے رنگ ڈھنگ دیکھ چکا تھا اس لئے وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیٹیاں جانی کے سامنے آئیں لیکن جانی تو بقول کالے شاہ کے دربار حسن میں رسائی پانے کے لئے وہاں آیا تھا۔

خالہ بچے کہاں ہیں؟ اس نے مناسب انتظار کے بعد کہا۔ میں ان کے لئے تحائف لایا ہوں۔ ارے بیٹا یہ تکلف تم نے کیوں کیا اس نے جواب دیا ہم تو پہلے ہی تمہارے زیر بار ہیں جانی نے دل میں کہا فکر نہ کر بڑی بی میں تیرا بوجھ ہی ہلکا کرنے آیا ہوں پھر بلند آواز میں بولا واہ خالہ جان بیٹا بھی کہتی ہیں اور بیگانوں جیسی باتیں بھی کرتی ہیں۔ خالہ نے مضمحل نظروں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا پھر بولی تم لے ہی آئے ہو تو میں رکھ لیتی ہوں۔ اوں ہونہہ جانی نے نفی میں سر ہلایا آپ کو نہیں دوں گا اپنے ہاتھوں سے اپنی بہنوں کو دوں گا اس نے اندرونی دروازے کی طرف دیکھا' کہاں ہیں تینوں تعجب ہے بھائی کو سلام کرنے بھی نہیں آئیں شاید شرما رہی ہیں مجھے خود ہی ان کے پاس جانا پڑے گا۔ میاں بیوی نے پریشان نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر پروفیسر بولا۔ تم بیٹھو میں دیکھتا ہوں وہ اٹھا اور بیوی کو اشارہ کرتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا لمحہ بعد اس کی بیوی بھی معذرت کر کے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ جانی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہو گئی اسے یقین تھا کہ پروفیسر اس کی خواہش کو رد نہیں کرے گا وہ جیل کے اندر اس کا رعب اور دبدبہ دیکھ چکا تھا وہ خوب جانتا ہے کہ جانی کسی سے قرض وصول کرنے پر آتا ہے تو ایک سفاک انسان بن جاتا ہے۔ چند منٹوں بعد پروفیسر کی تینوں لڑکیاں شرماتی لجاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں تینوں نے سفید چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور ان کے چہرے پوری طرح نمایاں تھے۔ تینوں دروازے سے چند قدم اندر پہنچ کر رک گئیں اور ایک دوسرے سے سمٹی ہوئی بولیں۔ سلام بھائی جان۔ آداب جانی نے جواب دیا وہ سلام

کا جواب سلام سے نہیں دیتا تھا کیونکہ کالے شاہ کو سلام سے بہت چڑ تھی۔ کیا آپ ہی کے گھر میں مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ تشریف رکھیں۔ لڑکیوں نے سر جوڑ کر کھی کھی کیا اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں جانی اٹھا اور فرشی انداز میں ہاتھ پھیلاتا ہوا بولا۔ جی تو آپ تشریف رکھیں اور باری باری تعارف کرائیں۔ لڑکیاں دروازے کے قریب رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ پروفیسر نے بالوں پر ہاتھ پھیرا کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن کچھ کہے بغیر بند کرلیا اور گہرا سانس لیتا ہوا کمرے سے نکل گیا اس کی بے بسی دیدنی تھی وہ اپنے زمانے کا ایک وضعدار اور قدامت پسند انسان تھا اگرچہ اس کی بیٹیاں پردہ نہیں کرتی تھیں لیکن وہ کبھی کسی نامحرم کے سامنے نہیں آئیں تھیں اور جانی صرف نامحرم ہی نہیں اجنبی بھی تھا اور اچھے کردار کا آدمی بھی نہیں تھا۔ پروفیسر دوسرے کمرے میں جاکر بے چینی کے ساتھ ٹہلنے لگا' اوہ میرے خدا' اس نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا میں نے اپنی بیٹیوں کو ایک بدکردار شخص کے سامنے بٹھا دیا ہے اس سے زیادہ بے غیرتی کی بات اور کیا ہوگی اور کاش میں نے اس شخص سے قرض نہ لیا ہوتا۔

ڈرائنگ روم میں جانی لڑکیوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھا لڑکیوں نے اس کے بارے میں صرف اتنا سنا تھا کہ وہ ایک ہمدرد شخص تھا اور ان کے باپ کی اسیری کے دوران اسی کے طفیل ان کے گھر کا چولہا جلتا تھا لہٰذا وہ اس ہمدرد شخص کے سامنے مجسم ممنونیت بنی بیٹھی تھیں جانی بڑی باریکی سے تینوں کا جائزہ لے رہا تھا جانی نے بڑی لڑکی کی عمر کا اندازہ اٹھائیس سال لگایا وہ ایک قبول صورت لڑکی تھی جانی اس کے لئے ریشمی جوڑا لایا تھا اس نے اپنا جوڑا قبول کرتے ہوئے تشکر کی نظر سے جانی کو دیکھا اور شکریہ بھائی جان کہا۔ دوسری لڑکی اس سے چار سال چھوٹی معلوم ہوتی تھی جانی نے اس کو بھی ریشمی جوڑا دیا اس نے نیچی نظروں سے شکریہ ادا کیا اور منہ چھپا لیا اس کے گالوں پر دانے نکلے ہوئے تھے اور شکل و صورت واجبی سی تھی۔ سب سے چھوٹی نوشین تھی اس کی عمر انیس بیس کے لگ بھگ تھی اور وہ چھریرے بدن کی نہایت حسین اور پرکشش لڑکی تھی شوخ بھی بہت تھی ذرا سی بات پر کھلکھلا کر ہنسنے لگتی تھی۔ جانی اس کے لئے سب سے قیمتی تحفہ یعنی سونے کی چوڑیاں لایا تھا۔ تم ادھر آؤ اس نے نوشین سے کہا کیا نام ہے تمہارا تمہارے لئے تو کوئی تحفہ ہی نہیں بچا۔ کوئی بات نہیں نوشین نے کہا ہمارے گھر میں آپ کے دیئے ہوئے بہت سے تحفے ہیں۔ اٹھ کر سامنے تو آؤ جانی کے لہجے میں ہلکی سی سرزنش تھی دیکھوں تو سہی تمہارے لئے کیا تحفہ موزوں رہے گا۔ پروفیسر کی بیوی ایک طرف بیٹھی پیچ و تاب کھا رہی تھی اور دعا کر رہی تھی کہ جانی جلد یہاں سے اٹھ جائے نوشین

جھجکتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی اور شرماتی لجاتی جانی کے سامنے جا ٹھہری اگرچہ اس نے چادر لپیٹ رکھی تھی لیکن اس کا شعلہ زن سراپا چھپائے نہیں چھپتا تھا اور چادر ڈھلک جاتی تھی جانی اسے دیکھتے ہی نیم بسمل ہوگیا اس کا دل بے قابو ہوگیا اس نے دل ہی دل میں کالے شاہ سے کہا کیا کروں۔ ہاتھ اس سراپا ناز کو چھونے کے لئے بے قابو ہو جا رہے ہیں لیکن اس کی ماں سامنے بیٹھی ہے۔ کالے شاہ نے جواب دیا گھبرا مت پیارے میں نے اسی لئے تمہیں چوڑیاں خریدنے کا مشورہ دیا تھا چوڑیاں پہننے کے لئے تو عورتیں غیر کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کرتی ہیں اور تم تو اتنے غیر بھی نہیں ہو۔ اس مشورے کے ساتھ ہی جانی نے طلائی چوڑیوں کی مخملی ڈبیہ نکالی اسے کھول کر اندر سے دو چوڑیاں نکالیں اور نوشین کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا ذرا دکھاؤ تو پتہ نہیں یہ چوڑیاں تمہارے ہاتھ میں پوری بھی آتی ہیں یا نہیں وہ چوڑیاں پہنانے سے قبل کسی ماہر چوڑی فروش کی طرح نوشین کا ہاتھ دبانے لگا نوشین تو طلائی چوڑیاں دیکھ کر خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی اور جانی اس کا ہاتھ تھامنے کی وجہ سے بے خود ہوا جا رہا تھا اس نے دو دو کر کے تمام چوڑیاں جو تعداد میں کل چھ تھیں نوشین کی کلائی میں پہنا دیں۔

کیا یہ سونے کی چوڑیاں ہیں؟ نوشین چوڑیوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

"ہاں خالص سونے کی ہیں جانی نے جواب دیا جاؤ اپنی امی کو دکھاؤ۔" پروفیسر کی بیوی تو پہلے ہی سب کچھ دیکھ چکی تھی اس نے دبے الفاظ میں جانی کا شکریہ ادا کیا اور لڑکیوں کو واپس بھیج دیا پروفیسر دوبارہ ڈرائنگ روم میں نہیں آیا جانی نے میاں بیوی کا موڈ دیکھتے ہوئے انہیں ہلکا سا شاک لگانا مناسب سمجھا اس نے اپنی رقم کا براہ راست تقاضہ تو نہیں کیا لیکن یہ ضرور کہہ دیا کہ وہ اپنے کاروبار کو وسعت دینے کا ارادہ رکھتا ہے مگر پیسوں کی کمی رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ پہلی ملاقات کے بعد اس نے ہر دوسرے تیسرے دن پروفیسر کے گھر جانا شروع کر دیا وہ ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی چیز ساتھ لے جاتا تھا کبھی پھل' کبھی مٹھائی اور کبھی چھوٹا موٹا تحفہ وہ عموماً ایسے موقع پر جاتا جب پروفیسر نہیں ہوتا لڑکیاں رفتہ رفتہ اس کے ساتھ بے تکلف ہوتی جا رہی تھیں اور یہ بات پروفیسر اور اس کی بیوی کی الجھن کا باعث تھی دونوں روزانہ رات کو صورت حال پر غور کرتے تھے مگر کوئی حل ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا پروفیسر کو معتبر ذرائع سے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ جان بخش نے جیل سے رہا ہونے کے بعد بھی اپنے ناجائز دھندے نہیں چھوڑے تھے اس کا جرائم پیشہ افراد کے علاوہ پولیس سے بھی یارانہ تھا اور وہ کسی بھی شریف آدمی کو سر راہ ۔ بے

عزت کرسکتا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد پروفیسر نے فیصلہ کیا کہ وہ جان بخش کا قرض قسطوں میں ادا کرنا شروع کردے گا اور اسے نرمی سے سمجھائے گا کہ وہ اس کے گھر اس طرح سے نہ آیا کرے لیکن اس دن جانی بھی ایک بات کا فیصلہ کرکے آیا تھا اس نے پروفیسر کی بیوی سے علیحدگی میں کہا۔ خالہ جب میں اس شہر میں آیا تھا تو ایک بے سہارا اور سیدھا سادا نوجوان تھا مجھے کسی سہارے کی ضرورت تھی میرے سسر ریاض حسن نے میری کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور اپنی بدصورت بیٹی سے میری شادی کردی جو عمر میں میرے سے پانچ چھ سال بڑی ہے اب میں اپنی مرضی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور سوالی بن کر آپ کے پاس آیا ہوں آپ کے گھر میں جو سکون مجھے ملتا ہے اور کہیں نہیں ملتا۔ خالہ یہ سن کر چونکی اور بولی۔ بیوی جیسی بھی ہو اس کے ساتھ نباہ کرنا چاہئے میں نے فاطمہ کو دیکھا تو نہیں ہے مگر سنا ہے کہ وہ ایک سلیقہ شعار اور گھر گرہستی والی عورت ہے پھر وہ تمہارے بیٹے کی ماں بھی ہے اسے طلاق دینا ہرگز ممکن نہ ہوگا۔ جانی نے جلدی سے کہا۔

میں نے طلاق کی تو کوئی بات نہیں کی میں تو دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مذہب نے دوسری شادی سے منع تو نہیں کیا مگر انصاف کی شرط رکھی ہے اس بارے میں اچھی طرح سوچ لو جو آدمی پہلی بیوی کو پسند نہ کرتا ہو وہ اس شرط کو پورا نہیں کرسکتا۔ آپ بالکل مطمئن رہیں جانی نے چالاکی سے کہا کم از کم آپ کی بیٹی سے میں کوئی ناانصافی نہیں کروں گا مم' میری بیٹی وہ پریشان ہوگئی یہ' یہ ناممکن ہے ہم خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے۔ خالہ جان آپ مجھے تو انصاف اور مذہب کی باتیں بتاتی ہیں اور خود مذہب کے خلاف بات کررہی ہیں مذہب نے تو ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی اور یہ بات خود پروفیسر صاحب نے مجھے بتائی تھی۔ پھر بھی یہ ناممکن ہے اگرچہ میری بڑی بیٹی کی عمر کچھ زیادہ ہوگئی ہے لیکن میں کسی شادی شدہ شخص کے ساتھ.......... جانی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ میں بڑی کی نہیں چھوٹی نوشین کی بات کررہا ہوں۔

"کیا؟" وہ اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکی۔ "تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔"

"ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔ میں نے جب سے نوشین کو دیکھا ہے میرا دماغ ٹھکانے پر نہیں ہے۔" دیکھو جان بخش ہم تمہارے مقروض ضرور ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنا قرضہ ادا کرنے کے لئے اپنی بیٹیوں کو داؤ پر لگادیں ہم تمہاری مدد کی قدر کرتے ہیں مگر یہ بات جو تم چاہتے ہو وہ ہرگز نہیں ہوسکتی تم' تم آئندہ ہمارے گھر میں نہ آیا کرو ہم بہت جلد تمہارا قرض اتار دیں گے۔ جانی کے تیور ایک دم بدل گئے اور وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔ میں نے تو آپ کو اپنا سمجھ کر بات کی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے

کہ آپ مجھے اپنا نہیں سمجھتیں اگر آپ کا یہی حکم ہے تو میں آئندہ آپ کے گھر نہیں آیا کروں گا لیکن مجھے نکالنے سے پہلے میری رقم ادا کردیں۔ اس نے ہاتھ پھیلا دیا آپ عزت دار لوگ ہیں اور میں بھی کوئی چور اچکا نہیں ہوں اگر میں چاہوں تو عدالت سے قرض کا پروانہ حاصل کرسکتا ہوں دو پیشیوں میں فیصلہ ہوسکتا ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ محلے میں رسوائی ہو۔ پروفیسر کی بیوی نے غصے اور بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور بولی۔ تت.......... تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس وقت ہمارے مالی حالات اچھے نہیں ہیں تم ہمیں تھوڑی مہلت دو ہم آہستہ آہستہ تمہارا قرض اتار دیں گے۔ جانی صوفے پر پاؤں پھیلاتا ہوا بولا۔ خالہ میں بے غیرت انسان نہیں ہوں جس در سے دھتکارا جاؤں دوبارہ اسی در پر آؤں۔ اب تو میں اپنی رقم لے کر ہی یہاں سے اٹھوں گا کہ دوبارہ یہاں نہ آنا پڑے۔

پروفیسر کی بیوی نے جانی کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے مطالبے سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھا کچھ دیر بعد پروفیسر بھی گھر پہنچ گیا وہ گھر میں قدم رکھتے ہی سمجھ گیا کہ ماحول میں تناؤ پایا جاتا ہے اس کی بیوی اسے اندر لے گئی اور تفصیل سے ساری بات بتادی پروفیسر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا اس نے کہا تمہیں اس شخص کے ساتھ سخت لہجہ اختیار نہیں کرنا چاہئے تھا یہ کچھ بھی کرسکتا ہے اس کے تعلقات بہت وسیع ہیں۔ اس کشیدگی کی لڑکیوں کو بھی خبر ہوگئی تھی اور انہوں نے اپنے ماں باپ کی چند باتیں بھی سن لی تھیں انہوں نے آپس میں مشورہ کرکے نوشین کو جانی کے پاس سمجھانے کے لئے بھیج دیا ان کے والدین کو اس بات کا علم نہ ہوسکا کیونکہ وہ بند کمرے میں مشورہ کررہے تھے جانی نے نوشین کو دیکھا تو کھل اٹھا نوشین نے روٹھنے والے انداز میں کہا۔

"کیا آپ ہمارے گھر کا سامان قرق کرانا چاہتے ہیں؟" اگر گھر والے اپنے محسن کو گھر سے دھکے دے کر نکالنے پر آمادہ ہوجائیں تو پھر انسان ایسی ہی باتیں سوچنے لگتا ہے میں نے تو اس گھر کو اپنا گھر سمجھنا شروع کردیا تھا مگر یہ میری بھول تھی۔ لیکن آپ بھی تو زیادتی کرتے ہیں ناں نوشین نے کہا سود خوروں کی طرح قرض مانگنا شروع کردیا جانی کو اندازہ ہوگیا کہ نوشین کو پوری بات معلوم نہیں تھی وہ بولا میں نے قرض نہیں تھوڑا سا سکون مانگا تھا اس پر خالہ جان بگڑ گئیں اور مجھے گھر سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ تھوڑا سا سکون؟ نوشین حیرانی سے بولی میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔ مطلب تو بہت سیدھا سا ہے مگر مجھے ڈر ہے کہیں تم بھی ناراض نہ ہوجاؤ خیر۔ میں اتنی زود رنج بھی نہیں ہوں۔ آپ

بتائیں تو سہی بات کیا ہے؟ جانی نے نوشین کا ہاتھ پکڑ لیا۔ نوشین میں تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں مجھے تم سے محبت ہو چکی ہے میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا بولو تمہارا کیا فیصلہ ہے؟ نوشین کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے ہاتھ چھڑا کر بھاگ جانا چاہا لیکن جانی نے اسے جانے نہیں دیا اور بولا۔ نوشین میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا لیکن تمہاری ایک ہاں سے تمہارے ماں باپ کا ایک بہت بڑا بوجھ اتر جائے گا میں ان کا قرض معاف کردوں گا اور تمہیں بھی بہت کچھ دوں گا زمانے بھر کی خوشیاں تمہاری جھولی میں ڈال دوں گا۔ نوشین نے بڑی مشکل سے کہا۔ ”ابھی تو میری بڑی بہنوں کی شادی بھی نہیں ہوئی میں کیسے شادی کی بات کرسکتی ہو۔“

ان کی شادیاں اب ہو چکیں۔ جانی نے طنزیہ لہجے میں کہا ان کو اب کوئی رشتہ نہیں ملے گا وہ بھی بوڑھی ہو جائیں گی اور تم بھی بوڑھی ہو جاؤ گی تمہارے ابا کے پاس تمہاری شادیوں کے لئے پیسے بھی تو نہیں ہیں دس سال تک تو وہ میرا قرض ہی اتارتے رہیں گے اس کے بعد ہی کہیں شادی کے بارے میں سوچیں گے۔ نوشین یہ باتیں سن کر پریشان ہو گئی۔

گھر کے حالات کا اسے بخوبی علم تھا ان کی مالی حالت واقعی بہت خراب تھی اس نے ماں باپ کا بوجھ ہلکا کرنے کے خیال سے ہاں کر دی اور ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی لحہ بھر کے بعد پروفیسر اپنی بیوی کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا اور بولا۔ جانی میری بیوی نے مجھے بتایا کہ اس کے منہ سے کچھ ایسے الفاظ نکل گئے ہیں جو تمہیں اچھے نہیں لگے میری بیوی اس بات پر نادم ہے اور تم سے معافی مانگنے کو تیار ہے تم ہمارے محسن ہو تم پر اپنے گھر کے دروازے بند نہیں کرسکتے تم جب چاہو یہاں آسکتے ہو لیکن جہاں تک تمہارے سوال کا تعلق ہے........ پروفیسر مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا ہے جانی نے بات کاٹی آپ کی بیٹی نے آپ سے زیادہ عقلمندی کا ثبوت دیا ہے اس نے شادی کے لئے ہاں کردی ہے۔ پروفیسر نے سانپ کو مارنے اور لاٹھی کو بچانے کے لئے جو ترکیب سوچی تھی وہ دھری رہ گئی اس نے گھبرا کر پوچھا۔

”مم.......... میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا بیٹی سے تمہاری کب بات ہوئی ہے۔“

نوشین ہماری سب باتیں سن چکی ہے اور اس نے اس گھر کی بہتری کا خیال کرتے ہوئے ہاں کر دی ہے۔ وہ نادان لڑکی فیصلہ نہیں کرسکتی پروفیسر نے کہا ہم تمہاری رقم جلد ادا کردیں گے۔ پروفیسر صاحب آپ نے صرف کتابیں پڑھی ہیں اور میں نے دنیا کو پڑھا ہے آپ مجھے اُلو بنانے کا خیال دل سے نکال دیں میں چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ خوش اسلوبی

سے طے ہو جائے ورنہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کو خبر ہوئے بغیر شادی ہو جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کو تن کے کپڑوں میں اس مکان سے نکلنا پڑے۔ نوشین دروازے سے نمودار ہوئی اور بولی ابا آپ بحث نہ کریں میں ہاں کر چکی ہوں۔

پروفیسر غیر یقینی انداز میں اپنی بیٹی کو دیکھنے لگا اگلے چھ ہفتوں میں غیر یقینی بات یقین میں تبدیل ہو گئی نوشین دلہن بن کر جانی کے گھر پہنچ گئی اسے صرف اس بات کی خوشی تھی کہ اس نے اپنے ماں باپ کو قرض کے بوجھ سے نجات دلا دی ہے جہاں تک فاطمہ کا تعلق تھا اس نے اس سانحے پر کوئی احتجاج نہیں کیا تھا وہ ان عورتوں میں سے تھی جو اپنے درد کو سینے میں چھپائے اس جہاں سے رخصت ہو جاتی ہیں۔ اسے اس بات کا دکھ نہیں تھا کہ اس کے شوہر نے دوسری شادی کرلی تھی بلکہ اس بات کا دکھ تھا کہ شوہر نے اسے بالکل ہی نظرانداز کرنا شروع کردیا تھا پھر وہ دل کو سمجھاتی کہ اس میں اور نوشین میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ ایک بچے کی ماں تھی اور دوسرے بچے کی ماں بننے والی تھی۔

چند ہفتوں بعد جانی نے اسے یہ مژدہ سنایا کہ وہ بمبئی منتقل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے فاطمہ بیگم یہ سمجھی کہ جانی اسے اور اس کے بچے سب کو چھوڑ کر چھوٹی بیگم کے ہمراہ جانا چاہتا ہے اس نے ہولے سے پوچھا۔

اگر آپ بمبئی چلے گئے تو یہاں کے کاروبار کی دیکھ بھال کون کرے گا۔ میں نے کاروبار اور مکان بیچنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جانی نے کہا۔

یہ سن کر فاطمہ گھبرائی مکان اور کاروبار اس کی موروثی جائیداد تھی اسے کم از کم یہ اطمینان ضرور تھا کہ اگر جانی نے اسے چھوڑ دیا تو اس کا گزارہ چلتا رہے گا اسے بے گھر اور محتاج نہیں ہونا پڑے گا لیکن مکان اور کاروبار فروخت ہونے کے بعد وہ جانی اور چھوٹی بیگم کے رحم وکرم پر ہوگی۔ ہمارا کاروبار اچھا خاصا تو ہے' اس نے ڈرتے ہوئے کہا بیچنے کی کیا ضرورت ہے میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا فاطمہ بیگم' جانی نے سخت لہجے میں کہا تمہیں اپنا فیصلہ سنایا ہے لیکن اگر تم حق ملکیت استعمال کرنا چاہو تو اور بات ہے یہ مکان پورے کا پورا تمہارا ہے کاروبار میں آدھا حصہ تمہارا اور آدھا میرا ہے میں اپنا حصہ فروخت کرسکتا ہوں مگر ایسی صورت میں' میں تمہیں کاغذ لکھ دوں گا۔ نہیں نہیں فاطمہ گھبرا کر بولی مجھے کاروبار اور مکان کی نہیں آپ کی ضرورت ہے۔ میں آپ کا حکم ماننا اپنا فرض سمجھتی ہوں۔ فاطمہ بیگم یہاں لوگ مجھ پر انگلیاں اٹھاتے ہیں مجھے تمہارے باپ کا قاتل سمجھتے ہیں حالانکہ میں ایک شریف آدمی ہوں قاتل کوئی چور تھا جو موقع سے فرار ہو گیا تھا یہ بات تو تم بھی جانتی ہو۔ فاطمہ جانی کی خوفناک آنکھوں سے گھبرا کر بولی۔

"ہاں جانتی ہوں وہ کوئی چور ہی تھا۔" جانی نے قہقہہ لگایا اور بولا میں جانتا ہوں کہ تم سب کچھ جانتی ہو اسی وقت دانیال کمرے میں داخل ہوا اور سہمی ہوئی نظروں سے اپنے باپ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"ابا دو آدمی باہر تم سے ملنے آئے ہیں موچھوں والے نے اپنا نام عبدالغفور بتایا ہے۔" جانی کمرے سے باہر چلا گیا دانیال نے اپنی ماں سے پوچھا ماں ابا آپ کو ڈانٹ کیوں رہے تھے۔ فاطمہ نے بجھی ہوئی آواز میں کہا بیٹا ہماری قسمت ہی ایسی ہے ہم ڈانٹ کھانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ جانی نے چند ہفتوں کے دوران تمام اثاثے فروخت کر دیئے اور بمبئی پہنچ گیا وہاں اس نے ایک خوبصورت مقام پر ایک خوبصورت بنگلہ خریدا اور فوراً کاروبار شروع کردیا اس زمانے میں بمبئی ایک صاف ستھرا شہر تھا اور وہاں کاروبار کے لئے بے شمار مواقع تھے جانی چند بھروسے کے آدمیوں کو اپنے ساتھ لے گیا یہ سب پیشہ ور بدمعاش اور سزا یافتہ مجرم تھے جانی نے ایک موزوں جگہ پر شراب خانہ کھول لیا اور شراب خانے کی آڑ میں اپنا اصل دھندا یعنی جوا اور منشیات کا کاروبار شروع کر دیا لیکن یہ کاروبار شروع کرنے سے پہلے اس نے علاقے کی پولیس سے رابطہ قائم کیا اور ان کا ماہوار بھتہ مقرر کردیا۔

☆======☆======☆

اس علاقے میں پھتو نامی ایک دادا گیر کا راج تھا کوئی غیر قانونی کام اس کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا جب اسے جانی کے اڈے کا پتہ چلا تو وہ اپنے دو ساتھیوں کو لے کر وہاں پہنچ گیا وہ پینتیس چالیس برس کا ایک قوی الجثہ شخص تھا اس کی خوفناک مونچھیں دوہری تیر والی گردن دیکھ کر آدمی دور ہی سے ڈر جاتا تھا اس نے اپنی چوڑی پیٹی میں دو پستول لگا رکھے تھے وہ جھومتا جھامتا شراب خانے میں داخل ہوا راستے میں کھڑی کرسی کو ٹھوکر مار کر پھینکا اور کاؤنٹر پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے بیرے کو آواز دی۔ وہاں کام کرنے والے تمام آدمی پیشہ ور مجرم تھے اور کسی سے دب کر بات نہیں کرتے تھے۔

"کیا بات ہے استاد۔" ایک بیرا قریب جاکر بولا۔ "معلوم ہوتا ہے باہر بڑی گرمی پڑ رہی ہے۔" پھتو چھت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا چھوکرا ایک بوتل وہسکی اور تین گلاس لے آ اور سن اس شراب خانے کے مالک کو بھی لے آ۔ اس کو بول پھتو دادا آیا ہے۔ پھتو کے ایک آدمی نے جیب سے چاقو نکالا اور بڑی بے نیازی کے ساتھ اس کی دھار پر انگوٹھا پھیرنے لگا جانی قریبی میز پر ہی موجود تھا اس نے بیرے کو اشارہ کیا کہ پھتو کو باتوں میں لگائے رکھے اور خود اٹھ کر اندر چلا گیا لمحہ کے بعد جب وہ واپس آیا تو اس کی جیب میں بھرا ہوا پستول تھا اس نے اپنے خاص ساتھیوں کو بھی ہوشیار کر دیا تھا وہ کاؤنٹر کی دوسری جانب جاکر بیٹھ گیا اور پھتو کے ایک ساتھی سے مخاطب ہوکر کہا۔ بچہ یہ کرسی سیدھی کر دینا۔

پھتو جانی کی طرف مڑا اور بولا اے سالا کس گیدڑ کی اولاد ہے؟ میں اس شراب خانے کا مالک ہوں۔ جانی نے تحمل سے کہا اپنے اس چھوکرے سے بولو کرسی سیدھی کردے پھتو اپنے ساتھی سے بولا۔

"اے چھوکرے دیکھتا نہیں کیا بولتا ہے دو چار کرسیاں سیدھی کردے۔" وہ آگے بڑھا اور ایک کرسی پوری قوت سے زمین پر دے ماری کرسی کے پائے ٹوٹ گئے اس نے اس کرسی کو پھینک دیا اور دوسری کو اٹھالیا یہ دیکھ کر گاہک کھسکنے شروع ہوگئے لیکن قبل

اس کے کہ پھتو کا آدمی دوسری کرسی کو میز پر پٹختا ایک بیرے نے جانی کا اشارہ پا کر خالی بوتل اٹھائی اور اس کے سر پر دے ماری وہ جھومتا ہوا میز سے ٹکرایا اور فرش پر گر گیا۔
پھتو نے تیزی سے پستول نکالا اور بیرے کی جانب مڑا لیکن فوراً ہی جانی کے پستول نے شعلہ اگلا اور پھتو کراہتا ہوا گھوم گیا اس کے ہاتھ سے پستول گر گیا اور وہ کراہتا ہوا فرش پر جھکتا چلا گیا گولی اس کے بائیں پہلو میں لگی تھی جہاں اس نے فوراً ہاتھ رکھ دیا تھا اس کا چاقو بردار ساتھی جانی پر حملہ کرنے کے لئے کاؤنٹر کے اوپر چڑھ گیا قریب کھڑے ہوئے بیرے نے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی اور دوسرے نے اس کے چاقو والے ہاتھ پر بھرپور وار کیا چاقو اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ دروازے کی طرف بھاگا لیکن اس اثناء میں شراب خانے کا دروازہ بند کیا جا چکا تھا بیروں نے چاقو بردار بدمعاش کو گھیر لیا اور چاروں طرف سے اس کی مرمت شروع کر دی۔

ادھر جانی نے پھتو کا پستول اٹھا لیا اور اس کے دونوں گھٹنوں پر قریب سے فائر کئے۔ پھتو ہاتھ پیر پٹختا ہوا تڑپنے لگا جانی اس کی گردن پر پیر رکھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا تُو اتنی آسانی سے نہیں مرے گا دادا' پر گندا خون نکل جانے دے اب بول گیدڑ کی اولاد کون ہے۔ پھتو پھٹی پھٹی نظروں سے جانی کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے ساتھی بیروں کے درمیان ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔ اس کا ساتھی جو لمحہ بھر پہلے ہوش میں آیا تھا۔ بولا ارے بابا' یہ ہمارا استاد مر جائے گا اس کو ہسپتال پہنچا بابا ہم تمہارا منت کرتا ہے استاد مر گیا تو ہم یتیم ہو جائے گا۔ استاد ہسپتال نہیں قبرستان جائے گا۔ جانی نے کہا اور تم پھانسی کے تختے پر چڑھ جاؤ گے کیوں بھئی بِلّے جانی نے اپنے دست راست بِلّے سے کہا ہم نے تو انہیں کچھ نہیں کہا ناں۔ ان کی آپس میں لڑائی ہو گئی تھی اور انہوں نے اپنے استاد کو زخمی کر دیا آپس کی لڑائی میں ہمارا فرنیچر توڑ دیا اور فرش بھی گندا کر دیا کسی کو بھیج کر پولیس کو بلوا لو۔ بہت بہتر سر بِلّے نے کہا ابھی بھیجتا ہوں بلا پڑھا لکھا مجرم تھا اور جانی کا دل سے وفادار تھا وہ جعلسازی اور دھوکا دہی میں ماہر تھا اور اس سلسلے میں دو دفعہ جیل بھی کاٹ چکا تھا اس کی عمر تیس سال سے کچھ کم ہی تھی خاصا ذہین اور شاطر آدمی تھا اس نے آدمی بھیج کر فوراً پولیس کو بلوایا پھتو بے ہوش ہو چکا تھا مگر زندہ تھا جانی نے نوٹوں کی گڈی انسپکٹر کی جیب میں ڈالی اور کہا پھتو کا اپنے ساتھیوں سے جھگڑا ہو گیا تھا اور تینوں نے ایک دوسرے کو زخمی کر دیا تھا۔ شراب خانے کے عملے نے اس بیان کی تائید کی پولیس نے پھتو کو ہسپتال پہنچایا اور اس کے ساتھیوں کو حوالات میں بند کر دیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے جانی کی پورے علاقے میں دھاک بیٹھ گئی۔ پھتو بچ تو گیا لیکن اس کی دونوں ٹانگیں ناکارہ ہو گئیں اس کے

گروہ کے کچھ افراد جانی کے شاگرد بن گئے اور باقی اِدھر اُدھر بکھر گئے اس رات جب جانی گھر پہنچا تو فاطمہ کو پریشان بیٹھے دیکھا آپ خیریت سے تو ہیں ناں فاطمہ نے فکر مندی سے پوچھا۔ میں نے سنا ہے کہ ہوٹل میں گڑبڑ ہو گئی تھی۔ سب ٹھیک ہے جانی نے بے پروائی سے کہا تُو اپنی جان کو فکر میں مت ڈالا کر۔ اسی لمحے نوشین بھڑک دار ساڑھی میں اتراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور فاطمہ بیگم کی طرف دیکھ کر برا سا منہ بنایا وہ یہاں آ کر خاصی ماڈرن اور ایڈوانس ہو گئی تھی۔ فاطمہ آپا اپنے بیٹے کو کچھ آداب بھی سکھایا کرو اس نے کہا میں نے چھوٹا سا کام کہا تو صاف انکار کر دیا۔ یہ لڑکا بہت بدتمیز ہو گیا ہے جانی نے کہا بلاؤ اسے کہاں ہے؟ دانیال ابے دانیال ایک ملازم نے جانی کی آواز سنی تو دانیال کو بلا لایا جانی نے اسے قریب بلایا اور ایک زور دار تھپڑ دانیال کے منہ پر رسید کیا پھر کہا۔
"کیوں بے تُو نے نوشین باجی کی بات نہیں مانی؟" مانتا ہوں ابا دانیال اپنے گال پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا ساری باتیں مانتا ہوں ابا۔
آپ نے پوچھے بغیر ہی بچے کو تھپڑ مار دیا فاطمہ نے احتجاج کیا بے چارہ دن بھر کام میں لگا رہتا ہے۔ تو یعنی آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں نوشین نے کہا۔ اے دانیال ادھر دیکھ میری طرف میں نے تجھے جوتے پالش کرنے کے لئے کہا تھا تو تُو نے کیا جواب دیا تھا؟ جی میں نے کہا تھا کہ پالش ختم ہو گئی ہے میں نے انکار تو نہیں کیا تھا چل بھاگ یہاں سے جانی نے کہا پالش ختم ہو گئی تھی تو اور لے آتا۔ فاطمہ باجی کھانا لگوا دیں نوشین نے کہا آج دو مہمان بھی آئیں گے کھانے پر فاطمہ نے بیٹے کو ساتھ لیا اور کمرے سے نکل گئی آپ اس بیچاری کو فارغ کیوں نہیں کر دیتے نوشین نے کہا ایمان سے مجھے اس بیچاری پر بڑا ترس آتا ہے پتہ نہیں آپ کو اس میں کیا چیز نظر آ گئی تھی۔ تمہارا کیا لیتی ہے جانی نے کہا اور یہ بھی تو دیکھو کہ کام کتنا کرتی ہے سارا گھر سنبھال رکھا ہے اس نے اور یہ بات تو تمہیں بھی ماننا پڑے گی کہ اس کے ہاتھ میں سلیقہ بہت ہے۔ سلیقہ تو ہے مگر اس کی بات مجھے بہت بری لگتی ہے کبھی کبھی بڑی عجیب نظروں سے میری طرف دیکھتی ہے ڈرتی ہوں کہ کہیں اس کی نظر ہی نہ لگ جائے۔ پتا نہیں کیا دیکھتی ہے جانی اپنی خوبصورت بیوی کی لٹ کو بکھیرتا ہوا بولا۔ زیادہ سنگھار نہ کیا کرو نظر تو تمہیں کسی کی بھی لگ سکتی ہے اور ہاں مہمان کون آ رہے ہیں جانی نے حیرت سے پوچھا۔ مشہور فلم ڈائریکٹر راجیش کھنہ اور ان کی نئی فلم کی ہیروئن پدما۔ جانی نے حیرت سے پوچھا تم فلم ڈائریکٹر کو کیسے جانتی ہو اور فلم ڈائریکٹر تمہیں کیسے جانتا ہے راجیش کھنہ ابا کے شاگردوں میں سے ہے نوشین نے جھوٹ بولا چند روز پہلے میں بھنڈی بازار خریداری کے لئے گئی تھی وہاں

اس سے ملاقات ہوگئی تھی بس اتفاقیہ ملاقات تھی لیکن حقیقت یہ تھی کہ راجیش کھنہ نہ تو پروفیسر کو جانتا تھا اور نہ ہی کبھی اس کا شاگرد رہا تھا البتہ ملاقات بھنڈی بازار میں ہی ہوئی تھی فلم ڈائریکٹر نے جب نوشین کو دیکھا تو اس کا چہرہ اسے فلم کے لئے موزوں لگا اس نے اپنا تعارف کرایا اور نوشین سے پوچھا۔ "کیا وہ فلموں میں کام کرنا پسند کرے گی۔"

نوشین نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ تاہم اسے معلوم تھا کہ جانی اسے کبھی فلموں میں کام کرنے کی اجازت نہیں دے گا وہ در پردہ کوئی راستہ نکالنا چاہتی تھی راجیش کھنہ کی یہ آمد اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ جانی پدما دیوی کی کئی فلمیں دیکھ چکا تھا اس نے جب پدما کو بالمشافہ دیکھا تو پہلی ہی نظر میں اس کا گرویدہ ہوگیا اسے اس کا طرزِ تکلم' اس کی مسکراہٹ' اور اس کی سنجیدگی نے بہت متاثر کیا اس نے محسوس کیا کہ اس کے حسن و جمال کے سامنے نوشین کی خوبصورتی ماند پڑ گئی تھی کھانے کے بعد جانی پدما کے ساتھ لان میں جا بیٹھا وہ اس بات پر خوش تھا کہ فلم ڈائریکٹر نے انہیں تنہائی مہیا کردی تھی اِدھر اس کی بیوی نوشین بھی ایسی ہی خوشی محسوس کر رہی تھی وہ راجیش کھنہ سے اپنے فلمی مستقبل کے بارے میں بات چیت کر رہی تھی۔ جانی پدما کو اپنے من مندر کی دیوی بنانے کے خواب دیکھ رہا تھا اور نوشین فلمی دنیا کا جگمگاتا ستارہ بننے کی تمنا کر رہی تھی جہاں تک راجیش کھنہ کا سوال تھا وہ کچھ اور ہی منصوبہ بنا رہا تھا۔

طویل گفتگو کے بعد راجیش کھنہ اور پدما دوبارہ ملاقات کا وعدہ کرکے رخصت ہوگئے جانی دوبارہ لان میں جا بیٹھا اور آنکھیں بند کرکے پدما کے تصور میں کھو گیا اچانک اس کے کانوں میں سفید شاہ کی آواز آئی' جان بخش جس عورت کے تصور میں تو گم ہوگیا ہے وہ فلمی دنیا کی عورت ہے وہ تجھے خوشی نہیں دے سکتی فاطمہ کو تُو نے اس لئے مجبور چھوڑ رکھا ہے کہ وہ خوبصورت نہیں ہے لیکن اب تُو نوشین کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا چاہتا ہے اگر تُو ان حرکتوں سے باز نہ آیا تو دنیا کی کوئی عورت تجھے اچھی نہیں لگے گی ذرا سوچ تو سہی تُو اپنے بچے کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟ فاطمہ عنقریب تیرے بچے کی ماں بننے والی ہے اسے تیری توجہ اور محبت کی ضرورت ہے تُو بندوں پر رحم کرے گا تو اللہ تجھ پر رحم کرے گا۔ جانی نے اٹھ کر سفید شاہ کے ایک لات رسید کی اور بڑبڑایا۔ دور ہوجا میری نظروں کے سامنے سے تُو بہت مجھے ڈراتا ہے مجھ پر تو اللہ نے کبھی رحم نہیں کیا پھ میں کیوں اس کے بندوں پر رحم کروں؟ یہ سب کچھ مجھے کالے شاہ نے دیا ہے وہ اپنے وعدے کا بڑا سچا ہے اسی وقت کسی نے جانی کے کندھے پر تھپکی دی اس نے سر گھما کر دیکھا تو کالے شاہ تھا اس نے کہا۔ بہت ٹھیک جا رہے ہو پیارے پدما تمہارے لئے قسمت

کی دیوی ثابت ہوسکتی ہے قسمت کی دیوی مہربان ہو تو مسرتوں کی کمی محسوس نہیں ہوتی اور فاطمہ سے ہوشیار رہنا یہ زخم کھائی ہوئی ناگن ہے اگر اسے موقع ملا تو یہ تجھے ڈس لے گی ابھی کالے شاہ کی بات ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ جانی نے فاطمہ کو اپنے پاس دیکھا وہ جیسے ہی اس کے قریب آئی تو جانی نے اس سے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ کیوں آئی ہو یہاں جاؤ اس وقت مجھے تنہائی کی ضرورت ہے۔ میں ایک ضروری بات آپ کو بتانا چاہتی ہوں فاطمہ نے کہا وہ بیٹھنے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی لیکن شوہر کی ناراضگی کی وجہ سے کھڑی رہی۔ نوشین بیگم فلم لائن میں جانے کا منصوبہ بنا رہی ہیں۔ کیا؟ جانی چونکا تمہیں کیسے پتہ چلا وہ ایسی جرأت نہیں کرسکتی۔ میں نے اس کی اور فلم ڈائریکٹر کی باتیں سنی تھیں وہ پرسوں خریداری کے بہانے اس کے گھر جائے گی۔ جانی کی پیشانی شکن آلود ہوگئی نوشین خوبصورت تھی اور فلم لائن میں جانے کے خواب دیکھ رہی تھی تیسرے دن جانی نے بِلّے کو نوشین کی نگرانی پر مامور کر دیا شام کو اسے رپورٹ ملی کہ نوشین سٹوڈیو گئی تھی اور دو گھنٹے وہاں رہی تھی جانی کو معلوم تھا کہ اس سٹوڈیو میں راجیش کھنہ کی فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی اس نے نوشین کو ڈھیل دے دی مگر اس کی نگرانی بدستور جاری رکھی ایک مہینے کے اندر اسے یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوگئی کہ نوشین نہ صرف فلموں میں کام کرنے کا ارادہ رکھتی ہے بلکہ راجیش کی تنہائیاں بھی رنگین کر رہی ہے۔

یہ معلومات حاصل ہونے کے بعد وہ اپنی حسین و جمیل بیوی کو تہہ خانے میں لے گیا وہاں بلا بھی موجود تھا نوشین اپنے شوہر کے تیور دیکھ کر گھبرا گئی جانی نے بِلّے سے کہا بِلّے اس عورت کو پہچانتے ہو جی بِلّے نے جواب دیا یہ آپ کی بیوی ہے سر۔ تم نے مجھے بتایا کہ گزشتہ مہینے تم اس کی نگرانی کرتے رہے تھے اور ذرا بتانا تو یہ کہاں کہاں گئی تھی۔

مم.......... میں اس بات چیت کا مطلب نہیں سمجھی۔ نوشین گھبرا کر بولی بات کیا ہے کسی نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی بِلّے نے گذشتہ مہینے کی پوری رپورٹ بیان کردی نوشین کہاں کہاں گئی تھی اس نے سٹوڈیو میں کتنا وقت گزارا تھا راجیش کھنہ کے بنگلے پر کتنا وقت گزارہ تھا راجیش کھنہ کے ساتھ کون کون سے ہوٹل اور کون کون سی تفریح گاہ پر گئی تھی۔ ہوں' تو تمہیں وہ فلم ڈائریکٹر پسند آگیا ہے جانی کے ہونٹوں پر خوفناک مسکراہٹ پھیل گئی میں تو سمجھا تھا کہ مجھ سے بڑا بدمعاش اس شہر میں اور کوئی نہیں ہے مگر تم' بِلّے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر جکڑ دو اور اسے میرے قریب لاؤ۔

"بہت بہتر سر۔" بلا نوشین کی طرف بڑھا۔

"نہیں نہیں۔" نوشین نے مدافعانہ انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی پلیز

آئندہ ایسا نہیں ہوگا بلّے نے نوشین کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور انہیں موڑ کر پشت پر لگا دیا وہ نوشین کی چیخ و پکار سے بالکل بے نیاز نظر آتا تھا جانی الماری سے ایک بوتل نکال لایا جس میں پیلے رنگ کا محلول بھرا ہوا تھا اس نے احتیاط کے ساتھ بوتل کا ڈھکنا کھولا اسے میز پر رکھا الماری سے شیشے کا ایک بڑا چمچہ نکالا اسے الٹی طرف سے پکڑ کر اس کے دستے کو بوتل میں ڈبویا اور سفاک نظروں سے اپنی حسین بیوی کی طرف دیکھنے لگا جو بلّے کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں نہیں خدا کے لئے مجھ پر رحم کریں۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "میں آپ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا واسطہ دیتی ہوں۔" نوشین بیگم گھبراؤ مت جانی نے کہا تم فلم لائن کے قابل نہیں ہو شاید راجیش کھنہ کے قابل ضرور ہو۔ اسی لئے میں تمہارے ماتھے پر تلک لگانا چاہتا ہوں تاکہ تمہارا محبوب تمہیں دور سے پہچان لے۔ اس نے چمچے کا دستہ بوتل سے باہر نکالا اور نوشین کی پیشانی پر کراس لگا دیا جیسے ہی چمچے کا دستہ پیشانی پر لگا نوشین کو یوں لگا جیسے اس کی پیشانی پر دہکتا ہوا انگارہ رکھ دیا گیا ہو اس کے منہ سے دلدوز چیخ نکلی اور وہ بری طرح چیخنے لگی۔ بلّے نے جانی کے اشارے پر اس کے بازو چھوڑ دیئے اور ایک طرف ہو گیا دونوں مرد کچھ دیر تک خاموشی سے نوشین کا چیخنا اور تڑپنا دیکھتے رہے۔

اب تم بہ خوشی فلم میں کام کر سکتی ہو۔ جانی نے بے پرواہی سے کہا بلّے تم نے دیکھا ہوگا کہ لوگ اپنے مویشیوں کو پہچان کے لئے داغ دیتے ہیں اس لئے میں نے بھی اپنی بیوی کی پیشانی کو تیزاب سے داغ دیا ہے۔ سر آپ اپنے گھریلو معاملات کے بارے میں بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ وہ دونوں تہہ خانے سے نکل گئے۔ چند روز کے بعد نوشین کا زخم مندمل ہو گیا لیکن پیشانی پر کراس کا بدنما داغ ابھر آیا اور اس نشان کی وجہ سے اس کا چہرہ اس قدر بھیانک ہو گیا کہ اسے آئینے سے بھی خوف آنے لگا جہاں تک فاطمہ کا تعلق تھا اسے اس سانحے پر افسوس ہوا تھا حالانکہ نوشین نے اسے بڑے دکھ دیئے تھے اور اسے ذلیل کرنے کا کوئی موقع ضائع نہین کیا تھا۔ پانچ ہفتوں کے بعد جانی نے پدما کو اپنے بنگلے پر دعوت دی نوشین اپنی پیشانی کے داغ کی وجہ سے سامنے نہیں آئی وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں پڑی رہتی تھی کھانے کے بعد جانی نے بغیر کسی تمہید کے اپنا مدعا پدما کے سامنے پیش کر دیا اس نے کہا۔

"پدما دیوی میں تمہارے حسن و جمال کا دیوانہ بن چکا ہوں اور تمہیں اپنانا چاہتا ہوں۔"

پدما ایک منجھی ہوئی اداکارہ تھی اور اس قسم کی باتوں کی عادی تھی اس کے چہرے پر نہ تو کوئی سرخی کی لہر دوڑی اور نہ وہ شرمائی لجائی اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ جانی آپ کا ہمارا کیسے میل ہو سکتا ہے آپ خدا کے نام لیوا ہیں اور ہم بتوں کے پجاری ٹھہرے جانی نے پدما کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ میں نے نہ پہلے کبھی خدا کا نام لیا ہے اور نہ آئندہ لوں گا جہاں تک بتوں کو پوجنے کا تعلق ہے تو میں تم سے دو ہاتھ آگے ہوں میں بتوں کے پجاری کا پجاری ہوں۔ پدما نے اس کی نکتہ دانی سے متاثر ہوئے بغیر کہا اور آپ شادی شدہ بھی ہیں آپ کی ایک نہیں دو بیویاں ہیں۔ میں حسن کی دیوی کی خاطر دونوں کو چھوڑ سکتا ہوں۔ اور آپ غلط قسم کا کاروبار بھی کرتے ہیں پدما نے کہا مجھے معلوم ہے کہ آپ منشیات اور جوئے کا اڈا بھی چلاتے ہیں جبکہ میں ایک معزز اور نامور اداکارہ ہوں لوگ ہمارے بارے میں باتیں کریں گے۔ میں تمہاری خاطر یہ دھندا چھوڑ دوں گا جانی ہر شرط ماننے کے لئے تیار تھا گویا آپ ہماری خاطر اپنا دھرم اپنے بیوی بچے سب چھوڑ دیں گے۔ جانی نے عیاری سے کہا اب تم سے کیا پردہ میرا اصل نام جان بخش نہیں شنکر ہے پدما اس سے بھی بڑی عیار تھی بولی ہم کو تو پہلے ہی شک تھا شنکر جی لیکن ہم نے تو درگا دیوی کے سامنے یہ عہد کیا تھا کہ ہم کسی ایسے شخص سے شادی کریں گے جو کسی فلم سٹوڈیو کا مالک ہو اور اپنے کاروبار میں ہمیں نصف کا حصہ دار بنانے پر تیار ہوگا یہ شرط سن کر جانی نے آنکھیں جھپکائیں اور کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولا۔

"یہ بھی ہو جائے گا اس کے لئے مجھے تھوڑی سی مہلت درکار ہوگی زیادہ سے زیادہ دو سال۔" پدما دیوی نے کہا۔ "جانی آپ ہمارے کارن اپنے جیون کو جوکھم میں نہ ڈالیں۔" دیوی جی جیون تو تم کو دیکھتے ہی جوکھم میں پڑ گیا تھا جانی نے کہا اب تو اس کٹھنائی کو کم کرنے کے لئے کوئی جتن کرنا ہے کہ دو سال کے اندر راجیش کھنہ کا سٹوڈیو شنکر کی ملکیت ہوگا۔ جانی جی یہ کام آپ سے نہیں ہونے کا اس دھندے میں کوئی کوئی کامیاب ہوتا ہے۔ کالے شاہ کی قسم جانی ناکام نہیں ہوگا جانی پُرجوش لہجے میں بولا تم دیکھتی رہو تھوڑی دیر کے بعد پدما کار میں بیٹھ کر رخصت ہو گئی کہ اگر آدھے سٹوڈیو کی ملکیت کے ساتھ جانی کو بطور شوہر قبول کرنا پڑا تو سودا برا نہ ہوگا۔ جانی نے اگلے دن فلم لائن کے بارے میں معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں نیز فلمی دنیا سے وابستہ لوگوں کو دعوتیں کرنا شروع کر دیں چند ہفتوں کی بھاگ دوڑ کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ سٹوڈیو خریدنے کے لئے ایک خطیر رقم کی ضرورت ہوگی اور رقم کمانے کے لئے فلموں کی پروڈکشن عمدہ کام تھا اس نے شراب خانہ بیچ دیا اور کالے شاہ کے مشورے سے سارا پیسہ ایک فلم میں لگا دیا

جب فلم تیار ہوگئی تو فلم پر بھی جلی حروف میں یہ تنبیہہ لکھی ہوئی تھی "صرف بالغوں کے لئے" ان الفاظ نے جادو کا اثر کیا اور جانی کی پہلی فلم باکس آفس پر ہٹ ہوگئی۔ جانی نے فوراً ہی دوسری فلم کی مہورت کردی اور تیسری فلم کی کاغذی تیاریاں شروع کردیں اس نے ایک مناسب جگہ دفتر کھول لیا اور باہر جانی مووییٹون کا سائن بورڈ لگا دیا۔ دو سال کے دوران اس نے تین فلمیں بنائیں اور تینوں کامیاب رہیں اس کے پاس اتنی دولت جمع ہوچکی تھی کہ وہ ایک سٹوڈیو خرید سکتا تھا مگر وہ جان چکا تھا کہ سٹوڈیو خریدنے کے بجائے فلمیں بنانا زیادہ نفع بخش کاروبار تھا ان تینوں فلموں میں ایک فلم میں اس نے پدما کو ہیروئن لیا تھا تیسری فلم میں ایک نئی لڑکی کو اس نے ہیروئن کاسٹ کیا اس کا نام ممتاز تھا مگر جانی نے اس کا نام پوجا رکھا یہ فلم ریلیز ہوتے ہی پورے ہندوستان میں دھوم مچ گئی اور بڑے بڑے فلمساز اس چہرے کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی پدما کی مارکیٹ ڈاؤن ہوگئی پہلے فلم ساز اس کے پاس آتے تھے ایک شام وہ جانی کے دفتر پہنچی اور اسے دو سال پرانا وعدہ یاد دلایا۔ جانی کا اب مزاج ہی بدل چکا تھا ایک سے ایک حسینہ اس کے پاس آتی تھی اور اس کی نظرالتفات کی منتظر رہتی تھی نیز اسے پدما کے چہرے پر وہ رنگ و روپ بھی نظر نہ آیا جو اس نے دو سال پہلے دیکھا تھا یا تو پدما بدل گئی تھی یا اس کی نظریں بدل گئی تھیں۔

پدما دیوی ان دنوں میں دو بیویوں اور ایک بچے کا باپ تھا جانی نے کہا لیکن اب تین بچوں کا باپ ہوں دو بچے فاطمہ کے ہیں اور ایک بچہ نوشین کا۔ جانی ہم آپ کی خاطر ان کو برداشت کرلیں گے پدما نے کہا ہم نے سنا ہے کہ آپ نے پہلی بیوی کو محض انسانی ہمدردی کی بناء پر گھر میں رکھ چھوڑا ہے وہ ایک ملازمہ کی طرح گھر میں کام کرتی ہے اور چھوٹی بیوی پیشانی کے داغ کے سبب آپ کی نظروں سے گر چکی ہے۔ پدما جی تم بتوں کی پجاری ٹھہریں ہمارا ملاپ کیسے ہوسکتا ہے۔ جان بخش جی ہم نے نہ پہلے کبھی بتوں کو پوجا نہ آئندہ پوجیں گے ہمارا نام عظمیٰ بیگم ہے ہم لکھنؤ کی رہنے والی ہیں پدما تو ہمارا فلمی نام ہے۔ عظمیٰ بیگم میں شرط ہار چکا ہوں میں سٹوڈیو کا مالک نہیں بن سکا تم نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ میں نے اپنے جیون کو جوکھم میں ڈالا اس دھندے میں کوئی کوئی کامیاب ہوتا ہے۔ پدما اداس اداس رخصت ہوگئی اسی اثناء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوچکی تھی اور ہندوستان میں قومی جوش پیدا کرنے والی فلمیں زیادہ کامیاب ہورہی تھیں نیز انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی بھی جوش پکڑتی جارہی تھی۔ جانی نے ان پانچ سالوں میں خوب دولت کمائی جب انگریز نے ہندوستان سے اپنا بوریا بستر لپیٹنا شروع کیا تو جانی نے کالے شاہ

کے مشورے پر اپنا بوریا بستر لپیٹا اور لاہور آگیا یہاں سیاسی شعور رکھنے والے ہندو لالے اپنی جائیدادیں فروخت کرکے اپنے ملک کا رخ کررہے تھے جانی جو اب جان بخش کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا اپنی پوری ٹیم کے ساتھ یہاں پہنچا تھا اس نے یہاں پہنچتے ہی بھاگتے ہوئے ہندوؤں کی جائیدادیں اونے پونے خریدنا شروع کردیں اور لگے ہاتھوں ایک سٹوڈیو بھی خرید لیا۔ اس کی دونوں بیویاں اور بچے بھی ساتھ تھے لیکن وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا تھا جب اگست میں ہنگامہ ختم ہوگیا اور حالات پرسکون ہوگئے تو اس نے فوراً فلمیں بنانا شروع کردیں وہ بے پناہ دولت کا مالک بن چکا تھا اور اس نے ایک شاندار علاقے میں کوٹھی اپنی رہائش کے لئے خریدلی تھی جو کم و بیش تین ایکڑ رقبے پر مشتمل تھی وہ نوابوں کی طرح اس کوٹھی میں رہتا تھا فاطمہ اور نوشین کو اس نے کوٹھی کے احاطے میں دو مکان بنوا دیئے تھے جو نہ تو سرونٹ کوارٹر تھے اور نہ ہی بنگلے تھے۔ فاطمہ کے دو بچے تھے ایک لڑکا اور لڑکی دانیال اکیس سال کا ہوچکا تھا وہ اپنے باپ سے اب بھی اتنا ہی ڈرتا تھا جتنا دس سال پہلے ڈرتا تھا اس کی بہن کا نام عروج تھا اس کی عمر دس سال کے قریب تھی۔

اس کی رہائش گاہ میں اور اس کے باپ کی رہائش گاہ میں زمین و آسمان کا فرق تھا ان لوگوں کو کوٹھی میں جانے کی اجازت نہیں تھی کوٹھی میں رات ہوتے ہی گھنگھروؤں کی چھنا چھن شروع ہوجاتی تھی جو نصف رات تک جاری رہتی تھی اور صبح کے وقت وہاں سکوت مرگ طاری ہوتا تھا اس کے برعکس فاطمہ کی رہائش گاہ میں خاموشی چھائی ہوئی تھی اور صبح صادق کے اجالے کے ساتھ ہی وہاں سے کلام پاک کی روح پرور آواز گونجنے لگ جاتی تھی۔ نوشین کے بھی دو بچے تھے دونوں لڑکیاں تھیں غزالہ اور ارم دونوں کی عمریں نو اور سات سال تھیں وہ خود تیس سال کی ہوچکی تھی اور اس نے اپنی پیشانی کے داغ سے سمجھوتا کرلیا تھا یوں بھی اس کی کوئی سوشل لائف نہیں تھی اب اسے اپنی سوکن سے گہرا لگاؤ ہوچکا تھا اور وہ اپنی ضرورت کا زیادہ وقت اس کے پاس گزارتی تھی اس لگاوٹ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دونوں کا دکھ مشترکہ تھا۔ اگرچہ جان بخش کا ذاتی سلوک ان کے ساتھ اچھا نہیں تھا لیکن وہ ان کے اخراجات کا پورا خیال رکھتا تھا دونوں کو اس نے گاڑیاں دے رکھی تھیں جن کے ساتھ ڈرائیور بھی تھے نوشین اس لئے وہاں ٹکی ہوئی تھی کہ اس سے بہتر رہائش اسے کہیں اور نہیں مل سکتی تھی اور فاطمہ ان وفادار مشرقی عورتوں میں سے تھی جن کا جنازہ ہی ان کو ان کے شوہر کے گھر سے نکال سکتا ہے۔ ایک رات جان بخش کی کوٹھی میں بڑے زور کا مجرہ ہورہا تھا ناچنے والی نو عمر طوائف کے انگ

انگ میں بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔ پچاس سالہ جان بخش ایک ہاتھ میں شراب کا جام پکڑے دوسرے ہاتھ سے اس کا فراد اپر نوٹوں کی بارش کر رہا تھا اس محفل میں حسب معمول جان بخش کے چند خاص دوست موجود تھے۔ وہ سب صاحبِ حیثیت اور اعلیٰ عہدوں کے حامل تھے۔ چند طوائفیں شراب لانے اور محفل گرمانے کے لئے بھی موجود تھیں۔ نصف رات کے قریب جب محفل ختم ہوئی اور نیم مدہوش میاں جان بخش نوعمر رقاصہ کے سہارے اپنی خواب گاہ میں داخل ہوا تو نیم تاریک آراستہ خواب گاہ میں اس نے ایک معمر شخص کو کرسی پر بیٹھے پایا اس معمر شخص کی داڑھی کے زیادہ تر بال سفید ہو چکے تھے اور اس کے چہرے پر گہرا اضمحلال پایا جاتا تھا یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ ایک طویل سفر کے بعد بہت تھک گیا ہو۔ اس نے نظر اٹھا کر جان بخش کی طرف دیکھا اور دوبارہ ہتھیلی پر سر ٹکا کر جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ جان بخش اسے دیکھ کر سخت مغلوب الغضب ہوا اور آگے بڑھ کر اس کے منہ پر زور دار تھپڑ رسید کر دیا مذکورہ شخص کی ٹوپی سر سے اتر کر دور جا گری جان بخش نے اسے گریبان سے پکڑ کر جھٹکا دیا اور کہا۔ ”کون ہو تم‘ تمہیں میری خواب گاہ میں گھسنے کی جرأت کیسے ہوئی میں تمہیں قتل بھی کر سکتا ہوں۔“ شخص مذکور تاسف سے مسکرایا اور بولا جان بخش تم نے میرے قتل میں کسر ہی کون سی چھوڑ دی ہے آواز سن کر جان بخش چونکا اس کی مدہوشی کی کیفیت کسی تک جاتی رہی۔

ارے سفید شاہ تم ہو میں نے تمہیں پہچانا ہی نہیں یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے‘ تم تو بالکل بوڑھے ہو گئے ہو۔ ٹھیک کہتے ہو جان بخش انسان انہی کو پہچانتا ہے جن سے محبت کرتا ہے۔ سفید شاہ نے قالین پر گری ہوئی ٹوپی اٹھائی اور اسے جھاڑ کر سر پر رکھ لیا اس نے اداسی سے کہا پتہ نہیں کیوں آ گیا ہوں حالانکہ مجھے آنا نہیں چاہئے تھا اب تو تم بالکل بھوکے ننگے ہو گئے ہو۔ تمہیں میری بات کہاں سمجھ آئے گی جان بخش کو سفید شاہ کی بات دلچسپ لگی وہ بولا۔ سفید شاہ کیا باؤلے ہو گئے ہو میں تمہیں کیا بھوکا ننگا دکھائی دیتا ہوں کیا تمہیں میرے اردگرد پھیلی ہوئی آسائشیں اور متاع بے گراں دکھائی نہیں دیتیں؟ سفید شاہ کسی تھکے ہوئے انسان کی طرح زمین پر بیٹھ گیا اور اپنے استخوانی ہاتھوں کو گھورنے لگا میاں جان بخش اپنے شاندار بستر پر بیٹھ گیا اور رقاصہ سے بولا بیٹھو ستارہ۔ سفید شاہ گہرا سانس لیتے ہوئے بولا جانی جس طرح تجھے اپنا ننگ دکھائی نہیں دیتا اسی طرح مجھے یہ تیرا متاع غرور دکھائی نہیں دیتا تُو اندھا ہو چکا ہے جان بخش۔ کیا بات ہے سفید شاہ آج بڑی اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہے ہو کہاں گیا تمہارا وعظانہ کلام؟ سفید شاہ نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ کوئی امید تو نظر نہیں آتی لیکن شاید تمہاری توبہ قبول ہو جائے۔ جان بخش

نے زور سے قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”تمہاری ان فرسودہ باتوں میں کوئی اثر نہیں رہا یاد ہے وہ وقت جب میں ایک جنگل میں بیٹھا ہوا اپنی زندگی ختم کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا اور تم بڑے کروفر سے میرے پاس آئے تھے لیکن تمہارے پاس صبر کی نصیحتوں کے سوا کچھ نہ تھا پھر میری ملاقات کالے شاہ سے ہوئی اس نے ایک سجدہ کے عوض مجھے دنیا کی دولت سے مالا مال کر دیا آج میں اس ملک کے امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتا ہوں بڑے بڑے لوگ جھک کر مجھے سلام کرتے ہیں اور میرے ساتھ تعلق رکھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس سے تو اچھا تھا کہ تم اسی جنگل میں بھوک سے دم توڑ دیتے آہ میں تمہارے سر پر ایک بڑے رسوا کر دینے والے عذاب کو مستول دیکھتا ہوں۔ میاں جان بخش نے ایک اور قہقہہ لگایا تم لطیفے بہت چھوڑتے ہو وہ عذاب در حقیقت تمہارے اردگرد منڈلا رہا ہے ذرا اپنی حالت تو دیکھو تم تو اس بلبل کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سچ کہتے ہو جان بخش میں واقعی کمزور ہو گیا ہوں اچھا وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر اٹھا اب میں چلتا ہوں تھپڑ کا شکریہ دل تو نہیں چاہتا کہ تمہیں کوئی نصیحت کروں مگر میں اس کام سے باز بھی نہیں رہ سکتا اگر تمہیں اپنی بیویاں پسند نہیں ہیں تو ایک شادی اور کر لو یہ جو کچھ تم کر رہے ہو یہ اچھا نہیں ہے۔

اسی وقت دروازے کی طرف سے ایک قہقہے کی آواز سنائی دی دونوں نے بیک وقت دروازے کی طرف دیکھا۔ قہقہہ لگانے والا کالے شاہ تھا وہ پہلے سے زیادہ فربہ اور پُرکشش لگ رہا تھا اس کے سنہرے بالوں کی ایک سرکش لٹ اس کی خوبصورت پیشانی پر بکھری ہوئی تھی اس کے پیچھے ایک قوی الجثہ شخص تھا جو ایک سترہ اٹھارہ سال کی لڑکی کو گھسیٹتا ہوا اندر لا رہا تھا لڑکی کے بال پراگندہ تھے اور وہ بے نام سی مزاحمت کر رہی تھی اس کی قمیض کندھے سے پھٹی ہوئی تھی اور اس کے جسم پر تشدد کے نشانات نظر آ رہے تھے قوی الجثہ شخص نے نہایت بے رحمی کے ساتھ اسے بستر پر پھینک دیا اور بولا۔

سر مجھے اجازت ہے؟ جان بخش نے شیطانی سے مسکراہٹ کے ساتھ لڑکی کی طرف دیکھا جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر قوی الجثہ شخص کی طرف اچھال دی اور بولا او کے اقبال اب تم جاؤ۔ لڑکی محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ اقبال خان نوٹوں کی گڈی دبوچتا ہوا بولا شکریہ سر لڑکی کا نام نوشابہ ہے۔ اقبال کے جانے کے بعد کالے شاہ نے سسکتی ہوئی لڑکی کی طرف دیکھا پھر بولا سفید شاہ دیکھی تُو نے میری عطا کردہ دولت کی طاقت یہ سب میری عطا ہے دولت قوت شوکت اور شہرت۔ میں تمہاری عطا پر تھوکتا بھی نہیں جان بخش تمہاری بیویوں کا بھی تم پر کچھ حق ہے۔ بی وی یاں جان بخش نے کریہہ الصوت قہقہہ لگایا بیویاں یا بھینسیں اے سفید شاہ اتنا تو سوچ وہ گوشت کے ڈھیر میرے اس چاند

جانی کے لائق کہاں بڑی پچپن سال کی بڑھیا چھوٹی تیس سال کی بد صورت اور بے وفا عورت اور ابھی تیسری شادی کی ضرورت نہیں ہے میرے چاند کی عمر ہی کیا ہے اس شہر کی کون سی لڑکی ہے جو اس صاحب جمال شخص کے ساتھ شادی کرنا پسند نہ کرے گی۔ سفید شاہ نے بستر پر پڑی کمزور لڑکی کو دیکھا تو اس کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہنے لگے یہاں تک کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اس نے روتے ہوئے کہا۔ جان بخش یہ مت بھول کہ تو بھی تین بیٹیوں کا باپ ہے ایسا سانحہ ان کے ساتھ بھی پیش آسکتا ہے۔ جان بخش نے کالے شاہ کی طرف دیکھ کر قہقہہ لگایا اور بولا سنا تم نے کالے شاہ یہ کہتا ہے کہ میری صرف تین بیٹیاں ہیں۔ سفید شاہ تاسف بھرے انداز میں سر جھٹکتا ہوا جان بخش کی خواب گاہ سے نکل گیا اب وہاں کالے شاہ نو عمر رقاصہ اور نوشابہ نامی لڑکی رہ گئی تھی جان بخش نے اٹھ کر الماری کھولی اور اندر سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر بستر پر پڑی ہوئی لڑکی کی طرف اچھال دی اور بولا۔ یہ لے لڑکی یہ رقم رکھ لے اس در سے کبھی کوئی خالی ہاتھ نہیں گیا اگر مزید ضرورت ہو تو یہاں چلی آنا غریبوں کے معاملے میں میرا دل بڑا نازک ہے پھر اس نے نو عمر رقاصہ سے کہا شہزادی ایسی غزل سناؤ کہ آج یہ بلبل بھی تڑپ اٹھے رقاصہ شوخی سے بولی۔ "مہاراج بلبل تو پہلے ہی تڑپ رہی ہے اسے اور کیا تڑپائیں گے آپ؟" تاہم اس نے کونے میں پڑا ہارمونیم اٹھا کر کمرے کے وسط میں رکھا اور ایک پُرسوز غزل چھیڑ دی۔ چند لمحوں بعد نوشابہ نامی لڑکی بستر سے اٹھی اور پھٹی پھٹی نظروں سے ارد گرد دیکھنے لگی پھر اس نے اپنے قریب پڑی نوٹوں کی گڈی کو پڑے دیکھا لیکن یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آنکھیں شناخت کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی تھیں اس نے نوٹوں کو اٹھا کر انہیں قریب سے دیکھا اچانک اس نے نوٹوں کو پھینک دیا اور وحشیانہ انداز میں اپنے بال نوچنے لگی رقاصہ کی آواز اس کی چیخوں میں دب گئی تھی اور میاں جان بخش نے لڑکی کی یہ کیفیت دیکھ کر بے تحاشہ قہقہے لگانے شروع کر دیئے اس کی حالت اس نادان بچے کی سی تھی جو ایک چڑیا کے پر نوچ کر خوش ہو رہا ہو۔

جان بخش کی خواب گاہ میں اکثر ایسی وحشیانہ چیخیں گونجتی رہتی تھیں اور یہ آوازیں اس کوٹھی کی مضبوط دیواروں سے ٹکرا کر دم توڑ دیتی تھیں وقت یونہی گزرتا رہا 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں جب شہر توپوں کی گھن گرج سے گونج اٹھا تو میاں جان بخش نے گھبرا کر ہجرت کر لی اور دوسرے شہر جا کر آباد ہو گیا۔ یہ شہر اسے کچھ اچھا لگا اس نے ناظم آباد میں جگہ خریدی اور وہاں ہوزری اور ٹاول انڈسٹری کی بنیاد رکھی اور جان پیلس کی تعمیر شروع کر دی اس کام میں وہ پانچ سال تک مصروف رہا جب جان پیلس کی تعمیر مکمل

ہو گئی تو اس نے پہلے والی کوٹھی فروخت کر دی اس شہر میں منتقل ہو گیا فاطمہ اور نوشین کے لئے اس نے یہاں بھی الگ الگ مکان تعمیر کرائے تھے۔ فاطمہ نے اپنے دونوں بچوں کی شادی کر دی تھی اور دادی نانی بن گئی تھی اس کا بیٹا دانیال جو چوالیس سال کا ہو چکا تھا ماں کی تربیت کے طفیل ایک نیک اور نرم مزاج انسان تھا وہ ایک پرائیویٹ فرم میں اعلیٰ افسر تھا اور اپنے باپ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا وہ اپنی بوڑھی اور ضعیف ماں کو اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا مگر بہتر سالہ فاطمہ کا کہنا تھا کہ وہ مر کر ہی اپنے شوہر کا گھر چھوڑے گی۔ نوشین نے بھی اپنی بیٹیوں کی شادیاں کر دی تھیں اس کی چھوٹی بیٹی ارم جو تین بچوں کی ماں بن چکی تھی اپنے شوہر کے ہمراہ ماں کے پاس رہتی تھی لیکن ستر سالہ جان بخش کو اپنے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ ستر سال کی عمر میں بھی اس کے شیطانی مشغلے جاری تھے تاہم اس کی عمومی شہرت اچھی تھی سبب اس کا یہ تھا کہ وہ مدرسوں اور رفاہی اداروں کو عطیات وغیرہ دیتا رہتا تھا۔ ایک روز اس کی سیکرٹری نے اسے بتایا کہ ایک عورت اس سے ملنا چاہتی ہے۔ "کس سلسلے میں؟" اس نے ترش لہجے میں پوچھا۔

وہ کہتی ہے کہ کوئی ذاتی کام ہے سیکرٹری نے جواب دیا اگر آپ کہیں تو میں اسے جواب دے دوں۔ میاں جان بخش نے برہمی سے کہا مس روبی تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں ایک مصروف آدمی ہوں میں نے تمہیں اس لئے سیٹ پر بٹھایا ہے کہ میں ہرایرے غیرے سے نہیں مل سکتا تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتی۔ آئی ایم سوری سر وہ بہت اصرار کر رہی تھی میں اسے واپس بھیج دیتی ہوں۔ اوکے سینڈ ہر اِن جان بخش نے کہا اور سگار بکس سے ایک سگار نکال کر سلگانے لگا لمحہ بھر کے بعد ایک پینتالیس چھیالیس سالہ عورت جان بخش کے آراستہ اور کشادہ کمرے میں داخل ہوئی اس نے ساڑھی پہن رکھی تھی اور اچھی دلکش عورت تھی وہ جھجکتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی اور بولی میاں صاحب میں ایک بیوہ عورت ہوں میرے شوہر کا حال ہی میں انتقال......... جان بخش نے ناگواری سے عورت کی طرف دیکھا اور اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "کیا یہ چاہتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ شادی کر لوں۔" عورت کا چہرہ سرخ ہو گیا وہ بولی میں نے یہ تو نہیں کہا میں تو اس لئے آپ کے پاس حاضر ہوئی۔ خاتون میں مصروف آدمی ہوں تمہید چھوڑو اور مختصر بات کرو عورت کی ہتھیلیوں میں پسینہ آگیا وہ بولی۔

"میاں صاحب میں کچھ قرض حسنہ کی امید لے کر آپ کے پاس آئی ہوں۔" جان بخش نے جھنجھلا کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف

اچھال دیا۔ آپ لوگوں کو ذرا شرم نہیں آتی جسے دیکھو بھکاریوں کی طرح ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے یہ لو اور جاؤ۔ میاں صاحب میں بھیک مانگنے نہیں آئی عورت نے کہا مجھے بیس ہزار روپے بطور قرض حسنہ چاہئے میرے بیٹے کو ایک خلیجی ریاست میں ملازمت مل گئی ہے لیکن ایجنٹ بیس ہزار روپے مانگ رہا ہے میں آپ کی ایک ایک پائی ادا کردوں گی آپ مجھ سے بے شک کاغذ لکھوا لیں۔ بیس ہزار روپے جان بخش نے آنکھیں پھیلا کر عورت کو گھورا کیا تم نے بیس ہزار ہی کہا ہے۔ میاں صاحب اگر مجھ بیوہ کے کندھوں پر دو بیٹیوں کا بوجھ نہ ہوتا تو میں اپنے بیٹے کو کبھی باہر نہ بھیجتی آپ جانتے ہیں کہ آج کل بیٹیوں کی شادی کرنا کتنا بڑا مسئلہ ہے۔ بیٹیوں کا نام سنتے ہی جان بخش کا چہرہ قدرے نرم پڑ گیا ہوں تو دو بیٹیوں کا بوجھ تمہارے کندھوں پر اس نے پُرخیال انداز میں کہا کتنی عمریں ہیں ان کی۔ بڑی پچیس سال کی ہے اور چھوٹی پندرہ سال کی۔ جان بخش نے جیب سے ملاقاتی کارڈ نکال کر عورت کو دیا اور کہا اپنی بڑی بیٹی کو اس پتے پر بھیج دینا بیس ہزار روپے مل جائیں گے۔ بات سیدھی اور دو ٹوک تھی لیکن عورت الجھن میں پڑ گئی وہ بولی میاں صاحب میں خود حاضر ہو جاؤں گی خاتون میں دو دفعہ بات کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ اگر تمہیں پیسوں کی ضرورت ہے تو اپنی بیٹی کو آٹھ بجے بنگلے پر بھیج دینا اور وقت کا خیال رکھنا لڑکی سے کہہ دینا کہ آٹھ بج کر دس منٹ نہ ہوں اب جاؤ۔ عورت کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تاہم اس نے کارڈ اٹھا لیا اور سلام کرکے رخصت ہو گئی جان بخش نے اپنی ڈائری پر کچھ لکھا اور انٹر کام پر اپنی سیکرٹری سے کہا مس روبی آج کا فنکشن میں اٹنڈ نہیں کرسکتا۔ اوہ۔ سر آپ تو اس فنکشن کے چیف گیسٹ ہیں۔ آپ کے بغیر تو فنکشن نہ ہوسکے گا۔ لیٹ دیم کینسل دا فنکشن جان بخش نے غصے سے کہا اور انٹرکام بند کردیا۔

رات کے پونے آٹھ بجے وہ اپنی آراستہ خواب گاہ میں سگار کے کش لیتا ہوا ٹہل رہا تھا اوپر کی منزل پر واقع اس کی کشادہ خواب گاہ کی کھڑکیوں سے وسیع پیلس کے ہر گوشے میں دیکھا جاسکتا تھا لیکن باہر سے اندر نہیں دیکھا جاسکتا تھا کھڑکیوں کے شیشے ہی ایسے تھے آٹھ بجنے میں سات منٹ پر جان بخش نے نئے ماڈل کی گرے ڈاج ڈارٹ کو بنگلے کے صدر دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھا اس نے میز پر رکھی دور بین اٹھائی اور کار نشینوں کا جائزہ لیا وہ ڈپٹی سیکرٹری ناصر بیگ اور اس کی خوبرو بیگم شائستہ تھی میاں جان بخش نے انٹرکام پر اپنے پی اے سے جو نچلی منزل پر موجود تھا رابطہ ملایا اور کہا۔ ناصر اور اس کی بیوی سے کہہ دو کہ جان بخش گئے ہوئے ہیں اور دو روز سے پہلے نہیں آئیں گے۔ بہت بہتر سر! نوجوان پی اے کاشف علی نے عادتاً کہا پھر جھجکتا ہوا بولا سر ناصر کے پاس

ہمارا دو کروڑ روپے کا کنٹریکٹ منظوری کے لئے رکھا ہوا ہے اگر آپ اجازت دیں تو انہیں تھوڑا انٹرٹین..........

ناصر کا باپ بھی ہمارا کنٹریکٹ نہیں روک سکتا جان بخش نے کہا ہی از جسٹ اے سائننگ مشین بٹ اپنی ہاؤ یو کین انٹرٹین ہم لیکن ذرا خیال رکھنا اسے زیادہ پھیلنے کا موقع نہ دینا۔ بات ختم کرتے ہی اس نے ایک ٹیکسی صدر دروازے کے ساتھ رکتے دیکھی اندر سے ایک دراز قامت لڑکی باہر آئی اس نے ٹیکسی کا بل ادا کیا اور دروازے کی طرف بڑھی جان بخش نے دوبارہ دور بین پکڑ کر آنکھوں سے لگائی۔ لڑکی کا سراپا حسن و جمال دیکھتے ہی اس کی آنکھیں چندھیا گئیں اس نے بے شمار فلمیں بنائی تھیں اور ایک سے ایک حسین لڑکی سے اس کا واسطہ پڑا تھا لیکن وہ بہت کم ہی لڑکی سے متاثر ہوا تھا اس لڑکی نے اسے پہلی ہی نظر میں متاثر کرڈالا تھا حُسن کے علاوہ اس کے انداز میں بے پناہ اعتماد اور چہرے پر متانت پائی جاتی تھی۔ لمحہ بھر کے بعد انٹرکام آن ہو گیا اور کاشف کی آواز سنائی دی سر وہ آگئی ہے۔ اوکے جان بخش نے کہا اسے میرے پاس چھوڑ جاؤ نصف منٹ کے بعد دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور خوشبو کے ایک جھونکے کے ہمراہ وہ سراپا ناز پُروقار انداز میں اندر داخل ہوئی اور یوں آگے بڑھی جیسے وہاں کی کوئی چیز اس کے لئے اجنبی نہ ہو۔ ہیلو اس نے سلام کے لئے ہاتھ بڑھایا کیسے ہیں آپ اینڈ پلیز چیک یور واچ۔ جان بخش نے اس کا گداز ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی تو اس وقت ٹھیک آٹھ بجے تھے لڑکی کی بے ساختگی خوداعتمادی اور پابندی وقت نے اس کے برسوں پرانے اعتماد کو جسے وہ لڑکیوں کے معاملے میں خاصی طور پر استعمال کرتا تھا متزلزل کردیا تھا۔ لڑکی نے خواب گاہ میں نظر دوڑائی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی واٹ اے ونڈر فل بیڈ روم بٹ نات اے سوٹ ایبل پلیس فار میٹنگ اوہ سوری' مجھے زیبا کہتے ہیں۔ آپ سمجھ ہی گئے ہیں کہ میں کون ہوں اور کیوں آئی ہو؟"

"ہاں میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا آؤ بیٹھو۔" جان بخش نے بڑے صوفے کی طرف اشارہ کیا لیکن زیبا نے اس کے اشارے کو نظرانداز کردیا اور سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔ میری عزت افزائی ہے اس نے کہا کہ اتنا بڑا آدمی میرا انتظار کر رہا تھا۔ اِدھر آکر بیٹھو جان بخش نے اصرار کیا۔ کیوں؟ زیبا مجسم سوال بن گئی یہاں بیٹھنے میں کیا حرج ہے مہمان کو میزبان کی بات کا خیال رکھنا چاہئے۔ جان بخش نے کہا اور میزبان کو مہمان کے جذبات کا خیال رکھنا چاہئے زیبا نے کہا میں آپ کا زیادہ وقت نہیں ضائع کرنا چاہتی آپ مجھے بیس ہزار روپے عنایت کردیں تاکہ میں جاؤں۔ جان بخش کے اندر چھپا ہوا جانی

بدمعاش بتدریج اس کے حواس پر مسلط ہوتا جارہا تھا وہ الماری سے شراب کی بوتل اور دو گلاس نکال لایا اور بولا۔ "بیس ہزار روپے بھی مل جائیں گے بیٹھو تو سہی میرے مہمان کھائے بغیر نہیں جاتے وہ ملحقہ کمرے میں گیا اور ایک ٹرے اٹھالایا جس میں بھنے ہوئے بٹیر اور دیگر کھانے کی اشیاء رکھی تھیں۔

آجاؤ اسے اپنا ہی گھر سمجھو زیبا نے آنکھیں پھیلائیں اور بولی انتظامات تو آپ نے خوب کر رکھے ہیں لیکن میں آپ کا ساتھ نہ دے سکوں گی ہاں یہ آلو کے چپس تھوڑی سی چکھ لیتی ہوں۔ جان بخش نے زیبا کی بات پر توجہ دیئے بغیر شراب کے دو جام بھرے اور ایک اس کے سامنے سرکاتا ہوا بولا بیس ہزار روپے معمولی رقم نہیں ہے مہربانی کے عوض مہربانی تو کرنا ہی پڑتی ہے۔ اوہ آئی سی زیبا اٹھتے ہوئے بولی یہ بات آپ نے پہلے نہیں بتائی تھی بہرحال مجھے یہ سودا منظور نہیں ہے شکریہ میاں صاحب۔ کوئی اور لڑکی یہ حرکت کرتی تو اتنی آسانی سے باہر جانے کی بات نہ کرسکتی جیسے ہی وہ خواب گاہ سے باہر قدم رکھتی جان بخش ایک بٹن دبا دیتا ایک بھیانک چہرے والا غنڈہ لڑکی کو پکڑ کر ملحقہ کمرے میں لے جاتا پھر نصف گھنٹے کے بعد جب وہ لڑکی اس کمرے سے باہر نکلتی تو شراب کے نشے میں دھت ہوتی لیکن زیبا نے جان بخش پر عجیب سحر طاری کردیا تھا وہ اس کی مسکراہٹوں سمیت اسے اپنانا چاہتا تھا۔ ایک منٹ زیبا اس نے کہا تم خالی ہاتھ نہیں جاؤ گی بیٹھو میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ زیبا رک گئی لیکن بیٹھی نہیں بولی جی فرمائیے۔ زیبا میں تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں۔ جان بخش نے اچانک کہا اور وہ خود بھی اپنی بات پر حیران رہ گیا آپ........ زیبا نے حیرانی سے کہا۔ اس عمر میں شادی کریں گے اپنی پوتی کی عمر کی لڑکی سے اگر میں غلطی نہیں کر رہی تو آپ کی عمر کم از کم پچھتر سال ہوگی۔ میری عمر تہتر سال ہے جان بخش نے کہا اور تم یقیناً میری پوتی کے برابر ہو لیکن پوتی نہیں ہو پھر بھی میں تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں تمہاری پسند کی نئی کار خوبصورت بنگلہ اور پانچ لاکھ روپے بطور تحفظ دے سکتا ہوں اور یہ چیزیں تمہاری ملکیت ہوں گی۔ زیبا کا جسم ڈھیلا پڑ گیا آپ مجھے مالدار بیوہ بنانا چاہتے ہیں؟ نہیں مالدار بیوی۔ جان بخش نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی کار بنگلہ بینک بیلنس پانچ لاکھ روپے۔ زیبا نے کہا آپ کی جائیداد کا وارث کون ہوگا؟ میری اس وقت دو بیویاں چار بچے اور بے شمار نواسے نواسیاں ہیں جان بخش نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہا میری بڑی بیوی کی عمر اس وقت تہتر سال ہے چھوٹی بیوی کی عمر چون پچپن کے قریب ہوگی دونوں الگ الگ بنگلوں میں رہتی ہیں تمہارا ان کے ساتھ کوئی واسطہ نہ ہوگا جہاں تک جائیداد کی وراثت کا تعلق ہے اس میں سے سب کو

حصہ ملے گا۔ ہوں تو کیا جواب ہے تمہارا؟

"پہلے وہ بیس ہزار روپے جس کا آپ نے وعدہ کیا تھا تاکہ مجھے یہ تو احساس ہو کہ آپ وعدے کے پکے ہیں۔" جان بخش نے اٹھ کر سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی اندر سے سو روپے والے نوٹوں کی گڈیاں نکالیں اور زیبا کو تھمادیں۔ زیبا نے ہینڈ بیگ کھولا اور دونوں گڈیاں اندر رکھ لیں تب ہی میاں جان بخش نے دیکھا کہ اس کے ہینڈ بیگ میں ایک چھوٹا سا پستول موجود تھا۔

"شکر ہے اس بیوہ کا کام تو ہوا۔" زیبا ہینڈ بیگ بند کرتے ہوئے بولی۔ بیوہ؟ جان بخش نے چونک کر کہا کیا وہ تمہاری ماں نہیں ہے جی نہیں وہ میری ماں نہیں ہے کسی بیوہ کی بیٹی اتنی فارورڈ نہیں ہوسکتی۔ مسز نواب آج بہت پریشان میرے پاس آئیں اور کہا کہ ایک صاحب نے پیسے دینے کا وعدہ تو کیا ہے لیکن وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنی بیٹی کو ان کے پاس بھیج دوں۔ دیکھنے میں تو شریف آدمی ہی لگتے ہیں لیکن اندر کا حال کون جانے اگر کچھ ہوگیا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی میں نے اس سے ساری بات پوچھی اور آپ کے پاس حاضر ہوگئی۔ جان بخش نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا مجھے ایسی عورتیں بہت بری لگتی ہیں جو ناک اور منہ کی بہت باتیں کرتی ہیں بہرحال یہ رقم اس عورت کے منہ پر ماردینا ویسے مجھے اس کا شکر گزار بھی ہونا چاہئے کہ اس کی وجہ سے تمہارے ساتھ ملاقات ہوگئی ہاں تو کیا سوچا ہے تم نے؟ دس لاکھ روپے' زیبا نے کہا نئی کار اور فرنشڈ بنگلے کے علاوہ اور یہ سب کچھ نکاح سے پہلے ہوگا۔ جان بخش نے فیصلہ کرنے میں ایک منٹ بھی نہیں لگایا اور بولا مجھے منظور ہے کل اپنے بڑوں کو لے کر آجاؤ۔ میرے بڑوں کی فکر نہ کریں میں خود ہی کافی ہوں۔ حقیقت یہ تھی کہ زیبا ایک کال گرل تھی اور کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھی اگر اس کے ساتھ کوئی برا بھلا ہو بھی جاتا تو کوئی فرق نہیں پڑتا تاہم اس نے جان بخش کو متاثر کرنے کے لئے ایک روایتی سی کہانی گھڑ کے سنادی۔ یہ کہانی وہ اکثر و بیشتر سناتی رہتی تھی جس کی وجہ سے اس میں کوئی جھول نہیں رہا تھا کہانی یہ تھی کہ وہ ایک قدامت پسند مذہبی گھرانے کی فرد تھی اور اس کی اپنے گھر والوں سے بھی نہیں بنی تھی۔ چند ہفتوں بعد وہ مسز جان بخش کی حیثیت سے جان پیلس میں منتقل ہوگئی۔ تہتر سالہ بوڑھا جب حجلہ عروسی کے دروازے پر پہنچا اس نے دروازے کے قریب کالے شاہ کو اداس کھڑے دیکھا۔ جانی میرے چاند یہ تونے اچھا نہیں کیا۔ صرف صورت پر لڑھک گئے جان بخش نے گھبرا کر کہا کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے۔ میرے جگر کے ٹکڑے جو چیز چند سکوں میں مل سکتی تھی اس کے لئے بیس لاکھ کی چوٹ کھا

گئے۔ نہیں جان بخش نے کہا زیبا تو ایک قدامت پسند خاندان کی پاک صاف لڑکی ہے۔ پاک صاف میری جوتی اور تجھے پاک صاف سے کیا غرض پاک صاف کی نہیں ہے میری جان تو جکڑ بندی میں آگیا ہے یہ چھوکری چھٹی ہوئی طوائف ہے اب یہ تیری طنابیں کھینچ کر رکھے گی سارا طنطنہ بھول جاؤ گے بہرحال جاؤ جاکر بھگتو۔

یار کالے شاہ دل توڑنے والی باتیں تو نہ کرو مجھے تو صرف تمہارا ہی آسرا ہے۔ کالے شاہ ہاتھ ہلاتا ہوا رخصت ہوگیا پھر وہی ہوا جو کالے شاہ نے کہا تھا کچھ ہی عرصے کے بعد زیبا نے آہستہ آہستہ سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا شروع کردیا وہ دوسروں کو متاثر کرنے اور حکم چلانے میں بہت ماہر تھی اس نے دھیرے دھیرے جان پیلس کے ان سارے ملازمین کی چھٹی کردی جو جان بخش کے خاص آدمی تھے ان کی جگہ اپنے خاص آدمی ملازم رکھ لئے۔ اب جان پیلس میں رقص و سرود اور بادہ وجام کی محفلیں نہیں جمتی تھیں ہاں وہاں کچھ نئے چہروں کی آمدورفت ضرور شروع ہوگئی تھی۔ زیبا ملازمین سے ہی جواب طلبی نہیں کرتی تھی بلکہ اپنے بوڑھے شوہر کی سرگرمیوں پر بھی نظر رکھتی تھی اگر وہ دیر سے گھر آتا تو اسے نوجوان بیوی کے سامنے تاخیر کی وجہ بیان کرنا پڑتی۔ بوڑھا لاکھ جوان بننے کی کوشش کرے لیکن وہ بوڑھا ہی رہتا ہے اس کے اعصاب کمزور ہوجاتے ہیں اور وہ رفتہ رفتہ خلاف اصول باتوں پر سمجھوتے کرنے شروع کردیتا ہے۔ اگرچہ جان بخش نے نوجوان بیوی سے کئی باتوں پر مفاہمت کرلی تھی لیکن اس کے غرور وتکبر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی کیونکہ بنیادی طور پر وہ ایک سفلہ اور جھوٹا آدمی تھا اور کمزوروں کو کچل کر آسودگی محسوس کرتا تھا۔ نوجوان بیوی کی نگرانی کے باوجود اس نے اپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل کے راستے نکال لئے تھے۔ 1975ء کے اوائل میں اس نے ایک عجیب منظر دیکھا رات کے پچھلے پہر اس کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھا کہ اس کی خواب گاہ کی دیواریں شیشے کی مانند شفاف ہوگئی ہیں پھر اس نے اسی وسعتوں میں دو فرشتوں کو دیکھا جن کے جسم آگ کے بنے ہوئے تھے اور جان بخش کی طرف اشارے کررہے تھے۔ اس منظر نے جان بخش کو ایسا دہشت زدہ کیا کہ وہ کئی روز تک جان پیلس سے باہر نہ جاسکا اس نے اپنی تمام مصروفیات منسوخ کردی تھیں اور سارا دن اپنے کمرے میں بند سوچتا رہتا تھا ہفتے کی شام اس نے کالے شاہ کو خواب گاہ میں داخل ہوتے دیکھا پہلے وہ کالے شاہ کو دیکھ کر خوش ہوتا تھا لیکن اب وہ اسے دیکھ کر غصے سے بے قابو ہوجاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اب کالے شاہ کے پاس اسے دینے کے لئے کچھ نہیں بچا تھا۔ کالے شاہ' ملعون اس نے چیخ کر کہا میں ساری عمر تیرے اشاروں پر چلتا رہا ہوں اب تو میری بات ہی نہیں سنتا۔

جان بخش بدبخت اب میں تیری بات کیا سنوں میں نے تجھے جو کچھ دینا تھا دے چکا میں نے تیرے ساتھ ساٹھ سال کا معاہدہ کیا تھا اور یہ معاہدہ آج رات ختم ہورہا ہے میں تیرے ساتھ آخری ملاقات کرنے آیا ہوں اب میری توجہ تیری اولاد کی طرف ہے میں تیری دولت کی وجہ سے ان کے دلوں میں نفرت اور دشمنی پیدا کرنے کی کوشش کررہا ہوں اور وہ سب میرے اشاروں پر چلنے کے لئے کمربستہ ہیں مگر تیرا بڑا بیٹا دانیال اور اس کی لب گور ماں میرے قابو میں نہیں آرہی ہیں اس عورت پر ہمیشہ رشک کرتا رہا ہوں اس نے اپنے بیٹے کو بھی اپنے جیسا مضبوط بنادیا ہے باقی سب کو میں نے اس دولت کے لئے لڑنے کے لئے تیار کردیا ہے۔

یہ سن کر جان بخش کے منہ سے گالیوں کا طوفان ابل پڑا اور وہ کالے شاہ کو مارنے کے لئے اس کی طرف بڑھا۔ کالے شاہ نے اسے دھکے دے کر پرے کردیا وہ بولا جانی ملعون میں سفید شاہ نہیں ہوں جو تیری مار کھا کر چپ رہوں گا تو تو جوانی میں مجھے زیر نہ کرسکا تو اب اس بڑھاپے میں مجھے خاک زیر کرسکے گا غصہ مت کر پیارے یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے تاکہ آخری بار گلے تو مل لے۔ جان بخش نے کالے شاہ کی طرف دیکھا تو حیرت اور خوف سے گنگ ہوگیا اس نے دیکھا کہ کالے شاہ کا بدن ایک متعفن اور بوسیدہ مادے کا بنا ہوا ہے۔ اور اس میں لاکھوں کیڑے کلبلا رہے ہیں وہ خوبصورت اور چھیلا چھبیلا نوجوان جو اسے بہت پیارا لگتا تھا غائب ہوچکا تھا وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور بولا کالے شاہ تیرے جسم کو کیا ہوا ہے؟ میرے جسم کو کچھ نہیں ہوا یہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہے فرق تیری آنکھوں میں پڑا ہے پہلے میں تجھے ویسا ہی نظر آتا تھا جیسا تو مجھے دیکھنا چاہتا تھا لیکن اب چونکہ تیرا آخری وقت آگیا ہے اس لئے تجھے ہر شے اصل روپ میں دکھائی دینے لگی ہے۔ آ یار' آخری بار گلے تو مل لے تو ہمیشہ میرا وفادار رہا ہے۔ جان بخش چیخ مار کر پیچھے ہٹا اور پھر بولا۔ کیا میں مرنے والا ہوں مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ کالے شاہ نے قہقہہ لگایا اور بولا ہوگا کیا جو زندگی بھر بوتے رہے ہو اس کا پھل کاٹو گے اچھا نہ ملو اب انشاء اللہ فی النار جہنم ملاقات ہوگی۔ کالے شاہ! جان بخش نے آنکھیں پھیلائیں تو اللہ کا نام لے رہا ہے اور کیا تیرا نام لوں اللہ کا بندہ ہوں اگرچہ سرکش ہوں پر نام تو اللہ ہی کا لوں گا۔ جان بخش زور زور سے رونے لگا اس کے دل میں سفید شاہ سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی تھوڑی ہی دیر بعد اس کی خواہش پوری ہوگئی سفید شاہ ڈنڈا ٹیکتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اس کی کمر خمیدہ جسم نحیف و نزار چہرے پر جھریاں داڑھی سفید اور چال میں لرزش تھی وہ جان بخش کے پیروں میں آکر بیٹھ گیا اور یوں ہانپنے لگا جیسے

طویل سفر طے کرکے آرہا ہو۔ سفید شاہ صاحب آپ اوپر تشریف رکھیں جان بخش نے کہا نیچے تو مجھے بیٹھنا چاہئے۔ جان بخش تم ہمیشہ مجھے ٹھوکریں مارتے رہے ہو اب مجھے کیا اوپر بٹھاؤ گے۔ سفید شاہ صاحب اب میری موت کا وقت قریب ہے۔ مم......... مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیں جس سے میری بخشش ہوجائے۔ سفید شاہ نے نفی میں سر ہلایا اور بولا۔ مشکل ہے بہت مشکل ہے بس کیا بتاؤں جب وقت تھا تم نے میری بات نہیں سنی اب مجھ سے کیا پوچھتے ہو ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہیں تم ساری زندگی پیروں تلے کچلتے رہے ہو اپنی پہلی اور دوسری بیوی کے پاس جاؤ ان کے پیر پکڑو اس جائیداد کو غریبوں میں بانٹ دو جسے تم نے ظلم اور زیادتی کے ذریعے حاصل کیا ہے ان لوگوں کو خود ہی زندہ کرو جنہیں تم نے قتل کیا ہے۔

سفید شاہ مجھے یوں مایوس نہ کر۔ سفید شاہ نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا مایوس تو تم نے مجھے کیا ہے ساری زندگی مایوس کرتے رہے ہو اچانک اس کی چھڑی بوجھ کے باعث پھیل گئی وہ گرا اور گرتے ہی دم توڑ دیا۔ جان بخش اٹھا اور اسی حالت میں اپنی پہلی بیوی فاطمہ کے گھر جا پہنچا نواسی سالہ فاطمہ بیگم جو خاصی کمزور ہوچکی تھی اپنے نواسے اور نواسیوں کے درمیان گھری ہوئی تھی بچے اپنی نانی اماں کے ساتھ بھولی بھالی باتیں کر رہے تھے اور معصوم قہقہے لگا رہے تھے۔ جان بخش کو وہ ماحول بہت پاکیزہ لگا اسے اپنی ضعیف العمر بیوی کے چہرے پر ایک نور اور تقدس نظر آیا وہ اسے ساری دنیا کی حسیناؤں سے زیادہ حسین لگی فاطمہ بیگم کی نظر کمزور ہوچکی تھی اس لئے وہ میاں جان بخش کو پہچان نہ سکی ارے بچو کون آیا ہے اس نے اپنا چشمہ لگاتے ہوئے پوچھا۔ فاطمہ بیگم کی گیارہ سالہ نواسی نے موسی سے کہا نانی اماں یہ اس کوٹھی والے خوفناک بابا ہیں فاطمہ بیگم نے چشمہ لگانے کے بعد جب اپنے شوہر کو دیکھا تو اس پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے پچاس سال کے بعد شوہر نے اس کے کمرے میں قدم رکھا تھا اس نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ بچو یہ تمہارے نانا جان ہیں انہیں سلام کرو کسی بچے نے سلام نہیں کیا وہ چپ ہوگئے اور ایک ایک کرکے چلے گئے۔ میاں جان بخش فاطمہ کے قدموں میں بیٹھ گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا فاطمہ آج تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو فاطمہ کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا لیکن جب اس نے اپنے شوہر کے چہرے کی طرف دیکھا تو اسے یقین کرنا پڑا جان بخش سچ بول رہا تھا ایک مدت کے بعد اسے سچ نظر آگیا تھا۔ اے پروردگار تو نے میری دعائیں سن لیں فاطمہ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا اب میرے سینے پر کوئی بوجھ باقی نہیں رہا خدا کا شکر ہے کہ میں سہاگن اس دنیا سے

رخصت ہو رہی ہوں۔ فاطمہ میں تمہارا گناہ گار ہوں۔ میاں جان بخش نے فاطمہ کے پیر پکڑ لئے میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں آج سے میں اسی گھر میں رہوں گا میں تمہارے ساتھ بہت ساری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے فاطمہ کے گود میں سر رکھ دیا اور بولتا رہا چند لمحوں کے بعد جب اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا اس کی بیوی کی روح قفس عنصری سے پرواز کرچکی تھی شاید وہ اسی خوشی کے انتظار میں زندہ تھی یا شاید اتنی بڑی خوشی نے اس کی جان لے لی تھی اس کا سر صوفے پر پڑا ہوا تھا اور میاں جان بخش نے دیکھا اس کے ہونٹوں پر ابدی مسکراہٹ سجی ہوئی تھی جو اس بات کی علامت تھی کہ وہ بہت خوش دنیا سے رخصت ہوگئی تھی۔

☆======☆======☆

"ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا جان بخش نے کس کا سہارا لیا تھا جانتے ہو؟" مولوی فاروق نے کچھ لمحے توقف کے بعد کہا اور میں چونک پڑا مجھے یوں لگا جیسے میں کسی وادی طلسم سے نکل آیا ہوں میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور پھر میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا ہاں میں سمجھ گیا اس نے شیطان کا سہارا لیا تھا کالے شاہ شیطان ہی کا ایک روپ تھا اور سفید شاہ یقیناً نیکی کا اشارہ۔ بالکل ٹھیک کہا۔ میں بالکل صاف گوئی سے عرض کر رہا ہوں مولوی صاحب اگر اعلیٰ خاندانوں کو اوصاف سے پہچانا جائے تو بے شک میرا خاندان ایک اچھا خاندان تھا لیکن اس کا شیرازہ منتشر ہوگیا میرا چچا گلاب شیر ایک برا انسان تھا اور اس کی برائیوں سے نفرت کی جاتی تھی بعد کے حالات آپ کو معلوم ہیں لیکن میری مشکل کے بارے میں آپ کو میری مدد کرنی ہوگی۔

"تمہاری مشکل ہے ربابہ۔ کل سورج چھپنے کے بعد میرے پاس آجانا میں تمہاری مشکل کا حل دریافت کرنے کی کوشش کروں گا۔" میرے دل کو لگی ہوئی تھی چنانچہ دوسرے دن میں مولوی فاروق کی خدمت میں حاضر ہوگیا انہوں نے مجھے تشویش زدہ نگاہوں سے دیکھا تھا بہت دیر تک وہ کچھ نہ بولے تو میں نے کہا آپ نے مجھے حاضری کا حکم دیا تھا۔ ہاں وہ کسی سوچ میں ڈوبے ڈوبے بولے پھر کہنے لگے ایک بات بتاؤں گل شیر۔ جی مولوی صاحب؟ اس تک پہنچنے کا راستہ بے حد مشکل ہے۔ ہے تو سہی نا! ہاں راستہ ہے میں اس تک جانا چاہتا ہوں تم جانتے ہو وہ کون ہے؟ میں جانتا ہوں۔ ایک معصوم چڑیل کیا یہ عجیب بات نہیں ہے چڑیل وہ بھی معصوم یہ تفصیل تو آپ ہی بتا سکیں گے مولوی صاحب ہاں بس مختصر یوں سمجھ لو کہ اس کا پس منظر انوکھا ہے۔ مولوی صاحب اس

کا پس منظر کچھ بھی ہو میں اس کے لئے ہر کٹھن منزل سے گزر سکتا ہوں وہ کون ہے کیا ہے' بے شک میں نہیں جانتا لیکن مولوی صاحب انسان کی زندگی میں ایک لمحہ ایسا آتا ہے جب وہ بے دست و پا ہوجاتا ہے وہ لمحہ میری زندگی میں آچکا ہے وہ میرے لئے صرف ایک حیرت تھی میں اس پر صرف حیران تھا لیکن اس نے مجھ پر ایسے احسانات کئے ہیں کہ میں اس کی محبت میں گرفتار ہوگیا اور اب مولوی صاحب اس سے نہ ملنا میرے لئے ایک مجبوری ایک حسرت تو ہے لیکن اگر ذرا بھی موقع مل جائے تو میں اس کے حصول کے لئے جان کی بازی لگا سکتا ہوں۔

"اس کا حصول ممکن ہے لیکن........"

"ہاں میں اس لیکن سے آگے جاننا چاہتا ہوں۔"

"طلب کا حصول زندگی کی علامت ہوتا ہے اگر میں تمہیں اس کے بارے میں تفصیل بتادوں تو ممکن ہے تم عقل و خرد کی کشمکش میں گرفتار ہوجاؤ لیکن اگر اس قدر صادق جذبے رکھتے ہو تو ٹھیک ہے میں تمہیں اب صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ تم اسے حاصل کرسکتے ہو لیکن شدید جدوجہد کے بعد۔"

"میں سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"تو پھر جاؤ وقت تمہاری رہنمائی کرے گا تمہیں مایوسی تو ہوگی کہ میں نے تمہیں کچھ نہیں دیا لیکن میرا دیا تمہارے کام نہیں آئے گا عام زندگی گذارو حالات خودبخود منکشف ہوں گے یہ ایک چھوٹا سا تحفہ تمہیں دے رہا ہوں کبھی اس کی افادیت بھی ظاہر ہوجائے گی۔" مولوی صاحب نے اپنی انگلی سے ایک بھدی سی انگوٹھی اتاری جو شاید چاندی کی تھی اس پر ایک بے رنگ نگینہ جڑا ہوا تھا۔ "اسے پہن لو" انہوں نے کہا اور میں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا اور سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا مولوی فاروق نے کہا۔ "اب تمہاری تلاش کی منزل شروع ہوئی ہے تلاش کی منزل ہاں ربابہ تمہیں اپنے گھر میں کہیں مل جائے گی تمہیں دل کی کھوج کرنا ہوگی اس کے لئے طرح طرح کے لوگوں سے مقابلہ ہوگا ان کے مشاہدات معلوم کرنا ہوں گے ان کے ساتھ شامل ہونا ہوگا بے حد خوفناک اور پُراسرار واقعات پیش آئیں گے تمہیں۔ میں تمہیں زیادہ نہیں بتا سکتا لیکن اتنا ضرور بتاؤں کہ یہ واقعہ تمہیں ایک سیڑھی کا سہارا دے گا۔ تمہیں یہ تو علم ہے کہ وہ تمہاری محبت میں دیوانی ہوگئی ہے وہ تمہارے لئے سب کچھ کرنا چاہتی ہے تمہارے دشمنوں سے لڑنا چاہتی ہے اور اس نے ایسا کیا بھی لیکن وہ خود بھی کسی کی قید میں ہے وہ جو اسے پکڑ کر لے گئے اس کے صیاد تھے۔" میں دنگ رہ گیا گلاب شیر کے سلسلے میں تو

مولوی صاحب نے میری مدد کی ہی تھی لیکن اس وقت انہوں نے جو انکشاف کیا تھا وہ بھی حقیقت تھا اس کا مطلب ہے کہ وہ واقعی پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر ان کے پاؤں پکڑے اور کہا۔

"مولوی صاحب مجھے زندگی میں اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہیئے۔"

"لیکن بیٹا ایسا نہ کرو میں نے پورے خلوص سے تمہیں صحیح راستہ دکھایا ہے یہ انگوٹھی بہت سے معاملات میں تمہاری رہنمائی کرے گی جیسے ہی تم دل میں کوئی خیال کرو اور اس سے جواب مانگو اور تمہارا خیال درست ہو تو یہ تمہاری رہنمائی کرے گی سنو میرے بچے ربابہ تک پہنچنے کے راستے میں بہت مشکل ہے منزل کی تلاش اتنی آسان نہیں ہوتی شدید مشقت کرنا پڑے گی تمہیں ایک بلند زینہ طے کرنا پڑے گا سترہ سیڑھیاں ہیں پوری سترہ اور جب تم ایک سیڑھی عبور کرلو گے تو وہ سولہ رہ جائیں گی تم گنتے رہنا بس جاؤ کوئی سوال نہ کرنا۔" میں گردن جھکا کر وہاں سے چلا آیا۔ گلاب چچا کی اس ویران حویلی میں بھلا میرا دل کہاں لگتا جو کچھ یہاں سے حاصل ہونا تھا وہ مل گیا تھا چنانچہ میں نے گلاب چچا کی وصیت کو نظرانداز کر دیا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ مجھے اس ویران حویلی میں ہی رہنا ہوگا میں نے سوچا کہ اس طرح اگر مجھ سے ان کی دی ہوئی دولت چھن جاتی ہے تو چھن جائے میری تو منزل ہی کچھ اور ہے چنانچہ مختصر سامان کو سمیٹ کر میں وہاں سے چل پڑا منزل نامعلوم تھی مولوی فاروق پر بے حد اعتماد ہوگیا تھا لیکن وہی تشنگی ابھی تک باقی تھی آخر ربابہ کہاں ہے آخر کار میں نے ٹرین کا سفر اختیار کیا اپنے ذہن کو خیالات سے پاک کرنا چاہتا تھا فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں مجھے ایک خوش باش اور مسرور جوڑا ملا دونوں میاں بیوی معلوم ہوتے تھے کیا پُر رشک زندگی ہے ان کی۔ دونوں کی آنکھوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت تھی میرا دل چاہا کہ میں ان سے تعارف حاصل کروں پتا نہیں کیسے میری یہ خواہش فوراً پوری ہوگئی مرد نے گھورتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ میرے پاس آکر بیٹھ گیا۔ "آپ غالباً تنہا ہیں؟"

"نا صرف ٹرین میں بلکہ دنیا میں بھی۔"

"ارے ارے بہت افسوس ہوا آئیں ہم دوستی کرلیں۔"

"ضرور سفر آسان ہوجائے گا۔" میں نے کہا۔

"میرا نام حامد ہے اور یہ میری بیوی ہے مونا ویسے ایک بات کہوں دوست کبھی کبھی زندگی میں رشتے ناطے بھی وبال بن جاتے ہیں۔ ایسا ہوتا ہے مونا یہاں آجاؤ۔" حامد نے اپنی بیوی کو بلوایا اور وہ مسکراتی ہوئی ہمارے پاس آئی حامد نے میرا تعارف کروایا اور میں

نے اسے سلام کیا حامد بولا۔ "ہم رشتے ناطوں کی بات کر رہے تھے؟ بس شیر گل صاحب کہہ رہے تھے کہ میں رشتوں سے محروم ہوں۔ اگر یہ رشتے خلوص کے ہوں تو زندگی بخش دیتے ہیں ورنہ جان کا عذاب۔"

"ہاں ایسا بھی ہوتا ہے مجھے آپ کی اس بات سے اتفاق ہے مونا بھابی!"

"لیکن اتفاق یا پھر تقدیر نے میرے سارے رشتے ختم کر دیئے البتہ ایک بات ضرور کہوں گی شیر گل بھائی کچھ رشتے بڑے پائیدار ہوتے ہیں جیسے میرا حامد سے رشتہ۔" وہ مسکرائی۔

"کیوں نہیں اندازہ ہو رہا ہے مجھے۔"

"میں آپ کو حامد سے اپنی ملاقات کی کہانی سناتی ہوں میرا نام تو آپ کو معلوم ہی ہے کبھی اچھے حالات ہوں گے لیکن میں نے ہوش سنبھالا تو ماں باپ مر چکے تھے اور میری ایک خالہ نے میری پرورش کی تھی گھر کے حالات تو بہت اچھے نہیں تھے لیکن خالہ نے میری تعلیم میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی بہرحال تعلیم کا آخری سفر طے کیا گیا تھا کہ ایک پُراسرار زندگی کا آغاز ہو گیا جس کی ابتدا ایک دعوت نامے سے ہوئی تھی دعوت نامہ بہت ہی خوبصورت کاغذ پر لکھا تھا سلطان آباد کی سفید حویلی آپ کے خوبصورت قیام کی منتظر ہے اگر آپ ایک بہادر خاتون ہیں تو سفید حویلی کا قیام آپ کی زندگی میں ایک بہار کی آمد کا پیغام دے گا۔ خود محل فون کریں۔ یہ دعوت نامہ پڑھا اور پھول کھلنے لگے پھر بہت سی لڑکیاں تیار ہو گئیں جو فون نمبر ہمیں دیا گیا تھا اس پر فون کیا تو کسی صفدر میاں نے فون اٹھایا اور پھر انہوں نے بڑے خلوص سے ہمیں دعوت دے دی لڑکیاں تیار ہو گئیں۔ چنانچہ ہمیں کسی نور محل کا پتہ بتایا تھا۔ سلطان آباد کے دلکش مناظر نے مجھے سحر زدہ کر دیا تھا میں سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ شہر سے اتنے قریب ایک جنت ارضی کا وجود ہے جس کا حسن میری نظروں سے آج تک پوشیدہ تھا پہاڑی سے گزرنے والی پیچ و خم کھاتی ہوئی سڑک سے گزرتے ہوئے حدِ نگاہ تک پھیلی ہوئی ایک سرسبز و شاداب وادی تھی مہکتی ہوئی ہوا کے جھونکوں سے نیند آنے لگی تھی جلد ہی ہماری بس نشیب میں اترنے لگی اور بالآخر ہم شیریں ندی کے پل کو پار کر کے اس وادی میں پہنچ گئے جو سلطان آباد کہلاتی تھی۔ پہاڑی کے ڈھلان پر دور تک پھیلی ہوئی اس آبادی کے کنارے ہی پہلے اسٹاپ پر رک گئی سامنے ہی ایک دو منزلہ عمارت پر خیابان کا بورڈ لگا ہوا تھا صفدر نے کہا تھا کہ خیابان سے چند فرلانگ کے فاصلے پر ان کا نور محل واقع ہے مجھے ضرور ایک عمارت نظر آ رہی تھی خیابان سے کچھ بلندی پر لال اینٹوں کی بنی ہوئی تین منزلہ پرانی عمارت کا سامنے والا حصہ جدید

طرز کا بنا ہوا تھا بقیہ ساری عمارت قدیم طرز کی بنی ہوئی تھی اور کئی جگہ سے مرمت طلب تھی اس کے گرد کئی ایکڑ کا وسیع احاطہ تھا جس میں باغ کے علاوہ سبزیوں اور ترکاریوں کے کھیت بھی نظر آ رہے تھے۔ میں قریب پہنچی تو پورچ میں کھڑی ہوئی ایک کار نظر آنے لگی لان میں ایک مالی کام کر رہا تھا اس نے گردن اٹھا کر مجھے دیکھا لیکن پھر کام میں مصروف ہو گیا ہر سمت سناٹا طاری تھا میں نے دستک دی تو دروازہ فوراً کھلا ایک انتہائی خوبصورت عورت نے اپنی دلکش مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا نیلے رنگ کی ساڑھی اور سفید بلاؤز پہنے ماتھے پر بندیا' مانگ میں افشاں اور سانچے میں ڈھلا ہوا سڈول جسم لانبی لانبی سیاہ آنکھوں میں ہلکا سا کاجل مجھے وہ کسی مندر کی دیوی لگ رہی تھی اور پھر اچانک اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھے نمستے کیا میں اسے حیرت زدہ نظروں سے گھور رہی تھی۔

"تم شاید مونا ہو؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اندر آ جاؤ ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے راستے میں تکلیف تو نہیں ہوئی؟" آواز کی شیرینی وہی تھی میں نے پہچان لیا کہ وہ شان ہے۔ میں اسے گھورتی ہوئی آگے بڑھی بڑا سا کشادہ ڈرائنگ روم تھا قیمتی لیکن پرانا فرنیچر کمرے میں رکھا ہوا تھا دیواروں کی پینٹنگ' آرائش اور ہر چیز قدامت کا نمونہ تھی سوائے اس عورت کے کمرے میں اور کوئی نہ تھا۔

"آپ لوگ جنت میں رہتے ہیں۔" میں نے اپنا بیگ اور سوٹ کیس رکھتے ہوئے کہا۔ "اللہ اتنی حسین جگہ ہے کہ بس یہیں بس جانے کو جی چاہتا ہے۔"

ہاں جی جگہ تو بہت حسین ہے اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور اس کے گرد ہلکی سی سرخی اور ورم سا تھا ذرا دیر پہلے روتی رہی ہو اس کے حسین چہرے سے حزن و ملال کی جھلک صرف نمایاں تھی میں حیران تھی کہ حسن کی اس دیوی کو یہاں کس بات کا غم ہے۔ میرے اس طرح گھورنے پر وہ پہلو بدل کر آہستہ سے بولی۔ "کیا تم سچ سچ سفید حویلی میں رہنے آئی ہو؟"

"ہاں میں نے فون پر بتلایا تو تھا میں تاریخ میں قدیم تہذیب پر ریسرچ کر رہی ہوں قدیم اور تاریخی عمارات میرا موضوع ہیں۔" وہ مجھے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے کچھ نہ سمجھ رہی ہو تم کو وہاں ڈر نہ لگے گا اس نے پوچھا۔

"ڈر کس کا اور آپ بھوتوں کی بات کر رہی ہیں؟" میں بے ساختہ ہنس پڑی۔

"اول تو میں ان کی قائل نہیں اور اگر وہاں کوئی بھوت واقعی ہے تو اچھی کمپنی رہے گی۔" وہ مجھے حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی لیکن اسی وقت سیڑھیوں پر سے صفدر صاحب

اترتے ہوئے نظر آئے مجھے دیکھ کر انہوں نے وہیں سے کہا ارے شان تم نے ان کی کچھ خاطر مدارت بھی کی یا صرف دماغ چاٹ رہی ہو شان جیسے سہم سی گئی وہ فوراً کمرے سے باہر چلی گئی عجیب تضاد تھا دونوں میں وہ جتنی خوبصورت تھی صفدر اتنا ہی بے رونق فربہ جسم سپاٹ چہرہ بدصورت دانت اور آنکھوں سے حرص اور مکاری عیاں۔

"آپ نے کیوں زحمت کی؟" میں نے کہا۔

"زحمت کس بات کی بی بی تم ہماری مہمان ہو شان کو تو اب تک ہمارے گھرانے کے آداب نہیں آسکے۔"

"کیا وہ کسی اور علاقے کی رہنے والی ہیں؟"

"ہاں ہماری مہمان ہو صرف علاقہ نہیں مذہب بھی دوسرا تھا شادی سے پہلے اس کا تعلق ایک ہندو مراٹھا خاندان سے تھا مذہب کی تبدیلی عادات و اطوار نہیں بدل سکی۔" میں خاموش ہوگئی اس بارے میں مزید پوچھنا مناسب نہیں سمجھا اسی لمحے شان خود چائے کی ٹرے پکڑے ہوئے آگئیں اس کے ساتھ بسکٹ اور نمکو وغیرہ بھی تھے۔ انہوں نے چائے بنا کر مجھے دی یہ کھاؤ میں نے خود بنائے ہیں انہوں نے نمکین پلیٹ میری سمت بڑھائی بڑے لذیذ ہیں میں نے چکھتے ہوئے کہا۔"

"مونا کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے حویلی میں رہنے کا فیصلہ کیوں کیا؟"

"جی دراصل میں ریسرچ کر رہی ہوں سوچا کہ حویلی میں پُرسکون ماحول کے ساتھ اپنے موضوع کے لئے قدیم تہذیب پر کچھ مواد بھی مل جائے گا ویسے آپ نے وہ اشتہار کیوں دیا تھا؟"

"بات یہ ہے کہ سفید حویلی ایک تاریخی عمارت ہے تیموری خاندان کی ایک نامور شخصیت سلطان علی آغا نے اس قصبے کی بنیاد رکھی تھی اسی خاندان کے ایک فرد نے یہ حویلی بنوائی تھی۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے دوران انہیں مار دیا گیا حویلی میں اس دور کے بہت سے نوادرات ہیں محکمہ آثار قدیمہ والے حویلی کو اپنے قبضے میں لینا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اب یہ رہائش آباد نہیں رہی بڑے آغا میرے والد کو یہ حویلی بڑی پیاری ہے ان کی عمر اسی سے اوپر ہو چکی ہے پھر بھی وہ کبھی کبھی اپنا دن وہیں گزارتے ہیں حویلی سے ان کے ماضی کی بہت سی یادیں وابستہ ہیں۔"

"اور آپ اسے رہائشی عمارت ثابت کرنے کے لئے یہ چاہتے ہیں کہ میں وہاں قیام کروں۔" میں نے مقصد کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"ہاں مونا بی بی ہمارے وکیلوں کا یہ کہنا ہے کہ اس کو رہائشی عمارت بنانا ضروری

ہے ورنہ آثار قدیمہ والوں کا جواز صحیح ثابت ہو جائے گا۔"

"کیا حویلی آپ لوگوں کی رہائش کے قابل نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں لیکن میری بیوی بڑی توہم پرست ہے اور کوئی ملازم وہاں رہنے کے لئے تیار نہیں ہوتا کیونکہ........." وہ رک گیا۔

"بھوت؟" میں نے قہقہہ لگایا۔ "وہ لوگ بھوت سے ڈرتے ہیں۔"

"ہاں ایک وجہ یہ بھی ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن دوسری وجوہات بھی ہیں وہاں جدید رہائشی سہولیات نہیں ہیں بجلی، پانی، گیس کے علاوہ کوئی کچن نہیں ہے۔"

"تو آپ یہ سب چیزیں لگوا کیوں نہیں دیتے؟"

"بات یہ ہے کہ کچن اور بجلی کی وجہ سے آگ کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور ہم کسی قیمت پر خطرہ مول لینا نہیں چاہتے انہوں نے کہا کہ اتنی بڑی عمارت کا ہم مکمل انشورنس بھی نہیں کرا سکتے۔"

"اوہ لیکن آپ فکر نہ کریں میں بہت خیال رکھوں گی، ہاں بجلی اور پانی کے بغیر تکلیف ہوگی۔"

"لیکن نہیں میں نے نیچے کے ان کمروں میں جہاں تم رہو گی پانی کا کنکشن لگوا دیا ہے اور عارضی طور پر بجلی کا بھی انتظام کر دیا ہے لیکن تمہیں ناشتے اور کھانے کے لئے خیابان تک جانے کی زحمت کرنی پڑے گی۔" انہوں نے کہا۔ "صاف ستھرا ہوٹل ہے اسے خانم خود چلاتی ہے کھانا بھی بہت اچھا ملتا ہے اور فاصلہ بھی زیادہ نہیں ہے۔"

"آپ اطمینان رکھیں میں اتنی زحمت برداشت کرلوں گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب پھر کوئی مسئلہ نہیں رہا میں نے اپنی چھوٹی کار بھی تمہاری آسانی کے لئے اوور ہال کرادی ہے ڈرائیونگ تو آتی ہے ناں؟"

"جی، لیکن اس کی ضرورت نہیں۔"

"جب تم اس وادی کو دیکھنے باہر نکلو گی تو ضرورت کا اندازہ ہوگا۔" اس نے ہنس کر کہا۔ "حسن ہی حسن ہر طرف اور پھر یہ قصبہ چھوٹا ہے شاپنگ کے لئے جنال پور جانا ہوگا۔" ایک بات اور اس نے معذرت کے انداز میں کہا۔ "آج رات خیابان میں قیام کرنا ہوگا کیونکہ بعض انتظامات شام تک ہوں گے میں خانم کو ابھی فون کردیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "میری وجہ سے آپ کو بڑی زحمت ہوئی۔"

"نہیں مونا بی بی زحمت تو تم کر رہی ہو۔" انہوں نے جواب دیا۔ "تمہاری کار باہر کھڑی ہے اور کل دوپہر تم ہمارے ساتھ لنچ کرو گی۔"

"اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔"

"ضرورت ہے تمہارا بڑے آغا سے ملنا ضروری ہے وہ عمر رسیدہ ضرور ہیں لیکن ماشاء اللہ صحت مند ہیں تم ان سے مل کر یقیناً خوش ہوگی۔" خانم بڑی دلچسپ خاتون تھی ہم بہت جلد دوست بن گئے مجھے میرے کمرے تک انہوں نے خود پہنچایا اور پھر اپنے ساتھ ہی نیچے ہال میں لے آئیں انہوں نے بتایا کہ ہوٹل ان کے شوہر نے قائم کیا تھا ان دنوں سلطان آباد میں یہ واحد ہوٹل تھا یہاں آنے والے سیاح اور دوسرے لوگ خیابان میں ہی قیام کرتے تھے لیکن جب سے وادی میں جدید طرز کا نیا ہوٹل قائم ہوا ان کے یہاں آنے والوں کی تعداد بہت کم رہ گئی۔ خیابان پرانی سرائے کی طرز کا صاف ستھرا ہوٹل تھا گول عمارت تھی جس میں گول سا ایک پارک اور باغیچہ تھا نیچے کھانے کا ہال کچن اور دفتر تھا اور رہائشی کمرے جو کشادہ اور صاف ستھرے تھے میرے علاوہ وہاں صرف چار پانچ مہمان مقیم تھے۔ خوشبودار اور لذیذ چائے کے دوران انہوں نے مجھ سے پوچھا تم نے آغا صاحب کے یہاں کیوں نہیں قیام کیا جی دراصل میں سفید حویلی میں قیام کرنے آئی ہوں میں نے کہا وہاں آج کمروں کی صفائی وغیرہ ہو رہی تھی میں کل وہاں جاؤں گی۔ انہوں نے حیرت سے دیکھا تم سفید حویلی میں قیام کرو گی تنہا۔

"ہاں میں بھوتوں سے نہیں ڈرتی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اوہ میرا مطلب یہ نہ تھا۔" انہوں نے فوراً کہا۔ "یہ بھوتوں والی محض فرضی کہانی ہے بڑے آغا نے شاید لوگوں کو ڈرانے کے لئے خود ہی مشہور کر رکھی ہے ڈرانے کے لئے۔ وہاں بہت سے قیدم نوادرات رکھے ہوئے ہیں بڑے آغاز ہوشیار آدمی ہیں چوکیدار رکھنے کے بجائے بھوتوں کا خوف زیادہ مؤثر ثابت ہوا لوگ شام کے بعد حویلی کے قریب جانے سے ڈرتے ہیں۔"

"لیکن صفدر آغا تو بڑے یقین سے کہہ رہے تھے۔" وہ ہنسنے لگیں۔

"بڑے آغا نے داستان ہی ایسی مشہور کی ہے کہ سب یقین کرنے لگے ہیں۔" انہوں نے کہا۔ "لوگ تو توہم پرست ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ بہت زمانے قبل اس کے کسی بزرگ نے شک کی بنا پر اپنی خوبصورت اور نوجوان بیوی کے آشنا کو قتل کر کے اس کی لاش بائیں باغ میں چھپا دی تھی بیوی نے بھی اس صدمے سے خودکشی کر لی اب ہر رات اس کی روح اپنے محبوب کو تلاش کرنے آتی ہے لوگوں نے ان دونوں کی روحوں کو باغ

میں ٹہلتے دیکھا ہے۔"

"دلچسپ رومانی داستان ہے۔" میں نے کہا۔ "کچھ پتہ ہے کہ قتل کس کمرے میں ہوا تھا؟"

"اس نیچے کی منزل میں ایک بڑا کمرہ ہے۔ جو بائیں باغ کے قریب ہے۔"

"لیکن اسی کمرے میں تو میں رہنے جا رہی ہوں۔"

"خدایا تم کیسی لڑکی ہو تمہارے والدین نے اجازت کیسے دے دی؟" دل میں ایک ٹیس سی اٹھی روانہ ہوتے وقت خالہ جان کتنی پریشان تھیں ان کی اشک آلود نگاہیں آنکھوں میں رقص کرنے لگیں۔ "میرے والدین کو مجھ پر اعتماد ہے خانم۔"

"تم حامد کی دوست ہو؟"

"کون حامد؟"

"اوہ میں اب تک یہی سمجھ رہی تھی حامد بڑا پیارا لڑکا ہے آغا صفدر کا چھوٹا بھائی وہ یہاں نہیں رہتا وہ شہر میں تعلیم حاصل کر رہا ہے کہتا ہے انجینئر بن کر ہی واپس آؤں گا۔" انہوں نے آہستہ سے کہا میں مسکرا دی

"آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ میں حامد کی دوست ہوں؟" انہوں نے مجھے غور سے دیکھا اور بڑے پیار سے مسکرائیں

"اس لئے کہ تم بہت حسین اور پیاری ہو میں سمجھی کہ وہ تم کو اپنے والد سے ملانے لایا ہے۔" انہوں نے کہا میرا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا۔ "بڑا پیارا لڑکا ہے وہ بھی تم دیکھو گی تو تم بھی پسند کرو گی میرا خیال ہے وہ یہاں نہیں ہے ورنہ آغا صفدر ضرور ملواتے۔ میں خود حیران ہوں دو دن پہلے وہ یہاں آیا تھا میرا خیال تھا تم اس کے ساتھ آئی ہو گی اور جانتی ہو گی کہ وہ کہاں ہے؟"

"ممکن ہے واپس چلا گیا ہو۔"

"نہیں وہ مجھ سے ملاقات کئے بغیر کبھی نہیں جاتا۔" انہوں نے کہا۔ "اسے آئے ہوئے دو دن ہوگئے لیکن مجھ سے ملنے بھی نہیں آیا اسی لئے حیران ہوں۔"

"خانم یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ بہت جلدی میں واپس گیا ہو۔"

"وہ ٹیکسی میں آیا تھا۔" خانم نے سوچتے ہوئے کہا۔ "پیدل تو واپسی نہیں گیا ہوگا۔"

"ممکن ہے بس سے گیا ہو۔"

"نہیں بس خیابان کے سامنے ہی رکتی ہے اور وہ مجھے ضرور نظر آجاتا ہے اور کل رات تک وہ موجود تھا پھر اسے میرے علاوہ بھی کسی نے نہیں دیکھا۔" مجھے ان کے

پُراسرار لہجے پر الجھن ہونے لگی تھی۔ "پھر وہ کہاں گیا کسی نہ کسی نے تو ضرور دیکھا ہوگا دیکھا تو نہیں مگر سنا ہے کیا مطلب گزشتہ رات صفدر اور حامد میں زور دار جھگڑا ہوا تھا وہ ایک دوسرے سے زور زور سے جھگڑ رہے تھے۔ بڑے آغا نے مداخلت نہیں کی ان کو شاید خبر نہ ہو کیونکہ جھگڑا نور محل میں نہیں سفید حویلی میں ہو رہا تھا اور وہ بھی رات کے وقت سفید حویلی میں رات کو لیکن کیوں وہاں کیا کر رہے تھے۔ مجھے خبر نہیں۔" انہوں نے فکر مند لہجے میں کہا۔ "ممکن ہے کوئی ایسی بات ہو جو بڑے آغا اور شان کے سامنے نہ کرنا چاہتے ہوں اسی لئے سفید حویلی گئے ہوں میں نے بتایا تھا ناں کہ لوگ حویلی کے بھوت سے اتنا ڈرتے ہیں کہ رات کو اس کے پاس سے بھی نہیں گزرتے لیکن جگو مچھلیاں پکڑ کر ہمیشہ اسی راستے سے آتا ہے اس نے دونوں کی زور زور سے چیخنے کی آوازیں سنی تو پہچان گیا۔"

"وہ لڑ کس بات پر رہے تھے؟"

"جگو یہ نہیں سن سکا بوجھ کی وجہ سے وہ رک نہیں سکتا تھا۔"

"پھر تو حامد آغا ضرور بھائی سے لڑ کر رات کو ہی چلے گئے ہوں گے۔"

"لیکن کیسے، اس کے پاس کار نہیں ہے اور رات کو کوئی بس نہیں جاتی اس کے علاوہ وہ مجھ سے ملے بغیر آج تک واپس نہیں گیا۔"

"پھر آخر وہ کہاں غائب ہوگئے کچھ پتہ نہیں۔"

"کاش مجھے معلوم ہوتا۔" انہوں نے فکر مند لہجے میں کہا۔ "آغا صفدر کی چھوٹی کار تمہارے پاس ہے وہ اس پر بھی نہیں گیا۔" شام ہو چکی تھی ہال میں کئی لوگ آکر بیٹھ چکے تھے اس لئے خانم اپنے کاؤنٹر کو سنبھالنے چلی گئیں ان کی باتوں نے ذہن الجھا دیا تھا اس لئے میں اٹھ کر خیابان سے باہر نکل آئی ایسی حسین شام تھی کہ ساری تھکان دور ہوگئی سورج غروب ہوگیا تھا میں اپنے کمرے میں آگئی خانم نے مہربان ہو کر یہ وعدہ کرلیا تھا کہ وہ صبح میرا ناشتہ حویلی پہنچا دیا کریں گی اپنے ملازم لڑکے بلو کو انہوں نے ہدایت بھی کردی تھی اس لئے صبح سویرے ہوٹل آنے کی زحمت سے بھی بچ گئی تھی تقریباً آٹھ بجے میں نے کھانا کھایا اور پھر کمرے میں واپس آگئی۔ میں دریچے کے سامنے کھڑی ہوئی باہر دیکھ رہی تھی صاف وشفاف چاندنی میں نور محل کی عمارت نظر آرہی تھی لیکن سفید حویلی کہاں تھی صفدر آغا نے بتایا تھا کہ خیابان سے نزدیک ہے خانم نے بھی کہا تھا کہ سامنے والے ٹیلے کی ڈھلوان میں حویلی واقع تھی لیکن میرے کمرے کے دریچے سے نظر نہ آرہی تھی خدا جانے وہ تجسس تھا یا حویلی کو دیکھنے کی کشش کہ میرے قدم خود بخود خیابان سے باہر

آگئے۔ خانم بہت مصروف تھیں مجھے دیکھ کر وہ مسکرائیں اور اپنے کام میں مصروف ہوگئیں میں باہر نکلی تو خانم کا پالتو کتا شیرا دروازے کے سامنے بیٹھا تھا مجھے دیکھ کر پہلے تو اس نے کان کھڑے کئے پھر کھڑا ہو کر دم ہلانے لگا اور پھر میں جیسے ہی آگے بڑھی وہ میرے پیچھے پیچھے چلنے لگا مجھے اس کی یہ ادا بڑی پسند آئی۔ بڑا روح پرور منظر تھا شہر کی گہما گہمی کے بعد یہ سکون اور سناٹا بڑا بھلا لگ رہا تھا۔ چاند کی دودھیا کرنوں سے نہائی ہوئی وادی بڑی کیف پرور محسوس ہو رہی تھی میں اس راستے پر بڑھنے لگی جو حویلی کی سمت جاتا تھا ایک انجانی سی قوت مجھے حویلی کی سمت کھینچ رہی تھی اور عجیب بات یہ تھی کہ مجھے ذرا بھی خوف محسوس نہ ہو رہا تھا یہ سناٹا یہ سنسان جگہ اور بھوتوں کا تصور مجھے ان سے ذرا بھی ڈر نہیں لگ رہا تھا شیرا ہانپتا ہوا دم ہلاتا ہوا میرے پیچھے چلا آرہا تھا اچانک مجھے خالہ کے الفاظ یاد آئے تم اس منحوس حویلی کے قریب بھی نہ جانا بیٹی اس کے سائے سے بھی دور رہنا میرے قدم خود بخود رک گئے۔ میں نے خالہ سے جھوٹ بولا تھا میں نے ان سے کہا تھا کہ میں ایک سہیلی کے ساتھ چھٹیاں گزارنے سلطان آباد جا رہی ہوں ہم دونوں ساتھ پڑھیں گے سلطان آباد کا نام سنتے ہی خالہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"نہیں!" انہوں نے پہلی بار مجھے کسی بات سے منع کیا تھا۔ "نہیں بیٹی میں تمہیں سلطان آباد ہرگز نہ جانے دوں گی۔"

لیکن کیوں خالہ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تمہارا تنہا وہاں جانا اچھا نہیں لگتا اب تم ماشاء اللہ جوان ہوگئی ہو۔" ان کا لہجہ بتلا رہا تھا کہ وہ کچھ چھپا رہی ہیں انہوں نے پہلے کبھی کہیں جانے سے نہیں روکا تھا میری ہر خواہش کا احترام کیا تھا۔

"لیکن خالہ میں وعدہ کر چکی ہوں اور پھر مجھے امتحان کی تیاری کے لئے سکون چاہئے میری سہیلی کے گھر میں اس کے والدین کے علاوہ کوئی مرد نہیں ہے اور میں جوان تو بہت دنوں سے ہو چکی ہوں کیا اب آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں رہا؟" میرے لہجے میں تلخی تھی وہ چند لمحے مجھے حیرت سے گھورتی رہیں پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔

"یہ بات نہیں بیٹی مجھے ہمیشہ تم پر بھروسہ تھا ہمیشہ رہے گا لیکن، لیکن تم جانا ہی چاہتی ہو تو ایک وعدہ کرو۔"

"جی فرمایئے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہاں ایک سفید حویلی ہے تم ہرگز ہرگز اس کے قریب نہ جانا۔" میں حیرت زدہ ہوگئی تھی ان کو سفید حویلی کا علم کیسے ہوا ان کو یہ کیسے بتلاتی کہ میں اسی حویلی میں رہنے

جارہی ہوں۔ "لیکن کیوں خالہ؟" میں نے ان کے مضطرب چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہ حویلی منحوس ہے بیٹے وہاں بھوت رہتے ہیں۔"

"آپ کو یہ کیسے معلوم؟"

"کسی زمانے میں تمہارے خالو وہاں تعینات تھے میں نے وہ آسیب زدہ حویلی دیکھی ہے۔" انہوں نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں میں بھوتوں سے نہیں ڈرتی آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ زندہ سلامت آجاؤں گی۔" میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔ لیکن میری یقین دہانی ان کو مطمئن نہ کرسکی تھی میری روانگی کے وقت تک وہ ہر لمحہ پریشان مضطرب اور خوفزدہ سی رہی تھیں اور اب میں اچانک سوچ رہی تھی کہ آخر کیوں۔

میں نے سر کو جھٹکا دیا جیسے اس خیال کو ذہن سے نکال پھینکنا چاہتی ہوں قدم ایک بار پھر حویلی کی سمت بڑھنے لگے اچانک مجھے خانم کی بات یاد آئی صفدر اور حامد ایک رات قبل حویلی میں موجود تھے وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے اس کے بعد سے حامد کسی کو نظر نہیں آیا وہ کس بات پر جھگڑا کر رہے تھے۔ کیا شان کی وجہ سے۔ خانم نے بتایا کہ شان ایک میراثی لڑکی تھی حامد سے اس کی ملاقات بمبئی میں ہوئی تھی وہ ہندو تھی اس کا اصل نام شانتی تھا حامد اس کی محبت میں گرفتار ہوگیا دونوں میں شادی کے عہد وپیماں ہوئے حامد اسے اپنے گھر سلطان آباد لے آیا۔ حامد کی گفتگو سے ہی اندازہ ہوا تھا کہ حامد اپنے بڑے بھائی صفدر سے بہت مختلف تھا صورت شکل میں دلفریب اور انتہائی خوش مزاج اور بے پرواہ لیکن خاندانی روایات کے مطابق بڑا بھائی ہونے کی حیثیت سے صفدر ہی کو تمام جائیداد پر دسترس حاصل تھی شاید شانتی کو اس بات نے متاثر کیا ہو کیونکہ وہ اسے گھر پر چھوڑ کر شہر امتحان دینے گیا تو شانتی نے صفدر سے شادی کرلی اور مذہب تبدیل کرکے نام بھی شان رکھ لیا اس کے بعد سے حامد نے شہر میں ہی رہائش اختیار کرلی تھی اور کبھی کبھی سلطان آباد آیا کرتا تھا لیکن سوال یہ تھا کہ وہ اس مرتبہ کیوں یہاں آیا تھا جو بڑے بھائی سے اس طرح لڑائی ہوئی اور پھر وہ غائب ہوگیا۔ میں جب نور محل پہنچی تو شان کی آنکھیں سرخ کیوں ہو رہی تھیں وہ کس بات پر اتنا روئی تھی۔

شیرا نے مجھے اپنے خیالات کی محویت سے چونکا دیا وہ رک کر اچانک غرانے لگا تھا اس کی گردن سامنے اٹھی ہوئی تھی۔ کیا بات ہے شیرا کس پر غصہ آرہا ہے میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا لیکن وہ اسی طرح غراتا رہا تو میں نے بھی سامنے کی سمت دیکھا اور حیرت

سے میری آنکھیں پھیل گئیں اپنی محویت میں مجھے احساس نہ رہا کہ کہاں پہنچ گئی ہوں سامنے درختوں کے جھنڈ کے اندر ایک سفید عمارت چاندنی میں چمک رہی تھی۔ "سفید حویلی۔" میرے لبوں سے بے اختیار نکلا میں حویلی سے کچھ آگے نکل آئی تھی اور جہاں اس وقت کھڑی ہوئی تھی وہاں سے حویلی کا عقبی حصہ نظر آرہا تھا ایک طویل برآمدہ پوری عمارت کے گرد چلا گیا تھا میں نے سامنے والے حصے کی جانب جانے کے لئے قدم بڑھایا ہی تھا کہ شیرا نے غرانا شروع کردیا اس کے منہ سے بڑی بھیانک سی آواز نکل رہی تھی جیسے کتے اکثر رونے سے پہلے نکالتے ہیں وہ سڑک پر پنجوں کے بل بیٹھ گیا تھا میں نے اس کی حرکت پر حیران ہوتے ہوئے درختوں کے جھنڈ کی سمت دیکھا اور خوف سے جسم میں جھرجھری آگئی حویلی کے عقبی حصے میں درختوں کے درمیان کوئی موجود تھا۔ میں چند لمحے دم بخود کھڑی رہی خوف سے جسم سرد ہو رہا تھا مجھ سے بمشکل سوفٹ کے فاصلے پر کوئی موجود تھا درمیان میں درخت حائل تھے اس لئے وہ صاف نظر نہیں آرہا تھا لیکن چاند کی روشنی میں اس کا جسم دکھائی دے رہا تھا اس کا قد کتنا تھا یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کیونکہ وہ جھکا ہوا زمین پر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ اس نے ہاف آستین کی سفید قمیض پہنی ہوئی تھی اتنے فاصلے سے اسے پہچاننا تو دشوار تھا لیکن نہ جانے کیوں یوں محسوس ہو رہا تھا کہ سفید حویلی کے عقبی حصے میں جھکا ہوا یہ شخص آغا صفدر تھا ممکن ہے وہ میری رہائش گاہ کے سلسلے میں یہاں آیا ہو اور کسی کام سے پائیں باغ میں آگیا ہو۔ شیرا اسی کو دیکھ کر غرا رہا تھا اس نے بلاوجہ مجھے ڈرایا میں نے سوچا اس طرح چھپ کر اسے دیکھنا مناسب بات نہ ہوگی۔ اس لئے واپس چلے جانا بہتر ہوگا لیکن میں نے ابھی واپسی کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اچانک اس کے حرکت کرتے ہوئے ہاتھ پر نظر پڑی میں ایک بار پھر سانس روک کر کھڑی ہوگئی کیونکہ اب اس بات میں کوئی شبہ نہ رہا تھا کہ صفدر جھکا ہوا زمین کھود رہا تھا میں نے غور سے دیکھا تو اس کے قریب ہی کھودی ہوئی مٹی کا ڈھیر پڑا ہوا تھا خوف سے مجھے پسینہ آگیا جسم کانپنے لگا میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن قدم جیسے منجمد ہوگئے ہوں ان کو حرکت دینا ممکن نہ رہا ہو اور پھر اگر میں منہ پر ہاتھ نہ رکھ لیتی تو فضا میں میری دہشت بھری چیخ گونج اٹھتی دوسرے ہی لمحے میں پوری طاقت سے خیابان کی طرف بھاگ رہی تھی میں نے دیکھا کہ وہ کھڑا ہوکر سننے کی کوشش کر رہا تھا بھاگتے ہوئے قدم جلد ہی مجھے دور لے گئے کتا بھونکتا ہوا میرے پیچھے آرہا تھا۔

میں اس وقت تک بھاگتی رہی جب تک ہوٹل کے سامنے نہ پہنچ گئی اور پھر دروازے پر پہنچ کر سانس درست کرنے لگی صبح ہوئی تو مجھے اپنے آپ پر ہنسی آرہی تھی

بھوت سے نہ ڈرنے کا دعویٰ کرتی ہوں اور انسان سے ڈرتی ہوں دن کے اجالے میں سب کچھ مضحکہ خیز نظر آرہا تھا میں نے خود ہی یہ طے کرلیا کہ وہ آدمی آغا صفدر تھا زیادہ امکان یہ تھا کہ مالی یا کوئی مزدور ہوگا جو باغ کی صفائی وغیرہ کر رہا ہوگا کیونکہ آج سے مجھے حویلی میں قیام کرنا تھا اس لئے وہ رات ہی کو کام ختم کردینا چاہتا ہوگا کم بخت شیرا کے بچے نے بھی مجھے ڈرایا تھا۔ ناشتہ بڑا لذیذ تھا اور خانم نے اتنا مزیدار بنایا تھا کہ چائے میں دو کپ پی گئی وہ ناشتے کے بعد بھی میرے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی لیکن میں نے رات کے واقعہ کا ذکر ان سے نہیں کیا کمرے میں آکر خالہ جان کو خط لکھا اور پھر بلو کو بلا کر اسے خط پوسٹ کرنے کو دیا غسل کرکے لباس تبدیل کیا اور ٹھیک گیارہ بجے وعدے کے مطابق نور محل پہنچ گئی۔ اچھا ہوا تم آگئیں ابا جان کئی بار تو پوچھ چکے ہیں آغا صفدر نے مسکراتے ہوئے کہا نالائق ہو تم ایک گرجدار آواز کمرے میں گونجی صرف پوچھ چکا ہوں ارے بے چینی سے انتظار کر رہا تھا ہٹو درمیان میں سے تم۔ میں ان کو دیکھ کر اتنی حیران رہ گئی کہ آداب کرنا بھی بھول گئی صفدر نے کہا تھا کہ ان کی عمر اسّی کے لگ بھگ ہے تصور میں ایک ضعیف شخص تھا لیکن بڑے آغا اتنے صحت مند تھے کہ بمشکل ساٹھ برس کے لگ رہے تھے قد اتنا دراز کہ صفدر ان کی گردن تک آتا تھا گورا سرخ و سفید رنگ' بڑی بڑی شوخ آنکھیں جھریوں کے باوجود رخساروں پر تازگی جسم گٹھا ہوا اور مضبوط باریک سرخ سرخ مونچھیں اور بھرے ہونٹ۔ وہ مجھے سرتاپا گھور رہے تھے۔ آداب میں نے چونک کر سلام کیا ماشاء اللہ' ماشاء اللہ جیتی رہو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تم سمجھ رہی تھی کہ بڑا آغا کوئی بڈھا کھوسٹ ہوگا جی میں نے گھبرا کر کہا جانے کیسے انہوں نے ہنستے ہوئے کہا صاجزادے کو دیکھو ابھی سے ہم سے بوڑھے لگتے ہیں ارے بھئی صحت صرف کھانے سے نہیں بنتی محنت ضروری ہوتی ہے اور ذہن کو صحت مند اور جوان رکھنا ہوتا ہے ہمارے بزرگ تو اس عمر میں نئی شادیاں کیا کرتے تھے۔ چپ رہو جی ہم اپنی بیٹی سے بات کر رہے ہیں کیا نام بتلایا تم نے بیٹی۔ ابھی تو کچھ نہیں بتایا میں نے ہنستے ہوئے کہا ویسے مجھے مونا کہتے ہیں اوہو تو پھر سچ کہتے ہیں تم لگتی بھی کسی شہزادی کی طرح ہو ہم بہت خوش ہوئے تم سے مل کر۔ جی مہربانی ہے آپ کی تم نے ابھی ہماری مہربانیاں کہاں دیکھی ہیں مونا بیٹی آؤ پہلے کھانا کھالیں پھر ہم تم سے علیحدگی میں باتیں کریں گے تمہیں دیکھ کر ہمارے دل میں تازگی آگئی ہے۔

وہ مجھے زبردستی کھلاتے رہے ضد کرکے مختلف ڈشوں سے کبھی تلی ہوئی مچھلی کبھی گاجر کا حلوہ دیتے رہے لیکن میں نے ایک عجیب بات دیکھی کہ انہوں نے ایک بار بھی

شان کو مخاطب نہیں کیا تھا اور اسے عجیب بیزار نگاہوں سے دیکھتے رہے تھے کھانے کے بعد شان نے اخلاقاً پوچھا کھانا پسند آیا آپ کو؟ بڑے آغا نے حقارت بھری نظروں سے ایسے دیکھا جیسے یہ کسی ایسے گھر کی لڑکی نہیں جو کھانے کے بعد پسند یا ناپسند کا اظہار کریں لیکن شان کے ابرو پر بل نہ آیا جیسے وہ ان کی جھڑکیوں کی عادی ہوچکی ہو۔ اب آؤ میں تم کو حویلی دکھالاؤں۔ آغا صفدر نے فوراً کہا۔

"ٹھہرو!" بڑے آغا غرائے۔ "تم پر بھی بیوی کے اطوار کا اثر ہوتا ہی جارہا ہے مونا ابھی میرے ساتھ قہوہ پئے گی مجھے اس سے چند باتیں تنہائی میں کرنا ہیں آؤ مونا بیٹی۔" صفدر کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا لیکن وہ خاموش رہے میں بڑے آغا کے ساتھ روانہ ہوگئی یہ بات واضح ہوگئی کہ اس گھر میں اب بھی ان کا ہی حکم چلتا ہے۔ ان کا کمرہ عمارت کے آخری سرے پر تھا پرانے انداز میں سادگی کے ساتھ سجا ہوا کمرے میں ان کی زندگی کی پرانی یادگاریں موجود تھیں الماری میں رکھی ہوئی رائفلیں سجے ہوئے خنجر اور تلواریں ان کے شکار کے شوق کی عکاسی کررہی تھیں ایک الماری میں خوبصورت جلدوں والی کتابیں اور قلمی نسخے رکھے ہوئے تھے ان میں بیشتر فارسی کی تھیں کونے میں ایک میز تھی انہوں نے میرا بازو پکڑ کر میز کے سامنے والی کرسی پر بٹھا دیا پھر دراز کھول کر ایک مخمل کی ڈبیہ نکالی اور محدب شیشہ اٹھا کر مجھے دیکھا اسے دیکھو انہوں نے ڈبیہ سے پتھر اٹھا کر میری ہتھیلی پر رکھ دیا۔ پتھر سے پھوٹنے والی شعاعیں اس بات کا ثبوت تھیں کہ وہ قیمتی ہیرا ہے میں نے محدب شیشہ اپنی آنکھوں سے لگایا اور ہیرا دیکھنے لگی وہ غور سے میرے چہرے کا جائزہ لے رہے تھے بڑا قیمتی ہیرا ہے میں نے ہیرا انہیں واپس کرتے ہوئے کہا۔ وہ آرام کرسی پر بیٹھ گئے ایک ٹھنڈی سانس لے کر انہوں نے میز پر رکھی فریم شدہ ایک تصویر اٹھائی یہ کسی بچے کی تصویر تھی تصویر مجھے دیتے ہوئے کہا یہ منے کی تصویر ہے جب یہ آٹھ برس کا تھا اوہ بچپن میں صفدر آغا بڑے خوبصورت تھے میں نے کہا صفدر نہیں حامد کی تصویر ہے انہوں نے جواب دیا بڑا شریر بچہ تھا بچپن میں اوہ واقعی آنکھوں ہی سے شرارت ٹپک رہی تھی۔ انہوں نے تصویر میرے ہاتھ سے لے کر رکھ دی چند لمحے مجھے سنجیدگی سے گھورتے رہے پھر آہستگی سے پوچھا وہ کہاں ہے مونا کس حال میں ہے؟

میں نے گھبرا کر انہیں دیکھا ان کی بات نے مجھے حیرت زدہ کر دیا تھا آپ کا مطلب آغا حامد سے ہے لیکن میں ان کے متعلق کچھ نہیں جانتی میں نے تو انہیں کبھی دیکھا بھی نہیں۔ وہ غیر یقینی انداز میں مجھے گھورتے رہے جیسے میری بات پر اعتبار نہ آیا ہو۔ تمہارا مطلب ہے اس معاملے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں پتہ نہیں آپ کس معاملے کا ذکر کر

رہے ہیں بڑے آغا لیکن یقین جانئے حامد سے ملنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا میں کل ہی تو یہاں آئی ہوں۔ میرے پاس اب یہ آخری ہیرا بچا ہے میرا خیال تھا کہ میں اس کو منے کی بیوی کو شادی پر تحفہ دے دوں گا لیکن تم کہتی ہو کہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ سنئے بڑے آغا آپ بزرگ ہیں اس لئے میں گستاخی نہیں کرسکتی میں نے غصے میں کہا لیکن میں حامد کے بارے میں کچھ نہیں جانتی ہوں اور مجھے یہ پتہ ہوتا کہ ان کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا تو بغیر کسی لالچ کے بتا دیتی۔ مجھے معاف کر دو بیٹی میرا مطلب تمہیں لالچ دینا ہرگز نہ تھا۔ لیکن آپ حامد کے لئے اتنے پریشان کیوں ہیں۔ وہ دو دن قبل یہاں اس کمرے میں میرے پاس موجود تھا حسب عادت اس نے ہنستے ہوئے مجھے یقین دلایا کہ ابا جان آپ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہوجائے گا اور اس کے بعد وہ واپس نہیں آیا میں انتظار ہی کرتا رہا صفدر کہتا ہے کہ شہر چلا گیا لیکن آج تک ایسا نہیں ہوا تھا وہ مجھ سے ملے بغیر واپس نہیں جاسکتا میرے ذہن میں خانم کے الفاظ گونجنے لگے لیکن میں نے انہیں تسلی دینے کے لئے کہا۔ وہ کوئی بچہ نہیں ہے آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں ممکن ہے کوئی ضروری کام نکل آیا ہو۔ دونوں بھائیوں میں جھگڑا ہوا تھا۔ میں جانتا ہوں یقیناً اس مکار عورت کی سازش ہوگی مجھے معلوم ہے صفدر کو رقم کی ضرورت ہے جس دن سے یہ عورت گھر میں آئی ہے دونوں بھائی ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے ہیں۔ میں نے یہی سمجھا تھا کہ تم خاص پیغام لے کر آئی ہو صفدر نے اسے گھر سے نکال دیا ہے اور اسے رقم کی ضرورت ہے اس لئے یہ ہیرا میں نے تمہیں دکھایا تھا کہ اگر ایسا ہو تو اسے لے جاکر حامد کو دے دو۔ نہیں بڑے آغا یقین جانئے ایسی کوئی بات نہیں میں تو اشتہار دیکھ کر سفید حویلی میں قیام کرنے آئی تھی۔ کیسا اشتہار؟ انہوں نے چونک کر پوچھا میں نے انہیں تفصیل بتائی تو حیران ہوکر بولے مفت قیام کی دعوت اور وہ بھی صفدر کی طرف سے یقین نہیں آتا۔ میں بے ساختہ مسکرا دی ایسی کوئی بات نہیں بڑے آغا دراصل......... چھوڑو اس ذکر کو وہ بات کاٹ کر بولے اس کی بات پر یقین نہ کریں انہوں نے رازدارانہ لہجے میں کہا مجھے معلوم ہے کہ اسے رقم کی فوری ضرورت ہے اس نے ابھی کچھ روز پہلے حویلی اور اس میں قیام کرنے والوں کی زندگی کا بھاری رقم کا بیمہ کرایا ہے اس نے بیمے کے کاغذات پر مجھ سے دستخط کرائے تھے ضرور وہ کوئی خطرناک چال چل رہا ہے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں وہ ہرگز کسی کو مفت قیام کی دعوت نہیں دے سکتا تم بہت محتاط رہنا بیٹی مجھ سے وعدہ کرو۔ خدایا میں' میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا آغا صفدر ایسی حرکت نہیں کرسکتے۔ ضرورت پڑے تو وہ مجھے بھی قتل کرسکتا ہے تم اسے نہیں جانتی ہو بیٹی انہوں نے

غصے میں سرگوشی کی کاش حامد یہاں ہوتا تو سب ٹھیک کرلیتا۔

آپ پریشان نہ ہوں بڑے آغا میں ہر ممکن احتیاط سے کام لوں گی اور اسی لمحے صفدر دروازے پر نمودار ہوئے اچھا اب اجازت دیجئے میں نے اٹھتے ہوئے کہا بڑے آغا نے اچانک قہقہہ لگایا تم کو بھی سفید حویلی کا بھوت سوار ہوگیا ہے انہوں نے کہا لیکن دیکھو اگر میرا موروثی خزانہ مل جائے تو ان جواہرات میں سے میرا حصہ لینا نہ بھولنا۔ باہر نکلتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ بڑے آغا کا ذہنی توازن ٹھیک ہے یا نہیں بڑے آغا یہ کس موروثی خزانے کا ذکر کر رہے تھے میں نے صفدر سے پوچھا انہوں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا خزانہ تم نے اندازہ تو لگالیا ہوگا کہ ابا جان کتنے مزاح پسند ہیں انہوں نے کہا وہ اکثر ایک موروثی خزانے کا ذکر کرتے ہیں روایت کے مطابق جدی بزرگوں میں نواب رضا علی کو انگریزوں نے بغاوت کے الزام میں گولی ماردی تھی۔ 1957ء کی جنگ آزادی کے دوران انہوں نے مجاہدین کی اعلانیہ مدد کی تھی جب انہیں معلوم ہوا کہ انگریز فوجیں انہیں گرفتار کرنے آرہی ہیں تو انہوں نے بیش قیمت جواہرات چمڑے کی تھیلی میں بند کئے اور سفید حویلی کے پاس باغ میں کسی جگہ دفن کر دیا انہوں نے یہ بات اپنی بیگم کو ایک خط میں تحریر کر دی تھی لیکن اس جگہ کی نشاندہی نہ کی تھی جہاں جواہرات دفن کئے تھے۔ جب سے خاندان کے افراد مسلسل اس خزانے کو تلاش کرتے رہے لیکن کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔

اوہ تو آپ کے اجداد کا شمار بھی یقیناً جہاد آزادی کے شہیدوں میں کیا جائے گا۔ جی ہاں اور اسی لئے ہم سے سلطان آباد کی ریاست چھن گئی ورنہ آج ہم اس طرح محتاج نہ ہوتے انہوں نے طنزیہ لہجے میں کہا سفید حویلی واحد موروثی عمارت ہے جو ہمیں ترکے میں ملی تھی۔ لیکن آپ کو تو آغا رضا علی کی وطن پرستی پر فخر کرنا چاہئے میں نے حیران ہوکر کہا۔ کر تو رہا ہوں فخر لیکن فخر کرنے سے پیٹ تو نہیں بھر سکتا۔ میں نے بحث مناسب نہیں سمجھی چلو میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر جواہرات مجھے مل گئے تو میں آپ کے حوالے کردوں گی میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ سفید حویلی میری توقعات کے بالکل برخلاف عمارت ثابت ہوئی مغلیہ طرز کی تعمیر کے باوجود اس میں بڑی سادگی تھی بڑے بڑے کشادہ کمرے اور دالان دیواروں کے گرد لکڑی کی باڑ لگی ہوئی تھی محراب دار دروازے اور دریچے سامنے لانبی سی ڈیوڑھی جو دور تک پھیلی ہوئی لان اور باغیچے سے بڑی خوبصورت لگتی تھی لانبا اور چوکور عمارت کے گرد چار مینار تھے اس کا اصل حسن سادگی میں تھا اصل سفید عمارت دور سے بڑی حسین لگتی تھی ہر سمت سکون اور سکوت طاری تھا نقش اور مضبوط بیرونی

دروازے سے گزر کر ہم ہال نما دیوان عام میں داخل ہوئے جو جدید دور کے ہال نما ڈرائنگ روم کی طرح تھا فرنیچر قدیم طرز کا تھا لیکن پالش شدہ تھا ہر چیز صاف ستھری تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے دیکھ بھال اور مرمت مسلسل ہوتی رہی ہے دیوان عام سے ایک خوبصورت اور چوڑا سا ریلنگ دار زینہ اوپر جاتا تھا جس پر قالین بچھا ہوا تھا لکڑی کی ریلنگ پر ٹین کا پتر چڑھا ہوا تھا جو چمک رہا تھا بائیں جانب کا دروازہ کھول کر ہم غلام گردش میں داخل ہوئے۔ یہ سامنے والا کمرہ تمہارا بیڈ روم ہے صفدر نے کہا اور یہ برابر میں باتھ روم ہے۔

میں نے پہلے باتھ روم کا دروازہ کھولا اور حیران رہ گئی اتنا بڑا اور کشادہ باتھ روم میرے تصور میں بھی نہ تھا جدید طرز کی سہولیات نہ ہونے کے باوجود فرش اور دیواریں چکنے ٹائلوں کی تھیں اور کونے میں ایک بڑا سا خوبصورت ٹب تھا میرے لئے یہ بالکل غیر متوقع تھا۔ صفدر نے میرے چہرے پر حیرت دیکھی تو مسکراتے ہوئے کہا گزشتہ سال ہم نے گراؤنڈ فلور میں کچھ تبدیلیاں اور مرمت کرائی تھی ارادہ تھا کہ ہم اسے رہائش کے قابل بنالیں لیکن پھر کام ادھورا رہ گیا۔ اب آؤ اندر بیڈ روم دیکھ لو نیچے کے کمرے میں یہ سب سے اچھا ہے۔ میرا کمرہ دیوان عام کے ہال کے بالکل سامنے تھا اور بہت خوبصورت تھا زیادہ بڑا نہیں لیکن چوکور اور کشادہ جس میں بڑے بڑے دو دریچوں سے دھوپ اندر آرہی تھی کونے میں ایک چھوٹی سی آبنوسی میز اور تین کرسیاں تھیں ایک طرف لانبے دستوں والی ایک آرام کرسی پڑی ہوئی تھی دیوار کے ساتھ قد آدم آئینہ تھا لیکن سب سے زیادہ خوبصورت ریشمی مچھردانی سے ڈھکی لمبی چوڑی اور آرام دہ مسہری تھی بالکل جیسی شاہی حرم گاہ میں ہوتی ہے۔ نرم و نازک بستر کو دیکھ کر جی چاہتا تھا کہ ابھی سو جاؤں سامنے کے دریچے بیرونی لان کی سمت کھلتے تھے جہاں ہر سمت سر سبز درخت لگے ہوئے تھے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اندر آرہے تھے جن سے ریشمی پردے اڑ رہے تھے۔

دریچوں کو بند کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہاں چوری وغیرہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ صفدر آغا نے کہا۔ رات کو بھوتوں کے خوف سے کوئی قریب نہیں آتا انہوں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ بھوتوں کے زیر سایہ رہنے کا تجربہ بڑا دلچسپ ہوگا میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا ویسے حویلی کی حفاظت کے لئے یہ طریقہ بہت اچھا ہے۔ انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا تو مجھے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا خانم کے بتائے راز کا اظہار اس طرح مجھے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بھوتوں والی بات کسی کی اڑائی ہوئی نہیں ہے انہوں نے سنجیدہ لہجے میں کہا بہت سے لوگوں نے انہیں دیکھا ہے میرے ابا جان ان میں شامل ہیں بلکہ ان کا تو

یہ کہنا ہے کہ جب پہلی بار انہوں نے بھوت دیکھا تو وہ اس مسہری پر لیٹے ہوئے تھے۔ نیند سے اچانک ان کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک انتہائی حسین عورت ان پر جھکی ہوئی ہے وہ چند لمحے انہیں دیکھتی رہی پھر اچانک غائب ہوگئی کیا پتہ وہ اس بستر پر سوتی رہی ہو۔ انہوں نے پھر کوئی جواب دیئے بغیر بات جاری رکھی۔ حویلی بہت پرانی ہے اس کے اوپر والی منزل میں بھی رہائشی کمرے اور ایک بڑی لائبریری ہے اس میں ہر زبان کی قیمتی کتابیں ہیں اگر تم کو قدیم لٹریچر سے دلچسپی ہے تو اسے استعمال کر سکتی ہو اور بالائی منزل پر ہی بھوتوں کا بسیرا ہے لوگوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے زینے سے اوپر جاتے ہوئے لوگوں کے قدموں کی چاپ سنی ہے جب بھی تیسری منزل پر جانے والے زینے کا دروازہ بند کیا ہر صبح وہ کھلا ہوا پایا گیا۔

چلئے جناب مان لیا کہ یہاں بھوت رہتے ہیں میں نے ہنستے ہوئے کہا لیکن مجھے ان سے ڈر نہیں لگتا بہت جلد ان سے دوستی کرلوں گی۔ پھر بھی بتلا دینا میرا فرض تھا انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا آؤ چلو میں تمہیں اوپر کی سیر کرادوں لیکن ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا صرف نیچے کے کمرے استعمال میں رکھنا اوپر جانے کی کوشش نہ کرنا اور خاص طور سے کوٹھے پر جانے والے دروازے کو ہرگز نہ کھولنا یہ بہت پرانی عمارت ہے اور میں' میں نہیں چاہتا کہ تم کسی خطرے میں پڑو وعدہ کرو کہ تم اوپر نہیں جاؤ گی۔ آپ کہتے ہیں تو نہیں جاؤں گی وعدہ۔ میں نے کہا لیکن مجھے یہ بات ناگوار گزری تھی بھلا میرے اوپر جانے میں کیا خطرہ تھا شاید ان کو ڈر تھا کہ میں کسی چیز کو نقصان نہ پہنچادوں ویسے آپ اطمینان رکھیں حویلی کی کسی چیز کو نقصان نہیں پہنچاؤں گی آخر میں نے کہہ ہی دیا۔ نہیں بخدا میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا وہ جلدی سے بولے مجھے تمہاری سلامتی کی فکر تھی آخر تم میری ذمہ داری ہو۔ ٹھیک ہے آپ فکر نہ کریں میں نے کہا کیوں نہ اوپر جانے سے پہلے پائیں باغ دیکھ لیا جائے میں نے حویلی کے عقبی حصے کی سمت دیکھتے ہوئے کہا پائیں باغ وہ چونک کر بولے چہرے پر پریشانی جھلکنے لگی تھی نہیں آج نہیں اسے پھر کسی دن دیکھ لینا۔ کیوں میں نے حیران ہوکر پوچھا۔ رات بارش ہوئی تھی ناں کیچڑ ہوگا وہاں کل تک زمین خشک ہوجائے گی۔ میں نے ضد نہیں کی لیکن ایک بار پھر شبہات ذہن میں بیدار ہونے لگے کیا صفدر آغا کو یہ فکر تھی کہ کیچڑ زدہ جوتوں سے حویلی کے قالین خراب نہ ہوجائیں یا اس بات کا خدشہ تھا کہ رات کو کھودی ہوئی زمین پر نظر پڑجائے گی خدایا یہ میرے ذہن کو کیا ہو رہا تھا۔ آؤ اوپر چلیں انہوں نے کہا میں چونک اٹھی اور خاموشی سے ان کے ساتھ روانہ ہوگئی ہم زینے پر چڑھ رہے تھے تو انہوں نے کہا دن میں تم کو اس لئے حویلی دکھا رہا ہوں

کہ یہاں بجلی نہیں ہے سہ پہر ہی اوپر اندھیرا ہو جاتا ہے۔ میں اوپر پہنچی تو اندازہ ہوا کہ وہ سچ کہہ رہے تھے گھنے درختوں کے سائے نے دریچوں کو ڈھک رکھا تھا جس کی دیواروں پر مختلف خوبصورت اور قیمتی پینٹنگ آویزاں تھیں درمیان میں ایک بیضوی میز رکھی تھی جس کے گرد کشن دار خوبصورت کرسیاں تھیں ایک سمت چھوٹی سی میز کے دونوں جانب بڑے بڑے صوفے تھے داہنی جانب والا دروازہ لائبریری میں کھلتا تھا جس کی دیواروں کے ساتھ بنی ہوئی الماریوں میں کتابوں کا ذخیرہ سجا ہوا تھا اس میں ایک سمت چھوٹی سی میز اور کرسی رکھی ہوئی تھی اور کوئی فرنیچر نہ تھا صفدر مجھے ایک ایک کمرہ دکھاتے گئے اس منزل پر نیچے سے زیادہ گنجائش تھی وہ مجھے ہر کمرے کے متعلق بتلاتے جا رہے تھے یہاں تک کہ ہم ایک ایسے بیڈ روم میں پہنچ گئے جس میں بالکل میرے کمرے جیسی مچھردانی جیسی مسہری بچھی ہوئی تھی یہاں موت کا سا سکوت طاری تھا نہ جانے کیوں مجھے احساس ہوا کہ یہاں کی ہر چیز مردہ ہے کرسیوں پر گرد کی ہلکی تہہ جمی ہوئی تھی۔

اس سے اوپر بھی ایک منزل ہے۔ صفدر آغا کی آواز نے سناٹا توڑا لیکن وہ بند رہتی ہے اس پر جانا بیکار ہے ویسے بھی بہت چھوٹی سی ہے صرف چند کمرے ہیں۔ اس وقت ہم ہال کے آخری سرے پر پہنچ گئے تھے یہاں ایک دریچہ تھا جو پائیں باغ میں کھلتا تھا دریچے کے بالکل برابر ایک تصویر ٹنگی ہوئی تھی مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کیونکہ اس کا مصور یا تو بالکل ہی اناڑی تھا یا پھر اسے کسی بچے کے برش نے بنایا تھا میں حیران تھی کہ مصوروں کے نادر نمونوں کے درمیان یہ بھدی تصویر کیوں لگی ہے۔ یہ کیسی تصویر ہے؟ میں نے بے اختیار پوچھ لیا۔

میرے کان اپنے سوال کے جواب کے منتظر تھے۔ ایک بار پھر صفدر آغا کی آواز ابھری۔

"اوہ۔ یہ تصویر ہمارے جد امجد نواب رضا علی کی بنائی ہوئی ہے۔" وہ رک کر ہنسے اور پھر بولے۔ "ان کو شاید مصور ہونے کی خوش فہمی رہی ہو۔"

"لیکن اس کو سجانے کا آخر مقصد کیا ہے۔ شاید صرف یادگار کے طور پر لگا رہنے دیا ہے۔" میں نے کہا۔ تصویر میں کسی باغیچے کی منظر کشی کی گئی تھی جس کے درمیان پتھر کی ایک اونچی سی دھوپ گھڑی بنی ہوئی تھی۔ اور دھوپ گھڑی کے اسٹینڈ پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے لیکن تصویر اتنے بھونڈے انداز میں بنی ہوئی تھی کہ دیکھ کر کوفت ہوتی تھی۔

"میں بچپن سے ہی اس تصویر کو یہاں دیکھتا رہا ہوں۔" آغا صفدر نے کہا۔ "اسے مصوری کا شاہکار ہی کہا جاسکتا ہے جو کسی نے یہاں سے نہیں ہٹایا لیکن پائیں باغ یقیناً اتنا

بدنما نہیں ہے۔" لہجے میں بڑا طنز تھا۔

"میرا خیال ہے یہ تصویر رضا علی صاحب نے نہیں کسی بچے نے بنائی ہوگی۔ دیکھئے یہ نیچے کچھ لکھا بھی ہوا ہے۔" میں نے قریب جاکر پڑھنے کی کوشش کی لیکن وہاں نام کے بجائے ۶/۲۸/۸ لکھا ہوا تھا۔ میرا خیال ہے یہ تاریخ ہے جب یہ تصویر بنائی گئی تھی۔ ۲۸ جون ۱۸۵۸ء۔"

"ممکن ہے۔" صفدر آغا نے جواب دیا۔

ہم نیچے آگئے انہوں نے کہا تھا کہ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں بلا تکلف منگوا لوں میں نے شکریہ ادا کیا اور وہ چلے گئے۔ سفید حویلی میں اب میں بالکل تنہا رہ گئی تھی۔

کھانے کے بعد بھی میں دیر تک خانم سے باتیں کرتی رہی۔ خدا جانے یہ حویلی میں تنہا رہنے کا خوف تھا یا خانم کی دلچسپ گفتگو کہ رات کے دس بج گئے اور مجھے احساس تک نہ ہوا۔ یہاں تک کہ خانم نے یاد دلوایا۔

"رات کافی ہوگئی ہے مونا بیٹی۔ تم ایسا کرو بلو کو ساتھ لے جاؤ۔"

"نہیں خانم شکریہ۔ میں چلی جاؤں گی۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

خیابان سے روانہ ہوئی تو حسب سابق باہر بیٹھا ہوا شیرا میرے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ میں اس کی مہمان نوازی پر مسکرا دی جانے کیسے اس بے زبان کو میری تنہائی سے ہمدردی ہوگئی تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اس لئے ہر سمت تاریکی تھی لیکن مجھے حویلی کا راستہ یاد ہوگیا تھا۔ اس لئے بلا کسی دشواری کے وہاں پہنچ گئی۔ اسی وقت چاند بادلوں سے نکل آیا۔ اس کی روشنی میں سفید حویلی بے حد خوبصورت اور پُر وقار لگ رہی تھی۔ لان پار کرکے میں دروازے پر پہنچی شیرا پیچھے کھڑا دم ہلا رہا تھا۔

"شب بخیر دوست! افسوس کہ یہاں رہنے کی اجازت صرف مجھے ملی ہے اس لئے تم اندر نہیں جاسکتے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جاؤ واپس چلے جاؤ۔"

اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور اس طرح واپس چل دیا جیسے میری بات سمجھ گیا ہو۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ دروازے کے قریب رکھی ہوئی چھوٹی ٹیبل پر ایک واحد لیمپ روشن تھا جس کی روشنی ناکافی تھی۔ ہال کا بیشتر حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ میرے کمرے کے اندر بھی ایک ایسا ہی لیمپ رکھا ہوا تھا۔ اسے جلاتے ہی کمرہ روشن ہوگیا۔ حویلی پر موت کا سا سکوت طاری تھا۔ میں چند لمحے کھڑی سوچتی رہی اتنی بڑی حویلی میں تنہا رہنے کا یہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ میں نے سناٹا توڑنے کے لئے زور زور سے گنگنانا شروع کر دیا لیکن جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ یہ محض حماقت تھی میں نے شب خوابی کا لباس

پہنا اور لیمپ اٹھا کر کمرے سے باہر نکلی' لیمپ کا تار بہت بڑا تھا۔ شاید اس لئے کہ میں آسانی سے اسے باتھ روم لے جا سکوں سردی خاصی ہوگئی تھی اور باتھ روم میں پہنچ کر احساس ہوا کہ گرم پانی نہیں ملے گا۔ میں نے برف کی طرح یخ پانی سے دانت صاف کئے اور منہ ہاتھ دھو کر ایک ہاتھ سے کنگھا کرنا شروع کیا کیونکہ دوسرے ہاتھ سے لیمپ اٹھا رکھا تھا۔ ابھی ٹھیک سے بال درست بھی نہ کئے تھے کہ لیمپ بجھ گیا۔ ہر سمت گہری تاریکی چھاگئی۔

میں چند لمحے دم بخود کھڑی رہی اجنبی جگہ ہونے کی وجہ سے میں یہ بھی بھول گئی کہ دروازہ کدھر تھا ایک انجانا سا خوف طاری ہونے لگا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید لیمپ کا تار ہولڈر سے نکل گیا ہے باتھ روم کی کھڑکی بند تھی اور اس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس لئے ایسی گہری تاریکی تھی کہ کچھ سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کدھر پاؤں اٹھاؤں' حواس درست کرکے میں نے ہاتھ سے ٹٹول کر بالآخر دیوار تلاش کی اور اندازے سے آگے بڑھنا شروع کیا پھر خیال آیا کہ اگر صرف یہی لیمپ بجھا تھا تو ہال میں رکھے لیمپ سے کچھ تو روشنی آنی چاہئے تھی ہاتھ دروازے کی چوکھٹ سے ٹکرایا اور میں نے اطمینان کا سانس لیا لیکن باہر نکل کر ہال میں آئی تو یہاں بھی گہری تاریکی تھی۔ میرے کمرے کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں' لیکن ان سے بھی روشنی کی معمولی سی جھلک نہ آرہی تھی۔ ورنہ کمرے کا دروازہ ضرور نظر آتا۔ شاید چاند پھر بادلوں میں چھپ گیا تھا اور صرف لیمپ ہی نہیں ہر جگہ کی بجلی فیل ہوگئی تھی۔

مجھے اپنی حماقت پر غصہ آنے لگا دن میں ہی موم بتیوں کو لانے یا ایک ٹارچ خریدنے کا خیال کیوں نہ یاد آیا۔ صفدر آغا نے کہا تھا کہ بجلی کا عارضی انتظام کیا ہے۔ وہ بھی صرف اس حصے میں جہاں مجھے رہنا تھا۔ بجلی مل جانے کی صورت میں روشنی کا کوئی دوسرا انتظام ضروری تھا۔ صبح ہوتے ہی موم بتی اور ٹارچ خریدنا نہیں بھولوں گی لیکن اس وقت کیا کروں۔ نیند کے مارے برا حال تھا اور میں تاریکی میں ساکت کھڑی تھی چند لمحے بعد میں نے اندازے سے قدم بڑھایا اور اسی لمحے کوئی نرم سی چیز میری پنڈلی سے مس ہوئی۔ میں نے گھبرا کر دوسرا قدم بڑھایا۔ تو وہ اس سے بھی لپٹ گئی میں دم بخود کھڑی ہوگئی کوئی چیز میری دونوں پنڈلیوں میں لپٹ گئی تھی۔ میں دم بخود کھڑی ہوگئی۔ خوف کی ایک سرد لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ ایک خوفناک تصور ذہن میں ابھرا.......... سانپ.......... میں دہشت سے کانپنے لگی تھی اور وہ نرم نرم چیز پنڈلیوں پر حرکت کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے میں اپنی جگہ منجمد کھڑی تھی..........

قدم ذرا ہلایا تو سانپ پھر چڑھتا ہوا محسوس ہوا۔ چیخنے کے لئے منہ کھولا لیکن آواز منہ سے نہ نکل سکی۔ دہشت سے بدحواس ہو کر میں نے ہاتھ سے پکڑا ہوا لیمپ دور پھینکا۔ بلب ٹوٹنے کا دھماکہ ہوا سارا بدن پسینے میں بھیگ چکا تھا اور وہ منحوس سانپ پنڈلیوں میں بیٹھا ہوا تھا۔

"خدایا میری مدد کر.........." لبوں سے بے ساختہ فریاد نکلی۔

میں نے تاریکی میں گھورنے کی کوشش کی' آنکھیں شاید تاریکی کی عادی ہوگئی تھیں کیونکہ اچانک سامنے سے ہلکی سی روشنی نظر آئی۔ میں نے جلد ہی دیکھنا شروع کیا اور جلد ہی لبوں سے اطمینان کی گہری سانس نکلی۔ ہلکی سی روشنی فاصلے پر بنی کھڑکی سے اندر آرہی تھی جس کی وجہ سے ہال میں کھلنے والا دروازہ نظر آرہا تھا۔ شاید چاند نکل آیا تھا اور تب میں نے پہلی بار اپنی پنڈلیوں سے لپٹی شے کو دیکھنے کی کوشش کی۔ اور دوسرے ہی لمحے میں دیوانوں کی طرح ہنس رہی تھی.......... پنڈلی سے لپٹی جس شے کو میں بدحواسی میں سانپ سمجھ رہی تھی وہ درحقیقت لیمپ کا تار تھا جو تاریکی میں میری پنڈلیوں سے لپٹتا چلا گیا تھا۔

میں سکون اور اطمینان کی اس کیفیت کو بیان نہیں کرسکتی جو خوف و دہشت کے بھیانک لمحات کے بعد اس وقت محسوس کر رہی تھی لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جسم سے ساری جان نکل چکی ہے جسم اب تک پسینے سے تر تھا دل اس طرح اچھل رہا تھا جیسے سینہ توڑ کر باہر نکل پڑے گا اور پھر جیسے ہی پہلا قدم آگے رکھا درد کی ٹیسیں جسم میں دوڑ گئیں۔ ٹوٹے ہوئے بلب کا ٹکڑا ایڑی میں چبھ گیا تھا گرم گرم خون نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا تاریکی میں زخم کی مرہم پٹی بھی ممکن نہ تھی میں قسمت کو کوستی ہوئی اور لنگڑاتی ہوئی کسی طرح کمرے تک پہنچی دل چاہتا تھا کہ جلد از جلد بستر پر گر کر بے خبر سو جاؤں نہ زخم کی پرواہ تھی نہ بہتے ہوئے خون کی فکر' اتنی نڈھال ہو چکی تھی کہ کھڑا رہنا مشکل تھا۔ لیکن ابھی مصیبت کے لمحات ختم نہ ہوئے تھے کمرے کے دروازے کو ابھی پکڑے کھڑی ہوئی تھی تو ایک آواز سنائی دی۔

پہلے تو ذہن نے ماننے سے انکار کردیا۔ میں پرواہ کیے بغیر غصے میں آگے بڑھی۔ "جہنم میں جائے قدموں کی چاپ۔" میں بڑبڑائی لیکن ایک بار پھر خوف و دہشت نے دل کو دبوچ لیا.......... بالائی منزل پر کوئی چل رہا تھا لیکن یہ بھی یقیناً ذہن کا واہمہ ہوگا۔ یہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ میں نے دل کو تسلی دی لیکن میں دم بخود مڑی تھی' اس لئے کوئی شک نہ رہا۔ آواز صاف سنائی دی۔ بلاشبہ بالائی منزل پر کوئی چل رہا تھا۔ آواز پھر

سنائی دی۔ چاپ ہلکی تھی لیکن بہت واضح۔ وہ جو کوئی بھی تھا آخری منزل پر چل رہا تھا کیونکہ آواز بہت دھیمی تھی۔ ابھی اس دہشت سے نکل بھی نہ پائی تھی کہ ایک آواز اور سنائی دی۔ کسی نے دروازہ بند کیا تھا اور اس کے بعد ایک بار پھر مکمل سکوت طاری ہوگیا۔

مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں کتنی دیر دم سادھے وہاں کھڑی رہی۔ میرے کان آہٹ پر لگے ہوئے تھے لیکن اب اس بات میں کوئی شبہ نہ رہا تھا کہ کوئی دوسری منزل کے کوٹھے پر موجود تھا اور وہ جو کوئی بھی تھا کسی بھی لمحے نیچے آسکتا تھا۔ آغا صفدر نے کہا تھا کہ بھوت جب چلتا تھا تو قدموں کی چاپ سنائی دیتی تھی لیکن نہ جانے کیوں میرا دل بھوت والی بات قبول کرنے کو تیار نہ تھا میرا خیال تھا کہ یہ آواز انسانی قدموں کی تھی اور انسان بھی کون؟ خود صفدر آغا کوٹھے پر چل پھر رہے تھے کیونکہ صرف ان کو معلوم تھا کہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر کوٹھے پر کس طرح پہنچا جاسکتا ہے اور اچانک بجلی کا غائب ہوجانا بھی انہی کی حرکت ہوسکتی تھی لیکن اگر یہ اندازہ درست تھا تو یہ محض اتفاق تھا یا پھر وہ دانستہ ایسا کر رہے تھے تاکہ......... میں خوفزدہ ہوجاؤں۔

آخر حویلی میں ہونے والی ان پُراسرار حرکتوں کا مقصد کیا تھا گزشتہ شب پائیں باغ میں جس شخص کو کھدائی کرتے دیکھا تھا وہ میرے خیال میں آغا صفدر کے علاوہ اور کوئی نہ تھا اور آج وہ کسی پوشیدہ راستے سے حویلی کی بالائی منزل کے کوٹھے پر پہنچ کر کچھ کر رہے تھے لیکن کیوں وہ اس کوٹھی کے مالک تھے جو بھی کرنا تھا دن کے اجالے میں بلا خوف خطر کرسکتے تھے اچانک مجھے اس کے چھوٹے بھائی آغا حامد کا خیال آیا جو پُراسراریت سے غائب ہوگئے تھے۔ دونوں بھائی دو رات قبل حویلی میں موجود تھے اور آپس میں لڑ رہے تھے۔ اس کے بعد حامد لاپتہ ہوگیا اور بڑے آغا یا شان تک کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کہاں گئے؟

لیکن آغا صفدر کو ضرور یہ معلوم تھا کہ اس کا چھوٹا بھائی کہاں ہے۔ کیا اس نے آغا حامد کو باغ کے اندر دفن کردیا تھا اور اب کوٹھے پر اپنے بھیانک جرم کے سراغ مٹانے میں مصروف تھا۔

میرے لئے کوئی فیصلہ کرنا مشکل تھا کچھ پتہ نہیں کہ کس طرح بستر کو ٹٹولتی ہوئی پہنچی کب اپنی زخمی ایڑی پر رومال باندھا بستر پر گرتے ہی نڈھال ہوکر جو سوئی تو ہوش نہ رہا۔

☆------☆------☆

صبح اٹھی تو رات کے بھیانک واقعات بڑے مضحکہ خیز لگ رہے تھے۔ منہ ہاتھ دھو کر میں نے لباس تبدیل کیا۔ بلو کے آنے سے پہلے ناشتہ کرنے خود خیابان پہنچ گئی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ ناشتے کے بعد صفدر خان کے پاس جاکر بتلا دوں گی کہ رات کس طرح بجلی فیل ہوگئی تھی اور ساتھ ہی موم بتیوں اور ٹارچوں کا بندوبست بھی کرلوں گی۔ میں نور محل پہنچی تو صفدر آغا اتنی صبح مجھے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"خیریت تو ہے۔" اس نے میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "اندر آجاؤ۔ میں کچھ کام کر رہا تھا۔"

وہ کمرہ ان کا دفتر معلوم ہوتا تھا۔ میز پر کاغذ بکھرے ہوئے تھے میں ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ "اتنے سویرے زحمت دینے کی معذرت چاہتی ہوں۔" میں نے کہا۔ "رات کو اچانک بجلی فیل ہوگئی۔"

"اوہ۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں پہلی شب تاریکی میں رہنا پڑا۔" انہوں نے فوراً کہا۔ "غلطی میری ہے مجھے موم بتیوں کا انتظام کردینا چاہئے تھا لیکن کوئی بات نہیں آج یہ بھی ہوجائے گا۔"

"شکریہ......... ایک طرح یہ بھی اچھا ہوا کہ پہلی ہی شب ایسا ہوا۔ اب میں اس کے لئے انتظام کرلوں گی۔" میں نے کہا۔ "مجھے ایک ٹارچ کی بھی ضرورت ہوگی۔ ویسے کیا بجلی ٹھیک نہیں ہوسکتی۔" کہنا تو میں بہت کچھ چاہتی تھی مثلاً تاریکی میں سنائی دینے والی قدموں کی چاپ' میں یہ واضح کردینا چاہتی تھی کہ وہ آواز کسی بھوت کی نہیں۔ خود ان کے قدموں کی معلوم ہوتی تھی۔ دل یہ بھی چاہتا تھا کہ بلا جھجک اس حرکت کا سبب پوچھ لوں لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہوگئی کہ اس طرح وہ چوکنا ہوجائیں گے اور برا بھی مان جائیں گے۔ آخر انہوں نے زبردستی تو مجھے حویلی میں ٹھہرایا نہیں تھا۔ میں اپنی مرضی سے آئی تھی مجھے ان کے گمشدہ بھائی حامد آغا کے بارے میں بھی بڑا تجسّس تھا میری آمد کے ساتھ ہی ان کا پُراسرار طور پر غائب ہوجانا کیا اس جھگڑے کے دوران صفدر آغا نے اپنے بھائی کو ہلاک کرکے لاش باغ میں چھپا دی ممکن ہے جھگڑے کا سبب ان کی خوبصورت بیوی شان رہی ہو۔

میں ان خیالات میں اتنی محو ہوگئی تھی کہ صفدر آغا کی بات ہی نہ سن سکی جب چونکی تو وہ کہہ رہے تھے......... "تار کہیں سے ٹوٹ گیا ہوگا۔ میں نے کل بتلایا تھا نا عارضی کنکشن ہے حویلی کے قریب میں سامان کا شیڈ ہے بجلی وہاں تک لگی ہوئی ہے میں نے خود ہی وہاں سے تار جوڑ کر اس حصے تک پہنچا دیا تھا۔ جہاں تمہارا قیام ہے فاصلہ زیادہ

ہے اس تار کو کئی جگہ پلگ لگا کر جوڑ دیا گیا تھا۔ میرا خیال ہے رات کو کوئی جانور وغیرہ تار سے الجھ گیا ہوگا اور جوڑ نکل گیا۔ ابھی چل کر دیکھ لیتے ہیں۔"

ہم ایک نیا لیمپ، موم بتیاں اور ایک نئی سی ٹارچ لے کر پہلے اس شیڈ تک پہنچے جو حویلی سے کچھ فاصلے پر ڈھلوان جگہ بنا ہوا تھا۔ یہاں سے کچھ اور نیچے ندی بہتی تھی۔ شیڈ گھنے درختوں میں اس طرح چھپا ہوا تھا کہ حویلی سے نظر نہ آتا تھا۔ وہاں سے ایک تار زمین پر کھلا پڑا ہوا حویلی تک چلا گیا تھا ہم اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور پھر ایک جگہ واقعی تار کا جوڑ کھلا ہوا ملا۔ رات کو کوئی جانور اس سے الجھ گیا ہوگا کیونکہ جوڑ پلگ سے نکلا پڑا تھا۔ صفدر آغا نے احتیاط سے اسے جوڑ دیا۔ ہم تار کے ساتھ چلتے ہوئے حویلی کے عقبی حصے میں پہنچ گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک طویل برآمدہ حویلی کے گرد چلا گیا تھا اور ایک جگہ لکڑی کا بنا ہوا یہ زینہ آخری منزل پر واقع کوٹھے پر تھا۔ صفدر آغا نے بتایا کہ یہ راستہ ملازمین کے لئے بنوایا گیا تھا جو کوٹھے پر بنے ہوئے کمروں میں رہتے تھے۔

انہوں نے لیمپ میں تار لگا کر بٹن دبایا تو فوراً روشن ہوگیا۔ "لیجئے جناب! بجلی پھر آگئی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"شکریہ۔" میں نے جواب دیا۔ "اب میں نے تار دیکھ لیا ہے دوبارہ گڑبڑ ہوئی تو خود دیکھ لوں گی۔ آپ کو بڑی زحمت ہوئی۔"

"نہیں بھئی۔ زحمت تو تمہیں ہوئی رات بھر اندھیرے میں رہیں۔ کچھ لکھنا پڑھنا شروع کیا؟"

"جی ابھی تو نہیں۔" میں نے کہا۔ "چند کتابوں کی ضرورت ہے سوچتی ہوں جمال پور یا شہر جا کر لے آؤں۔"

"ہاں........ ویسے دوسری منزل پر جو لائبریری ہے وہ تو تم دیکھ چکی ہو۔ شاید وہاں کوئی کتاب تمہارے کام کی ہو تم دیکھ لینا۔"

میں نے انہیں حیرت سے دیکھا۔ "لیکن........ آپ نے تو دوسری منزل پر جانے سے منع کیا تھا۔" میں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں........ تم نے غلط سمجھا۔ میں نے دوسری منزل پر نہیں تیسری منزل پر واقع کوٹھے پر جانے کو منع کیا تھا اور وہ بھی اس لئے کہ اس کا زینہ اور چھت مخدوش حالت میں ہیں۔"

"آپ اطمینان رکھئے میں وہاں نہیں جاؤں گی۔"

"ویسے بھی اوپر جانے کا دروازہ بند ہے۔" انہوں نے یاد دلایا۔

ان کے جانے کے بعد میں دیر تک ان کی باتوں پر غور کرتی رہی۔ کل اور آج کی باتوں میں کتنا تضاد تھا اس کے بعد میں ہال سے نکل کر حویلی کے عقبی حصے والے برآمدے میں آ کر کھڑی ہوگئی۔ جس کا فرش لکڑی کے تختوں کا بنا ہوا تھا۔ قریب ہی بید کی چند آرام کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ جن کے گدوں پر گرد جمی ہوئی تھی یہاں سے ندی کی جانب جانے والی ڈھلوان پر ہر سمت سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ بڑا دلکش منظر تھا دائیں جانب دور تک بنی ہوئی باڑھ کے اندر پائیں باغ تھا جہاں میں نے شاید........ صفدر آغا کو اس رات زمین کھودتے دیکھا۔ میرے قدم خود بخود پائیں باغ کی جانب اٹھنے لگے۔

ایسا لگتا تھا کہ کافی مدت سے باغ کی دیکھ بھال نہیں کی گئی تھی جگہ جگہ جھاڑ جھنکار اُگ آئے تھے۔ پھولو کی کیاریوں میں لانبی لانبی گھاس اُگ آئی تھی۔ درختوں کو تراشا گیا تھا ان کی شا روش تک آگئی تھیں ایک جگہ تالاب تھا خوبصورت حوض بنا ہوا تھا جس کی سطح سفید سنگ مرمر کی تھی اور اس میں کنول کے پھول تیر رہے تھے وسیع اور کشادہ میدان کی گھاس بڑھی ہوئی تھی۔ ایک جگہ گھنی جھاڑیوں کو ہٹا کر میں آگے بڑھی تو سامنے دھوپ گھڑی نظر آگئی ایسی خوبصورت دھوپ گھڑی میں نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی........ یہ دھوپ گھڑی اتنی نیچے بنائی گئی تھی کہ اس کا گول گھیرا زمین سے بمشکل ایک فٹ اونچا تھا اور لانبی گھاس سے تقریباً چھپ گیا تھا۔ میں چند لمحے کھڑی اسے دیکھتی رہی سفید سنگ مرمر کا بڑا سا گھیر گھاس سے اندر جھک رہا تھا۔ میں نے وہاں بیٹھ کر گھاس پھونس ہٹانا شروع کیا چوڑے اور گول گھیرے کے عین درمیان کیوپڈ جیسا ایک مجسمہ بنا ہوا تھا جس کے تیر کمان کا لمبا سا تیر تھا اسی تیر کے سائے سے یہ گھڑی وقت بتاتی تھی لیکن جب میں نے گھیرے کو صاف کیا تو دیکھا کہ اس پر وقت بتلانے کے ہندسے نہیں بنائے گئے تھے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ نواب رضا علی کو وقت نے اتنا موقع نہیں دیا تھا کہ وہ اسے مکمل کرا سکتے اور دھوپ گھڑی کی تکمیل سے پہلے ہی فرنگی فوج نے ان کی زندگی کا سفر مکمل کر دیا تھا۔

لیکن گھاس صاف کرتے ہوئے مجھے اچانک تین نوکیلے پتھر نظر آئے۔ جو دھوپ گھڑی کے گھیرے کے برابر زمین پر لگے ہوئے تھے۔ یہ بڑے بڑے پتھر جن کی نوکیں اوپر اٹھی ہوئی تھیں۔ گھیرے کے کنارے برابر فاصلے سے لگے ہوئے تھے۔ میں فوراً سمجھ گئی........ ہندسوں کے بجائے یہ پتھر وقت کی نشاندہی کرتے تھے۔ بلاشبہ ایسے بارہ پتھر زمین میں لگے ہوئے تھے۔ دھوپ اتنی تیز تھی کہ میں پسینے میں تر ہوگئی تھی اس لئے اٹھ کر حویلی میں واپس آگئی ایک گلاس پانی پی کر دوسری منزل کا زینہ طے کر کے لائبریری میں

پہنچی۔ سینکڑوں کتابیں سلیقے سے الماری میں سجی ہوئی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ ان میں بیشتر تاریخ کے موضوع پر تھیں۔ فارسی' عربی اور اردو کی نادر لیکن قدیم کتابوں کے بعد انگریزی زبان کی کتابیں تھیں۔ اچانک میری نظر میز پر پڑی۔ ایک کھلی ہوئی کتاب الٹی رکھی ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی نے حال ہی میں اسے پڑھنے کے بعد یہاں رکھ دیا تھا اور پھر الماری میں رکھنا بھول گیا۔ اس کے برابر ہی ایک گلاس رکھا ہوا تھا جس کا پانی گدلا ہو رہا تھا۔ میں نے قریب جاکر دیکھا تو اندازہ ہوا کہ کسی نے اسے ایش ٹرے کے طور پر استعمال کیا تھا۔ کیونکہ پانی میں سگریٹ کی راکھ پڑی ہوئی تھی۔ شاید پانی اس لئے رکھا تھا کہ جلتی ہوئی سگریٹ سے آگ کا خطرہ نہ رہے کیونکہ سگریٹ کے ٹکڑے بھی پانی میں پڑے ہوئے تھے اور تب مجھے اندازہ ہوا کہ یہ سگریٹ ایک دو دن کے دوران ہی کسی نے پیئے تھے کیونکہ ٹکڑے گھل کر ابھی پگھلے نہیں تھے۔

جسم میں خوف کی سرد لہریں دوڑ گئیں۔ میرے خدا.......... تو قدموں کی وہ چاپ میرا واہمہ نہ تھی۔ رات کو کوئی یہاں واقعی آیا تھا لیکن کیوں؟ صفدر آغا کو رات کی تاریکی میں چوروں کی طرح وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی وہ جس وقت چاہتے بلا دھڑک حویلی میں آسکتے تھے۔ میں نے کتاب اٹھا کر کھلے ہوئے صفحے کو پڑھنا شروع کیا یہ کسی کی لکھی ہوئی ایک یادداشت تھی۔ صفحات کا رنگ' کتاب کی حالت اور چھپائی یہ بتلا رہی تھی کہ یہ قدیم دور کی چھپی ہوئی ہے۔ کھلے ہوئے صفحات کی عبارت پڑھنا شروع کی تو معلوم ہوا کہ نواب رضا علی کے ساتھ انہی کے ایک ساتھی نے غداری کی تھی اور انگریزوں کو یہ اطلاع دی تھی کہ نواب صاحب کس طرح مجاہدین آزادی کی امداد کر رہے تھے لیکن جون 1857ء صبح وہ پائیں باغ میں اپنے پسندیدہ گلاب کی کیاریوں کی کھدائی کر رہے تھے کہ اچانک فرنگی سپاہیوں نے حویلی پر دھاوا بول دیا اور انہیں بلا کسی مزاحمت کے گرفتار کرلیا نواب صاحب نے فخر کے ساتھ اپنے جرم کا اعتراف کرلیا اور انہیں بغاوت کے الزام میں قید کرلیا گیا۔ میں نے کتاب کے سرورق کو دیکھا اس کا عنوان "جنگ آزادی کے ہیرو۔" تھا کتاب 1890 میں شائع ہوئی تھی۔

لیکن سوال یہ تھا کہ آغا صفدر کیوں اس کتاب کو پڑھ رہے تھے؟ کیا وہ اپنے موروثی خزانے والی داستان پر یقین کرتے ہیں؟ کیا ان کے خیال میں نواب رضا علی نے جواہرات گلاب کی کیاری میں دفن کر دیئے تھے۔ میں اسی مسئلے پر غور کرتی ہوئی نیچے جانے کیلئے روانہ ہوئی تو کوٹھے پر جانے والے زینے پر جاکر قدم خودبخود رک گئے۔ دروازہ بند تھا اور اسے کھولنے کا کوئی ارادہ نہ تھا لیکن تجسس نے سوچنے پر مجبور کردیا

صفدر نے کہا تھا کہ وہ دروازہ مقفل رہتا ہے۔ میرا ہاتھ بالکل غیر ارادی طور پر آگے بڑھا.......... ہینڈل گھمایا تو دروازہ بلا کسی دشواری کے کھل گیا۔ اوپر جانے والی سیڑھیاں میرے سامنے تھیں۔ میں حیران رہ گئی صفدر آغا نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا۔

کوئی انجانی قوت مجھے اوپر جانے کی تحریک کر رہی تھی۔ میں سحرزدہ سی کھڑی تھی قدم اچانک آگے بڑھا لیکن فوراً ہی رک گئی۔ ذہن میں تیزی سے ایک خیال کوندا۔ صفدر آغا نے بار بار اوپر جانے سے منع کیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں حد سے زیادہ تجسس پیدا کرکے انہوں نے یہ ترغیب دی تھی کہ میں اوپر جاؤں اور اچانک بڑے آغا کی وارننگ ذہن میں گونج اٹھی۔

"وہ بڑا مکار ہے.......... ضرورت پڑے تو وہ مجھے بھی قتل کرسکتا ہے..........کچھ روز پہلے اس نے حویلی اور اس میں رہنے والوں کا بیمہ کرایا تھا۔" میرے خدا.......... کہیں ایسا تو نہیں کہ اس نے اوپر کوئی جال بچھایا ہو اور کسی اتفاقیہ حادثے کا بندوبست کیا ہو۔ خوف سے میرا قدم تیزی سے پیچھے ہٹا میں نے تیزی سے دروازہ بند کیا اور تقریباً بھاگتی ہوئی نیچے پہنچ گئی' اور تب پہلی دفعہ مجھے احساس ہوا کہ میں صفدر آغا سے خوفزدہ ہوں۔ بلاشبہ یہ شخص مکار اور خطرناک ہے اس نے مجھے یہاں مفت رہائش کی پیشکش کسی بد ارادے سے کی تھی.......... مجھے اس سے شدید نفرت کا احساس ہوا اس لمحے میری نظر دریچے سے باہر گئی کوئی لان کو پار کرکے تیزی سے حویلی کی سمت آرہا تھا اور پھر میری نظریں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ شان تھی۔

میں نے دروازہ کھولا تو وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اس کے چہرے پر خوف کی ہلکی سی جھلک تھی۔ "صفدر نے کہا تھا کہ میں تم سے پوچھوں کہ تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں جانتی تھی کہ وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ جانے کیوں مجھے اس پر بڑا ترس آیا۔

"آیئے اندر آیئے.......... بڑی مہربانی صفدر صاحب کی۔"

ہم ہال میں کھڑے تھے شان کی نظر اچانک دیوار پر گئی اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"کیا بات ہے شان! خیریت تو ہے۔" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں.......... کوئی بات نہیں لیکن.......... لیکن یہاں دیوار پر ایک بڑی قیمتی اور خوبصورت پینٹنگ تھی۔" اس نے اشارے سے بتلایا۔ "اس کا فریم سونے کا تھا آؤ ذرا اوپر چلیں۔"

وہ ایک ایک کمرے میں جاکر جائزہ لیتی رہی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی پریشانی بڑھتی

جارہی تھی اب اس بات میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ وہ یہاں کسی شبے کی تصدیق کے لئے آئی تھی۔ یہ محض بیان تھا کہ اسے صفدر نے بھیجا ہے۔ اچانک اس کے منہ سے نکلا۔ بھگوان وہ بھی غائب ہے۔"

"کیا غائب ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ چھوٹی ٹائم پیس.......... صفدر کہتے تھے بہت قیمتی ہے لیکن کون لے جاسکتا ہے۔" وہ اپنے آپ سے کہہ رہی تھی۔ مجھے اچانک غصہ آیا۔ کیا یہ عورت مجھے چور کہہ رہی تھی۔

"اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ میں نے کوئی چیز غائب کی ہے تو.........."

"نہیں.......... اوہ نہیں۔ میں قسم کھاتی ہوں کہ میرا یہ مطلب ہرگز نہ تھا۔" اس نے میرے دونوں ہاتھ تھام کر التجا بھری آواز میں کہا۔ "مجھے معاف کر دینا۔"

"صرف ایک شرط پر.......... تم مجھے سب کچھ سچ سچ بتا دو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اطمینان رکھو میں کسی سے نہ کہوں گی۔ صفدر آغا سے بھی نہیں۔"

اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور غمزدہ لہجے میں کہا۔ "صفدر بہت پریشان ہیں.......... اپنے چھوٹے بھائی کے سلسلے میں۔"

"لیکن کیوں.......... کیا ہوا ان کے بھائی کو.......... اس نے کون سی ایسی حرکت کی ہے؟"

وہ ایک لمحہ مجھے دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "صفدر کا خیال ہے کہ.......... وہ حویلی میں قیمتی اشیاء چوری کرتا رہا ہے۔ یہاں خاندان کی یادگار اور قیمتی اشیاء ہر جگہ بکھری ہوئی ہیں.......... صفدر کا خیال ہے کہ وہ انہیں چوری کرکے لے جاتا رہا ہے۔ اس بات پر دونوں میں زبردست جھگڑا ہوا تھا.......... اس کے بعد سے حامد واپس نہیں آیا.......... کہیں ایسا تو نہیں کہ صفدر نے پولیس میں رپورٹ کردی اور وہ اس لئے شہر سے بھاگ گیا ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ ممکن نہیں.......... لیکن تم کو یقین ہے کہ حامد ایسی گھٹیا حرکت کرسکتا ہے۔"

"پتہ نہیں.......... لیکن یہاں سے بہت سی چیزیں غائب ہیں۔ ممکن ہے حامد کو رقم کی ضرورت رہی ہو۔ موتا کیا تم جانتی ہو کہ حامد کہاں ہے۔"

"میں..........؟ لیکن میں نے تو آج تک اسے دیکھا بھی نہیں۔"

"تو پھر تم یہاں کیوں آئی ہو۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑی۔ شان بھی بڑے آغا کی طرح اس غلط فہمی میں مبتلا تھی کہ حامد کی گمشدگی سے میرا کوئی تعلق ہے۔ "سنو شان.......... کم از کم تم کو تو یہ معلوم ہے کہ میں یہاں کیسے آئی ہوں۔ میں نے پہلی بار فون کیا تھا تو تم سے ہی بات ہوئی تھی۔ یہ محض اتفاق ہے کہ حامد کی گمشدگی کے بعد فوراً میں یہاں پہنچ گئی۔ یقین جانو اس کے بارے میں مجھے کچھ پتہ نہیں۔"

"اوہ.......... میں معافی چاہتی ہوں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ میں جانتی تھی کہ اسے اب بھی پوری طرح یقین نہیں آیا ہے۔ "تم صفدر سے میری آمد کا ذکر نہ کرنا.......... پلیز۔"

"نہیں کروں گی اطمینان رکھو۔" میں نے کہا۔ "اور اس طرح پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے حامد کے آتے ہی یہ غلط فہمی دور ہوجائے گی۔"

شان کے جانے کے بعد میں پہلی بار کتابیں نکال کر اپنے مطالعہ کے لئے بیٹھی لیکن کوشش کے باوجود پڑھ نہ سکی۔ ذہن میں بار بار یہی خیال آرہا تھا کہ حامد واقعی اتنی گھٹیا حرکت کرسکتا تھا ممکن ہے صفدر آغا نے اس لئے مجھے اس حویلی میں رہنے کے لئے بلایا ہو کہ میری موجودگی میں حامد یہاں سے چوری نہ کرسکے گا۔ میں اس کے بارے میں کچھ بھی تو نہ جانتی تھی۔ بے شک خانم اور بڑے آغا نے اس کی بڑی تعریف کی تھی لیکن آخر وہ بڑے گھر کا لڑکا تھا شاید شہر میں جوئے یا دوسری بری عادتوں کا شکار ہوگیا ہو۔ رقم کے لئے واقعی چوری پر مجبور ہوگیا ہو.......... اور پھر میں اچھل پڑی۔ خدایا.......... ممکن ہے جس کے قدموں کی چاپ میں نے رات کو سنی تھی وہ حامد ہی رہا ہو اور اس نے میری آنکھوں میں دھول جھونک کر رات بھی چوری کرلی۔ بے شک اس کے سوا اور بھلا کون حویلی میں آسکتا تھا لیکن مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بہت ممکن تھا وہ رات کو پھر آئے۔ میں جسے بھوت سمجھ رہی تھی اس گھر کا بھیدی نکلا۔

پہلے تو میں نے سوچا کہ اس جھگڑے میں پڑنے کے بجائے بوریا بستر باندھ کر شہر واپس چلی جاؤں۔ یا پھر خیابان میں کمرہ لے کر خانم کے پاس رہوں اور صفدر آغا سے بہانہ کروں کہ حویلی میں اکیلے رہتے ہوئے ڈر لگتا ہے یا پھر انہیں بتا دوں کہ رات کو کوئی حویلی میں آیا تھا.......... لیکن جانے کیوں دل اس پر آمادہ نہ ہوا.......... شان' خانم اور بڑے آغا سب حامد سے محبت کرتے تھے۔ انہیں بہت دکھ ہوگا سوائے صفدر کے جو حامد سے نفرت کا برملا اظہار کرچکا تھا اور آخر کار میں نے فیصلہ کیا کہ فی الحال کچھ نہ کروں گی اور اگر حامد سے آمنا سامنا ہوگیا تو اسے شرمندہ کروں گی اور اسے سمجھاؤں گی کہ کیوں خاندان کے

ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگا رہا ہے۔

لیکن اس رات میں مسلسل انتظار کرتی رہی لیکن قدموں کی آواز نہیں سنائی دی۔ حویلی پر چھایا ہوا موت کا سا سناٹا کسی نے نہیں توڑا یہاں تک کہ آنکھ لگ گئی۔

صبح کو بیدار ہوئی تو سورج نکل چکا تھا۔ رات بھر کے آرام سے طبیعت تر و تازہ ہو چکی تھی۔ ناشتے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ جمال پور جا کر کچھ کتابیں تلاش کروں۔ سیر بھی ہو جائے گی اور اس کے بعد اطمینان سے اپنا کام بھی شروع کر سکوں گی۔ مجھے راستہ نہیں معلوم تھا لیکن خانم نے ر. ئی کی۔ صفدر آغا کی دی ہوئی چھوٹی آسٹن لے کر میں روانہ ہو گئی راستے کے خوبصورت مناظر نے مجھے سحر زدہ کر دیا تھا۔ میں کار کو آہستہ چلاتی ہوئی ایک پتلی سی سڑک پر سے گزر رہی تھی جس کے دونوں طرف گھنا اور ہرا بھرا جنگل تھا اچانک ایک نوجوان درختوں سے نکل کر سڑک کے درمیان کھڑا ہو گیا اور ہاتھ ہلا کر رکنے کا اشارہ کرنے لگا۔ میرے پیر بے ساختہ بریک پر پہنچ گئے۔ کار اس سے چند گز کے فاصلے پر رک گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ انیس بیس سال کا ایک خوبصورت سا نوجوان تھا۔ پینٹ اور شرٹ کے ساتھ اس نے اپنا سوئٹر گلے میں پہن رکھا تھا۔ ہاتھ میں ایک ہینڈ بیگ تھا اور دوسرا بیگ سڑک پر رکھا ہوا تھا۔

قریب آتے ہوئے اس نے حیرت سے مجھے دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا لفٹ مل سکتی ہے۔"

"کار اسی لئے روکی تھی۔" میں نے غصے سے کہا۔ "اگر بریک نہ لگتا تو۔"

"تو شہید ہو جاتا...... واللہ بڑی خوبصورت موت ہوتی۔" اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "ویسے بھی زندگی سے بیزار ہوں۔"

"تو جا کر کسی پہاڑ کی چوٹی سے چھلانگ لگا دو۔" میں نے غصے میں آ کر کہا گرد و پیش کوئی آبادی نظر نہیں آ رہی تھی۔ پتہ نہیں یہ اس ویرانے میں کہاں سے آ ٹپکا۔

"آپ کی یہی خواہش ہے تو میں پوری کر سکتا ہوں۔" اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "ویسے یوں نہ دیکھئے کوئی چور اچکا نہیں شریف آدمی ہوں۔"

"وہ تو صورت ہی سے ظاہر ہے۔" میں نے بمشکل ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

"تو بیٹھ جاؤں؟" وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھا۔

"ارے...... ارے...... تم کو کہاں جانا ہے۔"

"جہاں آپ جا رہی ہیں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں تو جہنم میں جا رہی ہوں...... اب فرمایئے۔"

"آپ ساتھ ہوں گی تو وہاں بھی جنت کا لطف آئے گا۔"

"تم ہوش میں تو ہو۔" میں نے اسے خونخوار نظروں سے گھورا۔

"جی ذرا دیر پہلے تک تو تھا...... اب کی خبر نہیں۔"

میں نے غصے میں کار اسٹارٹ کی تو اس نے جلدی سے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"معاف کر دیجئے اب ایک لفظ بھی کہوں تو سزا وار...... یہ سڑک جمال پور جا کر ختم ہو جاتی ہے بس مجھے وہیں چھوڑ دیجئے گا۔"

میں بے ساختہ مسکرا دی۔ "بیٹھ جاؤ لیکن اپنے وعدے پر قائم رہنا۔"

لیکن وہ بلا کا چلبلا تھا۔ کچھ دیر گنگناتا رہا۔ آواز خاصی سریلی تھی۔ پھر پہلو بدلتے ہوئے اچانک بولا۔ "آپ ہمیں قریب میں رہتی ہیں۔"

"نہیں۔" میں نے سرد لہجے میں کہا وہ پھر چپ ہو گیا لیکن کن انکھیوں سے مجھے دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہا۔

"کسی کالج میں پڑھتی ہوں گی۔" اس نے پھر کہا۔ "فرسٹ ایئر یا سیکنڈ ایئر۔"

"یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کر رہی ہوں۔" میں نے جل کر جواب دیا۔

اس نے پھر مجھے حیرت سے دیکھا...... "پھر تو دنیا میں میٹرک کا سرٹیفکیٹ ہی لے کر آئی ہوں گی۔"

"سنو صاحبزادے میں تم جیسے لڑکوں کو ٹھیک کرنا خوب جانتی ہوں۔ سمجھے اب چپ بیٹھو ورنہ میں یہیں اتار دوں گی۔"

"صاحبزادے...... دیکھئے اگر داڑھی ہوتی نا تو مین آپ کا ڈیڈی لگتا۔" میں نے غصے میں گھورا تو اس نے پھر ہاتھ جوڑ دیئے۔ "اچھا...... آنٹی! اب نہیں بولوں گا۔" بولا تو نہیں لیکن پھر گنگنانے لگا۔ کافی دیر گزر گئی اب وہ میری پسندیدہ غزل گنگنا رہا تھا۔ میں چپ نہ رہ سکی بے ساختہ بول اٹھی۔ "آواز تو تمہاری اچھی ہے۔"

وہ خوشی سے اچھل پڑا...... "دیکھا نا...... میں جانتا تھا ہماری پسند ضرور ایک ہو گی۔"

اور اس بار مجھے غصہ تھوکنا پڑا۔ میں بے ساختہ مسکرا اٹھی۔ "تم واقعی بہت شریر ہو۔" میں نے موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔ "شاید جمال پور آ گیا۔" میں نے سامنے نظر آتی ہوئی آبادی دیکھ کر کہا۔

"اتنی جلدی۔" اس نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "ایسا لگتا ہے ابھی پلک جھپکائی تھی۔ سنئے رخصت ہونے سے پہلے نام تو بتلا دیجئے۔"

"جی نہیں۔ تم سے اتنی دیر کی ملاقات کافی تھی۔"

اس کا چہرہ اتر گیا۔ "آپ کی مرضی' لیکن ایک بات کہوں میں اتنا بھی برا نہیں ہوں مس مونا۔"

اسٹیئرنگ میرے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"تم......... تم۔"

"اتنا حیران ہونے کی بات نہیں یہ سامنے رکھی کتاب پر نام لکھا ہوا تھا۔" اس نے جلدی سے کہا اور ہاتھ جوڑ دیئے۔ "بس اس بلڈنگ کے سامنے اتار دیجئے۔"

میں نے کار روک دی وہ نیچے اترا اپنا سامان اتارا اور پھر سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"شکریہ تو میری شکل کہہ رہی ہوگی مس مونا لیکن ایک بات کہہ دوں یہ مختصر سفر مجھے کبھی نہ بھولے گا۔"

میں محسوس کر رہی تھی کہ میرا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا ہے۔ میں ایک لمحہ اسے دیکھتی رہی پھر کار آگے بڑھا دی۔ کچھ بھی ہو آدمی بڑا دلچسپ تھا۔ خود مجھے بھی پتہ نہ چلا کہ سفر کیسے کٹ گیا۔

رات پہلی مرتبہ میں لکھنے بیٹھی تھی۔ جمال پور کا سفر بیکار رہا تھا۔ صرف ایک کتاب مل سکی تھی میں دیر تک لکھتی رہی اور جب نیند آنے لگی تو لیمپ بجھا کر لیٹ گئی۔ عجیب بات تھی کہ بار بار مجھے وہ نوجوان یاد آرہا تھا۔ کتنا خوش مزاج تھا لیکن میں نے اس کا نام تک بھی نہ پوچھا تھا۔ پھر مجھے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔ ہوگا کوئی کم بخت میں بلاوجہ اس کے بارے میں سوچ رہی ہوں......... لیکن بھلا سوچ پر کسی کا اختیار ہے۔ اس کی شوخ باتیں کانوں میں گونج رہی تھیں۔ آنکھ لگ ہی رہی تھی کہ میں چونک کر اٹھ بیٹھی۔

میں غور سے سن رہی تھی لیکن ہر سمت سناٹا طاری تھا۔ شاید میرا واہمہ رہا ہو۔ لیٹنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ آہٹ پھر سنائی دی اور اس مرتبہ بڑی صاف تھی کوئی کوٹھے پر چل رہا تھا......... میرا دل زور زور سے اچھلنے لگا کون ہو سکتا ہے صفدر آغا......... یا ان کا چھوٹا بھائی حامد جو شاید پھر چوری کرنے آیا ہو۔ میں دم بخود بیٹھی سنتی رہی کہ اچانک دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ تیسری سے اتر کر اب دوسری منزل پر آرہا تھا۔ میں چونک کر اٹھ بیٹھی میں کمرے میں آنے سے پہلے ہال کا لیمپ بجھا کر آئی تھی اور اس وقت مکمل تاریکی میں بیٹھی ہوئی تھی لیکن اب یوں خاموش تماشائی بن کر بیٹھنے کو تیار نہ تھی میں اپنی جگہ سے اٹھی اور ننگے پاؤں چلتی ہوئی ہال میں پہنچی۔ ایک بار پھر سناٹا طاری ہوگیا اور یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اوپر جو کوئی بھی ہے وہ چپ چاپ کھڑا آہٹ لے رہا ہے لیکن اسی لمحے

مجھے ایک ہلکی سی آہٹ پھر سنائی دی وہ دبے پاؤں نیچے اتر رہا تھا۔ میں نے ٹارچ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ ہاتھ کانپ رہے تھے لیکن میں نے ہمت سے کام لیا چند قدم آگے بڑھی اور پھر ٹارچ کی تیز روشنی اچانک زینے پر پھینکی۔ کسی کے لبوں سے دہشت زدہ چیخ بلند ہوئی اور پھر سناٹے میں عجیب سی دھما دھم کی آواز سنائی دی۔ میں چند لمحے خوف سے ساکت کھڑی رہی۔ پھر مجھے فوراً ہی احساس ہوا کہ وہ بدحواسی میں زینے سے گر پڑا ہے اور دھما دھم کی آواز اس کے زینے سے نیچے لڑھکنے کی تھی۔ میرا سارا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ حلق خشک ہو چکا تھا۔ ٹارچ ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر چکی تھی۔

میں نے بمشکل خود پر قابو پایا اور جھپٹ کر ٹارچ اٹھائی اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے روشنی زینے کے نیچے پھینکی۔ دوسرے ہی لمحے میرے لبوں سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی زینے کے بالکل نیچے ایک شخص بالکل چت پڑا تھا۔ اس کی کھلی ہوئی دہشت زدہ آنکھیں روشنی میں بہت بھیانک لگ رہی تھیں اور وہ شخص......... وہی تھا جسے میں نے کار میں لفٹ دی تھی۔

مجھے حقیقت سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ "تم........." میں غصے سے بولی۔ "مجھے پہلے ہی تم کو پہچان لینا چاہئے تھا۔ اب اس طرح کیوں پڑے ہو۔ اٹھ بھی جاؤ۔"

"لیکن کیسے۔ میرا پیر شاید ٹوٹ گیا ہے۔" اس نے کراہتے ہوئے کہا۔

"سر تو سلامت ہے نا......... چلو اب اچھے بچوں کی طرح اٹھ جاؤ۔"

اس نے کوشش کی لیکن کراہ کر گر پڑا۔ چہرے کی اذیت دیکھ کر میں گھبرا گئی۔

"ارے......... تم کو تو واقعی چوٹ آگئی ہے۔ معاف کر دو مجھے۔ میں نے ٹارچ اچانک جلا کر تمہیں ڈرایا۔" میں نے پریشانی کے عالم میں جھک کر اس کے پیر کو ٹٹولا لیکن جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ پیر نہیں ٹوٹا البتہ ٹخنے میں موچ آگئی تھی۔ میں نے بھاگ کر لیمپ جلایا اور واپس پہنچی تو وہ سیڑھی کی ریلنگ کے سہارے ایک پیر پر کھڑا تھا۔

"شکر ہے کہ پیر نہیں ٹوٹا......... لیکن صبح کی طرح دل نہ توڑ دیجئے گا۔" اس نے اپنے مخصوص شوخ لہجے میں کہا۔ "ویسے میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"میں تو آپ کو بھوت سمجھا تھا۔"

میں بے ساختہ ہنس پڑی۔ "تو بھوت سمجھ کر تم ڈر گئے تھے لیکن میں نے تو آج واقعی حویلی کے بھوت کو پکڑ لیا۔ تم حامد آغا ہو نا۔"

"ہاں......... لیکن آپ نے کیسے پہچانا؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "میں نے

آپ کو نام نہیں بتلایا تھا۔"

"ہاں۔ لیکن تم کو پہچاننا مشکل نہیں تھا......... ویسے اتنی رات گئے یہاں کیا لینے آئے تھے۔"

"میں تو یہاں رہتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "کم از کم آج کل لیکن آپ۔"

"میں یہاں عارضی طور پر مقیم ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "تمہارے بڑے بھائی کی مہمان کی حیثیت سے۔"

"صفدر بھائی کی مہمان۔" اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ "خوب......... کیا شان کو اس کا علم ہے۔"

میرا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ "ہاں......... بڑے آغا کو بھی معلوم ہے لیکن میں واقعی تم سب کی مہمان ہوں۔ صرف مہمان سمجھے!"

وہ خوشی سے مسکرا دیا......... وہ میرے سہارے ایک پیر سے چلتا ہوا میرے کمرے تک آیا اور آرام کرسی پر گر کر کراہ اٹھا میں لیمپ اٹھا کر قریب آئی۔ "تکلیف بہت ہے ذرا پیر تو دکھاؤ۔"

"نہیں۔ زحمت کی ضرورت نہیں۔ مجھے یہیں رہنے دیں کچھ دیر میں۔"

"ناؤ شٹ اپ۔" میں نے ڈانٹا وہ واقعی چپ ہو گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

چوٹ واقعی شدید تھی ٹخنے پر ورم آ گیا تھا۔ اس کے منع کرنے کے باوجود میں اٹھ کر باتھ روم میں گئی تولیے کو ٹھنڈے پانی سے تر کیا اور جگ میں پانی بھر کے اس کے پاس آ گئی۔ یخ پانی سے ٹھنڈا تولیا اس کی ٹانگ پر لپیٹ دیا۔ اس دوران میں اسے اپنی آمد کے بارے میں بتلاتی رہی۔ تکلیف کی شدت سے وہ بالکل خاموش پڑا سنتا رہا۔ میں نے اسے بتلایا کہ بڑے آغا اور شان اس کے لئے کتنے پریشان تھے۔

"میں یہ نہیں پوچھوں گی کہ تم اس طرح غائب کیوں ہو گئے تھے۔" میں نے کہا۔ "یا رات کو چھپ چھپ کر یہاں کیوں آتے تھے کیونکہ یہ تمہارا خاندانی معاملہ ہے اور پھر صبح ہوتے ہی میں چلی جاؤں گی۔"

"چلی جاؤ گی؟" اس نے گھبرا کے پوچھا۔ "لیکن کیوں؟"

"تم جو کچھ بھی کرتے رہو......... یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن میں جھگڑے میں گواہ نہیں بننا چاہتی۔"

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔ میں کیا کرتا رہا ہوں۔"

میں نے اسے وہ سب بتلایا جو شان نے مجھ سے کہا تھا۔ "کیا یہ غلط ہے۔"

اس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ "خوب......... تو آپ کو یقین آ گیا کہ میں چور ہوں۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میں نے جو کچھ سنا تھا کہہ دیا......... حقیقت کیا ہے یہ صفدر آغا یا تم جانتے ہو۔"

"اوہ گاڈ۔" اس نے کربناک لہجے میں کہا۔ "آخر صفدر بھائی کو اتنا سفید جھوٹ بولنے کی ضرورت کیا تھی۔ وہ کیا چاہتے ہیں۔"

"اگر یہ سب کچھ جھوٹ ہے تو پھر سچ کیا ہے۔"

وہ چند لمحات مجھے شکایت آمیز نظروں سے گھورتا رہا۔ "بڑے ظالم ہیں صفدر بھائی۔" اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "سب کچھ تباہ کر کے اب میری خوشیاں بھی چھین لینا چاہتے ہیں۔ تم سچ جاننا چاہتی ہو تو سنو۔ صفدر بھائی اپنی عیاشیوں سے ساری جائیداد گنوا چکے ہیں۔ اب خاندانی یادگار اس سفید حویلی کو بھی بیچ دینا چاہتے تھے لیکن یہ میرے دستخطوں کے بغیر ممکن نہ تھا اور میں اس کے لئے تیار نہ تھا کیونکہ ابا جان کو اس بات سے سخت صدمہ پہنچے گا۔ اب تک انہیں حقیقت کا علم نہیں' شک ضرور ہے۔ اس لئے میں گھر سے بھاگ گیا تھا لیکن صفدر بھائی نے مجھے تار دے کر بلوایا۔ میری عدم موجودگی میں وہ اتنا قرضہ لے چکے تھے کہ ادائیگی ممکن نہ تھی اور ادھر قرض دینے والوں نے قانونی کارروائی کی دھمکی بھی دے دی تھی۔ جیل سے بچنے کا صرف ایک راستہ ان کے پاس ہے کہ میں سفید حویلی کو فروخت کرنے کی دستاویزات پر دستخط کر دوں لیکن میں نے انکار کر دیا۔ چند روز پہلے ہمارا زبردست جھگڑا ہوا تھا اس بات پر' اور اس لئے میں چپکے سے غائب ہو گیا۔ میں تنہائی میں اس بات پر غور کرنا چاہتا تھا۔ قرض کی ادائیگی کی میعاد چند روز میں ختم ہو رہی ہے اور میرا خیال ہے کہ اب دستخط کر دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔"

"تو یہ سب حرکت صفدر آغا کی تھی........." میرے دل سے ایک بوجھ ہٹ گیا تھا۔ حامد چور نہیں تھا وہ بڑے بھائی کے ہاتھوں ستایا ہوا تھا۔ "لیکن تم حویلی میں کیوں چھپے ہوئے تھے......... کہیں اور چلے جاتے۔"

"پہلے یہی اراہ تھا اس لئے میں نے اپنا سامان قریبی گاؤں میں رکھ دیا تھا۔" اس نے کہا۔ "آج سے مستقل طور پر حویلی میں آ جانے کے لئے نکلا تھا کہ آپ سے ملاقات ہو گئی لیکن جمال پور میں کام تھا اس لئے واپسی میں دیر ہو گئی۔"

"خوب......... لیکن اس طرح چھپ کر حویلی میں آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں نہیں چاہتا تھا کہ صفدر بھائی کو میری یہاں موجودگی کا علم ہو سکے۔" اس نے

بتلایا۔ ”اس کے علاوہ بھی حویلی میں رہنے کا ایک سبب تھا لیکن بتلاؤں گا نہیں۔“

”کیوں؟“

”آپ مذاق اڑائیں گی۔“

مجھے ہنسی آگئی۔ وہ بچوں کی طرح شرما رہا تھا۔ ”چلو وعدہ۔ نہیں مذاق اڑاؤں گی۔“

اس نے مجھے دزدیدہ نظروں سے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔ ”میں ایک خزانہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو روایات کے مطابق اسی حویلی میں پوشیدہ ہے اور..........“

”میں جانتی ہوں۔ تو لائبریری میں وہ کتاب۔ ”جنگ آزادی کے ہیرو۔“ تم ہی پڑھ رہے تھے؟“

”ہاں۔“ اس نے حیران ہو کر مجھے دیکھا۔ ”لیکن آپ اس بارے میں کیا جانتی ہیں۔“

”سب کچھ.......... بڑے آغا نے مجھے خزانے والی داستان خود سنائی تھی۔“ میں نے کہا۔ ”اور میرا خیال ہے رات کو پائیں باغ میں زمین تم ہی کھود رہے تھے۔ کچھ کامیابی ہوئی۔“

”اوہ گاڈ.......... آپ.......... آپ یہ بھی جانتی ہیں۔“ وہ اچھل پڑا۔ ”میں سوچ رہا تھا کہ اگر خزانہ واقعی مل جائے تو خاندان کی عزت نیلام ہونے سے بچ جائے گی لیکن افسوس ناکامی کے علاوہ کچھ نہ ملا۔ اب سفید حویلی کو فروخت کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ کل جون کی 28 تاریخ ہے وطن کی ناموس پر قربان ہوجانے والے نواب رضا علی خان کی گرفتاری کی تاریخ اور کیسی عجیب بات ہے کہ جس ناموس پر وہ قربان ہوگئے کل ہم اسے بیچ دیں گے۔“

”جون کی 28 تاریخ۔“ میرے ذہن میں ایک کوندا۔ ”خدایا.......... وہ تصویر۔“ میں نے چونک کر کہا۔

”تصویر.......... کیسی تصویر؟“

”وہی بدنما سی تصویر.......... دھوپ گھڑی کی‘ جو اوپر ہال میں لگی ہوئی ہے۔“ میں نے کہا۔ ”اس پر بھی 28 جون 1858ء کی تاریخ پڑی ہوئی ہے۔“

”ہاں.......... میں نے دیکھا ہے لیکن یہ محض ایک اتفاق معلوم ہوتا ہے۔“

”محض اتفاق یا.......... کوئی اشارہ۔“ میں نے پُراسرار انداز میں کہا۔ ”کیا یہ ممکن نہیں کہ دفن شدہ خزانے کی کنجی اسی میں ہو۔“

”میں سمجھا نہیں.......... بھلا اس تصویر سے..........“

”تم تو بالکل ہی کوڑھ مغز ہو.......... اس تصویر پر سن پورا نہیں لکھا ہوا۔ چھ‘ اٹھائیس اور پھر صرف آٹھ لکھا ہے۔“

”تو اس سے کیا ہوتا ہے۔“

”اس سے یہ ہوتا ہے کہ پچیس جون کو 8 بجے کے وقت کا اشارہ ملتا ہے۔“ میں نے اچھلتے ہوئے کہا۔ ”کل یعنی پچیس جون کو ٹھیک آٹھ بجے دھوپ گھڑی کا سایہ جہاں پڑے خزانہ وہیں دفن ہے۔“

وہ چند لمحے پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہا پھر زور سے چلایا۔ ”مائی گاڈ.......... یہ ممکن ہے۔“ جوش میں وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ پھر درد سے کراہ کر کرسی پر گر گیا۔

”غضب کا دماغ ہے جواب نہیں۔“ تولیہ فرش پر گر پڑا تھا۔ ٹھنڈے پانی نے ورم بہت کم کر دیا تھا لیکن ابھی وہ چلنے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ میں نے ٹارچ اٹھائی اور اوپر جاکر دھوپ گھڑی کی تصویر لے آئی۔ ہم دونوں جھک کر اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ جوش اور خوشی نے اس قدر بدحواس کردیا تھا کہ میرے بال اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے تھے لیکن مجھے احساس نہ تھا اور اسی لمحے اچانک لائٹ چلی گئی۔ ”یہ کیا ہوا؟“ میں نے بے ساختہ کہا۔

”وہ آئے بزم میں اتنا تو ہم نے دیکھا۔ پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔“ اس نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے شعر پڑھا۔

”تم کو شاعری سوجھی ہے۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔ ”یہ لائٹ اسی طرح پہلے بھی جاچکی ہے۔ شاید پھر کسی جانور نے کنکشن توڑ دیا ہے۔ تم ٹھہرو میں جاکر دیکھتی ہوں۔“ میں نے ٹارچ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”ٹھہرو میں بھی ساتھ چلوں گا۔“ اس نے میرا بازو پکڑ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

”احمق نہ بنو۔ تم چلنے کے قابل نہیں ہو۔“ میں نے اسے روکا۔

لیکن وہ بضد رہا۔ مجبوراً میں اسے اپنے بازوؤں کا سہارا دے کر حویلی کے عقبی حصے والے دروازے سے باہر نکل آئی۔ ہر سمت مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن ٹارچ کی مدد سے میں نے وہ جگہ تلاش کرلی۔ جہاں سے تار کا جوڑ ٹوٹا تھا۔ ایک حصہ زمین پر پڑا ہوا تھا اور دوسرا کوٹھے کی بالکونی سے لٹک رہا تھا۔ میں دونوں کو جوڑنے آگے بڑھی ہی تھی کہ حامد نے سرگوشی کی۔ ”ٹھہرو۔“

”کیا بات ہے؟“

"پتہ نہیں.......... ذرا ٹارچ مجھے دو۔"

میں نے ٹارچ اس کو دے دی۔ اس نے ٹارچ جلا کر روشنی اوپر پھینکی اور تب میں نے بھی دیکھ لیا۔ تیز روشنی میں ایک باریک سا تارہ چمک رہا تھا جس کا ایک سرا بجلی کے تار سے جوڑا ہوا تھا اور دوسرا بالکونی سے ہوتا ہوا اوپر کوٹھے تک چلا گیا تھا اور ایک تیسرا تار زمین کے اندر گھاس میں دھنسا ہوا تھا۔

"بات کیا ہے حامد؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا.......... لیکن تم یہیں ٹھہرو میں دیکھتا ہوں۔" اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ "ہلنا نہیں اور نہ کسی چیز کو ہاتھ لگانا۔ سن رہی ہو مونا کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔"

میں نے گردن ہلا کر ہاں کہی اس کے لہجے نے دہشت زدہ کر دیا تھا وہ لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا اور پھر کوٹھے پر جانے والے راستے پر آہستہ آہستہ چڑھنے لگا۔ آخری منزل میں پہنچ کر اس نے پہلی کھڑکی سے جھانکا۔ پھر دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ اسی لمحے چاند نکل آیا۔ میرا دل زور زور سے اچھل رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ نیچے اترا۔ چمکتے ہوئے ننگے اور باریک تار کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا اور کھینچ کر زمین پر پھینک دیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کر رہا تھا۔

"خدایا تیرا شکر ہے۔" اس نے ہاتھ سے ماتھے کا پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ایسی خطرناک سازش کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

"پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔" میں نے سرگوشی کی۔ "کیسی سازش؟"

"اگر تم تار کو پلگ سے جوڑ دیتیں تو جانتی ہو کیا ہوتا۔ کھلے ہوئے تار کی وجہ سے شارٹ سرکٹ ہوتا اور کوٹھے پر رکھا ہوا پٹرول کا ڈرم دھماکے سے پھٹ جاتا اور سفید کوٹھی جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جاتی۔"

"اوہ میرے خدایا!" میں دہشت زدہ لہجے میں بولی۔ "لیکن کیوں.......... کیوں حامد۔"

"اس لئے کہ.......... صفدر بھائی میرے دستخط حاصل کرنے سے مایوس ہو چکے تھے۔" اس نے کہا۔ "قرض ادا کرنے کے لئے اس کی آخری امید انشورنس کی رقم تھی.......... لیکن انہیں صبح بڑی مایوسی ہوگی۔"

ہم نے تمام رات تاریکی میں بیٹھ کر کاٹ دی کیونکہ حامد کو یقین تھا کہ صفدر آغا کہیں قریب ہی بیٹھ کر آگ لگنے کے منتظر ہوں گے اور مایوس ہو کر دوبارہ کوشش کر سکتے

ہیں لیکن ایسا نہ ہوا یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔

"حامد.......... آج اٹھائیس جون ہے اگر خزانہ مل گیا تو!" میں نے کہا۔

"مجھے تو میرا خزانہ پہلے ہی مل چکا ہے۔" اس نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"خوش فہمی نہیں مونا.......... میں حقیقت بیان کر رہا ہوں۔"

"ڈائیلاگ اچھے بول لیتے ہو.......... شاید اسی طرح شان سے بھی کہا ہوگا۔" میرے لبوں سے بے ساختہ نکل گیا۔

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ چہرے پر کرب کے آثار جھلک اٹھے تھے۔ "وہ بے وفا نکلی مونا۔ اس نے محبت کے بجائے دولت اور سنہرے مستقبل کو ترجیح دی' تم کو طعنہ دینے کا حق ہے لیکن میری وفاؤں کو جس طرح چاہو آزماؤ۔"

مجھے اپنی حرکت پر دکھ محسوس ہونے لگا۔ "معاف کر دو۔" میں نے اسی کے انداز میں دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ "تم کو دکھ پہنچانا مقصود نہ تھا۔ خیر چھوڑو آؤ۔ ہم دھوپ گھڑی کے پاس چلتے ہیں۔"

آٹھ بجے سے پہلے ہم نے دھوپ گھڑی کے آس پاس سے تمام گھاس اٹھا دیا تھا۔ حامد وہ کدال اٹھا لایا تھا جس سے رات کو پائیں باغ کی زمین کھودی تھی۔ ٹھیک آٹھ بجے دھوپ گھڑی کے کیوپڈ کے تیر کا سایہ جس پتھر پر پڑا حامد نے اسے کھودنا شروع کر دیا میں جانتی تھی کہ یہ ایک موہوم امید ہے لیکن پھر بھی دل کسی انجانی توقع پر زور زور سے اچھل رہا تھا۔ وہ کھودتے کھودتے تھک گیا تھا لیکن ہاتھ پھر بھی نہ رکے یہاں تک کہ پتھر اپنی جگہ سے نکل آیا اس نے پتھر ہٹا کر پھر کھودنا شروع کر دیا۔ اب اس کے ہاتھ بڑی تیزی سے چل رہے تھے میں بیان نہیں کر سکتی کہ اس وقت میری کیا حالت تھی لیکن کچھ بھی نہ ہوا یہاں تک کہ تھک کر اس نے کدال پھینک دی۔

"کچھ اور نیچے تک کھودو.......... مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے ڈوبتے دل کے ساتھ کہا۔

اس نے پسینہ صاف کیا پھر زمین پر بیٹھ کر زور زور سے ہنسنے لگا۔ "ہم بالکل بچے بن گئے ہیں.......... بھلا اس طرح خزانے ملتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"مجھے تو یقین تھا.........." میں نے مایوس لہجے میں کہا۔

"تم بھی حد کرتی ہو.......... صبح صبح اتنی ورزش کرا دی۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں پہلے غسل کر لوں پھر سوچوں گا کہ سزا کیا ملنی چاہئے۔"

میں وہیں بیٹھی رہی۔ وہ غسل کرنے جا چکا تھا۔ جانے کیوں دل نہ مانتا تھا کہ میرا اندازہ غلط تھا۔ بار بار ذہن میں یہ امید جاگتی تھی کہ خزانہ یہیں ہے ہم سے ضرور کوئی غلطی ہوئی تھی۔ سورج کی تمازت سے میں پسینے میں تر ہو چکی تھی لیکن کچھ احساس نہ تھا۔
اور پھر اچانک وہ خیال ذہن میں کوندا' میں اچھل پڑی' اور پھر بھاگتی ہوئی حویلی کی سمت بھاگی' دروازے پر حامد سے ٹکر ہوتے ہوتے بچی' وہ لباس تبدیل کرکے باہر آرہا تھا۔

"خیر تو ہے.........؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"حامد......... ۱۸۵۷ء سے آج کے وقت میں کتنا فرق ہوا ہے؟" میں نے خوشی سے بے قابو ہو کر پوچھا۔

"کیا مطلب.........؟"

"احمق ہو تم......... یہ مطلب پوچھنے کا وقت ہے۔ ۱۸۵۷ء میں جب نو بجے تھے اس وقت اب کیا بجتا ہے؟"

اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "دس........." اس نے سرگوشی میں کہا۔

"تو پھر آؤ......... ہمیں اس کے بعد والے پتھر کی کھدائی کرنا چاہیے۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنے کپڑوں پر نظر ڈالی۔ "لیکن مونا......... اگر اس مرتبہ بھی۔"

"شٹ اپ......... خبردار کوئی منحوس بات نہ کہنا........."

وہ بلا تامل کدال اٹھا کر کھدائی میں مصروف ہو گیا۔ اس مرتبہ میں بھی ساتھ لگ گئی اور مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگی۔ ہم دونوں مزدوروں کی طرح کام کر رہے تھے۔ کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ ہاتھ مٹی میں اٹ گئے تھے' کپڑوں کا برا حال ہو چکا تھا۔ جسم پسینے سے شرابور تھے۔ یہاں تک کہ پتھر ہلنے لگا۔ کدال کے چند ہی وار میں حامد نے اسے زمین سے علیحدہ کر دیا پھر لرزتے ہاتھوں سے اس نے پتھر ہٹایا......... اور پھر ہم پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے......... پتھر کے نیچے رکھی ہوئی چمڑے کی تھیلی ہمارے سامنے تھی......... لیکن ہم نے اسے ہاتھ بھی نہ لگایا تھا۔

کچھ دیر بعد ہوش وحواس پر قابو پایا تو حامد نے تھیلی کھول کر گھاس پر الٹا دی۔ آنکھوں میں چکاچوند سی ہونے لگی۔ نایاب ہیرے جواہرات کا ذخیرہ آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔

☆------☆------☆

"لڑکی۔ تو بڑی بھاگوان ہے۔" بڑے آغا نے فرط محبت سے مجھے چمٹا لیا تھا۔ "میں نے تو صرف مذاق میں کہا تھا کہ حویلی کا خزانہ مل جائے تو میرا حصہ نہ بھولنا......... تم نے تو اسے سچ ثابت کر دیا۔"

"یہ تو محض اتفاق ہے بڑے آغا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں بیٹی۔ اتفاق نہیں' قدرت کا کرشمہ کہو۔ کون سوچ سکتا تھا کہ جو کام لوگ ایک صدی میں نہ کر سکے تم پلک جھپکتے کر لو گی۔" انہوں نے جواب دیا۔ "اللہ کو ہماری بہتری اسی طرح منظور تھی۔"

"ابا جان......... مجھے بھی یہی محسوس ہوتا ہے۔" حامد نے شریر نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ان کے قدم بڑے بھاگوان ہیں۔ اب انہیں واپس نہ جانے دیجئے گا۔"

"واپس؟ کون اسے واپس بھیج رہا ہے۔" وہ گرج کر بولے۔ "صفدر کہاں ہے؟"

"جی......... وہ کسی کام سے جمال پور گئے ہیں۔" حامد نے جھوٹ بولا کیونکہ صفدر آغا لاپتہ ہو چکے تھے شان کا بھی پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہے۔

ہم اس وقت سفید حویلی کے ہال میں بیٹھے تھے۔ دوپہر کا کھانا ہم نے خیابان سے منگوا کر وہیں کھایا تھا۔ اب تک خزانہ ملنے کی خبر صفدر کو نہیں تھی۔ حامد جب بڑے آغا کو لینے گیا تو صفدر وہاں موجود نہیں تھا۔ شان نے اسے بتایا کہ صبح سویرے ہی کہیں چلے گئے تھے۔ بڑے آغا اپنی خوردبین سے ایک ایک ہیرے اور جواہر کو دیکھ رہے تھے۔ مسرت سے ان کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ "مونا بیٹی......... تم نے اب تک مجھے اپنے بارے میں نہیں بتلایا۔ تمہارے والدین کہاں ہیں۔"

"جی......... دونوں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ میری پرورش میری خالہ نے کی ہے۔"

انہوں نے خوردبین رکھ کر بڑی شفقت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر اشارے سے قریب بلا کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "کیا نام تھا تمہارے والد کا بیٹی۔"

"جی شجاعت علی۔" میں نے کہا۔

بڑے آغا نے چونک کر مجھے دیکھا۔ "کہاں کے رہنے والے تھے وہ۔"

"آغا جی مجھے یہ تفصیل تو نہیں معلوم خالہ جان نے ہمیشہ اس بات کو راز رکھا' میرے خالو دلاور نواب شاید یہیں سلطان آباد میں تحصیل دار ہوا کرتے تھے' لیکن میں۔"

بڑے آغا اچانک اپنی جگہ سے اٹھے اور زینہ طے کرتے ہوئے اوپر چلے گئے۔ میں حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ پتہ نہیں انہیں میری کوئی بات ناگوار گزری تھی یا.........

"یہ ابا جان کو اچانک کیا ہوگیا۔" حامد نے حیران ہو کر کہا۔

"پتہ نہیں میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کی تھی جو ناگوار ہوتی۔"

اسی لمحے آغا واپس آتے نظر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ایک تصویر تھی۔ میرے پاس آکر انہوں نے یہ تصویر آگے بڑھائی۔ "انہیں پہچانتی ہو بیٹی۔"

میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "یہ آپ کو کہاں سے ملی............ یہ تو میرے ابا جان کی تصویر ہے۔" میں نے کہا۔

بڑے آغا رو رہے تھے ان کے رخسار آنسوؤں سے تر تھے اور پھر انہوں نے مجھے سینے سے لگا لیا۔ "قدرت کو سب کچھ ایک ساتھ دینا منظور تھا۔" انہوں نے لرزتی آواز میں کہا۔ "کیسی عجیب بات ہے۔"

"لیکن............ آپ میرے ابا جان کو کیسے جانتے ہیں۔"

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "میرے ایک چچا زاد بھائی تھے۔ نواب صداقت علی۔ بڑے بدکار' بدکردار لالچی اور بڑے ہی ظالم............ میں ان دنوں بہت چھوٹا تھا۔ بھائی جان شجاعت علی اور صداقت علی میں جائیداد کے معاملے پر ہمیشہ جنگ رہتی تھی۔ میری طرح بھائی جان کو بھی جائیداد کا ذرہ ذرہ عزیز تھا۔ جبکہ صداقت علی اپنی عیاشیوں میں سب کچھ برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اسی بات پر ان کا بھائی جان سے جھگڑا ہوا۔ انہوں نے ایک رات شراب کے نشے میں بھائی جان کو گولی مار کر قتل کردیا۔ بھابی جان نے اپنے شوہر کو بچانے کی کوشش کی تو ان پر بھی گولی چلادی لیکن ان کے وفادار دیوان نے صداقت علی کو بھی ان کے بھیانک جرم کی سزا وہیں دے دی اور تلوار کے ایک ہی وار میں اس کا سرتن سے جدا کردیا۔ اسی رات مرنے سے پہلے بھابی جان نے ایک بچی کو جنم دیا لیکن خود اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ دیوان جی اتنے خوفزدہ تھے کہ بچی کو لے کر ایسے غائب ہوئے کہ پھر کبھی ان کا پتہ نہ چل سکا اور جانتی ہو بیٹی ان کا نام کیا تھا۔ دلاور نواب۔"

"دلاور نواب............" میں نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

"ہاں میری بچی............ دلاور نواب' تو میرے مرحوم بھائی کی نشانی ہے میری بچی' تو میرا اپنا خون ہے۔ یہ خزانہ تیرا ہے............ اسی لئے قدرت نے اسے تیرے حوالے کردیا۔"

ہم دم بخود کھڑے تھے مجھے بالکل احساس نہ تھا کہ آنکھیں برس رہی ہیں۔ میں بڑے آغا کے سینے میں باپ کے دل کی دھڑکنیں سن رہی تھی۔ اچانک ایک غضبناک آواز سنائی دی۔

"کہاں ہے وہ۔ مجھے بے وقوف بنا کر چھپتا پھر رہا ہے بے شرم۔"

صفدر آغا دھاڑتے ہوئے ہال میں داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ میں جانتی تھی کہ وہ حامد سے دستخط لینے آئے ہیں لیکن ہمیں دیکھ کر وہ ٹھٹک کر وہیں رک گئے............ "یہ............ یہ کیا ہو رہا ہے۔"

حامد کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا لیکن اس سے پہلے کہ دونوں بھائیوں میں جھڑپ ہو میں بول پڑی۔ "اب حویلی کو فروخت کرنے یا انشورنس کی رقم کی ضرورت نہیں ہے صفدر آغا............ میں نے خزانہ تلاش کر دیا ہے۔" صفدر آغا کا چہرہ زرد پڑگیا۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ "خزانہ مل گیا نہیں تم مذاق کر رہی ہو۔"

"نہیں صفدر۔ مونا سچ کہہ رہی ہے۔" بڑے آغا نے چمڑے کی تھیلی میز پر الٹ دی۔ "صرف خزانہ ہی نہیں بلکہ تمہیں مونا جیسی بہن مجھے بیٹی............ اور بہو بھی مل گئی ہے۔"

وہی حویلی ہے۔ وہی میں ہوں اور وہی حامد لیکن ایسا لگتا ہے کہ بہار آگئی ہے!

ہم سفید حویلی میں منتقل ہوگئے ہیں' بڑے آغا ہمارے ساتھ ہیں۔ ان کی ضد کے باوجود کہ خزانے کی حقدار میں ہوں۔ میں نے صفدر بھائی کو برابر کا حصہ دیا ہے۔ وہ قرض ادا کرکے اب بڑی توجہ سے بزنس کر رہے ہیں اور میں سوچ رہی ہوں کہ قسمت نے جو اصل خزانہ مجھے دیا ہے وہ ہیرے جواہرات نہیں میرا شوہر............ حامد ہے۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں مونا بہن' جنہیں محبتوں کے خزانے مل جائیں انہیں کسی اور خزانے کی ضرورت نہیں رہتی' حامد بے حد خوش نصیب انسان ہیں کہ انہیں آپ جیسی سلجھی ہوئی طبیعت کی خاتون ملیں' اور یہ داستان جو آپ نے سنائی ہے واقعی بے حد سنسنی خیز ہے۔"

"آپ تنہا سفر کر رہے ہیں گل شیر صاحب؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے آپ کی مسز؟" مونا نے سوال کیا اور میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

"نہیں ابھی ایسی کسی شخصیت کا کوئی وجود نہیں ہے۔"

"مونا تم نے ایک بات محسوس کی ہے۔" حامد نے درمیان میں دخل دیتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

"معاف کیجئے گا گل شیر آپ کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت ہے' بہت ہی مختلف قسم کی کیفیت ایسا لگتا ہے جیسے آپ کچھ تلاش کر رہے ہوں ڈھونڈ رہے ہوں' ایک ایسی چیز جس کے ملنے کی آپ کو توقع نہ ہو۔" میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہو۔"

"نہیں جناب۔ یہ بات نہیں ہے ہو سکتا ہے سے کام نہیں چلے گا' میری قیافہ شناسی اگر ٹھیک ہے تو آپ کو بتانا ہو گا کہ آپ کیا تلاش کر رہے ہیں؟"

"آپ کی قیافہ شناسی بالکل درست ہے حامد صاحب' میں یہ سمجھتا ہوں کہ انسان دنیا میں کچھ نہ کچھ تلاش کرتا ہی رہتا ہے' شاید تلاش کا نام زندگی ہے اگر ہمیں کسی شے کی تلاش نہ ہو تو زندہ رہنا کتنا مشکل کام ہے میں نہ تو منطق جھاڑ رہا ہوں نہ آپ پر اپنی علمیت کا رعب ڈالنا چاہتا ہوں مجھے بتایئے ہر شخص کو ایک جستجو تو ہے نا۔"

"بات بڑی صفائی سے گول کر گئے ہیں اور انسان جب کسی کو اپنے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتا تو ایسی ہی گول مول باتیں کر کے اسے ٹال دیتا ہے۔ ہمیں دیکھئے ہم ہلکے لوگ ہیں۔ کتنی سادگی سے آپ کو اپنی زندگی کے سب سے اہم واقعات بتا دیئے' لیکن ہر شخص ہماری مانند نہیں ہوتا' بعض لوگ بہت گہرے ہوتے ہیں مونا' تمہارا کیا خیال ہے؟"

"نہیں ویسے یہ بات ہے نہیں۔ تاہم زندگی کی ہر کہانی اتنی آسانی سے سب کو نہیں سنا دی جاتی' کیوں میں غلط کہہ رہی ہوں گل شیر صاحب۔" میں ایک پھیکی سی ہنسی کے ساتھ خاموش ہو گیا۔

پھر سفر کا بقیہ حصہ طے ہوتا رہا' میرے ذہن میں مولوی فاروق کی باتیں آ رہی تھیں۔ بے شک ان لوگوں نے مجھے ایک انوکھی اور پُراسرار کہانی سنائی تھی' لیکن اس پُراسرار کہانی میں کہیں بھی ربابہ کا ذکر تو نہیں تھا جبکہ مولوی فاروق صاحب پر مجھے بے حد اعتماد ہو گیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ زندگی کے راستے خود بخود تحریر ہوتے ہیں اور ہمیں انہی لکیروں پر چلنا ہوتا ہے جو آخر کار ہمیں ہمارے مقصد تک پہنچا دیتی ہیں تو کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ لکیریں کہیں راستے ہی میں کٹ جائیں اور منزل انہی میں گڈمڈ ہو کر رہ جائے' ہوتا ہے یقیناً ایسا ہوتا ہے' بلکہ منزل پر پہنچنے والے تو بڑے ہی خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں اور ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے' چلو ٹھیک ہے زندگی کو کوئی محور تو ملا' میرا تھا کون اس دنیا میں؟ بس اِدھر اُدھر کی زندگی گزر رہا تھا کبھی کدھر کبھی کدھر' ایک

فٹ بال کی مانند' اِدھر کک لگی تو اُدھر پہنچ گیا اُدھر سے کک لگی تو اِدھر آ گیا۔ اب کیا کیا جا سکتا ہے انسان زندگی کو اپنا تابع تو نہیں کر سکتا' وہ لوگ مجھ سے باتیں کرتے رہے میرے بارے میں پوچھتے رہے' خاصے متاثر ہوئے تھے پھر حامد نے کہا۔

"اچھا آپ یہ بتایئے آپ نے کبھی سلطان آباد دیکھا ہے؟"

"نہیں اتفاق نہیں ہوا۔"

"تو پھر سلطان آباد دیکھئے سفید حویلی کی کہانی ویسے تو معمولی نہیں ہے' ہم آپ کو تھوڑے وقت کے لئے سفید حویلی میں ٹھہرنے کی دعوت دیتے ہیں۔" میں مسکرا دیا میں نے کہا۔

"ساری باتیں اپنی جگہ اگر آپ لوگ اسے میری خوشامد نہ سمجھیں تو میں آپ سے کہوں کہ آپ جیسے سادہ لوح لوگ بہت کم ہوتے ہیں' حامد صاحب دنیا اتنی اچھی نہیں ہے جتنا آپ اسے اچھا سمجھ رہے ہیں' برے برے لوگ ٹکرا جاتے ہیں اور اپنے آپ کو معصوم فرشتہ ثابت کرتے ہیں آپ نے ایک سرسری سی ملاقات میں مجھے اپنے گھر ٹھہرنے کی دعوت دے دی حالانکہ یہ بہتر نہیں تھا۔" جواب میں حامد ہنس پڑا پھر بولا۔

"ہم نے زندگی کو اتنی تلخ نگاہوں سے دیکھا ہے کہ اس کے سارے نوکدار پہلو ہمارے علم میں آ چکے ہیں کچھ بھی نہیں ہوتا بُرے اچھے بن جاتے ہیں اور اچھے بہت بُرے بن جاتے ہیں اور پھر قیافہ شناسی بھی تھوڑی سی اہمیت رکھتی ہے' برے لوگوں کے چہرے مختلف ہوتے ہیں اب تو میں بڑی شدت سے آپ کو دعوت دوں گا کہ آپ سفید حویلی میں کچھ وقت قیام کریں۔"

"ہاں آپ نے ابھی مجھے مونا بہن کہا ہے' چلئے ایک بہن کی حیثیت سے میں آپ سے درخواست کرتی ہوں۔"

"ارے نہیں' نہیں آپ لوگ تو اس قدر سنجیدہ ہو گئے' میں تو بس آگے بڑھ جاؤں گا۔"

"جناب.......... نہ جانے کیوں آپ سے یہ کہنے کو دل چاہ رہا ہے کہ آپ کو ہماری بات ماننا ہو گی۔"

اتنا اصرار کیا ان لوگوں نے کہ میں ہنس کر خاموش ہو گیا میں نے سوچا کہ چلو ٹھیک ہے' نہ کوئی راہ نہ منزل نہ روشنی کا سراغ' وقت جہاں لے جا رہا ہے وہیں تھوڑا سا گزار لیا جائے کیا ہرج ہے۔ میرے آمادہ ہونے سے ان لوگوں کو خوشی ہوئی تھی' مونا نے کہا۔

"دراصل آپ کو ہم نے اپنی حویلی کی کہانی اتنی زیادہ سنا دی ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے

کہ حویلی کی تاریخ دہرادی ہے' ویسے ساری باتوں کو اپنی جگہ چھوڑیئے سفید حویلی کے بارے میں جو کچھ ہم نے آپ کو بتایا ہے وہ بالکل سچ ہے وہ یقیناً ایک پُراسرار حویلی ہے' لیکن اب چونکہ ہم اس میں رہتے ہیں اس لئے وہ پُراسرار نہیں ہے' اسرار ختم ہوچکے ہیں اور اب حقیقتیں واضح ہیں۔ ویسے اس کا دوسرا پورشن اگر آپ دیکھیں گے تو آپ کو یقیناً لطف آئے گا بشرطیکہ آپ اسرار پسند ہوں۔"

"دوسرا پورشن؟"

"ہاں۔ حویلی کے دو حصے ہیں' ایک پرانی حویلی ہے ایک نئی حویلی ہے۔ پرانی حویلی بالکل بند پڑی رہتی ہے۔ اس کا طرز تعمیر بھی قدیم ہے' تھوڑی سی ٹوٹ پھوٹ ہوچکی ہے' اصل میں اس کی دوبارہ تعمیر کی ضرورت نہیں پیش آئی ہمیں' بڑی حویلی میں اتنا بڑا مہمان خانہ ہے کہ اگر سو مہمان آجائیں تو انہیں آرام سے ٹھہرایا جاسکتا ہے اور پھر اس کے علاوہ اتنا بڑا حصہ ہے اس کا کہ پرانی حویلی کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی اور ویسے بھی اس پر وقت اور لاگت کی ضرورت۔ یہ ہم بھی سوچ رہے ہیں کہ جب بالکل ہی گر پڑے گی تو وہاں سے ملبہ ہٹوا کر لان بنوا دیں گے۔"

وہ لوگ درحقیقت سادہ لوح تھے۔ انہوں نے اپنی رہائش گاہ کا پورا نقشہ اس طرح میرے سامنے پیش کردیا تھا کہ مجھے لگ رہا تھا جیسے میں نے پوری حویلی دیکھی ہوئی ہو' پھر اس حویلی سے وابستہ کہانیاں بڑی عجیب تھیں۔ بہرحال ان کی اس مخلصانہ پیشکش کو میں ٹھکرا نہیں سکا' صبح ساڑھے چار بجے کا وقت تھا جب ٹرین سلطان آباد کے اسٹیشن پر رکی۔ ٹھنڈی ہواؤں نے اور موسم کے حسن نے ایک دم سے یہ احساس دلایا کہ سلطان آباد واقعی تھوڑے سے قیام کرنے کی جگہ ہے' ریلوے پلیٹ فارم پر اترے تو اس کے اطراف میں پہاڑیاں نظر آئیں جن کی چوٹیاں سرمئی دھند لکوں میں لپٹی ہوئی تھیں' سورج کا بھی دور دور تک نام و نشان نہیں تھا لیکن ایک عجیب سی چمک وہاں پھیلی ہوئی تھی یا پھر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہلکی سی دھند نے ماحول کو اچھا خاصا واضح کردیا تھا' پلیٹ فارم پر روشنیاں جگمگا رہی تھیں' لیکن سوئی سوئی روشنیاں۔ میں بھی ان کے ساتھ نیچے اتر گیا تھا' وہ دونوں آگے بڑھے تو دو تین افراد ان کے پاس پہنچ گئے' یہ ملازم ٹائپ کے آدمی تھے۔ باہر ایک لینڈ کروزر کھڑی ہوئی تھی جسے ایک ڈرائیور نے سنبھال لیا' مختصر سا سامان لینڈ کروزر میں رکھا گیا اور ہم تینوں پچھلے حصے میں بیٹھ گئے' ملازم اس سے پچھلے حصے میں تھے۔ ڈرائیور کے ساتھ ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا اس طرح لینڈ کروزر آگے بڑھ گئی۔

میرے ذہن میں بہت سے خیالات تھے' سفید حویلی کے بارے میں جو کہانی ان

دونوں نے سنائی تھی اس کے تحت یہ حویلی ایک تاریخی حیثیت اختیار کرگئی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرا بے کار وقت یہاں تھوڑا سا اچھا گزر جائے گا' زندگی کا کوئی مقصد ہی نہیں رہ گیا تھا' دنیا میں تنہا لوگ بھی ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے لئے کوئی مناسب مقام تلاش کرلیتے ہیں' ایسے بہت کم ہوتے ہیں جن کی زندگی کا کوئی مقصد ہی نہ ہو جبکہ وہ بذات خود زندگی سے بھرپور طریقے سے متعلق ہوں۔ میں ان تمام باتوں کے بارے میں سوچتا رہا اور لینڈ کروزر اپنا سفر طے کرتی رہی' ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطان آباد ایک آئیڈیل جگہ تھی' ایسا لگتا تھا جیسے یہاں کے لوگ اپنے شہر سے کافی محبت کرتے ہوں اور اسے خوبصورت بنانے کے لئے خود اپنی کاوشیں بھی استعمال کرتے ہوں۔

بہرحال سفید حویلی پہنچ گئے۔ بڑا اچھا استقبال ہوا تھا حامد اور مونا کا' اب یہاں یہ لوگ کون کون تھے اس کے بارے میں تو مجھے نہیں معلوم تھا لیکن بہرحال پھر بھی یہ اندازہ ضرور ہوگیا تھا کہ حامد اور مونا ایک مقبول شخصیت کے مالک ہیں۔ عظیم الشان حویلی کے ایک خوبصورت گوشے میں میرے لئے آرام گاہ کا بندوبست کیا گیا' حامد اور مونا نے کہا۔

"دیکھیئے گل شیر صاحب' آپ ہمارے معزز مہمان ہیں اور یقینی طور پر آپ کی آمد ہمارے لئے انتہائی خوشی کا باعث ہے' ہم یہ چاہیں گے کہ آپ ایک لمبا عرصہ ہمارے ساتھ گزاریں' بعض لوگوں سے خود بخود دل لگ جاتا ہے' اور یہ دل چاہتا ہے کہ ان کے ساتھ اچھا خاصا وقت گزارا جائے' کہیں کسی بھی جگہ مہمان نوازی میں کوئی کوتاہی ہوجائے تو اسے اتفاق سمجھ کر معاف کر دیجئے گا یہ نہ سوچیں کہ ایک دن کا مہمان دو دن کا مہمان تین دن کے بعد وہ مہمان ناگوار گزرنے لگتا ہے' ایسی بات نہیں ہوگی' یہ ابتدائی الفاظ اس لئے کہے گئے ہیں کہ آپ کسی بھی طرح یہاں اپنے آپ کو اجنبی نہ سمجھیں' بلکہ ایک بہت اچھے مہمان ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے گھر کے ایک فرد کا سا انداز اختیار کریں۔" میں ہنسنے لگا میں نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ جتنے اچھے جتنے معزز مہمان نواز لوگوں نے مجھے اپنا مہمان بنایا ہے ان سے فائدہ نہ اٹھانا بڑی حماقت ہوگی چنانچہ آپ اطمینان رکھئے گا میں کوئی نک چڑھا مہمان نہیں ثابت ہوں گا۔"

وہ دونوں ہنسنے لگے اس کے بعد واقعی میری یہاں بڑی اچھی خاطر مدارت ہوئی' مونا اور حامد بڑے خوش مزاج ثابت ہوئے' مونا نے مجھے اس پُراسرار حویلی کی سیر کرائی اور آخر کار اس تاریخی گیلری میں لے گئی جہاں مصوری کے نادر شاہکار موجود تھے' لیکن میرے لئے حیرتیں تخلیق نہ ہوں یہ تعجب کی بات تھی' وہ گیلری جس کا تذکرہ مونا اپنی

داستان میں کر چکی تھی میری نگاہوں کے سامنے آئی' واقعی بعض تصویریں بڑی احمقانہ قسم کی بنی ہوئی تھیں' لیکن ایک تصویر دیکھ کر میرے حواس پر بجلی سی گری' بہت ہی خوبصورت تصویر بنائی گئی تھی یہ لیکن آہ یہ تصویر ربابہ کی تھی۔

میری طرف دیکھتی ہوئی تصویر جیسے اس کی آنکھیں کچھ کہہ رہی ہوں۔ جیسے وہ کوئی انوکھی داستان سنانا چاہتی ہو' میں اسے دیکھتا رہا اور وہ مجھے دیکھتی رہی' مونا اور حامد تصویر کے بارے میں باتیں کر رہے تھے' انہوں نے اس وقت میری جانب توجہ نہیں دی تھی' میں شدت حیرت سے اس تصویر کو دیکھتا رہا پھر حامد ہی میرے قریب پہنچ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"جوانی کی عمر بہرطور کسی نہ کسی طرح کسی بھی چیز سے متاثر ہو ہی جاتی ہے' اور پھر یہ تصویر تو واقعی اس قدر حیرت ناک ہے کہ اس کے بارے میں کچھ کہا ہی نہیں جاسکتا' بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہوں نے کبھی اس تصویر کو دیکھا اور اس سے متاثر نہ ہوئے ہوں۔" میں نے چونک کر حامد کو دیکھا پھر مونا کو اور پھر اس تصویر کو' پھر میں نے کہا۔

"کیا یہ تصویر بھی.........؟"

"ارے نہیں نہیں بھئی باقی تصویریں دیکھ کر تمہیں یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ تصویر کم از کم ان تصاویر کے خالق کی نہیں ہوسکتی۔" حامد نے کہا اور خود ہی ہنس پڑا۔

"تو پھر یہ تصویر کہاں سے آئی؟"

"گل شیر صاحب آپ نے اس طرف ہماری پرانی حویلی دیکھی ہے اصل میں وہ ایک ایسی سمت میں واقع ہے جہاں عام طور سے اس حویلی کے رہنے والوں کی نگاہ نہیں پڑتی' اگر آپ اس طرح نہیں گئے ہیں تو ہماری حویلی کے بالکل کنارے والے گوشے کی طرف جایئے وہاں سے پیچھے دیکھئے تو آپ کو تصویر کا دوسرا رخ نظر آئے گا۔"

"تصویر کا دوسرا رخ؟" میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا تو مونا ہنس کر بولی۔

"یہی باتیں تو دل کو لبھاتی ہیں' اصل میں پرانی حویلی کو یہ تصویر کا دوسرا رخ کہتے ہیں لیکن وہ ہے بڑی عجیب۔ بڑی پُراسرار داستانیں وابستہ ہیں اس حویلی سے۔"

"اتفاق ہے میں نے نہیں دیکھی۔"

"اصل میں ہم لوگوں نے یہ کوشش کی ہے کہ نئی حویلی سے پرانی حویلی کا منظر نظر نہ آئے۔ اس حویلی کی روایات بھی عجیب ہیں۔"

"مگر بات تصویر کی ہو رہی تھی۔"

"ہاں تصویر' یہ سمجھ لیجئے کہ اسی حالت میں پرانی حویلی سے ملی ہے' کیونکہ فنکاری

کا نایاب نمونہ تھی اس لئے اسے اس آرٹ گیلری میں شامل کر لیا گیا ہے۔"

"پرانی حویلی سے یہ تصویر ملی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں......... آیئے......... ہم آپ کو اس بارے میں بھی تفصیلات بتائیں گے' ویسے اگر آپ اس سلسلے کو مزید دیکھنا چاہتے ہیں دیکھ لیجئے۔"

"میں واقعی اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں اس قدر دلکش اور زندہ تصویر ہے کہ لگتا ہے بس اب بولنے والی ہے۔" میں نے ایک بار پھر ربابہ پر نگاہ ڈالی اور یہ بھی شاید میرے تصور کا وہم تھا کہ مجھے ربابہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک لکیر کھنچی ہوئی محسوس ہوئی اس کی جاندار آنکھیں مجھ سے محبت کا اظہار کر رہی تھیں لیکن یہ بات میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ صرف ایک لمحے پہلے ان ہونٹوں پر مسکراہٹ کی یہ لکیر نہیں تھی' ایسا لگا جیسے میرے الفاظ پر وہ مسکرا پڑی ہو' بہرحال حیرتوں کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا' وہ میرے الفاظ پر مسکرائی ہو یا نہ مسکرائی ہو' ممکن ہے میں نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی اس لکیر کا پہلے اندازہ نہ کیا ہو لیکن اس کا یہاں موجود ہونا ہی ایک حیران کن بات تھی' تقریباً ناقابل یقین اور پھر اس کے یہاں تک آنے کا معاملہ بھی ایک پُراسرار حیثیت رکھتا تھا۔

آرٹ گیلری سے واپس آکر ایک برآمدے میں بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے حامد نے کہا۔

"اصل میں اس پرانی حویلی کی کہانی یوں ہے بلکہ ہم اس کہانی کے راوی نہیں' ہم سے پہلے کے لوگ یہ بتاتے ہیں کہ جب نئی حویلی تعمیر ہونے لگی تو یہ سوچا گیا کہ پرانی حویلی کی عمارت کو بھی وسیع تر کرکے نئی حویلی میں شامل کر لیا جائے' یا پھر اس نئی حویلی کی انیکسی بنا دی جائے اس مقصد کے لئے مزدوروں نے وہاں کام شروع کیا تو انتہائی عجیب وغریب پُراسرار واقعات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مزدور ڈر کر بھاگ گئے' اس طرح خوفزدہ ہوئے وہ کہ انہوں نے اس نئی حویلی کا کام بھی بند کر دیا۔ بڑی مشکل سے مزدوروں کی نئی کھیپ لائی گئی اور ان سے کام شروع کرایا گیا' نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات' بڑی مشکل سے پھر یہ فیصلہ کیا گیا کہ پرانی حویلی کے اس حصے کو دور دراز رہنے دیا جائے درمیان میں لان رکھا جائے اور پھر اس طرح اس مسئلے کو حل کیا جائے۔ تب کہیں جاکر نئی حویلی کی تعمیر ہوسکی۔ یہ ہے اس پرانی حویلی کا راز۔"

"ویری گڈ' تو کیا جو پُراسرار واقعات سفید حویلی سے منسلک ہوئے وہ اس کا نتیجہ تو نہیں تھے۔" میں نے سوال کیا۔

"نہیں بالکل نہیں.......... سفید حویلی کے بقیہ واقعات کا تعلق جس سے تھا اس کے بارے میں آپ کو بتایا گیا ہے۔"

"نہیں بالکل نہیں ٹھیک بات اس تصویر کی ہو رہی تھی۔"

"ہاں یہ بھی اتفاق کی بات ہے کہ میرے ایک دوست پروفیسر زارق مجھ سے ملنے کے لئے آئے تھے' اور پروفیسر زارق اس قسم کے معاملات سے دلچسپی رکھتے تھے' بڑا تجسس ہوا انہیں پرانی حویلی کے بارے میں اور ایک بار وہ میرے ساتھ پرانی حویلی دیکھنے گئے' ویسے تو ہم کئی بار سرسری طور پر اس حویلی میں جاچکے ہیں' اس بار پروفیسر زارق ہمارے ساتھ گئے تو ہم نے زیادہ وقت گزارا' میں تھا پروفیسر زارق تھے ان کے ساتھ آئے ہوئے دو افراد اور بھی تھے اور سچ بات یہ ہے کہ مجھے تو اس پرانی حویلی کے بارے میں بالکل معلومات تھی نہیں' بہرحال پھر ہم لوگوں کو وہاں ایک تہہ خانے میں یہ تصویر ملی' تصویر چونکہ اس قدر جاندار اور خوبصورت تھی' میں اسے وہاں سے اٹھا لایا اور اسے صاف ستھرا کر کے میں نے اسے وہاں لگا دیا' یہ ہے اس تصویر کی کہانی' لیکن تصویر واقعی بے حد حسین ہے' اور اس انداز میں بنائی گئی ہے کہ دیکھنے والے کو یہ احساس ہو کہ تصویر اس سے باتیں کر رہی ہے۔"

"حویلی بالکل سنسان اور غیر آباد پڑی ہوئی ہے۔"

"نہیں بابا خیال اس حویلی میں رہتا ہے اور آپ یقین کریں اسے بھی ایک بھوت ہی سمجھا جاسکتا ہے۔"

"یہ کون ہے؟"

"ہمارا ایک بہت ہی پرانا ملازم حویلی کے زمانے کا تو نہیں ہے خیر لیکن بہرحال وہ ہے بڑی عجیب و غریب چیز' ہم تو اسے حویلی کا بھوت کہتے ہیں۔" حامد نے کہا۔

"مطلب یہ کہ اس کا نئی حویلی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"آپ تعلق کی بات کر رہے ہیں' ہمیں یہ تک نہیں پتہ کہ وہ کیا کھاتا ہے اور کیا پیتا ہے' اس کا ذریعہ آمدنی کیا ہے' ملازم تو ہم نے کہہ دیا وہ بھی اس لئے کہ بہت عرصے سے اس حویلی میں تھا' لیکن نہ تو اسے کوئی تنخواہ دی جاتی ہے' برسوں ہو گئے اسے یہاں' ہم لوگوں نے اسے یہی پیشکش کی ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں وہ یہاں سے لے لیا کرے۔ لیکن عجیب مست مولا آدمی ہے' ویسے باہر جاتا ہے کبھی کبھی اور ہاتھ میں ایک تھیلا لٹکائے واپس آجاتا ہے' اب تھیلے میں کیا ہوتا ہے یہ بھی نہیں معلوم۔ رہتا وہیں ہے۔ نہ بیمار ہوتا ہے نہ اور کوئی تکلیف ہوتی ہے اسے' آپ یقین کریں سچ مچ ایک بھوت ہی لگتا ہے۔"

بہرحال یہ کہانی میں نے سنی' ساری باتیں اپنی جگہ تھیں مولوی فاروق نے مجھ سے کہا تھا کہ جدوجہد کرو حالات خود ہی میرے لئے راستہ متعین کریں گے۔ حالات نے میرے لئے یہ راستہ منتخب کیا ہے' وقت اور تقدیر نے مجھے یہاں بھیجا ہے' یہی کہا جاسکتا ہے اور کیا کہہ سکتا تھا میں لیکن اس تصویر کا حویلی سے تعلق اور اس کا یہاں ہونا میرے لئے بڑا سنسنی خیز تھا' اس وقت تو میں نے اس سلسلے میں کوئی تذکرہ نہیں کیا لیکن بعد میں' میں نے یعنی رات کے کھانے پر حامد اور مونا کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

"حامد صاحب! میں واقعی آپ لوگوں کا احسان مند ہوں کہ صرف ایک ہمسفر ہونے کے باوجود آپ نے مجھے عزت کا یہ مقام دیا اور بے لوث اور بے غرض اپنی اس حویلی میں مجھے قیام کی پیشکش کی' میں یہ سوچتا ہوں کہ میں تو بے گھر اور بے در انسان ہوں کوئی ایسی حیثیت نہیں کہ آپ کی اس محبت کا جواب اسی محبت سے دے سکوں' بڑی شرمندگی محسوس کر رہا ہوں میں۔" حامد کے بجائے مونا نے کہا۔

"انسانی رشتوں پر یقین نہیں رکھتے آپ گل شیر صاحب' انسانی رشتے بھی تو کوئی حیثیت رکھتے ہیں کیا صرف دینے کے جواب میں دینا ہی انسانیت کا معیار ہو سکتا ہے' آپ خود بتائیے ہم تو آپ کو بڑی محبت سے یہاں لائے ہیں اور اس محبت میں کوئی لالچ شامل نہیں ہے' ایک بے غرض اور بے لوث عمل ہے یہ' آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں کوئی غلطی ہو گئی ہم سے؟"

"بخدا بالکل نہیں' لیکن ایک بات کو آپ بھی تسلیم کریں گی مونا صاحبہ کہ انسانی غیرت اور ضمیر بھی کوئی چیز ہے۔"

"ہے بالکل ہے' اور اسی انسانی غیرت اور ضمیر کے حوالے سے میں یہ بات کہوں گی کہ آپ ہمارے خلوص اور ہماری سچائی کو قبول کر لیں تو ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔"

"کمال کے لوگ ہیں آپ۔" میں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"چلئے ٹھیک ہے' ہر شخص کمال کا انسان بننا چاہتا ہے آپ نے ہمیں بنا دیا ہماری قیمت وصول ہو گئی۔" میں ہنسنے لگا' پھر میں نے کہا۔

"میں دن بھر آپ لوگوں کے بارے میں سوچتا رہا ہوں' آپ کے ذوق آپ کے معیار آپ کے اخلاق و شرافت ساری چیزیں میرے ذہن میں آئیں اور ساتھ ساتھ ہی ایک عجیب و غریب کیفیت بھی۔"

میں نے پُراسرار کہانی کے جواب میں ان لوگوں کو پُراسرار کہانی سناتے ہوئے ایک

شرمندگی سی محسوس کی تھی اس لئے ربابہ کا کوئی تذکرہ میں نے ان سے نہیں کیا تھا' چنانچہ میں نے کہا۔

"اور اب ایک ایسی احمقانہ بات کہہ رہا ہوں جس پر آپ کو ہنسی آئے گی لیکن بہرحال میرے دل میں ہے یہ۔"

"ارے ارے کہئے ایسی کیا بات ہے' چلئے وعدہ نہیں ہنسیں گے۔"

"آپ کی آرٹ گیلری میں لگی ہوئی وہ تصویر میرے ذہن سے چپک کر رہ گئی ہے' نہ جانے کیوں مجھے مستقل طور پر یہ محسوس ہو رہا ہے جیسے اس چہرے سے میرا کوئی رشتہ رہا ہے آپ یقین کریں وہ میرے حواس پر مسلط ہو گیا ہے۔" مونا نے حیرت سے حامد کو دیکھا تو حامد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چلئے وہ تصویر آپ کی نذر' ایک دوست کا دوست کو تحفہ۔"

"ہرگز نہیں' ایسی کوئی بات میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا' البتہ آپ سے ایک اجازت مانگنا چاہتا ہوں۔"

"کیسی اجازت؟"

"آپ کی اس آرٹ گیلری میں تنہا جا سکتا ہوں میں؟"

"ارے ارے بھئی کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ گل شیر' میں نے کہا نا اگر آپ مجھے زیادہ جذباتی کریں گے تو پھر ساری آرٹ گیلری آپ کو قبول کرنا ہوگی' ارے بھائی آپ ہزار بار جائیے' آپ سے زیادہ قیمتی جگہ تو نہیں ہے وہ۔"

"بے حد شکریہ مگر آپ سے اجازت لینا تو میرا فرض تھا نا۔"

"ضرور ضرور' مگر ایک بات سنئے' تصویر کا سحر آپ پر طاری نہیں ہونا چاہئے' میرا مطلب ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس تصویر سے عشق کرنے لگیں اور گریبان پھاڑ ڈالیں۔"

"نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ میں گریبان بالکل نہیں پھاڑوں گا۔" میں نے بھی ہنستے ہوئے خوش مزاجی سے کہا۔ اس حویلی میں جانے کی اجازت لے کر میں خاصا مسرور تھا' البتہ مونا نے کہا۔

"ایک بات اور کہوں آپ سے' براہ کرم بہت زیادہ دلیری کا مظاہرہ نہ کریں۔ حویلی کے بارے میں بہت سے لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے گو ہمیں ابھی تک وہاں سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی لیکن لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں سے دور رہنا زیادہ بہتر ہوگا۔"

"بے حد شکریہ' آپ کی ہدایات کا پورا پورا خیال رکھوں گا۔" میں نے کہا۔

"ویسے کیا آپ اس قسم کے پُراسرار مقامات سے کچھ ذاتی دلچسپی رکھتے ہیں مسٹر گل شیر؟"

"ایسا ہی سمجھ لیجئے بس اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ میری زندگی میں اس طرح کے بے شمار واقعات آ چکے ہیں اور ایک طرح سے اس قسم کے معاملات سے دلچسپی رکھنا میری عادت بن چکی ہے تو آپ میری بات پر یقین کر لیجئے گا۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں انسان کی مختلف مشغولات ہوا کرتی ہیں' بس اپنا اپنا شوق ہے۔" حامد نے پُرخیال انداز میں کہا۔ میں نے اس موضوع پر ان لوگوں سے زیادہ گفتگو کرنا پسند نہیں کی تھی' کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی بات ہو جائے جو ان لوگوں کے مزاج کے خلاف ہو اور مجھے فوری طور پر یہ حویلی چھوڑنا پڑے' میں کم از کم اور کچھ نہیں تو اس تصویر کا راز ضرور جاننا چاہتا تھا' جو ان لوگوں کی آرٹ گیلری میں موجود تھی' پرانی حویلی سے مجھے اس قدر دلچسپی نہیں تھی مگر تصویر کے بارے میں تو کچھ پتہ چل جائے چونکہ مجھے اس آرٹ گیلری میں آنے جانے کی کھلی اجازت مل گئی تھی' اس لئے میں نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور رات کو کھانے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جب مونا اور حامد اپنی خواب گاہ میں چلے گئے تو میں اپنی جگہ سے اٹھا اور آرٹ گیلری کی جانب چل پڑا۔ ربابہ کی حسین تصویر نے میرے دل سے تمام خوف اور وسوسے نکال دیئے تھے ایک طرح سے یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ میں کسی نادیدہ زنجیر سے بندھا ہوا اس آرٹ گیلری کی جانب جا رہا تھا' مجھے کوئی خدشہ نہیں تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اگر کسی نے مجھے وہاں جاتے ہوئے دیکھ بھی لیا تو اعتراض نہیں کر سکے گا کیونکہ مجھے وہاں جانے کی اجازت مل گئی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اس آرٹ گیلری میں داخل ہو گیا' جس ہال میں آرٹ گیلری بنائی گئی تھی وہاں مکمل اندھیرا تھا' میں نے سوئچ دبایا تو کمرے میں روشنی پھیل گئی۔ میری بے اختیار نگاہیں ربابہ کی تصویر کی طرف اٹھیں لیکن دوسرے لمحے میرا دل ہول کر رہ گیا۔

یہ ناقابل یقین منظر تھا یا میری دیوانگی' یا میرا احساس' یا میری آنکھوں کی کمزوری' کچھ بھی تھا لیکن یہ ایک سچائی تھی کہ تصویر کا فریم خالی تھا' بس ایک سفید کاغذ اس فریم میں لگا ہوا تھا اور اس کاغذ پر ربابہ کا کوئی نشان نہیں تھا۔ میں دیوانہ وار دوڑتا ہوا اس تصویر کے قریب پہنچ گیا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میں نے اس فریم کو دیکھا۔ جب میں مونا اور حامد کے ساتھ اس آرٹ گیلری میں آیا تھا تو ربابہ کی حسین تصویر اس فریم میں موجود تھی'

لیکن اس وقت یہ فریم خالی تھا' یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اس آرٹ گیلری میں کسی ملازم کا کوئی دخل نہیں ہے' حامد اور مونا نے اسے اپنا خاندانی ورثہ سمجھ کر دوسروں کے حوالے نہیں کیا اور یہاں ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں آسکتا تھا' اس کے علاوہ فریم سے یہ بھی نہیں ظاہر ہوتا تھا کہ اسے اپنی جگہ سے ہٹایا گیا ہے' پھر یہ تصویر فریم سے نکل کر کہاں چلی گئی' میں نے بے چین نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا تو ایک دم مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا' پہلے میں اس تہہ خانے میں آیا تھا تو اس میں داخل ہونے کا ایک ہی دروازہ تھا لیکن اس وقت اس کے مشرقی گوشے میں ایک کالا سا دھبہ نظر آرہا تھا۔

یہاں چونکہ مؤثر روشنی نہیں پہنچ رہی تھی' اس لئے یہ کالا دھبہ نمایاں نہیں تھا' لیکن اگر غور سے دیکھا جاتا تو صاف اندازہ ہوجاتا کہ کوئی دروازہ ہے' میرے قدم بے اختیار اس دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ قریب پہنچا تو میری بات کی تصدیق ہوگئی' وہ ایک دروازہ تھا جو کھلا ہوا تھا' اس میں مدہم مدہم روشنی پھیلی ہوئی تھی' میں نے اپنی یادداشت پر زور دیا اور مجھے یہ یقین ہوگیا کہ جب میں مونا اور حامد کے ساتھ یہاں آیا تھا تو یہ دروازہ اپنی جگہ موجود نہیں تھا بلکہ یہاں ایک سپاٹ دیوار موجود تھی۔ پھر یہ طلسمی دروازہ........ میں تیز قدموں سے آگے بڑھا اور ہر خطرے سے بے نیاز ہوکر اس دروازے سے اندر داخل ہوگیا' اچانک ہی مجھے اپنے آپ سے کوئی پچیس گز کے فاصلے پر ایک سفید سی روشنی کا احساس ہوا۔ دوسرے لمحے میری آنکھوں نے اس احساس کی تصویر میرے ذہن کو پیش کر دی' وہ کوئی انسانی سایہ تھا جو سفید لباس میں ملبوس آہستہ قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا' میرے حلق سے ایک بے اختیار آواز نکل گئی۔

"رکو........ سنو........ کون ہو تم' رکو رک جاؤ........" میری اس آواز کے نتیجے میں سائے کی رفتار تیز ہوگئی' وہ رکنے کے بجائے تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگا اور میں اس کے پیچھے دوڑ پڑا' لیکن چند ہی لمحوں میں مجھے یہ احساس ہوگیا کہ سائے کی رفتار مجھ سے زیادہ تیز ہے۔ میں اس کے قریب نہیں پہنچ پایا تھا' لیکن میری حیرت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی' حویلی میں اس عجیب وغریب سرنگ کا تذکرہ کسی نے نہیں کیا تھا ورنہ مونا اور حامد مجھ سے جس قدر بے تکلف ہوچکے تھے اس کے بعد انہیں یہ بتانا چاہئے تھا کہ اس تہہ خانے میں کوئی سرنگ بھی موجود ہے۔

میں اس سائے کا تعاقب کرتا ہوا آخر کار اس بڑے دروازے پر پہنچ گیا جس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں تھا' لیکن نہ جانے کیوں میرے دل کے کسی گوشے میں یہ تصور موجود تھا کہ یہ سایہ یقینی طور پر ربابہ کا ہے جو اس تصویر سے نکل کر کہیں آگے

جارہی ہے' بس اس خیال کی کوئی وجہ نہیں تھی' میں اس دروازے کی دوسری طرف داخل ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ سرخ پتھروں سے بنا ہوا ایک عظیم الشان کمرہ ہے جس میں قدیم زمانے کے نوادرات سجے ہوئے ہیں' پرانی طرز کا فرنیچر' جھاڑ فانوس' کھڑکیوں پر لٹکے ہوئے پردے' مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی کوئی یہاں داخل ہوا ہو' سامنے کا ایک اور دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اب اچانک ہی مجھے یہ احساس ہوا کہ میں نے اپنی دیوانگی میں ایک غلط قدم اٹھا لیا ہے۔ بے شک میں یہاں ایک معزز مہمان تھا اور ان لوگوں نے مجھے بڑی ہی عزت اور بڑی پذیرائی دی تھی لیکن اس کا یہ مقصد نہیں تھا کہ میں پوری حویلی میں دندناتا پھروں' یہاں جو نوادرات موجود تھے کوئی چور انہیں چرا بھی سکتا تھا' لیکن پھر مجھے حامد اور مونا کی گفتگو یاد آئی انہوں نے کہا تھا کہ وہ صرف ایک بار اس حویلی میں آئے تھے اور بس اس کے بعد وہ یہاں نہیں آئے۔ اس کا مطلب ہے کہ حویلی کے تمام کمروں کو اسی طرح چھوڑ دیا گیا ہے' اس میں جو کچھ ہے وہ نظرانداز کردیا گیا ہے۔

بڑی عجیب سی کیفیت تھی' میں اس خاموشی میں اپنے آپ کو ایک شدید سنسنی کا شکار محسوس کر رہا تھا' پھر میں نے مدہم لہجے میں کہا۔

"ربابہ! کیا تم یہاں موجود ہو' ان لوگوں نے مجھے بتایا تھا کہ تمہاری تصویر انہیں اس پرانی حویلی سے حاصل ہوئی ہے' کیا تم اس تصویر سے نکل کر یہاں آئی ہو' دیکھو یہ سوال میں تم سے کر رہا ہوں اس امید کے ساتھ کہ تم مجھے سوال کا جواب ضرور دو گی۔"

میں اپنے الفاظ کی بازگشت خود اپنے کانوں سے سن رہا تھا' میں نے کچھ ساعت رک کر انتظار کیا اور اس کے بعد خاموش ہوگیا۔ بہرطور کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں کیا نہ کروں' واپس اسی راستے سے پلٹ جاؤں یا پھر اس حویلی کا جائزہ لوں' ابھی میں کوئی فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ دفعتاً ایک مدہم سی سرسراہٹ سنائی دی اور مجھے یہ احساس ہوا کہ یہاں کوئی موجود ہے' میں ایک بار پھر خوف کا شکار ہوگیا' آواز دوبارہ سنائی دی پھر مجھے یوں لگا جیسے دروازے میں کوئی سایہ سا پڑا ہو' میں دہشت بھری آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا' پھر ایک شخص نمودار ہوا اور اسے دیکھ کر میری گھگھی بندھ گئی۔ میلے کچیلے لباس میں ملبوس ایک بھیانک چہرے والا بوڑھا تھا جو سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

میں اسے دیکھنے لگا' کچھ لمحے تک ہم دونوں نگاہیں ملائے کھڑے رہے پھر بوڑھے کی انتہائی نرم آواز ابھری۔ "تم کہاں سے آگئے' دروازہ تو میں نے اندر سے بند کیا ہوا ہے۔ کون ہو تم؟" اس آواز میں نرمی اور ایک عجیب سی محبت کا احساس جھلکتا تھا' میں نے

اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔

"بابا صاحب! میں بالکل اتفاقیہ طور پر اِدھر آ گیا ہوں' اگر میری مداخلت آپ کو ناگوار گزری ہو تو مجھے بہت افسوس ہے' میں معذرت چاہتا ہوں۔"

"نہیں بھائی نہ میں اس کوٹھی کا مالک ہوں اور نہ کسی کو یہاں آنے سے منع کر سکتا ہوں' میں تو بس ایسے ہی معلومات کے لئے پوچھ رہا تھا کہ میں نے تمہیں دروازے سے آتے ہوئے نہیں دیکھا پھر تم کہاں سے آ گئے ہو۔"

"بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ایک اتفاقیہ حادثے کے تحت میں یہاں تک پہنچ گیا ہوں ویسے اب جب آپ سے ملاقات ہو ہی گئی ہے تو کیا میں آپ سے ایک سوال کر سکتا ہوں؟" میرے ذہن میں اچانک ہی ایک تصور ابھرا تھا۔ بوڑھا سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"کیا آپ بابا خیال ہیں؟" اس نے زور سے گردن ہلائی اور بولا۔

"ہاں.......... یہی نام ہے میرا' اگر تم مجھے جانتے ہو تو پوچھ کیوں رہے ہو؟"

"نہیں میں اس حویلی میں مہمان ہوں' حامد اور مونا یہاں میرے ساتھ بڑی محبت کا سلوک کر رہے ہیں۔ ویسے بابا خیال صاحب' آپ کے بارے میں بھی انہوں نے ہی مجھے بتایا تھا' اب اس وقت آپ کے مل جانے سے مجھے بڑی ڈھارس ہوئی ہے۔"

"میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ' مہمان تو سب کے لئے مہمان ہوا کرتے ہیں۔"

"بابا صاحب اس حویلی کے بارے میں آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیسی معلومات؟ اوہو میں سمجھا' ان لوگوں نے مجھے بتایا ہو گا کہ یہ پرانی حویلی آسیب زدہ ہے' کیا تم آسیب سے خوفزدہ ہوتے ہو؟" میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور کہا۔

"ہاں.......... آپ کا کیا خیال ہے بابا صاحب آپ بتایئے؟"

"بیٹا میری اتنی عمر ہونے کو آئی ہے میں نے آج تک کوئی آسیب نہیں دیکھا' ممکن ہے بھوتوں کا کوئی وجود ہو' لیکن میرا خیال ہے وہ انہی لوگوں کو ڈراتے ہیں جو وہمی قسم کے ہوتے ہیں' یہ تو اپنے اپنے تصور کی بات ہے۔ تم جہاں کہیں بھی اس تصور کو کوئی شکل دینا چاہو وہ اس شکل میں تمہارے سامنے آ جائے گا' خاص طور سے جب تنہائی ہو ویرانی ہو۔ رات کے وقت تو ہر شے بھوت ہی دکھائی دیتی ہے' اب اس کمرے کو دیکھ لو

سینکڑوں سال پرانی زندگی ہے اس کی' تمہارا کیا خیال ہے کیا تمہیں یہاں بھوت نظر آ رہے ہیں' ارے کوئی بھی سرسراہٹ کوئی بھی آواز' جیسے چوہا ہی گزر جائے رات کو جب چوہے اِدھر اُدھر پھریں گے تو طرح طرح کی آوازیں نہیں پیدا ہوں گی اور کیا ایسا نہیں لگے گا جیسے کوئی بدروح کمرے میں آ گئی ہے۔ بعض اوقات کسی دروازے کی ڈھیلی چٹخنی تیز ہوا سے کھل جاتی ہے تو ہم چونک پڑتے ہیں۔ چرچراتے ہوئے دروازے ہمیں خوفزدہ کر دیتے ہیں' ہوا جب کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشوں میں سے گزرتی ہے تو عجیب ڈراؤنی آوازیں پیدا ہو جاتی ہیں اور یہ ساری باتیں زیادہ تر رات ہی میں خوفزدہ کرتی ہیں لیکن حقیقت ہے کہ ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے' تم اگر چاہو تو ایک رات اس حویلی میں گزار کر دیکھ سکتے ہو۔"

"بہت خوب بابا خیال' آپ نے تو میرے لئے انتہائی مسرت کا سامان پیدا کر دیا۔"

"اگر تم یہاں کا کوئی حصہ اپنے لئے پسند کر کے یہیں ٹھہرو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ مجھے بتاؤ میں تمہارے لئے کھانے پینے کا انتظام کروں۔"

"نہیں بابا صاحب کھانا پینا تو ہو چکا ہے' بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے مجھے یہ پیشکش کی۔"

"آؤ میں تمہیں اس حویلی کا سب سے صاف ستھرا کمرہ دکھاتا ہوں۔" بوڑھے نے کہا اور مجھے لے کر آگے بڑھ گیا تھوڑے ہی فاصلے پر پہنچنے کے بعد مجھے ایک کمرے میں روشنی نظر آئی۔

جب میں کمرے میں داخل ہوا تو میری طبیعت خوش ہو گئی۔ کمرے کا فرش صاف ستھرا تھا اور آتش دان میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے' لمبی میز کے ایک کونے میں مٹی کے تیل کا ایک لیمپ روشن تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ایک بڑی سی میز پر چائے کے برتن اور کچھ دوسری چیزیں سجی ہوئی تھیں۔

"تم یہاں ایک خوبصورت رات گزار سکتے ہو' کسی بھی شئے کی ضرورت ہو تو مجھے طلب کر لینا۔" بوڑھے خیال نے کہا اور اس کے بعد مجھ سے مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں نے اسے آواز دینے کے بارے میں سوچا۔ ابھی تو اس سے میں یہاں کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن جس طرح وہ بغیر کسی اطلاع کے آیا تھا اسی طرح بغیر کسی اطلاع کے باہر نکل گیا اور میں صرف ہونٹ کھول کر رہ گیا' پھر اچانک ہی مجھے اس کمرے میں سجی ہوئی چیزوں کا احساس ہوا اور میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ میز پر جو برتن لگے ہوئے تھے وہ پرانی طرز کے' لیکن اس قدر صاف شفاف کہ یوں

لگ رہا تھا جیسے نئے ہوں۔ بہرحال یہ بڑی حیرت کی بات تھی آخر چائے کا یہ سامان کس کے لئے لگایا گیا تھا۔ خیر مجھے ان تمام چیزوں کی ضرورت نہیں تھی، میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ اس پُراسرار حویلی میں جس کے بارے میں حامد وغیرہ نے بھی عجیب وغریب خیالات کا اظہار کیا تھا گزاری ہوئی ایک رات بڑی دلچسپی کی حامل ہوگی۔ پھر میں نے سوچا کہ اب ذرا دلجمعی سے یہاں کے بارے میں معلومات حاصل کی جائے اور اس کے لئے اپنے آپ کو سکون دینا ضروری تھا۔

کچھ لمحوں کے بعد میں مسہری پر بیٹھ گیا۔ کمرے میں چائے دانی کی ٹونٹی سے نکلنے والی چائے کی مہک پھیلی ہوئی تھی ایک لمحے کے لئے دل چاہا کہ چائے پیؤں لیکن پھر خود ہی میں نے اپنے اس خیال کی نفی کردی۔ ابھی تو میں یہاں کی صورت حال سے پوری طرح واقف بھی نہیں ہوا ہوں۔ شدید ذہنی سنسنی نے مجھے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا میں یہاں تک جس عجیب وغریب انداز میں پہنچا تھا وہ بھی اپنی جگہ ایک منفرد نوعیت کا حامل تھا۔ نئی حویلی سے پرانی حویلی تک کی یہ سرنگ جو بڑی عجیب وغریب تھی اور اس کے بعد بابا خیال کا ملنا۔ یہ بابا خیال بھی اپنی جگہ ایک پُراسرار اور ناقابل فہم شخصیت نظر آرہا تھا اگر وہ تھوڑا وقت میرے ساتھ مزید گزارتا تو شاید مجھے اس حویلی کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہوجاتیں لیکن وہ اپنی مرضی کا مالک تھا جس طرح آیا تھا اسی طرح واپس چلا گیا۔ اس کے انداز میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ حویلی کے رہنے والوں سے مرعوب ہے۔ مسہری پر بیٹھنے کے بعد میں نے ایک نگاہ کمرے پر ڈالی اس کمرے کا فرش صاف ستھرا تھا پرانے آتش دان میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ لمبی میز کے ایک کونے میں مٹی کے تیل کا ایک لیمپ روشن تھا۔ یہ سارا کام نہ جانے کس کے لئے کیا گیا تھا تھوڑے فاصلے پر لکڑی کی بنی ہوئی ایک بہت پرانی میز تھی۔ جو کمرے کے عین درمیان میں رکھی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر تک میں ان تمام باتوں پر غور کر رہا تھا۔ آتش دان میں جلتی ہوئی لکڑیوں میں بار بار ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے آگ تیز ہو رہی ہو۔ ان کی نارنجی مائل سرخ روشنی میں کمرے میں رکھی ہوئی چیزوں کے لمبے لمبے سائے دیواروں پر پڑنے لگتے تھے اور مجھے ایک عجیب سا احساس ہونے لگتا تھا پھر تھوڑی دیر اس طرح گزر گئی اور میں نے سوچا کہ اس طرح اس کمرے کا قیدی بن کر وقت گزارنا تو نہایت حماقت کی بات ہے۔ باہر نکل کر دیکھنا چاہئے۔ میں وہاں سے باہر نکل آیا اور کواڑوں میں کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگا۔ چاروں طرف گہرا بے قرار سناٹا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں چند قدم آگے بڑھا تو اچانک ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی میرے ساتھ

قدم سے قدم ملا کر چل رہا ہو کئی بار رک کر میں نے اپنے چاروں طرف دیکھا لیکن کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ اس سنسنی خیز ماحول میں ممکن ہے یہ خوف کا احساس فطرت ہی کا ایک حصہ ہو۔ پھر مجھے بابا خیال کے الفاظ یاد آئے۔

کیا یہاں چوہے نہیں ہوں گے جب وہ رات کو اِدھر اُدھر پھریں گے تو طرح طرح کی آوازیں پیدا ہوں گی۔ بلکہ ایسے جیسے کوئی بدروح کمرے میں آگئی ہے۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ گزرے ہوئے بہت سے واقعات میرے ذہن میں گردش کرنے لگے۔ لیکن اصل مسئلہ یہ تھا کہ ربابہ اب اس طرح آزاد نہیں تھی۔ آخری بار میں نے جو کچھ دیکھا۔ اس نے مجھے یہ احساس کرنے پر مجبور کردیا تھا کہ ربابہ اب کسی مشکل کی شکار ہے اور اس طرح میری مدد کو نہیں آسکتی جس طرح نیلم ساجد علی کے سلسلے میں اس نے میری مدد کی تھی۔ بہرحال میں ایک ایک قدم آگے بڑھتا رہا کئی بار میں نے اپنے قدموں کی دھمک زمین پر پیدا کرکے صورت حال کا جائزہ لینے کی کوشش کی لیکن وہ آواز سو فیصد ہی میرے قدموں کی آواز سے مختلف تھی۔ پھر مجھے جو پہلا دروازہ نظر آیا میں اس میں داخل ہوگیا۔ لیمپ میں نے اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا۔ اس کی مدھم اور پیلی روشنی میں، میں نے اس دوسرے کمرے کا بھرپور جائزہ لیا۔ یہ کمرہ بھی پرانا ہونے کے باوجود اتنا مضبوط اور خوبصورت تھا کہ بڑی بڑی اعلیٰ درجے کی کوٹھیوں میں نہ ہوتا۔ اس کے کئی دروازے اور کھڑکیاں تھیں۔ جن پر لکڑی کی خوبصورت بیل بوٹیاں بنی ہوئی تھیں۔ ہر چند کہ وقت گزرنے کے باعث ان کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا لیکن مضبوطی کا وہی عالم تھا۔ کمرے کی چھت غیر معمولی طور پر اونچی تھی اور لیمپ کی پوری روشنی وہاں تک پہنچ رہی تھی۔ اس لئے مجھے اندازہ نہیں ہوسکا کہ چھت کیسی ہے۔ میں نے سوچا کہ اس قدر مضبوط اور خوبصورت مکان سے ان لوگوں نے کس قدر غفلت برتی ہے۔ یقینی طور پر سب وہی بات کہ مال مفت، دل بے رحم۔ بہرحال یہ ان کا اپنا ذاتی معاملہ ہے۔ پھر میری نگاہوں نے وہ چیز تلاش کی جس کی مجھے بڑی ضرورت تھی میں نے دیکھا کہ کمرے کی دیواروں پر کئی بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی تھیں لیکن ان پر گرد کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی میں نے ہاتھ اٹھا کر لیمپ اونچا کیا لیکن پھر بھی تصویروں کی اصل ہیئت میرے سامنے نہیں آئی تھی۔ البتہ اس کمرے میں تمام خوبصورتی کے باوجود جگہ جگہ سوراخ نظر آرہے تھے اور بعض سوراخوں میں واقعی چوہے جھانکتے لگتے تھے۔ میں نے ان کی زرد زرد آنکھیں چمکتے ہوئے دیکھیں لیکن لیمپ کی روشنی میں وہ اپنی مخصوص آوازوں میں چی چی کرتے گزر جاتے۔ میں کمرے میں گھومتا ہوا آتش دان کے قریب آیا تو میں نے ایک عجیب وغریب چیز دیکھی یہ

ایک تیز دھار کھانڈا تھا۔ جو دیوار میں ایک کیل کے ساتھ عجیب وغریب انداز میں لگا ہوا تھا۔ کوئی بہت ہی سنسنی خیز معاملہ تھا۔ کھانڈے کے پیچھے جگہ بنی ہوئی تھی اور جو سب سے عجیب بات تھی وہ اس کے اوپر جمے ہوئے کالے پھول کی تہیں تھیں۔ اس میں ایک ہاتھی دانت کا ہتھا لگا ہوا تھا میں لیمپ کی روشنی میں اس کا بھرپور طریقے سے جائزہ لینے لگا۔ نیچے ایک طرح کی ایسی جگہ بنی ہوئی تھی جس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا تھا کہ اگر یہاں کسی کو سزا دی جاتی ہو تو باآسانی انسانی سر اس میں فٹ کر کے کھانڈے کو مخصوص انداز میں چھوڑ دیا جاتا ہو۔ کھانڈا اتنا مضبوط اور وزنی تھا کہ بڑی آسانی سے انسانی گردن کی ہڈیاں کاٹ کر باقی جسم کو گردن سے محروم کرسکتا تھا۔ اسی طرح اس کا پھل مضبوط تھا یہ ایک طرح کا گلوٹن تھا لیکن مختلف انداز کا پھر میں نے اپنے اس احساس کے تحت نیچے جھک کر دیکھا اور یہاں بھی مجھے خون کے دھبے نظر آئے۔ جو جم کر اتنے سیاہ ہو چکے تھے کہ اب غور سے دیکھنے کے بعد ہی یہ کہا جاسکتا تھا کہ یہ خون ہے۔ بڑی حیران کن چیز تھی میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ یہ کمرہ کیا قتل گاہ کی جگہ استعمال ہوتا۔ بہرحال مونا اور حامد نے اس عمارت کے آسیب زدہ ہونے کی نشاندہی کی تھی لیکن بابا خیال کا خیال کچھ اور تھا۔ پھر میں نے ایک اور چیز پر نگاہ جمادی۔ یہ ایک اونچی اور قدیم طرز کی بنی ہوئی شاندار کرسی تھی جو یقینی طور پر کسی بہت ہی قیمتی لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ اس پر طرح طرح کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔

بہت دیر تک میں ان چیزوں کا جائزہ لیتا رہا اور پھر میرے دل میں خیال آیا کہ وہ سایہ جو آرٹ گیلری سے سفر کر کے یہاں تک آیا تھا آخر کہاں گیا۔ یہ پورا طلسم گھر تھا جس میں ایک بات بھی میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے کمرے کا بھرپور طریقے سے جائزہ لینے کے بعد ظاہر ہے مجھے نکلنا ہی تھا۔ چنانچہ میں نے واپسی کے لئے فیصلہ کیا اور اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے کوئی مشین چلتے چلتے رک گئی ہو۔ اب حالانکہ ایسی کوئی آواز میں نے محسوس نہیں کی تھی لیکن ایک دم ایک پُراسرار سا سناٹا طاری ہوگیا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ایسا کیوں ہوا تھا۔ اس سے پہلے تو کوئی ایسی آواز نہیں تھی جس کے بند ہوجانے سے سنسناہٹ کا احساس ہو۔ کیا میرے کانوں ہی میں کوئی تکلیف ہوئی ہے۔ میں نے اس کیفیت پر بھی غور کیا لیکن اچانک چھا جانے والی پُراسرار خاموشی بدستور تھی پھر غیرارادی طور پر ہی میری نگاہیں لمبی پشت والی کرسی کی جانب اٹھ گئیں اور پھر جیسے دہشت کی ایک سرد لہر میرے پورے بدن میں دوڑنے لگی۔ آتش دان کے قریب رکھی ہوئی اس کرسی کی نشست پر شاہانہ انداز میں

ایک وجود بیٹھا آتشی نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا اس کا چہرہ قدیم رومن شہنشاہ جیسا تھا اور اس کی آنکھیں.......... مجھے بالکل یوں لگا جیسے میری قوت ارادی سلب ہو رہی ہے۔ میں نے ایک لمحے تک کچھ سوچا اور اس کے بعد میں نے اس سے نگاہیں ملانا شروع کردیں۔ اس وقت میری تمام تر قوت ارادی کام آرہی تھی اور میرا ساتھ بھی دے رہی تھی میں نے کچھ دیر تک اس شخص کی نگاہوں سے نگاہیں ملائے رکھیں۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ اس کے منہ سے کوئی بات نکلے تو میں اس سے سوال کروں۔ تھوڑی دیر تک وہ مجھ سے نگاہیں جمائے رہا اور اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور پُراطمینان انداز میں چلتا ہوا دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ پھر میں نے اسے دیوار میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا اور کچھ لمحوں کے بعد دیوار برابر ہوگئی۔ اچانک مجھے یوں لگا جیسے میرے پورے بدن میں زندگی کی لہر دوڑ گئی ہو۔ میں پھرتی سے آگے بڑھا اور اس دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ پھر میں نے پوری ہمت کے ساتھ اس دیوار کو ٹٹول کر دیکھا لیکن دیوار میں کوئی نام ونشان نہ تھا۔ میں اب اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہ جاگتی آنکھوں اور ہوش وحواس کے عالم میں دیکھا تھا اور اب اس سلسلے میں میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ کیا یہی وہ سایہ تھا جو وہاں سے نکل کر آیا تھا لیکن فریم سے غائب ہو جانے والی تصویروں میں سے ربابہ کی تصویر اپنا فریم چھوڑ گئی تھیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ تھوڑی دیر تک میں ادھر دیوار کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کرسی کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے کرسی کو غور سے دیکھا اور اس کے بعد اسے چھو کر دیکھا لیکن کرسی کو چھوتے ہی مجھے ایک تھرتھری سی محسوس ہوئی۔ بالکل ایسے جیسے میں نے کسی ناپاک چیز کو چھو لیا ہو۔ پھر بھی میں غور سے اسے دیکھتا رہا۔ یہ کرسی تیار ہونے میں بھی بہت رقم خرچ ہوئی ہوگی۔ بڑی دیر تک میں اس کرسی کو دیکھتا رہا پھر اچانک میں نے ایک اور منظر دیکھا۔ وہ لوہے کا بنا ہوا کھانڈا آہستہ آہستہ ہل رہا تھا۔ بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی کا ہاتھ اس کے دستے پر رکھا ہوا ہو۔ کھانڈے کی یہ جنبش میری سمجھ میں نہیں آئی اور میں حیران نگاہوں سے آہستہ آہستہ اسے دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔ اس وقت صحیح بات یہ ہے کہ مجھے اپنی مضبوط شخصیت کا پورا پورا احساس ہو رہا تھا۔ جو خوفناک واقعات اور حالات مجھے اس وقت پیش آرہے تھے' وہ ناقابل فہم تھے اور کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اچانک ہی کھانڈا پوری قوت سے نیچے گرا اور اس کے ساتھ ہی ایک بھیانک چیخ سنائی دی۔ میں دہشت سے اچھل پڑا تھا۔ یہ سب کچھ تو ناقابل یقین تھا۔ یہ سب کچھ تو نہ سمجھنے والی بات تھی میں آہستہ آہستہ ایک بار پھر کھانڈے کے پاس پہنچ گیا اور اس کے بعد میں

نے جو کچھ دیکھا وہ میرے لئے ناقابل یقین تھا کھانڈے کی تیز دھار سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں اور نیچے جو برتن جیسی چیز بنی ہوئی تھی اس میں ایک انسانی سر پڑا ہوا تھا لیکن دھڑ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ خوف سے میری ہلکی سی چیخ نکل گئی اور میں کئی قدم پیچھے ہٹ گیا میرے وجود میں دہشت سی چھائی ہوئی تھی اور میں تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ یہ انسانی سر مسلسل خون اگل رہا تھا اور برتن میں کئی کئی انچ خون جمع ہو گیا تھا۔ بڑی خوفناک صورت حال تھی یہاں سے بھاگ کر کہیں جاؤں یہ بھی ممکن نہیں تھا۔ اس میں بے عزتی تھی ویسے اب تک جن حالات سے گزر چکا تھا وہ بڑے سنسنی خیز تھے۔ بہت دیر تک میں پتا رہا اور اس کے بعد آہستہ آہستہ میں نے دروازے کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ میں دروازے سے باہر نکل آیا۔ ایک بار وہی احساس میرے وجود پر چھایا ہوا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔ عمارت کے باہر تیز تیز ہوائیں چل رہی تھیں درختوں کے ہلنے کی آوازیں نمایاں طور پر آرہی تھیں اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے تھوڑی دیر کے بعد طوفان آجائے گا۔ میں کچھ نہیں سمجھ پا رہا تھا لیکن میں نے دل میں یہ سوچ لیا تھا کہ خوفزدہ ہو کر بھاگنے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی ختم ہو جائے اور میں بہرطور یہاں آنے کے بعد اس حویلی کے معاملات کا مکمل طور سے سراغ لگانا چاہتا۔ حالانکہ جو منظر میں نے دیکھا تھا اس کے بعد یہاں ایک لمحے بھی رکنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا لیکن اگر ربابہ کی تصویر اس کے فریم سے غائب نہ ہوتی اور وہ سرنگ مجھے نظر نہ آتی تو میں اس جگہ سے ذرا بھی دلچسپی نہ لیتا۔ ربابہ میری زندگی کا ایک ایسا حصہ بن چکی تھی جیسے کسی بھی طور نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا چاہے کتنا ہی وقت اس حویلی میں گزرے میں اس وقت تک یہاں سے باہر نہیں نکلوں گا۔ جب تک کہ میرے علم میں ساری باتیں نہ آجائیں۔ اب اس کے بعد مجھے کیا کرنا چاہئے' میں نے دل میں سوچا اور پھر یہ سوچ کر حویلی کے مختلف حصوں میں چکرانے لگا کہ ہو سکتا ہے بابا خیال مجھے کہیں مل جائے وہ یقیناً اس سلسلے میں میری رہنمائی کرے گا لیکن دس بارہ کمرے دیکھے بابا خیال کا مجھے کہیں وجود نہیں ملا۔ دروازے پر گیا تو اندر کی سمت میں نے بڑی موٹی سی کنڈی لگی دیکھی اور اس میں اندر ہی کی سمت سے پرانے طرز کا ایک تالہ پڑا نظر آیا۔ حویلی سے باہر جانے کے بعد ذرہ برابر اور کوئی راستہ نہ تھا۔ سوائے اس عظیم الشان چوبی دروازے کے تب ایک لمحے کے لئے مجھے احساس ہوا کہ اب میں ایک طرح سے قیدی بن چکا ہوں۔ میں وہاں سے دوڑا اور اس کمرے کی طرف پہنچا جس سے اندر داخل ہوا تھا یعنی اس سرنگ کے دروازے سے لیکن وہاں دیوار کے پاس پہنچنے کے بعد مجھے دیوار بالکل سپاٹ ملی اور میں

سہم کر رہ گیا۔ میرے خدا یہ تو بڑی خوف ناک بات ہوئی۔ کیا کروں' کیا نہ کروں بہرطور ساری باتیں اپنی جگہ لیکن دل میں ایک خوف کا احساس بدستور برقرار تھا۔ پوری حویلی کا چکر لگا کر میں ایک بار پھر اس کمرے میں آگیا جو بابا خیال نے میرے لئے منتخب کیا تھا۔ یہاں کا ماحول خاصا پُرسکون تھا اور بالکل ویسے ہی میں آتش دان کے پاس پہنچا اور لوہے کی سلاخ سے کرید کر آگ بھڑکائی لوہے کی ایسی سلاخیں تمام کمروں میں آتش دانوں کے پاس موجود تھیں اور یہ مشکل حالات میں کام آسکتی تھیں۔ ایک بار پھر میری نگاہ اس میز پر پڑی اور یہ بات بھی قابل حیرت تھی کہ میز پر رکھے ہوئے چائے کے برتنوں میں چائے کی کیتلی کی ٹونٹی سے بدستور بھاپ کی لکیر بلند ہو رہی تھی اور اس وقت نہ جانے کیوں شدت سے اس بات کی طلب محسوس ہوئی کہ میں چائے کی پیالی پیوں۔ دودھ اور شکر ملائی اور وہیں بیٹھ گیا۔ ساتھ میں رکھی ہوئی کچھ چیزوں سے بھی میں نے شغل کیا تھا اور میرا ذہن سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ دفعتاً مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری پلکیں جھک رہی ہوں۔ آتش دان میں آگ کی تیزی اب دھیمی پڑ گئی تھی اور صرف ایک سرخ سا شعلہ اٹھ رہا تھا میرے پورے بدن میں جیسے سوئیاں سی چبھ رہی تھیں میں پلکوں کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا لیکن مجھے اس میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور پھر میں وہیں بیٹھے بیٹھے سو گیا پھر نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا کہ کہیں سے مرغ کی کانپتی ہوئی آواز میرے کان میں پڑی اور میں جاگ گیا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا لیکن میرا سارا جسم اس طرح ٹوٹ رہا تھا جیسے کسی نے بدن کو کوٹا ہو۔ بمشکل تمام میز کے پاس سے اٹھا اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ باہر روشنی پھیل گئی ہے۔ بس ایک احساس تھا ورنہ باہر نکلے بغیر اس کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا پھر میں بستر پر گرا اور ایک طرح سے بے ہوشی کی نیند سو گیا دن کی روشنی کا احساس بس تھوڑی دیر کے لئے ہوا تھا لیکن اس کے بعد مزید کچھ احساس نہیں رہا تھا اور پھر جب جاگا تو ایک عجیب سی آواز فضا میں بلند ہو رہی تھی۔ ایک خوفناک سنسناہٹ بادلوں کی گڑگڑاہٹ اس کے علاوہ کہیں کہیں نظر آنے والے رخنوں سے بجلی کی چمک بھی محسوس ہو جاتی تھی اور ایک لمحے کے اندر اندر یہ احساس پختہ ہو گیا کہ باہر شدید طوفان آیا ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور خیال دل میں تھا بابا خیال کہاں غائب ہو گیا جبکہ وہ تو ایک جیتا جاگتا وجود ہے رات بھر کا جاگنا اور اس کے بعد اس چائے کا پینا اس بات کا اظہار کر رہا تھا کہ چائے میں کوئی ایسی چیز موجود تھی جس نے اس طرح سے بے بس کر دیا اور ایک جنون سا سوار ہو گیا تھا۔ کیا میں حویلی کا قیدی بن گیا ہوں۔ کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں سے میں باہر نکل سکوں۔ اس خیال کے تحت میں کچھ جنون کا سا شکار ہو گیا اور اس کے بعد باہر نکل آیا۔

وقت کا بالکل اندازہ نہیں ہو پارہا تھا۔ میری رات بھر کی گمشدگی تو خیر کسی کے لئے باعث تشویش نہیں ہوگی لیکن اگر دن بھی گزر چکا ہے تو حامد اور مونا کیا سوچ رہے ہوں گے کہ میں کہاں غائب ہوگیا۔ کیا وہ مجھے پرانی حویلی میں تلاش کریں گے لیکن کیا حویلی سے باہر نکلنے کا اب کوئی راستہ کہیں ہے۔ میں اس آسیب گھر میں قید ہو کر رہ گیا ہوں ناممکن ہے اس جنوں نے مجھے ایک عجیب وغریب کیفیت کا شکار کر دیا اور میں تیزی سے اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ مدہم مدہم انوکھی سی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ جس کے بارے میں یہ بالکل نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ دن کی روشنی ہے یا کچھ اور۔ ہاں بجلی کے چمکنے کے آثار بالکل صاف نظر آرہے تھے میں نے ایک بار پھر اسی دروازے کی جانب رخ کیا۔ جس میں بڑا سا تالا لگا ہوا تھا لیکن وہاں بدستور تالا لگا ہوا تھا میں نے زور سے آواز لگائی۔

"بابا خیال کہاں ہو تم جہاں بھی ہو میرے پاس آؤ۔ اِدھر آکر مرو۔" اس کے بعد میں یہ آوازیں لگاتا ہوا حویلی کے مختلف حصوں میں چکراتا رہا اس کے ساتھ ساتھ ہی میری نگاہیں بھرپور طریقے سے اس چیز کا جائزہ لے رہی تھیں جو باہر نکلنے کا راستہ بن سکتی لیکن اس بھیانک حویلی میں نہ کوئی ایسی کھڑکی اور نہ روشن دان نظر آیا۔ جس سے کوئی انسان کسی بھی طریقے سے باہر نکل سکے۔ میرے دل میں خوف کا کوئی بھی احساس نہیں تھا بے شک اس آسیب گھر میں خوف کے کچھ لمحات میرے لئے ناقابل فہم تھے بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ میں بڑی دیر تک اس قسم کی کوشش میں مصروف رہا طوفان بدستور آیا ہوا تھا اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ باہر کا موسم بے حد بھیانک ہے۔ پوری حویلی کا دیر تک جائزہ لینے کے بعد آخر کار میں واپس اسی کمرے میں آگیا۔ جہاں میرے قیام کا معقول بندوبست تھا اور ایک بار پھر عقل چکرا کر رہ گئی۔ وہ میز جس پر پہلے چائے کے برتن لگے ہوئے تھے اب کچھ اور چیزوں سے سجی ہوئی تھی۔ دو مرغ مسلم رکھے ہوئے تھے۔ جو بالکل تازہ اور گرم گرم تھے عمدہ قسم کے نان سلاد اور دوسری کچھ چیزیں۔ ایک لمحے کے لئے تو شدت وحشت نے مجھے گنگ کر دیا لیکن پھر شاید ماضی میں پیش آنے والے پے در پے سنسنی خیز واقعات نے میرے اندر چھپی ہوئی وحشت جگا دی اور میں نے اپنے آپ کو ہر خوف سے بیگانہ کرنے کی کوشش کی۔ انسان دراصل اپنے آپ کو کتنا ہی دلیر اور بہادر کیوں نہ بنالے برے سے برے حالات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینا کیوں نہ سیکھ لے اگر وہ انسان ہے اور سینے میں دل رکھتا ہے تو دل میں ہر طرح کے جذبات ضرور رہتے ہیں اور انہی جذبات میں سے ایک جذبہ خوف کا بھی ہے لیکن کبھی کبھی [illegible] پہ سوار ہو جانے والا جنون خوف کے اس جذبے کو دبا دیتا ہے اور اس وقت میری بھی یہی کیفیت تھی۔ میں نے اپنے

آپ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اگر اس بھوت گھر میں بھوت تمہاری ضیافت کرنا چاہے تو تم کیوں اس سے پیچھے ہٹ رہے ہو۔ میں ایک بار پھر تجھے مخاطب کرتا ہوں ربابہ! تصویر کے فریم سے نکل کر تُونے اگر ادھر کا رخ کیا ہے تو مجھ سے مل مجھ سے بات کر میں تیرے بارے میں جاننا چاہتا ہوں اگر مولوی فاروق نے میری صحیح رہنمائی کی ہے اور وقت نے مجھے یہاں تک پہنچایا ہے تو آگے میرے راستے ہموار کرو۔ ہاں یا نہیں کوئی فیصلہ کن بات کرو۔ ایک بات ذہن میں رکھو کہ میں اس وقت تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب تک مجھے اس بات کا یقین نہ ہوجائے کہ جس مشکل کا میں شکار ہوا ہوں اس کا کوئی حل نہیں ہے۔ شکریہ میرے نادیدہ دوستو! کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ یہ خوراک کھا کر اگر میں مر بھی جاؤں تو مجھے کیا افسوس ہوسکتا ہے۔ یہ تو ایک مجبوری ہے۔" یہ کہہ کر میں آگے بڑھا اور اس کے بعد کھانے پر ایسے ٹوٹا کہ بس اپنے آپ کو ہمیشہ یاد رہے گا۔ تازہ اور لذیذ کھانا جو کم از کم بابا خیال نے میرے سامنے نہیں لگایا تھا۔ جبکہ پہلے چائے وغیرہ کا انتظام ممکن ہے اسی کا کیا ہوا ہو یہ بابا خیال جو ہے یہ بھی کوئی معمولی شخصیت نہیں حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ حامد اور مونا کے سامنے زندہ شکل میں نظر آتا رہا ہے۔ بہرحال کھانے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں نے سوچا کہ اگر تھوڑی سی چہل قدمی کی جائے۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن حویلی کے ان معاملات میں مجھے ایک دلچسپی کا سا احساس ہونے لگا تھا میں آہستہ آہستہ اپنے کمرے سے نکل آیا اور ایک بار پھر اسی کمرے میں پہنچ گیا جہاں پُراسرار واقعات کا مرکز تھا۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد میں نے سیاہ رنگ کی اس لمبی کرسی کی طرف دیکھا اور اچانک ہی ایک بار پھر میرے پورے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں۔ کرسی پر ایک بہت بڑے سائز کا بلا بیٹھا ہوا سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں ایک لمحے کے لئے ساکت رہ گیا لیکن پھر میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ اب کچھ کرنا چاہئے چنانچہ میں آہستہ آہستہ آتش دان کی جانب چل پڑا۔ جہاں آگ کریدنے والی لمبی سلاخ رکھی ہوئی تھی۔ میں نے سلاخ خاموشی سے اٹھائی اور اس کے بعد اسے اپنے ہاتھوں میں تولا۔ سلاخ کو اٹھاتے دیکھ کر کالے بِلّے نے میری جانب رخ کیا اس کے لمبے لمبے سفید چمکیلے دانت باہر آئے اور میں نے سلاخ گھما کر اس پر دے ماری لیکن اس سے پہلے کہ سلاخ اس تک پہنچتی بِلا کرسی سے نیچے کودا۔ آناً فاناً وہ پہلے کارنس اور اس کے بعد ایک اور چھوٹے کارنس پر پہنچا اور آتش دان کی چمنی سے باہر نکل گیا۔ میں اپنی اس کامیابی پر مسکرا رہا تھا ویسے اچانک ہی مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ آتش دان کے اوپر بنی ہوئی یہ چمنی باہر نکلنے کے

کام آسکتی ہے لیکن ایک بات پر غور کرکے میرا حوصلہ پست ہونے لگا کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ یہ چمنی صرف اتنی سی تھی کہ ایک انسانی جسم اس سے باہر نکل جائے لیکن اس پر راکھ اور آگ کے موٹے موٹے تودے جمع تھے۔ ان میں سے نکلنا ایک ناممکن عمل تھا۔ بِلا بہرحال جس طرح بھی باہر نکلا وہ ایک الگ بات ہے لیکن بہرحال میں نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ اسے نہ سہی لیکن اب یہاں ان آسیبوں کے خلاف تشدد سے کام لینا ہوگا۔ میں ابھی انہی احساسات میں گم تھا کہ دفعتاً کمرے میں وہی پُراسرار اور دل ہلا دینے والی موت کی سی خاموشی چھاگئی۔ میرے اعصاب اب اس بھیانک خاموشی کو فوراً بھانپ لیتے تھے۔ میں نے چونک کر گردن اٹھائی اور اچانک ہی میز پر رکھے ہوئے لیمپ میں لرزش پیدا ہوگئی یہ لیمپ بڑی تیزی سے ہل رہا تھا اور پھر میں نے اسی منحوس بلے کو دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھا ایسا لگ رہا تھا جیسے اس بار بِلا کوئی منصوبہ بندی کرکے یہاں آیا ہے۔ اس نے بڑے اطمینان سے سیاہ کرسی پر اپنی جگہ بنائی اور اپنی انہی خونخوار آنکھوں سے مجھے گھورنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ اب ذرا اس سے دو دو ہاتھ ہوجانے چاہئیں۔ جیسا کہ میں نے دل میں طے کرلیا تھا پھر آہستہ آہستہ میں آگے بڑھا لیکن اس بار بِلے نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ پھر دفعتاً ہی میں نے لوہے کی سلاخ اس پر دے ماری بِلے کے حلق سے ایک خوفناک غراہٹ نکلی۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا اچھل کر کرسی پر چڑھا اور پھر وہاں سے کارنس پر اور اس کے ساتھ ہی لیمپ ایک پُرشور آواز کے ساتھ فرش پر جاگرا۔ بڑی عجیب صورت حال تھی بِلا تیز رفتاری سے آگے بڑا تو میں سلاخ لے کر اس کے پیچھے دوڑا اور دروازے سے باہر نکل آیا پھر وہ اس کمرے میں داخل ہوگیا جہاں میں نے پہلی بار ان ہولناک مناظر کو دیکھا یہیں تو وہ گرد آلود تصویریں لگی ہوئی تھیں میں اس کے پیچھے پیچھے سلاخ لئے ہوئے دوڑتا ہوا اس کمرے میں آگیا تھا اور اس بار میں نے اچانک ہی بِلے کو ایک گرد آلود تصویر میں داخل ہوتے دیکھا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس نے تصویر میں چھلانگ کیوں لگائی ہے لیکن اس کے بعد ہی وہ اچانک گم ہوگیا تھا اور تصویر پر تھوڑی سی گرد طاری ہوگئی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ پھر اچانک ہی باہر سے زور دار آوازیں آنے لگیں۔ ہوا شدید چل رہی تھی اور باہر گھپ اندھیرا طاری تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے زبردست طوفان آیا ہو پوری حویلی نہایت مضبوط ہونے کے باوجود کچھ عجیب سی لرزش کا شکار ہوگئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بے شمار کمروں کی کھڑکیاں اور دروازے زور زور

سے کھل اور بند ہو رہی ہوں تاریک اور بند راہداریوں میں دروازوں اور دھوئیں کی چمنیوں میں سے عجیب عجیب دہشت انگیز آوازیں نکل رہی تھیں یہاں تک کہ کمرے میں لگی ہوئی تہہ سے مٹی بھی اڑنے لگی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہاں ہوا کہاں سے آرہی ہے جبکہ باہر تو صورت حال ہی بالکل ہی مختلف تھی لیکن میں اپنے اعصاب کو کشیدہ نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے اپنے آپ کو اس خوفناک اور آسیب زدہ ماحول میں ضم کرنے کی ہمت کی تھی۔ ان لمحات کو بھی برداشت کرنا ہی چاہئے نتیجہ کچھ بھی ہوجائے۔ ہوا کے تیز جھکڑ اندر بھی آرہے تھے اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ بہرحال تصویروں پر سے اڑنے والی گرد نے کمرے کے ماحول کو بالکل تاریک سا کردیا تھا۔ یہ گرد میرے چہرے پر بھی پڑ رہی تھی۔ میں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے اور اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے ایک طرف ہوگیا۔ پھر میں نے ایک عجیب سی روشنی کمرے میں محسوس کی۔ روشنی سبز رنگ کی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد میں نے آتش دان میں شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھے۔ شعلے پورے کمرے کو روشن کر رہے تھے اور اب کمرے کی گرد بھی تھم گئی تھی لیکن گرد تھمتے ہی مجھے سب سے پہلے اپنے سامنے کی تصویر نظر آئی اور دہشت کی ایک لہر باوجود انتہائی اعصابی قوتوں کو سنبھالنے کے میرے پورے بدن میں سرایت کر گئی۔ مجھے یقین تھا کہ اس وقت میرے چہرے پر موت کی سی زردی چھا گئی ہوگی۔ میری ٹانگوں میں کانپنے کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی اور مجھے اپنے چہرے پر موٹے موٹے پسینے کے قطرے محسوس ہوئے تھے یہ تصویر دیکھ کر اتنی ہی ہیبت مجھ پر طاری ہوئی تھی یہ ایک عجیب وغریب انسان کی تصویر تھی لیکن میں نے ایک لمحے میں اسے پہچان لیا تھا۔ یہ وہی تھا جو مجھے کرسی پر بیٹھا نظر آیا تھا۔ اس وقت وہ زندہ سلامت نظر آیا تھا اور اب تصویر میں اس کے تند چہرے پر نہایت سفاکانہ اور سنگدلی کے آثار نمایاں تھے۔ بھینچے ہوئے ہونٹوں سے نفس پرستی اور سیاہ کاریوں کا اظہار ہوتا تھا اس کی ناک چیل کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی اور سرخ تھی اور چہرے کا رنگ ہلدی کی مانند تھا۔ اس مکروہ اور منحوس چہرے پر دو چمکدار سرخ رنگ کی آنکھیں تھیں۔ جن سے بلا کی عیاری اور بے رحمی ٹپکتی تھی مجھے ایک دم یہ احساس ہوا کہ اس کی آنکھیں بالکل اس بِلے کی سرخ آنکھوں کی مانند ہیں میں اسے دیکھتا رہا اور پھر مجھے یوں لگا جیسے میرے اندر ایک قوت ایک عجیب سی قوت ابھر رہی ہو۔ تصویر کو دیکھ کر میں نے دو قدم آگے بڑھائے اور اس کے بعد تصویر پر ہاتھ پھیرا مومی تصویر سے کوئی اور احساس نہیں ہوا تھا بس وہ اپنی جگہ ساکت مجھے گھورتی رہی تھی۔ اس کے بعد میں نے اس تصویر

پر سے نگاہ ہٹائی یہاں تو پوری آرٹ گیلری تھی اور ایک لمحے کے اندر اندر میں نے اس تصویر کے برابر دوسری تصویر کو دیکھا یہ اس بِلّے کی تصویر تھی لیکن تیسری تصویر' تیسری تصویر ربابہ کی تھی' آہ یہ میری ربابہ تھی' جس کے چہرے سے بے کسی اور بے بسی کا احساس ہوتا تھا اس تصویر کو دیکھ کر میں باقی ساری باتوں کو بھول گیا۔ ربابہ آگئی تھی' مل گئی تھی مجھے۔ ایک لمحے میں' میں نے اس تصویر کو پہچان لیا تھا۔ یہ وہی تصویر تھی جو نئی حویلی کی آرٹ گیلری میں لگی ہوئی تھی لیکن اس وقت اس کے چہرے کا تاثر بالکل مختلف تھا۔ وہاں پہلے جب میں نے اسے دیکھا تھا تو اس کا چہرہ سپاٹ تھا بعد میں اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک استقبالیہ لکیر کھنچ گئی تھی لیکن اب اس کی آنکھوں سے بے بسی اور بے کسی ٹپکتی تھی۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ربابہ۔ میری زندگی پر اتنے گہرے اثرات مرتب کرکے میرے لئے ہر موقع پر اپنے آپ سینہ سپر کرکے کیا اس طرح مجھ سے دور رہنا اچھی بات ہے۔ اگر تمہیں مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی تو مجھ سے اس طرح قربت اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اب جب میں تمہارے علاوہ کسی اور چیز کے بارے میں نہیں سوچتا اب جب میری زندگی مکمل طور پر تمہارے لئے وقف ہو کر رہ گئی ہے مجھ سے اجتناب کیا معنی رکھتا ہے۔ مجھے بتاؤ ربابہ میرے لئے جینے کا سامان کیا ہوگا مجھے کیا کرنا چاہئے مجھے جواب دو ربابہ میں بھی تو انسان ہوں۔ تم کیا ہو؟ آج تک میرا ذہن اس سوال میں بھٹک رہا ہے۔ اتنی قربت اتنی محبت دینے کے بعد اپنے آپ سے آگاہ نہ کرنا بھی کوئی اچھی بات ہے اگر میں تمہارے لئے قابل قبول نہیں ہوں تو پھر مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟" میری آواز میں بے پناہ سوز تھا اور مجھے احساس بھی نہیں تھا کہ میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے ہیں۔ میں ربابہ سے اس کی بے اعتنائی کی فریاد کرتا رہا اور باقی سارے ماحول کو بھول گیا پھر یونہی میری نگاہ برابر کی تصویر پر پڑی اور میں نے چونک کر ان دونوں تصویروں کو دیکھا۔ وہ خونخوار شخص جس کے چہرے سے اس کی وحشت اور درندگی کا احساس ہوتا تھا اب تصویر کے فریم میں موجود نہیں تھا تصویر کا فریم خالی تھا۔ میں ایک لمحے کے لئے حیران ہی ہوا تھا کہ اچانک ہی مجھے عقب سے ایک خوفناک غراہٹ سنائی دی اور میری نگاہیں بے اختیار دوسری جانب گھوم گئیں خونخوار موٹا بلا اپنے دونوں پنجے دبائے مجھ پر چھلانگ لگانے کی تیاریاں کر رہا تھا اور پھر اس نے میرے سنبھلنے سے پہلے مجھ پر چھلانگ لگائی اور سیدھا میرے سینے پر آیا۔ میں نے غیر اختیاری حفاظت کے اقدام کے طور پر دونوں ہاتھ پوری قوت سے سامنے کئے اور جیسے ہی بلا میرے سینے پر پہنچا میں نے اسے زور سے جھٹک دیا۔ وہ کمر کے بل نیچے گرا تھا

لیکن اس کے پنجے میرے سینے کو زخمی کر گئے تھے میں سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ اس نے دوسری چھلانگ مجھ پر لگائی اور اب کے بار پھر میں نے اس کے وار سے بچنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ سامنے کئے۔ اس نے میرے ہاتھوں پر پنجے مارے لیکن میں اسے ایک بار پھر گرانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ تیسری بار اس نے پشت سے مجھ پر حملہ کیا اور اس بار وہ میری گردن تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے اپنے خوفناک دانت میری گردن میں گاڑ دیئے اور میرے حلق سے دہشت ناک چیخ نکل گئی لیکن میں نے دونوں ہاتھ پیچھے کرکے اس کی گردن پکڑ لی اور پھر پوری قوت سے میں اس کی گردن دبانے لگا۔ میرے ہاتھوں کی وحشت ناک قوت نے بلے کو میری گردن چھوڑنے پر مجبور کردیا لیکن مجھے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ اگر وہ سامنے سے میری گردن پر دانت جماتا تو شاید میرے لئے زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا۔ میں موت کے گھاٹ اتر چکا ہوتا بلے نے میری گردن سے دانت نکال لئے تھے۔ میں نے اسے گھما کر زمین پر دے مارا اس نے دو تین لوٹیں کھائیں اور پھر مجھ پر حملہ آور ہونے کے لئے پینترے بدلنے لگا۔ وہ بے حد خونخوار ہو رہا تھا میں پیچھے ہٹنے لگا اور پھر بالکل غیر محسوس طریقے سے میں آتش دان تک پہنچ گیا۔ میرے ہاتھ پیچھے کی جانب تھے اور پیچھے کی جانب جھکے ہوئے ان ہاتھوں نے لوہے کی وہ سلاخ چھولی جو آتشدان کو کریدنے کے کام آتی ہے سلاخ کو میں نے اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لیا اور جیسے ہی بلا مجھ پر جھپٹا میں نے سلاخ اس پر دے ماری بلے کے حلق سے ایک خوفناک غراہٹ نکلی اور وہ سلاخ کی قوت سے اچھل کر تصویر کے اس فریم سے جا ٹکرایا۔ دوسرے لمحے میں نے خالی فریم کو پُر ہوتے ہوئے دیکھا لیکن اس میں وہ بلا نہیں بلکہ وہ خوفناک شکل والا آدمی نظر آنے لگا۔ جسے میں اس کمرے میں کرسی پر متحرک حالت میں اور بعد میں اس تصویر میں دیکھ چکا تھا۔ مجھ پر ایک جنون سوار تھا میں نے آگے بڑھ کر سلاخ اس تصویر پر دے ماری اور مجھے ایک انسانی چیخ سنائی دی۔ سو فیصدی انسانی چیخ تھی لیکن اس کے ساتھ ہی وہ تصویر سے غائب ہوگیا۔ میں نے تصویر کے فریم کو چور چور کر ڈالا اور اسے توڑ کر نیچے پھینک دیا۔ پھر میں نے ربابہ کی تصویر کی جگہ دیکھا لیکن یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ربابہ کی تصویر والا فریم بھی خالی تھا۔

☆======☆=======☆

تبھی عقب سے مجھے ایک آواز سنائی دی۔

"چلے گئے۔ وہ اسے لے گیا۔" میں نے پلٹ کر خونخوار نگاہوں سے اس کو دیکھا میرے ہاتھوں میں سلاخ تھی اور اس وقت اگر پچاس آدمی بھی یہاں آجاتے تو حملہ کرنے سے گریز نہ کرتا لیکن میں نے بابا خیال کو دیکھا تھا جو خود بھی اس طرح غائب ہوگیا تھا تو اس کے بعد سے اب نظر آیا تھا۔ میں وحشت ناک نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تو بابا خیال نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"تم زخمی ہو بیٹے! سلاخ پھینک دو۔ آؤ میرے ساتھ آجاؤ۔ جو چلے گئے ہیں وہ واپس نہیں آئیں گے۔ آؤ تم زخمی ہو میں تمہاری مرہم پٹی کردوں۔ آجاؤ بیٹے! آجاؤ۔" یہ کہہ کر بابا خیال واپسی کے لئے پلٹا۔ میں نے ایک بار پھر خونی نگاہوں سے خالی فریموں کو دیکھا اور اس کے بعد دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔ اب میرے دل میں خوف کا کوئی ذرہ برابر احساس نہیں تھا۔ دوسرے کمرے سے گزرنے کے بعد میں آخر کار اس کمرے میں آگیا جو میرے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ بابا خیال اس وقت میرے ساتھ تھا۔ میرے اندر ایک عجیب سی جنونی کیفیت ابھری ہوئی تھی۔ بابا خیال کے یہ الفاظ بھی میرے لئے اہمیت کے حامل تھے جس میں اس نے کہا تھا کہ وہ چلے گئے اور اب نہیں آئیں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ اسے ان کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہے۔ میں اس وقت کسی بھی طرح کی رعایت کرنے کے موڈ میں نہیں تھا بابا خیال اگر یہ جانتا ہے کہ وہ چلے گئے اور اب نہیں آئیں گے تو اس کا مقصد ہے کہ اسے ان کے بارے میں خاصی معلومات ہیں اور اسے یہ معلومات مجھ تک منتقل کرنا ہوں گی۔ میری گردن میں شدید تکلیف ہو رہی تھی۔ بلّے نے جہاں جہاں پنجے مارے تھے وہاں بھی خون جھلکنے لگا تھا اور شدید جلن ہو رہی تھی لیکن بہرحال جو واقعات پیش آئے تھے انہوں نے مجھے شدید مشتعل کردیا تھا اور میں اب ان واقعات سے زیر ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ ایک کرسی پر بٹھانے کے بعد بابا خیال کمرے سے باہر نکل گیا لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ واپس آیا اور اپنے ساتھ

ایک فرسٹ ایڈ ٹرے بھی لے آیا۔ اس کے بعد اس نے میرے ان زخموں پر مرہم لگایا۔ ٹیپ چپکائے اور بڑی مہارت سے یہ کام سرانجام دیا میں نے اس سے کہا۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ بابا خیال۔"

"کہیں نہیں بیٹے! تم سے دور نہیں تھا لیکن وقت کی تحریر کا انتظار کررہا تھا کہ جب وقت کی یہ تحریر اپنا اصل روپ دھار کر آگے بڑھے تو میں اپنا کردار سرانجام دوں۔"

"تم نے یہاں میری بہت خاطرمدارت کی ہے اس کے لئے میں تمہارا بہت شکر گذار ہوں۔" بوڑھے نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا پھر بولا۔

"مجھے یہ کرنا تھا۔ کیونکہ یہ ضرورت تھی اس کے بعد تمہیں جو کرنا ہے وہ تم کرو گے۔"

"میں اپنے بارے میں آپ کو یہ بتا دوں بابا خیال کہ وہ تصویر جو مجھے اس فریم میں نظر آئی تھی۔"

"ربابہ کی تھی۔ اور تم ربابہ کو بہت چاہتے ہو۔ تم اسے حاصل کرنا چاہتے ہو۔ میں تمہیں اس سے آگے کی کہانی سنانا چاہتا ہوں۔"

"آہ۔ بابا خیال! تو کیا تم ربابہ کے بارے میں جانتے ہو۔"

"ربابہ کے بارے میں جانتا ہوں۔" بابا خیال نے مدہم لہجے میں میرے الفاظ دہرائے پھر بولا۔ "میں نہ صرف اس کے بارے میں جانتا ہوں بلکہ یوں سمجھ لو کہ ہم اس کی کہانی سے منسلک ہیں۔ ربابہ۔ ربابہ۔ ربابہ میری ربابہ۔" بوڑھے خیال کے لہجے میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی اور میں اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ مجھے مولوی فاروق کے الفاظ یاد آرہے تھے جنہوں نے کہا تھا کہ وقت بذات خود اپنے آپ کو تحریر نہیں کرسکتا جو تحریر وقت سے منسلک ہوجاتی ہے وہ مٹائی نہیں جاسکتی اور لمحے خودبخود آگے بڑھتے ہیں اور عمل کا آغاز ہوجاتا ہے۔ تو عمل کا آغاز ہوگیا تھا اور ایک ایسا کردار مجھے ملا تھا جو مجھے ربابہ کے بارے میں بتا سکتا تھا۔ بابا خیال کی آنکھیں پُرخیال انداز میں نہ جانے کیا دیکھ رہی تھیں اور میں منتظر تھا کہ وہ اپنی گفتگو کا آغاز کرے۔

☆======☆======☆

بابا خیال کی آنکھیں جیسے ماضی کے کسی باب میں کھو گئی تھیں۔ پھر اس کی مدہم آواز ابھری۔

"ہاں رزمہ بے اولاد تھی۔ اس کا شوہر بادشاہ کے مویشی چراتا تھا' شاہی چرواہے کو

دربار سے وہ تمام مراعات حاصل تھیں جن سے عمدہ زندگی عیش و آسائش سے گزرے۔ نوشال تھا اس کا نام اور نوشال نے آبادیوں سے دور بادشاہ کی چراگاہوں کے قریب ایک آرام دہ گھر بنایا تھا' جس کے سامنے بے حد وسیع احاطہ تھا۔ اس احاطے میں مویشیوں کے گلے کے گلے رہتے تھے اور ان کی دیکھ بھال کے لئے شاہی خزانے سے نوشال کو بہترین معاوضے ملتے تھے۔ گھنی آبادی سے دور نوشال کی اس عیش گاہ میں سب کچھ تھا سوائے کسی بچے کی معصوم ہنسی کے اور رزمہ تو ہمیشہ ہی تقدیر کا رونا روتی رہتی تھی لیکن کبھی کبھی خود نوشال کے دل میں بھی معصوم بچوں کا خیال آجاتا تھا اور وہ سوچتا تھا کہ اس بھرے پُرے ماحول میں کسی بچے کی معصوم آواز کتنی بڑی حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔ دیوتاؤں کے کھیل بھی عجیب ہوتے ہیں' نوشال کے گھر کے اس عظیم الشان احاطے میں جانوروں کی نسلیں بڑھتی جارہی تھیں' لاتعداد بھیڑیں بکریاں اور دوسرے جانور اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ خوشیوں میں ڈوبے نظر آتے تھے۔ یہ اپنے طریقہ کار کے مطابق بامراد ہوتے تھے اور ان کے بچے جوان ہوجاتے تھے لیکن خود نوشال کی تقدیر میں یہ سب کچھ نہیں تھا' بے شمار کاوشیں کی تھیں اس نے عبادت گاہوں میں جاکر دعائیں مانگی تھیں کاہنوں اور راہبوں کے پاؤں پکڑے تھے' لیکن وہ ایک بچے کا باپ نہیں بن سکا تھا۔ تقدیر کا تالا بے حد مضبوط تھا۔ لوگ اس سے ہمدردی بھی کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ نوشال! دیوتاؤں نے تجھے دنیا کی ہر چیز دی ہے لیکن اولاد سے محرومی تیرے لئے سب سے بڑی اذیت ہے اور بوڑھی نابینا آبیہ جو کبھی کبھی لمبے فاصلے طے کرکے نوشال کے گھر میں آجاتی تھی' بار بار مایوسی سے گردن ہلا کر کہتی۔

"اولاد تیرا نصیب نہیں ہے نوشال.......... تجھے اولاد کبھی نہیں ملے گی۔"

ایک بار تو رزمہ نے شدید جھلاہٹ کے عالم میں کہا۔

"اولاد ہمارے نصیب میں ہے یا نہیں لیکن تم ہماری قسمت میں ضرور لکھ دی گئی ہو جو اندھی ہونے کے باوجود اس طرف کا راستہ نہیں بھولتیں اور اونٹ کی طرح منہ اٹھا کر آجاتی ہو' کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ اولاد کی طرح تم بھی ہمارے لئے ناپید ہوجاؤ۔" نوشال اس وقت گھر میں موجود تھا اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"نہیں' اس بیچاری پر غصہ کیوں نکال رہی ہو رزمہ' وہ بزرگ ہے' کسی بزرگ اور نابینا عورت کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرنا چاہئے تم جانتی ہو کہ وہ ہمارے باپ دادا کے دور سے ہمارے گھر میں آتی جاتی ہے۔"

"ہاں' اور ہمارے باپ دادا یہ وصیت کر گئے ہیں کہ یہ ہمیں ہمیشہ اس بات کا

احساس دلاتی رہے کہ ہم بے اولاد ہیں۔ یہ ہمارے نصیب کے تذکرے کرکے ہمارا دل دکھاتی رہے۔" رزمہ نے کہا۔

"نہیں.......... میں خود تو کچھ نہیں کہتی' جو کچھ میری زبان سے نکلتا ہے وہ ستاروں کی آواز ہوتی ہے اس میں میرا کیا قصور ہے؟" آبیہ کہتی۔

"ستاروں کو بدنام نہ کرو وہ جتنے خوشنما ہوتے ہیں ایسی ہی باتیں بھی کرتے ہیں' نہ تمہارے جیسی بھونڈی آواز ہوگی ان کی اور نہ تمہارے جیسے منحوس الفاظ۔" یہ کہتے ہوئے رزمہ اندر چلی گئی۔ نوشال نے ایک بار پھر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن پھر خاموشی اختیار کرلی اور گردن جھکا کر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ آبیہ' رزمہ کی تند و تیز باتوں سے بے نیاز ہوکر حسب عادت پانسے پھینک کر ان کے ابھرے ہوئے نشان ٹٹولنے لگی۔ یہی اس کا مشغلہ تھا۔ وہ ہمیشہ پانسے پھینک کر مستقبل کی باتیں کرتی تھی' لیکن عام طور سے اس وقت جب کوئی اس کے پاس نہ ہوتا' اس بار بھی اس نے پانسہ پھینک کر اس کے حروف ٹٹولے تو اس کے بوڑھے چہرے کی جھریوں میں نمایاں تبدیلی نظر آئی' وہ جیسے کچھ الجھ گئی تھی۔ چنانچہ بار بار پانسے پھینک پھینک کر انہیں ٹٹولتی رہی۔ اس دوران نوشال اندر چلا گیا تھا اور اندر جانے کے بعد وہ باہر کی ساری باتیں بھول گیا' اسے آبیہ بھی یاد نہ رہی' تب اس کی بیوی نے اسے قہوہ پیش کیا۔ وہ کام سے تھک گیا تھا اس لئے قہوے کی پیالی لے کر باہر آگیا تاکہ تازہ ہوا میں خوش ذائقہ قہوہ پی سکے' پھر اچانک ہی اس کی نگاہ نابینا عورت پر پڑی اور اس کا ہونٹوں کی طرف جاتا ہوا ہاتھ رک گیا۔ آبیہ تو اس وقت مہمان ہے' اس قہوے کی زیادہ حقدار' لیکن وہ جو کچھ کہہ چکی تھی اس سے رزمہ کا ذہن خراب ہوگیا تھا' اگر وہ رزمہ سے دوبارہ قہوے کی فرمائش کرے تو وفا شعار اور شوہر پرست رزمہ انکار تو نہ کرے گی لیکن آبیہ کے لئے وہ دوبارہ قہوہ کبھی نہیں تیار کرے گی۔ چنانچہ وہ آگے بڑھا اور اس نے قہوے کا پیالہ آبیہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"سب کچھ ستاروں کے کہنے کے مطابق ہے' یہ جو تم نے مجھے دیا ہے یہ قہوے کا پیالہ ہے نا اور تم نوشال ہی ہو نا..........؟"

"ہاں' ہاں' ستارے کیا کہتے ہیں؟" نوشال نے رزمہ کے کہے ہوئے الفاظ کی تلخی کم کرنے کی کوشش کی۔

"بیٹھ جاؤ نوشال میں نے ستاروں کی جو بات کہی وہ غلط نہیں تھی یہ حقیقت ہے کہ تمہاری تقدیر میں اولاد نہیں ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ.........."

"سنو.......... ہماری تقدیر میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے اگر تم اس سلسلے میں اپنی

زبان بند ہی رکھا کرو تو کیا بہتر ہے۔ بلاوجہ تم میری بیوی کو اپنا دشمن بناتی ہو۔" نوشال نے اس کی بات کاٹ کر کہا اور نابینا عورت کے ہونٹوں پر ایک سُونی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ جیسے اپنے الفاظ سے خود مزہ لے رہی تھی اس نے کہا۔

"آج کے بعد شاید تمہاری بیوی میری دشمن نہ رہے۔"

"کیا مطلب؟"

"آج ستارے کچھ اور کہانی سنا رہے ہیں۔"

"وہ کیا؟" نوشال نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ کہ تمہارے اس گھر میں اب کسی بچے کی قلقاریاں گونجنے والی ہیں۔"

"مم.......... میرے گھر میں..........؟" نوشال حیرت سے منہ کھول کر بولا۔

"ہاں.......... میرے کانوں میں وہ آوازیں گونج رہی ہیں اور میں جو کچھ سنتی ہوں وہ غلط نہیں ہوتا۔"

"تم.......... تم جو کچھ کہہ رہی ہو تمہیں اس کا اندازہ ہے۔" نوشال نے تعجب خیز نگاہوں سے بوڑھی آبیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں جو کچھ کہتی ہوں اسے کہنے سے پہلے تول لیتی ہوں اور میرا کہا غلط نہیں ہوتا۔" نوشال نے اپنی کھوپڑی کو انگلی سے بجاتے ہوئے کہا۔

"اس میں تو خیر کوئی شک نہیں ہے آبیہ کہ تیری باتیں سچ ہوتی ہیں اور جو کچھ تُو کہتی ہے، ان میں کہیں کچھ نہ کچھ گہرائی ضرور ہوتی ہے لیکن میری کھوپڑی میں یہ بات نہیں اتر رہی کہ ہماری تقدیر میں اولاد نہیں ہے، لیکن ہمارے آنگن میں بچے کی قلقاریاں گونجیں گی۔ بھلا کون بچہ یہاں آئے گا اور کس کی قلقاریاں یہاں گونجیں گی۔"

"شاید تُو یقین نہ کرے وہ ایک ایسی دیوی کی کوکھ سے دنیا میں آئے گی جو آسمانوں سے کچھ لمحوں کے لئے زمین تک پہنچے گی اور اس کے بعد آسمانوں میں واپس چلی جائے گی لیکن زمین پر آتے ہوئے وہ اپنی کوکھ سے ایک بچی کو جنم دے گی اور یہ بچی جنگل کو سونپ دی جائے گی، تُو شاید یقین نہ کرے کہ دیوی کی اس اولاد کی ذمے داری پنکھ پرندے سنبھالیں گے، بہت سے پرندے، اور تُو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا، لیکن اس کے بعد تُو اس کا مالک بن جائے گا۔ وہ تیری تقدیر میں خوشی کے پھول کھلائے گی اور اس سے تیرے صحن کے آنگن میں قلقاریاں گونجیں گی۔" بوڑھی آبیہ نے کہا اور گرم قہوے کو اس طرح حلق سے نیچے اتار لیا جیسے وہ برف کی طرح ٹھنڈا ہو۔

نوشال حیرت سے بوڑھی کی باتیں سن رہا تھا، آبیہ کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ

وہ بہت کم بولتی ہے لیکن جب کچھ کہتی ہے تو وہ غلط نہیں ہوتا۔ البتہ اس بار اس نے جو کچھ کہا تھا وہ کچھ عجیب سا تھا اور اس کا کہا بالکل سمجھ میں نہیں آرہا تھا دیوی کی کوکھ سے ایک بچی پیدا ہوگی اور نوشال کی ملکیت بن جائے گی، بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ بہرطور وہ اپنے طور پر یہ سن کر خاموش ہوگیا رات کو اس نے رزمہ سے بھی اس بارے میں کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا کیونکہ جانتا تھا کہ رزمہ، آبیہ کے نام سے چڑتی ہے اور وہ کبھی بھی اس بوڑھی عورت کی بات پر یقین نہیں کرے گی، لیکن بوڑھی کے یہ الفاظ اس کے ذہن کو کچوکے دیتے رہے تھے۔ کئی بار اس نے بوڑھی عورت کے بارے میں سوچا لیکن پھر اپنے آپ کو تسلی دے کر خاموش ہوگیا کہ ضروری نہیں ہے کہ آبیہ ستاروں کی بات سمجھ ہی سکی ہو ستاروں کے کھیل تو نرالے ہی ہوتے ہیں۔

اس دن دھوپ بڑی تیز تھی۔ دوپہر سے پہلے ہی آسمان کا نیلا رنگ حرارت کی شدت سے بھٹی میں پگھلی ہوئی دھات کی طرح پھیکا پڑ گیا تھا۔ دریا کے پانی کی رونق اور تر و تازگی بھی ماند پڑ گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سُست رو پانی بہتے بہتے سوگیا ہے اور پگھلے ہوئے ٹین کی چادر کی مانند پھیل رہا ہے۔ ہوا نام کو بھی موجود نہیں تھی۔ نوشال نے گرمی سے گھبرا کر مویشی اکٹھے کئے اور گھنے درختوں کے جھنڈ میں آبیٹھا۔ مویشی اِدھر اُدھر جنگل میں پھیل گئے اور ہری ہری گھاس چرنے لگے۔ نوشال نے آنکھیں بند کرلیں وہ دھوپ کی اس شدت سے پریشان ہوگیا اور سوچنے لگا کہ آج وقت سے کچھ پہلے ہی گھر چلا جائے تو بہتر ہے۔

ابھی وہ نیم غنودہ سی کیفیت میں تھا کہ دفعتاً اس کے کانوں نے ایک منا سا قہقہہ سنا وہ چونک پڑا ذہن میں آبیہ کی باتیں ہر وقت گردش کرتی رہتی تھیں۔ اس نے اس آواز کو اپنی سماعت کا واہمہ سمجھا اور دوبارہ آنکھیں بند کرلیں لیکن چند ہی لمحوں بعد اسے ہلکی ہلکی قلقاریاں پھر سنائی دیں، اور وہ حیران ہو کر کھڑا ہوگیا۔

انسان کے بچے کی آواز اور اس جنگل میں؟ اس نے متحیرانہ انداز میں سوچا۔ دفعتاً اس کی نگاہ سامنے ہی چند گز کے فاصلے پر خود رو پودوں کے درمیان اٹھ گئی ہرے ہرے پودے ہل رہے تھے اور بچے کے ہنسنے کی آواز اسی سمت سے آرہی تھی وہ متحیرانہ انداز میں آگے بڑھا اور ہری ہری گھاس کے اندر داخل ہوگیا۔

چند ہی قدم چلا تھا کہ اس کے پاؤں جم گئے اس نے ایک ایسا عجیب و غریب منظر دیکھا کہ اس کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ ہری ہری گھاس کے نرم فرش پر ایک نہایت خوبصورت بچی اوندھی پڑی نیل کنٹھ کو پکڑنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ جو

اس کا اشتیاق بڑھانے کے لئے کبھی قریب آجاتا اور جب وہ پکڑنے کو ہاتھ بڑھاتی تو پھدک کر دور جا بیٹھتا تھوڑے ہی فاصلے پر ایک خطرناک زہریلا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ان دونوں کو کھیلتے دیکھ رہا تھا۔ نوشال یہ منظر دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

خوف سے اس کی روح پرواز کر گئی' انسان کا ننھا منا بچہ خطرات سے بے نیاز سانپ کو دیکھ کر قہقہے لگا رہا تھا خوبصورت رنگا رنگ چڑیا کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نوشال کے بدن میں جان نہ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا پورا بدن سو گیا ہو لیکن پھر انسانی ہمدردی خوف پر غالب آ گئی کہ وہ اس بچی کو سانپ سے بچانے کے لئے سوچنے لگا کہ کیا کرنا چاہئے۔

موذی کو مارنے کے لئے کوئی ایسی چیز اس کے پاس نہیں تھی جو ضرب کاری لگا سکے اور اگر وہ بچ گیا تو نزدیک پڑی ہوئی بچی کو ڈس لے گا یا پھر اس پر حملہ آور ہو' ابھی وہ کچھ سوچ بھی نہ پایا تھا کہ اتنی دیر میں ایک فاختہ آئی اس کے منہ میں پکے پکے رسیلے شہتوت تھے۔ فاختہ کو دیکھ کر بچی نے منہ کھول دیا اور اس نے شہتوت اس کے منہ میں رکھ دیا۔

بچی منہ چلانے لگی تھی فاختہ ماں کے پیار اور ممتا کے ساتھ چونچ سے اس کے بال کریدنے لگی پرندے کی یہ محبت دیکھ کر نوشال ششدر رہ گیا تھا ننھی سی فاختہ اس موذی سانپ سے نہیں نمٹ سکتی تھی چنانچہ وہ پھرتی سے آگے بڑھا۔

اب جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا اس نے سوچا انسان کے قدموں کی آہٹ پا کر سانپ لہراتا بل کھاتا جھاڑیوں میں سرک گیا' پرندے اڑ کر ٹہنیوں پر جا بیٹھے اور نوشال نے لپک کر بچی کو اٹھا لیا۔ بچی نے حیران نگاہوں سے اجنبی کو دیکھا تھوڑی دیر دیکھتی رہی وہ بچی کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا تھا۔ دفعتاً بچی رونے لگی' قمریاں' فاختائیں اور ہدہد بے چین ہو گئے۔ اڑ کر اس کے پاس آ گئے بلا خوف و خطر جان خطرے میں ڈال کر نوشال کے شانوں اور بازوؤں پر بیٹھ کر بچی کو بہلانے لگے اپنی ننھی منی آواز سے اسے خوش کرنے کی کوشش کرنے لگے اور بچی خوش ہو گئی۔

اس نے قلقاریاں ما[illegible]۔ ان پرندوں کو دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر ان کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگی۔ نوشال کے حلق سے قہقہہ نکل گیا تھا۔

"واہ بھئی......... پرندوں سے اس کی دوستی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ بچی؟" دفعتاً ایک بار پھر اس کے دل کو دھچکا لگا کیا بوڑھی آبیہ نے اس بچی کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی۔ ہاں یہی لگتا ہے اس تنہا ویران جنگل میں اس بچی کا وجود بڑا انوکھا ہے۔

اور پھر پرندوں کی اس کے ساتھ یہ محبت یہ کھیل یوں لگتا ہے جیسے پرندے طویل عرصے سے اس سے مانوس ہوں لیکن کیوں؟ آخر کیسے؟ وہ حیرانی سے سوچتا رہا بچی کو اس نے اپنے شانوں سے ٹکا لیا تھا اور پیار سے اس کی کمر پر تھپکیاں دے رہا تھا چنانچہ بچی اس کے شانے سے لگ کر سو گئی۔

تمام پرندے اڑ اڑ کر ٹہنیوں پر جا بیٹھے تھے اب نوشال کے لئے یہاں رکنا مشکل ہو گیا جانوروں کے ریوڑ اکٹھے کر کے وہ اپنے گھر کی جانب چل پڑا اور تیز تیز قدموں سے سفر کرتا ہوا بالآخر گھر پہنچ گیا۔ گھر کے دروازے پر اس نے رزمہ کو کھڑے پایا۔ وہ حیران نگاہوں سے نوشال کو دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار تھے نوشال قریب پہنچا تو وہ بے اختیار آگے بڑھی اور اس نے ننھی سی بچی کو نوشال کی گود سے لے لیا وہ اس پر قربان ہو گئی تھی۔

"تم دروازے پر کیوں کھڑی تھیں رزمہ۔" نوشال نے پوچھا۔

"وہ نابینا عورت آبیہ پھر آئی تھی۔ آج تو وہ ایسی باتیں کر رہی تھی کہ مجھے اس سے نفرت محسوس نہ ہوئی۔ جو ہمیشہ ہوتی تھی۔ اس نے کہا کہ آج جب نوشال گھر واپس آئے گا تو اس کے ہاتھوں میں تمہارا نخلِ آرزو ہو گا کیسی حیرت کی بات ہے کہ نابینا عورت نے پانسے پھینک کر یہ بات مجھ سے کہی اور وہ ہوا جو اس نے کہا تھا اس نے مجھے اور بھی کچھ بتایا اس کے بارے میں۔"

"کیا بتایا؟" نوشال نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

بوڑھی آبیہ نے کہا کہ دیوی کی کوکھ سے ایک بچی دنیا میں آئی آسمان کی رہنے والی ماں تو نوزائیدہ بچی کو جنگل میں چھوڑ کر واپس لوٹ گئی۔ مگر وحشی جانوروں نے اسے پال لیا۔ قمریوں نے دیکھ بھال کی' فاختاؤں نے کھلایا' پلایا ننھی سی جان خود رو پودے کی طرح تیزی سے بڑھنے لگی جنگل اس کی دنیا تھی اور چرندے پرندے اس کے عزیز و اقارب وہ ہنستی تو بیل بوٹے جھوم اٹھتے' کلیاں چٹک جاتیں۔ پھول کھل اٹھتے روتی تو بیل' پتے تالیاں بجاتے ہوا تھپکتی پرندے سیٹیاں بجاتے مدھر مست گیت گاتے کوئی کلیلیں کرتا کوئی چونچ سے گدگداتا اور پھر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑتی ہنس ہنس کر ہاتھ پاؤں مارنے لگتی۔ فاختائیں اسے کھانے پینے کی چیزیں لا کر کھلا دیتیں اور یوں کئی مہینے سے وہ جنگل کی آغوش میں ہماری منتظر ہے اور اب وہ ہمارے اس گھر کو رونق بخشنے والی ہے اور تو انتظار کر کہ نوشال جب واپس آئے تو تیرے گھر میں حسن و جمال کا ایک ایسا پیکر آئے جو تیری دنیا ہی بدل دے۔ میں نے دل میں یہ سوچا کہ بوڑھی آبیہ ضرورت سے زیادہ سنک گئی ہے ممکن

ہے اس کے دماغ کی کوئی رگ ڈھیلی ہوگئی ہو۔ یوں بھی ویسے وہ پاگل نظر آئی ہے لیکن پتہ نہیں اس کی باتیں مجھے اتنی دلچسپ و دلکش لگیں کہ آج میں نے اس کے ساتھ برا سلوک نہ کیا اور وہ مجھے دعائیں دیتی ہوئی گئی۔ واہ' یہ بچی کتنی خوبصورت ہے تم جانتے ہو نوشال! کہ یہ پرندوں کی ملکہ ہے میں اسے اچھی طرح پالوں گی کہ تم سوچ بھی نہ سکو۔ ہم آج سے اسے اپنی بیٹی بنالیں گے۔" نوشال آبیہ پر کچھ اور زیادہ اعتماد کرنے لگا بوڑھی نے تو اس سے بہت پہلے یہ بات کردی تھی اور آج تک وہ اس سلسلے میں سوچتا رہتا تھا کہ وہ اس کے پاگل پن کی بڑ تھی یا پھر اس میں کوئی سچائی بھی تھی۔

رزمہ بچی کو چھاتی سے لگائے پیار سے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی اسے اندر لے گئی معصوم بچی خوشی سے اس سے چمٹ گئی تھی جیسے اسے ماں کا پیار مل گیا ہو دفعتاً نوشال کی نگاہ عقب کی طرف اٹھ گئی اور اس نے ایک حیرتناک منظر دیکھا بہت سے حسین رنگین پرندے اس کے پیچھے پیچھے آئے تھے۔ اپنی دھن میں مست اس نے ان پرندوں کی جانب نہیں دیکھا تھا یہ تو اس وقت سے چل پڑے تھے جب اس نے بچی کو گود میں اٹھا کر واپسی کا سفر طے کیا تھا پرندے نوشال کے گھر کی دیواروں پر بیٹھ گئے درختوں اور پودوں پر چھا گئے وہ خوشی سے چہچہا رہے تھے مدھر سریلے گیت گا رہے تھے۔

رزمہ نے اس کا نام ربابہ رکھا یعنی پرندوں کی پیاری.......... اس نے بڑے پیار سے پالا اس کے گھر پر ہروقت پرندوں کا ہجوم رہنے لگا۔ قمریاں' فاختائیں' نیل کنٹھ' ہدہد' سارس' لق لق' اور دوسرے بے شمار پرندے روزانہ اڑتے ہوئے آتے ان کی چونچوں میں پھل ہوتے وہ یہ پھل ربابہ کے سامنے ڈال دیتے اس کے ساتھ کھیلتے اور پھر جنگل کو لوٹ جاتے۔

اسی طرح ہنستے کھیلتے دن گزرتے رہے رزمہ کو تو گویا زندگی کا سرمایہ مل گیا تھا حیرتناک بات یہ تھی کہ آبیہ اس دن کے بعد سے آج تک رزمہ کے پاس نہیں آئی تھی دو ایک بار اس نے نوشال سے کہا کہ آبیہ کو تلاش کرکے لائے اس کی پیش گوئی بالکل درست ثابت ہوئی وہ جب اس گھر میں پرندوں کے درمیان اس بچی کو دیکھے گی تو بہت خوش ہوگی لیکن نابینا عورت کا کچھ پتہ نہ چلا۔

نوشال نے اسے آس پاس کی بستیوں میں بھی تلاش کیا تھا لیکن آبیہ کا پتہ نہ چل سکا۔ ربابہ بڑی تیزی سے عمر کی منازل طے کررہی تھی اس کا بچپن بے حد حسین تھا کچھ اور بڑی ہوئی تو اس کے حسن میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا ایسی حسین کہ تاریکی میں دن نکل آئے ایسی خوش نوا کہ جو سنے سنتا رہ جائے اس کی حسین آواز کانوں میں رس گھولتی

تھی۔

وہ ہلکے ہلکے کچھ گنگناتی رہتی تھی۔ بچپن ہی کی یہ گنگناہٹ رزمہ کو متحیر کردیتی تھی لیکن یہ بات اس کے کانوں تک پہنچ چکی تھی کہ وہ دیوی کی اولاد ہے اور دیوی کی اولاد دیوی ہی ہوتی ہے۔

حسن وجمال سے آراستہ یہ بچی دیکھتے ہی دیکھتے جوان ہوگئی اور نوشال کے گھر میں ایسی رونق آئی کہ گھر کا ذرہ ذرہ کھل اٹھا دونوں میاں بیوی جب بھی بچی کو دیکھتے ان کی آنکھوں میں چمک بڑھ جاتی۔

پھر ایک دن بوڑھا سالوس نوشال سے ملنے آیا وہ راستے سے گزر رہا تھا کہ تھک کر نوشال کے ہاں کچھ دیر آرام کرنے لیٹ گیا اس کی خاطر مدارت ربابہ نے ہی کی تھی' سالوس نے ربابہ کو دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اس نے رزمہ سے کانپتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بچی تمہاری ہے میں نے پہلی بار اسے دیکھا ہے۔"

"ہاں.......... یہ ہماری بچی ہے۔"

"کیا نام ہے اس کا.........."

"ربابہ۔"

"یعنی پرندوں کی پیاری۔"

"ہاں۔ یہ انوکھی بھی ہے پرندے اس سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔"

"کون ہوگا جو اس سے محبت نہ کرے گا۔" سالوس نے یہاں سے واپس جانے کے بعد بستی کے بہت سے لوگوں کو نوشال چرواہے کی بیٹی کے بارے میں بتایا اور ان کے دلوں میں اشتیاق پیدا ہوگیا نوشال کا گھر بستی کے باہر جنگل کو جانے والے راستے پر تھا وہ اب بوڑھا ہوچکا تھا اور اس قابل نہ رہا تھا کہ مویشیوں کے ریوڑ جنگل لے جاکر چراتا۔

اکثر ربابہ اس کے ساتھ جانور لے کر نکل جاتی تھی اور جب کبھی نوشال کی حالت کچھ زیادہ ہی خراب ہوجاتی تو یہ ذمہ داری مکمل طور پر ربابہ ہی سنبھال لیتی وہ صبح اٹھتی ریوڑ ہانکتی جنگل کو چلی جاتی۔ مویشی اِدھر اُدھر گھاس چرنے پھیل جاتے اور وہ کسی سائے دار درخت کے نیچے کسی بڑے پتھر پر بیٹھ جاتی دریا کے مچلتے بل کھاتے دھارے کو دیکھتی اور میٹھے میٹھے گیت گاتی رہتی۔

سنسان فضا میں اس کی آواز اس طرح ایک راگنی بن کر پھیلتی کہ درخت جھومنے لگتے پرندوں کی ٹولیاں دور دور سے آکر اس کے اطراف بکھر جاتیں اور وہ انہیں دیکھ دیکھ

کر اپنے گیت الاپتی رہتی پرندے چرندے گیت سنتے خاموش بیٹھے رہتے اور وہ جھوم جھوم کر گاتی رہتی۔

پھر ایک دن یوں ہوا کہ اشوریہ کے حکمران کی فوج کا سپہ سالار ارمیز شکار کھیلتا ہوا ادھر آنکلا۔ ارمیز ایک جواں سال خوشرو نوجوان تھا اور فوج میں اس کا بڑا مرتبہ تھا۔ وہ ایک قوی ہیکل اور بہادر جنگجو نوجوان تھا اس کی تلوار کی کاٹ دور دور تک مشہور تھی اور دشمن اس کے سامنے آنے سے ہمیشہ کتراتے تھے۔

خوشرو نوجوان جب ایک جنگلی ہرن کا پیچھا کرتا ہوا دریا کے کنارے اس جگہ پہنچا جہاں کئی درخت آپس میں سرجوڑے کھڑے سرگوشیاں کر رہے تھے تو اس کے کانوں میں ایک مدھر آواز ابھری۔ ارمیز نے یہ آواز سنی تو اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں آواز تھی یا صحراؤں کی ہوا مل کر ایک نغمے کی شکل ترتیب پا رہی تھی وہ سحرزدہ ہو گیا اس کا دل کھنچنے لگا آہستہ سے وہ گھوڑے سے اترا اور اس آواز کی تلاش میں چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگا۔

پھر وہ آواز کے سہارے سہارے اس جگہ پہنچ گیا جہاں ربابہ بیٹھی گا رہی تھی۔ اس نے ربابہ کو دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس قدر حسین و جمیل لڑکی اس نے آج تک نہیں دیکھی تھی پرندے اس کے گرد جمع تھے اور اس کی لے پر جھوم رہے تھے۔ ارمیز نے سوچا کہ بلاشبہ یہ ساحرہ ہے جنگل کی بیٹی درختوں میں اگی ہے یا آسمان سے اتری ہے وہ پاگلوں کی طرح کھڑا اس کے گانے کو سنتا رہا پھر بے اختیاری میں جب اس نے پہلو بدلا تو اس کا پاؤں لڑکھڑا گیا اور وہ زمین پر آ رہا۔ پرندوں نے غیرمانوس آواز سنی تو پر پھڑپھڑا کر اڑ گئے۔

لیکن ربابہ کے سر پر چکرانے لگے تھے۔ تاکہ اگر اس کو کوئی خطرہ درپیش ہو تو حتی المقدور اس کی مدد کریں۔ ربابہ بھی متعجبانہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگی لیکن ارمیز نے خود کو درختوں کے پتوں میں پوشیدہ کر لیا تھا وہ اس حسن کی دیوی کے سامنے جا کر اسے حواس باختہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پتہ نہیں اس کے بارے میں کیا سوچے کیا محسوس کرے اور پھر یوں نہ ہو کہ وہ اس کی حسین آواز اور حسین صورت سے محروم ہو جائے۔

وہ خاموشی سے گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا لیکن جنگل سے لوٹا تو دل میں درد لئے ہوئے تھا رات بڑی بے چینی کے عالم میں گزری ساری رات وہ اس حسین ساحرہ کے بارے میں سوچتا رہا تھا دوسرے دن وہ تیار ہو کر پھر آہستہ روی سے اسی جنگل میں پہنچ گیا اور ربابہ کا انتظار کرنے لگا۔

وہ گھوڑے کو دور کھڑا کر کے چلتا چلتا اسی جنگل میں پہنچ گیا جہاں اسے پہلے روز ربابہ نظر آئی تھی۔ وہ وہیں موجود تھی اور اس کی حسین آواز جنگل میں گونج رہی تھی۔ پھر ارمیز کا معمول بن گیا اور روزانہ جنگل جاتا جھاڑیوں اور درختوں کی اوٹ سے اس کے حسن بے مثال کا نظارہ کرتا وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی محبوبہ شاہی چرواہے نوشال کی پروردہ ہے وہ تو اسے کوئی آسمانی شہزادی سمجھتا تھا اور اس کے سامنے آنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔

مبادا اس جرأت کا خمیازہ اسے اپنی جان دے کر پورا کرنا پڑے مگر وہ اسے روز دیکھے بغیر رہ بھی نہ سکتا تھا آسمانوں کی یہ دیوی اس کے دل و دماغ میں بس گئی تھی اس کے رگ و پے میں اتر گئی تھی۔ اس کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ وہ اس کے سامنے جا کر حال دل کہہ سکے۔

اسی طرح خاصے دن گزر گئے۔ ربابہ روز صبح دریا میں غسل کیا کرتی ایک دن ارمیز صبح ہی صبح جنگل میں پہنچ گیا۔ ربابہ غسل کی تیاری کر رہی تھی۔ اس کے سیاہ گھٹاؤں جیسے بال اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور گال سرخ سیب کی طرح دہک رہے تھے۔ ارمیز کی نگاہیں رعب حسن سے جھک گئیں اور وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پانی میں اتر گئی اور پانی اس کے حسین بدن کو اپنی آغوش میں لیتا گیا۔

آب رواں نے اس کے سیمیں بدن کے گرد ہالے بنا لئے تھے پھر اس نے ڈبکی لگائی اور بنت البحر کی طرح تیرنے لگی اور ارمیز پتھر کے بت کی طرح ساکت و جامد اب اپنی جگہ کھڑا رہا۔ آج اس پر ایسا سحر طاری ہوا کہ دنیا اور مافیہا کی خبر نہ رہی وہ اس کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کا معمول بھی بھول گیا وہ جب غسل سے فارغ ہو کر باہر آئی تو ارمیز اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ دہشت کی ایک ہلکی سی چیخ اس کے لبوں سے نکل گئی اس نے جلدی جلدی ضروریات سے فراغت حاصل کی اس کی نگاہیں شعلہ بار تھیں ارمیز کو اس نے ایک لمحے کے لئے پسند نہ کیا تھا لیکن جب وہ اس کے قریب پہنچی تو نہ جانے کیوں غصے کا یہ احساس ایک عجیب سے احساس میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی حسین آنکھیں ارمیز کے چہرے پر ٹک گئیں۔ ارمیز اب بھی دیوانوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا تب اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ سی پھیل گئی۔ اس کی نگاہیں جھک گئیں اور ارمیز کو جیسے ہوش آ گیا اور اسے احساس ہوا کہ کیا ہو گیا............ وہ تو جینا بھی بھول گیا تھا اور اب زندگی محال ہے وہ گھٹنوں کے بل دبک گیا اور اس نے اپنی اس گستاخی کی معافی طلب کی تب اس نے آگے بڑھ کر ارمیز کے شانے پر اپنا نرم و نازک ہاتھ دھر دیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو اٹھو میرے سامنے اس طرح روا نہیں لگتا۔"

"تم.......... تم مجھ سے ناراض ہوگئی ہوگی شہزادی میں تم سے معافی چاہتا ہوں بس دیوانہ ہوگیا تھا۔ پاگل ہوگیا اور یہ آج کی بات نہیں میں تو صدیوں سے تمہیں دیکھ رہا ہوں نہ جانے کب سے میں تمہارے لئے آتا ہوں.........." ارمیز خوفزدہ بھی تھا لیکن دل کی بات زبان تک آنے سے نہ رک سکی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"بہت دنوں سے..........؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں.......... نہ جانے کب سے میں تمہیں دیکھ رہا ہوں مجھے یاد نہیں۔"

"اور مجھے پتہ بھی نہیں کہ کوئی میری ان حرکات پر نگاہ بھی رکھتا ہے.........." اس نے کہا اور ہنس پڑی آسمان سے جیسے سارے ستارے ٹوٹ کر زمین پر آگئے ارمیز اس نقرئی ہنسی میں کھو گیا پھر سنبھل کر بولا۔

"مجھے معاف کردیا جائے گا۔"

"نہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"تو پھر حاضر ہوں زندگی حوالے کرنے کو تیار ہوں۔"

"نہیں مجھے تمہاری زندگی نہیں چاہئے تم کون ہو۔"

"میرا نام ارمیز ہے ابلیس کے نام سے پکارا جاتا ہوں۔"

"میں تمہیں ابلیس ہی کہوں گی۔"

"آئندہ بھی کہتی رہو گی؟"

ہاں.......... کیوں نہیں جب بھی تم مجھے ملو گے۔"

"میں تو تمہیں ہر وقت ملتے رہنا چاہتا ہوں۔"

"تو ملتے رہا کرو۔ میں نے کب منع کیا ہے۔ میں روزانہ جانور چرانے کے لئے یہاں آتی ہوں۔"

"تم کون ہو؟"

"میرا نام ربابہ ہے۔ شاہی چرواہے نوشال کی بیٹی ہوں وہ بہت دور بستی میں الگ تھلگ ایک مکان نظر آرہا ہے اس میں رہتی ہوں۔"

"آہ مجھے کیا معلوم تھا میں تو تمہیں آسمانوں سے اتری ہوئی دیوی سمجھتا تھا میرے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ تم کسی طرح انسانوں سے تعلق رکھتی ہو۔"

"اب ایسی باتیں مت کرو تمہاری باتیں اچھی بھی لگتی ہیں اور ان پر شرم بھی آتی ہے.........." اس نے معصومیت کی ایک ادا سے کہا اور ارمیز اس ادا پر مرمٹا.......... دو جوان دل.......... ایک دوسرے کو چاہنے لگے تھے ربابہ ارمیز سے ملاقاتیں کرتی رہی ارمیز

اور ربابہ کسی درخت کے سائے میں بیٹھ کر زندگی کے حسین خوابوں میں کھو جاتے پھر ایک دن ربابہ ارمیز کو لئے ہوئے شاہی چرواہے کے پاس پہنچ گئی شاہی چرواہا سپہ سالار کو پہچانتا تھا۔ دہشت زدہ ہوکر ادب سے کھڑا ہوگیا لیکن ارمیز کے ہونٹوں کی مسکراہٹ دیکھ کر اسے ڈھارس ہوئی کہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو اس کے لئے نقصان دہ ہوتی۔ ارمیز نے شاہی چرواہے کے قدموں میں جھک کر دل کا مدعا ظاہر کیا اور نوشال کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے ارمیز کے قدموں میں جھک کر کہا۔

"اگر غلام زادی سپہ سالار کی محبت ہے تو یہ نوشال کی قسمت ہم ایسا خیال رکھتے تھے اور ہمیں یقین تھا کہ ایک دن ہماری قسمت کا ستارہ چمکے گا۔"

"تو یوں سمجھو میں تمہاری غلامی میں حاضر ہوگیا ہوں میں ربابہ کا ہاتھ طلب کرتا ہوں۔"

بھلا نوشال کو کیا جرأت ہوسکتی تھی کہ وہ انکار کرے چنانچہ ارمیز مسرت اور شادمانی سے کامران واپس گیا اور شادی کی تیاریاں کرنے لگا تھوڑے ہی دنوں میں جنگل کی حسین شہزادی سپہ سالار ارمیز کی زندگی میں شامل ہوگئی۔ دونوں کی محبت زمین و آسمان تھی دونوں ایک دوسرے کو اتنا چاہتے تھے کہ اس کی مثال ملنا مشکل تھی۔

پھر ایک بار اشوریہ کے بادشاہ نے ربابہ کو دیکھ لیا اور اس پر مرمٹا اس نے ارمیز سے کہا۔

"کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم اپنی بیوی اپنے بادشاہ کو دے دو اور تمہارا بادشاہ تمہیں اپنی عنایتوں اور نوازشوں سے دنیا کا خوش قسمت ترین آدمی بنا دے۔" ارمیز کے ہونٹوں سے لگا جام نیچے گرتے گرتے بچا اس نے بمشکل تمام اسے سنبھال کر میز پر رکھ دیا جیسے اچانک کوئی جلتی ہوئی چیز اسے چبھ گئی ہو۔ یا کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا ہو۔ پھر وہ خالی خالی نگاہوں سے بادشاہ کو دیکھنے لگا بادشاہ نے نشے میں جھومتے ہوئے پاس بیٹھی ربابہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے قریب کھینچ کر کہنے لگا۔

"ایسی.......... ایسی عورتیں شاہی محل کی زینت ہوا کرتی ہیں۔ نہ جانے کس طرح یہ ہم سے پہلے تم تک پہنچ گئی بہرطور جو وقت گزر گیا ہم اسے واپس نہیں لاسکتے لیکن اب یہ حقیقتاً اپنی اصل جگہ پہنچی ہے تمہیں اس سے انکار نہیں کرنا چاہئے.........." ارمیز کے ہاتھ پیروں میں لرزش تھی اس کا حلق بند ہوا جارہا تھا۔ اشوریہ کے اس وحشی بادشاہ کے سامنے کسی قسم کا انحراف موت کا دوسرا نام تھا تاہم اس نے ہمت سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"جہاں پناہ! میں اس سے بے پناہ محبت کرتا ہوں اس کے بغیر دم بھر کو نہیں رہ

سکتا۔"

"محبت!" بادشاہ نے زور سے قہقہہ لگایا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔ "دیکھو ہمارا نوجوان سپہ سالار محبت کے خبط میں مبتلا ہے۔ عزیزم محبت اس دنیا میں کوئی چیز نہیں ہوتی ہر شے ضرورت کے تحت عمل کرتی ہے تم نے اس لڑکی پر بے جا تصرف رکھا حالانکہ تمہیں چاہئے تھا کہ ایسی ذہین فہیم اور زیرک حسینہ کو سب سے پہلے بادشاہ کے حضور میں پیش کرتے تم نے اسے ہمارے سامنے نہ لاکر جرم کیا ہے لیکن اس کے باوجود ہم تمہارے اس جرم کو معاف کر دیتے ہیں۔ جوانی میں جذبات کا ابال ہوتا ہے لوگ اسے محبت سمجھ بیٹھتے ہیں۔ الیس' دولت سمجھتے ہو صرف دولت ہے دولت سے تم بہت کچھ خرید سکتے ہو یہاں تک کہ محبت بھی.........." بادشاہ نشے میں مست بولا۔

"حضور خادم مجبور ہے.........." ارمیز کے چہرے پر ایک تمتماہٹ پیدا ہو گئی اور اشوریہ کے بادشاہ نے اس تمتماہٹ کو محسوس کیا اس کی بھنویں تن گئیں اور اس نے شعلہ بار نگاہوں سے ارمیز کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تو کیا تمہیں ہماری بات سے انکار ہے؟"

"عالم پناہ دلوں کے معاملات خوب سمجھتے ہیں۔" ارمیز نے دبی زبان میں کہا۔

"ہوں۔ گویا تم شاہی عتاب کو آواز دے رہے ہو۔" بادشاہ چنگھاڑا پھر سنبھل کر بولا۔ "اس سے پہلے کہ تمہیں گستاخی کی سزا دی جائے ازراہ رحم تمہیں تین دن کی مہلت دی جاتی ہے اس اثناء میں خوب سوچ لو اپنے فیصلے پر غور کر لو تیسرے دن بھی اگر تم نے انکار کیا تو ربابہ تم سے زبردستی چھین لی جائے گی سمجھے جاؤ.......... غور کرنا ربابہ تم بھی چلی جاؤ اور اپنے اس احمق عاشق کو سمجھاؤ۔"

ارمیز اور ربابہ اپنے گھر آ گئے رات بھر دونوں جاگتے رہے تھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتے تھے کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں چھپ رہتے بادشاہ کسی طور نہیں مانتا سوچتے سوچتے عقل پریشان ہو گئی دماغ ماؤف ہو گیا۔ ربابہ سے جدائی اس کے لئے ناممکن تھی ساری رات کوئی فیصلہ نہیں کر پائے تھے دونوں۔

ان کے ذہن ماؤف ہو رہے تھے۔ پھر دوسرے دن صبح کو ارمیز غمزدہ باہر نکلا نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں میں مستقبل تاریک ہوتا نظر آ رہا تھا۔ بھلا اس کی کیا مجال تھی جو بادشاہ سے ٹکر لے سکتا بادشاہ جو دل چاہتا کر سکتا تھا لیکن ساحل پر پہنچ کر وہ چونک پڑا۔ ساحل سمندر پر ایک خالی جہاز روانگی کے لئے تیار تھا اور کچھ مسافروں کی کمی پوری کرنا

چاہتا تھا۔ یہاں سے ارمیز کے ذہن میں فرار کا خیال پیدا ہوا اور اس خیال نے فوراً ہی تقویت حاصل کر لی اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں تھی لیکن جہاز کے کپتان سے اس نے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ عارضی طور پر پوشیدہ ہو کر یہاں سے جائیں گے۔ اس وعدے کے بدلے میں اس نے کپتان کو نہایت قیمتی اشیاء دینے کی پیشکشیں کر دی تھیں اور اس دولت کے عوض اسے یہاں سے نکلنا نصیب ہو گیا۔ ربابہ کو اس نے اس وقت تک کچھ نہیں بتایا تھا جب تک کہ وہ جہاز پر نہ پہنچ گیا اور جب ربابہ اس جہاز پر سوار ہوئی تو اس کا دل خوف سے بری طرح دھڑک رہا تھا۔ جوں جوں دخانی جہاز دور ہوتا چلا گیا ان دونوں کے دلوں میں ایک اعتماد پیدا ہونے لگا کہ اب کم از کم وہ ایک دوسرے کی زندگی کے ساتھی رہ سکیں گے اور جب ساحل نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو ان کی خوشیاں واپس لوٹ آئیں۔ ارمیز نے تو یہ تک نہیں پوچھا تھا کہ دخانی جہاز جا کہاں رہا ہے۔ بعد میں اسے پتہ چلا کہ یہ جہاز ہندوستان جا رہا ہے۔ جس جگہ یہ لوگ جا رہے تھے وہاں کے بارے میں انہیں کوئی معلومات حاصل نہیں تھیں لیکن بہرحال دونوں کے دل میں یکجائیت کا خیال دنیا کی ہر مشکل کا حل پیش کرتا تھا۔ چنانچہ وہ دونوں مطمئن تھے۔ بے شمار دن بے شمار راتیں اور اس کے بعد بہت سے دن اور راتیں گزر گئے آخر کار دخانی جہاز اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ اجنبی سرزمین اجنبی زبان جہاز سے اتر کر کہیں نہ کہیں جانا تو تھا جس جگہ وہ اترے تھے وہاں لاتعداد عبادت گاہیں بنی ہوئی تھیں۔ ننگ دھڑنگ جسموں والے بے شمار افراد جن کا تعلق ہندوستان سے تھا عبادت کر رہے تھے۔ یہ دونوں ہنسی خوشی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ دیوتاؤں کی عبادت کرنے والے برے لوگ تو نہیں ہوں گے۔ بے شک یہ ان کی زبان نہیں جانتے تھے لیکن پھر بھی انہیں تھوڑی سی تشویش تھی۔ یہاں یہ خطرہ تو نہیں تھا کہ بادشاہ کے آدمی ان کی جدائی کے لئے یہاں پہنچ جائیں گے اس کے علاوہ باقی سب کچھ ٹھیک تھا۔ وہ خود بھی پوجا پاٹ میں شریک ہو گئے طریقہ کار بے شک مختلف تھا۔ نظریہ ایک ہی تھا۔ یہاں انہیں کھانے پینے کی چیزیں بھی مفت مل گئیں۔ پوجا پاٹ کے بعد کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ یہ تو بڑی اچھی جگہ ہے ارمیز نے سوچا۔ ربابہ بھی یہاں آ کر خوش تھی۔ وہ لوگ آزادی سے گھومتے پھرتے تھے۔ کسی درخت کے نیچے پناہ لے لیتے تھے۔ عبادت گاہوں میں انہوں نے رقاصاؤں کو بھی دیکھا تھا۔ جو رنگین کپڑوں میں ملبوس رقص و موسیقی میں مصروف ہو جاتی تھیں اور اس وقت ربابہ کو وہ حسین پرندے یاد آتے تھے جو اس کے ساتھی اس کے ہمنوا تھے اور آخری وقت تک انہوں نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا لیکن سمندروں کے طوفانی سفر کی طوالت میں وہ اس کا تعاقب نہیں کر پائے

تھے۔ پھر ایک دن جب بے شمار جگہوں سے عبادت کرنے والے یہاں آئے ہوئے تھے۔ قیمتی دھات کے چمکدار رتھ پر ایک شخص سوار تھا۔ یہ ایک بہت بڑا جوگی یدھ پال تھا۔ جس کے بارے میں یہ لوگ تو نہیں جانتے تھے لیکن مقامی لوگ اسے دیوتا کا درجہ دیتے تھے۔ اور اسے سورج کے پجاری کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس وقت ارمیز ربابہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔ رتھ پر بیٹھے ہوئے یدھ پال نے ان دونوں کو دیکھا اور برابر بیٹھے ہوئے پجاری سے پوچھا۔

"یہ اجنبی چہرے کون ہیں؟ ویسے تو ہم جانتے ہیں پورے ہندوستان سے لوگ یہاں یاترا کے لئے آتے ہیں لیکن یہ ہندوستانی نہیں معلوم ہوتے۔ یہ سونے کی لڑکی اور یہ کانسی کا مرد تو کسی دوسری ہی دنیا سے آئے ہوئے لگتے ہیں۔ ذرا ان کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔"

"جو آگیا مہاراج۔" اس شخص نے کہا۔ جس کا نام سونار تھا۔ اور سونار ایک شریف آدمی تھا جو یدھ پال کے گیان دھیان کا عقیدت مند تھا۔ چنانچہ سونار رتھ سے نیچے اتر گیا۔ رتھ آگے بڑھ گیا۔ عقیدت مند اس کے پیچھے پیچھے چلے جارہے تھے۔ تب سونار ان دونوں کے پاس پہنچا اس نے اپنی زبان میں ان لوگوں سے سوال کیا۔

"تم دونوں کون ہو؟ اور یہاں کیا کر رہے ہو؟ کیا تم ہندو عقیدہ رکھتے ہو؟" جواب میں دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تب سونار نے یدھ پال کے دیئے ہوئے گیان کو استعمال کیا اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہی سوال ان سے دوبارہ کیا ارمیز اور ربابہ خوشی سے کھل اٹھے۔ کیونکہ یہ سوال ان کی اپنی زبان میں ان کی سمجھ میں آگیا تھا۔ ارمیز نے آگے بڑھ کر کہا۔

"معزز بزرگ! ہم آپ کے دیس میں اجنبی ہیں۔ ایک سمندری جہاز سے دور تک کا سفر کرکے ہم یہاں پہنچے ہیں اور اب آپ کی پناہ میں آنا چاہتے ہیں۔"

"تم لوگ کہاں رہتے ہو؟" سونار نے دوسرا سوال کیا۔

"ابھی تک کہیں نہیں۔ بس یہ جگہ ہے دوسرے لوگ بھی یہاں درختوں کے نیچے رہتے ہیں سو ہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے عبادت گاہوں میں عبادت ہوتی ہے اور اس کے بعد کھانا ملتا ہے تو لوگ ہمیں بھی کھانا دے دیتے ہیں۔" سونار نے اس معصوم جوڑے کو دیکھا اور اس کے بعد اسے مہاپجاری کی بات یاد آگئی۔ مہاپجاری کی ان سے دلچسپی لینا اس بات کی دلالت کرتا تھا کہ ان کی نگاہ کرم ان معصوم بچوں پر ہے۔ یدھ پال بہت بڑا جوتشی اور بہت بڑا گیانی تھا۔ اس کی کہانیاں بڑی عجیب تھیں۔ سونار نے ان سے کہا۔

"باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کے لئے ہمارے دل میں بہت جگہ ہوتی ہے میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں ایک مناسب ٹھکانہ بتاؤں۔" اور یہی سونار نے کیا۔ وہ ان دونوں کو لے کر مہا مندر پہنچ گیا۔ مہا مندر میں یدھ پال رہتا تھا وسیع وعریض مندر کے ایک گوشے میں اس نے انہیں پناہ دی اور اس کے لئے کھانے پینے کی تمام چیزیں مہیا کر دیں تو ارمیز نے ربابہ سے کہا۔

"یہ تو ہم نے بہت ہی اچھی جگہ منتخب کی اور دیکھو یہ تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں جو دیوتا کرتے ہیں دیوتاؤں ہی کے اشارے پر ہمیں یہ جہاز نظر آیا اور ہم یہاں تک آگئے۔ ربابہ کہنے لگی۔

"ارمیز میں نے تو فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر بادشاہ نے ہم لوگوں پر سختی کی تو میں اس کی خلوت میں جاکر اسے خنجر سے قتل کردوں گی اور وہی خنجر اپنے سینے میں اتار لوں گی۔"

"اور میرا کیا ہوتا ربابہ' یہ تم نے نہیں سوچا۔"

"سوچا تھا۔ میں جانتی تھی میری موت کے بعد تم بھی زندہ نہیں رہ سکو گے اور یا تو تمہیں بادشاہ کے سپاہی قتل کردیں گے۔ یا پھر تم خود مرجاؤ گے اور اس طرح ایک بار پھر دیوتاؤں کے قدموں میں ہم نئی زندگی حاصل کرلیں گے۔" تو ارمیز ہنس کر بولا۔

"یہ تو تم نے خوب سوچی لیکن اب دیوتاؤں نے ہمیں اسی زمین پر نئی زندگی عطا کی ہے۔ یہ تو بہت اچھے لوگوں کی عبادت گاہیں معلوم ہوتی ہیں۔ ہرچند کہ ان کے دیوی دیوتا ہماری سمجھ میں نہیں آتے لیکن دیوی اور دیوتا تو ایک جیسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ انسانوں کو کچھ نہ کچھ دینے والے۔" ادھر جوگی یدھ پال جو درحقیقت ایک بڑا جادوگر اور ایک برا انسان تھا۔ جس کے دل میں ہوس کی آگ جلتی رہتی تھی اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ منتیں مرادیں مانگنے کے لئے ہندوستان بھر سے آنے والی عورتوں اور لڑکیوں میں سے کوئی کبھی کبھی کس طرح غائب ہوجاتی ہے اور اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا لوگ اس سلسلے میں طرح طرح کی باتیں خود سوچ لیا کرتے ہیں اور خود ہی فیصلے کرلیا کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس طرح کی عورتیں یدھ پال کی ہوس کی بھینٹ چڑھ جاتی تھیں اور انہیں اڑا کر اپنی تحویل میں لے لیا کرتا اور پھر جب تک وہ چاہتا انہیں زندہ رکھتا اور جب چاہتا موت کی نیند سلا دیتا۔ اس حسین لڑکی کو جس کا نام ربابہ تھا' دیکھ کر یدھ پال کے منہ سے رال ٹپک پڑی تھی اور وہ اسے اپنی خلوتوں میں رقص کرتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے خواب اس کی آنکھوں میں بسے ہوئے تھے۔ سونار ان دونوں کو وہاں پہنچانے کے بعد یدھ پال کے پاس پہنچ گیا۔ یدھ پال ضروریات سے فراغت حاصل کرچکا تھا۔ سونار کو دیکھ

کر اس نے کمال بے پرواہی سے کہا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے سونار۔ میں نے بہت سے لوگوں کو تمہاری تلاش میں بھیجا۔"

"مہاراج! آپ ہی نے تو مجھے ایک کام سونپا تھا۔"

"ہم نے کون سا کام سونپا تھا تمہیں۔"

"وہ جو دو اجنبی نظر آ رہے تھے' ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا کام۔"

"اوہ ہاں۔ وہ.......... وہ تو واقعی میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ ہمیں اپنی سرزمین کے باشندے نہیں لگتے۔ سنہری عورت اور کانسی کا مرد' کیا پتہ لگایا تم نے ان کے بارے میں؟"

"مہاراج کے گیان کے سامنے بھلا کوئی بات غلط ہو سکتی ہے۔ وہ بہت دور کی دنیا سے آئے ہیں اپنے دیوی دیوتاؤں کے پجاری ہیں اور یہاں یاترا کر رہے ہیں۔ سمندری جہاز سے سفر کر کے وہ یہاں تک پہنچے ہیں۔ یاترا میں پڑے ہوئے تھے میں نے ان سے کہا کہ وہ مہا مندر میں پناہ لیں اور مہا گیانی کے چرنوں میں آ پڑیں۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا ہے اور وہ مہا مندر میں موجود ہیں۔" یدھ پال نے نگاہیں اٹھا کر سونار کو دیکھا اور بولا۔

"یہ تو تُو نے بہت اچھا کیا ہے سونار اب ذرا انتظام کرنے والوں سے کہہ دے کہ ان دونوں کی خوب خاطر مدارت کی جائے۔ انہیں ذرا بھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ وہ ہمارے مہمان ہیں اور ویسے بھی باہر سے آئے ہوئے ہیں۔" سونار نے گردن جھکا دی اور پھر اس نے خدمت گاروں کو ہدایت کر دی کہ یدھ پال مہاراج کا کیا حکم ہے چنانچہ ارمیز اور ربابہ کو ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی جانے لگیں انہیں بہت سے لباس دے دیئے گئے اور رقص کرنے والیوں کے رنگین اور جگمگاتے لباس دیکھ کر ربابہ کی معصومیت خوشی سے کھل اٹھی۔ اس نے یہ لباس پہنے اور مندر میں دیوداسیوں کے رقص دیکھنے اور اپنی رہائش گاہ میں ویسے ہی رقص کرنے لگی۔ ارمیز اس کی خوشیوں سے بہت زیادہ خوش تھا۔ اس نے کہا۔

"دیوتاؤں کے فیصلے بھی عجیب ہوتے ہیں ربابہ! ہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنی سرزمین پر عیش و آرام کی زندگی گزار رہے تھے میرے پاس بہت بڑا عہدہ تھا لیکن ہمارے بدقماش بادشاہ نے ہم سے ہماری خوشیاں چھیننے کی کوشش کی اور اس وقت اپنا وطن چھوڑ دینے کا فیصلہ ہی ہمارے لئے زندگی بخش ثابت ہوا ورنہ یہ حقیقت تھی کہ بادشاہ مجھے مروا

دیتا اور تمہیں اپنی خلوت میں لے لیتا۔"

"ایک لمحہ زندہ نہ رہتی میں اور نہ ہی اس بدفطرت کو زندہ چھوڑتی۔ کم از کم اتنا کام کر لیتی کہ دوسروں کی عزت محفوظ ہو جاتی۔" ربابہ نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ میری روح حیات تم ایسی ہی فطرت کی مالک ہو لیکن دیکھو سفر کیسا وسیلہ ظفر بنتا ہے یہاں کے لوگ تو بہت ہی اچھے ہیں کس طرح انہوں نے ہماری مہمان نوازی کی ہے۔ آہ۔ میری خواہش ہے کہ میں جلد از جلد ان کی زبان سیکھ جاؤں اور ان کے درمیان اپنے لئے مقام بنا لوں۔"

"ہاں۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں اور اس کے لئے میں یوں کروں گی کہ یہاں وہ جو رقص کرنے والیاں ہیں ان سے دوستیاں کروں کتنی کتنی خوبصورت لڑکیاں ہیں جب وہ رنگ برنگے لباس پہن کر گھومتی ہیں تو لگتا ہے جیسے انسانی شکل کے پھول کھلے ہوئے ہوں۔" وہ دونوں باتیں کرتے رہے بہت خوش تھے یہاں آ کر اور ارمیز نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ یہاں اپنی اصل حیثیت کو بھول کر ان لوگوں کے لئے محنت مزدوری کرے گا اور اپنا ایک مقام بنائے گا۔ ادھر شیطان پجاری اپنے دل میں الگ منصوبے بنائے ہوئے تھا اس نے اپنا دوہرا معیار قائم کر رکھا تھا ایک طرف ایک اوباش اور پُرہوس جانور تھا وہ تو دوسری طرف اس نے گیان دھیان کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا۔ بہت کم لوگ اس کی اصلیت سے واقف تھے اور ان میں سونار بھی تھا۔ وہ تو بس عقیدت کا بت تھا اور سمجھتا تھا کہ یدھ پال مہاراج دیوتا سمان ہیں اور ان سے کسی گناہ کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی لیکن ادھر یدھ پال اپنی مخصوص باندی رامیکا سے سرگوشیاں کر رہا تھا اس نے کہا۔

"رامیکا باہر سے آنے والی یہ سنہری لڑکی ہماری کمزوری بن گئی ہے ہم اسے دور سے دیکھتے ہیں آشیرباد تک نہیں دیتے کہ کہیں ہماری نیت لوگوں پر کھل نہ جائے اب یہ تیری ذمے داری ہے کہ تُو اسے ہماری خلوت تک لے آئے۔ ایک بار وہ ہمارے پاس آ جائے پھر ہماری آنکھوں کے سحر سے کہاں بچ سکتی ہے۔ مگر یہ کام تجھے کرنا ہے۔"

"داسی نے جیون بھر آپ کے چرنوں میں ہر ایسی لڑکی کو لا کر ڈالا ہے جس کی طرف آپ نے انگلی اٹھائی ہے یہ انتظام کر لوں گی۔"

"مگر اس کے ساتھ اس کا چاہنے والا بھی ہے۔ اس کے بارے میں کیا کرو گی۔"

"مہاراج! بالکل چنتا نہ کریں۔ میں سب ٹھیک کر لوں گی۔" رامیکا نے کہا۔ وہ ایک شاطر عورت تھی۔ چنانچہ اس نے یوں کیا کہ اپنے ایک آدمی کو جو اس کا خاص راز دار تھا' ارمیز کے پاس بھیجا۔ وہ شخص ارمیز کے پاس کپڑوں کے کچھ تھان لے کر گیا تھا۔ ارمیز کی

زبان نہیں جانتا تھا وہ لیکن اس نے ارمیز کو اشاروں میں بتایا کہ وہ اس کے لئے لباس سلوانا چاہتا ہے اور سینے والے کے پاس اسے لے جانے کا خواہش مند ہے۔ ذہین ارمیز نے اس کی بات سمجھ لی اور اس کے ساتھ چل پڑا۔ ادھر رامیکا مسکراتی ہوئی ربابہ کے پاس پہنچی تھی۔ اس نے محبت سے ربابہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے مندر کے اندرونی حصے کی طرف اشارہ کرنے لگی۔ حسین رامیکا دیکھنے میں بڑی معصوم نظر آتی تھی۔ ربابہ اس کے ساتھ چل پڑی۔ مندر میں دیوی دیوتاؤں کے بہت سے بت نصب تھے۔ ان کے درمیان سے گزرتی ہوئی وہ مندر کے عقبی حصے میں پہنچی اور پھر سیڑھیاں اتار کر ربابہ کو اس تہہ خانے میں لے گئی جو انتہائی خوبصورتی سے آراستہ کیا گیا تھا۔ چاروں طرف رنگین پردے لہرا رہے تھے۔ مسہریاں بنی ہوئی تھیں ایسے بت وہاں لگے ہوئے تھے جو شرم و حیا کی انتہائی منزلوں سے گزر گئے تھے اور جنہیں دیکھ کر نگاہیں خود بخود زمین میں پیوست ہوجاتی تھیں۔ ربابہ نے حیران نگاہوں سے اس سارے ماحول کو دیکھا تو رامیکا نے ربابہ کو مسہری پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ ربابہ نے باہر جانے کی خواہش کی تو رامیکا نے اسے وہیں رکنے کے لئے کہا اور خود سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچ گئی۔ پھر اس نے پتھر کے دروازے بند کردیئے۔ جنہیں کل کے بغیر کھولا نہ جاسکے اور اس طرح اس نے ربابہ کو بند کر دیا تب ربابہ نے ایک پتھریلی دیوار کے عقب سے اس وحشی پجاری کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا جس کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں اور جس کے منہ سے شراب کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ ربابہ نے عورت کی نگاہ سے اسے دیکھا تو اسے پجاری کی آنکھوں میں ناچتا ہوا شیطان صاف نظر آگیا۔ کچھ لمحے تو وہ ساکت و جامد رہی پھر اس نے کہا۔

"کیا بات ہے مجھے یہاں کیوں بلایا گیا ہے۔" یدھ پال کے لئے ربابہ کی بات کو سمجھنا اور اس کی زبان میں بولنا مشکل نہیں تھا اس نے کہا۔

"حسن کی دیویوں کو پتھروں کی دیواروں کے درمیان نہیں یدھ پال کے دل میں قیام کرنے کو جگہ ملتی ہے تمہاری آرام گاہ میرا دل ہے اور جو کوئی میرے دل میں رہتا ہے اس کے لئے یہی حسین جگہ ہوتی ہے۔ پتہ نہیں تم......... تم اپنے دیس کی رانی یا راجکماری ہو یا نہیں۔ پر تم نے میرے من پر حکومت کرلی ہے اور اب میں تمہیں اپنے دل کے دروازوں سے اندر داخل کرنا چاہتا ہوں۔" ربابہ نہ ڈری نہ خوفزدہ ہوئی اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"میرا شوہر میرا محبوب ہے اور وہ سلطنت اشوریہ کی فوجوں کا سپہ سالار تھا اگر وہ اپنی فوجوں کو اشارہ کردیتا تو بے شمار فوج بغاوت پر آمادہ ہوجاتی اور اشوریہ کے بدقماش

راجہ کو زمین بوس کر دیتی لیکن وہ ایک شریف آدمی تھا اس نے ترک وطن کردیا اور میں نے اس کا ساتھ دیا۔ ہم تمہاری بہت عزت کرتے ہیں کیونکہ تم نے ہماری بہت مہمان نوازی کی ہے لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم وہ مقام لے لوگے جو وہ بدبخت راجہ لینا چاہتا تھا تو زندگی بھر تم اپنی ان کوششوں میں کامیاب نہیں ہوسکو گے۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات۔" جواب میں یدھ پال ہنس پڑا پھر بولا۔

"بچی! اپنی اور میری عمر دیکھو میرے گیان کے سامنے تُو کیا حیثیت رکھتی ہے کچھ بھی نہیں کرپائے گی تُو۔" جواب میں ربابہ ہنس پڑی پھر اس نے کہا۔

"تم ایک مچھر کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے قارون کی ناک میں کاٹ کر اسے موت کی نیند سلا دیا تھا اپنی طاقت پر اتنا گھمنڈ مت کرو مجھے راستہ دو اور جانے دو۔ ابھی میرے دل میں تمہارے لئے گنجائش ہے کہ میں تمہاری برائی کا تذکرہ کسی سے نہ کروں۔ لیکن تم نہیں جانتے کہ میرے اندر ایک ایسی قوت پوشیدہ ہے جس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔" یدھ پال پھر ہنسا پھر اس نے کہا۔

"تو پھر چل ٹھیک ہے قوتوں کا مقابلہ ہوجائے۔ میں تجھے تیرے من سے ہی قبول کروں گا اور ایک بات میں تجھے بتاؤں۔ میں صدیوں سے زندہ ہوں اور صدیوں تک زندہ رہوں گا۔ بڑا ضدی اور بڑا ہی کٹھور ہوں میں اگر تُو نے میری بات نہ مانی تو میں تیرے اس شریر کو مٹی کے نیچے دبا دوں گا زندہ دفن کردوں گا تجھے اور اس کے بعد جب زمین کی گہرائیوں سے تیری آواز آئے گی کہ تُو نے میری بات مان لی ہے تو پھر میں تجھے ایسے کا ایسا ہی نکال لوں گا۔ میرا گیان اتنا ہی بڑا ہے۔"

"تیرے پاس وہ قبر ہے جس میں تُو مجھے دفن کرے گا؟" ربابہ نے سوال کیا۔

"دیکھنا چاہتی ہے۔" یدھ پال نے کہا اور پھر اس نے اپنے ہاتھ کی مٹھی بند کی اور زمین پر مار کر کھول دی۔ ربابہ نے وہاں ایک گہرا گڑھا دیکھا جو قبر کی شکل کا تھا۔ تب ربابہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تُو، تو واقعی عظیم ہے۔" یہ کہہ کر وہ ایک ایک قدم آگے بڑھی اور پھر اس نے یدھ پال کے قریب پہنچ کر اس کے منہ پر تھوک دیا۔ یدھ پال ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں کبوتر کے خون کی مانند سرخ ہوگئی تھیں۔ تب اس نے آگے بڑھ کر ربابہ کی گردن پکڑی اور اسے گھسیٹتا ہوا قبر تک لے آیا اور یہی وہ وقت تھا جب سونار قید خانے کی سیڑھیوں سے اتر کر نیچے پہنچا تھا اور اس نے یہ عجیب غریب منظر دیکھا لیکن یدھ پال غصے سے دیوانہ ہورہا تھا اس نے ربابہ کو قبر میں لٹایا اور قبر برابر کردی۔ البتہ جیسے ہی

وہ قبر کے پاس سے ہٹا قبر میں ایک سوراخ نمودار ہوا اور اس سے ایک سفید غبار نکل کر فضا میں پھیل گیا۔ پھر یہ غبار ربابہ کی شکل اختیار کر گیا اور ربابہ نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا شریر تیری قید میں ہے لیکن میری روح میری آتما دیکھ لے اس قبر سے باہر نکل آئی۔ اگر تُو اسے قید کر لے تو میں تجھے یدھ پال مان لوں اور میں بھی تجھ سے کہے دیتی ہوں کہ تُو گندگی میں منہ رگڑ رگڑ کر مرے گا۔ یہ میرا عزم اور میرا عہد ہے۔ سمجھ رہا ہے نا تُو۔" سونار خاموشی سے واپس پلٹ گیا تھا اس کے بعد اسے نہیں پتہ کیا کیا ہوا البتہ اس نے اس معصوم چڑیل کو جس نے گندی آتما کا روپ نہیں دھارا تھا۔ سیڑھیوں سے باہر آتے ہوئے دیکھا اور اس کے بعد وہ فضا میں تحلیل ہوگئی۔ یہاں سے سونار کی اپنی کہانی شروع ہوتی ہے۔ یعنی جب وہ واپس اس جگہ پہنچا جہاں بیچارہ ارمیز موجود تھا تو اس نے ارمیز کو حیران پریشان اپنی بیوی کی تلاش میں سرگرداں پایا۔ اس نے سونار سے بھی اپنی بیوی کے بارے میں پوچھا لیکن سونار جانتا تھا کہ آخر کار اسے بھی موت کی سزا مل جائے گی۔ سو اس نے کچھ نہ بتایا اور ارمیز اس دشمنوں کے شہر میں دیوانوں کی طرح مارا مارا پھرتا رہا آخر کار اس نے جمنا میں کود کر جان دے دی۔ یہ ان دونوں کی درد بھری داستان تھی اور اس کے بعد ربابہ کی روح بھٹکتی رہی اور یدھ پال اس کے پیچھے لگا رہا۔ ربابہ کو کئی بار اس نے پکڑا وہاں سے ہٹایا وہ ربابہ کی آتما کو اس قبر میں داخل کرنا چاہتا تھا لیکن ربابہ اتنی آسانی سے اس کے جال میں نہیں پھنس سکتی تھی وہ جگہ جگہ اپنی کہانیاں بکھیر دیتی تھی۔ ایسے ہمدردوں کو تلاش کر رہی تھی جو اس کا کام کر سکیں۔ ارمیز تو مر ہی چکا تھا وہ اپنی آتما کو اپنے شریر کو اس قبر سے نکال کر شانتی دینا چاہتی تھی اور اس لئے وہ جگہ جگہ کوشش کر رہی تھی۔ یہاں اس سفید حویلی میں وہ تصویر اسی کیفیت کی حامل ہے' اور یہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سی ایسی باتیں تھیں۔ ہر جگہ' ہر علاقہ ایسی ہی ایک جگہ ہے جہاں ربابہ نے اپنے لئے پناہ حاصل کی تھی۔ کیا سمجھے؟"

☆======☆======☆

میں پتھر کے بت کی مانند یہ عجیب و غریب داستان سن رہا تھا۔ جو حقیقت سے دور صرف ایک افسانہ معلوم ہوتی تھی۔ باباخیال اس طرح یہ کہانی سنا رہا تھا جیسے اس کو اس سے پوری واقفیت ہو۔ بہرحال میرے لئے یہ ساری کہانی ایک دکھی داستان تھی۔ میں نے باباخیال سے کہا۔

"لیکن بابا صاحب ایک بات بتائیے آپ کو یہ تمام تفصیلات کیسے معلوم ہیں؟"
میرے اس سوال پر وہ دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا پھر اس نے کہا۔

"چلو چھوڑو یہ بات بھی میں تمہیں تفصیل سے بتا دوں گا لیکن کیا تم یدھ پال کو دیکھنا چاہتے ہو؟"

"میں..........؟"

"ہاں۔"

"ربابہ کی کہانی اگر واقعی یہی ہے تو پھر بہت سے سوالات میرے ذہن میں چبھ رہے ہیں۔"

"کیا؟"

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میرا ان واقعات سے کیا تعلق ہے۔ بابا خیال کیا تم اس بات پر یقین کرو گے کہ تصویر والی لڑکی' یعنی ربابہ کتنی ہی بار میرے سامنے آچکی ہے۔ وہ مجھ سے اظہار الفت کرتی ہے وہ مجھ سے محبت کی باتیں کرتی ہے میرا تحفظ کرتی ہے وہ۔ اور میں اس سے محبت کرتا ہوں آخر کیوں؟" بابا خیال کے چہرے پر غم کے تاثرات پھیل گئے پھر اس نے کہا۔

"کیا تم یدھ پال کو دیکھنا چاہتے ہو۔"

"کیسے؟"

"آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔" یہ کہہ کر بابا خیال مجھے ان تمام تصویروں کے پاس لے گیا جو طلسماتی تصویریں تھیں پھر وہ اس بڑے فریم کے سامنے جا کھڑا ہوا جس میں وہ خوفناک شکل کا انسان جسے میں نے زندہ سلامت اس کرسی پر بیٹھے دیکھا تھا۔ موجود تھا۔

"یہ یدھ پال ہے۔" اس نے کہا اور میرا منہ شدت حیرت سے کھل گیا۔

"یدھ.......... یدھ.......... یدھ پال۔"

"ہاں' وہی شیطان سادھو ہے یہ ایک خوفناک پجاری جو آج بھی نہ جانے کیسی کیسی شیطانی حرکتوں میں مصروف ہے۔" میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس خوفناک تصویر کو دیکھتا رہا یہ تو بڑی پُراسرار عمارت تھی جہاں یہ ساری ہنگامہ آرائیاں ہو رہی تھیں پھر اس نے کہا۔

"اور میں نے تمہیں سونار کے بارے میں بتایا تھا سونار جو یدھ پال کا پجاری تھا اس کا عقیدت مند نہیں' جب یہ واقعہ پیش آیا اور یہ سب کچھ ہوا تو سونار کی عقیدت نفرت میں بدل گئی۔ وہ تو اس مہان گیانی کے چرنوں کی دھول تھا اور اسے اپنا اوتار سمجھتا تھا۔

لیکن یہ تو کچھ اور ہی نکلا تھا۔ تب سونار نے اس سے علیحدگی اختیار کرلی اور اس کے بعد اس نے ایک الگ تھلگ گوشہ اپنا لیا۔ پر کیا کیا جائے وقت اور حالات نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا وہ اپنی تنہائیوں میں تنہا نہ رہ سکا اور آخر کار وہ سے آگیا جب اسے یہ کہانی کسی کو سنانی پڑی۔" وہ خاموش ہوگیا اور میں اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔ سونار گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"کیا تم اب بھی نہیں سمجھے کہ سونار کون ہے؟"

"کیا۔" میں اچھل پڑا۔

"ہاں۔ میں سونار ہوں۔" وہ بولا اور مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اور جب الفاظ میری سمجھ میں آئے تو میں نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

"تم............" اس نے میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تھا کچھ لمحات وہ گردن جھکائے جیسے گہری سوچ میں ڈوبا رہا پھر اس نے مجھے اشارہ کرکے کہا۔

"آؤ۔" میرے قدم جیسے اس کی آواز کے ساتھ ہی خود بخود اٹھنے لگے تھے۔ وہ مجھے لئے ہوئے ایک مخصوص حصے میں پہنچا اور ایک دیوار کے سامنے رک گیا اس دیوار پر بھی ایک تصویر لگی ہوئی تھی لیکن حیرانی کی بات یہ تھی کہ اس تصویر پر ایک کاغذ لٹکا ہوا تھا اس نے کاغذ کے سرے کو چٹکی سے پکڑا اور اسے نیچے کھینچ لیا۔ کاغذ کے نیچے کی تصویر نمایاں ہوگئی اور اس کے منہ سے آواز نکلی۔

"یہ ارمیز ہے۔" میں نے نگاہیں اٹھا کر اس تصویر کو دیکھا اور پھر جیسے میری آنکھیں بند ہونے لگیں' میں بری طرح چکرا کر رہ گیا تھا۔ ارمیز کی یہ تصویر ہوبہو میری تصویر تھی لیکن تھوڑے سے مختلف انداز میں اس کے جسم پر قدیم طرز کا لباس تھا اور چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت۔

سونار نے کہا۔ "ہاں یہ ارمیز ہے۔"

"لل............ لیکن یہ تو............"

"تمہاری تصویر ہے۔"

"ہاں۔"

"اور اب بھی تم یہ اندازہ نہیں لگا سکو گے کہ ربابہ تمہارے اردگرد کیوں چکراتی رہتی ہے کیا اب بھی تم اس کے بارے میں نہیں جان سکو گے کہ تم اس کے محبوب ہو اور وہ ہر طرح سے تمہاری حفاظت کرتی رہی ہے۔ تمہاری یعنی اپنے محبوب کی حفاظت' کیا

سمجھے۔" میں نہ سمجھنے والی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"میں یہ نہیں مان سکتا۔ بھلا میں ایک قدیم اشوری جنگجو کیسے ہو سکتا ہوں۔"

"بات اصل میں یہی ہے کہ اس کائنات میں لاکھوں پُراسرار کہانیاں بکھری پڑی ہیں۔ ہر کہانی کی ایک وجہ ہے ہر تصور کا ایک وجود ہے لیکن انسانی دماغ اس قدر محدود ہے کہ ہر چیز کی حقیقت نہیں سمجھ پاتا۔ بس وہ اپنے طور پر مصروف عمل رہتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہم سب کچھ جان گئے۔ ایسا نہیں ہوتا سمجھ رہے ہونا ایسا نہیں ہوتا۔"

"لیکن معزز شخص کچھ تو میری سمجھ میں آئے۔"

"بات تو وہی ہوجاتی ہے نا کہ اگر سمجھ میں آجائے تو پھر ہر کھیل حقیقتوں کے ساتھ نمایاں ہوجائے۔ بہت سی ایسی حقیقتیں ہیں جو پوشیدہ ہی رہتی ہیں اور کون جانے کہ ان کا پوشیدہ رہنا ہی بہتر ہوگا۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں ایک مسلمان کا بیٹا ہوں' ان ساری چیزوں کو نہیں مانتا تم کہہ چکے ہو معزز سونار! کہ ربابہ کا ایک وجود تھا اور وہ میرے لئے گاتی ہے۔ مجھے ہر مشکل سے بچانے کے لئے سرگرم رہتی ہے۔ میں کیا کرسکتا ہوں۔"

"تم............ بقول تمہارے تم ایک ایسے مذہب سے تعلق رکھتے ہو جو ان توہمات کو نہیں مانتا بے شک تم غلط نہیں ہو لیکن میں نے کہا نا بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو وقت پر ہی سمجھ میں آتی ہیں اور وقت سے پہلے انہیں سمجھنا تک مشکل کام ہے۔"

"خیر۔ اب آپ یہ بتایئے مجھے کیا کرنا چاہئے۔ پہلا سوال تو میں آپ سے یہی کرتا ہوں معزز سونار کہ آپ بابا خیال کی حیثیت سے سفید حویلی میں کیسے مقیم ہیں۔" بوڑھے نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا پھر مسکرا کر بولا۔

"جو کچھ میں کہوں گا اس پر یقین کرلو گے؟"

"آپ کی شخصیت اس قدر مستند ہے اور آپ ایسے اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں مجھے کہ ہر قیمت پر میں آپ کی بات کو صحیح تسلیم کرنے پر تیار ہوں سوائے اس کے کہ میں نے کوئی اور جنم لیا ہے۔"

"تو پھر سنو۔ میں یہاں تمہارے انتظار میں تھا۔"

"کیا؟"

"ہاں۔"

"میرے انتظار میں؟"

"کہا نا ہاں۔"

"آپ کو کیسے معلوم تھا کہ میں یہاں آؤں گا یا آپ یہ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔"

"ہاں جانتا ہوں۔"

"اس کی کوئی وجہ۔"

"میں نے کہا نا بہت سی باتیں عقل سے دور ہوتی ہیں اور ہم اس کی وجہ کا صحیح تعین نہیں کرسکتے۔"

"آپ میرے انتظار میں یہاں تھے۔"

"ہاں۔"

"اچھا یہ بتایئے کیوں؟"

"اس لئے کہ ربابہ کے ساتھ یدھ پال نے جو سلوک کیا اس کا ایک شریک کار میں بھی تھا یہ الگ بات ہے کہ مجھے حقیقتوں سے ناواقفیت تھی۔"

"مگر مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔"

"یہ تم پر منحصر ہے۔ خاموشی سے اپنی دنیا میں گم ہوجاؤ۔ اپنے لئے کوئی مشغلہ تلاش کرو اور ربابہ کو بھول جاؤ۔ بھٹکتی رہے گی وہ اور اس کے بعد خود ساکت ہوجائے گی۔ ہمیں اس سلسلے میں فکر نہیں کرنی چاہئے جو اس کی تقدیر میں لکھا ہے اسے بھگتنا ہوگا۔"

"اور اگر ہم اس کے لئے فکر مند ہونا چاہیں تو۔" میں نے کہا۔

"تو پھر تمہیں خاصی محنت کرنا پڑے گی۔"

"وہی میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"تلکاشیا ایک دور دراز علاقہ ہے اور پُراسرار اور خوفناک قبائل سے ہوکر گزرتا ہے اگر تم تلکاشیا کے پرانے مندر میں جاؤ اور وہاں جاکر یدھ پال کو تلاش کرو تو وہ تمہیں مل جائے گا تمہیں یاد ہوگا کہ آخری بار جب تم اس سے ملے تھے تو کچھ لوگ اسے پکڑ کر لے گئے تھے۔"

"ہاں۔" میں نے حیرت سے منہ پھلا کر کہا۔ کیونکہ یہ بات میرے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھی۔

"وہ یدھ پال کے آدمی تھے۔ تلکاشیا کا پُراسرار مندر یدھ پال کی رہائش گاہ ہے اور وہ تمہیں وہیں ملے گا۔ وہاں پہنچ کر تمہیں یدھ پال سے جنگ کرنا پڑے گی۔ باقی سارے معاملات تم خود جانتے ہو۔"

"کیا مجھے اس جنگ میں کامیابی حاصل ہوجائے گی۔"

"یہ سوال وقت سے پہلے کا ہے اور میں مستقبل کی باتیں نہیں جانتا۔"

"پھر میں ربابہ کو حاصل کرلوں گا۔" سونار نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر سنجیدگی سے بولا۔

"ایک بات بتاؤ۔ ربابہ کا مذہب تمہارے علم میں آچکا ہے۔ یہ بھی پتہ چل چکا ہے تمہیں کہ وہ ارمیز سے محبت کرتی تھی اس کے بعد بھی تم اس کے حصول کے لئے دل میں آرزو رکھتے ہو۔" میں نے چونک کر اپنے آپ سے سوال کیا تو واقعی اگر یہ داستان سچ ہے اور میں اسے سچ تسلیم کرکے ہی آگے کا سفر کرنا چاہتا ہوں' تو کیا میں اسے قبول کرلوں گا۔ دل نے اندر سے کہا کہ ہاں۔ محبت کسی مذہب کو نہیں مانتی۔ وہ تمہاری محبوب ہے اور اس کے لئے تم نے ایک طویل سفر کیا ہے۔ سونار نے میری بات کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ وقت تمہیں شاید کامیابی سے ہمکنار کرے۔"

"کیا تم میرا ساتھ دوگے سونار۔"

"نہیں۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں یدھ پال کے عقیدت مندوں میں سے رہا ہوں۔ بے شک اس کے بعد مجھے اس سے اختلاف ہوگیا لیکن وہ بہت ہی پائے کا جادوگر ہے جب تم تلکاشیا جاؤ گے تو تمہیں اس کی موت کی کہانیاں سننے کو ملیں گی۔ وہ مندر کی گہرائیوں میں سو رہا ہے لیکن کون جانے موت کی نیند یا زندگی کی نیند' وقت تمہیں خود تمام حقیقتوں سے روشناس کرے گا۔ بس تمہاری ثابت قدمی ہی تمہیں کامیاب کرسکے گی اور میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں ساری باتوں کا شناسا نہیں بہت سی باتیں میرے علم میں نہیں ہیں۔"

"تلکاشیا کے راستے۔"

"جانا چاہتے ہو۔"

"ہاں۔"

"راستے مختصر ہیں۔ تلکاشیا کا علاقہ ہندو عبادت گاہ ہے اور زیارت کرنے والے مشکل راستوں کو طے کرتے ہوئے وہاں جاتے ہیں تم یہ سفر آسانی سے کرسکو گے۔ کیونکہ تمہیں اس کے بارے میں ساری تفصیل بتا دوں گا۔ اب صرف یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تم اس کے لئے تیار ہو یا نہیں۔"

"میں تیار ہوں۔" میں نے حتمی لہجے میں کہا۔ زمانہ قدیم کی اس داستان نے میرا

سر چکرا کر رکھ دیا تھا۔ یہ بھی ایک دلچسپ بات تھی کہ میں نے زندگی میں کبھی تلکاشیا کے علاقے کے بارے میں کچھ نہیں سنا تھا۔ بعد میں جب میں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو مجھے پتا چلا کہ ایک ہندو زیارت گاہ ہے اور بہت دور دراز کے علاقوں میں واقع ہے۔ بہرحال یہ اسرار میری زندگی سے اس طرح چمٹ گیا تھا کہ میں اسے نظرانداز بھی نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ سفید حویلی سے نکل آیا اور آخرکار تلکاشیا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔ اقلیتوں کو ہمارے وطن میں خاصا تحفظ حاصل تھا لیکن بعض علاقوں کے بارے میں' میں نے بھی کبھی کبھی یونہی کچھ غیر مستند لوگوں سے سنا تھا کہ کچھ مخصوص علاقوں میں ہندو مذہب کے لوگ یہاں بھی اچھے خاصے اقتدار قائم کئے ہوئے تھے۔ یہ وہ علاقے تھے جو ہندوستان کی سرحدوں سے ملتے تھے اور یہاں کی زندگی بڑی عجیب تھی لیکن بہرحال نہ میرا کبھی ان علاقوں سے گزر ہوا تھا اور نہ ہی کوئی مستند شخصیت تھی جس نے کبھی مجھے اس بارے میں بتایا ہو۔ تلکاشیا کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کے بعد آخرکار میں نے ٹرین سے اس سفر کا آغاز کردیا۔ جسے عبور کرکے منزل در منزل میں تلکاشیا کے علاقے میں پہنچ سکتا تھا اب اس وقت جو میری کیفیت تھی وہ بڑی عجیب سی تھی میں صحیح معنوں میں اپنے آپ کو ایک طلسم زدہ شخص محسوس کر رہا تھا جو ایک انوکھے جادو کی زد میں ہو۔ کوئی تک کی بات تھی کہ یہ پُراسرار وجود مجھ سے چمٹ کر رہ گیا تھا اور درحقیقت اس نے مجھے کسی کام کا نہیں چھوڑا تھا ورنہ ہوسکتا ہے تھوڑی سی آوارہ گردی کے بعد زندگی کی کوئی ڈگر پالیتا لیکن میری زندگی ربابہ کی نذر ہوگئی تھی اور اب ایک ایسی انوکھی داستان سے واسطہ پڑا تھا جو صرف قصے کہانیوں کی بات تو ہوسکتی تھی حقیقت سے اس کا بظاہر کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا تھا بھلا مجھے ہندو مذہب کے عقیدوں سے کیا واسطہ۔ سونار نے ایک بات کہی تھی جو ذرا دل کو لگتی تھی اور وہ یہ تھی کہ بہت سے ایسے پُراسرار عمل ہیں جن کے بارے میں صحیح طور پر کوئی اندازہ نہیں ہوپاتا لیکن بہرحال ان کا وجود ہے اور وہ کسی نہ کسی شکل میں مل جاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اس عمل کا بھی کوئی ایسا ہی انوکھا پس منظر ہو بہرحال ایک عجیب سی لگن تھی اور میں بڑی مشکل محسوس کر رہا تھا لیکن بہرحال چلا جارہا تھا اور یہ دیکھنا تھا کہ آگے کیا صورت حال رہتی ہے۔ میری اپنی معلومات کے مطابق مجھے ایک مخصوص علاقے اودم پور پہنچنا تھا جہاں سے تلکاشیا زیارت کرنے والوں کی ٹولیاں جاتی تھیں اور اس مندر تک پہنچتی تھیں جو تلکاشیا کا انوکھا مندر کہلاتا تھا۔ بہرحال میں لمبا سفر طے کرکے اودم پور پہنچ گیا۔ پہاڑوں میں آباد ایک عجیب سی بستی تھی کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک اتنے بڑے اسلامی

ملک میں کوئی علاقہ ایسا بھی ہوگا جو مندروں اور مورتیوں سے ڈھکا ہوا ہوگا۔ اودم پور سرحدی شہر تھا پہاڑی علاقے تھے لیکن اس طرف کی آبادیاں بالکل مختلف تھیں اور یہاں ہندوازم بڑے بھاری انداز میں نظر آتا تھا۔ اودم پور کے قیام کے دوران مجھے تلکاشیا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ یہاں مسلمان برائے نام تھے۔ جو تھے وہ بھی بالکل ہندوؤں کا ہی طرز زندگی اختیار کئے ہوئے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے یہ ہندوستان ہی کا کوئی شہر ہو۔ مجھے بڑا عجیب سا محسوس ہوا تھا لیکن بہرحال یہ ایک مسلم مملکت کی حد سے بڑھی ہوئی رحم دلی اور ذہنی شگفتگی تھی کہ انہوں نے ایک۔ ریارت گاہ کے علاقے میں آباد شہر کو ہر طرح کی آزادی دی تھی اور یہاں خوب ہندوازم پھیلا ہوا تھا۔ البتہ کچھ عرصے یہاں قیام کرکے مجھے خاصی معلومات حاصل ہوئی خاص طور سے ایک چھوٹا سا ہوٹل یا سرائے کہہ لی جائے تو غلط نہیں ہوگا یہاں حیدر شاہ نامی ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو یہیں کا باشندہ تھا چھوٹے موٹے کام کرلیا کرتا تھا اس نے کہا۔

"یہاں تو مکمل طور پر ہندوؤں کی حکمرانی ہے ہماری سرکار نے انہیں بڑی چھوٹ دی ہوئی ہے۔ بہت سے لیڈر ہیں ان کے اور صحیح معنوں میں یہاں ہندوستان جیسا ماحول نظر آتا ہے۔"

"اس کی وجہ کیا ہے؟"

"اللہ بہتر جانتا ہے۔"

"ان لوگوں کے ذریعے تمہیں کوئی دقت نہیں ہوتی۔"

"کیوں نہیں ہوتی جی! سارے کام انہی کے ہاتھوں میں ہیں۔ یہاں سے ٹولیاں جاتی ہیں تلکاشیا کے علاقے میں باہر سے بھی بہت سے یاتری آتے ہیں۔ جو تلکاشیا کی یاترا کرنے کے لئے جاتے ہیں۔"

"یہ تلکاشیا آخر ہے کیا چیز؟"

"بس جی یہ ایک مقام ہے اور وہاں ایک کالا مندر بھی ہے بڑی بڑی کہانیاں مشہور ہیں اس کالے مندر کے بارے میں ویسے اچھی خاصی آبادی ہے۔ پولیس چوکیاں ہیں سب کچھ ہے۔"

"اگر وہاں جانا چاہیں تو۔"

"کیا کرو گے جی وہاں جاکر کچھ بھی نہیں ہے وہاں تو۔"

"پھر بھی۔ وہاں میں نے سنا ہے کوئی بڑا ہی مہان سادھو ہے جس کا نام یدھ پال ہے۔ یدھ پال یا یگ پال یہ میں نہیں جانتا۔"

"یدھ پال' یدھ پال پر وہ ہے کہاں اس کے بارے میں تو عجیب وغریب داستانیں مشہور ہیں۔ صدیوں پہلے مرگیا تھا لیکن لوگ اسے زندہ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ امر ہے یعنی کبھی نہ مرنے والا۔

"رہتا کہاں ہے؟"

"کالے مندر میں۔"

"کیا اس تک آسانی سے پہنچا جاسکتا ہے؟"

"کیوں؟"

"یونہی بس ایسے ہی۔"

"یار! یہ بتاؤ کہ ہندو ہو یا مسلمان؟"

"نہیں بھائی! اللہ کے فضل سے مسلمان ہوں۔"

"تو پھر وہاں کیوں جانا چاہتے ہو؟"

"میں نے کہانا بس ایسے ہی مجھے شوق ہے۔"

"تو ایک بات بتاؤ میاں جی۔ مسلمان بن کر جاؤ گے تو چندیا بکھیر دی جائے گی یاتری بن کر جاؤ۔ آسانیاں ہوجائیں گی۔ ویسے سنا ہے بڑی خطرناک جگہ ہے۔"

"گئے ہو کبھی۔"

"نہیں بھائی میرا کوئی دماغ خراب ہے۔"

"چلو گے؟"

"اماں پاگل ہوگئے ہو کیا؟ تمہیں بھی منع کروں گا شوق دوسرے بھی ہوسکتے ہیں۔ وہاں جاؤ گے تو عذاب میں گرفتار ہوجاؤ گے۔" بہرحال اس شخص سے یہ معلومات کافی تھیں۔ مجھے یہ ساری باتیں پتہ چل گئیں کہ وہاں تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے۔ چنانچہ میں نے یہاں اودم پور میں اپنے لباس وغیرہ خرید لئے۔ یہ دیکھ لیا کہ ہندو یاتری کون کون سے لباس پہن کر کس طرح جاتے ہیں۔ اب ان کا سا بھیس اختیار کرنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ ربابہ کا پیار مجھے دربدر کئے ہوئے تھا اور نہ جانے کون کون سی مشکلوں کا سامنا کرنا تھا ابھی مجھے' غرض یہ کہ تمام تر تیاریاں کرنے کے بعد میں نے یاتریوں کا سا روپ اختیار کرکے تلکاشیا کی طرف قدم اٹھا دیئے۔ بہرحال قیام کے دوران میرے ذہن میں عجیب سے خیال آتے تھے اور میں یہ سوچتا تھا کہ صدیوں پرانی یہ کہانی آج نہ جانے کیوں زندہ ہوگئی ہے۔ اگر ربابہ ایسا ہی کوئی وجود ہے تو مجھے اس کے بارے میں صبر کرلینا چاہئے آخر میں ارمیز جیسا کیوں ہوں۔ ان ساری باتوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

غرض یہ کہ میرا یہ سفر جاری رہا اور پھر نہ جانے کب میں تلکاشیا پہنچ گیا۔ کالا مندر بڑا ہی ہولناک تھا پہاڑوں کے بیچ میں پھیلا ہوا تھا۔ یاتری کی حیثیت سے پورا پورا جائزہ لیا۔ پوجا پاٹ میں بھی حصہ لیا اور اپنا نام نرمل کمار رکھ لیا۔ بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ہندو مرد عورتیں' بچے سب ہی یاترا کے لئے آئے ہوئے تھے۔ پھر میں کالے مندر میں داخل ہوا اور اس کے بعد میں وہاں کے معمولات میں کھو گیا۔ دیوداسیوں کا رقص ساری کی ساری ایسی باتیں جن کا پہلے مجھ سے واسطہ نہیں پڑا تھا اور جن کے بارے میں' میں صرف میں نے سنا تھا کہ ہندو مندروں میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ اب یہ سب میری نگاہوں کے سامنے تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی یدھ پال کے بارے میں خاصی معلومات حاصل ہوگئی تھیں اور مجھے علم ہوگیا تھا کہ مندر کے بیچ و بیچ ایک تہہ خانے میں وہ عبادت کررہا ہے اور صدیوں سے زندہ ہے۔ خیر ہندوؤں کا تو سارا مذہب ہی دیویوں اور دیوتاؤں کی کہانیوں سے معمور ہے لیکن یہ کہانی بھی میرے لئے حیرت ناک نہیں تھی۔ البتہ میں اس سلسلے میں مزید معلومات یہ رکھتا تھا کہ یدھ پال کا ربابہ سے گہرا تعلق ہے۔ حیرانی کی بات یہ تھی کہ ربابہ ایک بالکل ہی الگ مذہب سے تعلق رکھتی تھی لیکن اس طرح وہ ہندوؤں کے پھیر میں آگئی تھی۔ میں یاتریوں کے ساتھ ایک جگہ مقیم ہوگیا تھا۔ مندر میں جاکر میں نے پوجا کی کارروائیاں دیکھی تھیں اور دل ہی دل میں توبہ کرکے یہ کہا تھا کہ ایک مقصد کے تحت مجھے ان جیسا روپ اختیار کرنا پڑ رہا ہے اور یہ مقصد میری زندگی کے لئے ایک الگ حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ میں ان لوگوں کی جو پیروی کروں گا اس کا دل سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ دیویوں' دیوتاؤں کے بت مندر میں بکھرے پڑے تھے اور ہر ایک اپنی پسند کے دیوتا کی عبادت کررہا تھا۔ بہرحال کوئی چھ دن تک میں یہ ساری کارروائی کرتا رہا تھا ساتواں دن تھا۔ دوپہر کی پوجا ہوچکی تھی اور مندر سنسان پڑا ہوا تھا کہ میں وہاں سے واپس نکلا تو گزرتے ہوئے دو پجاریوں نے مجھے غور سے دیکھا اور ایک جگہ رک گئے۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ آپس میں میرے بارے میں کچھ باتیں کرتے رہے ہوں۔ پھر دونوں میرے پاس پہنچ گئے اور ان میں سے ایک نے بھاری لہجے میں مجھ سے کہا۔

"پورن مہاراج۔" میں نے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر نرم لہجے میں کہا۔

"نہیں بھائی میرا نام........"

"جے ہو مہاراج کی۔ آپ اپنا نام جو کچھ بھی بتائیں لیکن ہمارا گیان آپ کو پورن کہتا ہے۔ ذرا آئیے ہمارے ساتھ۔"

"میں پورن نہیں ہوں۔"

"آیئے تو مہاراج! آپ کو ایک انوکھی بات بتاتے ہیں ہم آیئے۔" اس نے کہا اور نہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ان کی باتوں کے جال میں گرفتار ہوتا جارہا ہوں۔ پھر میں ان کے ساتھ چل پڑا اور وہ لوگ مجھے لئے ہوئے ایک انتہائی خوفناک حصہ میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک بہت بڑے بت کا سر بنا ہوا تھا زمین سے لے کر چھت تک یہ سر بنا ہوا تھا اور بڑی بڑی آنکھیں خوفناک انداز میں پھیلی ہوئی تھیں۔ گول منہ تھا جو کھلا ہوا تھا۔ وہ لوگ مجھے لئے ہوئے اس منہ کے اندر داخل ہوگئے۔ میں کسی قدر خوفزدہ ہوگیا تھا لیکن میں ان کے ساتھ چلتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے وہ ایک تہہ خانے میں لے گئے۔ یہاں کا ماحول بڑا سنسنی خیز اور ہیبت ناک تھا۔ میں نے تہہ خانے میں چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔ دیواروں میں بڑے خوفناک سر تراشے گئے تھے اور ماحول اس قدر ہیبت ناک تھا کہ دیکھ کر دہشت ہوتی تھی۔ پھر وہ دونوں سادھو جو مجھے یہاں لے کر آئے تھے ایک طرف چل پڑے اور ایک دروازے سے گم ہوگئے۔ میں دہشت بھری نگاہوں سے قرب وجوار کے ماحول کو دیکھتا رہا۔ اچانک ہی اس ہیبت ناک کمرے میں ایک ایسی گونج پیدا ہوئی جیسے مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں اور پھر ایک ہولناک آواز اُبھری۔

"کون ہے تو اور یہاں کیوں آیا ہے۔ تُو جانتا ہے کہ تو نہ پورن ہے نہ پرکاش! اس سے آگے جو کچھ ہے وہ خود بتائے گا جواب دے ورنہ۔"

"کون ہو تم سامنے آکر بات کرو میں جو کوئی بھی ہوں تمہیں سامنے آنے کے بعد بتاؤں گا۔" جواب میں مکھیوں کی بھنبھناہٹ تیز ہوگئی اور وہ آواز پھر ابھری۔

"تو تو اس طرح بتائے گا کہ دیکھنے والے دیکھیں گے۔ یہاں اس پوتر مندر میں تیرے ناپاک قدم آئے ہی کیوں تیرے بدن سے گوشت کی بو اٹھ رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تُو گوشت خور ہے۔ یعنی مسلمان۔"

"میں جو کوئی بھی ہوں تمہیں اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ پوچھنا چاہتے ہو تو میرے سامنے آکر پوچھو۔" جواب میں مکھیوں کی بھنبھناہٹ اچانک تیز ہوگئی۔ اتنی تیز کہ میرے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ دماغ عجیب سی کیفیت کا شکار ہوا جارہا تھا۔ مکھیوں کی تیز بھنبھناہٹ کی آواز اتنی تیز ہوگئی کہ میری سماعت متاثر ہونے لگی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے دماغ میں برچھے چل رہے ہوں۔ شدید کرب شدید اذیت کا عالم۔ میری آنکھیں چڑھ گئیں۔ ہونٹ ٹیڑھے ہوئے اور پھر میرے ہوش وحواس میرا ساتھ چھوڑ گئے۔ میں بے ہوش ہوچکا تھا۔

☆------☆------☆

ہوش اور ناہوش کا ایک ایسا کھیل جاری تھا جو نہ سمجھنے والا تھا۔ میں کبھی ہوش میں آجاتا اور کبھی مجھ پر غنودگی طاری ہوجاتی۔ ہوش میں آتا تو عجیب وغریب ماحول نگاہوں میں آجاتا۔ ذہن سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں تھا۔ میں فیصلے نہیں کرپاتا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ تاریکی تاریکی اور پھر تاریکی لیکن اس بار جب مجھے ہوش آیا تو میری آنکھیں جم گئی تھیں اور اب مجھ پر بے ہوشی کا حملہ نہیں ہوا تھا۔ اس وقت شاید رات تھی جس جگہ میں بستر پر لیٹا ہوا تھا یہ بڑا سا کشادہ جھونپڑے جیسا تھا۔ اوپر چھتری نما گول دائرے تھے۔ ایک طرف عجیب سی رنگین شمعیں تھیں پتہ نہیں یہ بجلی کا عمل تھا یا پھر کچھ اور لیکن رنگین روشنیاں ماحول کو منور کئے ہوئے تھیں ایک طرف کچھ کپڑے لٹکے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ایک طرف برتن رکھے ہوئے تھے۔ پانی کا چھوٹا تھرماس بھی تھا عجیب وغریب ماحول تھا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ اس ماحول سے میرا کیا تعلق ہے۔ مجھے یاد آیا کہ اس سے پہلے بھی میں نے اس جگہ اور اسی ماحول کو دیکھا ہے۔ غالباً یہ وہی ہوش اور ناہوش کے لمحات تھے۔ جب میں ہوش میں آتا تھا اور بے ہوش ہوجاتا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر تک میں اسی احساس میں ڈوبا رہا پھر یادداشت نے کچھ اور ساتھ دیا۔ تو مجھے احساس ہوا کہ جگہ جگہ پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔ ان پٹیوں کی وجہ کیا ہے اس کے بعد رفتہ رفتہ مجھے سب یاد آگیا۔ پھر اپنے آپ پر کچھ اور تجربے کرنے کا فیصلہ کرکے میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو باآسانی اٹھ گیا۔ ایک مسہری تھی جو مخصوص طرح کی بنی ہوئی تھی۔ رات کے اس پہر میں کوئی ساز بجایا جارہا تھا۔ بجایا نہیں بلکہ بجائے جارہے تھے۔ گھنگھروؤں کی ہلکی ہلکی جھنکار بھی گونج رہی تھی۔ یہ سب کچھ کیا ہے میں نے مزید کچھ جاننے کے لئے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں تو مجھے ایک دروازہ نظر آیا۔ باہر جانے کا راستہ تھا۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے سے باہر نکل آیا۔ باہر ایک خوشگوار رات پھیلی ہوئی تھی۔

ٹھنڈی ٹھنڈی پُرلطف ہواؤں کے ساتھ قرب وجوار میں اس طرح کے نوکدار اور جھونپڑے پھیلے ہوئے تھے۔ جن کے درمیان خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ کافی فاصلے پر ایک جگہ زمین میں مشعلیں نصب نظر آرہی تھیں اور ان کے سائے میں انسانوں کا ایک بڑا مجمع تھا۔ وہیں پر ساز بج رہے تھے' اور غالباً رقص ہو رہا تھا۔ وہ ساز عجیب و غریب قسم کے تھے۔ اور یہ جگہ اور یہ جھونپڑے نہ سمجھ میں آنے والے لیکن باہر خوشبوئیں بکھری ہوئی تھیں۔ ان میں درختوں کی خوشبو پھولوں اور پھلوں کی خوشبو شامل تھی۔ اس کا مطلب

تھا کہ جہاں یہ جھونپڑے موجود ہیں وہ جگہ خاصی سرسبز و شاداب ہے اور اس کا حسن یقینی طور پر بے مثال ہوگا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جگہ آخر ہے کون سی؟ یہ تجسس دل میں تھا سازوں کی آواز اور گھنگھروں کی جھنکار میرے قدم آگے بڑھا رہی تھی اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب میرے پیروں کے اٹھنے کا عمل ان سازوں سے منسلک ہوگیا ہو۔

آہستہ آہستہ اپنا راستہ طے کرتا ہوا میں آخر کار اس جگہ تک پہنچ گیا جہاں وہ رقص ہو رہا تھا۔ لمبے لمبے سیاہ لباسوں میں ملبوس لوگ مرد' عورتیں' بچے رقص سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ مجمع کے درمیان ایک شعلہ بھڑک رہا تھا۔ بلاشبہ ایسا ماحول بعض اوقات انسانی ذہن پر ایک عجیب سا سحر طاری کردیتا ہے۔ ایک لمحے کے اندر اندر مجھے بھی یہی احساس ہوا تھا کہ رقص کرنے والی کوئی مافوق الفطرت ہستی ہے۔ ایک عجیب وغریب مخلوق جو رقص ہو رہا تھا اسے انسانی رقص نہیں کہا جاسکتا تھا۔ وہ سفید لباس میں ملبوس تھی۔ چہرہ نقاب سے ڈھکا ہوا تھا۔ آنکھیں اس طرح چمک رہی تھیں جیسے رات میں بجلی کا بلب اور بدن اس طرح تھرک رہا تھا جس پر نگاہیں جمانا مشکل ہو جائے۔ سازوں کی لے تیز سے تیز ہوتی جارہی تھی۔ گھنگھروؤں کی جھنکار طوفانی تھی اور وہ رقص کر رہی تھی۔ اس کا بے مثال جسم کمال کا منظر پیش کر رہا تھا۔ سفید سفید ہاتھ۔ سفید سفید بازوؤں اور سفید لباس میں بس یوں لگتا تھا جیسے آسمانوں سے کوئی بجلی کڑک کر نیچے آئی ہو اور اس کے بعد رقصاں ہوگئی ہو۔ دیکھنے والے ساکت تھے اور اس کا رقص جاری تھا یہاں تک کہ سازوں کی آواز دم توڑ گئی اور ساز بجانے والے تھک گئے۔ وہ اس کے جسم کا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ساز بند ہوگئے وہ تھرکتی رہی اور اس کے بعد آہستہ آہستہ اس کے بدن میں سستی آتی گئی۔ پھر ایک نغمہ بار قہقہہ ابھرا اور ایک آواز جو ایک لمحے تک سمجھ نہیں آئی تھی میں ان الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا اور فوراً ہی مجھے احساس ہوا کہ عربی زبان میں کچھ کہا گیا ہے انداز ایسا تھا جیسے وہ سازندوں کو شرم دلا رہی ہو اور کہہ رہی ہو کہ ان کے ہاتھ اس کے رقص کا ساتھ نہیں دے سکے۔ پھر اس نے اپنے چہرے سے نقاب کھولی۔ ہنسی اور ایک بوڑھے شخص کی طرف دیکھ کر اسے کچھ کہا۔ بجلی سی چمک گئی تھی۔ بہت ہی حسین لڑکی تھی۔ پتہ نہیں سارے ہی لوگ اس کی طرح حسین تھے یا پھر وہ یہاں کے حسن میں بے مثال تھی۔ اس نے نقاب دوبارہ اپنے چہرے پر لگائی اور اس کے بعد مجمع کی جانب بڑھ گئی۔ مجمع نے اسے جگہ دے دی اور وہ اس کے درمیان سے باہر نکل گئی لیکن میں دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ لوگ منتشر ہونا شروع ہوگئے۔ دفعتاً ہی ایک بوڑھے کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ میرے پاس آیا۔ اس کے چہرے پر انتہائی خوشی کے

آثار تھے۔ اس نے کہا۔

"تم......... تم ٹھیک ہو۔ آہ......... واقعی تم تو بالکل ٹھیک نظر آرہے ہو۔ کیا تم اپنے پیروں سے چلتے پھرتے یہاں تک پہنچے ہو۔" میں نے غور سے اس شخص کو دیکھا۔ سانولا چہرہ جاندار نقوش۔ داڑھی سفید تھی لیکن جسم بہت توانا نظر آرہا تھا۔ آنکھوں میں زندگی دوڑ رہی تھی۔ اس نے میرا بازو پکڑا اور بولا۔

"آؤ......... واپس چلو۔ بے شک تم نے ایک جرأت مندانہ قدم اٹھایا ہے اور میں پہلے ہی یہ بات کہہ چکا تھا کہ تم ایک جرأت مند انسان ہو ورنہ زندگی سے لڑنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ آؤ......... میرے ساتھ میرا سہارا لو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"جناب......... میں آسانی سے چل پھر سکتا ہوں لیکن میرا ذہن شدید حیرت میں ڈوبا ہوا ہے۔"

"میری خوشیوں کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ یوں سمجھ لو کہ میں نے ایک انسان تخلیق کیا ہے۔ خدا سے ڈرتا ہوں بری بات کہہ رہا ہوں۔ میرے کہنے کا مقصد کچھ اور ہے۔ تم اس قدر ٹوٹے پھوٹے تھے کہ تمہیں جوڑنا آسان کام نہیں تھا لیکن میں نے آخر تمہیں جوڑ لیا۔" وہ بولا اور خود ہی ہنس پڑا۔ اس نے مجھے اپنا بازو پیش کردیا تھا۔ میں چل سکتا تھا لیکن میں نے اس بوڑھے کی رہنمائی قبول کرلی اور بوڑھا تھوڑی دیر کے بعد مجھے اسی جھونپڑے میں واپس لے آیا۔

"بیٹھو اور اب تم یہ بتاؤ کہ تم ہوش میں کیسے آئے؟"

"میں سوتے سوتے جاگ گیا تھا اور پھر میں نے تمام ماحول کو دیکھا۔ سازوں کی آواز سنی۔ اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل آیا۔"

"کیا تم اس بات پر یقین کرسکتے ہو کہ تم سترہ دن کے بعد اس طرح ہوش میں آئے ہو۔"

"آپ کہیں گے معزز بزرگ تو میں لازمی طور پر یقین کرلوں گا۔"

"مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے لوگوں کو بتاؤں گا تو وہ خوشی سے دیوانے ہوجائیں گے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میں اس قبیلے کا حکیم ہوں تم مجھے بابا کہہ سکتے ہو جبکہ میرا نام لاروش ہے۔"

"محترم بزرگ! کیا میں آپ سے معلوم کرسکتا ہوں کہ میں آپ کو کب اور کہاں اور کیسے ملا؟"

"سیدھی سیدھی بات ہے جس دنیا سے تمہارا تعلق ہے تھوڑا بہت اس کے بارے

میں ہم بھی جانتے ہیں کیونکہ ہم بھی اس سے لاتعلق نہیں ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ ہمارا چھوٹا سا قصبہ یہاں آباد ہے۔ ہم اپنے طور پر زندگی گزارتے ہیں۔ مطمئن ہیں یہاں بس ہمارے پڑوسی بہت غلط ہیں اور ہم ان سے بہت پریشان رہتے ہیں۔ حالانکہ ہم امن پسند انسان ہیں لیکن پھر بھی کبھی کبھی ہمیں ان سے جنگ کرنا پڑتی ہے۔ گو یہ جنگ ابھی کوئی بڑی جنگ نہیں بنی ہے لیکن خطرہ ہے کہ کہیں وہ لوگ ہمیں ختم کرنے پر نہ تل جائیں۔"

"مجبوراً آپ نے اپنے آپ کو مضبوط بھی کیا ہوگا۔"

"ہاں مجبوراً کا لفظ تم نے بالکل صحیح استعمال کیا۔ جب بھی ان سے سرحدی جھڑپیں ہوئی ہیں ہم نے انہیں خود پر غالب نہیں ہونے دیا اور وہ لوگ ہماری طاقت کا اندازہ لگانے کے بعد یہ ہمت نہیں کرسکے۔ ہم نے اپنے اطراف بہت مضبوط کر لئے ہیں۔ بس ایک ہی راستہ ہے جس سے وہ ہم پر حملہ آور ہوسکتے ہیں لیکن انہوں نے ابھی تک اس کی جرائت نہیں کی ہے۔ ویسے ہم نے اس راستے کو بھی محفوظ جگہ بنالیا ہے۔ دیکھو اللہ مالک ہے۔" بہرحال بڑی سادہ سی بات تھی۔ میں اس سے معلومات حاصل کرتا رہا پھر اسے پتہ چلا کہ یہ قصبہ ایمناس کے نواحی علاقوں میں شمار ہوتا ہے ایمناس کے نام پر مجھے ربابہ یاد آگئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے میرا دل چاہا کہ حکیم سے اس بارے میں بھی پوچھوں لیکن حماقت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ پھر اس کے بعد نئی دلچسپی کا آغاز ہوا۔ لاروش کے ساتھ بڑا اچھا وقت گزر رہا تھا۔ میں یہاں کے ماحول سے پوری طرح واقفیت حاصل کرتا جارہا تھا۔ قبیلہ سادال عربی نسل سے تھا اور اس کے طور طریق اسی کے مطابق۔ یہاں وہ لوگ مختلف چیزوں کی کاشت کرتے تھے۔ اونٹ' گھوڑے اور بھیڑیں ان کا سرمایہ تھیں اور ایک روایتی انداز اختیار کئے ہوئے تھے۔ مشرق میں ریت کے وسیع وعریض میدان جس جگہ پر یہ قبیلہ آباد تھا وہ ساحل سے قریب ہونے کی وجہ سے بے پناہ سرسبز وشاداب تھی پھر اپنی جغرافیائی کیفیت کے مطابق یہاں پہاڑیاں اور ان سے گرنے والے دریا بھی تھے جو بہت مختصر فاصلہ طے کرکے سمندر کا راستہ اختیار کرتے تھے۔ ایک اپنا ماحول ایک اپنی زندگی تھی یہاں کی اپنے آپ میں مگن کبھی کبھی کوئی چھوٹا موٹا جہاز جو اسی علاقے کے لوگوں کا ہوتا تھا۔ ساحل سے آلگتا اور اس میں زندگی کی ضرورتیں آجاتیں۔ غالباً ان لوگوں کا کوئی معاہدہ تھا ان سے۔ دلچسپی کی بات یہ تھی کہ اس دن کی صبح جو شخصیت اس جھونپڑے میں داخل ہوئی اسے دیکھ کر ذہن میں ایک لذت کا احساس ابھرا تھا۔ قد تقریباً پانچ فٹ نو انچ۔ جسم انتہائی متناسب کسی جانور کی ہلکی کھال سے لپٹی ہوئی اور کسی جانور کی کھال کی پٹی ماتھے پر بندھی ہوئی۔ گہری اور بڑی سیاہ آنکھیں۔ حسین نقوش

یہ وہی رقاصہ تھی جس کی ایک جھلک میں نے اس رات دیکھی تھی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ تو بڑی دل آویز اور حسین تھی۔ سفید دانت جھانکے۔ اس نے عربی زبان میں مجھ سے کوئی سوال کیا لیکن میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہا۔ تب لڑکی کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ مسکراتے ہونٹوں کے پیچھے جو دانت جھلک رہے تھے وہ موتیوں کی طرح تھے۔ وہ قریب آئی اور اس نے آگے آکر کہا۔

"رشیمہ............ رشیمہ۔" یہ الفاظ اس نے دو مرتبہ کہے اور پھر اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور دوسرے لمحے آہستہ سے انگریزی زبان میں بولی۔

"کیا تم عربی زبان نہیں سمجھتے۔" میں حیران رہ گیا تھا میں نے ایک دم مسکراتے ہوئے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں۔ واقعی میں عربی زبان سے ناواقف ہوں۔"

"چلو کوئی بات نہیں۔ انگریزی تو جانتے ہو اور یہ خوشی کی بات ہے۔ کیا تمہیں اس بات کا پتہ ہے کہ میں تمہیں جانتی ہوں۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں نے کہا۔

"بہت سی خامیاں ہیں میرے اندر۔ جن میں سے ایک خامی یہ بھی ہے کہ مجھے اس بات کا پتہ نہیں تھا کہ آپ مجھے جانتی ہیں۔" وہ ایک دم ہنس پڑی پھر بولی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ اب تو تمہیں پتہ چل گیا۔ اصل میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مجھے یہ پتا تھا کہ تم ایک حادثے کے تحت یہاں پہنچے اور ہمارے آدمی تمہیں لے کر یہاں آگئے لیکن میں نے تمہیں دیکھا نہیں تھا۔ بس سنا تھا۔ تمہارے بارے میں ویسے اس وقت حکیم لاروش کہاں ہے۔"

"میں نہیں جانتا اگر وہ باہر موجود نہیں ہیں تو شاید کہیں آس پاس موجود ہوں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"خیر مجھے ان سے کوئی خاص کام بھی نہیں ہے۔ تم یہاں اس جھونپڑے میں اپنے آپ کو تنہا محسوس نہیں کرتے۔ حکیم لاروش تو بہرحال مصروف رہتے ہوں گے۔ تم اگر چاہو تو میرے ساتھ باہر چلو۔" اس کی یہ پیش کش مجھ سے ٹھکرائی نہ گئی۔ میں نے کہا۔

"اگر تم میرے ساتھ باہر چلنا چاہتی ہو تو یہ میرے لئے خوشی کا مقام ہے۔ میں بہرحال یہاں کے لوگوں سے تعارف حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو آؤ............" وہ بولی۔ اور ہم باہر نکل گئے۔

"گفتگو نہیں کر رہے تم باتیں کرتے چلو۔ ویسے میں تمہیں بتاؤں تم مجھے بہت پسند

آئے ہو۔ بہت زیادہ حالانکہ میں جب حکیم لاروش کے گھر کی جانب چلی تھی تو میرے ذہن میں ایسا کوئی تصور نہیں تھا لیکن اب.......... خیر چلو کوئی بات نہیں ہے۔ یہ سب کچھ بہت اچھا ہے۔" وہ جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھی اس نے کہا۔

"کیا تم روزانہ مجھ سے ملاقات کرو گے۔"

"میں تو یہاں تنہا ہوں اور یہ نہیں جانتا کہ کب تک مجھے یہاں رہنا پڑے گا۔"

"اوہ۔ کیا تمہارے دل میں یہاں سے جانے کی آرزو مچل رہی ہے؟" میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بولی۔

"خیر جب تک تم یہاں ہو میں روزانہ تم سے ملنے آؤں گی۔ میرے باپ کا نام ارشمن ہے۔"

"ارشمن۔"

"ہاں.......... وہ اس قبیلے کا ایک معزز فرد ہے اور لوگوں کا خیال ہے کہ وہ پُراسرار عمل جانتا ہے۔"

"پُراسرار عمل؟"

"چھوڑو.......... بہت ساری باتیں بعد کے لئے بھی رہنے دی جائیں گی۔ ویسے یہ سمجھ لو کہ اس کے پس منظر میں کوئی کہانی نہیں ہے۔"

"میں اس بات کو نہیں مانتا۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"ہر انسان کی ایک کہانی ہوتی ہے۔ پیدا ہوتا ہے چھوٹے چھوٹے واقعات پیش آتے ہیں ان میں کچھ دلچسپ واقعات بھی ہوتے ہیں اور کچھ ناپسندیدہ ایسے ہی کہانیاں بنتی ہیں۔"

"ہاں.......... یہ تو ٹھیک ہے لیکن تمہاری بھی تو کوئی کہانی ہوگی۔"

"میری کہانی بھی ایسی ہے اس کا اختتام یہ ہے کہ میں انسانوں سے دوستی کا خواہش مند ہوں اور تم مجھے ایک اچھی لڑکی معلوم ہوتی ہو۔ چنانچہ میں تم سے دوستی چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم اتنی باتیں نہ بھی کہتے تو بھی میں تمہاری دوست ہوں۔"

"کیا واقعی..........؟"

"ہاں.........." اس نے جواب دیا۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مختصر سی ملاقات میں۔"

"کوئی ملاقات مختصر نہیں ہوتی۔ بعض اوقات چھوٹی سی ملاقات بڑی حیثیت رکھتی ہے۔"

"ٹھیک ہے بہرحال میں نہیں جانتا کہ میری آمد کو یہاں کس انداز میں دیکھا گیا ہے۔"

"کچھ نہیں۔ ایسے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں اور ان کا کوئی پس منظر نہیں ہوتا۔" پھر ہم لوگ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ سامنے سے حکیم لاروش آتا نظر آیا۔ اس نے ہم دونوں کو ساتھ دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا اور بولا۔

"واہ! یہ تو میں بہت اچھا منظر دیکھ رہا ہوں۔ چلو ٹھیک ہے۔"

"میں تمہارے پاس آئی تھی حکیم لاروش! لیکن یہ مجھے مل گئے اور میں ان سے باتیں کرنے لگی۔ ویسے بہت اچھے انسان ہیں یہ۔ تمہارے پاس آنے کا بھی کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ بس یونہی تم سے ملنا چاہتی تھی۔"

"تو آؤ بیٹھو تھوڑی دیر۔"

"نہیں میرا خیال ہے اب مجھے چلنا چاہئے۔" جب وہ چلی گئی تو حکیم لاروش نے کہا۔

"وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ صحیح معنوں میں ایک انسان دوست لڑکی! ویسے اس نے تمہیں اپنے بارے میں کچھ نہ کچھ تو بتایا ہوگا۔ ارشمن ہمارے ہاں ایک پُراسرار قوت کا حامل ہے۔ اس کا خاندان پُراسرار خاندان کہلاتا ہے۔ وہ الگ تھلگ رہتا ہے۔ رشمیہ اس کی بیٹی ہے اور رشمیہ کے نام کے ساتھ بھی کچھ ایسی پُراسرار روایات وابستہ ہیں۔ جن کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا۔

خیر چھوڑو ہمیں کسی کے بارے میں اتنی زیادہ گفتگو نہیں کرنی چاہئے۔ ویسے وہ تمہاری دوست بن گئی ہے تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔ ہاں سنو تندرست ہو جاؤ اور یہاں کے ماحول سے دل گھبرانے لگے تو مجھے بتانا کہ آگے کیا کرنا چاہتے ہو۔" میں نے حکیم لاروش کو ایسی خاص بات نہیں بتائی لیکن درحقیقت رشمیہ کی قربت میرے لئے باعث دلچسپی بن گئی تھی۔ گو میرے دل میں رشمیہ کے لئے کوئی ایسا جذبہ نہیں پل رہا تھا جو ایک خوبصورت لڑکی کے لئے مرد کے دل میں پلتا ہے۔

لیکن پھر بھی رشمیہ کی قربت سے مجھے بہت خوشی محسوس ہوئی تھی۔ رشمیہ مجھ سے روزانہ ہی ملاقات کرنے کے لئے آتی تھی اور میرے دل میں اس کے لئے بہت سے جذبے پیدا ہوگئے تھے لیکن ان جذبوں میں رشمیہ کو حاصل کرنے کا تصور نہیں تھا۔ آہستہ

آہستہ وقت گزرتا رہا اور بہت سے ایسے معاملات ہوئے جن میں مجھ کو عجیب سا احساس ہونے لگا۔ پھر ایک دن ایک شخص ادھر آیا اور اس نے عجیب حالات سنائے۔ یہ بردہ فروشوں کی بستی کے لئے قبیلے کا جاسوس تھا اس نے بہت سی باتیں بتاتے ہوئے ایک ایسا تذکرہ کیا جس نے مجھے اس کی جانب متوجہ کردیا اس نے کہا۔

"وہ وحشت کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ لڑکیوں کو بھی وہ آپس میں بانٹ لیتے ہیں پھران کی ہوس پوری کرنے کے بعد جب ان کا دل ان لڑکیوں سے بھر جاتا ہے تو پھر یا تو وہ انہیں قتل کر دیتے ہیں یا پھر ایسے کاموں پر لگا دیتے ہیں جو غلام کیا کرتے ہیں۔" میرے دل کو شدید دکھ کا احساس ہوا تھا لیکن میری تو خود عقل میرا ساتھ نہیں دیتی تھی۔ میں یہاں کیا تھا۔ یہاں کیوں رہا تھا پھر میری سمجھ سے باہر تھا۔

پھر ایک دن رشمیہ نے کہا۔

"میں نے رشمن کو تمہارے بارے میں تفصیلات بتائی تو اس نے کہا کہ وہ اپنے علم سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"میرے بارے میں اس کی کیا رائے ہے۔"

"اتنی جلدی کوئی رائے کیسے قائم کی جاسکتی ہے۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر کے لئے خاموشی طاری ہوگئی۔ رشمیہ کی سرخ سی آنکھوں میں مسکراہٹیں جھانک رہی تھیں۔ اس نے کہا۔

"کیا سوچنے لگے۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"پھر بھی۔"

"تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"کیا.........؟"

"رشمن عام لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں سوچتا لیکن جس کے بارے میں سوچتا ہے اس کا مقصد ہے کہ اس کی اپنی کوئی الگ حیثیت ہوتی ہے۔"

"شاید یہ کہا جاسکتا ہے۔" کافی دیر تک وہ میرے ساتھ بیٹھی رہی پھر بولی۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں۔"

"کل آؤ گی.........؟" میں نے سوال کیا اور وہ ایک دم خوش ہوگئی۔

"تم میرا انتظار کرتے ہونا۔"

"ہاں تم میری بہت اچھی دوست ہو۔"

"میں آؤں گی۔"

"کب.........؟"

"دن کی روشنی میں، سورج کے ساتھ ساتھ۔" اس نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلادی۔ وہ چلی گئی اور میں گہری سانسیں لینے لگا۔ عجیب سی کیفیت تھی میری۔ میری دشمن میری تقدیر ہی تھی اور میرا خیال تھا کہ تقدیر بلاوجہ مجھ پر ظلم کر رہی ہے۔ نہ کچھ بن رہا تھا نہ بگڑ رہا تھا ساری زندگی سکھ سے گزاری تھی اور اب دکھوں کی باری تھی۔ خاص طور سے یہاں آنے کے بعد تو زندگی بالکل قید ہوکر رہ گئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ ربابہ بہرحال اپنے طور پر ایک الگ حیثیت رکھتی تھی اور اگر میں دونوں کا تجزیہ کرتا تو رشمیہ کی نسبت اسے ربابہ سے زیادہ دلچسپی محسوس ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ایک دن میں نے حکیم لاروش سے کہا۔

"میری زندگی ایک مشکل سے دوچار ہے حکیم لاروش!" یہ کہہ کر میں نے ساری کہانی اسے سنادی تو وہ بولا۔

"آہ......... ربابہ، وہ ان بردہ فروشوں کی قیدی ہے۔"

"کیا......... یہ کیسے ممکن ہے۔"

"ممکن ہے میرے عزیز......... اور تم پر یہ لازم ہے کہ اس کو ان کے چنگل سے نکالو۔ میں تمہارے لئے وہاں تک جانے کا انتظام کروں گا۔" یہ بات رشمیہ کو معلوم ہوئی تو اس نے کہا۔

"کیا تم اس لڑکی سے محبت کرتے ہو۔" اس کے اس سوال پر میں تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوگیا پھر میں نے مدھم لہجے میں کہا۔

"حقیقت یہ ہے رشمیہ کہ میں نے اس کا فیصلہ بھی ابھی تک نہیں کیا ہے۔ ویسے اس میں شک نہیں کہ میرے دل میں اسے بچانے کا جذبہ موجود ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میں زندگی کی بازی لگا کر اسے بچانے کی کوشش کروں۔" میں نے صاف محسوس کیا تھا کہ رشمیہ کا چہرہ بجھ گیا ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک چٹان کے پیچھے چلی گئی۔

"رشمیہ! میری بات سنو۔ میں پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ ایک اچھی دوست سمجھتا ہوں تمہیں لیکن کبھی میرے دل......... بات تو سنو......... ادھر آؤ میرے پاس۔" میں اپنی جگہ سے اٹھ کر چٹان کی جانب چل پڑا لیکن چٹان کے پیچھے پہنچ کر میں حیران رہ گیا۔ رشمیہ کا وہاں نام ونشان نہیں تھا۔ میں اِدھر اُدھر

دیکھنے لگا۔ تاحد نظر جو ماحول نظر آرہا تھا اس میں رشمیہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔

ادھر حکیم لاروش نے واقعی پانچ افراد کا بندوبست کردیا۔ چھ گھوڑے تیار کر دیئے۔ وہ انتہائی نفیس انسان تھا۔ اس نے محبت بھرے انداز میں مجھے رخصت کرتے ہوئے کہا۔

"حالانکہ میرا دل نہیں چاہتا کہ میں خود کو تم سے جدا کروں۔ اس دوران مجھے تم سے بے پناہ محبت ہوگئی ہے لیکن تمہارا اپنا مسئلہ بھی بالکل مختلف ہے اور سنو! اگر تمہیں تمہاری مطلوبہ لڑکی مل جائے تو میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ واپس یہاں آجانا۔ اپنی دنیا میں واپس جانا چاہو گے تو مجھ سے بہتر ذریعہ فراہم کرنے والا تمہیں نہیں ملے گا۔ میں کوشش کرکے کسی نہ کسی طرح تمہیں تمہاری دنیا تک پہنچا دوں گا اور اگر ہماری ہی اس دنیا میں آباد ہونا چاہو تو ایک باعزت مقام تمہارا منتظر ہے۔ میں رشمن سے کہہ کر تمہارے لئے اور بھی بہت سا بندوبست کرادوں گا۔ شاید تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو۔"

"میں اس سلسلے میں کوئی بہتر فیصلہ کروں گا۔" اور پھر میں وہاں سے چل پڑا تھا۔ لاروش کے فراہم کردہ فرد ان راستوں کو جانتے تھے۔

بہرحال ریگستان کا سفر طے کیا گیا جو خاصا مشکل تھا اور آخر کار ایک ایسا حصہ نظر آیا جو سرسبز و شاداب تھا بلکہ سبزے اور شادابی میں اس طرف سے بھی زیادہ حسین تھا۔ جدھر سے یہاں آیا تھا اور جدھر سادال قبیلہ آباد تھا۔ بڑے بڑے حسین قطعات چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ باغ لگے ہوئے تھے اور ان کی ترتیب بالکل مہذب آبادیوں کی سی تھی۔ حالانکہ باقی قبیلے ذرا غیر مہذب معلوم ہوتے تھے لیکن اس جگہ کی کیفیت بہت مختلف تھی۔ پھلوں کی قطار تو اس طرف بھی تھی لیکن اس میں کوئی ترتیب نہیں تھی جبکہ یہاں اس علاقے میں ایک خاص ترتیب نظر آرہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس طرف کے رہنے والے جدید دنیا کے معاملات سے پوری طرح واقفیت رکھتے ہیں۔

"اس جگہ سے آگے ان کی آبادیاں شروع ہوجاتی ہیں اور اگر ہم نے یہ سرحد عبور کرلی تو خطرات کی گود میں پہنچ جائیں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ادھر کے بارے میں مؤثر منصوبہ بندی کرلی جائے۔"

"آپ لوگ میرے رہنما ہیں۔ آپ لوگ مجھے مشورہ دیجئے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"بائیں سمت غاروں کا ایک طویل سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ ہم اگر وہاں قیام کریں اور پھر خفیہ طور پر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی جائے کہ قیدی لڑکیاں کہاں رکھی گئی ہیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔"

"ٹھیک ہے ہمیں ادھر کا رخ کرنا چاہئے۔" میں نے کہا۔ غاروں کا یہ سلسلہ طویل وعریض تھا لیکن یہ غار بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔ ان میں نہ تو گھوڑے سما سکتے تھے اور نہ ہم اپنے آرام کی جگہ تلاش کرسکتے تھے۔ چنانچہ ایک ایسی مؤثر جگہ تلاش کی گئی۔ جہاں دوسرے قبیلے والوں سے چھپا جاسکے اور اس کے بعد ہم لوگوں نے اپنے کھانے پینے کا بندوبست کیا۔ وہ افراد جو میرے ساتھ آئے تھے وہ جگہ بنا کر آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے اور میں تھوڑے فاصلے پر یہ سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ رات خاصی گزر چکی تھی۔ موسم اور ماحول کے اثر کی وجہ سے مجھے نیند آنے لگی تھی اور میں پریشانیوں کی دھند سے تنگ آکر سونے کے لئے لیٹ گیا تھا۔

رات آدھی کے قریب گزری تھی کہ اچانک ہی میرے کانوں میں ایک زوردار چیخ ابھری اور میں اچھل پڑا لیکن اس سے قبل کہ میں کچھ سمجھ سکوں۔ اچانک ہی مجھے بے شمار انسانی چیخیں سنائی دیں اور میں اچھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے سامنے کا منظر دیکھا اور میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ میرے ساتھ آنے والے وہ پانچوں افراد کچھ مشعل برداروں کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ وہ وحشی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں ان کی موجودگی کا علم ہوگیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ لوگ ان کے نرغے میں آکر زخمی ہونے لگے۔ پھر میں نے انہیں گرتے ہوئے دیکھا ابھی تک حملہ آوروں کی توجہ میری طرف نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے غاروں کا عقبی راستہ اختیار کیا اور تاریکی میں دیوانہ وار دوڑ پڑا۔ میرے پیچھے بھیانک چیخیں ابھر رہی تھیں لیکن اب میں صرف اپنی زندگی بچانے میں مصروف تھا اور بہت برق رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ چاند آسمان پر روشن تھا اور میرا سایہ کھردری زمین پر پڑ رہا تھا لیکن میں نے اپنے آپ سے چند گز کے فاصلے پر ایک اور سایہ اپنے ساتھ دوڑتے ہوئے دیکھا۔

صبح کی روشنی پھوٹنے لگی تھی اور اب میرے پاؤں بے جان ہوتے جارہے تھے۔ میری قوتیں ختم ہوگئی تھیں۔ میں اب دوڑنے میں تھکن محسوس کررہا تھا۔ حالانکہ رات میں انجانے راستوں پر کچھ راستے ایسے بھی ہوسکتے ہیں جہاں موت میرا استقبال کرتی لیکن ایسا لگتا تھا وہ سایہ میری رہنمائی کررہا ہو۔ کئی بار اس نے راستے بدلے اور میں بے اختیار ان راستوں پر دوڑ پڑا۔ بعد میں مجھے احساس ہوا کہ اگر وہ راستے تبدیل نہ کئے جاتے تو گھرے کھڈ میرا استقبال کرتے۔ بہرحال اب میرے دوڑنے کی رفتار کم ہوگئی اور پھر آہستہ آہستہ میں اپنی جگہ رک گیا۔ جس جگہ میں رکا تھا وہاں سے چند گز کے فاصلے پر ایک گھنے جنگل کا آغاز ہوتا تھا درختوں کے آپس میں جڑے ہوئے جھنڈ ہر صورت میں

چھپنے کے لئے بہترین ثابت ہو سکتے تھے۔ ابھی تک مجھے اندازہ نہیں ہوا تھا کہ حملہ آوروں نے مجھے دیکھا یا نہیں۔ اگر دیکھ لیا تو مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ مجھے گرفتار کریں یا میرا مقابلہ کیا جائے۔ ہو سکتا ہے رات کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔ بہرصورت یہ سارا ماحول میرے لئے اجنبی تھا۔ یہ راستے' یہ زمین سب کچھ اجنبی' اس لئے اپنے طور پر اپنا بندوبست کرنا ضروری تھا۔ رکنے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پھیپھڑے پھٹ جائیں گے۔ سانس تھی کہ سینے میں سما ہی نہیں رہی تھی۔ میں نے بمشکل اپنی دائیں سمت دیکھا پُراسرار سایہ اب بھی یہاں موجود تھا۔

میں زمین پر بیٹھ گیا۔ اتنے عرصے ان علاقوں میں رہنے کی وجہ سے میں مختلف جانوروں کی آوازوں سے بھی واقف ہو گیا تھا۔ میرے کانوں میں جو آوازیں آ رہی تھیں وہ بہت عجیب وغریب تھیں۔ کہیں لکڑبگے بھونک رہے تھے۔ کہیں شیر کی غراہٹ سنائی دے جاتی تھی۔ ان آوازوں نے تھوڑا سا خوف دل میں پیدا کر دیا تھا حالانکہ نیند اس قدر شدید آ رہی تھی کہ پلکیں کھل ہی نہیں رہی تھیں لیکن جب بھی شیر کی آواز سنائی دیتی تو میں چونک پڑتا۔ بہرحال میری حالت کافی خراب ہونے لگی۔ دل چاہ رہا تھا کہ نیند آ جائے۔ سانسیں اعتدال پر آتی جا رہی تھیں لیکن بدن سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب زندگی بھر اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر اٹھ نہیں پاؤں گا۔ ہرچند کہ اس وقت اتنی خطرناک کیفیت محسوس ہو رہی تھی لیکن بڑی پریشانی کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ انسان اپنی تقدیر کے ہر پہلو سے آگاہ نہیں ہوتا۔ مجھے کبھی اس طرح عرب کے صحراؤں میں بھٹکنا پڑے گا' میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ بہرحال نیند نے انسان کے ذہن کو بڑی سکون بخش کیفیات مہیا کی ہیں۔ اس وقت بھی یہی کیفیت تھی پتہ نہیں کب تک سوتا رہا۔

☆======☆======☆

آنکھ کھلی اور میں نے ماحول کا جائزہ لیا تو آسمان ابر آلود نظر آیا۔ سورج یقینی طور پر اپنی آخری منازل طے کر رہا تھا گویا میں پورا دن سوتا رہا تھا۔ بہرحال یہ نیند مجھے کسی طرح نقصان پہنچا سکتی تھی لیکن میرا رہنما سایہ' ایک عجیب سا لگاؤ ایک عجیب سا پیار میرے دل میں ابھر آیا۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلائی۔ شام ہو گئی بہرحال اب کیا کرنا چاہئے اب کچھ سوچنا تھا پورا سونے کی وجہ سے تھکن تو دور ہو گئی تھی اور جسم ذرا بہتر کیفیت کا اظہار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک میں سوچتا رہا پھر میں نے فیصلہ کیا کہ ابھی رات ہونے میں دیر ہے۔ اس لئے جنگل میں داخل ہو کر کچھ ایسے جنگلی پھلوں کو تلاش کرنا

چاہئے جنہیں کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی جا سکے۔ جنگل اس قدر گھنا اور درخت آپس میں جڑے ہوئے تھے کہ ان کے درمیان رخنے تو تھے لیکن رخنوں میں بھی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اس جنگل میں کبھی انسانی قدم نہ پہنچے ہوں۔ میں کچھ لمحے سوچتا رہا اس لمبی لمبی گھاس میں داخل ہوتے ہوئے بڑا خوف محسوس ہوتا تھا لیکن پھر دفعتاً ہی میری نگاہ ایک طرف اٹھ گئی۔ ہرے ہرے پتوں میں چھپے ہوئے سرخ رنگ کے پھل نظر آ رہے تھے۔ بالکل لگتا تھا جیسے مصنوعی ہوں لیکن پھلوں کی شکل تھی۔ اس لئے بھوک کے عالم میں' میں اس وقت ہر طرح کی تشویش کو بھول گیا اور تیزی سے آگے بڑھ کر درخت تک پہنچ گیا۔ پکے ہوئے پھل میری بھوک کو اور بڑھا رہے تھے چنانچہ مجھ سے انتظار نہ ہو سکا اور میں درخت کے نیچے پہنچ گیا۔ درخت زیادہ اونچا نہیں تھا اور میرے ہاتھوں کی پہنچ اس کے ان پھلوں تک ہو سکتی تھی۔ ایک پھل توڑ کر میں نے ذرا سا چکھا مزہ ہی آ گیا۔ اتنا لذیذ پھل تھا کہ میری بھوک چمک اٹھی اور میں نے پھل کھانے شروع کر دیئے۔ قدرت کی فیاضی اور اس کی مہربانی کا کہاں تک ذکر کیا جائے۔ ہر سانس اس کی عنایتوں سے مالا مال ہے اگر انسان ایک لمحے کے لئے بھی سوچے تو صورتِ حال سامنے آ جاتی ہے بہرحال جس قدر پھل کھا سکتا تھا پھل کھائے اور پھر کافی پھل ذخیرہ بھی کر لئے اور برق رفتاری سے گھاس کے میدان سے باہر نکل آیا کیونکہ گھاس میں مجھے سرسراہٹیں محسوس ہو رہی تھیں اور کہیں کہیں یہ گھاس ہلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ پیٹ بھرا تو اپنے محسن سائے کی تلاش میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں' لیکن اب مجھے دور دور تک سایہ نظر نہ آ رہا تھا۔

بدن کی توانائیاں بحال ہو گئیں۔ شام جھک آئی اور اندھیرا پھیل گیا۔ میں کافی دیر تک وہاں انتظار کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ اب آگے کیا کرنا چاہئے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کر کے میں نے اپنی جگہ سے قدم آگے بڑھا دیئے۔ رات کی تاریکیوں میں آگے تو نہیں بڑھا جا سکتا تھا لیکن قیام کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں تھی۔ چنانچہ تھوڑی سی کوشش کے بعد میں نے ایک ٹیلا تلاش کیا اور صاف ستھری اور ہموار جگہ پہنچ کر آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ جو نئی جگہ میں نے تلاش کی تھی وہ کافی اونچائی پر تھی اور سکون سے وہاں سونے کی گنجائش تھی۔ چنانچہ میں نے وہاں سے باریک کنکریاں صاف کیں اور ایک پتھر کو تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔ آہستہ آہستہ آسمان تاریک ہوتا جا رہا تھا۔ فضا خاموش تھی۔ ہوا بھی نہیں چل رہی تھی۔ جبکہ پچھلی رات ہواؤں کا کافی شور تھا اور وہ درختوں سے ٹکرا کر عجیب سی آوازیں منتشر کر رہی تھیں۔ البتہ آج سکون تھا۔ تھوڑی دیر تک تارے نکل آئے' کیونکہ دن بھر

سکون سے سوتا رہا تھا اس وقت اس لئے نیند تو نہیں آ رہی تھی۔ بدن میں تھکن کا بھی کوئی احساس نہیں تھا۔ دل میں ایک ٹھہراؤ سا آگیا تھا۔ حالانکہ ان حالات میں انسان کو شدید مایوسی کا شکار ہونا چاہئے لیکن میں شاید اعصابی طور پر نہایت طاقتور تھا۔ خود اپنے آپ کو بھی شاید اب تک نہیں سمجھ سکا تھا کبھی اپنے آپ پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ بہرحال اب میرے سامنے کوئی مسئلہ نہیں تھا آسمان کا شہنشاہ آسمان پر نمودار ہوگیا۔ اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ زمین منور ہوگئی اور ماحول روشن۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا میں نے درختوں کے جھنڈ کی جانب دیکھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے برسوں سے بچھڑے ہوئے دوست آپس میں گلے مل رہے ہوں لیکن آج اس وقت ایک انوکھی بات میں نے محسوس کی۔ یہاں نہ درندوں کی آواز تھی نہ جانوروں کی۔ اچانک ہی میری نظر ایک طرف اٹھ گئی۔ ایک عجیب سی چیز نظر آ رہی تھی۔ ایسی چیز جسے دیکھ کر ذہن ایک لمحے تک یہ فیصلہ نہ کرپائے کہ کیا ہے۔ بڑی گہری نگاہوں سے میں اس کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر دفعتاً ہی مجھے احساس ہوا کہ یہ کوئی جھیل ہے۔ جس میں چاندنی چمک رہی ہے آہ! ایک پُراسرار ویرانے میں' عرب کے صحراؤں میں عرب اور افریقہ کے سنگم پر یہ حسین منظر اگر کوئی مصور اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو صحیح معنوں میں اس کی تصویر کشی بھی نہ کرسکے۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کوئی بڑی سی تصویر نگاہوں کے سامنے ہے۔ پھر ذہن میں پانی کا تصور ابھرا۔ اگر یہ واقعی جھیل ہے جیسا کہ اس کے سنہرے ہلکوروں سے ظاہر ہے تو پانی کی طلب سے میں خود کو باز نہ رکھ سکوں گا۔ نیند تو آ نہیں رہی تھی' کیوں نہ اس طرف ہی چلا جاؤں۔ بس انسان ابتدا میں ڈرتا ہے لیکن آہستہ آہستہ اس کے بعد ان حالات' اس ماحول کا عادی ہوتا چلا جاتا ہے اور پھر اس کے لئے خوف خوف نہیں رہتا۔ حالانکہ ایسے ویران جنگل میں ایسی چیزیں درندوں کی ملکیت ہوتی ہیں۔ بے شک جھیل کے کنارے سنسان نظر آ رہے تھے لیکن ممکن ہے کہ جب میں جھیل کے قریب پہنچوں تو کوئی درندہ ہی آ نکلے۔ میں کافی دیر تک جھیل پر نگاہیں جمائے دیکھتا رہا۔ پھر جب خوف کے آثار دل سے اتر گئے تو میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹیلے کی دوسری جانب اترنے لگا۔ جھیل تک کا راستہ بڑی احتیاط سے طے کیا تھا۔ اب ان جنگلوں کی کہانیوں سے کافی حد تک واقف بھی ہوگیا تھا۔ اس لئے محتاط تھا۔ یہاں تک کہ جھیل کے کنارے پر پہنچ گیا اور واقعی وہ حسین منظر جو کسی مصور کے برش کی گرفت میں نہ آسکے' میری نگاہوں کے سامنے تھا' دور دور تک کسی انسان کا وجود نہیں تھا۔ میں نے جھیل کے قریب پہنچ کر پانی پیا اور خوب سیر ہوگیا۔ اس کے بعد بے اختیار دل چاہا کہ پانی میں اتر جاؤں۔ پسینے اور گرد سے بدن کی

عجیب سی حالت تھی۔ اس سے قبل دوسری پریشانیوں کی وجہ سے یہ احساس نہیں جاگا تھا لیکن اب دل بے اختیار ہوگیا اور میں نے اپنے بدن پر پہنا ہوا لباس نوچ کر پھینک دیا پھر یہ سوچے سمجھے بغیر کہ پانی کی گہرائی کیا ہے اور یہاں کیا خطرات پیش آسکتے ہیں' میں پانی میں اتر گیا۔ اتنی فرحت بخش کیفیت طاری ہوگئی تھی جسے شاید زندگی میں کبھی نہ بھول سکوں گا۔ لگ رہا تھا جیسے شراب کے حوض میں اتر گیا ہوں۔ ایسا ہی سرور طاری ہوگیا تھا دل و دماغ پر اور اس سرور نے مجھے بہت دیر تک باہر نہ نکلنے دیا۔ کافی دیر تک میں پانی میں نہاتا رہا۔ پھر جب دل سیر ہوگیا تو واپس کنارے کی جانب چل پڑا لیکن جونہی میں نے کنارے سے سر ابھارا' اچانک اچھل پڑا۔ ایک دم سے مجھے احساس ہوا تھا کہ کوئی موجود ہے۔ وہ ایک انسانی ہیولا تھا لیکن کچھ لمحے غور کرنے پر وہ ہیولا' ہیولا نہ رہا لیکن جو کچھ میں نے دیکھا اسے دیکھ کر میرے دل پر ایک کپکپی سی طاری ہوگئی۔

یقینی طور پر رات کی تاریکی اس خاموشی اور سنسان ماحول میں کوئی اچھی روح یا زندہ شخصیت تو جھیل کے کنارے نہیں آسکتی' اور پھر وہ بھی ایک ایسی شکل میں ایک حسین صورت۔ جنگلوں کی وحشت ایک انسانی وجود میں سما گئی تھی اور اس نے اس حسین دوشیزہ کی شکل اختیار کرلی تھی۔ اس ویران جنگل میں واقعی کسی پُرسکون وجود کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا وہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی اور اس طرح پانی کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے کسی گہرے تصور میں ڈوبی ہوئی ہو۔ چاندنی اس کے چہرے پر رقصاں تھی۔ بدن پر سیاہ رنگ کا ایک ڈھیلا ڈھالا لباس بال بکھرے ہوئے تھے۔ اتنے کہ زمین تک آگئے تھے اور بالوں کے اوپر سفید جنگلی پھول' بڑی بڑی آنکھیں چاندنی میں چمک رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں ایک پُرسکون کیفیت تھی۔ ہونٹوں پر حسین مسکراہٹ اتنا سکون اتنا اطمینان تھا کہ یقین نہ آئے کہ انسانی چہرے ایسے اطمینان کا اظہار بھی کرسکتے ہیں لیکن وہ ہے کون اور یہاں کہاں سے آگئی۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ایک لمحے کے لئے دل چاہا کہ جھیل سے فضا میں پرواز کرجاؤں۔ ایک غیر انسانی چیز میرے سامنے تھی اور میں سخت وحشت کا شکار ہوگیا تھا۔ اچانک ہی مجھے ایک ہنسی کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز.......... مگر ان ساری باتوں سے زیادہ یہ احساس بھی تھا کہ میں بے لباس ہوں۔ کم از کم لباس تو پہن لوں اور پھر میں نے لباس تک پہنچنے کی جدوجہد کی اور پانی کے نیچے ہی نیچے تیرتا ہوا اس جگہ تک پہنچ گیا وہ بدستور خاموش بیٹھی ہوئی شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے لباس اٹھا کر اپنے بدن کے گرد لپیٹا پھر میں نے لڑکی کے پاؤں کا جائزہ لیا لیکن پاؤں تو ٹھیک تھے۔ گویا چھلاوہ پیری کا تصور بھی ختم ہوجاتا تھا۔ پھر یہ صحرا کی بیٹی تھی کون؟ میں آہستہ آہستہ

اس کے قریب پہنچ گیا۔ اب خوف میرے دل سے نکل گیا تھا۔ قریب پہنچنے سے مجھے لڑکی کے حسنِ بے پناہ کا احساس ہوا۔ سانولے نقوش اس قدر دلکش تھے کہ بار بار دیکھنے کو دل چاہا میں نے کہا۔

"کون ہو تم؟" ایک تکا ہی تھا لیکن ایک بڑی دلچسپ بات تھی۔ ان علاقوں کے رہنے والے عربی بولتے تھے لیکن انگریزی سے بھی ناواقف نہیں تھے۔ چنانچہ میرے سوال پر لڑکی نے فوراً ہی کہا۔

"اجالا.......... لیکن تم کون ہو؟"

"گل شیر' گل شیر۔" میں نے جواب دیا۔

"کہاں سے آئے ہو؟"

"بس سمجھ لو میں جھیل میں اُگا ہوں۔"

"سنگھاڑے کی طرح۔" وہ برجستہ بولی۔

"ہاں۔ ویسے یہ دلچسپ بات ہے اگر تم مجھے سنگھاڑا ہی کہو۔ کیا یہ زیادہ اچھا نہ ہوگا۔"

"میں نہیں جانتی کہ سنگھاڑا کیا ہوتا ہے۔"

"ویسے تو کانٹوں دار ہوتا ہے لیکن بہت میٹھا۔"

"گویا تم کانٹے دار میٹھے ہو۔" اس نے کہا اور ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی بڑی دلکش تھی اس بات کا میں نے دل ہی دل میں اعتراف کیا تھا۔ پھر میں نے کہا۔

"لیکن تم یہاں اس ویران جنگل میں جھیل کے کنارے کیسے آگئیں؟ کون ہو تم؟ مجھے تو کوئی آسمانی روح معلوم ہوتی ہو۔"

"نہیں۔ میں زمین کی روح ہوں اور یہیں رہتی ہوں۔"

"اس ویرانے میں؟"

"یہ ویرانہ تمہارے لئے ہوگا میرے لئے نہیں۔"

"لیکن تم ہو کون؟"

"ساری باتیں یہیں کرلو گے' یہاں سے آگے نہیں بڑھو گے؟"

"تمہارے ساتھ.........."

"ہاں.........."

"چل سکتا ہوں۔"

"تو آؤ نا.........."

"کتنی دور؟"

"وہاں اس طرف.........." اس نے ایک طرف اشارہ کیا اور میں اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

مجھے شدید حیرت تھی لڑکی کا انداز بڑا صاف ستھرا تھا۔ اس کا رخ اس جھیل کی جانب تھا' جو سامنے نظر آرہی تھی۔ بہرحال کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے ایک چراغ کی ٹمٹماتی ہوئی لو دیکھی لڑکی اسی سمت جارہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ چلو اس سنسان ماحول میں کوئی تو انسان ملا۔ پھر ایک ویسی ہی نوکدار جھونپڑی دیکھی۔ درختوں کے ایک جھنڈ کے درمیان سے اسے اس طرح تراش کیا گیا تھا کہ اس میں کافی جگہ بن گئی تھی۔ چھوٹا سا دروازہ تھا' جو کھلا ہوا تھا اور اس سے روشنی باہر آرہی تھی۔ روشنی کے قریب جاکر وہ رک گئی اور اس نے میری جانب مسکراتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ پھر بولی۔

"ڈر رہے ہو اندر آنے سے؟" میں ایک دم سنبھل گیا۔ ساری باتیں ایک طرف مگر انسان کی اپنی ایک فطرت ہوتی ہے اور اس فطرت میں کم از کم صنف مخالف کے سامنے دلیری دکھانا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے کہا۔

"نہیں۔"

"تم سوچ رہے ہو گے کہ میں کتنی بے تکلفی سے تمہیں یہاں تک لے آئی ہوں۔"

"ہاں یہ احساس میرے دل میں ہے کیا تم یہاں تنہا رہتی ہو۔"

"تنہا۔" اس نے کہا اور خاموش ہوگئی۔ اس بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"آؤ۔" چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔

"تم نے مجھے بتایا نہیں۔" میں نے کہا اور اس کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔ جھونپڑی میں بستر لگے ہوئے تھے۔ کوئی اور نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور بولی۔

"ہاں.......... میں یہاں تنہا رہتی ہوں۔"

"کتنے عرصے سے یہاں ہو؟"

"جب سے پیدا ہوئی ہوں۔"

"میرا مطلب ہے تمہارے دوسرے لوگ؟"

"کوئی نہیں ہے اور میں نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔"

"کبھی نہیں..........؟"

"ہاں.........."

"میں سمجھا نہیں۔"

"جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے یہاں خود کو تنہا ہی پایا ہے۔ میرے ساتھی صرف جنگل کے رہنے والے جانور ہیں۔"

"گویا تم انہی کے درمیان زندگی گزار رہی ہو؟"

"ہاں۔"

"لیکن کیا وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچاتے؟"

"وہ میرے لئے ان درختوں کی مانند ہیں۔ صرف محبت کرنے والے۔ میں انہی کے ساتھ زندگی گزارتی ہوں۔ وہ میرے دکھ درد کے ساتھی ہیں۔"

میں تعجب بھرے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ لڑکی بہت بڑی اداکارہ تھی۔ وہ اپنے آپ کو سپر نیچرل شخصیت ظاہر کر رہی تھی۔ حالانکہ انتہائی خوبصورت اور سب سے بڑی بات یہ کہ انگریزی زبان جاننے والی تھی۔ اگر وہ سچ کہہ رہی ہے تو کیا یہ زبان اس نے ورثے میں پائی ہے۔ بہرحال بہت سے ایسے وقعات تھے جو میرے لئے ناقابل یقین تھے۔ لیکن بہرحال اب وہ جو کچھ بھی کہہ رہی تھی میں اسے سننا ہی اپنی مجبوری سمجھتا تھا لڑکی نے کہا۔

"بیٹھو۔ تم اپنے چہرے سے اتنے پریشان نظر آ رہے ہو کہ مجھے حیرت ہو رہی ہے۔"

"نہیں لیکن تمہاری شخصیت اتنی اچھی ہے کہ تمہار بارے میں کسی برے انداز میں سوچتے ہوئے مجھے عجیب سا لگتا ہے۔"

"تو میرے بارے میں برے انداز میں نہ سوچو۔"

"میرے سامنے سچ بول دو۔"

"تم مجھے جھوٹا سمجھ رہے ہو۔"

"میں تم سے کیا کہوں لیکن جو کچھ تم کہہ رہی ہو وہ بھی ذرا مختلف ہے۔"

"مثلاً؟"

"تم کہتی ہو کہ ہوس سنبھالنے کے بعد تم نے کسی کو نہیں دیکھا۔"

"ہاں۔"

"تمہارا نام کس نے رکھا۔" میں نے سوال کیا تو وہ ہنس پڑی پھر بولی۔

"خود میں نے۔"

"تمہیں کون کون سی زبانیں آتی ہیں؟"

"زبانیں.......... ہر وہ زبان' جو انسانی جذبات کی ترجمانی کر سکے۔"

"انسان کے بارے میں تم نے کہاں سے جانا؟"

"نہیں اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے کبھی انسانوں کو دیکھا ہی نہیں ہے تو یہ تمہاری بھول ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہیں میں انسان کی حیثیت سے کیسے پہچانتی جبکہ تم مجھ سے بہت مختلف ہو۔"

میں نے اب اس کے بعد خاموشی اختیار کرنا مناسب سمجھا تھا۔ لڑکی کی باتیں تسلی بخش نہیں تھیں اور میں محسوس کر رہا تھا کہ لڑکی اپنے بارے میں مجھے کوئی خاص بات بتانا نہیں چاہتی۔ ظاہر سی بات ہے جو کچھ وہ کہہ رہی تھی وہ' وہ نہیں تھی۔ بس انسانی فطرت کے مطابق وہ اپنے آپ کو عجیب وغریب ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دوسری بار پھر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر وہ اپنے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتی تو اسے مجبور نہیں کرنا چاہئے اور صرف اس وقت اس کی قربت سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ فائدہ یہ کہ قرب وجوار کے ماحول کے بارے میں اس سے ذرا تفصیل سے معلوم ہو جائے چنانچہ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔

"اجالا ویسے تو تمہارے بارے میں بہت سے سوالات میرے ذہن میں ابھر رہے ہیں لیکن میں ایسا کوئی حق نہیں رکھتا کہ تم سے اپنی پسند کے سوالات کروں۔ بس یوں سمجھ لو انسانی فطرت ایسی ہی ہے تم جس قدر سمجھ رہی ہو اور جتنی اچھی باتیں کرتی ہو وہ میرے لئے تعجب خیز ہیں۔"

"اچھا تم یہ بتاؤ کہ میں تمہاری کیا خاطر مدارت کروں۔" وہ بولی اور میں ہنسنے لگا اور پھر کہنے لگا۔

"اب یہ تو میری میزبان پر منحصر ہے۔"

"تو یہاں ٹھہرو میں ابھی آتی ہوں۔" وہ باہر نکل گئی اور اب میں سوچنے لگا کہ وہ کہاں گئی ہوگی۔ اس نے تو اپنے آپ کو یہاں بالکل تنہا ظاہر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہاں اس کے ساتھ کوئی بھی نہیں رہتا۔ ایسی شکل میں وہ میرے لئے کھانے کی چیزیں کیسے مہیا کرے گی۔

یہ ایک دلچسپ مسئلہ تھا لیکن انتہائی پُراسرار اور بہت ہی ہنسی آتی تھی مجھے اپنے آپ پر اور اب تو میں نے اپنے ماضی کے بارے میں سوچنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ زبردستی اپنے

آپ کو ماضی سے منسلک رکھنے سے کیا فائدہ۔ جب ماضی سے رشتہ ہی ٹوٹ گیا ہے جب رشتے ناطے ہی ٹوٹ گئے ہوں تو پھر اس نئی زندگی میں اپنے آپ کو صرف اپنے لئے کیوں نہ محسوس کیا جائے۔ یہ خیال میرے دل میں ایک مضبوط حیثیت کر گیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد قدموں کی چاپ سنائی دی آنے والی اجالا ہی تھی۔ وہ بہت سی چیزیں سنبھالے آرہی تھی۔ ایک بڑے سے پتے میں گوشت کے بھنے ہوئے ٹکڑے دیکھ کر میں حیران رہ گیا اور پھر میں نے دودھ کا ایک برتن دیکھا۔ اس نے وہ چیزیں میرے سامنے رکھ دیں تو میں مسکرا کر بولا۔

"میری معزز میزبان! اس ویران ماحول میں تم نے یہ چیزیں مہیا کر کے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے لیکن میرے ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ تم نے یہ چیزیں کہاں سے حاصل کیں۔

جواب میں وہ پھر ہنس پڑی اور بولی۔

"بہت سے مہمان بڑے ضدی ہوتے ہیں خیر تم یہ بتاؤ کہ کھانا زیادہ بہتر ہوتا ہے یا کھانے کے بارے میں سوالات کرنا۔"

"نہیں میں کھانا ہی پسند کروں گا۔"

میں نے کہا اور اس کے بعد میں کھانے میں مصروف ہو گیا کئی بار میری نگاہیں اجالا کی طرف اٹھیں وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں کھانے سے فارغ ہوا تو وہ بولی۔

"آرام کرو گے؟"

"اصل میں سارا دن سوتا رہا ہوں اس لئے نیند نہیں آرہی۔ البتہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ تمہارے آرام میں خلل انداز ہوں۔" اس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

"آؤ پھر آرام کریں۔" عجیب سی دعوت تھی میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا اور اس نے ایک ایسی جگہ منتخب کی جس کی حیثیت بڑی رومانی سی تھی۔ اس نے مجھے وہاں آرام کرنے کی دعوت دی اور خود بھی میرے قریب بیٹھ گئی۔ میں لیٹ گیا تھا اور وہ مجھے دیکھتی رہی اور اس وقت مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھ سے کچھ چاہتی ہے لیکن ظاہر ہے میں صاحب کردار شخصیت کا مالک تھا۔ بہت دیر اس طرح گزر گئی اور میں نے محسوس کیا کہ لڑکی کے انداز میں کچھ بیزاری سی ہے وہ کہنے لگی۔

"شاید تمہیں واقعی نیند نہیں آرہی۔"

"ہاں ایسی ہی بات ہے۔" میں نے کہا وہ پھر خاموش ہو گئی۔ رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی۔ چاند دونوں کے اوپر سے چھوٹے سائے ڈالتا ہوا گزرتا رہا اور پھر نہ جانے ان میں سے ایک سایہ کہاں سے میری آنکھوں میں رینگ آیا۔ چاندنی کا حسین تصور ذہن میں آیا اور پھر سایہ اسی وقت چھپا جب سورج کی کرنوں نے مجھے جگانے کی کوشش کی۔ رات کا حسین تصور ذہن میں آیا۔ چاندنی کا ایک خوشگوار تصور لے کر جاگا میں نے کروٹ بدلی اور مجھے ایک دم سے اجالا یاد آگئی۔ میں چونک کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ میں نے اجالا کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن اجالا آس پاس کہیں نہیں تھی۔ سورج کی کرنوں میں تڑپ پیدا ہو رہی تھی۔ پانی میں ایک کنول کو تیرتے ہوئے دیکھا اس کے بالوں میں لگے ہوئے پھول پانی میں تیر رہے تھے اور اس کا چندن سا بدن جھیل میں آگ لگا رہا تھا اس منظر کو جیتا جاگتا دیکھنے کے لئے میں نے گردن اٹھا کر اس طرف دیکھا جدھر جھیل تھی لیکن شاید کچھ غلط ہو گیا تھا۔ سوتے میں رخ بدل گیا تھا۔ تب میں نے دوسری طرف دیکھا لیکن جھیل اس طرف بھی نہیں تھی۔ کچھ بھی نہیں تھا۔ البتہ میں اس ٹیلے کے نزدیک اسی چٹان پر موجود تھا۔ جس پر سے میں نے پہلی بار جھیل کو دیکھا تھا۔ میں ایک دم اٹھ کھڑا ہو گیا۔ یہ کیا ہو گیا میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جھیل اب وہاں موجود نہیں تھی تو کیا پھر یہ سارا خواب تھا۔ کیا اجالا صرف خواب کی کہانی تھی لیکن وجود کے بہت سے حصے یہ احساس دلا رہے تھے کہ یہ ایک کہانی نہیں تھی۔ ایک خواب نہیں تھا بلکہ ایک حقیقت تھی۔ پھر یہ کیا ہوا۔ جھیل کہاں گئی؟ سارا کھیل اسی جھیل کے فسانے سے شروع ہوا تھا۔ ناممکن ہے۔ وہ خواب نہیں تھا لیکن پھر سب کچھ کیا تھا۔ دیر تک میں سحر زدہ رہا۔ پھر مجھے اس جھونپڑی کا خیال آیا جو ان درختوں کے درمیان تھی ایک بار پھر میں اس کی تلاش کے لئے اس طرف چل پڑا لیکن جب میں اس جگہ پہنچا جہاں درختوں کا جھنڈ نظر آرہا تھا تو وہاں کسی جھونپڑی کا وجود نہیں تھا۔ میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ سر چکرانے لگا۔ یہ انوکھا طلسم ایک عجیب سی کیفیت رکھتا تھا۔ بہرحال میں وہاں سے چل پڑا۔ سورج آہستہ آہستہ چلتا رہا تھا۔ کافی فاصلے پر ایک سفید رنگ کا پہاڑی سلسلہ نظر آرہا تھا۔ میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ دھوپ اس وقت شدت اختیار کر چکی تھی اور کسی سایہ دار جگہ کی تلاش اب مقصد بن گئی تھی۔ ابھی میں اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک ہی دو دھماکے سنائی دیئے۔

میں نے صاف پہچان لیا کہ وہ بندوق کی آواز تھی۔ چند گز کے فاصلے پر میں نے ایک ہرن کو اچھلتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہرن زخمی ہو گیا لیکن پھر بھی دوڑ رہا تھا۔ البتہ کچھ دیر بعد وہ گر پڑا۔ وہ مجھ سے زیادہ دور نہیں تھا میں نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں یقینی

طور پر کسی شکاری نے اسے شکار کیا تھا۔ پھر میں نے ایک دبلے پتلے بوڑھے اور ایک نوجوان لڑکی کو دوڑتے ہوئے دیکھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور وہ اسی طرف دوڑتے چلے آ رہے تھے۔ بوڑھا کافی پھرتیلا معلوم ہوتا تھا۔ اس کی رفتار نوجوان لڑکی سے زیادہ تیز تھی انہوں نے شاید ابھی تک مجھے نہیں دیکھا تھا اور ہرن کی جانب دوڑ رہے تھے۔ پھر جونہی ان کی نگاہ میری طرف پڑی دونوں ٹھٹک گئے۔ بوڑھا ایک دم رک گیا۔ لڑکی اس کے نزدیک آگئی لیکن اب دونوں ہرن سے دور کھڑے مجھے دیکھ رہے تھے اور میرے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ پھر بوڑھا آگے بڑھا۔ لڑکی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ بوڑھا میرے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ اس کے چہرے پر بچوں جیسی شوخی تھی اس نے کہا۔

"کون ہو تم؟"

"کیا کہا جا سکتا ہے اس کا فیصلہ تو تم ہی کرو گے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہم نے یہ شکار کیا ہے کیا ہم اسے اٹھالیں؟"

"کیا چاہتے ہو تم۔" میں نے کہا۔

"بس تم سے اجازت لینا ضروری ہے۔ اصل میں' میں تو بوڑھا آدمی ہوں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

میں نے لڑکی کو دیکھا سفید رنگت کی بھوری مٹی میں اٹے ہوئے بال لمبا قد اور بھرا بھرا بدن۔ لباس بوسیدہ لیکن دلکش لگ رہی تھی۔ خاص طور سے اس کی آنکھیں بے حد حسین تھیں۔ میں نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کا شکار ہے میں بھلا کیسے انکار کر سکتا ہوں۔"

"اوہ...... تھینک یو' تھینک یو ویری مچ۔" دونوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے لڑکی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"درحقیقت آپ بالکل اجنبی ہیں لیکن ہم یہ سوچ رہے تھے کہ شاید آپ کو اس شکار پر اعتراض ہو۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"ویسے اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آپ کا تعلق ایشیاء کے کسی ملک سے ہے۔"

"ہاں...... ویسے آپ لوگ کون ہیں اور آپ کے باقی افراد؟"

"نہیں ہمارے ساتھ اور کوئی نہیں ہے۔ ہم تنہا ہیں۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے کیوں نہ آپ بھی ہمارا ساتھ دیں۔"

"کس سلسلے میں؟"

"سلسلہ تو فی الحال کچھ بھی نہیں ہے لیکن اگر آپ ہمارا ساتھ دیں تو میں کہتی ہوں اس سے بڑی خوشی اور کوئی نہیں ہوگی مجھے۔"

"یہ آپ کے پاپا ہیں؟"

"خدا کے واسطے آہستہ بولیں۔" لڑکی آواز دبا کر بولی اور بوڑھے کی طرف دیکھنے لگی جو ایک لمبے چھرے سے ہرن کی کھال ادھیڑنے میں مصروف ہو کر سب کچھ بھول گیا تھا۔

"کیوں؟"

"اگر آپ نے یہ بات مسٹر ڈان کے سامنے کہہ دی تو...... تو......"

"مسٹر ڈان؟"

"ہاں...... یہ میرے ساتھی ہیں۔ اس کی آپ سے دشمنی ہو جائے گی۔"

"مگر یہ آپ کے ہیں کون؟"

"کہہ رہی ہوں نا کہ اب یہ سب کچھ ہیں۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا میڈم۔"

"اتنی جلدی سمجھنا ضروری نہیں ہے۔ بڑی تیز دھوپ ہے۔ سنئے ہمارے پاس ایک چھوٹا سا خیمہ ہے لیکن صرف دھوپ اور شبنم سے بچنے کے لئے' وہاں چلتے ہیں۔ پلیز میری ایک بات سن لیں۔ ویسے آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"گل شیر۔"

"میرا نام ٹینا ہے۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مس ٹینا! آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں؟"

"ہاں مسٹر ڈان کو ہینڈل کرنے کے لئے آپ کو ایسی باتیں کرنا ہوں گی جن کے ادا کرنے سے پہلے آپ کو اپنا سر پیٹنا پڑے۔"

"مثلاً؟"

"بس یوں سمجھ لیں مسٹر ڈان سے زیادہ ہینڈسم شخص اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔"

مجھے واقعی ہنسی آگئی تھی۔ ہنسی کی آواز سن کر بوڑھے نے چونک کر ہماری طرف دیکھا اور پھر اس کا ہاتھ اس طرح رک گیا جیسے مشین چلتے چلتے رک گئی ہو۔ اس کے بعد

اس نے غصیلے انداز میں چھری پھینک دی اور ان کے قریب پہنچ گیا۔

"دھوپ بہت تیز ہے۔" وہ قریب آ کر غرایا۔

"ہم لوگ یہی بات کر رہے تھے کہ مسٹر ڈان کے انداز سے تو لگ رہا ہے جیسے یہ دھوپ ان پر اثر انداز ہی نہ ہو رہی ہو۔"

"مگر تم ہنس کیوں رہے تھے؟"

"بس میں حیران تھا کہ مسٹر ڈان اس طرح ہرن کی کھال ادھیڑ رہے ہیں جیسے شیر اپنے شکار کو بھنبھوڑتا ہے۔"

"کیا واقعی.........؟" ڈان نے لڑکی کی طرف دیکھا اور لڑکی گردن خم کر کے مسکرا دی۔ بڑا دلکش انداز تھا۔ ڈان اکڑ گیا اور اس کی پسلیاں نمایاں ہو گئیں۔ پھر وہ اکڑی ہوئی آواز میں بولا۔

"شکاری ہوں پرانا شکاری......... ویسے تمہارا نام کیا ہے۔"

"گل شیر۔"

"دھوپ واقعی بہت تیز ہے' کیوں نہ ہم انہیں خیمے کے قریب لے چلیں ڈارلنگ؟" بوڑھے نے لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یہی تو میں کہنے والی تھی۔ ہر شخص آپ کی طرح فولادی انسان نہیں ہوتا۔"

"تو پہلے کیوں نہیں کہا۔" بوڑھے نے کہا۔

پھر وہ تیزی سے ہرن کی طرف لپکا۔ اس نے اس طرح ہرن کی ٹانگیں پکڑ کر اسے جھٹکا دیا جیسے اٹھا کر کندھے پر ڈال لے گا لیکن ٹانگیں تو اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئیں۔ خود کئی چکر کھا کر گرتے گرتے بچا۔ ہرن کا وزن کافی تھا ٹینا نے بے اختیار رخ بدل لیا لیکن میں دوڑتا ہوا بوڑھے کے قریب پہنچ گیا۔

"اوہ مسٹر ڈان......... مسٹر ڈان براہ کرم۔"

"کک......... کیا ہوا......... کیا ہوا۔"

"میری موجودگی میں آپ یہ کام نہیں کریں گے۔ میں آپ کا خادم ہوں۔ خادم کس لئے ہوتے ہیں۔"

"اوہ لیکن تم۔"

"نہیں مسٹر ڈان! ہر شخص کا اپنا ایک احترام ہوتا ہے۔ آپ جس شاندار شخصیت کے مالک ہیں اس کے لئے میرے دل میں عقیدت پیدا ہو گئی ہے۔ آپ کو میں ایسا کام نہیں کرنے دوں گا۔"

میں نے جھک کر ہرن اٹھایا اور کندھے پر ڈال کر چل پڑا ایک اور ٹیلے کی آڑ میں ایک چھوٹا سا خیمہ ایستادہ تھا خیمے کے باہر ہی ایک چٹان کے سائے نے چھاؤں کر رکھی تھی۔ خیمے کے قریب پہنچ کر میں نے ہرن کو زمین پر ڈال دیا اور ڈان ایک بار پھر اس کی کھال پر مصروف ہو گیا کھال صاف کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"بھئی بہت عمدہ انسان ہو۔ بہت ہی شاندار۔"

"بس مسٹر ڈان! میں آپ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ میں تو آپ کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوں کہ دنیا میں ایسی ایسی شاندار شخصیتیں پائی جاتی ہیں۔"

"اصل میں تم خود اچھے انسان ہو۔ اس لئے ہر ایک کو اچھا سمجھتے ہو۔ ویسے ان صحراؤں میں کیا کر رہے ہو۔"

"میں یہاں آیا تھا اور کچھ ریسرچ کر رہا تھا۔ راستہ بھٹک گیا ہوں۔"

"اوہو......... اوہو کہاں جانا چاہتے ہو کیا اس سلسلے میں تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات ہے؟"

"تقریباً یہی سمجھ لیجئے لیکن آخر کار میں اپنا راستہ تلاش کر لوں گا۔"

"تم چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

"آپ بتا سکتے ہیں یہ کون سا علاقہ ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"اسے لیکسن کہتے ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ یہ نواحی علاقہ ہے۔ شمال میں چلے جاؤ گے تو افریقہ چلے جاؤ گے اور جنوب مشرق میں سے گزرو گے تو ایمزون۔ ویسے بڑا دلچسپ علاقہ ہے۔"

"کون کون سی بات پر آپ کا شکریہ ادا کروں مسٹر ڈان! ایسا لگتا ہے کہ آپ صحراؤں میں انسانوں کو راستہ بتانے والوں میں سے ہیں۔" میں نے مسٹر ڈان کو مکھن لگاتے ہوئے کہا۔ ویسے مسٹر ڈان کی فطرت کے بارے میں مجھے تھوڑا بہت اندازہ ہو گیا تھا۔ یہ شیخی خور بوڑھا پہلی بات تو یہ کہ اپنے آپ کو بوڑھا ماننے کے لئے تیار نہیں تھا اور پھر انتہائی احمقانہ انداز میں یہ بیچاری ٹینا پر قبضہ جمائے ہوئے تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ ٹینا اسے کیوں برداشت کر رہی ہے۔ یہ لوگ کھانے پینے کا بھی اچھا خاصا ذخیرہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ٹینا نے اپنی ذمے داری سنبھال لی اور اس کے بعد اس نے اس صحرا میں ہی کمال کا کھانا تیار کیا۔ مسٹر ڈان نے اچھی طرح پیٹ بھر لیا تھا۔ چھوٹے سے خیمے میں گھسنے کے بعد وہ آرام کی نیند سو گئے۔ ٹینا نے مجھے اشارہ کیا اور پھر وہ وہاں سے کافی دور نکل آئے۔ میں یہ تمام تفصیلات سننے کے بعد ٹینا کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک

طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے ٹینا سے کہا۔

"اور اگر ہمارے پیچھے مسٹر ڈان جاگ گئے تو آپ کا کیا ہوگا مس ٹینا؟" ٹینا کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ دیر تک سوچتی رہی پھر مدھم لہجے میں بولی۔

"خیر پہلی بات تو یہ ہے کہ مسٹر ڈان کا جب پیٹ بھر جاتا ہے تو بقول شخصے ان کے ہوش وحواس گم ہوجاتے ہیں۔ اب وہ سکون کی نیند سوتے رہیں گے اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تم اس سلسلے میں فکر نہ کرو۔" میں نے گہرا سانس لے کر گردن ہلائی اور قرب وجوار کے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ میرے اپنے اندازے کے مطابق موسم بہت ہی خوبصورت اور حسین تھا۔ ویسے مسٹر ڈان نے اس بارے میں جو بتایا تھا ٹینا سے اس کی تصدیق کرتے ہوئے میں نے کہا۔

"مسٹر ڈان نے جو معلومات مجھے فراہم کی ہیں آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے مس ٹینا۔"

ٹینا عجیب سے انداز میں مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"اصل میں اگر تمہاری شخصیت میرے علم میں آجاتی تو مجھے بڑی خوشی ہوتی۔"

"کیا مطلب؟ میرے اس سوال کا آپ کے اس سوال سے کیا تعلق ہے۔" وہ خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"خیر چھوڑو' جہاں تک معاملہ مسٹر ڈان کی معلومات کا ہے تو یہ بات تو بالکل سچ ہے لیکن مسٹر ڈان جو کچھ کہہ رہے تھے وہ ایک ایسی بات تھی جو منظر عام پر آچکی ہے۔"

"گویا مسٹر ڈان کا کہنا بالکل درست ہے۔"

"ہاں۔"

"تو مس ٹینا آپ لوگ اس صحرا میں کیوں قیام کئے ہوئے ہیں جبکہ مسٹر ڈان جانتے ہیں کہ وہ افریقہ بھی جاسکتے ہیں اور ایمزون بھی۔" ٹینا کسی قدر جھلا گئی پھر بولی۔

"تم اس کے علاوہ کوئی اور گفتگو نہیں کرسکتے۔"

میں ایک دم سنبھل گیا۔ ٹینا کی جھلاہٹ ایک لمحے تک میرے علم میں نہیں آئی تھی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے ٹینا نے میرے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"معاف کرنا مجھے یہ انداز نہیں اختیار کرنا چاہئے تھا۔ میں تم پر بھلا کیا اختیار رکھتی ہوں لیکن میرے بارے میں سوچو ایک ایسا بوڑھا شخص جس کے سامنے میں بے بس ہوگئی ہوں۔ میرا ہیرو بننے کی کوشش کرتا ہے اور میں انتہائی مجبوری کے عالم میں اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہوں حالانکہ وہ ایک بے ضرر انسان ہے۔ سوری ڈیئر گل شیر! کیا تم

عورت کے جذبات کو سمجھتے ہو۔"

میں چونک پڑا۔ فطری طور پر میں اس طرح کا انسان نہیں تھا لیکن بہرحال زندگی کی حقیقتوں سے واقف بھی تھا۔ وہ تو حالات نے مجھے دوسرے ہی راستے پر لا ڈالا تھا ورنہ شاید اس قدر لاعلم نہ ہوتا ماحول سے اور حالات سے۔ تاہم زندگی میں کچھ اقدار بھی ہوتی ہیں اور میں ان اقدار کو بھول نہیں سکتا تھا۔ ٹینا کو سمجھنے کے بعد میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں حق ہے ڈیئر ٹینا! کیونکہ ظاہر ہے میں تم پر مسلط ہی ہوا ہوں لیکن کوئی حرج نہیں ہے تھوڑا سا وقت گزار لیتے ہیں اس کے بعد تم لوگوں کا پیچھا چھوڑ دوں گا۔ تھوڑے سے وقت سے مراد گھنٹہ دو گھنٹے بھی ہوسکتے ہیں۔"

"بس برا مان گئے۔" ٹینا محبوبیت سے بولی اور پھر اس نے میری آغوش میں سر رکھ دیا۔ وہ نیم دراز ہوگئی تھی۔ اس حد تک اسے برداشت کیا جاسکتا تھا وہ مجھے دیکھتی رہی لیکن اس وقت ایک عجیب واقعہ ہوا۔ اچانک ہی فضا میں تیز اور ایک کریہہ چیخ لہرائی اور اس کے ساتھ ہی ایک عجیب سی بات ہوئی ایک گدھ ٹینا پر جھپٹا تھا اور اس نے اس کے سر پر پنجے مارے تھے۔ ٹینا کی پیشانی پر ایک گہری لکیر پڑ گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس سے خون نمودار ہوگیا۔ وہ چیخ مار کر اٹھ گئی تھی۔ گدھ غوطہ لگا کر فضا میں بلند ہوگیا تھا اور اس کے بعد وہ برق رفتاری سے گھوم کر پھر پیچھے کی سمت آیا۔ ٹینا جلدی سے اٹھ گئی تھی۔ پیشانی سے نکلنے والا خون اس کی آنکھوں تک آرہا تھا اور اس کے حلق سے آوازیں نکل رہی تھیں۔ میں نے گھبرا کر گدھ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے شعاعیں سی نکلتی محسوس ہو رہی تھیں۔ ننھی ننھی آنکھوں سے خونخوار شعاعیں' ایک بار اس نے پھر غوطہ لگایا اور ٹینا چیخ کر اوندھی ہوگئی۔ گدھ بہت زیادہ غضب کا شکاری تھا۔ اس بار اس نے پنجہ مارنے میں کامیابی تو نہیں حاصل کی تھی لیکن پھر بھی ٹینا کے کپڑوں کو چھوتا ہوا گزر گیا۔ ٹینا جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔

"بھاگو.......... بھاگو یہاں سے.........." اس نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر بھاگنے لگی۔

گدھ اب بھی فضا میں چکر لگا رہا تھا۔ ٹینا نے آنکھوں پر آجانے والا خون ہاتھ سے پونچھتے ہوئے کہا۔

"کاش! میرے پاس اس وقت پستول ہوتا۔" وہ دانت کچکچا کر گدھ کو دیکھنے لگی۔ لیکن گدھ بڑا غضبناک معلوم ہو رہا تھا۔ تیسرا چکر بھی لگایا اس نے لیکن میں نے دونوں ہاتھوں سے اسے بھگانے کے لئے ہاتھ ہلائے تھے وہ اس بار تیزی سے اڑتا ہوا ایک طرف

چلا گیا۔ ٹینا نے پیشانی پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ ویسے بھی خون زیادہ نہیں بہہ رہا تھا لیکن پیشانی پر ایک گہری خراش پڑ گئی تھی۔ وہ درختوں کی چھاؤں میں آ گئی اور یہاں بھی گدھ کا خطرہ موجود تھا بلکہ زیادہ موجود تھا۔ کھلے آسمان میں تو اسے دیکھا جا سکتا تھا البتہ یہاں پہنچنے کے بعد اس نے اپنی رہائش گاہ کی طرف رخ کیا اور ایک ریوالور نکال لائی۔ ریوالور گود میں رکھ کر وہ نیچے بیٹھ گئی۔ میں نے کہا۔

"میں تمہاری پیشانی پر پٹی باندھ دوں۔"

"نہیں ٹھیک ہے۔ خون خود زخم کا علاج ہوتا ہے۔" ٹینا نے کہا۔

وہ بار بار اپنے زخم پر ہاتھ کی ہتھیلی رکھ لیتی تھی اور میں اس پُراسرار گدھ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ بڑی عجیب و غریب کیفیت کا شکار تھا میں۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ گدھ اس کے پیچھے کہاں سے لگ گیا۔ ٹینا اب سنبھل گئی تھی اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"یہ گدھ تھا نا؟ ایک بار مجھے نظر آ جائے۔ چیتھڑے نہ اڑا دوں تو میرا نام ٹینا نہیں ہے۔ مگر یہ اسے ہوا کیا تھا۔ مجھے تو ایسا لگ رہا تھا کہ کسی بات سے وہ سخت مشتعل ہو گیا ہو۔"

"میں خود حیران ہوں اور مجھے افسوس ہے۔"

"آہ! مجھے سب سے زیادہ افسوس تو یہ ہے کہ کہیں اس زخم کا نشان میری پیشانی پر باقی نہ رہ جائے۔"

بہرحال ٹینا عورت تھی۔ چاہے پُراسرار اور ویران علاقے میں رہ رہی ہو لیکن بہرحال وہ اپنی نسوانیت سے دور نہیں تھی۔ وقت کافی گزر گیا ٹینا کچھ نڈھال سی ہو گئی تھی۔ میں نے اسے آرام کرنے کا مشورہ دیا اور جب وہ اپنی رہائش گاہ میں گہری نیند سو گئی تو میں ان حالات کے بارے میں غور کرنے لگا۔ یہ تو بڑی عجیب سی کیفیت ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے مجھے ایمزون نکل جانا چاہئے۔ اِدھر کی دنیا میں میرے لئے گنجائش ہو سکتی ہے لیکن بہت سے خیالات میرے دل میں آ کر گزرتے رہے۔ اس ملک میں داخل ہو کر میں اپنے آپ کو وہاں کا شہری کیسے قرار دے سکوں گا۔ ظاہر ہے اجنبی ملک ہے اجنبی باتیں ہوں گی ایسی شکل میں ان سے کیا کہوں گا کہ اس طرف کیسے آ گیا۔ یہ تمام خیالات میرے ذہن سے گزر رہے تھے اور میں سخت پریشانی کا شکار تھا۔ ایک طرف تو پُراسرار گدھ کی حیرت انگیز کارروائی۔ دوسری طرف جدید دنیا میں ایک بڑی مشکل پھر صحرائے عرب کا پُراسرار ماحول یہ ساری چیزیں گڈمڈ ہو گئی تھیں اور مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ مجھے

بہرحال کسی طرح ان تمام معاملات میں اپنے آپ کو ضم کرنا ہے۔ میرے خیال میں یہ گنجائش تھی کہ میں اپنے آپ کو پوشیدہ کر کے جس طرح بھی بن پڑے وہاں سے نکل جاؤں۔

☆======☆======☆

شاید ہی کسی کی زندگی کے ساتھ ایسا کوئی کھیل ہوا ہو۔ جیسا میری زندگی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ بچپن سے لے کر آج تک سارے کا سارا ماحول اجنبی تھا۔ چچا گلاب شیر ہی کون سی کم شیطانی شخصیت کے مالک تھے کہ اس کے بعد میں مسلسل شیطانی جال میں پھنس گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس شیطانی جال سے نکلنے کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔ ربابہ کے بارے میں جو کہانی میرے علم میں آئی تھی وہ ایک دلکش اور سنگین کہانی تھی لیکن سچی باتیں کون جانے وہ کہانی سچی بھی تھی یا نہیں آہ کاش کوئی ایک شخص مجھے ایسا مل جاتا۔ جس سے دل کی تمام باتیں بتاتے ہوئے میں یہ پوچھتا کہ کیا ربابہ واقعی ایک سنگین سحر ہے یا پھر صرف ایک تصور جس کے بارے میں بے شمار من گھڑت کہانیاں ایک کے بعد ایک میری زندگی میں شامل ہوتی جا رہی ہیں اور ازل سے ربابہ میرے لئے ایک پُراسرار سحر بنی رہی۔ اس نے میری بھرپور مدد کی یہ بات میں جانتا تھا کہ بہت سے نازک مرحلوں پر ربابہ نے میرے لئے بہت کچھ کیا لیکن ان ساری باتوں کے باوجود وہ ابھی تک میرے لئے ایک معمہ بنی ہوئی تھی۔

سب سے بڑی بات یہ کہ اس وقت جب ایک بار پھر میں ہوش و حواس کی منزل میں آیا تھا۔ تو سارا ماحول سارا ماضی میرے لئے اجنبی ہو چکا تھا ایک ریتلے صحرا میں ریت کے ایک ٹیلے پر اپنے آپ کو پایا تھا بدن کے نیچے نرم ریت ایک نرم و گداز بستر معلوم ہوا لیکن جب روشنی کی کرنوں نے آنکھوں میں تکلیف پیدا کی تو اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور پھر جو منظر دیکھا وہ میرے لئے ناقابل یقین تھا۔ بھوری ریت کے حسین ٹیلے جن پر ہواؤں کی مصوری ایسی کہ دیکھ کر قدرت کی کاریگری کا قائل ہونے کو دل چاہے ہر چیز اسی کے حکم سے تو جنبش کرتی ہے اور ہوا کی تراش اس کے لئے ایک زندہ مثال' لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں یہاں کیا جھک مار رہا ہوں۔ ایک بار پھر میرا وجود بھٹک گیا تھا آہ کون سی باتیں عقل و دانش سے تعلق رکھتی ہیں اور کون سی خواب ہیں۔ "کسی سے پوچھو یہ جو منظر نگاہوں کے سامنے پھیلا ہوا ہے اسے یقین سمجھوں یا دھوکا ابھی چونکہ سورج پوری طرح فضا میں بلند نہیں ہوا تھا۔ اس لئے یقین اور دھوکے کی منزل میں تھا۔ جب سورج بلندی پر پہنچے گا اور بہت بلند ہونا شروع ہو جائے گا تو سارے خواب دھرے کے دھرے رہ

جائیں گے۔ بہتر ہے کہ اس سے پہلے آگے کا سفر اختیار کیا جائے۔ کچھ بھی پاس نہیں تھا۔ نہ کوئی ساتھی نہ ہمدرد' نہ غم خوار۔ سارے کردار ایک بار پھر نگاہوں کے سامنے سے غائب ہوگئے تھے اور وہ سایہ جو میرے ساتھ سفر کر رہا تھا میں نہیں جانتا تھا وہ کون ہے اب کیا کروں دل میں سوچا اور یہ سوچ کر دہشت زدہ ہوگیا کہ گرم ریت میں کہیں میری قبر نہ بن جائے۔ ریت سے تھوڑی بہت واقفیت حاصل تھی۔ بھاگنا چاہئے تاکہ کوئی منزل پالوں۔ شاید یہ وحشت تھی کہ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دوڑنا شروع کردیا۔ تاحد نگاہ پھیلے ہوئے ریگستان میں آخری سرے پر آسمان تھا مجھے کہاں جانا ہے لیکن آخری سرا تو میرے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی سورج کی گرمی ریت میں ہلکی ہلکی گرمی پیدا کر رہی تھی۔ ہوا البتہ بند تھی اگر ہوا ہوتی تو شاید زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا۔ ریت اپنی جگہ جمی ہوئی تھی۔ البتہ ریت کے ذرات دوڑنے سے میرے جسم سے جھڑ گئے تھے۔ سورج آہستہ آہستہ بلند ہوتا رہا اور ریت گرم ہوتی رہی یہاں تک کہ فضا میں شدید گرمی پھیل گئی اور میں دہشت زدہ ہوتا رہا۔ میرے معبود کیا ہے یہ سب کچھ میری غلطیوں کا صلہ ہے؟ کہاں کہاں غلط رہا ہوں اور کہاں صحیح قدم اٹھایا ہے۔ اپنا تجزیہ کرنے کا اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں مل سکتا تھا۔ دوڑتے ہوئے ان باتوں پر بھی غور کر رہا تھا اپنی فلم چل رہی تھی اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ زندگی بالکل بے مقصد گزاری ہے نہ اپنے کسی کام آیا نہ کسی اور کے' بس سرگرداں رہا ہوں بے کار و بے مقصد کوئی ایسا کام نہیں کیا جو میرے نیک حساب میں جمع ہوتا البتہ بدی کے بہت سے راستے سامنے آئے۔ فضا میں خوب گرمی پھیل گئی لیکن کہیں ریت کے بگولے چکراتے ہوئے محسوس ہوئے۔ کتنی ہی مرتبہ تو یوں لگا جیسے کوئی تیز رفتاری سے دوڑتا ہوا میرے ساتھ چل رہا ہو۔ میں ایک لمحے کے لئے رک جاتا یہ پوچھنے کے لئے کہ دوڑنے والے سے پوچھوں کہ بھائی کوئی راستہ تو بتاؤ لیکن جب وہ قریب سے گزرتا تو پتہ چلتا کہ وہ ریت کا ایک بگولہ ہے۔ بگولوں کا یہ سفر جاری رہا اور میں دوڑتا رہا بھوک پیاس تھکن سے میرا برا حال ہوگیا اور میں ان لوگوں کے بارے میں سوچنے لگا جو مجھ سے پہلے اس طرح کے حادثوں کا شکار ہوئے ہوں گے صحرائی بگولے سفر کرتے رہے اور میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر زندگی تلاش کرتا رہا۔ شاید یہ بھی قدرت کا ہی اصول ہے کہ زندگی تلاش کرو تو زندگی مل جاتی ہے۔ نگاہ کی حد میں سورج کی تیز روشنی نے ایک منظر میری آنکھوں کے سامنے پیش کیا۔ گو منظر واضح نہیں تھا لیکن تاحد نگاہ پھیلی ہوئی بھوری ریت پر یہ لمبی لمبی لکیریں ظاہر ہے کسی انسانی مصور کی کاریگری معلوم ہوتی تھیں۔ سیدھی سیدھی لمبی لکیریں اونچی اونچی

اور ان کے دامن میں پھیلی ہوئی ایک اور لمبی لکیر ایک ناقابل یقین منظر پیش کر رہی تھی یہ لکیریں کیا چیز ہوسکتی ہیں۔ میرے ذہن میں یہ تصور پیدا ہوگیا ایک بار پھر میں نے اپنی جسمانی قوتوں کو آواز دی اور تیزی سے بھاگنا شروع کردیا۔ میں اس لکیر تک کا سفر مکمل کرلینا چاہتا تھا۔ میری نگاہیں اُدھر جمی ہوئی تھیں کہ اچانک ہی میں نے ایک سمت سے گرد کا ایک طوفان بلند ہوتے ہوئے دیکھا۔ یہ کوئی عظیم الشان طوفانی مرغولہ تھا جو فضا میں کافی بلندی کے ساتھ سفر کر رہا تھا اور اس کی کیفیت کچھ عجیب سی تھی لیکن جوں جوں اس طرف غور کیا' مجھے احساس ہوا کہ اس بار ریت کا مرغولہ نہیں اڑا ہے بلکہ یہ ریت مصنوعی طور پر اڑی ہے اور اس کے دامن میں بہت سے گھوڑ سوار سفر کر رہے ہیں ان کا رخ اسی طرف تھا ایک لمحے کے لئے میرے قدم ٹھٹکے۔ یہ ایک عجیب منظر تھا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ گھوڑے سوار کون ہیں جو اس طرف آرہے ہیں گردو غبار انہی کے گھوڑوں کے ٹاپوں سے اڑ رہا تھا لیکن مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ان کے گھوڑے دوڑ تو رہے ہوں لیکن فاصلے طے نہ ہو رہے ہوں۔ میرے قدم غیر اختیاری طور پر دوڑتے رہے اور وہ لکیر واضح ہوتی چلی گئی۔ اس وقت مجھ کو یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ میں گھڑ سواروں کا انتظار کروں یا اس لکیر کی طرف دوڑتا رہوں لیکن لکیر اب میری آنکھوں کے سامنے واضح ہوگئی تھی۔

عظیم الشان صحرا میں قدرت کے انعامات کے بارے میں سن چکا تھا۔ جنہیں نخلستان کہا جاتا ہے۔ ان نخلستانوں میں کھجوروں اور ناریل کے درخت اور پانی مل جایا کرتا ہے انہیں کائنات میں بسنے والا کوئی سائنسدان یا کوئی انسان تخلیق نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اور صرف قدرت کی تخلیق ہوتی ہے اور ایسے لوگوں کو نظر آتی ہے جنہیں قدرت انتہائی برے حالات کے باوجود اپنی رحمت کا سایہ عطا کرتی ہے یا کرنا چاہتی ہے۔ نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں تو اس قابل نہیں تھا کہ مجھے ایسی کسی دولت سے نواز جائے لیکن اس وقت میرا ایمان تازہ تھا میں جانتا تھا کہ یہ نخلستان میرے لئے تخلیق کیا گیا ہے۔ چنانچہ انسانوں کی قربت نظر انداز کرکے میں نے اسی طرف دوڑنا شروع کردیا اور وہ سراب باقاعدہ ایک سرسبز وشاداب نخلستان کی شکل اختیار کرگیا۔ کیا قدرت ہے۔ کیا قدرت ہے۔ ریت کے عظیم الشان پہاڑ اُدھر سے اِدھر متحرک ہوتے رہتے ہیں لیکن قدرت کی یہ تخلیق ان سے محفوظ اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ یقیناً یہاں پانی بھی ہوگا۔ میں نے ایک نگاہ ان گھوڑے سواروں کی طرف ڈالی وہ بھی اب قریب پہنچتے جارہے تھے۔ میں دوڑتا ہوا اس لکیر سے اندر داخل ہوگیا۔ یہاں پتھریلی چٹانیں' نرم ریت اور ناریل کے

لاتعداد درخت تھے۔ درختوں کا ایک جھنڈ ایک چھوٹی سی جھیل کا احاطہ کئے ہوئے تھا اور یہ سب کچھ درحقیقت ایسا لگتا تھا جیسے کسی مصور نے ایک حسین تصویر بنادی ہو لیکن دوسری بات میرے لئے ناقابل یقین تھی۔ وہ یہ کہ وہ وحشی گھوڑے سوار جو آہنی لباس پہنے ہوئے تھے۔ اس نخلستان کے چاروں طرف چکرانے لگے۔ ان کے چہروں پر وحشت کے نقوش تھے اور ان کی خونخوار آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ کیا قصہ ہے۔ یہ کون لوگ ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ ان کا وحشت بھرانداز تو بڑا سنسنی خیز تھا کیا یہ میرے دشمن ہیں کیا یہ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اس سے یہ احساس ہوا ہے کہ اگر میں اس نخلستان میں داخل ہونے کے بجائے کہیں رک کر ان کا انتظار کرتا تو وہ تو میری تکہ بوٹی کر ڈالتے۔ ایک بار پھر ذہن میں سوال ابھرا کہ کیوں آخر کیوں؟ ایسا کیوں چاہتے ہیں وہ لیکن یہ سوال پوچھے بغیر جواب نہیں بن سکتا تھا۔ میں سب کچھ بھول کر انہیں دیکھتا رہا۔ ان کی وحشت خیزی تیز سے تیز تر ہوتی جارہی تھی۔ گھوڑوں کی رفتار انتہائی خوفناک تھی اور وہ اس لکیر کے چاروں طرف چکرا رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس میں داخل نہ ہوسکتے ہوں۔ یا خود داخل ہونے سے گریز کر رہے ہوں البتہ گھوڑوں کی تیز رفتاری ان کی وحشت خیزی کا اظہار تھی۔ پھر دوسرے لمحے انہوں نے ایک اور عمل شروع کیا۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے نیزے میری طرف پھینکنے شروع کردیئے اور اس وقت میرا منہ حیرت سے کھل گیا جب میں نے یہ دیکھا کہ جیسے ہی ان کے نیزے اس نخلستان کی سرحد عبور کرتے ٹیڑے ہوکر نیچے گر جاتے۔ ان میں سے ایک بھی نیزہ مجھ تک نہیں پہنچ رہا تھا۔ نیزوں کے بعد کلہاڑیاں اور پھر جو کوئی بھی ہتھیار ان کے پاس تھا انہوں نے اپنی نفرت کے اظہار میں مجھے ہلاک کرنے کے طور پر اندر پھینکا لیکن مقدس لکیر ان ہتھیاروں کو مجھ تک آنے سے روک رہی تھی اب تو میں خوفزدہ ہوگیا اور جلدی سے دوڑ کر ناریل کے درخت کی اوٹ میں کھڑا ہوگیا۔ گو اوٹ ناپائیدار تھی لیکن پھر بھی میرے لئے تحفظ کا باعث تھی لیکن ان کی یہ حرکت میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہی تھی۔ آہ۔ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ وہ مجھ سے نفرت کیوں کرتے ہیں۔ کیا چاہتے ہیں وہ۔ کون ہیں یہ میرے دشمن؟ کوئی بات سمجھ میں تو آئے۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح طوفانی گردش کرتے رہے اور آخر کار ایک سمت اختیار کرکے چل پڑے میں انہیں دیکھتا رہا۔ جاتے ہوئے انہوں نے ایک قطار بنالی تھی پھر جب آخری گھوڑ سوار بھی میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تو میں نے تھکے تھکے انداز میں گردن جھٹکی۔ عین اسی وقت درختوں کے سرگوشیاں کرنے والے جھنڈ سے ایک شخص نمودار ہوا۔ اس کے قدموں کی چاپ نے مجھے اس کی طرف متوجہ

کردیا تھا اور اس کو دیکھ کر میں ایک لمحے کے لئے سہم گیا لیکن دوسرے لمحے میری آنکھوں میں حیرت کے نقوش اجاگر ہوگئے۔ میں نے اسے ایک لمحے کے اندر پہچان لیا تھا یہ سونار تھا۔ ہاں سوفیصدی یہ سونار ہی تھا جو میری جانب آرہا تھا۔ ایک ایسے شناسا کو دیکھ کر جس کا میری زندگی سے بہت گہرا تعلق تھا۔ میں کافی حد تک ڈھارس محسوس کرنے لگا۔ اور اسے دیکھتا رہا وہ میرے قریب آگیا پھر میں نے دیکھا اس کے ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم جیسے خوش نصیب کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ بہت کم ہوتے ہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ آسمانی قوتیں تم سے وہ اہم کام لینا چاہتی ہیں جو کسی اور کے لئے ممکن نہیں ہے۔" میں اسے دیکھتا رہا میں نے کہا۔

"اگر میں پہچاننے میں غلطی نہیں کر رہا تو تم۔"

"ہاں۔ میں سونار ہوں یا پھر دوسرے معنوں میں تم مجھے بابا خیال کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ میرا نام یہی رکھا گیا تھا۔"

"مگر تم یہاں کہاں؟"

"میں نے کہا نا جو کھیل ہماری زندگی میں چل رہا ہے اور ہم جس میں نادانستہ طور پر ملوث ہوگئے ہیں وہ معمولی کھیل نہیں ہے وہ ایک پُراسرار عمل ہے جو اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک کہ اپنے منطقی انجام تک نہ پہنچ جائے۔"

"میری عقل نے تو میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے اب میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں کیسے کیسے حالات سے گزرا ہوں۔"

"تمہاری ضرورت میں نہیں پوری کرسکتا کیونکہ میرے ہاتھ غیر مرئی ہیں۔ ناریل ٹوٹ کر گرے ہیں تمہاری شکم سیری کے لئے معقول بندوبست ہے۔ پہلے اپنا جسمانی عمل پورا کرلو۔"

"ہاں میں اس کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں اور قدرت کا یہ انعام بھی انسان کے لئے بڑا عجیب ہے۔ تپتے ہوئے ریگستانوں میں میٹھا پانی اور سفید حلوہ۔ جو لذت دیتا ہے وہ وہی لوگ جان سکتے ہیں جنہیں کبھی اس لذت کی ضرورت پیش آئی ہو۔" میں تو اب طلسمی عمل کا عادی ہوگیا تھا۔ اتنے پُراسرار اور سنسنی خیز واقعات پیش آئے تھے میرے ساتھ کہ درجنوں کہانیاں بن گئی تھیں اور میں ان کہانیوں کا مرکزی کردار تھا۔ بہرحال پوری طرح سیر ہونے کے بعد میں سونار کے پاس آبیٹھا۔ اس نے آسودہ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے چہرے کی رونق واپس آگئی ہے۔"

"ناریل کھا کر نہیں بلکہ تمہیں یہاں دیکھ کر۔" میں نے جواب دیا اور وہ مسکرانے لگا پھر بولا۔

"میں تمہیں دنیا کا خوش نصیب ترین آدمی کہہ رہا تھا اور میرے یہ الفاظ بے مقصد نہیں تھے تم ہر مشکل سے بچتے رہے ہو۔ میرا خیال ہے تمہاری زندگی پر جتنے وار ہوئے ہیں اتنے شاید ہی کبھی کسی پر ہوئے ہوں اور تمہارے بچنے کا جو انداز رہا ہے وہ بھی کسی کا نہ رہا ہو گا۔ بہت بڑی بات ہے بہت ہی بڑی بات ہے۔ پرانی باتوں کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ نئی واردات یہ تھی کہ تم جس ماحول میں بھٹکتے رہے ہو وہ صرف طلسمی عمل کا نتیجہ تھا۔"

"تمہیں معلوم ہے مجھ پر کیا گزر چکی ہے۔"

"ہاں سب کچھ۔ نئے کردار۔ نئے لوگ اور نیا نیا ماحول تمہارے سامنے آتا رہا ہے اور تم اس میں ضم ہوتے رہے ہو اور اپنے آپ کو بچاتے رہے ہو۔ بہت بڑی بات ہے یہ کیا سمجھے۔"

"ہاں۔ میں سمجھ رہا ہوں۔"

"خیر۔ یہ سمجھ لو کہ وہ سارے طلسم یدھ راج کے پیدا کئے ہوئے تھے۔ تمہیں یاد ہے سفید حویلی میں یدھ راج نے تمہیں اس آرٹ گیلری میں دیکھ لیا تھا۔ اس کے بعد سے وہ تمہاری کھوج میں لگ گیا اور پھر تم تلکاشیا پہنچے تو اسے اس بات کا خوف پیدا ہو گیا کہ اب اس پر سنگین وار ہوں گے اور اس نے اپنی طلسمی قوتوں سے کام لے کر تمہیں جگہ جگہ بھٹکانا شروع کر دیا۔ حسین ترین لڑکیاں تمہارے سامنے لائی گئیں اور انہوں نے تمہیں اپنی جسمانی قربت کی پیشکش کی۔ یہاں میں دہشت زدہ ہو گیا تھا یہ سوچ کر کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم یدھ راج کے شکار نہ ہو جاؤ۔ اگر تم ان میں سے کسی ایک کا بھی شکار ہو جاتے تو سارا کھیل ختم ہو جاتا پھر تمہارے ہاتھ کچھ نہ رہتا۔ تمہیں کالا مندر سے ایک دم دور کر دیا گیا تاکہ تم اس مندر میں جا کر اس چکر تک نہ پہنچ جاؤ۔ جو یدھ راج کا ٹھکانہ ہے۔ یہ سارے کھیل یدھ راج کے کھیلے ہوئے تھے۔ اس نے تمہیں اس صحرائے عرب میں اس لئے بھیجا تھا کہ اشوریہ کی تاریخ زندہ ہو جائے اور تم اشوری سپہ سالار ارمیز کی حیثیت سے ایک بار پھر موت کی آغوش میں پہنچا دیئے جاؤ لیکن کچھ پُراسرار قوتیں تمہاری حفاظت بھی کر رہی ہیں۔ اگر ریت کے اس ویرانے میں رک کر تم گھوڑے سواروں کی آمد کا انتظار کرتے تو اس وقت ریت پر خون کے کچھ دھبوں کے سوا اور تمہاری ہڈیوں کے سوا کچھ نہ ہوتا لیکن تم تحفظ کے اس نخلستان میں داخل ہو گئے اور وہ لوگ ناکام

رہے۔ ارمیز ایک بار پھر زندہ بچ کر ان کی دنیا سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ کیا سمجھے۔"

"آہ.......... کاش میں کچھ سمجھ سکتا۔ اب یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"کچھ نہیں اب سونار کیا بتائے تمہیں۔ وقت خود تمہارے لئے بہتر تجویز کر سکتا ہے تو پھر کسی اور کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔"

"مگر یہ تو بتاؤ کہ مجھے اب کرنا کیا چاہئے۔"

"فی الحال آرام تاکہ تمہاری تمام تر جسمانی تھکن دور ہو جائے اور ایک آخری بات یہ ہے کہ یدھ راج کو ختم کئے بغیر یہ طلسم کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ ربابہ تمہیں مل جائے گی نظر آ جائے گی لیکن جب تک یدھ راج زندہ ہے کوئی کام نہیں ہو سکے گا۔ چلو آرام کر لو۔ بعد میں دیکھنا کہ کیا کر سکتے ہو۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا یہاں ایک بہت ہی نفیس سائے دار جگہ تھی۔ جبکہ نخلستان کی اس لکیر کے باہر سورج کی قہر سامانیوں کے نظارے دیکھے جا سکتے تھے۔ ٹھنڈی اور خوشگوار فضا میں لیٹا تو آنکھیں جیسے مجھ سے دور ہی ہو گئیں۔ لمحوں میں نیند اس طرح آتی ہے۔ اس کا تجربہ زندگی میں پہلی بار ہوا اور نہ جانے کب تک سوتا رہا تھا۔ پھر کسی نے چہرے پر پانی کی پھواریں ڈالیں تب ہی آنکھ کھلی۔ نہ جانے کون تھا جو میرے ساتھ یہ عمل کر رہا تھا میں نے حیرت سے اپنے چاروں طرف دیکھا اور دوسرے لمحے میری آنکھیں دہشت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پانی کی پھواریں میرے چہرے پر کوئی نہیں ڈال رہا تھا بلکہ میرے سامنے ہی ایسی دھواں دھار بارش ہو رہی تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ لگ رہا تھا کہ کوئی آبشار آسمان سے زمین تک گر رہا ہے۔ میرے بدن کے نیچے فرش ٹھنڈا اور گیلا تھا اور ایک گہری تاریکی میرے گرد چھائی ہوئی تھی۔ میرا پورا جسم شل ہو رہا تھا اور کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ شاید حد سے زیادہ نقاہت اور خالی پیٹ ہونے کے باعث میری یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ میں بے حس و حرکت ہوں۔ مجھ پر ایک خواب کا سا عالم طاری تھا اور میں خالی خالی نگاہوں سے بارش کے اس ماحول کو تک رہا تھا لیکن کچھ لمحوں کے بعد حواس مزید جاگے تو مجھے احساس ہوا کہ میرے اوپر کوئی ایسا سائبان ہے جو بارش کو براہ راست مجھ تک نہیں پہنچنے دے رہا اور جو پھواریں میرے جسم سے ٹکرا رہی ہیں اور جن سے میرا جسم گیلا ہو گیا ہے وہ پانی کے زمین پر گر کر چھینٹے آنے کی وجہ سے مجھ پر آ رہی ہیں کیونکہ بارش انتہائی تیز اور موسلا دھار تھی۔ اس لئے بارش کی یہ واپسی مجھے پانی کی دھاریں معلوم ہو رہی تھیں لیکن نزدیک اس جگہ میں نے بمشکل تمام گردن موڑی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اب میرے ہوش و حواس درست ہوتے جا رہے تھے جس جگہ میں پڑا

ہوا تھا وہ ایک آتش دان نما جگہ تھی دیواریں کوئلوں کی سیاہی سے کالی ہو رہی تھیں اور سامنے کا حصہ کھلا ہوا تھا۔ اوپر ایک بڑا سا سوراخ نظر آرہا تھا جو یقیناً کسی چمنی کا تھا۔ میں بوکھلا کر اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ یہ کیا قصہ ہے پھر میں نے گردن آگے بڑھائی اور زمین پر دیکھنے لگا۔ زمین زیادہ نیچے نہیں تھی سامنے ایک بڑی سی دیوار نظر آرہی تھی جس میں ایک دروازہ بنا ہوا تھا۔ دروازے کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا اور دوسرا بند تھا۔ آہستہ آہستہ کیفیت کا اندازہ ہوتا چلا گیا غالباً دو دیواروں کے درمیان یہ جگہ بنی ہوئی تھی اور ان دیواروں کا تقریباً دو فٹ کا فاصلہ تھا۔ نیچے کھردری زمین تھی اور سامنے کھلا دروازہ۔ بارش اس قدر خوفناک تھی کہ یہاں سے باہر پانی دھائیں دھائیں کرکے نیچے گر رہا تھا۔ غالباً بارش شروع ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ اس مدہوشی کے عالم میں میرا پورا جسم شرابور ہو گیا ہوتا اور اگر یہاں دس منٹ بھی کھڑا رہا تو وہی ہو گا جو میں سوچ رہا ہوں۔ مگر یہ دروازہ اس کی دوسری طرف کیا ہے۔ یہ تو دیکھنے سے ہی پتہ چلے گا۔ بہرحال ایک لمحے تک تو میں سوچتا رہا۔ پھر دوسرے لمحے میں نے ہر قسم کے خطرے سے بے نیاز ہو کر باہر چھلانگ لگادی اور پلک جھپکتے اس دروازے پر پہنچا اور پھر غڑاپ سے اندر داخل ہو گیا لیکن میری غڑاپ کھڑاک ہی ثابت ہوئی تھی۔ دوسری طرف ایک پھسلواں راستہ تھا جس پر میں اپنے قدم نہیں جما سکا اور بری طرح لڑکھڑا کر گہرائیوں میں پھسلتا چلا گیا۔ مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ یوں لگا تھا جیسے کسی کنویں میں آگرا ہوں میرا دل قابو سے باہر ہو رہا تھا اور ہاتھ پاؤں لرز رہے تھے۔ میں نے نامعلوم سہارے تلاش کئے لیکن میرے ہاتھوں کو کوئی سہارا نہیں ملا۔ البتہ بدن رک گیا تھا اور میں پتھریلی زمین پر پڑا ہوا تھا۔ وہیں پر پڑا ہانپتا رہا مجھے یاد نہیں کہ یہ حالت کتنی دیر رہی۔ کچھ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا لیکن رفتہ رفتہ حواس درست ہو گئے۔ آنکھوں نے کام کرنا شروع کر دیا۔ ایک بڑی سی جگہ تھی جس کے بارے میں تاریکی کی وجہ سے کوئی اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا لیکن حیرانی کی بات یہ تھی کہ آہستہ آہستہ یہ تاریکی ختم ہوتی جا رہی تھی اور کمرے میں زرد رنگ کی مدھم مدھم روشنی پھیل رہی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی اب یہ کمرہ پہلے کی طرح سرد نہیں رہا تھا اس کی فضا بھی آہستہ آہستہ گرم ہو رہی تھی۔ گرمی کا احساس ہوتے ہی میرے بدن میں قوت کی ایک تازہ لہر دوڑ گئی اور میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میری نگاہوں کے عین سامنے کوئی آٹھ نو فٹ کے فاصلے پر ایک بڑے سے روشن دان میں آہستہ آہستہ نارنجی شعلے نمودار ہونے لگے۔ یہ گرمی انہی شعلوں کی تھی۔ آتشدان کے اوپر بنے ہوئے لکڑی کے مینٹل پیس پر نہایت خوبصورت اور پرانی وضع کا اونچا شمع دان

رکھا ہوا تھا جس میں دودھ کی مانند لمبی لمبی سفید شمعیں خود بخود روشن ہو گئیں تھیں۔ اس روشنی میں، میں نے اس عظیم الشان کمرے کو دیکھا۔ اسے کمرہ نہیں ایک بہت ہی بڑا ہال کہا جا سکتا تھا۔ میں دیر تک بے حس و حرکت کھڑا اس پُراسرار آتش دان اور شمع دان کو تکتا رہا۔ خدا بہتر جانتا تھا کہ یہ کیا بھید ہے اور کیا پُراسرار طلسم ہے۔ پہلے جب میں یہاں گرا تھا تو نہ تو یہاں آتش دان میں شعلے بھڑک رہے تھے اور نہ یہ شمعیں روشن تھیں۔ بہت دیر تک میں غور کرتا رہا اور پھر اچانک ہی میرے بدن نے آگ کی طلب محسوس کی۔ بھیگ جانے کی وجہ سے جو سردی میرے جسم میں داخل ہو گئی تھی۔ اسے دور کرنے کے لئے میرا بدن آتش دان کی آگ مانگ رہا تھا میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس آتش دان کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ آتش دان میں آگ تیزی سے بھڑک رہی تھی اور لکڑی کے تراشے ہوئے ٹکڑے ابھی پوری طرح جلے نہیں تھے انہیں دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں ابھی ابھی آتش دان میں ڈالا گیا ہے۔ آگ کی تپش نے میرے حواس درست کر دیئے اور میرے بدن پر ایک خوفزدہ کپکپی طاری ہو گئی۔ مجھے سونار یاد آیا گزرے ہوئے پُراسرار واقعات یاد آئے۔ یہ واقعہ انہی پُراسرار واقعات میں سے ایک تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جگہ کون سی ہے لیکن اس کا کوئی صحیح انداہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ تھوڑی دیر اسی طرح گزر گئی اب میرا جسم سردی کے اثر سے آزاد ہو گیا تھا اس دوران ایک اور عجیب بات میرے مشاہدے میں آئی۔ میں نے غور سے اس پُراسرار شمع دان کو دیکھا تھا۔ جس میں موم کی لمبی لمبی شمعیں روشن تھیں۔ ہر شمع کا شعلہ خاصا اونچا اور مسلسل روشن تھا لیکن اس شعلے میں ذرہ برابر جنبش نہیں تھی۔ وہ قطعی ساکت تھا کمرے میں کبھی کبھی ہوا کے تیز جھونکے بھی آجاتے تھے۔ جن کے باعث بدن کا لباس جنبش کرنے لگتا تھا لیکن موم بتیوں کے شعلے بالکل سیدھ میں اوپر اٹھ رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان پر ہواؤں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے۔ میرے اس تاثر نے مجھے اس قدر متاثر کیا کہ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر موم بتی کے قریب پہنچ گیا اور میں نے ایک موم بتی کے شعلے پر زور سے پھونک ماری لیکن وہ جنبش کئے بغیر جلتا رہا۔ بات انتہائی خوفزدہ کرنے والی اور سنسنی خیز تھی۔ میرے ذہن میں یہ خیال تیزی سے گردش کرنے لگا کہ یہ جگہ انتہائی پُراسرار ہے اور نہ جانے کیوں میں یہاں تک پہنچا ہوں۔ سرد ہوائیں کہیں کہیں سے کمرے میں گھس آتیں اور سردی پھر بڑھ جاتی آتش دان کے شعلے ہلنے لگتے لیکن کیا مجال کہ شمع کی روشنی جنبش کر جائے۔ میرے ذہن پر کچھ ایسا تجسس سوار ہوا کہ میری نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹکنے لگیں اور پھر ایک لمبی سی لکڑی میرے ہاتھ لگی تو میں اسے سنبھال کر شمع دان کے قریب

پہنچ گیا۔ شمع دان میں جلتے ہوئے شعلے میں، میں نے یہ لکڑی لگائی تو لکڑی شعلے کے اندر سے گزر گئی لیکن اس کے ساتھ ہی وہ شعلہ بجھ گیا۔ بڑی عجیب سی کیفیت تھی۔ بہرحال اس قسم کے پُراسرار طلسمات میرے لیے اب اس قدر اہمیت نہیں رکھتے تھے کہ میں دہشت سے کانپنے لگتا۔ بہت کچھ دیکھ چکا تھا اس درمیان مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ کیا یہاں سے نکل جاؤں۔ میں نے اس پھسلوان راستے کو دیکھا اور میری نگاہیں اس پر سے گزرتی ہوئی اوپر تک پہنچیں لیکن ایک بار پھر دہشت کی ایک لہر میرے رگ وپے میں دوڑ گئی۔ دروازہ کہاں گیا جو اس پھسلوان راستے کے اوپر تھا اور جس پر سے گزر کر میں نیچے تک آیا تھا۔ دروازے کی جگہ مجھے باقاعدہ ایک سپاٹ دیوار نظر آرہی تھی جو ٹوٹی پھوٹی تھی اس کا پلاسٹر ادھڑا ہوا تھا۔ میرے حلق سے بے اختیار دو تین چیخیں نکل گئیں اور میں تیزی سے اس پھسلوان جگہ کی طرف دوڑا اس پر قدم جما کر اوپر چڑھنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ پہلے تو میں صرف اس لئے گر پڑا تھا کہ مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ میں اوپر پہنچا اور دیوار کا سہارا لے کر اپنے آپ کو سنبھالا۔ میرے ہاتھ اس دروازے کو توڑ رہے تھے لیکن نہیں جناب وہ طلسمی دروازہ مجھے نگل کر بند ہو چکا تھا۔ بہرحال خوف انسانی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ خوف محسوس ہوا تھا لیکن کیا کرسکتا تھا۔ واپس نیچے آگیا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ پھر اپنے آپ کو سنبھالا اور سوچا کہ جب میں یہاں تک پہنچ ہی گیا ہوں تو ذرا یہاں کا جائزہ بھی لے لوں باقی تو جو کچھ ہوگا وہ دیکھا جائے گا میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔

اچانک ہی میرے کانوں میں ایک مدھم مدھم سی آواز گونجنے لگی۔ ہلکی ہلکی سی سرسراہٹ' مگر اس بار میرے اندر وحشت کی ایک لہر نمودار ہوگئی تھی۔ کیونکہ یہ آواز مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی تھی۔ ایسی ہی ایک آواز نے مجھے ایک بار تلکاشیا کے مندر میں اس وقت جب میں بدھ راج کی تلاش میں نکلا ہوا تھا ہوش وحواس سے بیگانہ کردیا تھا۔ میرے خدا کیا یہ تلکاشیا کا کالا مندر ہے۔ میں نے اپنے سر کو دو چار جھٹکے دیئے لیکن مسلسل کانوں میں آنے والی آواز ختم نہ ہوئی۔ میں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ میری آنکھیں اس ہال میں پھیلی ہوئی مدھم روشنی میں اچھی طرح کام کر رہی تھیں۔ مجھے وہاں کوئی مکھی اور بھنورہ وغیرہ نظر نہیں آیا لیکن آہستہ آہستہ بھنبھناہٹ کی آواز بلند ہوتی جارہی تھی۔ زن' زن.......... زن زن.......... زن۔ بس ایسی ہی آواز تھی جو مسلسل گونج رہی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے بے شمار مکھیاں اڑ رہی ہوں۔ تکلیف دہ آواز میں اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا اور میرا ذہن اس آواز کے کرب کا شکار تھا۔ اچانک ہی نہ جانے مجھے کیا سوجھی کہ میں

نے شمع دان میں ہاتھ ڈال کر ایک شمع اس میں سے نکال لی اور پھر بڑے سے ہال کی دیواروں کی تلاش میں چل پڑا۔ تھوڑے فاصلے سے مجھے ایک دروازہ تاریکی میں نظر آیا اور دھڑکتے دل اور لرزتے قدموں کے ساتھ میں اس دروازے تک پہنچ گیا۔ دروازہ بھاری لکڑی کا بنا ہوا تھا اور انتہائی قدیم ہونے کے باعث اس کا رنگ سیاہ پڑ چکا تھا۔

اس کو ایک نگاہ دیکھتے ہی محسوس ہوگیا کہ اسے مدت سے نہیں کھولا گیا۔ شمع بائیں ہاتھ میں تھام کر میں نے دائیں ہاتھ سے لکڑی کی وہ گول ہتھی گھمائی جو زمانہ قدیم میں اس طرح کے دروازے کھولنے اور بند کرنے کے لئے لگائی جاتی تھی۔ دروازہ بڑی آسانی سے کھل گیا اور دروازہ کھلتے ہی اچانک بھنبھناہٹ کی وہ مکروہ آواز ایک دم رک گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے سر پر بجتے ہوئے ہتھوڑے روک دیئے گئے ہوں۔ خدا کی پناہ کیسی ڈراؤنی آواز تھی۔ جس نے میرے اعصاب جھنجھوڑ کر رکھ دیئے تھے۔ بہرحال دروازے کی دوسری جانب پہنچ کر میں رکا میں نے اپنے آپ کو ایک بہت بڑے وسیع و عریض اور نہایت گرم ہال میں کھڑے ہوئے پایا یہ ہال بھی خالی تھا دروازے پر بڑے خوبصورت بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ ایک عجیب سی ناگوار بو محسوس ہو رہی تھی۔ شمع سر سے اونچی کرکے میں نے ہال کا جائزہ لیا۔ ایک طرف ایک سرخ پردہ پڑا ہوا تھا۔ ذرا سا پردہ اٹھا کر دوسری طرف جھانکا تو بے اختیار میرے منہ سے ہلکی سی آواز نکل گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا گول کمرہ تھا جس کے درمیان میں رکھی ہوئی سیاہ میز پر کئی پلیٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے بعض پلیٹوں سے دھوئیں کی لکیر بلند ہو رہی تھی۔ میں دلچسپی سے آگے بڑھا اور میں نے ڈھکی ہوئی پلیٹوں میں سے ایک کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا اور پھر میں اپنی بے اختیار چیخ کو نہ روک سکا۔ پوری ڈش تھی جس میں انسانی آنکھیں ہلکے گلابی رنگ کے شوربے میں تیر رہی تھیں۔ سو فیصدی وہ انسانی آنکھیں ہی تھیں۔ چھوٹی بڑی بے نور آنکھیں میں نے جلدی سے قاب کا ڈھکن ڈھک دیا میرے پورے بدن میں لرزش پیدا ہوگئی تھی اور خوف و اضطراب میرے مردہ بدن میں سرایت کر گیا تھا میرے خدا اس سے بھیانک منظر شاید ہی کبھی کسی کو دیکھنے کو ملا ہو۔ میں کالے رنگ کی اس میز پر دوسرے برتنوں کو دیکھنے لگا۔ کئی اور دوسری قابیں بھی تھیں۔ خوف کا غلبہ کچھ کم ہوا تو میں نے ایک اور قاب سے ڈھکن اٹھایا اس میں انسانی انگلیاں بھری ہوئی تھیں۔ گاڑھے گاڑھے سرخ خون میں ڈوبی ہوئی۔ ناقابل یقین عمل تھا انتہائی ناقابل یقین یکایک مجھے اپنے پیچھے سے وہی بھنبھناہٹ سنائی دی اور میں نے دہشت سے پلٹ کر دیکھا۔ نہ جانے کیوں مجھے یوں لگا جیسے آدم خور مکھیاں اس کمرے میں گھس آئی ہوں لیکن کمرے میں کوئی مکھی نہیں تھی کچھ لمحوں تک

خاموش کھڑا میں یہ آوازیں سنتا رہا اور سمت کا اندازہ لگانے لگا پھر مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ آواز میرے دائیں ہاتھ پر کسی اور جگہ سے آرہی ہے۔ ممکن ہے کسی کمرے سے چنانچہ میں اس کمرے سے باہر نکلنے کے لئے دبے پاؤں باہر آگیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس راہداری میں داخل ہوگیا جو مجھے پہلی بار نظر آئی تھی۔ راہداری میں بہت سے دروازے تھے لیکن کمرے کے سامنے والے دروازے سے یہ آواز آرہی تھی۔ میرا تجسّس جاگ اٹھا اور میں نے شمع زمین پر رکھی اور چند قدم آگے بڑھ کر دروازے کے قریب پہنچ گیا اور میں نے دروازے سے کان لگا دیئے۔ اب شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی یہ مکروہ آواز اسی کمرے سے آرہی تھی اور دروازے کے رخنوں سے ایک انتہائی ناگوار بدبو باہر نکل رہی تھی۔ میں گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا اور میں نے دروازے کی ایک درز سے باہر دیکھنے کی کوشش کی مگر گھپ اندھیرا تھا۔ تجسّس اس قدر بھڑکا ہوا تھا کہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کیا کروں کیا نہ کروں۔ باہر نکلنے کا وہ راستہ غائب ہوچکا تھا۔ جہاں سے میں اندر آیا تھا اب یہ کمرے در کمرے راہداریاں یہ سب کچھ زیر زمین تھے۔ میرے ذہن میں ایک تجسّس ابھرا۔ اب جب یہاں آ ہی پھنسا ہوں تو اس جگہ کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کروں کہ آخر یہ ہے کون سی جگہ اور پھر یہ بھنبھناہٹ کی آواز جو پہلے بھی مجھے سنائی دی تھی اس وقت میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اس معمے کو کسی بھی قیمت پر حل کرلوں۔ چنانچہ میں سنبھل گیا میں نے اپنے حواس جمع کئے۔ شمع اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لی اور دروازے کی ہتھی کو بہت آہستگی سے گھمایا۔ دروازہ کھل گیا تھا لیکن دروازہ کھلتے ہی وہ آواز ایک دم خاموش ہوگئی۔ یوں لگا جیسے کسی کو میری آمد کا علم ہوگیا ہو۔ میں نے شمع سر سے اونچی کی اور اس کی روشنی کمرے میں ڈالی اور پھر ذرا سا آگے بڑھ کر کمرے میں جھانکا تو ایک بار پھر میرے سارے وجود میں گڑگڑاہٹ پیدا ہوگئی۔ میری روح سمٹ کر حلق میں آگئی اور جسم کا رواں رواں کانپنے لگا۔ اس کمرے کے ایک گوشے میں پرانی طرز کی ایک مسہری پڑی ہوئی تھی جس کے چاروں طرف باریک ریشمی پردے لٹک رہے تھے اس مسہری کے دوسری جانب دو بھاری کرسیاں رکھی ہوئی تھیں لیکن ان تمام چیزوں میں خوف کی کوئی چیز نہیں تھی۔ البتہ جو میز مجھے نظر آرہی تھی وہ ایک پتھر کی چوڑی سل تھی۔ جس پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ کھلی ہوئی آنکھوں والی بے نور لاش اور وہ ناقابل برداشت بدبو جو سڑے ہوئے گوشت کی تھی اسی لاش سے اٹھ رہی تھی۔ میں نے ایک لمحے کے لئے وہاں سے بھاگ جانے پر غور کیا لیکن پھر ہمت کی کہ ذرا دیکھوں تو سہی کہ اس طلسم خانے میں اور کیا کیا ہے۔ چنانچہ میں نے ناک چٹکی سے پکڑی اور دوسرے ہاتھ

سے شمع سنبھال کر کمرے میں داخل ہوگیا تاکہ لاش کو قریب سے دیکھ سکوں پہلی نگاہ میں وہ مجھے سیاہ رنگ کی ایک لاش معلوم ہوئی۔ گہرا سیاہ چہرہ لیکن جب اس سیاہی کا راز میری سمجھ میں آیا تو اتنی زیادہ دہشت مجھ پر طاری ہوگئی کہ بے اختیار چیخ نکل گئی اور شمع میرے ہاتھ سے چھوٹ کر اس لاش پر جاگری۔ بڑی بڑی ہزاروں سیاہ مکھیوں کا ایک زبردست جتھہ اس لاش سے چمٹا ہوا تھا اور سیاہ رنگ کی بڑی بڑی آدم خور مکھیاں لاش کا گوشت کھانے میں مصروف تھیں۔ شمع گرتے ہی مکھیوں کا یہ بادل لاش پر سے اٹھا ان کے پروں کی بھنبھناہٹ اتنی لرزا خیز تھی کہ میں اچھل کر پیچھے گرا۔ اچانک ہی کسی چیز سے میرا پاؤں ٹکرایا اور دوسرے لمحے میں فرش پر گر گیا اسی لمحے کچھ گڑگڑاہٹ کی آوازیں سنائی دیں لیکن دوسرے لمحے جو عمل ہوا تھا وہ میری زندگی کا سب سے خوفناک اور ناقابل یقین تجربہ تھا۔ آن واحد میں ہزاروں خون آشام مکھیاں میرے جسم سے چمٹ چکی تھیں اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے جسم میں باریک باریک سوئیاں چبھ رہی ہیں۔ درد کی شدت سے میں حلق پھاڑ کر چیخنے لگا۔ میں نے جوش وحشت میں ان مکھیوں کو ہاتھ مار مار کر دور کرنا چاہا مگر بے سود ان کی نوکیلی پردار ٹانگیں میری کھال میں پیوست ہو رہی تھیں اور ان کی بھنبھناہٹ کا شور اتنا بھیانک تھا کہ سارا کمرہ گونج رہا تھا۔ ان میں سے ایک مکھی بار بار میرے ہونٹ پر بیٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے ہاتھ مار کر اسے زمین پر گرایا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ غیر معمولی جسامت رکھتی ہے اتنی بڑی مکھی' خدا کی پناہ میں بری طرح ناچ رہا تھا۔ شمع تابوت پر گر کر شاید بجھ چکی تھی۔ میں نے اندھیرے میں ٹٹول کر اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی اور پھر پھرتی سے اٹھ کر باہر نکل بھاگا۔

☆======☆======☆

مجھے یوں لگا جیسے وہ مکھیاں اس کمرے سے باہر نہ نکلنا چاہتی ہوں جیسے ہی میں باہر نکلا مکھیاں میرے جسم پر سے ہٹنے لگیں۔ میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ میں نے اپنی آنکھوں پر زور دے کر اپنے جسم پر چمٹی مکھیوں کو تلاش کیا لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ اب کوئی مکھی میرے جسم پر نہیں تھی۔ خدا کی پناہ! خدا کی پناہ انہوں نے میرے جسم میں جگہ جگہ باریک باریک سوراخ کر دیئے تھے۔ یہ خون آشام مکھیاں' ان کی بھنبھناہٹ کی آواز اب بھی ابھر رہی تھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ بہرحال میں وہاں سے باہر بھاگا اور میرے ذہن میں ایک تصور پیدا ہو گیا۔ میں غلط کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔ مکھیوں کی بھنبھناہٹ اگر اسی کمرے تک محدود رہتی تو ٹھیک تھا۔ دروازہ کھول کر میں نے غلطی کی۔ میرا دل خوف و دہشت سے لرزنے لگا۔ اب کیا کروں کیا کرنا چاہئے۔ کون سا ایسا طریقہ ہو سکتا ہے کہ میں ان مکھیوں سے بچوں۔ کہیں یہ باہر نہ نکل آئیں۔ جس کرب ناک اذیت سے میں گزر چکا تھا اس کے بعد مزید تکلیف برداشت کرنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ خدا نہ کرے میں دوبارہ اس کمرے میں جاؤں۔ آہ۔ میں کیا کروں۔ کیا کرنا چاہئے۔ اب ایسا طلسم کشائی کا شوق بھی نہیں تھا۔ سب کچھ ذہن سے نکل گیا تھا اور ایک تجربہ یہ ہو رہا تھا کہ اپنی ذات سب سے مقدم ہے۔ باقی سب کچھ بعد میں ہی آتا ہے۔ میں ایک خوفناک تجربے سے دوچار تھا اور اس وقت نہ تو ربابہ میرے ذہن میں تھی اور نہ ہی کوئی اور تصور یہاں تک کہ بھوک کا خیال بھی مٹ چکا تھا جو کچھ میں نے دیکھا تھا اس نے ہی میرے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا تھا لیکن یہ طلسمی جگہ' اب کے تو واقعی ایک ایسی مصیبت میں گرفتار ہوا تھا جس کے بارے میں کچھ سوچنا ذہن کو تھکا دینے کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہیں دے سکتا تھا۔ یا پھر خوف و دہشت کے وہ لمحات جو یہاں جگہ جگہ موجود تھے میز پر لگے ہوئے وہ کھانے جو ایک بھیانک حیثیت رکھتے تھے اور کسی کے دل کی حرکت بند کر دینے کے لئے کافی تھے۔ یا پھر وہ کمرہ' آہ وہ لاش کس کی تھی جسے یہ خون آشام مکھیاں بھنبھوڑ رہی تھیں۔ کیسا بھیانک منظر تھا وہ۔ میں تو ایک لمحہ بھی اس جگہ

نہ رکتا لیکن کیا کرتا بدن میں مکھیوں کے پیروں کی چبھن اب بھی محسوس ہو رہی تھی لیکن تکلیف میں وہ شدت نہ تھی جو تھوڑی دیر پہلے تھی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا تمام کمرے عبور کر کے اس کمرے تک آ گیا۔ جہاں آ کر میری زندگی کے راستے بند ہو گئے تھے اور یہ دیکھ کر میرا صبر و ضبط رخصت ہونے لگا کہ اب وہ ڈھلوان جگہ بھی موجود نہیں تھی جہاں سے میں نیچے گرا تھا گویا میں ایک بند قبر میں تھا اور اس قبر میں لاتعداد عذاب میرے منتظر تھے۔ میں ایک جگہ بیٹھ گیا اور نہ جانے کیوں ایک خیال میرے دل میں ابھرنے لگا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ زندگی مجھ سے روٹھ چکی ہے اور اب میں زیر قبر طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار ہوں لیکن پہلی بات تو یہ کہ موت کے بعد جسم کی کوئی حیثیت نہیں رہتی اور بات صرف روح کی رہ جاتی ہے اور جب روح کا جسم سے رابطہ منقطع ہو جاتا ہے تو پھر جسمانی تکلیف بے حقیقت رہ جاتی ہے لیکن یہ صرف میری منطق تھی۔ ایک غیر معلوماتی عمل کیا پتہ قبر کے نیچے کیا ہوتا ہے۔ پھر خود ہی اپنے آپ پر ہنسی آ گئی۔ میرے اعمال اس قدر بہتر نہیں ہیں کہ میری قبر اس قدر کشادہ ہو۔ اس کے علاوہ بارش کے پانی میں بھیگ رہا تھا اور اپنے قدموں سے چل کر یہاں تک پہنچا تھا۔ عمل چاہے کیسا بھی ہو لیکن کیا ہوا تو میرا اپنا ہی تھا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے' اس کا مطلب ہے یہ قبر نہیں ہے۔

بہت سی احمقانہ سوچیں میرے ذہن میں آتی رہیں اور مجھے خود پر ہنسی آ گئی۔ خون آشام مکھیوں نے میرے جسم کو جو نقصان پہنچایا تھا اب وہ کافی بہتر ہو گیا تھا۔ بہرحال تجسس تو برقرار تھا۔ ابھی آگے دیکھنا تھا کہ یہاں کیا کیا ہے۔ زندگی جتنے کھیل کھیل چکی تھی اس کے بعد کسی چیز کی کوئی خاص پرواہ نہیں رہی تھی۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اب یہ نئی جگہ اگر میرا مہمان خانہ بنی ہے تو یہاں دیکھتا ہوں کہ کیا ہوتا ہے اور اس کے بعد اگر تقدیر نے زندگی کے کچھ اور سال مخصوص کر دیئے ہیں تو پھر اس زندگی سے لطف اٹھاؤں گا۔ ورنہ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں کافی دیر تک اپنے آپ کو سمجھاتا رہا پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور میں نے سوچا کہ جس جگہ کو میں اپنی قبر سمجھتا رہا ہوں۔ ذرا اس کا جائزہ تو لیا جائے۔ ایک بات خاص طور سے کہی جا سکتی تھی وہ یہ کہ جس عمارت میں اس وقت میں موجود تھا وہ قدیم اور پرانی طرز کی بنی ہوئی تھی۔ جو دروازہ مجھے اپنے سامنے نظر آ رہا تھا اس کی تعمیر بھی مجھے صدیوں پرانی معلوم ہوتی تھی لیکن بہرحال میں اس چھوٹے سے دروازے سے گزر کر اندر پہنچا تو میرا دل و دماغ روشن ہو گیا۔ کیا ہی عظیم الشان ہال تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس دروازے کے دوسری طرف یہ دنیا آباد ہو گی۔ یہ ہال تو معلوم ہوتا تھا جیسے زمانہ قدیم کے کسی بادشاہ کی ملکیت ہو۔ ہر طرف اعلیٰ درجے کا فرنیچر پڑا ہوا تھا

دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے تھے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس ہال میں چار مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ یہ عجیب و غریب مجسمے تھے۔ پُرہیبت' پُرہول بھیانک صورتوں کے مالک تھوڑا بہت ہندو ازم کے بارے میں جانتا تھا۔ ان کے دیویوں اور دیوتاؤں کے نقوش دیکھ چکا تھا لیکن یہ پُراسرار اور ہیبت ناک مجسمے کسی روایتی دیوی یا دیوتا کے نہیں تھے ان کی شکلیں الگ ہی تھیں۔ دفعتاً ہی مجھے ایک مدھم سی آواز سنائی دی اور پھر میرے عقب سے کوئی روشنی لئے ہوئے اس ہال نما کمرے میں داخل ہوا میں نے فوراً ہی پلٹ کر دیکھا اور دیکھتا رہ گیا وہ ایک دراز قامت لڑکی تھی۔ بدن پر انتہائی حسین گلابی رنگ کا لباس سر پر ایک چمکتا ہوا تاج سرخ ہونٹ سیاہ آنکھیں' سفید رنگ' کوئی ایک نگاہ اسے دیکھتا تو دیوانہ ہوجاتا لیکن جو چیز میرے علاوہ کسی کو بھی ہوشیار کر دیتی وہ اس کے آٹھ ہاتھ تھے۔ جو اس کے جسم میں اگے ہوئے تھے۔ ان ہاتھوں میں اس نے شمعیں اٹھائی ہوئی تھیں اور یہ مصنوعی ہاتھ نہیں تھے بلکہ یہ جنبش کر رہے تھے۔ دوسری بات یہ کہ اس کے چلنے کا انداز عام انسانوں جیسا نہیں تھا۔ چلتے ہوئے وہ پاؤں نہیں اٹھا رہی تھی بلکہ یوں لگتا تھا جیسے یہ کسی تختے پر سوار ہو اور تختے پر پہیئے لگے ہوئے ہوں۔ اس کی رفتار بہت ہی مدھم تھی اور اس کے ہونٹوں پر ایک حسین مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے قریب آگئی اور اس نے کہا۔

"زندگی کی کتنی تکلیفیں اٹھاؤ گے تم زندگی تو بڑی حسین چیز ہے۔ کچھ دن کے لئے اس دنیا میں آکر اپنے لئے مصیبتیں کھڑی کر لیتے ہو۔" میں ایک لمحے تک اسے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"کون ہو تم؟"

"میں ست وتی ہو۔ مہاستی ست وتی! مجھے نہیں جانتے ہوگے تم؟"

"نام ہی یاد کرنا مشکل ہے تم جاننے کی بات کر رہی ہو۔"

"جو مجھے جان لیتے ہیں وہ میرے نام کا ایک ایک لفظ یاد رکھتے ہیں۔"

"خیر تم اس قدر خوبصورت ہو کہ تمہیں جاننا بڑا ضروری ہے۔" میں نے اس وقت بھی بے خوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا اور اس کی مسکراہٹ کشادہ ہوگئی پھر وہ بولی۔

"کسی برے ارادے سے یہاں آئے ہو تو آؤ میں تمہارا شریر پاک کردوں۔ تمہیں اس برے ارادے سے نجات دلا دوں۔ آؤ میرے ساتھ۔" وہ اسی دروازے کی جانب بڑھ گئی جس کی طرف میں بڑھ رہا تھا۔ یعنی اس ہال میں دوسرا بڑا دروازہ اور کشادہ۔ میں اس کے پاؤں دیکھنے لگا۔ وہ سیدھی پھسلتی ہوئی جا رہی تھی لیکن اس کے پیروں کے نیچے

کچھ بھی نہیں تھا کچھ لمحوں کے بعد وہ دوسرے کمرے میں آگئی۔ یہاں بھی کچھ مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ کمرہ عجیب و غریب قسم کا تھا۔ درمیان میں ایک حوض بنا ہوا تھا مجسمے کے منہ سے پانی کی دھاریں نکل کر اس حوض میں پڑ رہی تھیں۔ وہ اچھی خاصی موٹی دھاریں تھیں لیکن پانی حوض میں جمع نہیں ہو رہا تھا بلکہ کسی ایسی نالی کے ذریعے بہہ جاتا تھا جو حوض کے اندر ہی بنی ہوئی تھی۔ وہ وہاں پہنچ کر رک گئی اور پھر اس حوض کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"جاؤ۔ نیچے اتر کر اس کے درمیان پہنچ جاؤ۔" میں نے حوض کی طرف دیکھا اس میں چار سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں لیکن حوض خشک تھا میں نے اس سے سوال کیا۔

"کیوں؟"

"جاؤ جو کہا جا رہا ہے وہ کرو' مہمانوں کو میزبانوں سے سوال نہیں کرنا چاہئے۔"

"مگر میں زبردستی کا مہمان ہوں۔"

"نہیں تمہیں یہاں آنا ہی تھا چلو جاؤ۔" میں نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور آخر یہ فیصلہ کر کے نیچے اتر گیا۔ حوض کے درمیان پہنچا۔ مجسمے کے منہ سے نکلنے والی پانی کی دھاریں میرے منہ پر گرنے لگیں۔ پہلے بھی پانی میں بھیگا ہوا تھا بہرحال دھلتا رہا لیکن اچانک ہی مجھے محسوس ہوا جیسے سامنے کھڑی ہوئی حسین عورت کی نگاہیں میرے پورے جسم سے گزر رہی ہوں۔ اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"تو تم ارمیز نہیں ہو۔ تم اس کا دوسرا جنم نہیں ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"اشوریہ کا سپہ سالار ارمیز! جسے ربابہ سے محبت تھی۔"

"تمہیں اس بات کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔" میں نے سوال کیا اور وہ اس سوال کے جواب میں مسکرا دی پھر بولی۔

"ان باتوں کو جانے دو۔ اگر تم ارمیز نہیں ہو تو بتاؤ پھر کون ہو؟ ویسے یہ بھی تمہیں بتا دوں کہ بڑے بڑے کٹھن مرحلوں سے گزر چکے ہو۔ چڑیلیں' بھوت اور نہ جانے کون کون سی بری روحیں تمہارے اردگرد چکراتی رہی ہیں۔"

"دیکھو ست وتی! تمہارے کہنے سے میں اس حوض میں آگیا ہوں۔ اب اگر مجھے موقع دو تو میں باہر نکل آؤں۔ اگر دوست ہو تو دوستی کا مظاہرہ کرو اور اگر دشمن ہو تو پھر دشمنی نبھاؤ۔" وہ آہستہ سے ہنس دی۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ مجسمے کے عقب سے ایک بار پھر تین لڑکیاں باہر نکلیں۔ میری سمجھ میں یہ نہیں رہا تھا کہ جادو منتر کے

کھیلوں میں ان لڑکیوں کا دخل ضرورت سے زیادہ کیوں ہوتا ہے۔ بہرحال ان کے ہاتھوں میں کچھ دبا ہوا تھا جب وہ میرے قریب پہنچیں تو میں نے ان کے ہاتھوں میں دبے ہوئے تھال دیکھے۔ ان میں عمدہ قسم کے کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے تھال کو ذرا نیچے کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کے لئے یہ لباس ہے مہاراج! اسے پہن لیجئے۔" ایک لمحے تک سوچنے کے بعد میں نے یہ لباس اٹھا کر دیکھا اور سوچا کہ میں اسے کیسے پہن سکتا ہوں۔ یہ سلک کا لمبا لبادہ تھا نہایت خوبصورت اور اس کے نیچے پہننے کے لئے بھی ایک چست لباس موجود تھا۔ میں نے لباس اٹھالیا اور ان سے کہا۔

"تم لوگ جاؤ۔ میں لباس پہن لوں گا۔"

"ہم آپ کو پہنا دیتے ہیں مہاراج۔"

"جاؤ۔ بکواس مت کرو ورنہ میں یہ اٹھا کر پھینک دوں گا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا ان تینوں نے سامنے کھڑی ہوئی حسین عورت کو دیکھا اور پھر اس کے اشارے پر وہاں سے واپس چلی گئیں۔ ست وتی نے مجھے دیکھا اور بولی۔

"مجھ سے بھی پردہ رہے گا کیا؟"

"کیوں۔ کیا تم میری بیوی ہو؟" وہ ہنسنے لگی پھر بولی۔

"اچھا بابا۔ ٹھیک ہے۔ پہن لو۔ میں باہر جارہی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ باہر چلی گئی۔ میں بہرحال یہ تمام چیزیں بغور دیکھتا رہا۔ میری عقل میرا ساتھ چھوڑ رہی تھی کیا کروں' کیا نہ کروں۔ بہرحال تھوڑی دیر تک میں سوچتا رہا اور اس کے بعد میں نے یہ لباس پہن لیا۔ میں نے سوچا کہ اب جو حالات پیش آگئے ہیں انہیں نظرانداز تو نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ دل میں ایک خوف کا سا احساس ضرور تھا۔ پتہ نہیں وہ لوگ بھی مجھے ارمیز سمجھ رہے تھے یا پھر کوئی اور سلسلہ تھا۔ ایک لمحے کے اندر میں نے اپنے آپ کو سمجھاتے ہوئے دل میں سوچا کہ گل شیر' صورت حال جو کچھ بھی ہے چچا گلاب شیر تمہیں یاد ہیں اور اپنے ماضی کی وہ تمام داستانیں جنہیں خوفناک ترین کہا جاسکتا ہے۔ تم نے جب بھی دانش مندی سے کام لیا۔ مشکلات حل ہوئیں اور جب بھی کبھی جذباتی ہوئے۔ مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ کوئی مندر معلوم ہوتا ہے۔ جہاں یہ سارا طلسمی کھیل چل رہا ہے۔ اپنے آپ کو سنبھال کر رکھو جن واقعات سے گزر چکے ہو ان میں یہ تو ظاہر ہوچکا ہے کہ یدھ پال تمہاری موجودگی اور زندگی سے واقف ہوگیا ہے اور تمہیں غلط راستوں پر بھٹکا رہا ہے۔ چنانچہ اب ذرا سنبھل کر چلنا ہے۔ لباس پہننے کے بعد میں وہاں سے باہر

آگیا۔ میں نے ان مجسموں کے پیچھے ان تین حسین عورتوں کو تلاش کیا لیکن جناب کسی کا وجود ہی مشکل تھا۔ چنانچہ میں اس دروازے کی جانب چل پڑا جہاں سے یہاں تک آیا تھا لیکن سب کچھ خوفناک حد تک طلسمی حیثیت رکھتا ہے۔ دروازے کی دوسری جانب کا ماحول ایسا نہیں تھا جس ماحول سے گزر کر میں یہاں تک آیا تھا بلکہ ادھر جو کچھ میں نے دیکھا وہ بہت ہی عجیب وغریب تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص دونوں ہاتھ جوڑے پالتی مارے بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے ایک انسانی جسم لیٹا ہوا ہے لیکن ایک لمحے غور کرنے پر مجھے فوراً ہی یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ جسم ربابہ کے سوا کسی اور کا نہیں ہے۔ ربابہ کو اس حالت میں دیکھ کر میرے سارے وجود میں ایک شدید سنسنی دوڑ گئی۔ دل میں بے اختیار اس کی محبت امنڈنے لگی اور اس بے اختیاری میں میرے قدم اس کی جانب بڑھ گئے۔ میں نے دیکھا کہ خوفناک شکل کا یدھ پال جسے میں تصویر میں زندہ دیکھ چکا تھا۔ ربابہ کے جسم پر ہاتھ پھیر رہا ہے اور ساتھ ہی کوئی منتر پڑھتا جارہا ہے۔ میرے قدموں کی چاپ پر ایک دم سے یدھ پال چونک پڑا اور ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوتا جارہا تھا۔ پھر وہ غضب ناک انداز میں اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے بپھرے ہوئے زخمی درندے کے مانند غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تُو یہاں کیسے آیا؟ کس نے تجھے اجازت دی کہ تُو یہاں تک پہنچ جائے۔ تُو جانتا ہے یہ میری خلوت گاہ ہے اور یہاں میں اپنے من کا کام کرتا ہوں۔ پاپی! اگر تُو سمجھتا ہے کہ ربابہ کو مجھ سے چھین لے گا تو یہ تیری بھول ہے۔" مجھے ایک دم جیسے ہوش آگیا۔ میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تُو گدھا ہے یدھ پال! نہ جانے کون سا کھیل تیرے ذہن میں ہے۔ جو سوچ رہا ہے وہی غلط ہے یہ معصوم لڑکی جو چڑیل نہیں ہے مگر تُو نے اسے معصوم چڑیل بنا دیا ہے۔ یہ میری ہے میں اسے تجھ سے چھین کر لے جاؤں گا۔" یدھ پال بدستور غضبناک انداز میں مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے اور ایک دم سے نیچے گرا دیئے۔ اچانک ہی ایک سیاہی کی سی چادر میرے اور اس کے درمیان تن گئی۔ مندر کے تہہ خانے کا سارا منظر تاریکی میں گم ہوگیا۔ میں ایک دم آگے بڑھا تھا اور یدھ پال تک پہنچنے کی کوشش کی تھی میں نے لیکن میرے قدم آگے بڑھتے رہے نہ تو میں ربابہ کے جسم سے ٹکرایا نہ ہی میرے ہاتھ یدھ پال تک پہنچ سکے۔ میرے ذہن پر ایک عجیب سی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور پھر چند ہی لمحوں کے بعد میری یہ کیفیت دور ہوگئی۔ اس بار میں جس جگہ موجود تھا وہاں بے شمار بدصورت بت کھڑے ہوئے تھے اور یہاں آس پاس اور کوئی موجود

نہیں تھا۔ البتہ تھوڑے فاصلے پر ایک عجیب سی آواز ابھر رہی تھی۔ میں تیزی سے وہاں پر آگے بڑھا تو دفعتاً ہی ایک دروازے سے یدھ پال پھر باہر نکل آیا۔ وہ بدستور خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں۔ تُو یہ بتا کہ تیری یہاں آمد کس سلسلے میں ہوئی ہے۔"

"میرا خیال ہے یدھ پال! تُو بھی جانتا ہے میں بھی جانتا ہوں۔ تُو نے میرا راستہ روکنے کی ہزاروں کوششیں کی ہیں لیکن تو میرا راستہ روک نہیں سکا۔"

"میں کہتا ہوں کہ پاپی تو مجھے یہ بتا کہ ربابہ کو تُو مجھ سے کیسے حاصل کرے گا۔ وہ تیری نہیں ہوسکتی اب۔ تم دونوں نے جو کچھ کیا ہے وہ پرانی بات ہے۔ اب وہ میری ملکیت ہے۔"

"میں ہر قیمت پر اسے یہاں سے لے جاؤں گا۔"

"ذممکن نہیں ہے تیرے لئے۔ صدیوں سے یہ کھیل ہو رہا ہے اور صدیوں تک ہوتا رہے گا۔ تُو اگر ہزار جنم بھی لے لے تب بھی میں اس لڑکی کو تیرے حوالے نہیں کروں گا۔ کیا سمجھا۔ میری شکتی اسے مجھ سے نہیں چھین سکتی۔" پھر اچانک ہی میرے اندر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ حالانکہ یہ سارے واقعات اور حالات بڑے سنسنی خیز تھے لیکن اس وقت جو کیفیت میرے اندر ابھری تھی۔ وہ بڑی ہی دلچسپ تھی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اب جو کچھ میں بول رہا ہوں وہ میری زبان سے نہیں بلکہ میرے دل سے پیدا ہو رہا ہے۔ میرے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔

"یدھ پال! صدیوں سے یہ کھیل جاری ہے نا۔"

"کیا تُو نہیں جانتا۔"

"میں تو بہت کچھ جانتا ہوں لیکن بیوقوف! تُو کچھ نہیں جانتا۔"

"بکواس کرے گا۔ مجھ سے جو جو بری باتیں کرے گا تو تجھے اس کا صلہ بھگتنا پڑے گا۔"

"تُو کچھ بھی نہیں ہے یدھ پال! اگر واقعی صدیوں سے جیتا ہے اور اس سارے کھیل میں ملوث ہے۔ تو میں تجھے ایک بات بتاؤں۔ تجھے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ تُو اتنا ہی احمق اور بیوقوف ہے۔ کچھ بھی نہیں سمجھ پا رہا تو کیا تجھے اس بات کا علم نہیں ہے کہ میں وہ نہیں ہوں۔ جو تُو سمجھ رہا ہے۔"

"کیا مطلب ہے تیرا؟"

"تُو میرے لئے جنم جنم کے کھیل کا لفظ استعمال کر رہا ہے۔ جنم جنم کا کوئی کھیل

نہیں ہے۔ میرا تو یہ پہلا اور آخری جنم ہے۔ اس کے بعد جب روز قیامت مجھے اٹھایا جائے گا تو سیدھا میدان حشر میں ہوں گا۔ اس وقت نہ تُو ہوگا اور نہ کوئی۔ ہم سب اپنا اپنا حساب دینے کے لئے میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے۔ ہمارے ہاں کوئی جنم نہیں ہوتا۔"

"تو پھر تُو کون ہے اور یہاں کیوں مر رہا ہے۔"

"اللہ کے فضل سے میں ایک مسلمان ہوں اور ایک ایسی روح کی مدد کرنے کے لئے آیا ہوں جس نے بار بار میری قربت اور میری مدد چاہی ہے۔"

"اب تُو پاگل پن کی باتیں کر رہا ہے اور شاید مجھے بیوقوف بنا رہا ہے۔ میں نہیں جانوں گا تمہیں تم لوگ ساتھ ہی ساتھ تو اس جہاں میں آئے تھے۔ میرا مطلب ہے میرے سنسار میں۔ اب تم بے کار باتیں مت کرو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ میں تمہیں بتا دوں کہ میں تجھے فنا کر دوں گا۔"

"یہی تو تیری بھول ہے۔ فنا کرنے والی ذات باری ہے تُو کیا اور تیری اوقات کیا۔ اپنے ان جادوئی ہتھکنڈوں سے تُو میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔"

"یہ بات ہے۔" یدھ پال نے کہا اور اس کے ہونٹ تیزی سے ہلنے لگے وہ یقیناً کوئی جادو کا منتر پڑھ رہا تھا اور میں اس بات کے لئے تیار ہو گیا تھا کہ اب میرے لئے مشکل وقت آگیا ہے۔ بس نہ جانے کہاں سے میرے اندر ایک قوت ابھری تھی۔ اچانک ہی یدھ پال نے اپنا جاپ ختم کر کے میری طرف پھونک ماری۔ بھڑکتے شعلے نمودار ہو کر میری سمت لپکے لیکن میں نے فوراً ہی منہ سے لفظ بسم اللہ کہا اور اس کے بعد لاحول پڑھا ایک لمحے کے اندر عمل ظاہر ہو گیا۔ آگ کے شعلے میرے بدن سے ٹکرا کر ٹھنڈے پڑ گئے۔ میں کسی آہنی چٹان کی طرح اپنی جگہ کھڑا رہا اور میرے اندر ایک عجیب سا اعتماد پیدا ہو گیا۔ حالانکہ یہ پہلے سے سوچا سمجھا منصوبہ نہیں تھا لیکن میرے منہ سے خودبخود بسم اللہ اور اس کے بعد لاحول نکلا تھا اور اس کا جو نتیجہ ہوا تھا اس نے میرے ایمان کو اور مضبوط کر دیا۔ اِدھر یدھ پال نے جھلا کر اپنے پاؤں زمین پر مارے اور جس جگہ اس نے پاؤں مارے وہاں سے دو کالے ناگ نمودار ہو کر میری جانب بڑھے۔ میں نے بسم اللہ پڑھ کر ان کی طرف پھونک ماری۔ میرا یہ عمل کرنا تھا کہ دونوں سانپ بیچ سے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک لمحے تک وہ پختہ فرش پر تڑپتے رہے پھر غائب ہو گئے۔ یدھ پال کے ہونٹ سختی سے بھنچ گئے تھے اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا اور مجھے مزہ آرہا تھا۔ وہ خاموش کھڑا میری سمت گھورتا رہا۔

میں اپنی جگہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اب وہ مجھ سے مقابلہ کرنے کے لئے کوئی نیا عمل کر

رہا ہے اور بڑے زبردست پیمانے پر کر رہا ہے لیکن اس بار جو کچھ ہوا وہ ذرا مختلف تھا۔ اچانک ہی اوپر سے کھولتے ہوئے پانی کی ایک بدبودار دھار میرے اوپر پڑی۔ پانی اتنا شدید گرم تھا کہ ایک لمحے کے اندر میں نے اپنی جگہ چھوڑی تھی لیکن میرا پورا بدن آگ کے شعلوں میں گھر گیا تھا اور میں بری طرح تکلیف کا شکار ہوگیا تھا۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑی اور اپنے جسم پر پڑ جانے والے آبلوں کو دیکھنے لگا۔ اِدھر یدھ پال مسلسل حملے کر رہا تھا۔ یہاں کبھی خطرناک جانوروں کی آوازیں گونجنے لگتیں تو کبھی آگ کے شعلے بلند ہونے لگتے۔ میرے جسم پر جو آبلے پڑے تھے وہ بے شک مجھے تکلیف دے رہے تھے اور میرا دم گھٹا جا رہا تھا۔ نہ جانے کیسے کیسے خوفناک عمل کئے جا رہے تھے لیکن بس میں نے درود شریف کا ورد شروع کردیا تھا اور اس کے بعد میری کیفیت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ آبلوں کی تکلیف ختم ہوگئی تھی اور تھوڑی دیر تک ہمارے درمیان یہ مقابلہ جاری رہا۔ وہ اپنے طور پر ہر طرح کے عمل کر رہا تھا اور میں صرف درود پاک پر انحصار کر رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اچانک ہی فضا میں ایک عجیب سی بدبو پھیل گئی اور مجھے یوں لگا جیسے میرا سانس بند ہوگیا ہو۔ میں بری طرح چکرانے لگا۔ میں نے ہاتھ پاؤں مارے لیکن میں وہ نہ کرسکا جو کرنا چاہتا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد میرا بدن اور ذہن تاریکیوں میں گم ہوگیا۔ یہاں مندر میں، میں بہت کچھ کرنا چاہتا تھا لیکن پتہ نہیں کیا ہوگیا تھا میرا ذہن بری طرح سو گیا تھا اور میں اب گہری نیند میں سوگیا تھا۔ بہرحال جب تک زندگی ہوتی ہے یہ سارے کھیل ہوتے ہی رہتے ہیں۔ نہ جانے کتنی دیر اس نیند کا شکار رہا اور یہ نیند تو تھی بھی نہیں۔ ایک ایسی غشی جو جادوئی عمل کے تحت ہوئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ رات ہوگئی ہے۔ آسمان پر ستارے چمکے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی حواس مزید بیدار ہوئے تو احساس ہوا کہ بدن کے نیچے پتھریلی زمین ہے۔ مزید ہوش آیا تو قرب وجوار کا جائزہ لیا۔ محسوس ہوا کہ صرف آسمان اور زمین اس کے علاوہ آس پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ گہری تاریکی کی وجہ سے تھا۔ کون سی جگہ ہے یہ۔ کھلے آسمان کا مطلب یہ ہے کہ اس پُراسرار عمارت سے باہر نکل آیا ہوں جس میں یدھ پال سے مقابلہ ہوا تھا لیکن کیا وہ واقعی مقابلہ تھا۔ وہ تو کم بخت ایک جادوگر تھا' جنتر منتر جاننے والا۔ میرے پاس کیا تھا۔ میں نے تو صرف اللہ کا نام لے کر اس سے زندگی بچائی تھی لیکن فوراً ہی مجھے یہ احساس ہوا کہ لفظ "صرف" اس جگہ بالکل غلط ہے اللہ تعالیٰ کی ذات صرف تو نہیں ہے۔ آگے پیچھے بہت کچھ ہے۔ میں کافی دیر تک اسی طرح سوچتا رہا اور اس کے بعد اٹھ کر بیٹھ گیا۔ واقعی اس قدر گہری تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ آسمان پر کھلے ستارے

بھی زمین تک اپنی روشنی بھیجنے میں ناکام ہو رہے تھے۔ پتہ نہیں کیوں؟ دفعتاً ہی مجھے ایک سرسراہٹ سی سنائی دی اور میں چونک پڑا۔ تب ایک آواز ابھری۔

"جاگ گئے۔" نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ آواز جانی پہچانی ہے۔ میں اس پر غور کرنے لگا کہ یہ کس کی آواز ہے لیکن ذہن ساتھ نہیں دے سکا تھا۔ تب اس آواز نے کہا۔

"میں سونار ہوں۔" ایک دم میرے ذہن کے تمام خانے روشن ہوگئے۔ میرے منہ سے لرزتی ہوئی آواز نکلی۔

"سونار!"

"ہاں۔"

"تم کہاں ہو؟"

"تم سے تھوڑے فاصلے پر۔"

"کیا تمہیں میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا علم ہے۔"

"پوری طرح۔"

"میں یدھ پال کے مقابلے میں ناکام ہوگیا ہوں۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔"

"کیوں؟"

"تم ناکام نہیں ہوئے۔"

"تم نے کہا ہے نا کہ تم میرے ساتھ پیش آنے والے اب تک کے واقعات سے واقف ہو۔"

"ہاں' اور تمہیں مبارک باد دیتا ہوں کہ تم نے یدھ پال کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس کے سارے منصوبے خاک میں ملا کر رکھ دیئے ہیں ورنہ وہ اس قدر مہان گیانی ہے کہ کوئی اس کے سامنے ایک لمحے ٹھہر نہیں تک سکتا۔ تم کیا سمجھے ہو کیا اس نے تمہیں زندہ رکھنے کی کوشش کی ہوگی لیکن وہ تمہیں نہیں مار سکا۔ البتہ اس نے اپنے جادو منتر سے کام لے کر اتنا ضرور کردیا ہے کہ تمہیں یہاں نکال کر پھینک دیا ہے۔ شاید تمہیں اس بات کا یقین نہ آئے کہ میں بڑی دیر سے تمہاری حفاظت کررہا ہوں۔ کیونکہ آس پاس سانپ' بچھو بہت زیادہ ہیں بلکہ یہ علاقہ سانپوں کا علاقہ کہلاتا ہے۔ میں نے بڑی دیر سے تمہارے اردگرد ایک حصار قائم کردیا ہے۔ جس کی وجہ سے خوفناک زہریلے ناگ تم سے دور ہیں۔" میرے بدن میں کپکپی سی دوڑ گئی۔ میں نے کہا!

"سونار! اگر تم یہ ساری باتیں جانتے ہو تو تمہیں اس بات کا علم بھی ہوگا کہ وہاں یدھ پال سے میرے ساتھ کیا واقعات پیش آئے ہیں میں نے وہاں ربابہ کو دیکھا ہے۔"

"یدھ پال کے پاس ربابہ موجود ہے لیکن ہوش کے عالم میں نہیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ کم بخت اسے اپنے سامنے لٹائے اس کے بدن پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔"

"اس کی نیت میں کوئی برائی نہیں تھی۔ وہ مسلسل اس پر منتر پڑھ رہا ہے۔ ربابہ کا جسم اس کے قبضے میں ہے۔ تم نے جس ربابہ کو دیکھا ہے وہ صرف اس کی روح ہے۔ وہ جسم اس نے اپنے قبضے میں کر رکھا ہے اور اپنے جنتر منتر سے کام لے کر مسلسل ان کوششوں میں مصروف ہے کہ ربابہ کی روح کو اس کے جسم میں واپس داخل کرسکے اور جب ربابہ کی روح اس کے جسم میں داخل ہوجائے تو وہ اسے اپنا بنالے یہ اس کا منصوبہ ہے۔"

"کیا یہ منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا؟"

"یہ تم پر منحصر ہے۔"

"مگر میں سب کچھ تو کر چکا ہوں اور کیا کرسکتا ہوں۔"

"میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

"تو پھر بتاؤ۔"

"نہیں ایسے نہیں۔ یہ سب کچھ تمہیں خود کرنا ہوگا میں تمہیں وہاں تک پہنچا سکتا ہوں۔ جہاں تمہاری اس سلسلے میں رہنمائی ہو سکتی ہے۔" میں نے آنکھیں پھاڑ کر سونار کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن تاریکی کی وجہ سے وہ مجھے نظر نہیں آسکا۔ میں اس کا ہیولا تک نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"وہ کون سی جگہ ہے سونار۔"

"تمہارے لئے ایک اچھی جگہ ہوگی وہ لیکن سوچ لو تمہیں یہ سب کچھ کرنا ہے یا نہیں۔"

"سونار! تم یہ بات جانتے ہو کہ میں نے بھی اپنی زندگی ربابہ کے لئے وقف کردی ہے۔ میں اسے ہر قیمت پر حاصل کرلوں گا۔ چاہے نتیجہ کچھ بھی ہو۔ میں یہ بات تو ہرگز نہیں مان سکتا کہ میں زمانہ قدیم کا ارمیز ہوں لیکن گل شیر ہوتے ہوئے بھی مجھے ربابہ کی اس قدر طلب ہے جتنی اصل ارمیز کو ہو سکتی تھی۔ میں کم از کم یدھ پال سے اسے بچانا اور نکالنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے پھر اٹھ جاؤ۔ ابھی ہمت کرنا ہوگی تمہیں کیونکہ دن کی روشنی تمہیں یدھ پال کی نگاہوں کے سامنے نمایاں کردے گی۔ اس نے یہاں تمہیں رات کی تاریکیوں میں پہنچایا ہے۔ تمہیں رات کی تاریکیوں ہی میں اس کی دنیا سے دور نکل جانا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔"

"آؤ۔" ایک ہاتھ آگے بڑھا اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا پھر اس کے بعد تاریکیوں کا سفر شروع ہوگیا۔ نہ جانے یہ تاریکیاں مجھے کہاں لے جا رہی تھیں۔ میں نے ابھی اس بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔ سونار نے بھی مجھے اس سلسلے میں کوئی تفصیل نہیں بتائی تھی۔ نہ جانے کتنا فاصلہ طے کرلیا ہم نے۔ میرے ہوش وحواس جاگے تب میں نے کہا۔

"سونار! ہم کہاں ہیں۔"

"اُسی علاقے میں یہ جگہ اتنی چھوٹی نہیں ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو اور مجھے آگے کیا کرنا ہے۔ اس بارے میں تو مجھے کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔" سونار تھوڑی دیر تک خاموش رہا لیکن اس نے اپنا سفر جاری رکھا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ بولا۔

"دیکھو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو۔ تم زیادہ دور نہیں جاؤ گے۔ تمہاری منزل تو کالا مندر ہی ہے لیکن یدھ پال تمہیں بھٹکانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ وہ تمہیں اس طرح سے چکر دے گا کہ تم چکرا کر رہ جاؤ گے اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ بھٹکا بھی سکتا ہے وہ تمہیں ساری زندگی اور اس کا نتیجہ صرف وقت اور حالات پر چھوڑنا ہوگا بولو اس کے لئے تیار ہو یا نہیں۔"

"خیر اس سلسلے میں ہر قدم اٹھانے کا فیصلہ کرلیا ہے مجھے اس کی بالکل پرواہ نہیں ہے کہ آنے والا وقت میرے لئے کون سے راستے منتخب کرے گا۔ میں ہر طرح سے تیار ہوں۔"

"یہی حوصلہ تمہیں کامیابی کی منزل دے گا بس میں نے جو کچھ کہہ دیا ہے اسے گرہ میں باندھ لو وہی تمہارے لئے سب سے بہتر مقام ہوگا۔"

"لیکن پھر بھی سونار! مجھے اس بارے میں کچھ تو بتاؤ۔" سونار پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا اس نے کہا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ تمہاری رہنمائی کسی نہ کسی طرح سے ضرور کی جائے گی اور جو تمہیں صحیح منزل کا پتہ دے سمجھ لو وہی تمہارا رہنما ہے بس اس سے زیادہ میں اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ میرا علم بھی محدود ہے چونکہ تم جانتے ہو کہ میں خود یدھ پال کا ایک

چیلا رہ چکا ہو۔"

"ٹھیک ہے اگر ایسی بات ہے تو میں تیار ہوں۔ ربابہ کے لئے میں ہر قدم اٹھا سکتا ہوں۔" پھر ہمارا یہ سفر ختم ہوگیا۔ صبح کا اجالا پھوٹنے لگا تھا اور مجھے شدید نیند آرہی تھی میں نے دیکھا کہ آس پاس چھوٹے بڑے مندر پھیلے ہوئے ہیں۔ نہ جانے کون سی جگہ تھی یہ یہاں اچھے خاصے یاتری بھی آئے ہوئے تھے اور انہوں نے جگہ جگہ ڈیرے بنا رکھے تھے میں نے سونار کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"وہی ایک جگہ ہے بس یہاں کئی مندر ہیں۔ یاتری خاص طور سے کالا مندر کے لئے آتے ہیں لیکن اور مندر بھی یہاں آس پاس موجود ہیں۔"

"میں تو سخت تھک گیا ہوں۔"

"سوجاؤ۔ گہری نیند سو جاؤ۔ کسی بھی درخت کے نیچے پڑ رہو۔ میں چلتا ہوں۔" سونار نے کہا میں نے نیم غشی کے عالم میں گردن ہلادی تھی۔ پھر واقعی میں سوگیا۔ ایسا سویا کہ شام کو چار بجے کے قریب آنکھ کھلی کھانے پینے کی چیزوں کی دکانیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک دکان سے پوری اور ترکاری خرید کر کھائی۔ کرنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ اب میری نگاہیں اس شخص کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں جس کے بارے میں سونار نے کہا تھا کہ وہ میری رہنمائی کرے گا۔ خاصا وقت گزر گیا تھا ایک بار پھر رات ہوگئی۔ میں نے ایک جگہ ڈیرا جمالیا تھا۔ رات کے کوئی دس بجے تھے ایک پرانے مندر کے قریب بیٹھا میں آنے جانے والے یاتریوں کو دیکھ رہا تھا۔ چار یاتری ایک لمبے تڑنگے شخص کے پیچھے بڑی عقیدت سے چلتے ہوئے میرے قریب سے گزرے۔ لمبے تڑنگے شخص کے سر پر بال کمر تک لٹکے ہوئے تھے۔ اس نے سر سے پاؤں تک دھوتی جیسا لباس لپیٹا ہوا تھا۔ بازو کھلے ہوئے تھے سینے تک داڑھی تھی۔ آنکھوں پر چشمہ لگا ہوا تھا۔ مجھ سے چند قدم آگے بڑھ کر وہ رک گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اس کی نظریں مجھ پر جم گئیں۔ وہ چاروں آدمی بھی میری طرف متوجہ ہوگئے تھے وہ شخص پلٹ کر میرے قریب آکھڑا ہوا اور میں بھی کسی قدر گھبرائے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا اس نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

"آپ یہاں مہاراج.......... آپ یہاں کب آئے۔"

"آج ہی........" میں نے بدستور گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ میں اسے بالکل نہیں پہچان سکا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو دیکھ کر کہا۔

"مجھے میرے بہت پرانے دوست ملے ہیں۔ کچھ دیر ان سے بات کروں گا۔ آپ

لوگ اپنے استھان پر جائیں اور آرام کریں کل پھر چلیں گے۔" وہ چاروں ہاتھ جوڑ کر جھکے ہوئے واپس چلے گئے۔ جب وہ دور نکل گئے تو اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"کالی شکتی والے۔ یہ بھگوان دوار ہے یہاں تیرا کیا کام۔"

"تم کون ہو؟ میں نے تمہیں نہیں پہچانا۔"

"دینا ناتھ ہے ہمارا نام۔ تو ہمیں کہاں پہچانے گا۔ ہم نے تجھے اوش پہچان لیا ہے۔"

"کیا جانتے ہو میرے بارے میں؟"

"تیرے شریر سے کالی بساند اٹھ رہی ہے تیری پہچان کے لئے یہ کافی ہے۔"

"اوہ میں سمجھا کچھ اور جانتے ہو تم میرے بارے میں۔" میں نے گہری سانس لے کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کیا کر رہا ہے یہاں؟"

"یاترا۔" میں نے کہا اور ہنس پڑا۔

"بھسم ہو جائے گا۔"

"کیوں.........؟"

"کالی گندگی لے کر تو بھگوان کے چرنوں میں جائے گا۔"

"تم بڑے گیانی معلوم ہوتے ہو۔ فوراً کالی شکتی کو پہچان لیا۔ اس سے آگے بھی کچھ جانتے ہو یا اتنا ہی؟" وہ مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"اپنے دونوں ہاتھ سامنے کرو۔" اس نے کہا اور میرے پاس بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ تھوڑی بہت روشنی ہر جگہ سے چھن رہی تھی۔ وہ میرے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ دیر تک وہ میرے ہاتھوں پر نظریں جمائے رہا۔ پھر اس کے منہ سے ایک چونکی ہوئی آواز سنائی دی۔ "واہ رے.......... اوہ.......... او.........." اس نے غور سے میرا چہرہ دیکھا اور پھر ہاتھ آگے بڑھا کر میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"جیوتش ودیا پر وشواس رکھتے ہو؟"

"خود بولتے رہو دینا ناتھ جی۔ ہم سے کچھ نہ پوچھو۔"

"ہم نے تھوڑا سا جیوتش کا علم سیکھا ہے تمہاری ریکھاؤں میں جو نظر آرہا ہے وہ عجیب ہے کچھ کہہ سکو گے؟ کچھ پوچھیں بتاؤ گے۔"

"اگر بتانے کی بات ہوئی تو۔"

"ہندو دھرم سے نہیں ہو؟" وہ میرے ہاتھوں پر آنکھیں جمائے ہوئے بولا۔

"آگے چلو۔"

"وقت کے مارے ہو۔ مگر شکتی مان ہو۔ بڑا دل رکھتے ہو مگر دکھوں سے بھرا........."

"اور.........؟"

"حیرانی کی بات ہے۔ سمجھ میں آنے والی تمہاری ریکھائیں عجیب ہیں۔ ریکھاؤں میں سارے جیون کی کہانی نہیں ہوتی۔ ستاروں کی چال بدلتی رہتی ہے ریکھائیں بگڑتی رہتی ہیں مگر سب سے زیادہ ایک بات حیران کر رہی ہے۔"

"کیا؟"

"تمہارا دھرم کیا ہے؟"

"جو بھی شیطان سے قریب ہو جائے جو اسے دیوتا مان لے دھرم کی قید نہیں ہوتی لیکن شیطان کا ایک ہی دھرم ہوتا ہے یعنی شیطنت نہ پھر ہندو ہندو ہوتا ہے۔ نہ مسلمان' مسلمان۔ وہ سب شیطان کے چیلے ہوتے ہیں۔"

"تم خود کیا ہو؟"

"صرف انسان' بچپن سے گیان دھیان سے دلچسپی تھی سب کچھ چھوڑ کر اس کی تلاش میں لگ گیا۔"

"کیا پایا؟"

"شانتی۔ صرف شانتی۔"

"جیوتش سیکھی؟"

"ہاں۔ ایک مہان آتما مل گئی تھی اس نے اپنا گیان دے دیا۔"

"اور.........؟" میں نے کہا اور وہ مسکرا دیا۔

"میری ایک بات پوری نہیں کی۔ اپنی پوچھے جا رہے ہو۔"

"میں کچھ بھی نہیں ہوں دو کوڑی کا انسان ہوں۔ بس اس کے جال میں پھنس گیا ہوں۔ راستے کی تلاش میں بھٹک رہا ہوں۔ تلاش کرتا رہوں گا اس وقت تک جب تک موت نہ آجائے۔"

"اتنا انتظار کیوں کرتے ہو؟"

"پھر کیا کروں؟"

"سورج کا سفر۔ دوڑنا پڑے گا کرنوں کے ساتھ دوڑنا پڑے گا' رک گئے تو کبھی

منزل نہ پاؤ گے اور پہنچ گئے تو فیصلہ ہو جائے گا۔ منزل کتنی دور ہے کوئی نہیں جانتا مگر چلنا پڑتا ہے۔ دوڑنا پڑتا ہے وہیں فیصلہ ہو جائے گا۔"

"سورج کا سفر؟"

"ہاں۔"

"کیسے؟"

"میں بتا سکتا ہوں۔"

"بتاؤ۔"

"ایسے نہیں۔ گرو ماننا پڑے گا۔ گرو دکھشنا دینا پڑے گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا.........؟" میں نے پوچھا۔

"محنت سے کمائی کر کے چار لڈو۔ جب ہو جائیں اسی جگہ آجانا انتظار کروں گا۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ عجیب سا آدمی تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے بہت بڑا ہو لیکن چھوٹا بنتا ہو۔ سورج کا سفر گرو دکھشنا۔ محنت کی کمائی سے' محنت کی کمائی سے۔ کہاں سے کماؤں۔"

رات ہو گئی۔ بہت دور نکل آیا۔ دینا ناتھ یاد تھا۔ وہ جو کچھ کہہ گیا تھا جی کو لگ رہا تھا ایک سنسان گوشہ دیکھ کر وہیں پڑ رہا۔ وہاں صبح ہو گئی کوئی دس بجے تھے میں نے ایک ادھیڑ عمر شخص کو دیکھا ٹین کا صندوق سر پر رکھے اس پر بستر رکھا ہوا تھا۔ ساتھ میں اسی کی عمر کی عورت تھی جو دو وزنی تھیلے اٹھائے ہوئے تھی۔ ڈگمگاتے قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔ میرے قریب سے گزرا تو گردن گھما کر مجھے دیکھا اور صندوق سے بستر گر پڑا۔ اس نے صندوق بھی بستر پر پھینک دیا اور وہیں بیٹھ گیا عورت نے تھیلے زمین پر پٹخ دیئے۔

"اب آگے ناہی بڑھو گے کا........." عورت غصے سے بولی۔

"اے چپ آگے کی بچی......... کھوپڑیا پچک کر سڑا ہوا خربوزہ بن گئی اور تیں کہے ہے آگے بڑھو۔" مرد جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اور پکڑو پانی' پانی دان سے یاترا کو آویں کی کا جرورت تھی گھر کو ہی مندر بنا لیتے۔"

"اور ریل کا کرایہ تو جیسے تیرے میکے سے آیا تھا۔ وہ سسرا پندرہ روپے مانگ رہا تھا ہم نے آٹھ لگا دیئے تب بھی نہ مانا۔" مرد نے کہا اور پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ "ارے بھائی او رے بھائی ارے ذرا ادھر آنا میرے بھائی۔ ارے

مزدوری کرے گا کیا رے۔ سامان اٹھا کر کالا مندر پہنچا دے بھئی ایک بکس اور ایک بستر ہے رے۔"

"ارے ارے تمہاری کھوپڑیا تو بچی کچی کھربوجا بن گئی ہے وہ مجدور لاگے ہے تمہیں کا۔" عورت نے مرد کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ایں؟" مرد مجھے دیکھنے لگا مگر میرے ذہن میں چھناکا ہوا تھا مزدوری۔ محنت کی کمائی۔ یہ محنت کی کمائی ہی ہوگی چنانچہ میں نے آگے بڑھ کر کہا۔

"کتنے پیسے دو گے۔"

"ارے چار روپے دیں گے پورے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلادی اور پھر بکس بستر اٹھا کر سر پر رکھ لئے۔ عورت نے دونوں تھیلے میرے بازوؤں میں ڈال دیئے تھے میں چل پڑا اور پھر انہیں مندر پہنچا دیا۔ بہت سے یاتری یہاں موجود تھے۔ مرد نے سامان ایک جگہ رکھوا دیا اور پھر انٹی سے مڑے تڑے نوٹ نکالے اور گھگھیا کر بولا۔

"ارے تین روپے لے لے بھائی تیرا بھلا ہوگا۔"

"بھگوان تمہیں سیدھا کرے۔ نکالو پانچ روپے اور اسے دو۔" عورت جھلا کر بولی۔

"اری او ساہو کارنی پانچ روپے کاہے کے ری۔"

"یہ تھیلے جو اٹھائے ہیں اس نے تے یہ سامان نہیں کیا۔"

"ارے لے بھائی۔ ایک روپیہ اور لے۔ تو جا اس ساہو کارنی کو تو ہم دیکھ لیں گے۔" مرد نے ایک روپیہ اور دے کر جان چھڑائی۔ میں چار روپے لے کر پلٹا۔ تلاش کرکے میں نے ایک دکان سے لڈو خریدے دو روپے کے مل گئے تھے۔ ایک فقیر نے ہاتھ پھیلایا تو بچے ہوئے دو روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ پھر اس جگہ پہنچ گیا جہاں دینا ناتھ ملا تھا۔ بے شمار لوگ اِدھر سے اُدھر گھوم پھر رہے تھے۔ ایک شخص ٹاٹ کی بوری سر پر رکھے گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا۔ متجسس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ تبھی مجھے "شی شی۔" کی آواز سنائی دی اور میں چونک کر پلٹا۔ دینا ناتھ نے بوری اتار کر بغل میں دبائی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ آؤ چلیں یہاں سے۔" ہم دونوں آگے بڑھ گئے۔ پھر وہ کافی دور جا کر ایک پتھر پر بیٹھ گئے اور مسکرا کر بولے۔ "لڈو لے آیا بیٹا۔"

"ہاں یہ ہیں.........."

"ٹھیک ہے گرو بھگتی کر۔ ایک لڈو ہمارے منہ میں رکھ۔" انہوں نے کہا اور میں

نے ان کی ہدایت پر عمل کیا انہوں نے ایک لڈو اٹھا کر میرے منہ میں رکھا اور بولے۔ "اب ہمارے چرن چھو کر ماتھے سے لگا۔ ہاتھ جوڑ کر ہمارے سامنے دو زانو بیٹھ جا۔"

"کیا؟" میں حیرت سے بولا۔

"ہاں۔ یہ گرو کا احترام ہے۔"

"نہیں دینا ناتھ جی۔ یہ میرے لئے ممکن نہ ہوگا۔ کچھ ہو یا نہ ہو مگر یہ نہیں ہوگا۔" میں کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اور دینا ناتھ مجھے غور سے دیکھنے لگے پھر مسکرا کر بولے۔

"مسلمان ہے۔ مسلمان ہے تجھ سے تیرا دھرم کون چھین سکتا ہے بھلا' سب سسرے بے وقوف ہیں۔ پاگل ہیں آ یہاں بیٹھ جا میں تجھے بتاؤں سورج کا سفر کیا ہے۔ آ بیٹھ جا تو فولاد ہے۔ تجھے کوئی آسانی سے نہیں توڑ سکتا۔" میں بیٹھ گیا۔ "میرے ساتھ چلنا ہوگا تجھے۔"

"کہاں؟"

"زیادہ دور نہیں۔ بس کسی بھی ایسی جگہ جہاں رکاوٹیں نہ ہوں جو بتاؤں وہ کرنا ہوگا۔"

"میرے حکم نہ ماننے سے آپ ناراض تو نہیں ہوئے دینا ناتھ۔"

"نہیں تیرا دھرم پتہ چل گیا۔ مسلمان کسی کو وہ تعظیم نہیں دیتے جو ان کے رب کے لئے مخصوص ہے۔ اس پر تو لاکھوں گردنیں کٹی ہیں اتنا مجھے معلوم ہے۔ خیر ان باتوں کو چھوڑ کیا کہتا ہے۔ چلیں۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔"

"تو نے لڈو کھلایا ہے بھائی اتنا تو کرنا ہی پڑے گا۔" دینا ناتھ ہنستے ہوئے اٹھ گئے اور پھر ہم وہاں سے چل پڑے دینا ناتھ نے کہا تھا کہ کچھ دور جانا ہوگا مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ ہم آبادیوں کو پیچھے چھوڑ آئے جنگل شروع ہوگئے۔ جھٹپٹا ہوا' چڑیوں کا شور' بندروں کی خوں خوں ابھرتی رہی۔ پھر رات ہوگئی نہ وہ رکے نہ وہ تھکے نہ میں اور جب چاند نکلا تو ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ایک بدشکل ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔ چاروں طرف ابھری ہوئی ناہموار زمین۔ سوکھے درخت مکمل خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔

"یہ جگہ ہے۔" دینا ناتھ نے کہا اور رک گیا۔ چاروں طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "سورج وہاں سے بلند ہوگا۔" اس نے انگلی سے اشارہ کیا تھا۔

"مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"راستہ چاہتا ہے نا۔"

"ہاں راستہ چاہتا ہوں۔"

"سورج تجھے راستہ بتائے گا۔ اجالا ہونے سے پہلے تیار ہوجانا اپنے بدن کو ہوا کا بدن بنا لینا۔ کسی سے مدد نہ مانگنا پھر جب سورج سر ابھارے گا تو اس کی کرنیں زمین کی طرف لپکیں گی جو کرن پہلے زمین کو چھوتی ہے وہ سرتاج ہوتی ہے۔ اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ اس میں ہزاروں رنگ تڑپ رہے ہوتے ہیں وہ زمین پر دوڑتی ہے دور تک سورج کا پیغام لے جانے کے لئے۔ اس دن کی بادشاہی اسے ملتی ہے۔ تجھے سرتاج کرن کے ساتھ ساتھ دوڑنا ہوگا۔ اس کی رفتار کے ساتھ۔ کرن کھوگئی تو تیرا مستقبل بھی کھوجائے گا وہاں تجھے تیرا مستقبل مل جائے گا بس یہی بتانا تھا تجھے۔"

"یہ سب کیا ہے؟"

"بھگوان ہی جانے۔" دینا ناتھ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"مجھے تو یہ کہانی لگتی ہے۔"

"یہ سچی کہانی ہے۔"

"پہلے میں نے یہ کرن کہانی نہیں سنی۔"

"بہت سوں نے نہ سنی ہوگی تو ہی کیا' لیکن یہ کرن سب کے لئے ہوتی ہے۔ سورج کی اس کرن کو پکڑ لیا جائے تو سارے کام بن جاتے ہیں تو نہیں جانتا۔ بہت سے نہیں جانتے مگر پنکھ پکھیرو جانتے ہیں۔ وہ پرواز کرتے ہیں۔ اس کرن کے ساتھ......... وہ دوڑتے ہیں تو کیا سمجھتا ہے پنکھ پکھیرو بھگوان کے داس نہیں ہوتے' سب اسے جانتے ہیں سب اسے پہچانتے ہیں۔ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ اس کی عبادت کرتے ہیں اسے مانتے ہیں۔ ہر صبح کو سورج نکلنے سے پہلے اسے یاد کرتے ہیں۔ کرن کے ساتھ دوڑنے میں کچھ رہ جاتے ہیں کچھ پار لگ جاتے ہیں جو رہ جاتے ہیں وہ دوسری صبح پھر جاگ جاتے ہیں اور کرن کے پیچھے دوڑتے ہیں۔"

"کرن کہاں جاکر رکے گی؟"

"جہاں' کرنوں کا ملاپ ہوجائے گا۔ دھوپ پھیل جائے گی۔"

"وہاں میں کیا کروں گا؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔ اب میں چلتا ہوں۔" دینا ناتھ نے کہا اور میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ دینا ناتھ مجھ سے کچھ کہے بغیر واپسی کے لئے مڑ گیا تھا۔ میں اب اس سے کیا کہتا۔ خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس وقت تک جب تک وہ چاندنی میں مدغم نہ ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ یقیناً آبادی سے بہت دور

نکل آئے تھے۔ چاندنی کے سوا کہیں روشنی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ میں نے ایک جگہ منتخب کی اور بیٹھ گیا۔ ایک بار پھر خود کو امتحان میں ڈالا تھا۔ مگر یہ انوکھا امتحان تھا۔ انوکھی کہانی تھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ دینا ناتھ بھی تو سمجھ میں نہیں آیا تھا......... جو کچھ بھی ہے یہ کھیل ضرور کھیلوں گا۔ ایک مناسب جگہ منتخب کرکے لیٹ گیا۔ دل میں بہت سے وسوسے تھے۔ اگر سوگیا تو سوتا نہ رہ جاؤں۔ جاگتا رہا تو صبح تک نیند سے نڈھال ہوجاؤں گا۔ پھر کیا کروں......... بچپن کی ایک بات یاد آگئی۔ ماں نے بتائی تھی۔ امتحان دے رہا تھا۔ رات کو دیر تک پڑھتا تھا۔ ماں نے کہا۔

"اتنی دیر پڑھنا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔"

"اور امتحان........."

"سال بھر پڑھو تو آخری دنوں میں یہ مشکل نہ اٹھانی پڑے۔"

"اب تو پڑھنا ہی ہوگا۔"

"صبح کا سہانا وقت اس کے لئے بہت بہتر ہوتا ہے۔"

"صبح آنکھ نہیں کھلتی۔"

"ایک کام کیا کرو۔ جب رات کو سویا کرو تو اپنے ہمزاد کو ہدایت کردیا کرو کہ وہ تمہیں فلاں وقت جگا دے دیکھ لینا اس وقت جاگ جاؤ گے۔"

"یہ کیسے ہوتا ہے؟"

"بس ہوتا ہے........." ماں شاید خود بھی اس کی تشریح نہیں کرسکتی تھی میں مسکرا کر خاموش ہوگیا مگر پھر تجربہ کر ہی ڈالا۔ میں نے ہمزاد کو حکم دیا کہ مجھے صبح پانچ بجے جگا دے اور پہلے ہی دن اس وقت آنکھ کھل گئی جب گھنٹہ پانچ بجے کا اعلان کر رہا تھا اس کے بعد بارہا یہ تجربہ کیا اور کامیاب رہا۔ بہت عرصے کے بعد ہمزاد کا خیال آیا تھا۔ میں نے اسے ہدایت کی کہ مجھے ساڑھے چار بجے جگا دے اور پھر کھردری زمین پر لیٹ کر نیند کی خوشامد کرنے لگا۔ نیند چپکے سے آنکھوں میں آبسی تھی۔ یقیناً وہ ساڑھے چار بجے کا وقت ہوگا جب جاگ گیا تھا۔ سوتے ہوئے کروٹ بھی نہ بدلی تھی اتنی گہری نیند آئی تھی مگر اس نیند نے تھکن اتار دی تھی۔ اٹھ گیا آنکھیں مل کر صاف کیں چاروں طرف ہُو کا عالم طاری تھا۔ دل میں آج کے آنے والے وقت کا خیال آیا اور دل ہولنے لگا۔ میں یہ عمل کرسکوں گا یا نہیں۔ خود کو پُرعزم کرنے لگا۔ اجالا آہستہ آہستہ اترنے لگا۔ ماحول روشن ہونے لگا اور میں اس کھلاڑی کی طرح تیار ہوگیا جو اسٹارٹنگ پوائنٹ پر جاکر کھڑا ہوتا ہے۔ دینا ناتھ نے سورج کی سمت بتا دی تھی۔ میں نے اچھل اچھل کر پاؤں کھولے اور اُدھر نظریں جمادیں۔

سورج کا یہ کھیل زندگی میں دیکھنا تو کجا سو ن نہیں تھا۔ مگر کیا اہمیت تھی اس کھیل کی..........!

سورج بلند ہوا۔ کرنوں کا سیلاب امنڈ آیا اور میری آنکھیں زمین کا طواف کرنے لگیں۔ سرتاج کرن زمین کو چھوتی ہوئی آگے بڑھی میں نے چھلانگ لگا دی۔ اس کے رخ کا اندازہ ہوگیا تھا۔ دانت بھنچ گئے مٹھیاں بند ہوگئیں اور میں دوڑنے لگا۔ تیز ہوا نے کان بند کر دیئے۔ بدن کا رواں رواں دوڑ رہا تھا۔ اس وقت اسے انسانی قوت نہیں کہا جاسکتا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں گم ہوگئی تھیں بس بصارت زندہ تھی اور میں کرن پر جیسے سواری کیئے ہوئے تھا۔ شاید اس رفتار سے کسی انسان کو دوڑتے ہوئے کبھی نہ دیکھا ہوگا کیونکہ دیکھنے والا اس جگہ کون تھا۔ کچھ لمحات کے بعد ہی اپنے خام خیال کا احساس ہوا۔ میں تنہا نہیں تھا۔ یقیناً میں تنہا نہیں تھا۔ بہت سے پرندے میرے سرپر سفر کر رہے تھے۔ بہت سے چوپائے بھاگ رہے تھے۔ یہ کائنات کی سب سے حیرتناک دوڑ تھی جو ہر صبح ہوتی ہے مگر انسانی آنکھ نہ اسے دیکھتی ہے نہ سمجھتی ہے۔ پھیپھڑے پھٹ گئے تھے۔ بدن سڑ گیا تھا مگر ہمت ساتھ دے رہی تھی اندازے ختم ہوگئے تھے۔ یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ کتنا فاصلہ طے ہوا ہے۔ بس سرتاج کرن تھی اور میں.......... ساری کائنات دوڑ رہی تھی۔

پھر اچانک سرتاج کرن گم ہوگئی دوسری کرنوں نے اسے آلیا تھا اور اسے گود میں اٹھا کر گم ہوگئی تھیں۔ دھوپ پھیل گئی۔ سامنے ہی ایک تیز رفتار ندی کا شور سنائی دے رہا تھا۔ اس کے قریب درخت اور گھاس نظر آرہی تھی۔ سرتاج کرن کے گم ہوتے ہی میرے پیروں کی رفتار سُست ہوگئی۔ اعصاب نے بریکیں لگائیں۔ بدن کو کئی جھٹکے لگے اور میں چکرا کر گر پڑا.......... نیچے گھاس تھی۔ بدن کئی بار تڑپا اور پھر ساکت ہوگیا۔ یوں لگا جیسے بدن سے روح نکل گئی ہو اور میں بے جان ہوگیا۔ سکون ایک لامتناہی سکون۔ خاموشی' سناٹا اور یہ سناٹا بہت فرحت بخش تھا۔ آہ.......... موت کتنی حسین ہے۔ شاید میں مرگیا.......... بس پھر میں مرگیا.......... مگر موت جیسی حسین شے اتنی آسانی سے حاصل نہیں ہوتی۔ مجھے جگا دیا گیا۔ بتایا گیا کہ میں زندہ ہوں۔ زیرِامتحان ہوں اور امتحان اتنی آسانی سے ختم نہیں ہوتے۔ ایک ننھا سا خوش رنگ پرندہ میرے سرپر بیٹھا آہستہ آہستہ میری پیشانی پر چونچ مار رہا تھا۔ میرے بدن کو جنبش ہوئی تو وہ پُھر سے اُڑ گیا۔ زندگی کے احساس نے پوری طرح بیدار کر دیا تھا۔ ایک کراہ کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ندی کا شور مسلسل اٹھ رہا تھا۔ سیبوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ سخت بھوک لگ رہی تھی۔ درخت

نظر آرہے تھے۔ جن پر سیب جھول رہے تھے۔ آسانی سے اٹھ گیا۔ سیب توڑے اور انہیں چبانے لگا۔ خوب پیٹ بھر گیا پھر ندی سے پانی پیا۔ شام جھک رہی تھی کچھ دیر کے بعد تاریکی نیچے اتر آئی۔ دل میں کوئی خیال نہیں تھا۔ پرندے نظر آرہے تھے۔ کسی انسانی وجود کا نشان نہیں تھا لیکن کچھ دیر کے بعد کھنکارنے کی آواز ابھری اور میں سہم گیا۔

"آؤ۔" کسی نے کہا اور میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ "رکتے کیوں ہو آگے بڑھو۔" آواز نے کہا۔

"کون ہے.......... کہاں ہو تم۔" میں ڈری ڈری آواز میں بولا۔

"جستجو' صرف جستجو۔ قدم آگے بڑھاؤ۔" لہجہ کرخت تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کدھر قدم بڑھاؤں بہرحال چند قدم آگے بڑھا اور رک گیا۔ "بڑھتے رہو رکتے کیوں ہو۔" کہا گیا۔ تب مجھے محسوس ہوا کہ کوئی میرے آگے آگے چل رہا ہے۔ میں نے قدموں کی چاپ سے قدم ملا دیئے اور مجھے ایک ایسے خطے میں لایا گیا جہاں درخت ایک دائرے کی شکل میں تھے۔ یہاں انتہائی دلفریب خوشبو بکھری ہوئی تھی۔ کچھ نظر نہیں آرہا تھا لیکن احساس ہوتا تھا کہ بہت سے لوگ موجود ہیں۔ میں رک گیا۔

"یہ ہے؟" کسی نے کہا۔

"کیا نام ہے۔"

"گل شیر۔"

"کیا جرم ہے؟"

"گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں اگر لاکھوں برس سجدے میں سرمارا تو کیا مارا۔" ایک آواز ابھری۔

"اعتراض ہے۔"

"کیا.........."

"وہ ملعون جانتا تھا۔ توبہ کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔"

"یہ فیصلہ روزِ حشر کا ہے۔"

"اس فیصلے کا یہاں ذکر کہاں۔"

"تو یہ اجتماع یہاں کیوں ہے۔"

"ہمارا فرض ہے۔"

"کیسے؟"

"ایک مسلمان کو مدد درکار ہے۔ ارواحِ خبیثہ کے خلاف۔"

"مسلمان؟ رگوں میں دوڑتی غلاظت کے باوجود۔"

"یہ غلاظت اسے دھوکے میں ملی ہے۔"

"اس کا عمل کیا ہے؟"

"چند غلطیاں۔"

"توازن کیا ہے۔"

"کفارے کا پلڑا زمین سے لگا ہوا ہے۔"

"میزان درست ہے۔"

"پوری جانچ پڑتال کے ساتھ۔"

"اس کے ساتھ تعاون مشیت ایزدی سے انحراف کا گناہ تو نہ ہوگا۔"

"قاضی صاحب فیصلہ کریں گے۔"

"مختصر تفصیل۔" نئی آواز نے کہا۔

"خباثت سے مسلسل جنگ۔ اس کی قوتوں کے حصول کے باوجود ان سے مسلسل انحراف۔ صعوبتوں کی مسلسل برداشت۔ غیر دینی امور کو قبول نہ کرنا۔ بھٹکنا مگر سنبھلنا۔ کبھی زیر نہ ہونا۔ اپنے آپ کے لئے کچھ حاصل نہ کرنا۔ پلڑا بہت نیچے ہے۔"

"سزا مکمل ہے۔"

"اس کا فیصلہ کیسے ممکن ہے۔ ہاں سفارش کی جاتی ہے اس کی ایک اہم وجہ ہے۔"

"بتائی جائے۔"

"ہر خوف' ہر مصلحت سے بے نیاز ہو کر اس نے خود کو مسلمان کہلوایا ہے کبھی کسی مصلحت یا زندگی کے خوف نے اسے نام بدلنے پر مجبور نہیں کیا۔ کوئی احساس اس سے اس کا دین نہیں چھین سکا۔"

"آہ......... یہ قابل غور ہے۔"

"فرض بھی ہے۔ باطل قوتیں اسے مسلسل زیر کر رہی ہیں لیکن یہ ثابت قدم رہا اور اس کی مدد ہم میں سے ہر صاحب دین پر فرض ہوگئی۔ ہمیں اس کے لئے دعا کرنی ہوگی کہ باطل قوتیں اس سے دور ہو جائیں۔ اپنی بساط کے مطابق اس کی رہنمائی ہم پر واجب ہے۔"

"دعا کرو! ہاتھ اٹھالو۔" اور پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔ میرا بدن ہولے ہولے لرز رہا تھا دماغ ساکن تھا صرف سن رہا تھا۔ میں بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا۔ پھر آمین

کی گونج سنائی دی پھر ایک آواز نے کہا۔

"اے شخص! عمل افضل ہے اور سب کو ہدایت کی گئی ہے۔ بے عمل پتھر ہوتے ہیں کہ ہل نہیں سکتے اور ہوا اور پانی کے محتاج ہوتے ہیں۔ ہر ذی روح کو عمل دیا گیا تو ہماری عدالت میں تھا پھر فیصلہ حقائق کی بنیاد پر تیرے حق میں ہوا لیکن عمل صرف تجھے کرنا ہوگا۔ اس کے عوض ولایت نہ مانگنا۔ درویش نہ سمجھ بیٹھنا خود کو کہ یہ عمل صرف تیری ذات کی فلاح کے لئے ہے اور اس کا نتیجہ تیرے لئے بہتر ہوگا۔"

مکمل خاموشی طاری ہوگئی۔ میں مسلسل لرز رہا تھا۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اعصاب چیخ رہے تھے۔ خاموشی سے وہاں سے پلٹا اور واپس چل پڑا جس سمت سے یہاں تک آیا تھا وہ یاد تھی۔ سب کچھ ذہن میں گونج رہا تھا۔ ذہن اسے جذب کر رہا تھا نہ جانے کب تک چلتا رہا۔ رات آدھی سے زیادہ ہوگئی تو تھک کر زمین پر بیٹھ گیا اور پھر لیٹ گیا۔ پھر سو گیا۔ عجیب زندگی ہوگئی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اپنے لئے جینا تو چھوڑ ہی چکا ہوں۔ بس دوسروں کے لئے زندگی گزر رہی ہے۔ ربابہ بھی ایک خواب بن کر رہ گئی تھی۔ یدھ پال اس پر قبضہ جمائے ہوئے تھا اور کبھی کبھی میں یہ سوچنے لگا تھا کہ یہ ایک بے مقصد عمل ہے۔ خاص طور سے یہ معلوم ہونے کے بعد کہ ربابہ میری جانب میرے لئے نہیں بلکہ ارمیز کے لئے متوجہ ہوئی تھی اور میرا اپنا وجود اس کے لئے بے مقصد ہے۔ پھر اس دوران جو پُراسرار واقعات پیش آئے تھے۔ وہ بھی میری سمجھ میں آ رہے تھے۔ خدا کا شکر تھا کہ نیکوکاروں کی نگاہوں میں بدکار نہیں قرار پایا تھا اور یہ بھی خدا کی قدرت ہی تھی۔ ورنہ مجھے گناہ کی طرف راغب کرنے کے لئے کیا کیا کچھ نہیں کرلیا گیا تھا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا کروں۔ وحشتوں کا بسیرا تھا۔ جاگنے کے بعد ایک بار پھر چل پڑا تھا اور کسی منزل کے لئے کوئی تصور ذہن میں نہیں تھا۔ یدھ پال کے سامنے جس طرح ربابہ کا بے جان جسم پڑا تھا۔ اس کی حقیقت بھی معلوم ہو چکی تھی۔ ایک بار پھر سونار راستے میں مل گیا۔ میرے سامنے ہی کھڑا ہوا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو اور کیا سوچ رہے ہو۔ اپنا فرض پورا نہیں کرو گے۔"

"کوئی فرض نہیں ہے میرا۔ خواہ مخواہ مجھے ایک ایسی الجھن میں پھنسا دیا گیا ہے جو آگے چل کر بھی میرے لئے بے مقصد ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ ایک بے کس وجود جسے تم معصوم چڑیل کہتے ہو تمہارے راستے میں ہے۔ تمہاری مدد کا خواہش مند۔"

"میں اس کی مدد کیوں کروں؟"

"اس لئے کہ تم انسان ہو اور ہر انسان پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔"

"مگر میں کر کیا سکتا ہوں؟"

"آخری ضرب' آخری ضرب لگانی ہے تمہیں۔" اور یہ آخری ضرب لگانے کے لئے میں نے ایک بار پھر طویل راستہ طے کیا اور اس مندر میں داخل ہوگیا۔ سونار نے مجھے تمام تفصیلات بتا دی تھیں اور اس بار جب میں یدھ پال کے سامنے پہنچا تھا تو وہ بھی شاید میرے استقبال کے لئے تیار تھا اس نے کہا۔

"ہاں۔ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ تُو آرہا ہے اور مجھے یہ بھی پتہ چل گیا کہ اس بار تیرے ساتھ کچھ ایسی قوتیں شامل ہوگئی ہیں جو مجھے جینے نہیں دیں گی۔ میری نگاہوں میں تُو بے قصور ہے۔ قصور وار یہ ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ تو میں یہ دیکھ کر حیران ہوگیا کہ مندر کی ایک دیوار پر سونار کی تصویر لٹکی ہوئی ہے اور وہ دونوں ہاتھ اٹھائے خوفزدہ نگاہوں سے سامنے دیکھ رہا ہے۔ ایک اور خالی فریم سامنے ہی لٹکا ہوا تھا۔ یدھ پال نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور میں یہ جانتا ہوں کہ میری تمام تر شکتی اب اس معاملے میں بالکل بے مقصد ہے۔ چنانچہ تیرے ہاتھوں مرنے کے بجائے میں نے اپنے لئے خود فیصلہ کرلیا تھا۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا۔ سامنے لگے ہوئے فریم میں یدھ پال کی تصویر نظر آنے لگی تھی بالکل اس طرح جیسے سفید حویلی میں میں نے اس کا مکروہ چہرہ ایک فریم میں دیکھا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اچانک دونوں تصویروں میں آگ لگ گئی اور وہ کسی کاغذ ہی کی مانند جلنے لگیں۔ میں سکتے کے سے انداز میں یہ سارا عمل دیکھ رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ یہ دونوں تو اس انداز میں فنا ہوگئے۔ میرا وجود کیا معنی رکھتا ہے۔ تبھی میری نگاہ دو تابوتوں پر پڑی اور میں بے اختیار ان کی جانب بڑھ گیا۔ ان میں سے ایک میں ربابہ کا جسم موجود تھا۔ دوسرا تابوت کھول کر دیکھا تو مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ یہ میری لاش تھی لیکن ایک ایسے اجنبی لباس میں جس سے میری کوئی شناسائی نہیں تھی لیکن میری صورت اس لاش سے اس قدر ملتی تھی اور میں سمجھ گیا کہ یہ ارمیز ہے۔ دفعتاً ربابہ نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے دیکھتی رہی۔ پھر مدہم لہجے میں بولی۔

"اور یہ حقیقت ہے کہ اگر میں زندگی پاسکتی تو تجھے اپنے زندگی بھر کا ساتھی بناتی میرے دوست' میرے محسن' ہمیں قبر دے دے۔ ہم تا ابد تیرا احسان مانیں گے۔ ہمیں صرف قبر دے دے۔ یہی ہمارے حق میں تیرا احسان ہوگا۔

بہرحال میں نے محبت کی تھی۔ میں نے ربابہ کو چاہا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ ایک سنگین داستان تھی۔ ان دونوں کے لئے ایک چوڑی قبر تیار کرنے کے لئے میرا کافی وقت صرف ہوگیا تھا۔ بڑی محنت سے میں نے یہ قبر بنائی اور ان دونوں کے جسم اس قبر میں اتار دیئے۔ اس کے بعد میں وہاں سے چل پڑا۔ زندگی اس وقت تک گزارنی ہوتی ہے جب تک موت کی آواز نہ آجائے۔ میرے ذہن میں اب ایک ہی تاثر تھا طلسم کی دنیا سے حقیقتوں کی دنیا میں آجاؤں اور اپنے لئے انسانوں کی مانند ایک اچھا مستقبل تلاش کروں۔"

☆======ختم شد======☆